یہ چاہتیں یہ شدتیں

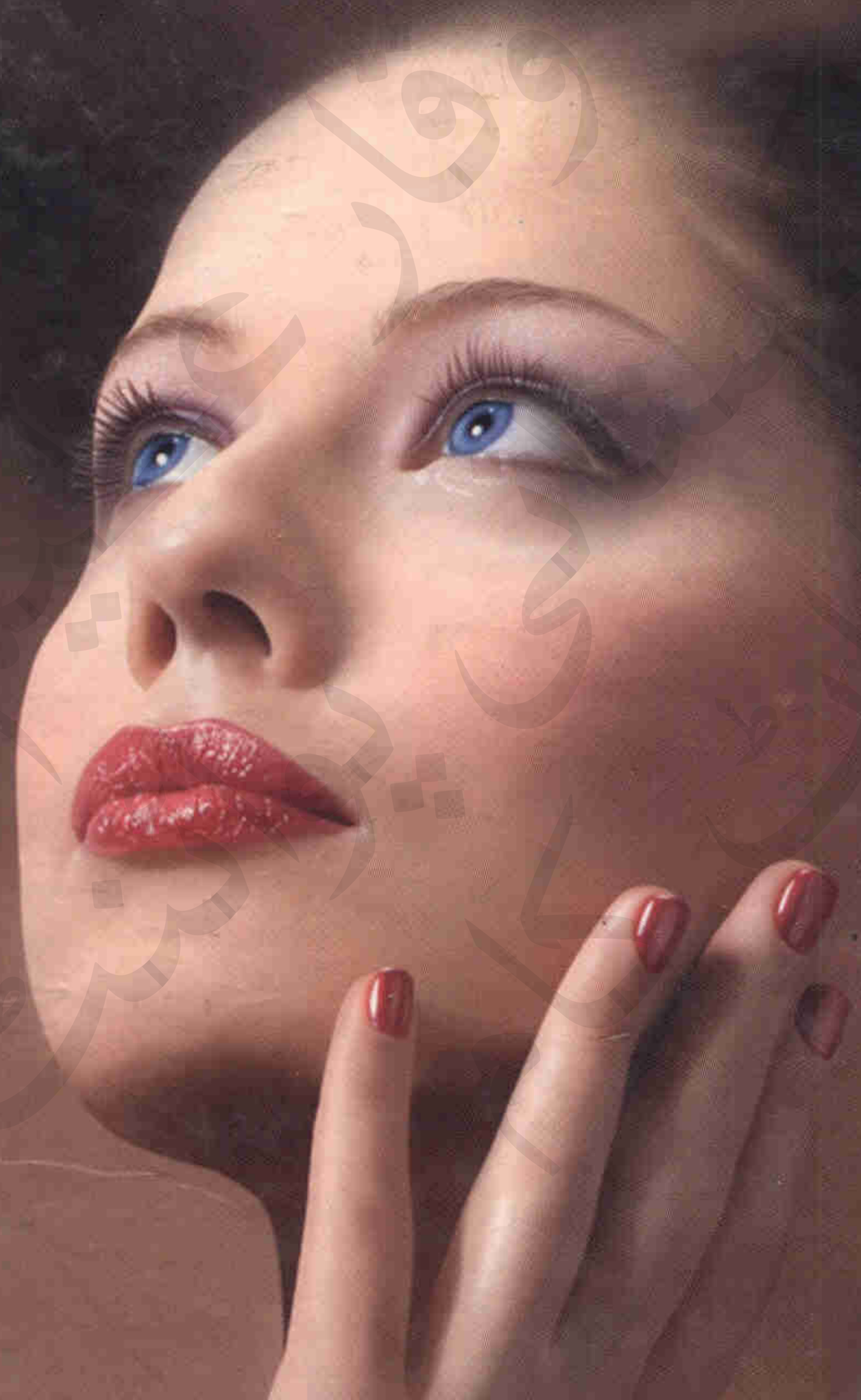

سمیرا شریف طور

دوم

دوئم

"طاہرہ' بھائی صاحب کی پسندیدگی سے لاعلم تھی۔ میں نے نفیسہ آپا سے بات کی تو وہ بھی حیران ہوئیں۔ طاہرہ جیسی کم گو' دبوسی لڑکی کو سعید احمد جیسے شخص' وجاہت و خوبصورتی کے شاہکار پسند کرلیں۔ حیرت کی بات ہی تو تھی۔"

وہ تلخی سے ہنسیں تو زرش کو ان کی تلخی عجیب سی لگی۔

"ماما! تائی جان تو بہت خوبصورت ہیں۔ اٹھنے بیٹھنے' ملنے ملانے ہر طرح کا سلیقہ ہے ان میں۔ پھر وہ تو گھر داری میں بھی ماہر ہیں۔ ہوسکتا ہے تایا جان کو یہی بات اٹریکٹ کرگئی ہو۔"

"ہاں' ہوسکتا ہے۔ مگر سعید بھائی کو طاہرہ کی صرف یہ ادا اچھی لگی کہ وہ کسی کے معاملے میں انٹرفیئر نہیں کرتی تھی۔ صرف اپنی ذات میں گم رہنے والی لڑکی ہے۔ ایسے لوگ اپنے لائف پارٹنر کے ساتھ بڑے فیئر ہوتے ہیں۔ یہ ان کا نظریہ تھا۔"

اب کی بار شائستہ کے لہجے میں تلخی کے ساتھ طنز بھی تھا۔ زرش چپ رہی۔

"طاہرہ میری بہت اچھی دوست تھی' بارہا میرا جی چاہا کہ اسے حقیقت بتاؤں۔ وہ جو گھر والوں کی طرف سے نظرانداز کیے جانے کے کمپلیکس میں مبتلا ہے اس کا احساس کمتری ختم ہوجائے۔ اسے بھی تو پتا چلے اپنی فیملی سے ہٹ کر وہ کسی اور کے لیے کتنی اہم ہے۔ مگر سعید بھائی نے مجھے سختی سے منع کردیا۔ ان کا میرے ساتھ رویہ ہمیشہ سے بڑے بھائیوں والا رہا تھا۔ شاید اس بے تکلفی کی وجہ سے انہوں نے نہ صرف مجھ سے اپنے دل کی بات شیئر کی تھی بلکہ مجھ سے اکثر و بیشتر طاہرہ سے متعلق گفتگو بھی کرنے لگے تھے۔ سعید بھائی نے خالہ جان اور خالو جان سے بھی میرے لیے انکار کردیا تھا۔ ہمارے ہاں ابا جی اور اماں جی کو دکھ تو ہوا مگر وہ ٹال گئے کہ رشتہ ہونا یا نہ ہونا مقدروں کی بات ہے۔

تمہارے پاپا اس رشتے والی بات سے بے خبر تھے کیونکہ رشتہ وغیرہ کا سلسلہ صرف بڑوں تک ہی رہا تھا۔ بہت کم لوگوں کو علم ہوا تھا سو جس طرح بات شروع ہوئی ختم بھی ہوگئی۔

قیصرہ آپا کے ہاں پہلی بچی کی آمد تھی۔ وہ تایا جان کے ہاں آئی ہوئی تھیں۔ شادی تو انہوں نے کروالی تھی مگر مجھ سے آپا سے اور سعید بھائی سے متعلق ان کی کدورت و نفرت جوں کی توں تھی۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اگرچہ پورشن علیحدہ تھے' آتے جاتے بارہا آمنا سامنا ہوجاتا تھا' وہ کوئی نہ کوئی ایسی بات کرجاتیں کہ میں سلگتی رہ جاتی تھی۔

یہ ان ہی دنوں کی بات تھی۔ میں اور طاہرہ بیٹھی یونہی ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں جب وہ چلی آئی تھیں۔ انہوں نے طاہرہ کے لیے اپنے لیے چائے بنانے کا کہا تھا۔ شادی کے بعد بھی ان کا طاہرہ پر مکمل کنٹرول تھا۔ طاہرہ فوراً حکم کی تعمیل میں کھڑی ہوگئی تھی۔

''میں نے سنا ہے سعید احمد کا تمہارے لیے رشتہ آیا تھا؟'' طنزیہ لب و لہجے پر میں صرف دیکھ کر رہ گئی۔ اماں جی نے یقیناً تائی جی سے ذکر کیا ہوگا ورنہ یہ بات ہمارے گھر سے نکلنے والی نہ تھی۔

''تو پھر.....؟'' مجھے ان کے طنز نے سخت اشتعال دلا دیا تھا۔

''پھر انکار کیوں ہوا؟'' ان کے لہجے کے تجسس پر میں بھی ہنس دی۔

''جہاں سے آپ کو یہ انفارمیشن ملی ہے وہاں سے انکار کی وجہ بھی معلوم کر لیتیں۔ ویسے بھی اب ایسی جاسوسی کا کوئی فائدہ تو نہیں۔ ہاں پرانے زخم بھولنے سے بھولتے ہیں۔ آپ تو پرانے زخموں کو سینت سینت کر رکھنے والی انسان ہیں۔'' اس لمحے مجھے ان کی کرید بہت بری لگی تھی سو میری زبان بھی تلخ ہوگئی تھی۔

''تمیز سے بات کرو' شائستہ۔'' وہ ایک دم آپے سے باہر ہوگئی تھیں۔ پھر اگلے ہی پل خود پر قابو پاتے کہنے لگیں۔

''خیر پرانے زخم تو میں ویسے ہی نہیں بھولتی۔ لگتا ہے تمہیں رشتے سے انکار نے بڑی تکلیف دی ہے۔ کیا سعود احمد نے صاف جھنڈی دکھا دی تھی جواب سعید احمد کو قابو کرنے میں تھی مگر افسوس وہ تمہاری ٹائپ کا بندہ نہ تھا۔'' ان کی اس قدر گھٹیا گفتگو پر میرا ضبط سے برا حال ہونے لگا۔

''بہتان بازی تو آپ کی پرانی عادت ہے۔ نہ سعود احمد سے مجھے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی سعید احمد سے۔ وہ میرے سگے خالہ زاد ہیں۔ آپا کے بھائی' میرے لیے صد ہا محترم۔ یہ آپ کے ذہن کا گھٹیا پن ہے جو اس درجہ گراوٹ پر اتر آیا ہے۔ سعید بھائی نے خود اگر اس رشتے سے انکار کیا ہے تو وجہ میری ذات نہیں' طاہرہ ہے۔ شاید آپ کو یہ سب سن کر شاک لگے کہ سعید احمد' جنہوں نے آپ کی کھلی آفر کو ٹھکرا دیا تھا' وہ آپ کی مطیع و فرمانبردار ڈیوسی بہن پر دل و جان سے فریفتہ ہو چکے ہیں۔ طاہرہ کے حسن ہی نے نہیں بلکہ اس کی کم گو طبیعت نے بھی ان کے مزاج پر اثر ڈالا ہے۔ ان کے نزدیک ایسی لڑکیاں بڑی ایماندار اور شوہر سے وفا نبھانے والی ہوتی ہیں جو کہ آپ میں قطعی نہیں ہے۔''

اس وقت مجھے نہ جانے کیا ہوا تھا' جو جی میں آیا کہتی چلی گئی۔ مقصد صرف اینٹ کا جواب پتھر سے دینا تھا۔ میرے انکشافات پر قیصرہ گنگ ہی رہ گئیں اور میں انہیں سب سنا کر اپنی طرف سے انہیں انتہائی شکست سے دوچار کر کے وہاں سے آئی تھی مگر یہ میری زندگی کی پہلی سب سے بڑی اور سنگین غلطی تھی جو صرف ہماری ہی نہیں' سعید بھائی کی زندگی میں بھی عمر بھر کا خسارہ لکھ گئی تھی۔

قیصرہ آپا اپنی یہ ذلت و توہین برداشت نہ کر پائی تھیں۔ طاہرہ کے متعلق اس انکشاف نے انہیں زخمی ناگن بنا دیا تھا۔ پھر میرے اس طعنے نے کہ ''ایسی لڑکیاں بڑی ایماندار اور شوہر سے وفا نبھانے والی ہوتی ہیں جو کہ آپ میں قطعی نہیں ہے'' انہیں انتقام پر لے آئی تھی۔''

وہ سناتے سناتے رک گئیں کہ جیسے کچھ سوچنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ زرش نے انہیں بے چارگی سے

دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں گہرا ملال و اضطراب رقم تھا۔

''ماما! پھر کیا ہوا؟'' خاموشی کا وقفہ گہرا ہوا تو زرش نے بے قراری سے ٹوک دیا۔

''پھر کیا ہونا تھا۔ قیصرہ آپا نے اپنی گندی فطرت کا عین ثبوت دیا تھا۔ انہوں نے وہ گھٹیا پن دکھایا کہ آج بھی سوچتی ہوں تو دکھ ہوتا کہ کاش اس لمحے میں اپنی زبان کو روک لیتی۔ کاش طاہرہ سے متعلق کوئی بات نہ کہتی۔ کم از کم طاہرہ تو پاکباز و وفا نبھانے والی ہی رہتی۔ وہ قیصرہ کی چالباز فطرت کو نہ سمجھ سکی اور میں سمجھ کے بھی کچھ نہ کر پائی۔''

زرش ناسمجھی سے انہیں دیکھے گئی۔

''قیصرہ آپا کے ہاں بیٹی ہوئی تھی۔ تایا جان نے اپنے ہاں ہی وسیع پیمانے پر مہمانوں کو مدعو کر کے تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ ہمارے علاوہ خالہ کی بھی فیملی مدعو تھی۔ تمہارے پاپا اور سعید بھائی بھی آئے تھے اور اس ساری تقریب میں ایک بات مجھے بری طرح محسوس ہوتی رہی اور میں نظر انداز کرتی گئی لیکن میرے شک کی تصدیق تب ہوگئی جب تقریب کے اختتام پر میں قیصرہ آپا کے پاس سے اٹھ کر اپنے گھر آنے والی تھی۔

''سنو شائستہ۔'' میں رک گئی تھی اس دن کی چپقلش کے بعد ہماری گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ مکمل لاتعلقی تھی۔ وہ نفرت سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

''بڑا دعویٰ کیا تھا تم نے کہ طاہرہ جیسی لڑکیاں پاکباز' ایماندار اور وفا نبھانے والی ہوتی ہیں۔ آج میں تمہیں چیلنج کرتی ہوں میں پتہ پھینک چکی ہوں۔ تم اگر طاہرہ کو اس گراوٹ سے بچا سکتی ہو تو بچا لینا۔ طاہرہ میرے مکمل زیر اثر ہے۔ میں دیکھتی ہوں تمہاری دوستی کس حد تک اسے سعید کی نظروں سے گرنے سے بچا سکتی ہے۔ آج سے کھیل شروع۔'' وہ یوں گویا تھیں جیسے ان کی سگی بہن کی نہیں کسی تیسرے غیر متعلقہ فرد کی بات ہو۔ میں تو دہل کر رہ گئی اور پھر میں دیکھتی رہ گئی ہر گزرتے دن نے مجھے یہ باور کرا دیا کہ قیصرہ نے جو کھیل شروع کیا ہے اس میں ان کی گرفت پوری طرح مضبوط ہے۔ طاہرہ ان کی مکمل گرفت میں تھی۔ انہوں نے اسے جدھر چلایا' وہ چل دی۔ انہوں نے اسے جو خواب دکھائے' وہ دیکھتی چلی گئی اور میں گم صم پانی سر سے گزرتے تباہی کے انتظار میں کھڑی رہ گئی۔''

آنسو دھیرے دھیرے ان کے ہاتھوں پر گر رہے تھے اور زرش کی سمجھ نہ آئی کہ کیا کرے۔ وہ تو خود الجھ گئی تھی۔

''ماما! قیصرہ خالہ نے تائی کے ساتھ ایسا کیا کر دیا تھا۔''

''انہوں نے جو کیا سو کیا' مجھے تو طاہرہ کی عقل پر حیرت ہوتی ہے۔ اس نے اپنی کم عقلی کا ثبوت دیا کہ میرے لاکھ سمجھانے بجھانے کے باوجود وہ اپنے آپ کو قیصرہ کے تیار کیے گئے گڑھے میں گراتی چلی گئی۔ میں تو نہ ہی سعود احمد سے تذکرہ کرنے کے قابل رہی تھی اور نہ ہی سعید بھائی کو سمجھانے کہ طاہرہ اب ایماندار' وفا کرنے والی لڑکی نہیں رہی۔ وہ عام لڑکیوں کی طرح کانوں کی کچی اور آنکھوں کی اندھی ثابت ہوئی تھی۔'' ان کے لہجے میں عجب شکستگی در آئی تھی۔

"جانتی ہو قیصرہ نے کیا چال چلی تھی؟" انہوں نے زرش کو دیکھتے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔ "انہوں نے سعید بھائی کی نفرت میں طاہرہ کو تمہارے پاپا یعنی سعود احمد کی طرف راغب کر دیا تھا۔"

"جی....." زرش کو لگا جیسے اس کے دل و دماغ پر بم پھوڑ دیئے گئے ہوں۔ جیسے کمرے کی چھت اس پر آ گئی ہو۔ بے یقینی سے ماما کو دیکھنے لگی۔

"ماما....." ابھی زرش اس جملے سے سنبھلی بھی نہ تھی کہ ہادیہ کی پکار پر دونوں پلٹی تھیں۔

"ماما! پھپھو، ماموں اور باقی سب لوگ آئے ہیں۔"

زرش کا دماغ ابھی تک سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اس نے خالی نظروں سے ہادیہ آپا کو دیکھا۔ شائستہ ہادیہ کے بلاوے پر فوراً چہرہ صاف کرتے ہادیہ کے ساتھ ہی باہر نکل گئی تھیں۔

"تائی امی، پاپا یعنی سعود احمد میں انوالو ہو گئی تھیں....."

اس کے دماغ میں ہتھوڑے برس رہے تھے۔ زرش کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ بات نہ تھی۔ تائی سے متعلق وہ ہر بات برداشت کر سکتی تھی مگر ان کے کردار کا یہ کمزور پہلو بھی سامنے آ سکتا ہے، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

✿.....❁.....✿

فاروق چچا کی فیملی اور حمید صاحب کی فیملی دونوں شارق کی بارات کے ہمراہ آئی تھیں۔ ایسے عالم میں جب کہ نواز سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلا گیا تھا۔ فاروق صاحب کو شارق کا اقدام بہت مناسب، بروقت اور موقع محل کے مطابق درست لگ رہا تھا۔ بے شک شارق کو سب لوگ اس کی چند خامیوں کی بنا پر ناپسند کرتے تھے مگر ایسے نازک موقع پر انہیں شارق کا فیصلہ کسی ڈوبتے کو سہارا دینے کے مترادف لگ رہا تھا جہاں وہ نواز کی طرف سے غمزدہ تھے تو شارق کی جانب سے خوش تھے۔

رضیہ چچی نے تو نویرہ کے لیے تیار کی گئی بری بھی چڑھانے کو کہا تھا مگر شارق نے قطعی انکار کر دیا۔

"اس عنایت کی ضرورت نہیں۔ میں اپنی بیوی کو یہ لے کر دینے کی اہلیت اور حیثیت رکھتا ہوں۔ آپ کا شکریہ۔"

اتنا قطعی انداز رضیہ چچی کا دل زخمی کر گیا تھا۔ وہ لب بھینچ کر خاموش ہو گئیں۔ واجدہ بیگم اپنی ٹانگ کی وجہ سے گھر پر ہی رکی تھیں۔ رفعت آپی، زبیدہ چچی اور رضیہ چچی پیش پیش تھیں۔ بارات کے ساتھ آنے والوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ خاندان کے مہمان دونوں طرف سے ہی مدعو تھے۔

اس قدر ایمرجنسی میں ہونے والی رخصتی میں نہ نہ کرتے بھی اچھی خاصی گیدرنگ ہو چکی تھی۔

نکاح کی کارروائی پہلے سرانجام دی جا چکی تھی۔ تمام قانون قواعد و ضوابط کے تحت جس کی قانونی حیثیت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا تھا مگر نبیل اور ساجد نے لوگوں میں بات پھیل جانے کے ڈر سے دوبارہ نکاح پڑھانے کی بات کی تھی۔ شارق نے خاموشی سے کندھے اچکا دیئے۔ نویرہ پہلے ہی قانونی طور پر اس کی بیوی تھی اب یہ فارمیلٹی محض دنیا دکھاوا ہی تو تھا۔ محض اپنی گرتی ساکھ و عزت کو بحال کرنے کا طریقہ۔

نکاح نئے سرے سے سرانجام دیا گیا تھا۔

نبیل و ساجد کا ضبط کئی مواقع پر لڑکھڑایا تھا۔

شارق کے مطمئن و شادماں چہرے کو دیکھ دیکھ کر اندر کے موسم نے تیور بدلے تھے۔ اگر اماں کے واسطوں، منتوں کا احساس نہ ہوتا تو نہ جانے کیا کر ڈالتے۔ ہر قدم پر آنکھیں بھر آنے کو تھیں۔ ضبط چھلکنے کو بے تاب۔ اپنی عزت کا پاس تھا ورنہ یہیں معرکہ ہو جاتا۔

دونوں بھائیوں کو شارق سے نفرت محسوس ہو رہی تھی مگر ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ کھانے کے بعد نبیلہ بھابی اور صبحی بھابی نے نویرہ کو اسٹیج پر لا بٹھایا تھا۔ حسین تو وہ پہلے ہی تھی مگر بیوٹیشن کی مہارت نے اس کے خدوخال کو اک نیا روپ دیا تھا۔

شارق زمان کی نگاہیں اس پر گویا جم کر رہ گئی تھیں۔ نویرہ احسان کا عروسی حسن صرف شارق زمان کے دل پر ہی بجلی بن کر قیامت برپا نہیں کر رہا تھا بلکہ قدرے اندھیرے میں بیٹھے رضا حمید کے وجود پر بھی بجلی بن کر گرا تھا۔

رات تک نویرہ کی شادی کا دور تک کوئی امکان نہ تھا مگر صبح یہ ناگہانی خبر سن کر وہ سکتے میں آ گیا تھا۔

"نواز کے بعد اگر نویرہ، شارق زمان کی ہو سکتی تھی تو اس کی کیوں نہیں۔" اس خیال نے اس کے اندر ادھم مچا دیا تھا۔ اندر کی دنیا بکھر کر رہ گئی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ سب کچھ تہس نہس کر دے۔ وہ تو یہاں آنے پر بھی تیار نہ تھا۔ زبیدہ کے واسطوں، منتوں سے ہارنے وہ اپنی بے بسی کو آزمانے آ گیا تھا مگر اب ضبط جواب دے گیا تھا۔

نویرہ کے جگر جگر کرتے سراپا نے اس کی بصارت ہی چھین لی تھی۔ وہ یک ٹک ساکت و جامد شارق زمان کے پہلو میں بیٹھے وجود کو دیکھے گیا۔

"آج میں ہار گیا نویرہ! اپنے آپ سے۔ نواز سے تمہاری شادی ہو جاتی تو میں کہتا کہ تم میرے اختیار سے باہر تھیں مگر اب سارے قصور اپنے کھاتے میں پڑے لگ رہے ہیں۔ میں نے کوشش کی مگر مقدمہ جیت نہ سکا اور تمہیں کھو دیا۔ شارق زمان نے کوشش کی مقدمہ جیت گیا اور نتیجتاً تمہیں ہمیشہ کے لیے پا لیا۔ میں نے تمہیں کھو دیا، نویرہ..... کھو دیا۔" وہ غائب دماغی سے اٹھا تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتے وہ اس ہجوم بیکراں سے بہت دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو۔ جہاں نویرہ کا عکس نہ ہو۔ دل کی بربادی کا ماتم نہ ہو۔ اندر یہ خواہش اتنی شدید اٹھی کہ وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھا نکلتے اپنی بائیک اسٹارٹ کر کے ہال سے نکل گیا تھا۔

رخصتی کے وقت ماحول خود بخود ہی سوگوار اور اشک بار ہو گیا تھا۔ نواز کا زخم تھا یا نویرہ کی بے بسی۔ ہر کوئی رو رہا تھا۔

فاروق صاحب یہ ہیرا ہمیشہ کے لیے چھن جانے اور بیٹے کی نافرمانی کا دکھ رو رہے تھے۔ رضیہ بیگم ناتمام حسرتوں کا ماتم کر رہی تھیں۔

زبیدہ بیگم بیٹے کی خواہش کے تشنہ رہ جانے کا دکھ رو رہی تھیں۔

حمید صاحب بھتیجی پر ٹوٹنے والی آفت کے بعد ملنے والی خوشی کے آنسو بہا رہے تھے۔

اماں، نبیل، ساجد، نبیلہ، ضحیٰ اور ساجدہ باجی اس دکھ کو رو رہے تھے جو کسی کو بھی نہیں پتا تھا مگر بہت سے دل دوسروں کو روتے دیکھ کر اشک بار تھے۔

''شارق جیسا بھی ہے اب تمہارا شوہر ہے۔ تمہیں اس نے اتنی صعوبتیں جھیل کر حاصل کیا ہے تو تمہاری قدر بھی کرے گا۔ خوش رہنا۔'' اماں نے گلے ملتے اسے نصیحت کی تھی۔

نوریہ تو گم صم سی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ سب کی طرح وہ بھی دھاڑیں مار مار کر روئے مگر لگتا اپنے گھر میں ہی اماں کے سامنے ہی سارے آنسو بہاتے خود کو پتھر کر بیٹھی تھی۔ اب رونے پر بھی آنسو نہ نکل رہے تھے۔ اس وقت بے حسی کی کیفیت طاری تھی اور نوریہ اپنی اس کیفیت سے خود بھی خوفزدہ تھی۔ اماں کی نصیحت اسے گالی بن کر لگی تھی۔ وہ لب بھینچ کر روبوٹ کی طرف اسی طرف گھسٹتی چلی گئی جہاں سب گھسیٹ رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

پھپھو، ماموں، وقار بھائی کے علاوہ پھپھو کی بڑی دونوں بیٹیاں جو معراج ماموں (طاہرہ کا بڑا بھائی) کے ہاں بیاہی ہوئی تھیں ان دونوں کے میاں مصطفیٰ بھائی اور مرتضیٰ بھائی، ستارہ اور قادر بھی آئے ہوئے تھے۔

آج زرش کتنے دنوں بعد اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ پاپا نے اسے دیکھا تو اپنے پاس بلا کر پیار کیا۔ اس کی صحت کی طرف سے تشویش کا اظہار کیا تو وہ رو دی۔ وہ تو محبتوں میں پروان چڑھایا گیا پھول تھا۔ نفرت کے اس الاؤ نے اسے مرجھا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اسے بہلاتے رہے تھے، سمجھاتے رہے تھے، ادھر ادھر کی بے شمار باتیں کیں مگر سمعان احمد یا طاہرہ بیگم کے متعلق ایک بات نہ کی۔

وہ پہلو تہی کر رہے تھے تو وہ بھی اس تکلیف دہ موضوع کو سننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ پھپھو کی فیملی اپنے ساتھ مٹھائی لے کر آئی تھیں۔ یہ بڑے بڑے مٹھائی کے ٹوکرے کس سلسلے میں تھے، وہ پوچھ کر تھک گئی تھی مگر جیسے ہر کوئی سسپنس پھیلانے پر بضد تھا۔

''آرام سے، صبر سے، بیٹھی رہو۔ کچھ دیر میں خود پتا چل جائے گا۔''

اس نے تیسری بار زویا باجی سے پوچھا تو انہوں نے مسکرا کر ٹال دیا۔ وہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔

رات کے کھانے پر بہت دنوں بعد وہ سب کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔ پاپا، امی تک پرہیزی کھانوں پر تھے مگر شائستہ اور مسعود دونوں کو زرش کو گاہے بگاہے اچھی طرح پیٹ بھر کر کھانے کی ہدایات دیتے رہے تھے۔

ان کا وہی پرانا مشفق، محبت بھرا انداز تھا۔ زرش کے اندر کھد بدسی ہونے لگی۔ کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ باہر اچھا خاصا ماحول تھا مگر ان سب میں اسے کچھ خاص لوگوں کی بہت کمی محسوس ہوئی تو وہ خود کو اتنے ہجوم میں ایک دم اکیلا محسوس کرنے لگی۔

کمرے میں آ کر آنکھیں خوامخواہ بھیگتی چلی گئیں۔

تائی نے جو بہتان باندھا تھا اس نے تو اس کے اندر مدافعت کی ساری صلاحیتیں چھین لی تھیں۔ رہی سہی کسر شائستہ کی زبان سے طاہرہ بیگم کے کردار کا کمزور پہلو سن کر اس کا دل نفرت سے بھرنے لگا تھا۔

کوئی شخصیت اس قدر دوہرے پن سے بھی دوچار ہو سکتی ہے، اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ تنہا بیٹھی گزرے لمحوں پر ماتم کناں تھی۔ آنکھیں ایک دم نیر بہانے پر آمادہ۔

''زرش.....'' نہ جانے وہ کب تک اسی افسردہ ماتم کناں کیفیت لیے بیٹھی رہتی۔ ہادی آپا کی آواز پر اس نے فوراً اپنے رخسار رگڑے۔

''جی آپا۔'' اس نے سر اٹھا کر آپا کو دیکھا۔ سرخ متورم آنکھیں گریہ وزاری کی گواہ تھیں۔

ہادیہ کے دل کو گویا کسی نے مٹھی میں لے کر بہت زور سے مسلا تھا۔

''عقل مند وہ ہے زرش، جو گزرے لمحوں سے سبق حاصل کرے نہ کہ وہ جو گریہ وزاری پر کمربستہ ہو جائے۔ جو ہو گیا اسے بھولنے کی کوشش کرو۔'' ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔ انہوں نے ایک طرف رکھ کر اس کا ہاتھ تھاما تو اپنے آنسو ضبط کرتی زرش پھر رو دی۔

''صبر نہیں ہوتا آپا..... بہت مشکل ہے..... اتنا بڑا الزام، میں مر کیوں نہیں گئی۔ میں تو بہت اچھا سمجھتی تھی تائی جان کو مگر وہ تو.....''

ہادیہ نے آہستگی سے اسے ساتھ لگا لیا۔ زرش نے دل کھول کر دل کا درد بہایا۔

''اب بس کرو..... میں تو تمہیں خوشخبری سنانے آئی تھی۔'' ہادیہ آپی کی پکار پر وہ سیدھی ہوئی۔ آنکھیں صاف کرتے انہیں دیکھا۔

''خوشخبری! وہ بھی ہمارے گھر میں۔ اتنا بڑا سانحہ گزرنے کے باوجود کسی خوشخبری کی گنجائش ہے۔''

''ہاں خوشخبری اور خوشی کی گنجائش تو انسان کو آخری لمحوں تک رہتی ہے۔ یہ خوش امیدی ہی تو ہے جو مرتے شخص کو بھی خوش گمان بنائے رکھتی ہے۔ وجہ خوشخبری دریافت نہیں کرو گی؟'' انہوں نے ماحول بدلنے کو مسکرا کر اس کی تھوڑی تھام کر چہرہ اوپر اٹھاتے مسکرا کر لب کشائی کی تھی۔

''پتا نہیں، آپ ہی بتا دیں۔'' زرش اپنے آپ کو بحال کرتے مسکرائی تو انہوں نے سائیڈ پر رکھا مٹھائی کا ڈبہ تھام لیا۔

''ابھی بتاتی ہوں، پہلے یہ مٹھائی کھاؤ۔'' انہوں نے ڈبہ کھول کر اس کے سامنے کیا تو وہ حیران ہوئی۔

''ہیں..... یہ مٹھائی کس سلسلے میں ہے؟'' مٹھائی پر نظر ڈالتے وہ رس گلہ دیکھنے لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ رس گلے کا ٹکڑا اٹھاتی، ہادیہ کے الفاظ نے اسے ساکت کر دیا تھا۔

''ہم نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔''

زرش کو لگا جیسے یہ الفاظ نہیں، بم کے ٹکڑے ہوں۔

''آپا.....'' وہ گنگ رہ گئی تھی۔ اس نے ایک دم ہاتھ پیچھے کھینچ لیا تھا۔ ''یہ کیسا مذاق ہے؟'' وہ سخت اشتعال میں آئی تھی۔

''مذاق نہیں، اٹل حقیقت۔'' ہادیہ کے لہجے میں بلا کی مضبوطی تھی۔ ''جس طرح تائی جان نے گھٹیا الزام تراشی کی تھی اور خاندان بھر میں جو کھچڑی پکی ہے اس کے بعد یہ بہت ضروری ہو گیا تھا کہ تمہاری ذات سے متعلق تائی کے الزامات کو غلط ثابت کر دیا جائے۔'' بلا کا تحمل تھا ان کے لہجے میں۔ زرش سن کر رہ گئی

بے شک وہ حالات و واقعات کا بہت گہرائی سے تجزیہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی مگر اتنی کم فہم بھی نہ تھی کہ ایک دم یہ سب ہو جاتا۔

''کون ہے وہ؟'' اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

''سعد.....''

''جی.....'' اب کی بار تو زرش ہلنے کے قابل بھی نہ رہی تھی۔

''آپ کا مطلب ہے کہ سعد بھائی۔'' وہ بے یقینی سے دیکھے گئے۔ ہادیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''او مائی گاڈ.....'' اس نے سر تھاما جیسے چکرا گئی ہو۔ ''یہ کیسے ممکن ہے.....نو.....نیور.....'' زبردست احتجاج ہوا تھا۔

''کیوں ممکن نہیں.....کیا کمی ہے سعد میں' ماشاءاللہ اسپیشلسٹ ہے پاکستان لوٹنے والا ہے۔ مگر صرف چند مصروفیات کی وجہ سے رکا ہوا ہے۔ جیسے ہی پاکستان آئے گا روشن مستقبل اس کا منتظر ہوگا۔ پھپھو نے اتنی محبت و چاہت سے تمہیں مانگا ہے۔ ہاں' ابو امی کو اعتراض تھا مگر یہ جو حالات ہیں ان کی روشنی میں ابو کا فیصلہ بہت عقلمندانہ ہے۔ تائی نے جو گھٹیا چال چلی ہے اس کو ناکام بنانے کے لیے یہ ازحد ضروری تھا۔ اس طرح ان تمام لوگوں کے منہ بند ہو جائیں گے جو تمہارے یا سمعان بھائی کے متعلق غلط قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ اس گھٹیا پروپیگنڈے کا صرف یہی ایک حل تھا۔'' انہوں نے زرش کے زبردست احتجاج پر فوراً ناگواری سے کہا تھا۔

وہ لب بھینچ گئی۔

''پھر بھی آپ ماما پاپا کو منع کر دیں۔'' اس کا انداز دوٹوک تھا۔

''کیوں؟'' انہوں نے ناراضگی سے زرش کو دیکھا۔

زرش خاموش رہی۔

''کہیں اس انکار کی وجہ سمعان احمد تو نہیں۔''

یہ سوال تھا کہ تازیانہ۔ زرش نے ایک دم ہادیہ کو دیکھا۔ کیا کچھ نہ تھا اس کی آنکھوں میں۔ دکھ و تاسف' ناراضگی' ملال اور سب سے بڑھ کر خود کو نہ سمجھنے کا دکھ اور ایک دم بہہ جانے والے آنسو۔

''دیکھو' تمہارے اس انکار سے سب کے ذہنوں میں سب سے پہلے یہی بات آئے گی کہ ہو نہ ہو تم بھی سمعان بھائی کو پسند کرتی ہو۔ حقیقت کیا ہے ہم اچھی طرح باخبر ہیں مگر دوسرا بندہ تو آزاد ہے۔ وہ کچھ بھی سوچ سکتا ہے۔ یہ دفاعی حکمت عملی اس لیے تھی کہ اس غلط پروپیگنڈے کا خاتمہ کیا جا سکے۔''

''خدا کی قسم آپا' سمعان بھائی کے متعلق سب کچھ جاننے کے باوجود میرا دل ان کی طرف آمادہ نہیں ہوا۔ انہوں نے اتنی دفعہ مجھے قائل کرنے کی کوشش کی اور ہر دفعہ میں نے انکار کر دیا۔ مجھے تو تائی امی کی گندی ذہنیت کا اندازہ ہی نہ تھا۔ وہ اس قدر گھٹیا پن پر اتر آئیں گی' میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ سمعان بھائی کی میں عزت کرتی ہوں' دل و جان سے۔ ایک ساتھ بچپن گزرا ہے۔ انہوں نے جس طرح مجھ سے شفیق و مہربان رویہ رکھا لازمی طور پر ان کی جانب رجحان ہو جانا تھا۔ پھر ہمارے درمیان اتنا ایج

ڈیفرنس۔ میں ان کی شخصیت سے متاثر ہوں مگر اس سارے عمل میں کہیں بھی میرا ذہن پراگندا نہیں ہوا۔ میں نے تو انہیں صرف سمعان بھائی ہی سمجھا تھا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ رشتہ' یہ حوالہ مجھے یوں سنگسار بھی کر دے گا۔ کم از کم آپ تو سنگ باری کرنے والوں میں شامل نہ ہوں۔''

روتے ہوئے اس نے اپنا دل کھولا تھا۔ ہادیہ کو اپنے سوال پر دکھ ہوا۔

''سوری۔'' مگر تم بھی سمجھنے کی کوشش کرو' ماما' پاپا نے خوشی سے ہاں نہیں کی۔ سمعان بھائی سے متعلق ماما نے کیا کچھ نہ سوچا تھا مگر اب خاندان بھر میں ہونے والے پروپیگنڈے کا بھی کوئی حل نکالنا ہے اور یہ رشتہ طے ہونا ہی سب سے بڑا حل ہے۔ سب کی زبانیں بند ہو جائیں گی۔ تم دیکھنا تائی امی اور ان کی بہن صاحبہ کیسے منہ کی کھاتی ہیں۔''

ہادیہ نے پیار سے اسے ساتھ لگا کر قائل کرنا چاہا تو وہ سختی سے آنکھیں میچ گئی۔ ہاتھ بے اختیار گلے میں موجود لاکٹ کو چھو گیا۔

''آپا.....'' اگلے ہی پل وہ بری طرح سسکنے لگی تھی۔ لاکٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹا تو اسے لگا جیسے سب کچھ وہ کھو چکی ہے۔ حتیٰ کہ انکار کا حق بھی۔ اس کی گریہ وزاری میں بے بسی ہی بے بسی تھی۔ ہادیہ نے بہت محبت سے اس بکھری زرش کو سمیٹ لیا۔

❁.....❁.....❁

رفعت باجی اور چند اور کزنز لڑکیاں اسے کمرے میں بٹھا گئی تھیں۔ چند لمحے بیٹھی گم صم کیفیت میں رہی پھر ایک دم ذہن میں کسی خیال سے جھماکا ہوا تو وہ تلخی سے ہنس کر بستر سے اتر گئی۔

تازہ سرخ پھولوں سے سجا کمرہ اسے کسی سیج سے کم قبر سے زیادہ مشابہ لگ رہا تھا۔ جس قسم کا سلوک شارق زمان نے اس کے ساتھ کیا تھا وہ اس کا انتظار کرتی.....مر کر بھی ایسی توقع کرنا عبث تھا۔

اسی کمرے میں اس ظالم و سفاک شخص کی شخصیت کا بت پاش پاش ہوا تھا۔ اس نے نفرت انگیز نگاہ سجے سجائے کمرے پر ڈالی۔

یہ کمرہ شارق زمان کے لیے آرزوؤں و امنگوں کا مرکز تو ہو سکتا تھا مگر اس کے لیے جہنم سے کم نہ تھا۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنے روپ سروپ پر نگاہ ڈالی۔

آئینے میں دکھائی دینے والی شبیہ ایسی حسین مورت کی تھی جو نویرہ نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

وہ تلخی سے ہنسی۔

بیوٹیشن نے کتنا زور دیا تھا کہ وہ ایک بار ہی آئینے میں اپنا آپ دیکھ لے مگر دل میں تو کوئی امنگ ہی نہ تھی۔ مر گیا تھا دل گویا اب تو صرف نفرت و انتقام کے جذبات تھے۔

جس قدر شارق زمان نے اسے تڑپایا تھا' بے بس کیا تھا' وہ بھی اسے اسی قدر بے بس و مجبور کر دینا چاہتی تھی۔

اندر سے جوابی انتقام کی لہر بہت زور آور تھی۔

وہ تو سخت تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرنے والی تھی مگر اس وقت انتہائی طیش سے اس نے سارا زیور

نوچ ڈالا۔

رفعت باجی باتھ روم میں اس کا لباس لٹکا گئی تھیں۔

زیور اسی طرح ڈریسنگ پر پٹخے وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ وہ اس شخص کے سارے ارمانوں کو ملیا میٹ کرنے کا سوچے ہوئے تھی۔ وہ اس کی سب آرزوؤں کو چکنا چور کر دینا چاہتی تھی۔ اسے اپنی ماں اور بھائیوں کی بے بسی و لاچاری رہ رہ کر طیش دلا رہی تھی۔ کیسے اپنی عزت کی خاطر وہ زہر کا پیالہ پینے پر مجبور ہوئے تھے۔ اپنی عزت کے ڈاکو کو سر آنکھوں پر بٹھانے پر مجبور تھے۔

لباس بدل کر وہ کمرے میں آئی تو غصے سے عروسی لباس صوفے پر پٹخ دیا۔ یہ لباس اس نے اور نبیلہ بھابی نے بڑے ارمانوں سے خریدا تھا مگر اب یہی لباس اسے کسی سانپ بچھو سے کم نہ لگ رہا تھا۔ بالوں میں دو تین بل ڈال کر وہ الماری کی طرف چلی آئی۔ اس کے تیور انتہائی جارحانہ تھے۔ ناقابل فہم۔ الماری ان لاک تھی۔ دو تین درازیں کھنگالتے ادھر ادھر ہاتھ مارتے اسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی تھی۔

اس کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی تھی۔

”میرے سرہانے بیٹھ کر شارق زمان ماتم کرنا۔ اتنی آسانی سے تو تمہیں کبھی ملنے والی نہیں ہوں۔ اپنی ماں کی خاطر بے بس و مجبور ہوئی ہوں مگر دیکھنا تمہیں تمہارے رویوں کا احساس نہ دلایا تو میرا نام نوریہ نہیں ہے۔ جتنا میں تڑپی ہوں تم بھی تڑپنا۔ میں بدکردار نہیں تھی کہ تم سا بے حیا بدکردار میرا شریکِ حیات بنتا۔“

شیشی کھولتے اس نے بیڈ کی طرف دیکھا۔ رفعت باجی اس کی بھوک کے احساس سے پھل، پانی اور دودھ کا گلاس رکھ گئی تھیں۔ پانی کا جگ تھا مگر گلاس ندارد۔ اس نے وہی دودھ کا گلاس تھام لیا۔

دو گولیاں نکال کر اس نے شیشی ادھر ادھر دیکھا کہ کہاں چھپائے۔ اسے اندازہ تھا کہ آج رات کی حرکت کے بعد شارق زمان ایسی کوئی ”غلطی“ کمرے میں نہیں رہنے دے گا۔ وہ بستر کی کراؤن کے پیچھے چلی آئی۔ گدے اور لکڑی کی کراؤن کے نیچے اتنی جگہ تو تھی کہ وہ یہ چھوٹی سی شیشی اندر چھپا سکتی۔ شیشی چھپا کر وہ ہاتھ جھاڑتی طنزیہ ہنس دی۔

”بڑا شوق ہے مجھے اپنانے کا۔ اب پورے کرنا اپنے شوق۔ میں بھی کوئی عام لڑکی نہیں ہوں شارق زمان۔ وقتی طور پر کمزور ہوئی ہوں مگر تمہیں دنیا والوں کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف نہ کروایا تو نوریہ نام بدل دینا۔“

باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھو کر وہ بستر پر آ بیٹھی۔

سارے دن کے واقعات کسی فلم کی طرح ذہن میں گردش کرنے لگے تو وہ سر جھٹک کر بستر پر لیٹ کر سر تک کمبل تان گئی۔

یہ سب کچھ اس نے ”پری پلان“ کے تحت تو نہیں کیا تھا، ہاں اچانک ذہن میں خیال آیا تھا۔ ایک دفعہ جب شارق کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تبھی وہ اس کے کمرے میں آئی تھی۔ اس کی الماری سے کپڑے نکالتے بہت سی شیشیوں کے ساتھ اسے یہ چھوٹی سی شیشی بھی دکھائی دی تھی اور اب وہ اپنے ذہن میں آنے والے فوری خیال پر نہ صرف عملدرآمد کر چکی تھی بلکہ شارق زمان کو اچھی طرح سبق سکھانے کا ارادہ بھی باندھ چکی تھی۔

دل میں امنگوں و جذبوں کا ایک جہاں آباد کیے، انوکھے و روپیلے خوابوں کا گلشن سمیٹے، فاتح چال چلتے اپنی کامیابی پر نازاں شارق احمد نے جب حجلۂ عروسی میں قدم رکھا تو پہلی نگاہ ہی سیج کی طرف اٹھی تھی۔

کمبل میں لپٹے وجود کو دیکھ کر ذہن ایک لمحے کو متحیر تو ہوا تھا تاہم دھچکا نہیں لگا تھا۔

وہ اب تک نوریہ کے ساتھ جو کچھ کر چکا تھا یہ ردعمل تو کچھ بھی نہ تھا۔ وہ تو نوریہ کی طرف سے شدید ردعمل کے انتظار میں تھا مگر جس طرح خاموشی سے بغیر کوئی رکاوٹ پیدا کیے دونوں جانب سے رخصتی کے مراحل طے ہوئے تھے، وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ خوش فہمی سے بھی دوچار ہوا تھا۔

نوریہ کمبل تانے پڑی ہوئی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔ دروازہ لاک کر کے وہ آگے بڑھا تو صوفے پر پڑے عروسی لباس نے اسے دوسرا جھٹکا دیا تھا۔ اس نے ایک تیز نگاہ کمبل میں لپٹے وجود پر ڈالی۔ جی چاہا ایک لمحے میں جھنجوڑ کر رکھ دے مگر اب تک وہ نوریہ کے ساتھ جو بھی کر چکا تھا مزید زبردستی موافق نہ تھی۔

نگاہوں میں بار بار نوریہ کا عروسی روپ آ کر دل میں ادھم مچا رہا تھا۔ کل سے لے کر اب تک نوریہ اس کے نام ہو چکی تھی اس کے باوجود اس نے صبر کیا تھا مگر اب صبر کی ساری دیواریں کچی مٹی کا ڈھیر ثابت ہو رہی تھیں۔

کوٹ اتار کر اسٹینڈ پر لٹکاتے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے وہ بستر کی طرف آیا تھا۔ وہ تو اسی وقت کمرے میں آنے کو بے تاب تھا جب رفعت باجی نوریا کو کمرے میں چھوڑ کر گئی تھیں مگر بہت سے مہمانوں کی موجودگی اور دوست احباب کی وجہ سے رکا تھا۔ تاخیر زیادہ تو نہ ہوئی تھی مگر نوریہ کا ردعمل عین توقع کے مطابق تھا۔

”نوریہ.....“ اس کے قریب بیٹھ کر اس نے کمبل اس کے وجود سے کھینچ لیا تھا۔

مگر نوریہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔

اتنے کم وقت میں اتنی گہری نیند۔

وہ مسکرایا۔

سوتی سلیپنگ سوٹ میں وہ اپنی تمام تر سادگی کے ساتھ سامنے تھی۔

دھلا ہوا میک اپ، مٹے مٹے نقوش، ہونٹوں کا کٹیلا پن۔

اس کے اس روپ نے شارق زمان کو مدہوش کر دیا تھا۔

نہایت بے تابانہ انداز میں اس نے اس کا کندھا تھام کر اپنے سامنے کیا تھا۔

بازو کے گھیرے میں لیے زور سے خود میں بھینچا۔

”نوریہ.....“ جذبوں سے بھری آواز تھی۔ نوریہ ہوش میں ہوتی تو اسے خود کو کبھی چھونے بھی نہ دیتی۔

”نوریہ مادام! اٹھیے۔ آپ کو اتنی گہری نیند لینے کو یہاں اتنے پاپڑ بیل کر نہیں لایا گیا۔ اٹھو، بندہ تمام تر عقیدت سمیت آپ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنے کو تیار ہے۔ نوریہ.....“

اسے بازو کے گھیرے میں لئے دوسرے ہاتھ سے رخسار تھپتھپاتے شارق نے اسے جھنجوڑ دیا تھا مگر

نویرہ پر کوئی اثر ہی نہ تھا۔ وہ حقیقتاً الجھا۔

ڈھیلے ڈھالے اعصاب سمیت وہ مکمل اس کی گرفت میں تھی۔

اس کے سنگلاخ بازوؤں کے حصار میں مقید۔

"کہیں اس نے خود کو کچھ کر تو نہیں لیا۔"

ایک دم نویرہ کی دھمکی آمیز باتیں ذہن کے گنبد میں گونجیں تو وہ پریشان ہو گیا۔

"نویرہ....." اس نے بری طرح اس کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔

مگر وہ تو جیسے کبھی ہوش میں نہ آنے کا ارادہ کیے ہوئے تھی۔

اس نے کچھ بے یقینی سے گرفت چھوڑی تو وہ دوبارہ بستر پر لڑھک گئی۔

اب شارق زمان کے ہاتھوں کے حقیقتاً طوطے اڑے تھے۔ چہرے پر تفکر و تشویش کے سائے لہرائے۔

"نویرہ.....نویرہ....." اس نے اس کے رخسار تھپتھپائے تو بھی کوئی فرق نہ پڑا۔ ایک دم گھبرا کر اس کی نبض چیک کی۔ بالکل نارمل تھی۔ دل کی دھڑکن بھی ٹھیک تھی۔ سانس کی آمد و رفت اتنی ہی معمول پر تھی جس قدر کسی بھی نارمل آدمی کی نیند میں ہوتی ہے۔ اس کا مطلب تھا وہ نیند میں تھی مگر یہ اٹھ کیوں نہیں رہی۔

شارق زمان کی نگاہوں میں اب الجھن در آئی تھی۔

ایک پل کو لگا کہ جیسے یہ کوئی ڈرامہ ہو جو نویرہ نیند کا بہانہ کر کے اس سے بچنے کے لیے کر رہی ہے مگر اگلے ہی پل شارق زمان نے اپنے ہی خیال کی نفی کر دی تھی۔ اتنی کامیاب نیند کی ایکٹنگ تو نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر اتنی گہری نیند کی وجہ کیا تھی۔ ایک گہری نظر سے نویرہ کو دیکھتے ہوئے وہ اس کے سرہانے سے اٹھ گیا تھا۔ اس وقت اس کے ضبط پر ایک گہری چوٹ لگی تھی۔ جی چاہا کہ فی الفور جھنجوڑ کر بٹھا دے۔ اندر دل میں جذبات کا بپھرا طوفان ایسا ہی تلاطم مچائے ہوئے تھا۔ بے بسی کی انتہا تھی' کنواں سامنے تھا' پینے کی ہمت و طاقت بھی تھی مگر جام ہونٹوں تک لے جا نہیں سکتا تھا۔ کسی ایسے فرد کی شکست اور کیفیت کا انداز صرف وہی شخص لگا سکتا ہے جو دن رات اپنی ذات کی' ہر آسائش' ہر آرام و سکون بھلائے نفع و نقصان کی پروا کیے بغیر اپنی جان چلی جانے کے خوف سے بے نیاز ہو کر آگ کے دریا میں کود کر گوہر نایاب حاصل کر پایا ہو اور نویرہ کسی گوہر نایاب سے کم بھی نہ تھی بلکہ گوہر نایاب سے بڑھ کر قیمتی تھی جس کے حصول کے لیے اس نے سب کچھ تیاگ دیا تھا۔ برسوں کی محبتیں' عمر بھر کی پونجی (عزت و وقار' رکھ کھاؤ کی صورت میں) ماں کی نافرمانی تک کا مرتکب ہوا تھا۔ بہن کا دل ہی نہیں دکھایا تھا' بہت سے رشتوں کا وقار مسخ کر دیا تھا' صرف اس ایک وجود کے لیے اور اب یہی وجود بے سدھ پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔

"بڑا شوق تھا مجھے اپنی دسترس میں کرنے کا۔ لو اب میں تمہاری تحویل میں ہوں۔ اب اپنی طاقت کا مظاہرہ دکھاؤ۔ وجود تو خریدے جا سکتے ہیں' روحیں نہیں' تم میری روح کو خرید کر دکھانا۔"

نہایت اشتعال سے شارق زمان نے ڈریسنگ پر پڑا ہوا برش اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔ ڈریسنگ پر پڑے بکھرے زیور اس کی شکست کے اس مظاہرے پر قہقہے بکھیر رہے تھے۔ انتہائی بے بسی سے شارق نے اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھاما تھا۔

سارے گھر میں ایک عجیب سی ماتمی فضا طاری تھی۔

سعید احمد اپنے کمرے میں بند تھے۔ علی اپنے کمرے میں۔ سمعان کا آج کل کوئی پتا ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ کہاں پایا جاتا ہے۔ ہاں آفس کے بعد وہ کب گھر آتا تھا' بعض اوقات تو فرح بھی حساب بھول جاتی تھی۔ انتظار کرتے کرتے نہ جانے کب سوتی تھی اور کب سمعان احمد گھر میں داخل ہوتا تھا۔ ہاں اس گھر میں اگر آج کل مطمئن و پرسکون تھیں تو طاہرہ بیگم تھیں۔ سب کو بے سکون کر کے وہ سکون سے تھیں۔ فرح کو تو ایسا ہی محسوس ہوتا تھا۔ اسے حیرت بھی ہوتی تھی۔

یہ ماں کی کون سی قسم تھی؟

کیا اس ماں میں مامتا نام کی کوئی چیز نہ تھی؟

کیا اس ماں کو اپنی اولاد کی زندگی میں لگی آگ کا اندازہ نہیں ہو رہا؟

کیا اس ماں کو اولاد کی تکلیف بے کل نہیں کر رہی؟

فرح حیرت سے ششدر تھی۔

اس نے ماں کا جو بھی روپ دیکھا تھا یہاں اس روپ سے قطعی مختلف خود غرض اور قابل نفرت تھی۔ اس نے کیا' گھر کے ہر فرد نے ان سے کلام کرنا بند کیا ہوا تھا۔ سعید احمد نہ جانے کب آفس جاتے تھے اور کب آتے تھے' کسی کو پتا ہی نہ چلتا تھا۔ علی کب کالج کو نکلتا تھا اور کب واپس آنے کے بعد دوبارہ گھر کی مار دینے والی خاموشی و سناٹوں سے گھبرا کر نکلتا تو رات گئے لوٹتا تھا۔ نہ کوئی پوچھنے والا تھا اور نہ ہی کوئی ٹوکنے والا۔

اور فرح کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کہاں جائے' کس کونے میں منہ چھپائے۔ وہ اپنے گھر کو بکھرتا دیکھ رہی تھی۔ بارہا جی چاہا کہ اسلام آباد بھائی کو فون کر کے بلا لے۔ شاید حالات میں بہتری کی کوئی گنجائش نکل ہی آئے مگر پھر ٹال جاتی تھی لیکن آج تو جو ہوا تھا اس سانحے نے گھر کے مکینوں کو برف کے لبادے میں دفنا دیا تھا' ماسوائے طاہرہ بیگم کے۔

اتوار کا دن تھا۔ معمول کے مطابق سبھی لوگ گھر پر ہی ہونے چاہئے تھے مگر آج سمعان صبح نو بجے ہی گاڑی کی چابی لے کر نکل گیا تھا۔ علی بھی جانے لگا تو سعید احمد نے منع کر دیا۔ آج وہ گھر پر تھے۔ گھر پر جو سناٹوں کا راج تھا وہ بھی دیکھ رہے تھے۔ دس بجے کے قریب نفیسہ پھپھو چلی آئی تھیں۔

فرح تو پہلے ہی سعد کے فون سے پریشان تھی۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ سمعان سے کس طرح بات کرے۔ پھپھو کو دیکھ کر ڈر گئی تھی اور پھر اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھ لائی ہوئی مٹھائی دیتے ہوئے جو انکشاف کیا تھا وہ سب کو بت بنا گیا تھا۔

"میں نے سعد کا رشتہ زرش سے طے کر دیا ہے۔"

ایک لمحے کو تو طاہرہ بھی پتھر بنی تھیں پھر فوراً سنبھل بھی گئیں مگر کسی اور میں تو بعد میں بھی سنبھلنے کی ہمت نہ رہی تھی۔

سعید احمد کچھ نہیں بولے تھے' صرف خاموشی سے اٹھے تھے۔

نہ کوئی شکوہ نہ شکایت' انتہائی بے چارگی سے اپنی بہن اور سامنے رکھے ڈبے کو دیکھتے وہ منظر سے نکلتے چلے گئے تھے۔

''سعید.....رکو' بات سنو.....سعید.....سعید.....''

انہوں نے کئی آوازیں دی تھیں' پیچھے تک گئی تھیں مگر انہوں نے گویا خود کو پتھر بنالیا تھا۔

ہر طرف سے کان بند کیے وہ گھر سے ہی نکل گئے تھے۔

علی کمرے میں بند ہوا تو وہ پھپھو کے سینے سے لگ کر خوب روئی تھی۔

طاہرہ بیگم تو سعید احمد کے گھر سے نکلنے کے بعد طنزیہ ہنستی اپنے کمرے میں گئیں تو تب تک باہر نہ نکلیں جب تک نفیسہ پھپھو' سعید احمد کی واپسی سے مایوس ہو کر چلی نہ گئی تھیں۔

اس وقت رات کے بارہ بجے وہ تن تنہا بیٹھی سمعان احمد کی منتظر تھی۔

سمعان صبح کا گھر سے نکلا تھا۔ ابھی تک واپسی نہیں ہوئی تھی۔ اس کی طرف سے خوفزدہ خیریت کی دعائیں مانگتی وہ نہ جانے کب تک ہولتی رہی تھی کہ گاڑی کے ہارن پر فوراً چونکی۔

''سمعان بھائی آ گئے.....'' وہ فوراً اٹھی تھی مگر پھر سمعان کے سامنے جانے کا خیال اسے خوفزدہ کر گیا تو وہ منہ دھونے کمرے میں چلی آئی۔ اچھی طرح منہ دھو کر باہر آئی تو سمعان اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ گیٹ چوکیدار نے کھولا تھا شاید۔ وہ لاؤنج سے ہو کر سمعان احمد کے کمرے کی طرف جانے کو بڑھی تو ٹیبل پر پڑے مٹھائی کے ڈبے کو دیکھ کر رک گئی۔ اس ڈبے کو کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ جوں کا توں پڑا ہوا تھا۔ اس نے جھک کر ڈبہ تھام لیا۔

ہونٹوں میں بڑی تلخ سی مسکراہٹ در آئی۔

اس نے سمعان احمد کے دروازے پر دستک دی۔

''یس' کم ان۔'' فرح کو حیرت ہوئی۔ اتنے دنوں بعد سمعان کی آواز میں قدرے بشاشت تھی۔

وہ اندر داخل ہوئی تو سمعان تولیے سے منہ صاف کرتا اسے سرسری نظروں سے دیکھتے آئینے کے سامنے جا ٹھہرا۔

اسے یقین تھا اس وقت صرف فرح ہی جاگ رہی ہوگی۔

''ہاں بولو فرح! سوئی نہیں تم ابھی تک۔'' پچھلے تمام دنوں سے ہٹ کر لہجہ بھی نارمل تھا۔

فرح نے بغور دیکھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہ تھے۔ برش تھامے بال بنا رہے تھے۔

''میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ کہاں تھے آپ؟ سارا دن گھر سے باہر رہے۔'' اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔ سمعان مسکرایا تاہم دیکھنے سے ابھی بھی گریز کیا۔

''ظفر کے ساتھ تھا۔ ظفر کا ایک کزن لاہور سے آیا ہوا ہے۔ نواز فاروق بڑا اچھا لڑکا ہے۔ پہلی دفعہ ملاقات ہوئی۔ یوں لگا جیسے برسوں کا یارانہ ہے۔ بس سارا دن اسی کے ساتھ نکل گیا۔ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔'' مسکرا کر بتاتا سمعان احمد الماری کی طرف بڑھا۔ رات پہنے جانے والا لباس نکال کر پلٹا اور فرح کو دیکھ کر مسکرایا۔

''کھانا لاؤں آپ کے لیے؟'' دوپٹے میں چھپے ڈبے کو مضبوطی سے پکڑے اس نے پوچھا تو سمعان نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں ڈیئر.....ظفر کے ہاں ہی کھانا کھا لیا تھا۔'' وہ پلٹ کر باتھ روم میں چلے گئے تھے۔

سمعان کے اتنے نارمل انداز کو دیکھ کر وہ منوں بوجھ تلے جا دبی۔

ڈبہ ٹیبل پر رکھ کر وہ بستر کے کنارے بیٹھ کر سمعان کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ سمعان کپڑے چینج کر کے باتھ روم سے نکلا تو اسے بیٹھے دیکھ کر رکا۔

''کیا بات ہے۔ کوئی پریشانی ہے۔'' سمعان کی نگاہ مٹھائی کے ڈبے کی طرف نہیں گئی تھی۔

فرح انگلیاں مروڑنے لگی۔

''آپ کو ایک بات بتانی تھی۔'' اس نے ہمت کی۔ سمعان نے انتہائی تعجب سے دیکھا۔

''کیا.....؟''

''آج پھپھو آئی تھیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تو.....'' سمعان نے اسے دیکھا۔

فرح کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

''کچھ نہیں.....بس آپ کو یہ مٹھائی کھلانا چاہ رہی تھی۔'' فوراً بتانے کی ہمت نہ ہوئی تو اس نے آگے بڑھ کر ڈبہ تھام لیا۔

سمعان کی حیرت دوچند تھی۔

''یہ ڈبہ کس سلسلے میں؟''

''خوشخبری کہہ لیجیے۔ آپ سنیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔''

آنکھوں میں نمی لیے لبوں پر مسکراہٹ سجائے اس نے گویا اپنا ہی مذاق اڑایا تھا۔ سمعان کو فرح کا رویہ کچھ سمجھ نہ آیا۔

''چھوڑو' ہمارے گھر میں کسی خوشی کا کیا کام۔ صاف بات کہو۔ میں پہلے ہی بہت تھکا ہوا ہوں۔''

فرح نے خاموشی سے ڈبہ کھول کر سمعان کے سامنے کیا۔

''آپ مٹھائی تو چکھیں پھر وجہ خوشخبری بھی سن لیجیے گا۔''

سمعان نے بغور فرح کو دیکھا۔ وہ اس وقت ناقابل فہم لگی۔ مزید کچھ پوچھنے کا ارادہ ترک کر کے سمعان نے ڈبے میں سے گلاب جامن کا ٹکڑا پکڑ لیا۔ اس وقت وہ بہت تھکن محسوس کر رہا تھا۔ بس فوراً سونے کا ارادہ تھا شاید اس لیے مزید کچھ پوچھنے کی ہمت بھی نہیں کی تھی۔ خاموشی سے ٹکڑا منہ میں رکھا۔

''اب بتا بھی دو.....کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔'' فرح کو بالکل گم صم دیکھ کر سمعان نے آدھا ٹکڑا نگلتے ہوئے ٹوکا۔

''آپ کو کچھ بھی اندازہ نہیں کہ یہ مٹھائی کس سلسلے میں ہو سکتی ہے۔''

ابھی پھپھو کی آمد کا بھی بتا چکی تھی۔

"فرح!" سمعان نے تادیبی نگاہوں سے دیکھا تو وہ گویا پھٹ پڑی۔

"آج دس بجے کے قریب پھپھو آئی تھیں یہ مٹھائی کا ڈبہ لے کر' یہ بتانے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سعد جمال کی منگنی زرش سے کر دی ہے۔ شادی تب ہوگی جب سعد پاکستان آ جائے گا۔"

وہ ڈبہ ٹیبل پر پٹخ کر ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کیا کہہ رہی ہو تم....." ہاتھ میں پکڑا آدھا ٹکڑا ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ کھایا ہوا ٹکڑا کہیں حلق میں ہی اٹک گیا تھا۔ آنکھیں پھیلائے حیرانگی سے روتی دھوتی فرح کو دیکھے گئے۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم..... یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے' مذاق ہے یہ؟"

وہ ہونقوں کی طرح نفی میں سر ہلاتے چلے گئے۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ جب ایک ماں اپنی ناآسودہ خواہشات کی تکمیل کے لیے دوسروں سے محض انتقام لینے کی خاطر اپنی سگی اولاد پر الزام تراشی کر سکتی ہے تو اس دنیا میں سبھی کچھ ممکن ہے۔ آپ کو تو سعد نے بتایا ہوگا کہ کس طرح پھپھو نے امی کے رویے کے ردعمل کے طور پر یہ قدم اٹھایا ہے۔" وہ تو ضبط ہار گئی تھی۔

سمعان کے ہاتھ اپنے پہلو میں گر گئے۔

"اوہ..... تو یہ بھی ہو گیا۔"

"ابو تو سنتے ہی گھر سے نکل گئے تھے اور علی..... وہ کمرے میں بند ہو گیا ہے۔ رات کو واپس آئے تھے ابو اور اب کمرہ بند کیے پڑے ہوئے ہیں اور....."

"امی.....!"

اس نے بے تاثر چہرے والے سمعان احمد کی طرف دیکھا۔ ہاتھ سے اپنے آنسو رگڑے۔

"اور امی..... پتا ہے انہوں نے کیا کہا ہے....." وہ پھر رکی تھی۔ آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ "انہوں نے پھپھو کے جاتے ہی قیصرہ خالہ کو کال کی تھی۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا۔ وہ ان سے کہہ رہی تھیں کہ ان کے تیار کردہ پلان پر عمل کرتے ہوئے ہادیہ آپا کی طرح زرش کا پتہ بھی ہمیشہ کے لیے صاف ہو گیا۔ وہ اپنی گھٹیا چال پر خوش ہو رہی تھیں۔ انہیں اپنی جیت پر ناز تھا کہ سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی اور میرا یعنی فرح کا رستہ بھی ہموار ہو گیا۔ بھائی! میں تو سمجھتی تھی کہ امی' سعد بھائی کی کالز سے بے خبر ہیں مگر آج پتا چلا وہ باخبر تھیں۔ وہ صرف نظر انداز کر رہی تھیں' صرف سعد جمال کے معاملے کو ہوا دینے کے لیے۔"

سمعان کو لگا جیسے وجود میں کھڑے رہنے کی سکت ہی ختم ہو گئی ہو۔ وہ بستر کے کنارے گر گیا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا بھائی' یہ ہماری ماں ہیں۔ مائیں ایسی ہوتی ہیں۔ وہ پتا نہیں مجھے چیک کر رہی تھیں یا سعد جمال کو مگر اتنا ہوا ہے کہ ان کے قیصرہ خالہ کے سامنے کیے گئے انکشاف سے میرا ان کی ذات پر' اولاد کا کیے جانے والا انحصار ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔"

سمعان بے تاثر چہرے سمیت خاموشی سے دیکھے گیا۔ دل و دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے مگر چہرہ

اسی طرح بے تاثر تھا۔

سمعان کو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ فرح کے دکھ پر ششدر ہو یا اپنی کم نصیبی کا ماتم منائے۔

"چپ کرو فرح! شاید یہ سب ایسے ہی ہونا تھا۔ بس چپ کر جاؤ۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر سمعان نے لب کشائی کی تھی۔

فرح نے تڑپ کر اس ٹھہری ہوئی آواز کو دیکھا۔ وہ مرد تھے' حوصلہ کر سکتے تھے لیکن وہ تو لڑکی ذات تھی۔ پتا نہیں اعتماد ٹوٹا تھا یا دل کی نگری لٹی تھی۔ نقصان دونوں ہی شدید ترین تھے۔ سمعان نے نہایت بے چارگی سے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا۔ اپنا دکھ بہت کم لگنے لگا۔

سعد جمال کے انکشاف کے بعد تو سمعان خود بھی خفا ہوا تھا۔ اسے برا بھلا کہا تھا لیکن وہ ان کا کزن تھا۔ سگا پھوپی زاد' حیثیت و رشتہ مسلم تھا۔ ناراضگی سے ہٹ کر سوچا تو فرح کے لیے سعد جمال نہایت موزوں اور پرفیکٹ لگا۔ وقتی ابال کے بعد ان کی سوچ بہت مثبت رخ کی جانب رہنمائی کر گئی تھی اور اسی خیال کے تحت انہوں نے دونوں کی بات کروائی تھی۔ وہ تو کچھ ماننے پر بھی آمادہ نہ تھی اور وہ چپ چاپ رہ گئے تھے کہ وقت کے ساتھ رشتے اور جذبات اپنا آپ منوا لیتے ہیں' مگر کیا ہوا۔ دونوں ہی بتلائے درد رہ گئے تھے۔

سمعان کو اس محبت کا انجام اس دیئے کی لو کی مانند لگا جسے دیوار کی منڈیر پر بادِ صرصر کے حوالے کر دیا گیا ہو اور ہوا کا کوئی بھی جھونکا اس دہکتے انگارے کا گلا گھونٹ سکتا تھا۔ بس کوئی بھی دیئے کی لو بجھا دینے والا تھا یا واقعی بجھ گیا تھا۔

"بھائی! امی کا دل کیا واقعی نہیں تڑپا ہوگا دوسروں کو نفرت کی آگ میں جھلساتے جھلساتے وہ اپنی اولاد کو ہی نذرِ آتش کر بیٹھی ہیں۔ بھائی! کیا مائیں ایسی ہوتی ہیں۔ وہ تو اولاد کی نظر تک پڑھ لینے والی ہوتی ہیں۔ ان کے دل کے تمام راز ماں پر آشکار ہو جاتے ہیں۔ وہ تو ہر لمحہ اولاد کی طرف رخ کیے رکھتی ہیں۔ کہیں ان کی اولاد کو ذرا سی ٹھیس نہ پہنچے۔ کہیں تیز دھوپ کی تمازت ان کا تن بدن نہ جھلسا دے۔ ہماری ماں کا یہ کون سا روپ ہے' مجھے یقین نہیں آ رہا۔ اپنی ساری اولاد کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے تیز جھلستی دھوپ میں دھکیل دیا ہے۔ سمعان بھائی کے بعد آپ زرش اور پھر میں..... کیوں کیا انہوں نے ایسا' کیوں....."

سمعان اس کی گریہ وزاری پر تڑپ اٹھا تھا۔ بہت سمیٹ کر اسے ساتھ لگا لیا۔ وہ تو انہیں عزیز تر تھی۔ انہوں نے ہمیشہ اس کے ساتھ دوستانہ رویہ رکھا تھا۔ ہمیشہ اپنے بڑے بھائی ہونے کا مان دیا تھا تو آج اگر وہ چوٹ لگنے پر بلبلا رہی تھی تو بھی انہیں اس کی اذیت کاٹے جا رہی تھی۔

سمعان نے اسے ٹوکا نہیں تھا۔ وہ روئے چلی گئی تھی اور جب اس کا جی ہلکا ہو گیا تو وہ خود ہی آنسو صاف کر کے ان سے علیحدہ ہو گئی۔

"اچھا! جو ہونا تھا وہ ہو چکا..... ٹینشن لینے یا اب رونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اپنے کمرے میں جاؤ' سو جاؤ..... مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" اسے بہت مطمئن انداز میں تسلی دی تو وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔ کیا واقعی وہ اتنے ہی نارمل تھے یا نارمل ہونے کی کوشش تھی۔

"بھائی!"

"مائیں کیسی ہوتی ہیں؟ اس پر بعد میں ریسرچ کرلیں گے۔ ہماری ماں کا ایک دن کا ساتھ نہ تھا کہ ہم ان کی فطرت کو نہ سمجھ سکتے۔ غلطی ہماری ہے۔ ہم ان کے بارے میں غلط اندازہ لگا کر ان کی محبت کو آزما بیٹھے۔ وہ ہماری ماں ہیں' یہ اٹل حقیقت ہے مگر ان کے دل میں ہمارے لیے کوئی جذبہ نہیں' یہ اس سے زیادہ اٹل حقیقت ہے۔ وہ صرف نفرت کرنا جانتی ہیں' یہ مت بھولو اور اب ریلیکس ہو کر رہو۔ اب تو ہمیں اپنی ماں کو اسی انداز میں قبول کرنا ہوگا پھر رونے کا فائدہ۔"

فرح نے سختی سے لب بھینچ لیے۔ آنکھیں بھیگ گئیں' رات کافی زیادہ ہوگئی تھی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ لے جاؤ۔" سمعان نے ڈبے کی طرف اشارہ کیا تو وہ مرے قدموں سے ڈبہ اٹھائے باہر نکل گئی۔

اس کے چلے جانے کے بعد سمعان اپنے بستر پر گر گیا۔ سعد کی کال پر پھپھو کے ردعمل کے بارے میں سمعان کو خبر تو ملی تھی مگر علم نہ تھا کہ یہ انتہائی فیصلہ اس قدر عجلت میں ہوگا۔

فرح کے سامنے ضبط کی حد سے گزر گئے تھے مگر اب جی چاہ رہا تھا کہ ہر حد سے گزر جائیں مگر ان کی طبیعت کو یہ ہلکا پن گوارا نہ تھا۔ ان کے اندر قیامت کی سی تباہی تھی۔

زرش ان کے اوّلین جذبوں کا ترجمان رہی تھی۔ انہوں نے اس ایک خواب کے حوالے سے کئی خواب کھلی آنکھوں سے دیکھ ڈالے تھے مگر اب جس طرح حالات و واقعات نے تبدیلی کی ردا اوڑھی تھی وہ تو اپنی نظروں سے ہی گر گئے تھے۔ زرش سے سامنا کرنے کی ہمت ناپید ہو چکی تھی۔

بہت دعوؤں سے انہوں نے اسے قائل کرنا چاہا تھا مگر وہ مسلسل انکاری تھی۔ اچھا ہی ہوا تھا جو اس نے ان کے سامنے اقرار نہیں کیا تھا۔ جس اذیت میں وہ مسلسل گھرے ہوئے تھے کم از کم وہ اس دکھ سے تو آزاد تھی۔ آج وہ فاصلوں پر تھی بھی تو احساس جرم کسی حد تک کم بھی تھا۔ کالی سیاہ ٹھٹھرتی رات بے خوابی میں کٹتی رہی۔ اندر کی گھٹن حد سے بڑھی تو وہ کمرے سے باہر نکل آئے۔

لاؤنج میں آ کر انہوں نے لائٹ آن کیے بغیر ٹی وی آن کرلیا۔ اندر کے حبس کی نکاسی کے لیے اس سے بہتر کوئی طریقہ نظر نہ آیا تھا۔

مقدر کو دوش دے کر انسان کس قدر آسانی سے اپنے ہر فعل کا الزام مقدر کو ٹھہرائے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ کیا واقعی مقدر کو الزام دے کر بہلنا اتنا آسان ہے۔

مسلسل بظاہر ٹی وی پر نظریں جمائے منتشر خیالات کے ہجوم بیکراں میں غرق تھا۔ سوچ کی پروازیں نہ جانے کہاں کہاں سرگرداں تھیں۔

دکھ' اذیت' تکلیف' غم' بے بسی و بے چارگی' پے در پے کئی کیفیات نے دل و دماغ کو حصار میں لیا تھا۔ سمعان احمد نے خود کو انتہائی بے بس محسوس کیا تھا اس لمحے۔

❁.....❁.....❁

بیدار ہونے کے بعد وہ گم صم بیٹھی رہی تھی۔ اس وقت وہ کمرے میں بالکل تنہا تھی۔ وال کلاک کی

طرف دیکھا۔ دن کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

گولیوں کا اثر تھا کہ وہ اتنی دیر سوئی تھی۔ اسے ندامت سی ہوئی۔ کل مغرب کے ساتھ ساتھ عشاء اور صبح فجر کی نماز بھی گئی تھی۔

رات نہ جانے شارق زمان کا کیا ردعمل رہا ہوگا۔ اسے اتنی گہری نیند میں دیکھ کر یقیناً اسے غصہ تو بہت آیا ہوگا۔ نویرہ نے اس کے جذبات و خوابوں کو راکھ کر دیا تھا۔ اس سوچ پر وہ تلخی سے ہنس دی۔ دوپٹہ سنبھالتی وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ اتنی راتوں کے بعد اس نے اتنی بھرپور نیند لی تھی۔

نیند بے شک گولیوں کے زیر اثر تھی مگر وہ اس وقت ذہنی طور پر مطمئن تھی۔ یوں جیسے پچھلی تمام پریشانیوں کا حل نکل آیا ہو۔

اپنے اس عمل پر نہ کوئی ندامت تھی اور نہ ہی کوئی دکھ۔ ایسے کرپٹ لوگوں کے ساتھ یونہی کرپشن چلتی ہے۔ وہ آسودہ تھی۔ وہ شارق زمان کو اتنی ہی تکلیف سے دوچار کرنا چاہتی تھی جتنی اس نے اور اس کی فیملی نے برداشت کی تھی۔ چاہے اس کے لیے اسے کسی بھی حد سے گزرنا پڑے۔ چاہے اب نقصان اپنے ہی حصے میں کیوں نہ آئے۔

باتھ لے کر وہ باہر نکلی تو پہلی نگاہ صوفے پر پڑے ریلیکس موڈ میں بیٹھے وجود پر پڑی۔ اس کے اندر ناگواری کی شدید لہر اٹھی تو خود بخود چہرے کے عضلات تناؤ کا شکار ہو گئے۔

شارق زمان نے بھی بغور دیکھا تھا۔ دھلا دھلایا سراپا رات کی تلخی بہانے میں معاون ثابت ہوا تھا۔

نویرہ شارق کی موجودگی کو قطعی نظر انداز کرتے آگے بڑھی۔ شارق کو گویا ایک دھچکہ سا لگا تھا۔

اب ساری عمر اس شخص کی معیت میں گزارنا تھی' چاہے روتے ہوئے یا خوشی سے مگر اپنے ساتھ کی جانے والی زیادتی وہ کبھی معاف کرنے والی نہ تھی۔ زندگی کی آخری سانس تک وہ اس شخص کی زندگی کو اجیرن کر دینے کا تہیہ کر چکی تھی۔ وہ اسے اس کی غلطی کا احساس دلانا چاہتی تھی۔

آئینے کے سامنے جا کر اس نے بالوں سے لپٹا تولیہ ہٹا کر تولیے سے بالوں کو خشک کر کے تولیہ دوبارہ کمر کے گرد لپیٹ کر لمبے بالوں کی آبشار کو جھٹکے سے پیچھے ڈالا تھا۔ ٹھنڈے پانی کے کئی قطرے نزدیکی صوفے پر براجمان وجود کے اندر ہلچل مچا گئے تھے۔ اسے اپنے اندر بھڑکتی آگ ٹھنڈی پڑتی محسوس ہوئی تھی۔

شارق زمان کو نویرہ کے اس قدر نارمل اور مکمل پراعتماد انداز' مطمئن رویے نے جھٹکے سے دوچار ضرور کیا تھا۔ اس نے یکسر طور پر اس کی موجودگی کو نظر انداز کر کے ثابت کر دیا تھا کہ اس کا ہونا یا نہ ہونا اس کے لیے ایک برابر ہے۔

"رات کی تمہاری اس حرکت کا کیا مطلب سمجھوں؟" گفتگو کا آغاز تو بہرحال کرنا ہی تھا۔ آر یا پار۔ وہ اٹھ کر اس کے عقب میں چلا آیا۔ بالوں کو برش سے سلجھاتے نویرہ کے ہاتھ رکے تھے۔ پھر روانی سے چلنے لگے۔ ہونٹوں پر سختی سے قفل جما لیے۔ وہ اس شخص سے بات بھی کرنے کی روادار نہ تھی۔

"تمہارا یہ ردعمل اب حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ میں تمہیں سیکڑوں لوگوں کی موجودگی میں لایا ہوں اگر زبردستی بھی لاتا تو بھی تمہیں اس حرکت کی اجازت کبھی نہ دیتا کہ میں نے یہ بندھن ساری رات جاگنے

کے لیے نہیں باندھا تھا۔

نویرہ کے اس انداز نے اس کے اندر کی آتش کو گویا ہوا دی تھی۔ ساری نرمی' تلخی میں بدل گئی تھی۔ نویرہ کو اس کا رویہ بہت برا لگ رہا تھا۔ بجائے جوابی کارروائی کرنے کے اس نے اس کے سامنے سے ہٹنے کی نیت سے قدم بڑھایا ہی تھا کہ نہایت برہمی سے شارق نے اس کا گداز مومی بازو گرفت میں لے لیا تھا۔

''تم مجھے اس طرح نظر انداز نہیں کر سکتیں..... سمجھیں تم.....'' غصے سے بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ نویرہ جو توقع نہ کر رہی تھی بے توازن ہو کر اس کی گرفت میں پچک گئی تھی۔

''کیا بدتمیزی ہے۔ چھوڑو مجھے..... زرخرید لونڈی نہیں ہوں تمہاری۔ میرے ساتھ حد میں رہ کر بات کرنا' شارق زمان! ورنہ میں ہر حد کراس کر جاؤں گی۔ میں ہر نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر اس میدان میں اتری ہوں۔ مجھے مت چھیڑو۔'' شارق کی اس جسارت پر وہ دہک اٹھی تھی۔

شارق نے مسکرا کر اس کا مومی وجود بانہوں میں لے کر گرفت سخت کی تو وہ مچل اٹھی۔

''شارق زمان' چھوڑ دو مجھے..... میں کہہ رہی ہوں چھوڑ دو مجھے۔ اپنے ناپاک ہاتھ اپنے تک محدود رکھو..... چھوڑو.....'' وہ بلبلا رہی تھی۔ شدید مزاحمت تھی۔

''نہیں چھوڑتا' بولو کیا کرلوگی.....'' نویرہ کے تیوروں نے شارق زمان کے اندر شوخی سی بھر دی تھی۔ اتنا حسین وجود سامنے ہو' مکمل اختیار میں ہو تو کون کافر ہے جو نگاہ بچائے۔ شارق زمان تو ان لمحوں میں مکمل طور پر بے خود ہوا تھا۔

حق ملکیت کے احساس نے ایک شوخ جسارت پر آمادہ کر دیا تھا۔

نویرہ تو کوئلوں پر جا بیٹھی۔ وہ تو سرے سے کوئی حق ماننے کو ہی آمادہ نہ تھی۔ ان جسارتوں کی تاب کہاں سے لاتی۔

''شارق زمان! میں کہتی ہوں حد رہو اپنی۔'' وہ سانپ کی طرح پھنکاری تھی۔ شارق زمان قطعی متاثر نہ ہوا تھا۔

''حد میں ہی تو ہوں میری جان۔ اتنی خوبصورت قیامت سامنے ہو تو کون کافر ہے جو صبر کرے۔''

نویرہ کی تو جان پر بن گئی تھی۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے شارق زمان کے بازو میں اپنے دانت گاڑ دیئے تھے۔ اس وقت اس کے سر میں جنون سوار تھا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

''اوف.....'' شارق زمان نے جھٹکے سے گرفت ڈھیلی کی تھی۔ وہ سرعت سے نکلی تھی۔ شارق نے انتہائی غیض بھری نگاہوں سے اسے دیکھا جس کی آنکھوں میں کوئی بھی لحاظ و مروّت نہ تھا بلکہ مرنے یا مار دینے والی کیفیت تھی۔

''پوری جنگلی بلی ہو تم..... مجھے نہیں پتا تھا تمہارے اندر ایسی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔ شوہر ہوں تمہارا۔ چوری کے مال پر ہاتھ صاف نہیں کرتا میں۔'' دوسرے ہاتھ سے دائیں بازو کی آستین اونچی کر کے اپنے بازو کا جائزہ لیتے اسے گھورا۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا..... چوری کا مال سمجھ کر ہی تم نے پہلی دفعہ مجھ پر ہاتھ ڈالا تھا اور چوری کا

مال سمجھ کر ہی تم نے مجھے اس مقام تک آنے پر مجبور کیا ہے۔ میں نے تمہیں تنبیہ کی تھی' شارق زمان! مجھ سے دور رہو ورنہ میں کچھ بھی کر جاؤں گی۔ تمہاری اوقات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ میرا منہ نہ ہی کھلواؤ تو بہتر ہے۔''

اس کی پھنکار میں اژدھوں کی سی لپک تھی۔

شارق زمان نے انتہائی تعجب سے اسے دیکھا۔ ایسی مزاحمت تو وہاں ہونی چاہئے تھی جہاں سرے سے کوئی رشتہ ہی نہ ہو۔ جس نویرہ کو وہ ایک عرصے سے جانتا رہا تھا اس سے قطعی مختلف روپ میں نظر آ رہی تھی۔

''میں کوئی گری پڑی لڑکی نہیں ہوں۔ خاندانی لڑکی ہوں۔ میں اپنی عزت کی حفاظت کرنا ہی نہیں جانتی بلکہ اپنے اوپر ہاتھ ڈالنے والے کے ہاتھ بھی توڑ سکتی ہوں۔ بے شک آزما لینا۔''

دوپٹے کو کندھوں پر درست کرتے وہ بے لحاظی سے گویا تھی۔

نویرہ کے لب و لہجے نے شارق کے اندر دوڑتے خون کو نقطہ ابال پر پہنچا دیا تھا۔

''تمہیں میں نے سردھڑ کی بازی لگا کر اس لیے حاصل نہیں کیا کہ ایک طرف ناکام عاشقوں کی طرح بیٹھا آہیں بھروں۔ نکاح کروا کر لایا ہوں۔ مجھے چیلنج نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔ تمہیں صرف نکاح میں نہیں لایا بلکہ اپنے گھر میں بھی آباد کرنا چاہتا ہوں۔ احمق' کم عقل لڑکی۔ شادی صرف میری نہیں تمہاری بھی مجبوری تھی ورنہ تم میرے جذبات سے بے خبر نہ تھیں۔''

نویرہ کے چیلنجنگ انداز نے اسے بھی غصے سے دوچار کر دیا تھا۔ بازو پر امڈ آنے والی خون کی بوندوں کو انگلی سے صاف کرتے اس نے اس کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

''تمہارے انکار کی تو ایسی کی تیسی..... تم خاندانی ہو تو میں بھی کوئی راہ چلتا نہیں ہوں۔ تمہیں اس طریقے سے حاصل کرنا میری مجبوری ٹھہری تھی کہ اگر میں سب نہ کرتا تو تمہاری فیملی قطعی نہ مانتی اور جب حالات میرے حق میں ہو گئے تو میں نے تمہاری فیملی کے ساتھ مکمل تعاون کیا تھا۔ وہی راستہ استعمال کیا ہے جو عزت داروں کا ہوتا ہے۔''

غصے سے نویرہ کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ اس سے پہلے کہ نویرہ کچھ کرتی' بچاؤ کو ہاتھ پاؤں مارتی' دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''اب کون آ گیا؟'' انتہائی طیش سے دروازے کو گھورتے اس نے نویرہ کی کلائی چھوڑ دی تھی۔ نویرہ نے اس بروقت مداخلت پر تشکر کا سانس لیا ورنہ رہائی کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتی تھی۔ اتنا تو طے تھا۔

شارق زمان اسے غصے سے دیکھتے پیچھے ہٹا تھا۔

''بہت کم عقل ہو تم..... ایسے ہتھکنڈوں سے تم مجھ سے دور رہ لوگی' بھول ہے تمہاری۔ سارا عالم جانتا ہے تم بیوی ہو میری۔ ڈنکے کی چوٹ پر تمہیں اپنے ساتھ رخصت کروا کر لایا ہوں۔''

''ہاں! میرے بھائیوں کے سر جھکا کر اور میری ماں کو سلگتے کوئلوں پر گھسیٹ کر صرف اپنے جذبات کی تکمیل کی خاطر' اپنی ضد پوری کرنے کو.....'' وہ اس سے زیادہ تلخی سے بولی تھی۔ دروازے پر ہونے والی

دستک زور پکڑ چکی تھی۔

شارق نے اسے گھور کر دروازے کی طرف پیش قدمی کی۔ نویرہ نے غصے سے سر جھٹکتے ہاتھ سے چھوٹ جانے والا برش دوبارہ اٹھا کر الجھے بالوں میں پھیرنا شروع کر دیا تھا۔

دروازہ کھولنے پر رفعت باجی اندر داخل ہوئی تھیں۔

''اٹھ گئیں' نویرہ!'' انہوں نے دریافت کیا تو شارق زمان نے ان کو راستہ چھوڑ کر اندر آنے کی جگہ دی۔ نویرہ کو دیکھ کر ان کی آنکھوں کی نرمی دوچند ہوئی تھی۔

نویرہ اس گھر میں بہو بن کر آتی کبھی' ان کا بھی خواب تھا جو اب شرمندۂ تعبیر بن چکا تھا مگر ساتھ میں دل میں ایک پھانس بھی جگا گیا تھا۔

''شکر ہے تمہاری صورت تو دیکھنے کو ملی..... قسم سے صبح سے کوئی بیس چکر لگا چکی ہوں۔'' انہوں نے پیار سے کہتے اسے بازوؤں میں لے کر ساتھ لگا کر اس کا چہرہ تھام کر چوم لیا۔

''اللہ تمہیں سدا آباد رکھے' خوش رکھے۔ سدا سہاگن رہو۔''

نویرہ ان دعاؤں پر کنفیوژ ہوگئی تھی۔ زندگی کا پہلا تجربہ تھا اور خاصا غیر یقینی بھی۔ ناقابل قبول و برداشت بھی۔ شارق زمان سامنے ہی تو تھا' چہرہ ایک دم رنگ بدل گیا۔

وہ تلخی سے ہنس کر رخ موڑ گیا۔

''بڑی دیر سوئیں تم؟'' اس سوال پر وہ پہلے سے زیادہ سٹپٹائی۔ ایک دم نگاہ شارق زمان کی نگاہ سے الجھی تو وہ فوراً سر جھکا گئی۔

شارق زمان بڑے ریلیکس موڈ میں بیڈ کے کنارے بیٹھا تھا۔

''بس یونہی.....'' انہوں نے مسکرا کر نکھرا نکھرا وجود دیکھا۔ کاٹن کے سادہ سوٹ میں نئی دلہن کے وجود کی خوشبو برقرار تھی انہوں نے کہنیوں تک لگی مہندی کے گہرے رنگ کو دیکھا۔ کتنا گہرا رنگ تھا اس کی مہندی کا۔ سارے وجود میں صرف یہی تبدیلی اسے نئی دلہن بتا رہی تھی ورنہ وہ تو اس وقت مکمل سادہ روپ میں تھی۔

''تم نے تو سب کچھ ہی اتار دیا ہے۔ نہ ہاتھوں میں کوئی رنگ' نہ کانوں میں بندے اور گلے میں بھی کچھ نہیں۔ کم از کم کانچ کی چوڑیاں تو رہنے دیتیں۔ بے شک ہم شادی عجلت میں کر رہے ہیں مگر ان شاء اللہ ولیمہ آج ہی ہوگا۔ خاندان کی بات ہے۔ اتنے مہمان باہر بیٹھے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ کچھ تو ہار سنگھار ہو۔''

نویرہ نے برہمی سے رفعت آپا کو دیکھا۔ وہ جن حالات سے گزر کر یہاں تک پہنچی تھی وہ بے خبر تو نہ تھیں۔

رفعت اس کی نگاہوں کی برہمی پڑھنے کے باوجود نظر انداز کر گئیں۔

اب وہ صرف نویرہ نہیں تھی۔ اس گھر کی نئی نویلی بہو تھی اور ان کے خاندان میں بہوؤں کو کیسے رکھا جاتا ہے وہ لاعلم تو نہ تھیں۔

انہوں نے اس کے ہاتھ سے برش لے کر اس کے بال سلجھائے تھے۔ پھر الماری سے ایک جوڑا نکال کر اسے تھمایا۔

''شاٹ ٹائم میں صرف ایک دو جوڑے ہی خرید پائی ہوں۔ وہ بھی کل ارم کے ساتھ جا کر لیے تھے۔ فی الحال تو گزارا کرو۔ انشاء اللہ ایک دو دن میں سب بندوبست کرتی ہوں۔''

پرپل لباس اس کے ہاتھوں میں تھما کر انہوں نے وضاحت کی تھی۔

''پلیز..... آپ رہنے دیں۔ میں ٹھیک ہوں اسی حلیے میں اور پھر مردوں کو کفن تو پہنائے جاتے ہیں' ایسے لباس نہیں۔'' اس کے اندر کی برہمی مکمل طور پر ابھر آئی تھی۔ وہ کس کی خاطر اپنی جان ہلکان کرتی۔ خود غرضی سے وہ سوچ رہی تھی اور اپنی سوچ کے حوالے سے تلخی سے جواب دیا تھا۔

''ہیں..... دماغ تو ٹھیک ہے نا۔ چلو اگر یہ جوڑا نہیں پسند تو نبیلہ نے جو سوٹ کیس رات کو ساتھ دیا تھا اس میں سے دیکھ لو۔ دیکھو چندا! اب جو ہو چکا اسے بھول جاؤ' اسی میں ہم سب کی بقا ہے۔ گھر میں دونوں اطراف کے مہمان جمع ہیں۔ صبح سے نبیلہ کے کئی فون آ چکے ہیں۔ وہ تو ناشتہ لے کر آنا چاہتے ہیں تمہاری وجہ سے میں نے منع کر رکھا تھا۔ اس حلیے میں دیکھ کر سب کیا سوچیں گے۔ تم شارق سے ناراض ہو تو ضرور رہو۔ تمہارا حق ہے' میں منع نہیں کروں گی مگر پلیز جلدی سے کپڑے چینج کر کے آؤ۔ اماں بھی کئی بار پوچھ چکی ہیں۔ وہ اگر چل سکتیں تو اب تک خود آ چکی ہوتیں۔''

رفعت باجی کے لب و لہجے نے متاثر کیا تھا یا پھر خالہ اماں کا ذکر سن کر وہ موم ہوئی تھی۔ خاموشی سے لباس لے کر وہ ڈریسنگ روم میں چلی گئی تھی۔

لباس بدل کر لوٹی تو رفعت منتظر تھی۔ کمرے میں رفعت کے علاوہ فاروق چچا کی تنا آپی اور شمائلہ بھی تھیں۔ ان کو دیکھ کر نویرہ لب بھینچ گئی۔ یہ رشتے اسے اب ساری عمر نبھانے تھے۔

حالات ایسے رہے تھے کہ انہوں نے نویرہ سے روایتی چھیڑ چھاڑ نہیں کی تھی' ہاں آپس میں باتیں کرتی مسکراتی رہی تھیں۔ شمائلہ نے اسے تیار کیا تھا۔ رفعت باجی نے کل نبیلہ بھابی کے ساتھ بھیجے سوٹ کیس سے اس کے لیے جیولری نکال لی تھی۔ کچھ زیورات انہوں نے گھر سے درآمد کیے تھے۔ شارق زمان کی دلہن کے لیے اماں نے وقتاً فوقتاً بنوا کر رکھے ہوئے تھے۔

''ولیمہ آج رات ہی ہوگا۔ دونوں طرف کے مہمان ایک ہیں۔ اب دوبارہ سے شور شرابے کا کیا فائدہ؟ بہتر ہے آج کا کام آج ہی نمٹ جائے۔ پھر میں بھی اپنے گھر جانے والی ہوں۔ وہاں میاں' بچوں کو چھوڑ رکھا ہے۔ نہ جانے گھر بار کا کیا حال ہوگا۔ اماں کی طرف سے تو فکر ختم ہوئی۔''

زیورات پہناتے رفعت باجی اسے بولنے پر آمادہ کرنے کو تیار ہی تھیں مگر نویرہ کے ہونٹوں کے قفل نہ ٹوٹے تھے۔

یہ سب کچھ کیسا جان لیوا تھا۔ سب سے کم نہ لگ رہا تھا۔

شارق نے گفٹ کیا دیا ہے؟'' ثنا باجی کو نویرہ کی چپ غیر معمولی محسوس ہوئی تو رونمائی سے متعلق دریافت کرنے لگی۔

نویرہ تو شارق کے نام سے ہی خار کھائے بیٹھی تھی' کلس کر رہ گئی۔

''انہوں نے جو گفٹ مجھے دیئے ہیں وہی کافی ہیں۔ اب کسی گفٹ کی کسر رہتی ہے؟'' جواب تھا کہ کمان سے نکلا ہوا تیر' دونوں بہنیں تو ششدر رہ گئیں۔

نواز کے حوالے سے وہ پہلے ہی دکھی تھیں۔ اس جواب نے زخموں کو ادھیڑ دیا تھا۔ ایسے لب و لہجے کی نویرہ کبھی عادی نہ تھی۔ وہ تو حلیم و مہربان گفتگو کی قائل تھی۔ کیا نواز کے فرار نے اسے ایسے رویے پر مجبور کیا ہے جو وہ اس درجہ تلخی پر اتر آئی ہے.....

دونوں نے تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ رفعت باجی نے دونوں کو چپ رہنے کا اشارہ دیا تو وہ دونوں ہی خاموش ہو گئیں مگر اندر تو سوالات کی دنیا آباد ہو گئی تھی۔ نویرہ کے رویے اور جواب نے دونوں کو محتاط رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

خالہ امی سے ملنے کے بعد رفعت اسے دوبارہ کمرے میں لے آئی تھیں۔ اس دوران ضحیٰ بھابی اور ساجد بھائی ناشتہ لے آئے تھے۔ اپنے بھائی کو دیکھ کر وہ ضبط کھو گئی تھی۔ ساجد بھائی کے کندھے سے لگ کر خوب نیر بہائے۔

''گڑیا! اب بس کرو۔ جو گزر گئے وہ پل اب لوٹنے والے نہیں۔ اب تمہیں ساری عمر اس رشتے کو نبھانا ہے۔ ہماری عزت کی خاطر' جس طرح حالات بدلے ہیں' نواز کے فرار نے لوگوں کو جس طرح زبان دی ہے' بہت سے سوال بہت عرصہ تک تمہارا پیچھا کریں گے۔ جرم صرف ایک فرد کا ہے مگر اس کا بھگتان نسلوں تک بھگتنا پڑتا ہے۔ لوگوں کی نظریں تمہارے اوپر ہیں۔ شارق مرد ہے اس کی فطرت و عادات سے بہت سے لوگ واقف ہیں جب کہ تمہارے مزاج کی ذرا سی تبدیلی بہت سوں کو تمہاری طرف متجسس کر سکتی ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ ماتم کا وقت گزر گیا۔ اب عملی زندگی کے آغاز کا وقت ہے۔ ہم تو تمہیں خوش اور شارق کے لیے ہدایت کی دعا کر سکتے ہیں۔'' اس کے سر کو تھپتھپاتے ساجد بھائی نے ایسی نصیحت کی کہ نویرہ کو اپنا دل ایک مرکز پر ٹھہرتا ہوا محسوس ہوا۔ اپنوں کی زبان سے نکلے تسلی کے چند لفظ ہی انسان کے

اندر آبِ حیات کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ بھائی کو دیکھ کر تو وہ ویسے ہی پرسکون ہو گئی تھی۔ ان کے لفظوں نے وقتی طور پر اسے سب کچھ فراموش کر دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

ناشتے کے بعد ساجد بھائی اور بھابی اسے ساتھ گھر لے گئے تھے۔ اماں سے مل کر وہ جیسے شانت ہو گئی تھی۔ ہر دکھ' ہر تکلیف ان کے چہرے پر سکون دیکھ کر کہیں جا سوئی تھی۔ وہ وقتی طور پر بہل گئی تھی۔

ولیمے کی تقریب شام کے بعد تھی سو وہ آرام سے لیٹ گئی۔ اپنا گھر' اپنا بستر اسے ایک رات میں ہی پرایا پرایا سا لگنے لگا تھا۔

نجانے آگے زندگی میں کیا تھا مگر وہ اب اپنی جنگ خود لڑنا چاہتی تھی۔ اپنے بہن بھائیوں اور ماں کو بغیر کسی تکلیف سے دوچار کیے وہ اس شخص کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ غلط تھا۔ اس کا طریقہ غلط تھا..... اس کی محبت کے دعوے غلط تھے..... چاہے اسے یہ جنگ زندگی کی آخری سانس تک لڑنا پڑے۔ وہ اسے احساس دلائے بغیر تو ہارے گی نہیں' بے شک وہ اسے دنیا کی نظر میں جیت چکا تھا۔

ڈھلتی سہ پہر میں نبیلہ بھابی نے اسے اٹھایا تھا۔ رفعت باجی اسے لینے آ چکی تھیں۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی مگر کوئی راہِ فرار نہ تھی۔ وہ بے دلی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ولیمے کی تقریب بڑی شاندار رہی تھی۔ سب کچھ اگرچہ ہنگامی طور پر ارینج کیا گیا تھا حتیٰ کہ کھانا بھی ریڈی میڈ تھا مگر سب ہی مطمئن تھے۔ بھولے سے بھی کوئی نواز کے فرار ہونے اور اس قدر عجلت میں شادی کا تذکرہ نہیں کر رہا تھا۔

شارق کا دوست ایس پی انجم ہر کام میں پیش پیش رہا تھا اور اس کی بیوی ارم تو رفعت باجی کے ساتھ مکمل تعاون کر رہی تھیں۔ جس طرح واجدہ بیگم بستر علالت پر تھی' ارم نے ہر طرح کا ساتھ دیا تھا۔ فاروق چچا کی ساری بیٹیاں بھی اپنے بھائی کی طرف سے کی جانے والی زیادتی پر نادم' ازالے کو پیش پیش تھیں۔

کل کی نسبت نویرہ آج زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔

کئی نگاہیں رشک سے جھپکنا بھول گئی تھیں۔ کئی نگاہوں میں نارسائی کے دکھ نے آنسو بھر دیے تھے اور کئی نگاہیں اس دکھ پر ہی بھیگ گئی تھیں کہ وہ نویرہ کی خوش قسمتی کا جشن منائیں یا اس کی بدقسمتی کا ماتم کریں..... رضا ولیمے میں نہیں آیا تھا۔ زبیدہ کے بار بار اصرار پر بھی اس کے اندر اتنی ہمت نہ تھی کہ دل کی بربادی کا تماشا دیکھتا رہتا..... رمشاء اس کے رویے پر کلس کر رہ گئی تھی۔ زبیدہ وغیرہ کے ساتھ وہ یہیں آ گئی تھی۔

نویرہ کو شارق کے ساتھ دیکھ کر اسے کمینی سی خوشی حاصل ہو رہی تھی۔ نواز کے عمل سے جو وقتی دکھ کی کیفیت میں مبتلا ہوئی تھی' اس کا اثر اب رفتہ رفتہ زائل ہوتا جا رہا تھا۔ اب تو وہ صرف اپنے اور رضا کے رشتے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ نجانے خدا نے کس نیکی کے عوض اس کا رشتہ بچایا تھا ورنہ پھوپی نے تو اسے ڈبونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

حمیرا وغیرہ رنجیدہ تھیں۔ رقیہ بیگم' ان کی سب بہنوں کی آنکھیں بار بار گیلی ہوتی رہی تھیں اور ہر بار وہ نویرہ کی خوش قسمتی کی دعا مانگتے پونچھ لیتی تھیں۔

ولیمے کی تقریب اختتام کے مراحل پر تھی۔ سب ہی رشتہ دار تھے۔ کچھ دور کے مہمان یہیں ٹھہر گئے تھے اور چند ایک خالدہ بیگم ضمیر صاحب اور فاروق صاحب کے ہاں روانہ ہو گئے تھے۔ نزدیکی مہمان گاہے بگاہے رخصت ہو رہے تھے۔ نویرہ مسلسل ڈرائنگ روم کے صوفے پر بیٹھے بیٹھے اپنی کمر تختہ بنتے محسوس کر رہی تھی۔ چند ایک مہمانوں کے علاوہ سب ہی رخصت ہو رہے تھے۔ گھر میں آہستہ آہستہ ہجوم کم ہو رہا تھا۔ اس وقت صرف نویرہ کے میکے کے لوگ تھے یا پھر چند ایک دور کے رشتہ دار.....

شادی بہر حال جیسے بھی ہوئی تھی' رسم کے مطابق نویرہ کو اپنی فیملی کے ساتھ چلنا تھا۔ سب ہی جانے کو تیار تھے۔ واجدہ بیگم سے اجازت لے لی تھی..... مگر شارق نہیں مان رہا تھا۔

''میں صبح نویرہ کو خود چھوڑ جاؤں گا مگر یہ رات یہیں رہے گی۔'' رفعت باجی کے بارہا سمجھانے پر بھی وہی انداز تھا۔ اس کا انکار آہستہ آہستہ سب تک پہنچ گیا تھا۔

نویرہ کو پتا چلا تو کلس کر رہ گئی۔ اتنے نارمل حالات میں اسے شارق زمان کا یہ نیا ڈرامہ پھر غضب سے دوچار کر گیا تھا۔

''شارق! یہ تو رسم ہے۔ خاندان کی بہو بیٹیاں سب ہی رسم کے تحت میکے آتی جاتی ہیں۔ بے شک کل آ کے لے جانا۔'' خالدہ بیگم رفعت کو اسے مسلسل قائل کرتے دیکھ کر خود بھی اس کے قریب چلی آئیں۔

''خاندان کی جو بھی رسم ہے مجھے کوئی غرض نہیں۔ بس میں نے کہہ دیا کہ نویرہ نہیں جائے گی۔ وہ میری بیوی ہے اور میری اجازت کے بغیر آپ اسے کہیں نہیں لے جا سکتے۔ ہاں کل میں چھوڑ آؤں گا لیکن یہ طے ہے اس کا وہاں قیام صرف دن تک ہوگا۔ رات کو وہ میرے گھر کی چار دیواری میں ہوگی۔''

خالدہ بیگم نے عجیب بے چارگی سے اس بد دماغ' سر پھرے شخص کو دیکھا جو بدقسمتی سے ساری عمر کے لیے ان کی پھولوں سی بیٹی کا زبردستی نصیب بن بیٹھا تھا۔

''شارق! تم یہ مت بھولو کہ یہ شادی کن حالات میں ہوئی ہے۔ ہم نے نویرہ کو کس دل سے تمہارے ساتھ رخصت کیا ہے.....؟'' ان کا غصہ ایک دم ظاہر ہوا تھا۔

''ہاں تو آپ کا کیا بھروسہ' وہاں لے جا کر صاف آنکھیں پھیر لیں۔''

تنگ نظری کی بھی کوئی حد تھی انہوں نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''اتنے ہی بے ایمان ہوتے تو کل رات ہی اسے تمہارے ساتھ رخصت نہ کرتے بلکہ جس طرح تم ہماری عزت سے کھیلے ہو' نویرہ جیسی لڑکی تو تمہارے قابل ہی نہیں ہے۔''

''میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ یہ طے ہے کہ نویرہ آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جائے گی۔'' قطعی انداز میں کہتے وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

خالدہ بیگم نے انتہائی بے بسی سے رفعت کو دیکھا۔ اس کی بھی کم و بیش یہی حالت تھی۔ ناچار ان سب کو نویرہ کے بغیر ہی لوٹنا پڑا تھا۔ نویرہ کا تو ضبط کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ اپنے بھائیوں کے جھکے سر اور غیظ و غضب سے بھری نگاہیں اسے بھی اشتعال سے دوچار کر رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے شارق زمان صرف اور صرف کل رات کی اپنی شکست کا بدلہ لے رہا ہے۔

''بڑا شوق ہے تمہیں مجھے آج رات رکھنے کا..... سب شوق مٹی میں نہ ملا دیے تو کہنا۔'' وہ تو بپھرا طوفان ثابت ہو رہی تھی۔ کمرے میں آتے ہی وہ رفعت باجی کی بھی پروا کیے بغیر ہر چیز نوچ نوچ کر پھینکنے لگی تھی۔

''ہیں..... ہیں.....'' وہ تو منع کرتی رہ گئی تھیں۔

''نویرہ! بات تو سنو..... نویرہ.....'' نویرہ کے تیور انہیں ہولائے دے رہے تھے۔ سارے زیور بستر پر پٹخنے کے علاوہ لباس بدلنے کی نیت سے باتھ روم کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ انہوں نے بازو تھاما۔

''ہرگز نہیں۔ یہ شخص خود کو سمجھتا کیا ہے..... سارا غرور مٹی میں ملا دوں گی۔ میں مٹی کا مادھو یا پتھر کی مورت نہیں ہوں۔ میں سب برداشت کر سکتی ہوں۔ اپنے خاندان کی توہین نہیں..... ذرا تمیز نہیں اس شخص کو کہ بڑوں سے کیسے بات کرتے ہیں.....؟'' وہ پھٹ پڑی تھی۔

رفعت باجی نرم مزاج طبیعت کی مالک نویرہ کا یہ روپ دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی تھی۔

''اب تو کوئی فائدہ نہیں۔ دیکھ تو چکی ہو شارق کیا طے کیے ہوئے ہے۔ تم ہی اس کی مان لو۔ اس طرح تو دونوں ضد پر اڑے رہے تو پھر گھر نہیں بستے۔''

''تو یہاں کسے چاہ ہے گھر بسانے کی..... ساری عمر اسے نہ رلایا تو کہے..... گن گن کے بدلے لوں گی۔'' اس نے اپنے عزائم سے آگاہ کیا تھا۔

آپا نے تعجب سے اسے دیکھا۔

تب ہی کمرے کا دروازہ دھکیلتا شارق اندر داخل ہوا تھا..... اسے دیکھ کر نویرہ نے نفرت سے منہ موڑا تو رفعت باجی نے بھی سکھ کا سانس لیا۔ نویرہ کے تیوروں نے تو انہیں دہلا دیا تھا۔ انہیں شارق کی آمد بھلی لگی..... کچھ نہیں تو کم از کم شوہر کے سامنے عورت لاکھ بپھری ہو تو بھی ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ سمندر کی طرح لاکھ شوریدہ سر عورت کو بھی مرد رام کرنے کا فن جانتا ہے۔ یہ ان کا تجربہ تھا۔

انہوں نے سارا زیور سمیٹ کر دراز میں ڈالا تو بھی نویرہ نے رخ نہ بدلا۔ اسی طرح کھڑی رہی۔ بے لچک انداز میں.....

''کچھ کھاؤ پیو گے تم دونوں.....؟'' کمرے سے نکلنے سے پہلے انہوں نے پوچھا تھا۔ شارق نے کوٹ اتارتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ نویرہ سے تو جواب کی توقع بھی نہ تھی۔ اس وقت وہ اتنی ہی متغیر کھڑی تھی۔

''دودھ بھیجوں.....؟''

''اف نہیں۔ پہلے ہی اوور ایٹنگ ہو گیا ہوں۔ ہاں نویرہ سے پوچھ لیں..... کیوں نویرہ بھجوا دیں آپا؟''

اس نے نویرہ کے رویے کو یکسر غیر اہم قرار دے دیا تھا۔ وہ خونخوار نگاہوں سے دیکھ کر رخ موڑ گئی۔

''رہنے دیں آپا.....''

رفعت آپا انکار پر کمرے سے نکل گئی تھیں۔ شارق نے بڑے اطمینان سے آف وائٹ اور گولڈن کمبینیشن کے لہنگا سوٹ میں ملبوس وجود پر بھرپور نگاہ ڈالی۔ پورے قد سے کھڑی وہ مکمل لاتعلق تھی۔ جیسے اس کے علاوہ کمرے میں کوئی اور موجود ہی نہ ہو۔

"کیا فرما رہی تھیں تم..... شاید کوئی گن گن کر بدلے لینے کی بات ہو رہی تھی رفعت باجی سے....."

دروازہ بند کر کے پلٹا تو سیدھا اس کی طرف آیا تھا۔ نویرہ نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"تم سے مطلب.....؟" وہی انداز تھا۔ شارق ہنس دیا۔ حشر ساماں وجود پر بڑی استحقاق بھری نگاہ ڈالی۔

"اجی ہم سے مطلب نہیں تو پھر کس سے ہے..... نواز فاروق سے تو نہیں ہو سکتا اور میرا خیال ہے رضا حمید بھی تمہارے لیول کا نہیں پھر میں ہی رہ جاتا ہوں۔"

وہ تو بت کی طرح ساکت رہ گئی..... اسے یوں لگا جیسے شارق زمان نے نواز کا نام لے کر سینے میں خنجر اتار دیا ہو۔ ایک دم زخموں سے خون رسنے لگا۔

"شارق زمان! حد میں رہو تم؟" وہ پھنکاری تھی۔

شارق زمان کو اس کا رویہ سخت ناگوار گزرا۔

"حد کا کیا کہتی ہو۔ ابھی تک تو حد میں ہوں۔" ایک دم جھٹکے سے بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ جو بہت سہولت سے کھڑی تھی سنبھل ہی نہ سکی۔ مضبوط بازوؤں کی گرفت نے نرم وجود کو اپنے حصار میں جکڑا تو وہ لرز اٹھی۔

"شارق چھوڑو مجھے۔" وہ چیخی تو شارق نے بہت خاموشی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کی بولتی بند کر دی تھی۔ یعنی فرار کی ساری راہیں بند ہو گئی تھیں۔ موٹی موٹی ساحر آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ عجب سحر طاری کر دینے والے تھے۔ شارق زمان تو بے بس ہی ہو گیا تھا۔ بے خودی نے پورے وجود کو اپنے حصار میں لیا تھا۔

"آج مجھے سنو صرف مجھے۔ ماضی سب بھول جاؤ۔ میں اپنی سب غلطیاں بھی تسلیم کروں گا جو بھی سزا دو گی قبول بھی کروں گا مگر آج صرف مجھے سنو۔ مجرم کو ایک دفعہ صفائی کا موقع تو دیا ہی جاتا ہے۔"

عجب مسحور کن لہجے میں کہتے ہوئے وہ جیسے نویرہ کو مکمل بے بس کر گیا تھا۔ شارق زمان کے وجود کی قربت ان لمحوں کا دلفریب سحر بری طرح حاوی ہوا تھا۔ وہ اس فولادی گرفت میں مزاحمت کرتے کرتے بے بس ہو گئی تھی۔ ساری طاقت فولادی وجود میں دم توڑ گئی تھی۔

✿.....✿.....✿

ولیمے سے واپسی پر وہ خاصی خوش تھی۔ پچھلے چند دنوں نویرہ اور نواز کو دیکھ کر وہ جتنی پریشان رہی تھی۔ شارق کے ساتھ نویرہ کو بیٹھے دیکھ کر اسی قدر شانت ہو گئی تھی۔ اس پر خود ترسی، دکھ اور غم کے جو جذبات چھائے تھے ان کی کیفیت یکسر بدل چکی تھی۔

واپسی پر ان کے ساتھ چند مہمان آ گئے تھے۔ ان کے سونے کا بندوبست کر کے وہ اور زبیدہ فارغ ہوئیں تو وہ اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ سارے دن کی تھکن سے جسم ٹوٹ رہا تھا بس ایک بھرپور نیند کی طلب ہو رہی تھی۔

رضا حمید کے کمرے کے دروازے پر اس کے قدم ٹھٹکے تھے۔ زبیدہ تو سونے کو جا چکی تھی۔ مہمان بھی کمروں میں بند ہو چکے تھے مگر..... کل سے لے کر اب تک مسلسل رضا حمید اپنے کمرے میں بند تھا۔ یہ

بات اسے کل سے چبھ رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو بمشکل کنٹرول کر رہی تھی مگر اب جی چاہا کہ دیکھے تو سہی وہ کیا کر رہا ہے..... پوچھے تو سہی ایسی ماتمی حالت کب تک رہے گی.....؟ اس کے دل میں زبردست پکڑ دھکڑ ہونا شروع ہو چکی تھی۔ اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا..... ورنہ کل سے بند تھا مسلسل۔ ایک دو دفعہ زبیدہ بیگم نے ہی منتیں کر کے دروازہ کھلوایا تھا تو کھلا تھا..... اس نے اندر قدم رکھا تو سینے کے بل بستر پر لیٹا دکھائی دیا۔

آتشی گلابی لباس پر انیکس کا خوب صورت کام ہوا تھا۔ گھر آنے کے باوجود اسے ابھی تک منہ ہاتھ دھونے کی فرصت نہیں ملی تھی۔ ہلکے پھلکے میک اپ اور جیولری میں وہ اس وقت بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

اس وقت وہ رضا کے کمرے میں کھڑی فیصلہ نہ کر پائی کہ وہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے..... یا پھر واپس پلٹ جائے.....

رضا آج کل زبان سے تو نہیں بول رہا تھا مگر اس کی ایک نگاہ ہی رمشاء کو اندر سے ڈرا دیتی تھی۔ بظاہر وہ بہادر بنی ڈٹی رہتی تھی مگر اندر سے وہ بھی اس کے رویوں سے خائف ہو چکی تھی۔

کمرے میں زیرو وولٹ کے بلب کی سبز روشنی ناکافی ثابت ہو رہی تھی۔ ہر طرف گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔

"رضا!" اس کے قریب پہنچ کر اسے دیکھا۔ مدھم روشنی میں اندازہ ہی نہ ہوا کہ وہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے..... اس نے آواز دی تو بھی جواب ندارد تھا۔ یقیناً وہ سو رہا تھا۔ اسے ناکامی ہوئی ورنہ اس کا ارادہ اس سے منہ ماری کرنے کا ضرور تھا۔ وہ واپس پلٹنے کو تھی جب ایک دم جھٹکے پر رکی تھی۔ رضا حمید نے بہت برہمی سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

"رضا!" رضا کو جاگتے دیکھ کر وہ پلٹی تھی۔ حیرت سے دیکھ کر کچھ کہنے کو لب وا کیے ہی تھے کہ رضا نے جھٹکا دیا تھا۔

"بڑا شوق ہے تمہیں میرے کمرے میں آنے کا۔" رضا کی پھنکار پر وہ ڈر گئی تھی۔

"نن..... نہ..... نہیں تو....." اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

"شٹ اپ۔" وہ تو حواس ہی کھو بیٹھا تھا۔ رمشاء لرز اٹھی۔

"تو پھر کیوں آئی ہو اس وقت میرے کمرے میں جب کہ میں بارہا تمہیں اس وقت آنے سے منع کر چکا ہوں۔" رضا کا مارے طیش کے برا حال تھا۔

"وہ میں تو بس تمہیں دیکھنے....."

"کیا دیکھنے.....؟ بولو....." وہ غصے سے گرجا تو اس کے آنسو بہ نکلے تھے۔

"سوری۔" وہ لاکھ بے باک سہی۔ رضا سے لاکھ بیر سہی مگر ایسی صورت حال تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچی تھی۔ اس وقت اسے یہ رضا وہ والا رضا نہیں لگ رہا تھا جس سے وہ جو جی چاہے کہہ دیتی تھی۔ یہ تو کوئی اور ہی تھا۔ ہر لحاظ و مروّت فراموش کیے گرجتا برستا رضا اسے حیرت ہو رہی تھی۔

دوئم

"آئندہ میرے سامنے آنے یا مجھ سے کلام کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ گلا دبا دوں گا....."

"اف۔" اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

"بڑا شوق ہے تمہیں میرے کمرے میں آنے کا..... کسی دن میں حد سے گزر گیا تو مجھے الزام مت دینا احمق لڑکی۔"

کانوں پر ہاتھ رکھے وہ مسلسل لرز رہی تھی۔ رضا کی اس قدر قربت اس کی برداشت سے باہر تھی۔ صرف ہاتھ بھر کا ہی تو فاصلہ تھا۔

"دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔" اس پھنکار پر وہ یوں سرپٹ بھاگی جیسے قید سے رہائی ملی ہو۔

اپنے پیچھے اسے دروازہ بڑے دھماکے سے بند ہوتا سنائی دیا تھا۔ اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"اف اللہ۔" رضا کا یہ روپ اس کے چودہ طبق روشن کر دینے کو کافی تھا۔ اسے اپنا وجود ابھی تک لرزتا محسوس ہو رہا تھا۔ پل بھر کی قربت ہی اسے نڈھال کر گئی تھی اور اگر وہ کسی شوخ جسارت پر آمادہ ہو جاتا تو.....؟ اس خیال سے ہی رمشاء کو اپنی ہڈیوں میں سرسراہٹ ہوتی محسوس ہوئی تو وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں کو روکے ایک دم ندامت سے پانی پانی ہو گئی تھی کہ غلطی بہر حال اس کی تھی۔

فجر کی پہلی اذان پر اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ دائیں طرف کی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی جو آواز آ رہی تھی ورنہ اس ساؤنڈ پروف کمرے میں باہر کی آواز بھلا کہاں سے آتی تھی۔ فجر کی اذان کی آواز پر وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

نائٹ بلب کی مدہم روشنی میں اس نے اپنے دائیں طرف نگاہ ڈالی۔ شارق زمان ابھی تک گہری نیند میں تھا۔ وہ چند ثانیے بغور اسے دیکھے گئی۔

قسمت نے اسے اس مقام پر لا پٹخا تھا کہ وہ بے بس ہو گئی تھی۔ رات گئے مقابل کی فراہم کی گئی وہ قربتیں، یقین دہانیاں، بے تابیوں، وارفتگیوں کے مظاہرے، جسارتیں کسی پرچھائیں کی مانند ذہن کو چھو گئی تھیں۔ اس کے اندر کن من سی ہونے لگی۔ اسے ایک دم لگا کہ جیسے کوئی ابر ٹوٹ کر برسا تھا جو اسے جل تھل کر گیا تھا۔ رات شارق زمان کا جو عکس نظر آیا تھا وہ اسے حیران و پریشان کر گیا تھا اور اس کی باتیں..... اس کے دل و دماغ میں تلاطم برپا کر رہی تھیں۔

"میں نے عورت کی وفا نہیں دیکھی۔ ماں کا رشتہ دنیا میں سب سے مقدس اور معتبر ہوتا ہے اور مجھے اسی رشتے نے اس نام سے نفرت کرنے پر اکسایا تھا۔ اماں، رفعت باجی نے بارہا تمہارا نام لیا تھا اور میں ہر بار نفرت سے انکار کر جاتا تھا مگر مجھے پتا ہی نہ چلا کب میں خود ہی تمہاری ذات کے سحر میں گرفتار ہوتا چلا گیا۔ میں نے باہر عورت کے اتنے روپ دیکھے ہیں کہ مجھے اس نام سے وفا کی امید ہی ختم ہو گئی تھی پھر میری ماں کا معتبر حوالہ ہر دم مجھے اس رشتے سے بدگمانی کا احساس دلاتا رہتا تھا..... تمہیں یقین نہیں آتا مگر یہ سچ ہے۔ مجھے تمہاری شرم و حیا نے پابند کیا تھا۔ میری نظر تمہارے وجود میں بھٹک کر رہ گئی تھی۔ تم جس طرح ہر رشتے کو اس کے مقام پر رکھ کر عزت کا مقام دے رہی تھی مجھے تمہاری یہ ادا پسند آ گئی تھی جس پر

دوئم

میری نظر کی ذرا سی گستاخی بھی تمہیں بری لگتی تھی اور تمہاری ناگواری صاف تمہارے چہرے سے پڑھی جاتی تھی۔ مجھے تمہاری اس سلجھی فطرت نے مسحور کیا تھا۔ نوریہ یقین جانو میں نے بے شک شروع میں بہت سی لڑکیوں سے دوستیاں کیں مگر میری فطرت کی جستجو مجھے سب سے بدظن کر دیتی تھیں۔ میں نے وہ مقام کسی کو نہ دیا جو میری بیوی کا حق تھا کہ ان میں کوئی ایسی نہ تھی۔ یہی نہیں جو میرے دل کو کلک کرتی۔ باوجود اس کے کہ بہت سی لڑکیاں میری طرف مائل ہوئیں مگر میری حیثیت..... میرے خاندانی پس منظر نے سب کو واپس پلٹنے پر مجبور کر دیا۔ اس بات نے مجھے عورت نام سے اور نفرت دلائی تھی۔

پہلی دفعہ تمہاری طرف میں نواز اور تمہاری منگنی والے دن متوجہ ہوا تھا۔ تمہارا وہ ادب کئی دن تک میری نگاہوں میں جھلملاتا رہا تھا اور پھر جب بھی سامنا ہوا میرا دل ہر بار مجھے دھوکہ دیتا چلا گیا۔ میں نے خود کو بہت سمجھایا تم نواز کے لیے ہو مگر دل مانتا ہی نہ تھا۔ جوں جوں شادی کے دن قریب آ رہے تھے، میری خلش بڑھتی جا رہی تھی۔ میں تمہیں کیسے کھو دیتا۔ اس رات بھی ایسا ہی ہوا تھا شاید میں صرف اپنے جذبوں سے نہیں ہارا تھا خود اپنی نظروں سے بھی گرا تھا اور پھر تم جب اسپتال میں تھیں تو صرف ایک ہی خیال مجھے ستا رہا تھا کہ یہ میں کیا کر چکا ہوں۔ تم جیسی لڑکی اس رویے کے قابل نہیں تھی اور پھر احساسِ گناہ کے بعد کفارے کا وقت تھا اور میں نے وہ سب کیا جو کسی بھی طرح مجھے زیب نہیں دیتا تھا لیکن میں مجبور تھا۔ تمہیں کھو دیتا تو اپنا آپ ختم کر لیتا..... عورت کی سب سے قیمتی متاع اس کی نسوانیت ہوتی ہے اور تمہاری یہی اپنی نسوانیت کی پاسداری کی ادا نے مجھے گھائل کر دیا تھا۔ تمہیں یقین کیوں نہیں آتا....." اس کے بے لچک انداز پر وہ زِچ ہو گیا تھا۔

اور اس کا زِچ ہو جانا ہی نوریہ کے اندر کی لڑکی کو جھکا گیا تھا۔ صرف ایک لمحے کو..... اور نوریہ تب سے ششدر تھی۔

عورت اس مرد پر اپنا سب کچھ وار دیتی ہے جو اس کی پاکبازی و وفاداری کو تسلیم کرے اسے سراہے اور نوریہ اس شخص کے منہ سے اپنے لیے نیک پارسا عورت کے الفاظ سن کر ہار گئی تھی۔ وقتی طور پر وہ ایک مرد کے سامنے جھک گئی تھی اور مرد بھی وہ تھا جو زبردستی شوہر کے رشتے پر فائز ہوا تھا جس سے اس نے نفرت کا رشتہ جوڑا تھا پھر گنجائش کہاں سے نکل آئی تھی مگر وہ اس کے منہ زور جذبوں کے سامنے بے بس ہو گئی تھی۔

مسلسل شارق زمان کی طرف دیکھتے اسے احساس ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔

"تم وعدہ کرو تم میری وفادار بن کر رہو گی۔ نواز کون تھا..... اس کا کبھی تم سے کیا رشتہ تھا۔ میں بھول چکا ہوں۔ تم اسے میری تنگ نظری کہہ لو یا سمجھ کی کمی..... میں صرف تمہیں اپنی ذات تک محدود دیکھنا چاہتا ہوں۔ اتنا تو مجھے اندازہ ہے کہ تم نواز کے ساتھ بہت انوالو نہیں ہوئی ہو مگر پھر بھی اب تم میری بیوی ہو۔ پچھلی باتوں، خوابوں کو بھولنے کی کوشش کرنا۔"

وہ تب بھی خاموش رہی تھی اور اب بھی خاموش تھی۔ اس شخص کے نجانے کتنے روپ تھے۔ پل میں تولہ..... پل میں ماشہ والا انسان تھا..... پیاز کی طرح پرت در پرت لپٹا ہوا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ نہا کر وضو کر کے اس نے جائے نماز بچھائی۔ نماز ادا کر

کے دعا مانگتے ہوئے کئی آنسو بہہ نکلے۔

وہ مسلسل عذاب میں تھی۔ شارق زمان تو اپنے دل کا بوجھ اس کے کندھوں پر ڈال کر جیسے ہر فکر سے آزاد ہو گیا تھا اور وہ مسلسل گرداب میں پھنس گئی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لیے گزرے لمحوں کو بھی فراموش کر جاتی تو بھی یہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی کہ شارق کی وجہ سے اس کی فیملی نے عذاب سہا تھا اور وہ خود..... عزت کی موت اس پر تنگ پڑ چکی تھی اور اس نے اللہ سے موت کی دعائیں مانگی تھیں۔ وجہ کوئی بھی تھی۔ مقصد جو بھی تھا..... وہ تو بے قصور ماری گئی اور اس کی ذات کے حوالے سے جو جھوٹ شارق نے نواز سے بول کر رشتہ ختم کروایا تھا وہ کیسے نظر انداز کر دیتی.....

وہ ساری زندگی اس کی تابع بن کر گزار تو سکتی تھی مگر اپنے دل کو اس کی طرف سے صاف کرنا اتنی جلدی اس کے بس کی بات نہ تھی۔

دعا مانگ کر جائے نماز لپیٹ کر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔ باہر ہر طرف خاموشی تھی۔ وہ داخلی جالی دار دروازہ کھول کر باہر لان میں نکل آئی۔ گھر کے اندر کے مکین ابھی تک بے خبر تھے جب کہ وہ تو صبح خیزی کی عادی تھی۔ صبح کا اجالہ آہستہ آہستہ ہر چیز کو اپنے حصار میں لے رہا تھا۔ تاریکی چھٹتی جا رہی تھی۔ وہ گھاس پر جوتے اتار کر بیٹھ گئی۔ دل کو بڑا سکون حاصل ہوا تھا۔ وہ نجانے کب تک اس کیفیت میں مست رہتی۔ شاکرہ کی آواز پر پلٹی تھی۔

''السلام علیکم۔'' نویرہ نے مسکرا کر جواب دیا تو وہ بڑے شوق سے دیکھنے لگی۔

''آپ اتنی جلدی اٹھ گئی ہیں۔ ابھی تک اندر سب سو رہے ہیں؟'' نہایت اشتیاق سے اس کے مہندی سے رچے ہاتھ اور دلہناپے کی خوشبو بکھیرتے سراپا کو تکتے پوچھا تھا۔

''تمہیں میری عادت کا اندازہ تو ہے۔ فجر کی نماز پڑھنی ہوتی ہے۔ جلدی سوتی ہوں تو اٹھ بھی جاتی ہوں۔''

''ہاں جی۔ ویسے مجھے بڑا دکھ بھی ہوا تھا۔ نواز صاحب بڑے مطلبی نکلے۔ اللہ شارق صاحب کو لمبی زندگی دے۔ انہوں نے مشکل وقت میں آپ لوگوں کا ساتھ دیا۔ صاحب جی غصے کے تیز سہی پر دل کے بڑے اچھے ہیں۔'' وہ بڑے مدبرانہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ نویرہ کے مسکراتے لب سمٹ گئے۔ کیا نواز کا طعنہ اب ساری عمر ساتھ چلے گا.....

''آپ بڑی خوب صورت لگ رہی تھیں دلہن بن کر.....'' نویرہ تب بھی اسی طرح رہی

''اللہ آپ کو خوش رکھے اور ہزاروں خوشیاں دکھائے۔ اچھا جی میں اندر چلتی ہوں۔ بڑی بیگم صاحبہ کو دیکھوں۔ اتنے مہمان جمع ہیں۔ رفعت باجی نے بھی صبح صبح کچن دیکھنے کو کہا تھا۔''

وہ اپنے کوارٹر سے نکل کر آئی تھی۔ نویرہ اسے خاموشی سے جاتا دیکھتی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ بھی اٹھ کر واجدہ خالہ کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ اٹھ چکی تھیں۔ شاکرہ ان کا منہ دھلوا رہی تھی۔

''السلام علیکم خالہ جان۔'' وہ تولیے سے ہاتھ منہ صاف کر کے فارغ ہوئیں تو نویرہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔

''جیتی رہو خوش رہو آباد رہو۔'' اس کی پیشانی چومتے ہوئے انہوں نے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا

تھا۔ ''بڑی جلدی اٹھ گئیں۔'' محبت سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''بس جلدی آنکھ کھل گئی۔ رفعت باجی کہاں ہیں؟'' اطراف میں رفعت کو نہ پا کر اس نے پوچھا۔ شاکرہ باہر جا چکی تھی۔ کمرے میں وہ دونوں ہی تھیں۔

''ابھی اٹھ کر باہر نکلی ہیں۔ مہمان جمع ہیں تو سو ذمے داریاں ہیں۔ اللہ رفعت کو اجر دے۔ اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ خیر سے تم آ گئی ہو۔ گھر کی طرف سے تو میری فکر ختم ہی ہو گئی۔ میرے گھر کی اصل مالک تو اب تم ہی ہو۔ بیٹیاں تو مہمان ہوتی ہیں۔ پرایا دھن..... شادی کے بعد تو صرف مہمان بن کر آتی اور چلی جاتی ہیں۔''

نویرہ اپنے ناخنوں کو دیکھے گئی۔ اسے اس ذکر سے تکلیف ہو رہی تھی مگر وہ خالہ جی کو منع نہیں کر سکتی تھی۔

''شارق بھی اٹھ گیا ہے؟'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میری بڑی خواہش ہے وہ بھی کبھی صبح سویرے اٹھ کر نماز ادا کرے۔ خیر سے تم آ گئی ہو تو تم ہی اسے آمادہ کرنا۔ میری تو سن کر ٹال جاتا ہے۔ شاید تمہاری ہی مان جائے۔''

نویرہ نے ضبط سے ہونٹ کچلے..... شارق کے حوالے سے وہ خود الجھی ہوئی تھی۔ اماں کی باتیں مزید الجھانے لگی تھیں۔

وہ کچھ دیر بعد اپنے کمرے میں آ گئی تو شارق سر تک کمبل لپیٹے پڑا سو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے بستر کے کنارے پر ٹک گئی۔

رات وہ سو نہیں پائی تھی۔ فجر کے قریب آنکھ لگی بھی تو اذان کی آواز سن کر وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ اب آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ وہ بھی آہستگی سے کمبل میں دبک گئی۔

وہ نجانے کب تک سوئی تھی اور شاید کب تک پڑی سوتی رہتی۔ ایک نامانوس سے لمس کے احساس نے اس کی نیند اچک لی تھی۔ احساس گہرا ہوا تو اس نے فوراً پلکیں وا کر دیں۔ چند ثانیے تو وہ نظروں کے سامنے اپنے اوپر جھکے سر کو دیکھے گئی پھر جیسے ایک دم ہوش آیا تو احساس ہوا شارق زمان کے ہاتھوں کے لمس نے اس کی نیند توڑ دی تھی۔

''اوں۔ ہوں۔'' اس نے سرعت سے سیدھا ہونا چاہا تو شارق زمان نے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر روک دیا تھا۔ خوشبوؤں میں نہایا' ٹپ ٹاپ سادہ شلوار قمیص میں ملبوس وجود اس کے حواس جھنجوڑ گیا تھا۔

''بارہ بج رہے ہیں مادام۔ بڑی گہری نیند تھی تمہاری جو ٹوٹنے میں ہی نہیں آ رہی۔ کافی دیر سے ٹرائی کر رہا تھا۔'' وارفتانہ نگاہوں سے اس کے ملیح خوب صورت چہرے کو نگاہوں میں جذب کر کے وہ اس پر جھکے کہہ رہا تھا۔ نویرہ ''بارہ بجے'' کا سن کر چونکی۔ اسے حیرت ہوئی وہ اتنی دیر سوئی تھی۔

''لگتا ہے آج رات بھی میرے سونے کے بعد کل والی روٹین اپنائی تھی تم نے..... مگر شاکرہ اور امان تو کچھ اور کہہ رہی تھیں۔'' نویرہ کو اس کے الفاظ نے تلخ ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے چہرے کے اعصاب کشیدگی سے دوچار ہوئے تھے۔ رات والی اپنی بے بسی پر اسے رہ رہ کر تاؤ آ رہا تھا۔ اس سے اسے اس شخص سے عجیب طرح کی حیا آ رہی تھی۔ ساتھ ہی خود پر غصہ بھی..... دو طرفہ احساسات کا شکار وہ

خود سے ہی الجھ رہی تھی۔

پلکیں جھپکائے اس نے چہرے کا رخ موڑنا چاہا تو شارق نے دوبارہ چہرہ اپنی طرف کر لیا۔ بغور اسے دیکھتے وہ اس پر جھکا تھا۔

نویرہ..... وہ بت بنی رہ گئی تھی۔ محبت سے تھامے جانے والے ہاتھ کو اس نے سختی سے جھٹک دیا۔ یہ صاف احتجاج تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آتے چلے گئے۔ شارق نے مسکرا کر اسے کندھوں سے تھام کر اپنے برابر کیا تھا۔

''چھوڑیں مجھے۔'' وہ آہستہ آہستہ اپنی سابقہ کیفیت میں لوٹ رہی تھی..... بھرپور مزاحمت کرتے ہوئے اس نے شارق کے ہاتھ جھٹک دیے۔ وہ کھل کر ہنسا۔

''زبردست۔ دھان پان سے وجود میں اتنی طاقت..... چھوڑنا ہی ہوتا تو اتنے پاپڑ بیل کر تمہیں اپنایا ہی کیوں تھا..... اتنی کم عمر بچی تو نہیں ہو کہ میاں بیوی کے تعلق کے تقاضے کو نہ سمجھ سکو..... یہ احتجاج' یہ مزاحمت بچکانہ پن ہی تو ہے۔ پڑھی لکھی ہو' مجھ سے بہتر دین کو سمجھتی ہو پھر یہ آنسو کیوں؟'' چند لفظوں میں ہی اس نے اسے بے حیثیت کر دیا تھا۔ نویرہ کو وہ رہ کر گزرے لمحوں میں اپنی کمزوری یاد آنے لگی۔

''بس۔ آپ اپنی ضد جیت گئے۔ مجھے جس طرح بے بس کرنا تھا کر چکے۔ اب میری جان چھوڑ دیں۔ جائیں یہاں سے..... تنگ نہ کریں مجھے۔'' پلکیں بھیگتی چلی گئی۔ اس کے لہجے میں واضح بے بسی سی در آئی تھی۔ شارق کے ہاتھ جھٹک کر وہ بستر سے اتر گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر واپس کمرے میں آئی تو شارق کو اسی طرح بیٹھے پایا۔ وہ اسے نظر انداز کیے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ وہ اب اس شخص کے سامنے مزید کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ اس کی انا سر بلند ہو گئی تھی۔ ان تین چار دنوں میں بالوں کی طرف سے وہ بے پروا رہی تھی۔ بال یوں ہی ہمہ وقت پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے آگے ڈال کر برش اٹھایا۔

شارق نے بڑے اشتیاق سے لمبی کالی گھٹا کو دیکھا۔ اسے خود پر حیرت ہوئی۔ کبھی یہ سب کچھ اسے بہت برا لگتا تھا مگر اب یہی کچھ اسے اٹریکٹ کر رہا تھا۔ کتنی بڑی تبدیلی آ چکی تھی اس کے اندر..... وہ صرف ایک عورت کے حصول کے لیے اتنا کچھ کر چکا تھا۔ یہ سب اس عورت کا اعزاز تھا کہ پتھر میں جونک لگی تھی۔

''بڑے پیارے بال ہیں تمہارے بہت لمبے گھنے۔'' وہ اٹھ کر اس کے عقب میں چلا آیا تھا۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو نویرہ نے قدم آگے بڑھا لیے۔ اس سے اس شخص کا لمس بچھو بن کر ڈس رہا تھا۔

''تیار ہو جاؤ میں تمہیں شاپنگ پر لے چلتا ہوں۔'' بہت نرمی سے کہا۔

''مجھے کچھ نہیں لینا۔'' ادھر سے تلخی سے بھرپور تھی۔

''مگر مجھے تو لینا ہے۔ تمہیں اپنے لیے شاید ضرورت نہ ہو مگر مجھے اپنی بیوی کے لیے شاپنگ کرنی ہے۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ بارہ بج رہے ہیں۔ ناشتہ تو تم گول کر چکی ہو ناں لنچ باہر ہی کریں گے پھر میں تمہیں تمہاری امی کے ہاں لے چلوں گا۔'' اس کے تیوروں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تو امی کے ذکر پر وہ بے یقینی سے دیکھے گئی۔

''رات نہیں رکنا..... صرف شام تک ٹھہرنا۔ یہ طے ہے تمہیں رات صرف اس گھر میں میرے ساتھ

گزارنی ہے۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ پھر نکلتے ہیں۔ کچھ وقت تو شاپنگ میں بھی لگے گا۔'' وہ کہہ کر پلٹا تھا۔ نویرہ نے غصے سے دیکھا۔

''مجھے کہیں نہیں جانا..... اگر جانا ہے تو رات رہوں گی ورنہ نہیں۔'' وہ اس مشروط اجازت پر بھی لق دق رہ گئی فوراً انکار کیا تھا۔ شارق زمان نے پلٹ کر اس کے تیور جانچے پھر کندھے اچکا دیے۔

''او کے۔ جیسے تمہاری مرضی۔ تم نہیں جانا چاہتیں تو نہ سہی مگر رات رکنے والی بات طے ہے۔ چاہے تمہیں اچھا لگے یا برا..... ہاں شاپنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تھوڑی دیر میں نکلتے ہیں۔'' وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تو وہ غصے سے اپنی جگہ جمی رہ گئی۔

رات کے شارق اور اب کے شارق میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اس نے برش ٹیبل پر پٹخ کر بستر پر بیٹھ کر سر تھام لیا کہ یہ شخص اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

وہ شاپنگ پر نہیں جانا چاہتی تھی مگر اس کی شارق کے سامنے ایک نہ چلی تھی۔ اس کی انا بری طرح مجروح ہوئی تھی۔ اس شخص کو صرف اپنے جذبات کی پروا تھی۔ کسی اور کے احساسات کی قطعی فکر نہ تھی۔ رفعت باجی اور اماں کے اصرار پر وہ اماں کے ہاں جائے مگر اس سے پہلے شارق کے پروگرام کے تحت شاپنگ پر جانے پر تیار ہوئی تھی پھر اماں کے بھی کئی فون آ چکے تھے۔ رفعت باجی اسے خود گاڑی تک چھوڑنے آئی تھیں۔ شارق فرنٹ سیٹ کا ڈور کھولے منتظر تھا۔ سجے سنورے وجود پر کالی چادر میں ڈھانپے وہ اس کے برابر ٹکی تو شارق نے اس کا چہرہ دیکھا۔ ناراضگی و ضبط کا عکس چہرہ اس کے اندر کے موسم کا ترجمان تھا۔

''شارق ضد نہیں کرنا اگر خالہ وغیرہ روکیں تو رک جانا یا نویرہ کو ہی رات رکنے دینا۔'' رفعت باجی کی نصیحت پر بھی اس نے بغیر کچھ کہے گاڑی گیٹ سے نکالی تھی۔

نویرہ قطعی لاتعلقی سے ونڈ اسکرین کے شیشے پر نظریں گاڑھے ہوئے تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس شخص کی معیت میں زندگی کیسے گزرنے والی ہے..... اپنی انا کو مار کر اس کی ہر بات پر جی حضوری کرتے ہوئے۔ اس کے اندر طوفان برپا تھے..... ذہنی طور پر وہ بہت اپ سیٹ ہو چکی تھی۔

رات کو جس طرح شارق زمان نے اپنے رشتے کا استحقاق استعمال کیا تھا۔ وہ ابھی تک ششدر تھی۔ وہ اتنی کمزور کیوں پڑ گئی۔ اس کا ذہن اسے مسلسل کچوکے لگا رہا تھا۔

شارق زمان نے کئی بار اس کی طرف دیکھا۔ وہ مکمل لاتعلقی لیے ہوئے تھی۔

وہ مبہم سا مسکرا دیا۔

شاپنگ کے دوران بھی نویرہ کی چپ نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ اسے ساتھ لیے ادھر سے ادھر گھومتا رہا تھا۔ نجانے کیا کچھ خریدتا رہا تھا۔ لیڈیز شاپنگ کے متعلق شارق کی معلومات بڑی اپ ٹو ڈیٹ تھیں۔ نویرہ ہر موڑ پر نئے سرے سے حیرت سے دوچار ہوئی تھی۔ شارق زمان جیسے آج ہی سب کچھ خرید لینا چاہتا تھا۔ کپڑے' جیولری میچنگ' شالیں' چادریں' بیگز' شوز' تین سے چار گھنٹے وہ اس کے ساتھ خوار ہوئی تھی۔

شارق زمان نے اپنے لیے بھی چند ایک چیزیں لی تھیں۔ زیادہ تر چیزیں نویرہ کے لیے ہی لی تھیں۔

"پلیز! میں اب تھک گئی ہوں۔ اب مجھے کہیں نہیں جانا۔"

شارق زمان اپنے لیے نجانے کہاں جانے والا تھا' وہ ایک دم رک گئی۔ اس سارے عرصے میں "ہوں ہاں" کے علاوہ پہلا باقاعدہ جملہ تھا جو اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ شارق زمان نے بغور دیکھا۔

"اوکے چلو۔ کسی ریسٹورنٹ میں لنچ کرتے ہیں۔" اس نے بھی مزید خریداری کا ارادہ فوراً ترک کیا تھا۔ نویرہ نے فوراً نفی میں گردن ہلائی۔

"نہیں پلیز! اب واپس چلیں۔ میں کسی ریسٹورنٹ میں نہیں جاؤں گی۔ میں نہ پہلے ایسی جگہوں پر گئی ہوں اور نہ ہی ایسا کوئی شوق ہے۔" اس کے لہجے کی تلخی وہی تھی' چہرہ اچھا خاصا چادر میں لپٹا ہوا تھا ورنہ وہ اس کے تاثرات ضرور نوٹ کرتا۔

"مگر میرا بھوک سے برا حال ہو رہا ہے۔ میں تمہیں فیملی کیبن میں لے جاؤں گا۔ کسی چھوٹے موٹے ریسٹورنٹ میں نہیں لے جا رہا۔ تم کو بھی اندر کا ماحول اچھا لگے گا چلو تو سہی۔" شارق نے اب بھی اپنی ہی کہی تھی۔ نویرہ کلس کر رہ گئی۔ اب بولنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

ریسٹورنٹ کا اندرونی ماحول خاصا اچھا تھا۔ وہ اسے فیملی کیبن میں لے آیا تھا۔ نویرہ اس کے ساتھ گھسٹنے پر مجبور تھی۔ آرڈر دے کر اس نے نویرہ کو دیکھا۔ چادر ابھی تک اسی طرح چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھی جس طرح وہ شاپنگ کے دوران رہی تھی۔

"اب تو ریلیکس ہو کر بیٹھو اور یہ چادر پیچھے کرو۔ چہرہ تو دیکھنے دو۔" زبان کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ کو بھی حرکت دی تھی۔ چادر چہرے سے پیچھے سرکائی تو نویرہ نے سٹپٹا کر خود ہی چادر کا پلو پیچھے کر لیا۔

"اتنے خوب صورت چہرے پر اتنی ناراضگی اچھی نہیں۔ یار مسکراؤ تو سہی..... یوں لگ رہا ہے جیسے میں تمہیں مار کر لایا ہوں۔"

نویرہ نے برہمی سے دیکھا۔ شارق زمان نے مسکرا کر نویرہ کا ہاتھ تھام لیا۔ نویرہ کی سانسیں اٹکنے لگیں۔

"ابھی تک ناراض ہو..... اب تو ناراضگی کا کوئی جواز نہیں رہا۔ سب کچھ تو بتا چکا ہوں تمہیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ابھی تک کہ میرے پاس ہو۔ میں تمہیں چھو سکتا ہوں۔ لگتا ہے یہ سب خواب ہے۔ میں گہری نیند میں ہوں۔ میں آنکھیں کھولوں گا تو تم غائب ہو گی۔ تمہارے گھر والے تمہیں مجھ سے چھین لیں گے۔ نویرہ اب تو لگتا ہے تمہارے بغیر سانس بھی لوں گا تو مر جاؤں گا۔"

جذبوں سے بوجھل خمار آلود لہجہ' ہوٹل کے اس فسوں خیز ماحول میں اور بوجھل اور بھاری ہو گیا تھا۔ نویرہ کو اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوئے۔ شرم و حیا نے بیک وقت حملہ کیا تھا۔

اتنی وارفتگی..... اس قدر والہانہ پن۔

محبتوں کا عروج تھا یا جذبوں کی شدتیں۔

وہ دم بخود رہ گئی۔

یہ سچ تھا یہ دھوکہ.....

وہ جو بیت گیا تھا تو وہ پھر کیا تھا؟

وہ جس طرح اسے حاصل کرنے کے اقدامات کر چکا تھا وہ کس زمرے میں تھے؟

جس سے محبت ہوتی ہے ان کو یوں خوار نہیں کیا جاتا.....

دوسروں کی نظروں سے گرایا نہیں جاتا۔

ایک محبت کرنے والا ہی محبوب کے جذبوں کی قدر کرتا ہے۔

اس کی عزت نفس کو کچلتا نہیں۔ اس کی انا کی حفاظت کرتا ہے مگر یہاں اس شخص نے اسے ہر جائز و ناجائز طریقے سے حاصل کیا تھا۔

اس کی ذات نواز فاروق کی نظروں سے گرائی تھی اور نواز فاروق..... اس نام کے ساتھ وہ پتھر بن گئی۔ اس کی سوچ تک زہریلی ہو گئی تھی۔ وہ سب معاف کر دیتی مگر یہ جرم کبھی معاف کرنے والا نہ تھا۔ اسے اپنے لیے شارق کے منہ سے نکلا ہوا "ریپ" کا لفظ بھولتا ہی نہ تھا۔ اس کی ذات کانٹوں پر لے آتا تھا۔ وہ کوئلوں پر لوٹ رہی تھی اور یہ شخص کتنا مطمئن تھا۔

محبت کر کے..... محبت کے نام پر رسوا کر کے کیسے فاتح بنا اپنی فتح کا جشن منا رہا تھا۔

اسے ایک عورت کی پارسائی نے مجبور کیا تھا تو وہ اس عورت کی پارسائی کو کسی اور کی نگاہوں میں داغ دار کر گیا تھا..... صرف اپنے فائدے کے لیے..... اس کے بھائی سر جھکانے پر مجبور ہوئے تھے۔ اس کی ماں کی آنکھوں کی گریہ زاری کا کوئی حساب نہ تھا اور یہ شخص اپنی فتح کے نشے میں غرق صرف ایک عورت کے حصول پر نازاں تھا۔

نویرہ کا روم روم نفرت سے جلنے لگا تھا۔ جی چاہا وہ اس گھٹیا دھوکے باز کا منہ نوچ لے مگر وہ ضبط کر گئی۔ وہ اس طاقت ور و توانا وجود کے سامنے بے بس تھی۔ وہ مان گئی تھی صرف ایک رات میں قطعی بے بس ہو گئی تھی۔

"میرا خیال ہے اب اتنی بے اعتباری نہیں ہونی چاہیے۔ میرے والدین اور بھائی وعدہ خلاف نہیں۔ وہ عزت کے لیے سر جھکا سکتے ہیں تو عزت کے لیے نفرت کے باوجود برداشت بھی کر سکتے ہیں۔ اب بات صرف انفرادی وجود کی نہیں خاندانی بقا کی ہے۔ نسلوں کے افتخار کی ہے جسے آپ کیا جانیں۔" وہ بولی تھی تو تلخی سے بھرپور وار تھا۔

"نویرہ۔"

"میں' میری ماں یا بھائی آپ جیسی سطحی سوچ نہیں رکھتے۔ آپ کیا جانیں عورت کی پاکیزگی اور وفاداری کیا ہے؟ آپ گارنٹی دے سکتے ہیں کہ میں ساری عمر آپ کے ساتھ وفادار رہوں گی۔ ہے آپ کے پاس میرے سوال کا کوئی جواب؟" نویرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر ڈالتی۔

"نویرہ! تم..... حد سے گزر رہی ہو۔" شارق لب بھینچ کر اسے دیکھنے لگا تو وہ طنزیہ ہنسی۔

"ابھی کہاں شارق صاحب۔ ابھی تو آغاز ہے۔" وہ ہنسی۔ "کتنا اذیت ناک المیہ ہے کہ ایک مرد اپنے لیے ایک پاکباز وفادار عورت کی ڈیمانڈ کرتا ہے اور کیا ایک عورت کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ اس کی زندگی کا شریک سفر بھی ایسی خصوصیات سے آراستہ ہو۔" اس نے طنزیہ نگاہ اس خاموش وجود پر ڈالی۔

"جس طرح میری ذات کو آپ نے نواز فاروق کے سامنے ذلیل کیا ہے میں کبھی معاف نہیں کروں

گی۔ اپنی ماں کے بہائے گئے آنسو معاف کر سکتی ہوں۔ اپنے بھائیوں کے جھکے سروں کو کبھی بھول سکتی ہوں مگر اپنی نسوانیت پر لگنے والا یہ دھبہ کبھی نہیں بھولوں گی۔ کتنے افسوس کی بات ہے جس نسوانیت کی پاسداری کی صفت آپ مجھ میں دیکھ کر مرمٹے ہیں۔ میری اسی نسوانیت کو آپ نے اپنے ہاتھوں سے تار تار کیا ہے اور عورت سب کچھ معاف کر سکتی ہے مگر اپنی نسوانیت کے لیٹرے کو کبھی نہیں۔'' اسے موقع ملا تھا دل کھول کر اندر کی بھڑاس نکالنے کا۔

''میں اپنے ریپ کا لفظ کبھی معاف نہیں کروں گی۔ سنا آپ نے.....؟'' شارق زمان کا ضبط کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ حقیقت تلخ تھی مگر جھوٹ نہ تھا۔ نویرہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ویٹر کو اندر آتے دیکھ کر لب بھینچ گئی۔ کھانا بہت ہی خاموش ماحول میں کھایا گیا تھا۔

شارق زمان کے تیور بگڑ گئے تھے تو نویرہ کے اندر کمینی سی خوشی ابھری۔

''اچھا ہے میرے اندر کی آگ ادھر بھی تو منتقل ہو۔ پتا تو چلے کسی کو اذیت کیسی تکلیف پہنچاتی ہے؟ میری اذیت کا اندازہ اس وجود کو بھی تو ہو۔'' وہ خود غرضی کی انتہا پر تھی۔

کھانا ختم ہوتے ہی وہ دونوں وہاں سے نکل آئے تھے۔

''ارے شارق تم.....'' ہوٹل کی سیڑھیاں اترتے دونوں ہی رک گئے تھے۔

نویرہ نے اس قدر پرجوش آواز کی طرف دیکھا تو نگاہیں جھکنا بھول گئیں۔ اسکائی بلو گھٹنوں سے اوپر شرٹ کے ساتھ کھلے پائنچوں والا ٹراوزر پہنے گلے میں اسکارف ڈالے سر پر گلاسز ٹکائے تمتماتے چہرے کے ساتھ وہ نویرہ کے اعصاب پر قیامت بن کر گری تھی۔

''زیبا تم.....؟'' شارق کے رکنے پر وہ بھی رک گئی۔ اچنبھے سے دونوں کو دیکھا۔

ہوش ربا سراپا سمیت وہ لڑکی نگاہوں میں کھب رہی تھی۔ بنانے والے نے بھی اسے کیا خوب بنایا تھا۔ یوں جیسے دنیا کا حسن یکجا کر دیا ہو۔ آنکھیں پھاڑے پلکیں جھپکائے وہ اسے دیکھے گئے۔

''کیسے ہو؟'' پرجوش انداز میں شارق زمان کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیتے وہ بہت لگاوٹ کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

نویرہ نے نہ ایسی بے تکلفی دیکھی نہ سنی تھی۔ بڑا عجیب لگا تھا۔

''فائن۔ تم سناؤ کیسی ہو۔ سنا ہے دبئی کے ٹرپ پر تھی.....''

''ہاں ڈیئر کیا بتاؤں۔ پارٹی کے اگلے دن ہی پاپا مجھے زبردستی اپنے ساتھ دبئی لے گئے۔ پرسوں واپس لوٹی ہوں۔ کئی دفعہ تم سے رابطہ کیا مگر تم تو کہیں دستیاب ہی نہ تھے..... اور میری کالز بھی اگنور کر رہے تھے خیریت.....؟''

''اف یہ شناسائی اور شناسائیوں کے یہ لگاوٹ بھرے مظاہرے نویرہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

''بس الجھا ہوا تھا کہیں۔'' دونوں اس وقت نویرہ کی موجودگی کو یکسر بھولے ہوئے تھے۔

زیبا کیانی کی نگاہ شارق زمان سے قدرے فاصلے پر سیاہ بڑی چادر میں لپٹے وجود پر پڑی تو تعجب سے بغور دیکھا۔ چادر میں چہرہ چھپا ہوا تھا۔ اس نے شارق کو دیکھا۔

''ہوا زشی؟'' نویرہ کے ڈھکے چھپے سراپا پر تمسخرانہ نگاہ ڈالے وہ خاصے مغرورانہ لہجے میں استفسار ہوا تھا۔ نویرہ کو اس ہتک آمیز انداز نے سلگایا۔

''مائی وائف۔'' اسی ریلیکس انداز میں جواب دیا گیا تھا۔

''کیا.....؟'' زیبا تو مارے حیرت کے وہیں جم گئی۔ ''تم نے شادی کر لی؟'' اس کا حیرت سے برا حال تھا۔ نویرہ سر جھٹکتے دونوں کو وہیں چھوڑے سیڑھیاں اترنے لگی۔

''بس کل ہمارا ولیمہ تھا۔''

''تم نے مجھے چیٹ کیا۔'' شارق نے نویرہ کو اترتے دیکھ کر زیبا کے الفاظ پر اسے گھورا۔

''کیوں.....؟ میں تمہیں کیوں چیٹ کروں گا؟ میں نے کون سے تم سے وعدے کیے تھے؟ تمہارے اپنے ذہن کی اختراع تھی۔ تمہاری دعوت پر میں تمہارے والد بزرگوار سے بھی ملا تھا مگر انہیں اپنی دولت پر بڑا ناز تھا اور میں ایسے لوگوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ تم سے پرانی شناسائی ہے تو سر راہ ملنے پر رک گیا ہوں ورنہ میں ایسے شخص سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جو میرے خاندان پر طنز کرے۔''

نویرہ پارکنگ میں کھڑی گاڑی کے پاس کھڑی شارق کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اسے برہمی سے سنا کر تیز تیز قدم اٹھاتا آگے بڑھا۔

نویرہ بری طرح سلگ رہی تھی.....

''تم نے مجھے چیٹ کیا۔'' یہ الفاظ اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ اس شخص کو اپنا کردار نظر نہیں آتا۔ ایک میں ہی ملی تھی زندگی تباہ کرنے کے لیے۔ یہ قیامت کیوں نہ نظر آئی..... کیا کمی تھی اس میں؟'' زیبا کیانی کا ہوشربا حسن اس کے دل پر ضربیں لگا رہا تھا۔

اس نے سلگتی نگاہوں سے شارق زمان کو سیڑھیاں اترتے ہوئے دیکھا۔

❁.....❁.....❁

سعد جمال سے رشتہ طے ہوئے کئی دن بعد بھی وہ سنبھل نہیں پائی تھی۔ وہ کالج جا رہی تھی۔ کالج سے فرح کے ساتھ وہ پہلے کی طرح اپنا رویہ برقرار نہ رکھ پائی تھی۔ ایک دم صدیوں کا فاصلہ درمیان میں آیا تھا۔ وہ تو مجبور تھی..... اس کے ساتھ جو گزرا تھا وہ چاہتی بھی تو بھول نہ پاتی جبکہ فرح بھی غیر محسوس انداز میں اس سے دور ہو گئی تھی۔ ایک صاف خلیج درمیان حائل ہو چکی تھی۔ ایک جھجک' ندامت کی صورت میں..... فرح نے بارہا اس سے گفتگو کرنے کی کوشش کی تھی اور زرش ہر بار رک جاتی تھی۔ وہ اس راستے سے ہر قدم رکھنا بھول گئی تھی جہاں فرح کی موجودگی کا امکان ہوتا تھا۔

کلاس میں دونوں پہلے کی طرح ساتھ نہ تھیں۔ ان دونوں کا رویہ ان کی بہت سی کلاس فیلوز کے ساتھ ٹیچرز نے بھی نوٹ کیا تھا..... جس طرح زرش پچھلے دنوں مسلسل غیر حاضر رہی تھی۔ زرش کے گریز اور فرح کی چپ سب کو متوجہ کر رہی تھی اور زرش بہت چاہنے کے باوجود خود کو نارمل نہیں کر پا رہی تھی۔

ان ہی گزرتے روز و شب میں شائستہ کو زرش کی چپ اور سنجیدگی بہت متفکر کر گئی تھی۔ وہ نہ ہی تو پہلے کی طرح سب کے ساتھ بیٹھتی تھی اور نہ ہی اس کا مزاج اپنی پرانی جون میں لوٹا تھا۔ وہ اپنی ذات کے

حصار میں مقید ہو کر رہ گئی تھی۔ گھر کا ہر فرد نوٹ کر رہا تھا مگر علاج اختیار سے باہر تھا۔

اس رات بھی وہ کھانا کھانے کے بعد کمرے میں بند ہو چکی تھی۔ الگ تھلگ رہنا جیسے اس کی آہستہ آہستہ عادت بنتی جا رہی تھی۔ شائستہ دن بدن تشویش میں مبتلا ہو رہی تھیں۔ انہوں نے سعود احمد کو میڈیسن دی تھی۔ وہ ابھی تک آفس نہیں جا رہے تھے' گھر پر ہی ریسٹ کر رہے تھے۔ دوسرا وہ زرش کا رشتہ اس قدر عجلت میں سعد سے طے کر دینے کے بعد سعید احمد سے سامنا کرنے سے بھی پہلو تہی کر رہے تھے۔ وہ پہلے سے کافی حد تک بہتر تھے۔

سعود احمد کے سو جانے کے بعد شائستہ بیگم زرش کے کمرے کی طرف چلی آئیں۔ ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھل گیا تھا۔ زرش اسٹڈی ٹیبل پر جھکی کچھ لکھ رہی تھی۔ کمپیوٹر آن تھا۔ کوئی پروگرام فیڈ کیا جا رہا تھا۔ شائستہ کی آمد کی اسے خبر نہ ہوئی تھی۔ وہ اسی طرح جھکی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس کے قریب آ کر اسے دیکھا۔

''زرش۔'' اس پکار پر وہ فوراً سیدھی ہوئی تھی۔ شائستہ کو دیکھ کر مسکرائی۔

''ماما! آپ اس وقت کوئی کام تھا؟ مجھے آواز دے لی ہوتی۔'' وہ فوراً کھڑی ہوئی تھی۔ شائستہ نے اس کے سامنے دھری نوٹ بک پر نگاہ ڈالی۔ آڑھی ترچھی لکیروں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ کتابیں اردگرد بے ترتیب بکھری ہوئی تھیں اور ایسی ہی بے ترتیبی پورے کمرے اور زرش کی اپنی ذات میں بھی نمایاں تھی۔ ملگجا لباس' رف بال' خشک ہونٹ' بجھی آنکھیں..... ان کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچا تھا۔

''ماما! کیا بات ہے؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں.....؟ پاپا تو ٹھیک ہیں ناں؟'' ماما کے یوں دیکھنے پر وہ فوراً خوف زدہ ہو گئی تھی۔ پہلا خیال ہی سعود احمد کی طرف گیا تھا۔ انہوں نے مسکرا کر اسے تسلی دی۔

''ہوں۔ ابھی میڈیسن دے کر آئی ہوں۔ اب سو رہے ہیں۔ تم تو ہر وقت کمرے میں بند رہتی ہو۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا تم کو ہی دیکھ لوں۔ تمہارے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی اسی لیے۔''

زرش نے سکون کا سانس لیا۔

''پڑھائی ہو رہی تھی۔''

''ہوں..... آپ..... آپ بیٹھیں میں بس سب سمیٹنے ہی والی تھی۔'' اس نے فوراً ٹیبل پر بکھری کتابیں سمیٹ کر کمپیوٹر آف کیا اور پھر شائستہ کے پاس بستر پر آ بیٹھی۔

شائستہ نے دیکھا وہ پہلے سے زیادہ کمزور اور خستہ حال دکھائی دی۔

''تو کیا زرش اس رشتے سے خوش نہیں؟'' ان کے دل میں پکڑ دھکڑ شروع ہو چکی تھی۔ ہادیہ نے تو سب ٹھیک ہے کہا تھا۔ زرش نے بھی زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کی خاموشی کو ہی رضامندی سمجھ کر مطمئن تھیں۔

''کمرہ بڑا بکھرا ہوا ہے۔ یاسمین سے کہہ کر صفائی کرواؤ۔'' انہوں نے کمرے کی طرف توجہ دی۔

زرش کے ہونٹوں پر بڑی پھیکی سی ہنسی تھی جو اندر سے بکھر جاتیں۔ انہیں شاید باہر کی بے ترتیبی نظر نہیں آتی۔

''جی اچھا۔ بس خیال ہی نہیں رہتا۔''

''زرش! تم خوش ہو ناں؟'' زرش کی پھیکی ہنسی ان کے دل پر نشتر چبھو گئی تھی۔ وہ استفہامی انداز میں ماما کو دیکھنے لگی۔ انہوں نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''آپا نے یوں ہی رشتے کی بات کی تھی پھر تو انہوں نے باقاعدہ چکر لگانے شروع کر دیے تھے۔ مجھے اندازہ ہے تم جن کرائسس سے گزر آئی ہو۔ ابھی ان حالات میں ایسا کوئی بھی قدم اٹھانا تمہاری طبیعت و مزاج پر گراں گزر سکتا تھا مگر تمہارے پاپا اور تمہاری آپا کا خیال تھا کہ طاہرہ کے گھٹیا پروپیگنڈے کا صرف یہی حل ہے۔ سمعان کی طرف تو ان حالات کے بعد اب خیال جا ہی نہیں سکتا تھا کہ اسی میں تمہاری اور سمعان کی بقا تھی لیکن صرف مفروضوں کی بنا پر اتنا بڑا رسک نہیں لیا جا سکتا تھا۔ بہت سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھایا ہے۔ میں نے ہادیہ سے کہا تھا کہ تمہاری رضامندی لے لے۔ اس نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا تھا مگر اب تمہاری چپ مجھے وہموں وسوسوں سے دوچار کر رہی ہے۔'' شائستہ بیگم صرف پریشان ہی ہیں از حد ڈسٹرب بھی تھیں۔ زرش نے خاموشی سے ان کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کی۔

''آپ کو میری طرف سے کسی قسم کی شکایت نہیں ملے گی۔ آپ میرے والدین ہیں۔ میرے لیے آپ نے کچھ بہتر سوچا ہے۔ بس ابھی یہ سب کچھ نیا نیا ہے۔ ذہن مشکل سے قبول کر رہا ہے مگر ایسی کوئی بات نہیں۔ میں آپ کے فیصلے پر ناراض تو نہیں ہوں' بس اپنی حماقتیں یاد آتی ہیں تو مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہیں۔'' اس نے دل کی بات فوراً کہہ دی تھی۔ وہ خود بھی اب اس بوجھ سے آزاد ہونا چاہتی تھی۔ یہ بوجھ مسلسل عذاب بن کر اس کو اندر ہی اندر کاٹ رہا تھا۔

''سعد بہت اچھا لڑکا ہے۔ ہارٹ اسپیشلسٹ..... اس مقصد کے لیے اس نے اتنی جدوجہد کی ہے تب جا کر اس اسپیشلسٹ ہونے کا وقت آنے کو ہے۔ آپا تو بہت مطمئن اور خوش ہیں پھر بہت محبت سے انہوں نے یہ رشتہ طے کیا ہے۔ آپا کہہ رہی تھیں کہ اسے وہاں کچھ آفر زمل رہی ہیں' وہ شاید انسٹرسٹڈ بھی ہیں۔ پہلے تو آپا کہہ رہی تھیں کہ وہ فوراً پاکستان آئے۔ وہ خود بھی فوراً آنے والا تھا مگر اب وہ رک گیا ہے۔ آپا نے آج ہی میرے فون کرنے پر بتایا تھا کہ وہ وہاں کچھ عرصہ رکنا چاہتا ہے۔ یہ اچھی بات ہے۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ وہ رک جائے تب تک تم بھی اپنی تعلیم جاری رکھ سکو گی۔ ہاں یہ طے ہے وہ جب بھی پاکستان آیا' آپا لوگ شادی کی جلدی کر دیں گے۔ میرا ارادہ ہے کہ نوشی کے ساتھ تمہیں بھی رخصت کر دوں۔''

زرش غیر دلچسپی سے یہ سب سن رہی تھی۔ اب اسے اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ سعد جمال صرف اس کا کزن تھا۔ طبیعت اور مزاج کا اچھا انسان تھا۔ اپنی تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے وہ ہمہ وقت مصروف رہتا تھا۔ کم ہی اس سے بے تکلف ہونے کا موقع ملا تھا۔ جب کہ وہ تو بے تکلفی نہ ہونے کے برابر تھی پھر وہ ہمیشہ بڑے پن کا مظاہرہ کرتا تھا۔ وہ تو فرح بھی اس سے خاصا خائف رہتی تھی۔ کبھی وہم گمان میں بھی نہ تھا کہ اس سے ایسا کوئی رشتہ بھی بن سکتا ہے۔

''ماما! ایک بات پوچھوں؟''

''ہوں۔''

"اس دن آپ مجھے تائی کے متعلق کچھ بتا رہی تھیں۔ میرا مطلب ہے ان کے ماضی کے متعلق لیکن پھپھو لوگوں کی آمد کی وجہ سے بات ادھوری رہ گئی۔ تائی امی کی آپ اور پاپا سے نفرت کیا اسی وجہ سے ہے؟ اگر وہ اسی طرح انوالو ہو بھی گئی تھیں تو پھر انہوں نے تایا ابو سے شادی کیسے کر لی؟" جھجکتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ شائستہ نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگالی۔

"کاش یہ بات صرف طاہرہ کی انوالمنٹ تک رہتی تو ٹھیک تھا مگر بات بہت آگے تک گئی تھی۔ طاہرہ کی نفرت کی وجہ صرف میری ذات ہی نہیں اور بھی کچھ ہے۔"

"پھر کیا ہوا تھا؟" زرش کے اندر پھر سے تجسس ابھر آیا تھا۔

"پتا نہیں قیصرہ کی برین واشنگ تھی یا پھر طاہرہ کے اندر ہمیشہ سے ہی کوئی کمزور پہلو چھپا ہوا تھا جو ذرا سی پھونک مارنے پر فوراً شعلہ بن گیا تھا۔ طاہرہ اس کے بعد ہر اس واقعے پر تمہارے پاپا کی راہوں میں آنے لگی تھی جب بھی ملاقات کا موقع ملتا' تمہارے پاپا نے ان دنوں بھائی صاحب کے ساتھ مل کر کاروبار میں ابھی ہاتھ بٹانا ہی شروع کیا تھا۔ وہ کبھی اس شہر گئے ہوتے تو کبھی اس شہر..... جن دنوں بھائی صاحب کا رشتہ میرے لیے آیا تھا وہ ملک سے باہر تھے۔ چند ماہ بعد پاکستان آئے' رشتے پر انکار کی خبر ملی تو پریشان ہو گئے اور اس کے بعد وہ اکثر ہمارے ہی گھر کے چکر لگانے لگے۔ ویسے ہی طاہرہ ہمہ وقت ان کے سامنے ہی رہتی۔ وہ جو بڑے شوق سے ملنے آتے تھے' چڑ کر چلے جاتے۔ وہ مجھ سے بدظن رہنے لگے کہ میں جان بوجھ کر طاہرہ کو درمیان میں لا رہی ہوں اور میں حیرت سے دیکھتی رہ جاتی۔ مجھے ان دنوں کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیا کروں؟ کیسے اس آنے والے طوفان کو روکوں مگر میں نے طاہرہ کو باتوں ہی باتوں میں سمجھانا چاہا تو وہ میرے خلاف ہو گئی۔ اس کے نزدیک سعود احمد اس میں دلچسپی لے رہے ہیں اور یہ بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی اور میں اس کے حسن و خوب صورتی سے خائف ہوں۔ اسی لیے دونوں کے درمیان آ رہی ہوں۔ میرا جی چاہتا کہ میں طاہرہ کی ان خوش فہمیوں پر قہقہے لگاؤں مگر میں پتھر کی بنی سب کچھ دیکھ رہی تھی اور پھر میں نے تھک ہار کر سب کچھ حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔

ان ہی دنوں ہم دونوں کا سمسٹر ختم ہو رہا تھا۔ پیپرز دے رہی تھیں جب تمہارے پاپا نے ایک دن مجھے سختی سے کہہ دیا کہ میں طاہرہ کی خوش فہمیاں بلکہ غلط فہمیاں دور کر دوں ورنہ وہ اس سے خود بری طرح پیش آئیں گے۔ چونکہ یہ ہمارے خاندان کی بات تھی۔ میں نے تھک ہار کر نفیسہ آپا کو سب بتا دیا۔ انہوں نے مجھے تسلی دی اور پھر جب طاہرہ کی غلط فہمیاں حد سے بڑھنے لگیں تو انہوں نے خالہ اماں کو درمیان میں لائے بغیر اماں ابا تک میرے رشتے کی بات کر دی۔

سعید بھائی صاحب کے انکار کے بعد ابا جی میرے لیے باہر رشتے دیکھ رہے تھے۔ اب اس رشتے پر الجھ گئے تھے۔ نفیسہ آپا اس موقع پر بھی بڑی معاون ثابت ہوئیں۔ انہوں نے اماں ابا جی کو منا کر ہی دم لیا اور اس طرح بزرگوں میں رشتہ طے ہو گیا۔ طاہرہ کو پتا چلا تو اس نے مجھے بہت برا بھلا کہا۔ مجھے غاصب' دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالنے والی قرار دیا اور قیصرہ آپا اس کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی بجائے بڑھاتی ہی چلی گئیں۔

ایگزام دے کر فارغ ہوئیں تو خالہ جی سعید بھائی کا رشتہ طاہرہ کے لیے لینے چلی آئیں۔ میرا جی چاہتا کہ میں ایک دفعہ بھائی صاحب کو قیصرہ کی اصلیت کا بتا کر طاہرہ سے متعلق ان کو آگاہ کر دوں۔ یہ ساری زندگی کا معاملہ تھا۔ صرف محبت کی بنیاد پر ہی زندگی نہیں گزاری جا سکتی تھی مگر میرے اندر ان کا دل برباد کرنے کی ہمت پیدا نہ ہو سکی۔ میں نے سعود احمد سے بات کی تو انہوں نے بھی چپ رہنے کا کہا۔ اب میں کیا کر سکتی تھی۔ چپ چاپ حالات کا تجزیہ کرتی چلی گئی۔ تائی امی کے طاہرہ کے لیے سعید بھائی کا رشتہ کسی دولت سے کم نہ تھا پھر وہ ہمارے رشتے دار تھے۔ اماں جی اور ابا جی آپس میں بالکل غیر تھے۔ تایا جی نے تو فوراً ہاں کہہ دی۔ ان ہی دنوں قمر النساء اور منصور بھائی کا بھی رشتہ طے ہو چکا تھا۔ طاہرہ نے لاکھ انکار کیا۔ بھوک ہڑتال' ضد ہر حربہ استعمال کر ڈالا مگر تایا جان اس کے انکار کو اہمیت دینے والے ہی نہ تھے۔

اور پھر ان ہی دنوں شادی بھی طے ہو گئی۔ سعید بھائی اور سعود احمد کی بارات ایک دن آئی تھی۔ طاہرہ خوشی یا نہ خوشی سے بیاہ کر میرے ساتھ ہی "احمد ولا" چلی آئیں۔

زرش گنگ سی سب سن رہی تھی۔ ماں کے چپ ہونے پر فوراً ان کا چہرہ دیکھا۔

بھائی صاحب اور طاہرہ کی اندرونی چپقلش ان دنوں تک ہی محدود رہی۔ طاہرہ ماں باپ کے مجبور کرنے پر اس گھر میں آ تو گئی تھی مگر اس نے گھر کو اپنا گھر کبھی نہ سمجھا۔ سعید بھائی خاصی پریکٹیکل سوچ رکھنے والے انسان تھے۔ وہ الجھ کر رہ گئے مگر وہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہ سکتے تھے کہ طاہرہ صرف ان کی ذاتی خواہش پر' اس گھر میں آئی تھی۔ خالہ جی کو کبھی بھی تایا جی کی بیٹیوں کے طور طریقے پسند نہ آئے تھے اور جب انہوں نے اماں جی سے رشتہ مانگنے کو کہا تھا تو نفیسہ آپا نے بھی سمجھانا چاہا تھا۔ تب تو وہ ٹال گئے تھے مگر اب چپ تھے۔ شاید انہیں اب افسوس بھی ہو رہا تھا۔

طاہرہ زندگی کے ہر معاملے میں میری برابری کرتی تھیں۔ مجھ سے اور سعود احمد سے اس نے خدا واسطے کا بیر باندھ لیا تھا۔ ہاں اگر وہ اس گھر میں صرف کسی سے ڈرتی تھیں تو وہ دو انسان تھے۔ سعید بھائی اور خالو جان۔ ان کے علاوہ وہ ہر کسی کو جوتے کی نوک پر رکھتی تھی پھر قیصرہ آپا کی ہدایتیں' نصیحتیں اس کے شاملِ حال تھیں۔ وہ آنکھیں بند کیے ان پر عمل پیرا رہیں۔ شادی کے سال بعد ہی ان کے ہاں عثمان پیدا ہو گیا تو طاہرہ کی زندگی میں کچھ ٹھہراؤ سا آنے لگا۔ آہستہ آہستہ بھائی صاحب بھی مطمئن ہونے لگے تھے لیکن یہ ٹھہراؤ بہت کم عرصے پر محیط تھا۔ اس ٹھہراؤ کی مدت صرف دو سال رہی اور دو سال بعد پھر وہی طاہرہ بن گئی جس نے سب کو جوتے کی نوک پر رکھا ہوا تھا۔ عثمان کے دو سال بعد سمعان پیدا ہوا تھا۔ اولاد کے معاملے میں طاہرہ بہت لکی تھی۔ عثمان کے بعد سمعان احمد وہ تو جیسے ساری دنیا ہی بھول گئی تھی اور "احمد منزل" میں نئی چہکاروں کی وجہ تھی۔ اس کے اندر اس بات کا زعم ابھرنے لگا تو وہ اٹھتے بیٹھتے مجھے "بانجھ" کے طعنے دینے لگی۔

"ماما!" شائستہ کی آواز رندھ گئی تو زرش نے بہت شدت سے انہیں ساتھ لگا لیا۔

"تمہارے پاپا یا دیگر لوگوں کا آسرا نہ ہوتا تو میں پاگل ہو جاتی۔ سمعان کی پیدائش کے بعد تو بھائی

صاحب اس کی اور پروا کرنے لگے تھے۔ خالہ جی نے اسے ہاتھ کا چھالا بنالیا تھا۔ ایسے میں ہر کسی کو میری سونی گود کا بہت احساس ہونے لگا۔ یہ ان ہی دنوں کی بات تھی۔ مردوں میں سے کوئی بھی گھر پر نہ تھا۔ شام کا وقت تھا۔ نفیسہ آپا آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے مجھے کسی ڈاکٹر کے پاس اپنے ساتھ چلنے کو کہا تھا اور اس دن میں ڈاکٹر سے چیک اپ کروا کر لوٹی تھی۔ ڈاکٹر نے بڑی امید دلائی تھی۔ نفیسہ آپا مجھے چھوڑ کر چلی گئیں تو خالہ جی مجھ سے تفصیل پوچھنے لگیں۔ تب ہی قیصرہ نے بڑے طنزیہ و تمسخرانہ انداز میں کہا

''جو دوسروں کے حق پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ اللہ ان کو ایسے ہی محروم رکھتا ہے۔ کھیتی میں کچھ ہو تو فصل اگتی ہے۔ بانجھ بھی کبھی ماں بنی ہے۔'' میں نے ہر بار طاہرہ کا طنز برداشت کر جاتی تھی مگر ان لمحوں میں نجانے مجھے کیا ہوا تھا۔ میں آج بھی وہ لمحے یاد کرتی ہوں تو افسوس ہوتا ہے کہ کاش میں ان لمحوں میں اپنے غصے پر قابو پالیتی لیکن سچ ہے غصہ عقل کو کھا جاتا ہے اور طاہرہ نے مجھے جو طعنہ دیا تھا وہ شاید کوئی عورت اگر میری جگہ ہوتی تو کبھی برداشت نہ کر پاتی۔

''طاہرہ زبان سنبھال کر بات کرو۔'' میرا غصے سے برا حال تھا اور پھر بات بہت بڑھتی چلی گئی۔ نہ میں چپ ہو رہی تھی اور نہ ہی طاہرہ..... خالہ جی حیران و پریشان دیکھتی رہ گئیں۔ اور تب ہی ان ہی لمحوں میں غصے سے وہ سب کہہ گئی جو مجھے کبھی نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں نے خالہ امی کے سامنے طاہرہ کے سعود احمد سے متعلق کارنامے بیان کیے تھے۔ خالہ تو دل تھام کر بیٹھ گئیں اور طاہرہ اپنی پول کھلنے پر مجھ پر چڑھ دوڑیں۔ وہ ایک دم انکاری ہوگئی۔ مجھے برا بھلا کہنے لگی۔ اسی دوران پہلے خالو جان گھر آئے اور پھر بھائی صاحب' سعود احمد ان دنوں بزنس ٹرپ پر تھے۔ دونوں نے اپنے کانوں سے سب کچھ سنا اور پھر قیامت ہی تو آگئی۔''

زرش کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔

''بھائی صاحب کے لیے طاہرہ کی یہ بے وفائی تھی۔ مرد ہر چیز برداشت کر سکتا ہے مگر عورت کی بے وفائی نہیں اور عورت بھی وہ جسے اس نے ٹوٹ کر چاہا۔ بھائی صاحب کے اندر جیسے ہر جذبہ مر گیا تھا۔ انہوں نے طاہرہ کو رکھنے سے انکار کر دیا۔ خالہ جی اور خالو جی سمجھاتے رہ گئے۔ انہوں نے مجھے بلا کر سب سچ سچ بتانے کو کہا۔ بات منہ سے نکل چکی تھی۔ اب انکار کرتی تو نظروں سے گرتی جو مجھے علم تھا سب کہہ دیا اور بھائی صاحب..... انہوں نے تو گویا لب سی لیے۔ صرف ایک بات کہی۔

''اماں جی طاہرہ سے کہیے یہ چلی جائے۔ میں نے ایک ایمان دار عورت کے دھوکے میں جذبات کی ماری عورت کو لانے کی غلطی کی ہے اور مجھے اس کی سزا ملنی چاہیے کہ سب کے جذبات کی پروا کیے بغیر میں نے اپنی ضد پوری کی تھی۔ میں تو سمجھا تھا کہ شاید میں ہی اس کی توقعات پر پورا نہیں اترا مگر علم نہ تھا۔ یہ عورت میرے ہی گھر میں رہتے ہوئے میرے ہی بھائی کے متعلق جذبات آلود کرتی رہی ہے۔ میں اپنی اولاد کو ایسی ماں نہیں دوں گا جو جذبات کی ماری ہو۔ یہ میرے بچے ہیں اور میرے ہی پاس رہیں گے۔ اسے کہیں یہ چلی جائے۔'' انہوں نے گویا فیصلہ سنا دیا تھا۔ اور ان کا فیصلہ پتھر پر گویا لکیر تھا۔

طاہرہ مجھے کوسنے دیتی رہی۔ بددعائیں' طعنے' تشنے..... میں تو ڈر گئی۔

''اللہ کرے شائستہ تم بانجھ بنی رہو۔ جس طرح تم نے میرا گودا جاڑا ہے تمہاری بھی گود اسی طرح اجڑی رہے۔ ایک ماں کی آہ لے رہی ہو' تم نے مجھے برباد کر دیا خوش تم بھی نہیں رہو گی۔''

معاملہ حد سے بڑھا تو طاہرہ نے قیصرہ کو بلوا لیا تھا۔ سعید بھائی کے دوٹوک فیصلے پر وہ بددعائیں کوسنے دیتی رخصت ہوئی تھی۔

وہ رو رہی تھیں۔ زرش کو شائستہ کے آنسوؤں سے بڑی تکلیف ہو رہی تھی۔

''تمہارے پاپا آگئے۔ انہیں بھی سارے معاملے کا علم ہوا تو برہم ہوئے پھر مجھے حوصلہ دیتے رہے کہ کچھ نہیں ہوتا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اماں جی' ابا جی' تایا جان' تائی امی معراج بھائی سب نے بارہا کوشش کی کہ بھائی کی ضد ٹوٹ جائے مگر ان کی ناں ہاں میں نہ بدلی اور طاہرہ ماں باپ کے ہاں جانے کی بجائے قیصرہ کے ساتھ گئی تھی۔ بھائی صاحب کے عتاب کی یہ ایک اور وجہ ٹھہری تھی۔

ان دنوں عثمان اور سمعان کو میں نے حقیقی ماں کی طرح سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ بھائی صاحب دونوں بچوں سے بڑا پیار کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی مجھ سے شکوہ نہ کیا مگر میں خود ہی ندامت سے دوچار رہتی۔ دو ماہ بعد کی بات ہے ڈاکٹر نے مجھے خوشخبری سنائی تو میں حیران رہ گئی۔ دراصل میں طاہرہ کی بددعاؤں سے ڈر گئی تھی۔ مجھے اللہ سے خوف آنے لگا تھا کہ کہیں مجھے محروم ہی نہ رکھے مگر اس کی مہربانی تھی۔ وقت گزرنے لگا تھا۔ سمعان ایک سال کا تھا جب میرے ہاں ہادیہ کی پیدائش ہوئی تھی۔ بھائی صاحب نے ہادیہ کو اٹھا کر ایک بات کہی تو میں چپ رہ گئی اور پھر یہ بات اماں جی ابا جی اور سعود تک پہنچی تو انہوں نے وقت پر ڈال دیا۔''

''انہوں نے کیا کہا تھا؟'' زرش پوچھے بغیر نہ رہی تھی۔

''انہوں نے عثمان یا سمعان دونوں میں سے کسی ایک بیٹے کے لیے ہادیہ کو مانگا تھا۔''

''پھر.....؟'' زرش کو حیرت ہوئی۔ اس کے علم میں یہ بات نہ تھی۔

''پھر تمہارے پاپا نہ مانے۔ ان کے نزدیک یہ قبل از وقت بات تھی۔ میری مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ عثمان' سمعان احمد کی ذمے داری کے ساتھ ساتھ ہادیہ کو بھی سنبھالنا۔ وقت گزرنے لگا تھا۔ اس دوران خالو جی نے کئی بار بھائی صاحب پر دباؤ ڈالا کہ وہ طاہرہ کو لے آئیں مگر ان کی ایک ہی ضد تھی کہ وہ فیصلہ تو بھجوا سکتے ہیں مگر اس دھوکے باز عورت کو اب کبھی اپنے گھر میں نہیں بسائیں گے۔ بھائی صاحب کی زندگی کی بربادی مجھے اپنا قصور لگنے لگا تھا۔ میں ان سے نادم رہنے لگی تھی۔ بارہا انہیں سمجھایا مگر وہ مانے ہی نہیں۔ خاندان بھر میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ بہت سی باتیں سننے کو ملیں جتنے منہ اتنی باتیں..... تایا جی بیٹی کا غم لیے قبر میں جا اترے تو تائی امی بے حیثیت ہو کر رہ گئیں۔ طاہرہ' قیصرہ کے پاس تھی اور قیصرہ اس کی خیر خواہ کبھی نہ رہی تھی۔ اس نے بھی طاہرہ کو پکا کر دیا کہ سعید احمد معافی مانگ کر لے جائے تو جانا ورنہ نہیں..... خالہ جی' خالو جی بارہا گئے مگر طاہرہ نہ مانی اور پھر ان ہی دنوں بھائی صاحب نے دوسری شادی کی بات کی۔ خالو جی کو بڑا غصہ آیا۔ ان کے خاندان میں نہ ایسے پہلے کبھی ہوا تھا اور نہ ہی ہونا تھا۔ انہوں نے خالہ جی کو ساتھ لیا اور قیصرہ کے گھر چلے گئے۔ بھائی معراج' ابا جی' اماں جی منصور' صابر سب ہی کو لے

کر.....ایسے میں قیصرہ کی کوئی چال نہ کامیاب ہوسکی اور طاہرہ کو اتنے لوگوں کی بات ماننا پڑی اور پھر وہ خالہ جی اور خالو جی کے ساتھ آ گئی۔"

"اور تایا جی ان کا کیا ردعمل تھا؟"

"وہ کئی ماہ تک خفا رہے۔ طاہرہ ان سے برگشتہ اور وہ اس کے وجود سے ہی نالاں' خالہ اماں اور خالو جی نے لاکھ سمجھایا بجھایا مگر ان کی ایک ہی ضد تھی۔

"آپ اس عورت کو اپنی مرضی پر لے آئے ہیں۔ یہ آپ کی بہو ہے۔ مجھ سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھیں۔"

ہادیہ کے پورے دو سال بعد اللہ نے مجھے پھر بیٹی دی۔ نوشی کی آمد پر بھی طاہرہ نے جو نشتر چلائے مجھے آج بھی دکھ دیتے ہیں۔"

"تم لاکھ چالیں چل لو مگر منہ کے بل ہی گرو گی۔ اللہ نے تمہارے مقدر میں اولاد تو لکھ دی جس طرح تم نے میرے گھر میں آگ لگا کر مجھے میرے بیٹوں سے جدا کیا تھا اللہ تمہیں بھی بیٹوں کے لیے ترسائے..... یہ ایک ماں کی آہ ہے۔"

وہ اب رو رہی تھیں۔ انہیں بیٹے کی کتنی خواہش تھیں۔ کیا وہ نہیں جانتی تھیں۔ عثمان' سمعان کی موجودگی کے باوجود ان تینوں نے حقیقی بھائی کی کمی تو ہر موڑ پر محسوس کی تھی۔

"بھائی صاحب اور طاہرہ کے درمیان کی خلیج ایسی تھی کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی اور پھر ایسے طعنے تو وہ اکثر و بیشتر دینے لگی۔ اٹھتے بیٹھتے میں اب بہت تحمل سے سب برداشت کر لیتی تھی کہ میری کم عقلی نے بھائی صاحب کی زندگی میں پہلے ہی بہت خسارہ ڈالا تھا۔

وقت آہستہ آہستہ گزرنے لگا۔ کچھ بچوں کی وجہ سے اور کچھ خالہ جی کے بار بار سمجھانے پر بھائی صاحب طاہرہ کا خیال رکھنے لگے۔ نوشی اور ہادیہ کے ساتھ میں بھی مصروف ہو گئی تھی۔ خالہ جی نے طاہرہ کے تیور دیکھتے ہی ہمیں اس گھر میں الگ پورشن بنوا کر اس طرف کر دیا تھا۔ کھانا اکٹھے ہی ہوتا تھا۔ ٹی وی لاؤنج اور ڈرائنگ روم ایک ہی تھے۔ کچن بھی کمبائنڈ تھا مگر کمرے علیحدہ ہو گئے تھے۔

بھائی صاحب کی تھوڑی سی توجہ سے طاہرہ بدلنے لگی تھی۔ یہ خوش آئند بات تھی۔ شاید بھائی صاحب بھی تھک گئے تھے۔ حالات نارمل ہو رہے تھے۔ طاہرہ کے ہاں نوشی کے دو سال بعد فرح کی آمد ہوئی تھی۔ بھائی صاحب بہت خوش تھے۔ ان کی فیملی مکمل ہو چکی تھی۔ وہ بیٹی سے بڑی محبت کرتے تھے جب کہ طاہرہ کے احساسات نارمل ہی تھے۔ تینوں بچوں میں اس کا زیادہ لگاؤ سمعان احمد سے ہوتا تھا اور پھر فرح کے سال بعد تم ہماری زندگی میں چلی آئیں۔ تم نوشین کے تین سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ ہماری بڑی خواہش تھی کہ اس دفعہ بیٹا ہو مگر تمہیں دیکھ کر خوش ہو گئے کہ شاید اسی میں اللہ کی رضا تھی۔ تم سے سال بعد طاہرہ کے ہاں علی ہوا جو فرح سے دو سال بعد ہوا تھا۔ اس کے بعد زندگی معمول پر آتی چلی گئی۔ تلخیاں' لڑائی جھگڑے سب چلتا رہا۔ کبھی خواہش ہی نہ ہوئی کہ علیحدہ گھر لے کر رہیں۔

تمہاری پیدائش کے بعد میں نے اللہ سے بڑی دعائیں مانگیں کہ اللہ ایک بیٹا دے مگر وہ نجانے کس

بات میں خوش تھا اور پھر عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ صبر آتا چلا گیا۔" انہوں نے مسکرا کر زرش کو دیکھا۔

"ماما! جب حالات نارمل ہو چکے تھے تو پھر دوبارہ کیوں ایسے حالات ہوئے کہ آپ کو وہ گھر چھوڑنا پڑا.....؟"

"بچے آہستہ آہستہ بڑے ہو رہے تھے۔ بھائی صاحب اور طاہرہ میں اب بھی جھگڑے چلتے تھے مگر وہ بچوں کا خیال کر کے ٹال جاتے تھے۔ بھائی صاحب بچوں کو ایک مکمل پر تحفظ ماحول فراہم کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے طاہرہ کو شہ ملتی چلی گئی۔ عثمان ایف ایس سی کر رہا تھا۔ ہادیہ ابھی جونیئر میں تھی۔ وہ اکثر اسٹڈی میں عثمان سے ہیلپ لے لیا کرتی تھی تو کبھی سمعان سے۔ ان ہی دنوں خالو جی کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ وہ سعود احمد اور سعید احمد کے درمیان حالات دیکھ رہے تھے۔ مستقبل میں کیا ہوگا انہیں اندازہ ہو رہا تھا اور تب ہی انہوں نے وہ خواہش کی جو ہادیہ کی پیدائش پر بھائی صاحب نے بھی کی تھی۔

"ٹھیک ہے ابا جی جیسے آپ کی مرضی مگر خیال رہے بات صرف بڑوں میں رہے گی۔ بچے ابھی کم عمر ہیں۔ خوامخواہ ذہن خراب ہوں گے۔"

تمہارے پاپا مان گئے تھے اور میں ان کے مان جانے پر حیران تھی۔ طاہرہ تک بات پہنچی تو انہوں نے زمین آسمان ایک کر دیا۔

"یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ میں دشمن کی بیٹی کو بہو بناؤں۔" وہ انکاری تھیں اور بھائی صاحب نے غصے سے انہیں چپ کرا دیا تھا۔ یہ اعتراض اگر ابا جی تک پہنچا بھی تو انہوں نے نظر انداز کر دیا کہ زبردستی لازم ہو گئی تھی۔ ان کی زندگی ہی اتنی لکھی تھی کہ چند دن بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ بزنس تو پہلے ہی اکٹھا تھا' گھر بھی ایک ہی تھا۔ اس کے علاوہ جائیداد کے بٹوارے کا تذکرہ کرنے لگی اور اماں جی خاموشی سے ٹال جاتیں۔ ابا جی کے گزرنے کے پانچ چھ ماہ بعد ہی طاہرہ اپنی اصلیت پر اتر آئی تھی۔ اس نے وہ گھاؤ لگایا کہ آج تک خون رستا ہے۔"

وہ چپ ہوئیں تو زرش چپ چاپ دیکھے گئی۔

"بھائی صاحب بزنس ٹور پر تھے۔ یہ دونوں بھائیوں کی عادت تھی۔ اگر ایک بھائی کاروبار کے سلسلے میں کہیں گیا ہے تو دوسرا گھر پر رہے گا۔ ابا جی تھے تو دوسری بات تھی مگر اب صورت حال مختلف تھی۔ طاہرہ ہادیہ کے رشتے کی بات پر ناخوش تھی۔ اس نے اپنی بہن قیصرہ سے تذکرہ کیا تو وہ پہلے ہی حسد کی ماری ہوئی طاہرہ کی زندگی میں زہر گھول رہی تھی۔ سعید احمد کی موجودگی میں وہ بہت کم آتی تھی مگر غیر موجودگی میں ہر روز چلی آتی تھیں۔ ان دنوں بھی وہ روز چلی آتیں اور ایسا جی جلاتی رہتی کہ میں اور خالہ اماں جی چپ چاپ دیکھتی رہتیں۔ اس رات تو حد ہی ہو گئی تھی۔ ہادیہ عثمان کے کمرے میں سوال حل کروانے گئی تھی۔ یہ تو اکثر ہوتا رہتا تھا۔ عام سی بات تھی مگر طاہرہ اور قیصرہ نے مل کر ایسا واویلا مچایا کہ میں اور اماں جی حق دق رہ گئیں۔ کم عمر بچے تو اس واویلے پر صرف پریشان ہی ہو سکتے تھے۔ اماں جی نے قیصرہ کو چپ کروا کر طاہرہ کو ڈانٹا تو وہ کوسنوں پر اتر آئی اور اس دوران سعود چلے آئے۔ ساری صورت حال ان کے سامنے تھی جو علم نہیں تھا وہ طاہرہ کی زبان سے پتا چل گیا۔ ان کا مارے غصے کے برا حال ہونے لگا۔

"جو عورت اپنے کم عمر بچوں کو نہیں بخش رہی، وہ کسی کی عزت کا خاص پاس کرے گی۔ بس اماں جی بہت ہو چکا۔ جب تک بات ہماری ذات تک تھی ہم نے برداشت کیا اور شاید کرتے بھی مگر بھابی صاحبہ کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بھی نہیں بخش رہیں۔ میں سب برداشت کر رہا ہوں۔ اپنی بچیوں پر اٹھنے والی ایک انگلی بھی برداشت نہیں کروں گا۔ میں باز آیا ایسی رشتہ داری سے۔ میری بیٹی کو رشتوں کی کمی نہیں ہوگی۔ بس یہ گھر چھوڑ رہا ہوں یا پھر آپ کچھ سوچ لیں۔"

دوسری طرف طاہرہ نے ضد باندھ لی کہ یا تو وہ اس گھر میں رہے گی یا ہم لوگ اس دوران بھائی صاحب بھی چلے آئے۔ صورت حال کو اس قدر بگڑے دیکھ کر وہ بھی ششدر رہ گئے۔ انہوں نے سعود احمد کو بہت سمجھایا مگر ان کی ایک ہی ضد تھی۔

"اب ہم اس گھر میں نہیں رہیں گے۔"

"اور پھر ہم نے وہ گھر چھوڑ دیا اور اس کے بعد اماں جی چند سال ہی جی پائیں کہ اولاد کی زندگی کی ناآسودگیوں نے انہیں جیتے جی مار ڈالا تھا۔

اور اس کے بعد کیا ہوا تھا زرش جانتی تھی۔ اس نے بہت محبت سے ماں کے آنسو صاف کیے۔

"عثمان ماں سے ایسا ناراض ہوا کہ اپنی تعلیم مکمل کرتے ہی وہ اسلام آباد چلا گیا۔ اس نے آرمی جوائن کر لی اور ہم نے ہادیہ کی منگنی آپا کے رشتہ مانگنے پر وقار سے کر دی۔ بھائی صاحب بہت ناراض ہوئے مگر تمہارے پاپا نے انہیں منا لیا اور پھر سب نارمل ہو گیا۔ اتنے سال گزرنے کے باوجود میں بھول گئی کہ طاہرہ کی فطرت پھر کوئی ایسی گھٹیا چال چل سکتی ہے۔ ہادیہ تو کم عمر تھی۔ اسے اندازہ ہی نہ تھا کہ کیا ہوا ہے مگر تم اتنی کم عمر نہیں تھیں، تمہارے ساتھ پیش آنے والے حادثے نے تمہارے پاپا کو توڑ دیا ہے۔ وہ اندر سے ٹوٹ گئے ہیں پھر ان کی بیماری نے بھی انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ اتنا ڈا فیصلہ کر جاتے۔"

"ایم سوری ماما! مجھے حالات کا ادراک ہی نہ تھا اور پھر ہر ایک نے مجھ سے چھپانے کی ہی کوشش کی۔ میرے تو فرشتوں کو بھی نہیں علم کہ تائی امی ایسی گھٹیا حرکت کر سکتی ہیں۔"

"اندازہ تو کسی کو بھی نہ تھا مگر کیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ دکھ بھی شاید قسمت میں تھا۔" انہوں نے اپنا چہرہ صاف کیا۔ "نفیسہ ہر اچھے برے وقت میں کام آتی ہیں۔ ہادیہ کی دفعہ بھی انہوں نے ہمیں بھائی صاحب کے سامنے مجبور ہونے سے بچا لیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی ہیں۔ طاہرہ کس حد تک گر سکتی ہے۔ انہوں نے ہر موقع پر اپنا کہا پورا بھی کیا ہے۔ اللہ ان کو اجر دے۔ اس دفعہ بھی انہوں نے ذلیل ہونے سے بچا لیا ورنہ طاہرہ اور قیصرہ نے رسوا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔"

زرش کا سر خود بخود جھک گیا۔ اب سب کچھ اس کے سامنے تھا۔ اس کی ماں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں اسے یقین تھا شائستہ نے جو بھی کہا ہے ایک ایک لفظ سچ کہا ہے۔

✿.....✿.....✿

عثمان نے فون کیا تو علی نے جذباتیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے سب کہہ سنایا۔ طاہرہ بیگم کی حرکت اور زرش کی منگنی سمیت سب..... عثمان کتنی دیر تک گم صم رہے..... اندرونی طور پر وہ شکست و ریخت سے

دوچار ہو گئے۔ اگلے ہی دن انہوں نے سیدھے کراچی کی پرواز پکڑی تھی۔

شام کا وقت تھا۔ سعید صاحب اور سمعان ابھی گھر لوٹے ہی تھے۔ اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ طاہرہ کچن میں اور علی ٹی وی لاؤنج کے سامنے بیٹھا ہوا تھا جب کہ فرح کمرے میں تھی۔ واچ مین نے گیٹ کھولا تھا۔

وہ خاموشی سے اندر داخل ہوئے تھے۔ پورے گھر کی فضا میں خاموشی کا ایک عجب سا سکوت تھا جو چھایا ہوا تھا۔

"السلام علیکم۔" لاؤنج میں سیدھے آئے کیونکہ ٹی وی کی ہلکی آواز نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ علی نے پلٹ کر دیکھا اور عثمان احمد کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

"بھائی جان!" حسرت آمیز تحیر سے وہ فوراً ان کے کندھے سے آ لگا تھا۔

"کیسے ہو؟ محبت سے بھائی کو خود سے جدا کر کے پوچھا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

"ٹھیک ہوں۔ آپ اس قدر اچانک....."

"ہوں..... تمہیں ملنے چلا آیا۔ باقی سب کدھر ہیں؟" کسی کو بھی موجود نہ پا کر استفسار کیا۔ علی کے چہرے پر تلخی سی چھا گئی۔

کتنے دن ہو گئے تھے زرش کی منگنی ہوئے مگر لگتا تھا ان کے گھر کوئی موت ہو گئی تھی۔ ہر کوئی اپنے گنبد میں محصور ہو کر رہ گیا تھا۔ عجیب ماتمی سا ماحول ہو چکا تھا اس گھر کا..... ایسے میں علی کا جی چاہتا تھا کہ چیخ چیخ کر اندر کا غبار نکالے یا پھر..... اس ماتمی ماحول سے کہیں فرار حاصل کر لے۔ بھاگ جائے کہ اس گھر کے مکینوں کو اپنے رویوں کا احساس ہو.....

"آپ بیٹھیں۔ میں سب کو اطلاع دیتا ہوں۔" وہ اندر چلا گیا تھا۔

عثمان کی آمد سب کے لیے ایک خوشگوار جھونکا ثابت ہوئی تھی جو سب ہی کمروں سے نکل آئے تھے۔ اگلے پانچ منٹوں میں سب ہی عثمان کے گرد جمع ہوئے تھے۔ سعید احمد بیٹے کو سامنے دیکھ کر خوش ہوئے تھے۔ سمعان بھی کتنے دنوں کی قید سے نکلا تھا۔ فرح بھی چند دنوں سے صرف کمرے کی ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ بھی بھائی سے جڑی بیٹھی تھی اور طاہرہ بیگم جو خوش تھیں مگر ایک ندامت لیے انہیں زیادہ دیر تک عثمان کے سامنے ٹھہرنے نہیں دیا تھا۔ سلام دعا کے بعد عثمان دیگر لوگوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ انہیں یوں ہی لگا کہ عثمان نے جیسے نظر انداز کیا ہو..... نظر انداز تو وہ ان کو بہت پہلے سے کرتا آ رہا تھا مگر شادی کے بعد وہ ان سے کچھ حد تک بے تکلف ہوا تھا لیکن اس کی یہ سرد مہری انہیں بڑی شدت سے محسوس ہوئی۔ وہ خاموشی سے واپس کچن میں چلی گئی تھیں۔ عثمان کے لیے کھانے پر خصوصی اہتمام بھی کروانا تھا۔ انہوں نے ماجدہ کو خصوصی ہدایات دیں اور اپنی توجہ رات کے مینو پر لگا لی تھی۔

گھر کا کوئی بھی فرد ان سے کلام نہیں کرتا تھا۔ سعید احمد، سمعان، علی اور فرح چاروں ہی ان کو نظر انداز کر رہے تھے مگر اب عثمان کا رویہ ان کے دل پر تازیانے کی مانند لگا تھا۔

کھانا تیار کر کے میز سجا کر انہوں نے ماجدہ کو سب کو بلانے کے لیے بھیج دیا تھا ورنہ کتنے دن ہو گئے

تھے ان کے گھر میں کہ سب نے مل کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ آج کل وہ ماجدہ کے ذریعے ہی سب کو پیغامات کا فریضہ سرانجام دے رہی تھیں۔

کھانا بہت خاموشی سے کھایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد فرح نے سب کے لیے چائے تیار کی تھی۔ رات گئے تک باتیں ہوتی رہی تھیں پھر سب ہی سونے کے لیے چل دیے۔

عثمان کا کمرہ سمعان کے کمرے کے ساتھ ہی تھا۔ وہ اپنے کمروں میں جانے کے لیے ایک ساتھ ہی اٹھے تھے۔ عثمان، سمعان کے کمرے میں چلے آئے تھے۔ وہ سارے حالات سے مکمل آگاہی چاہتے تھے۔ ابھی تک اس موضوع سے متعلق کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا تھا۔ عثمان احمد منتظر تھے کہ کوئی خود ہی موضوع چھیڑ دے مگر اب سب جس طرح اپنے کمروں کو روانہ ہوئے تھے وہ مایوس ہو کر سمعان احمد سے ہی سارے حالات جاننے پر مجبور ہو گئے تھے۔

سمعان، عثمان کو اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران تو ہوا تھا پھر کپڑے چینج کر کے آیا تو عثمان بڑے ریلیکس موڈ میں ان کے بستر پر دراز تھے۔

''نیند نہیں آرہی کیا؟'' سمعان احمد نے مسکرا کر پوچھا تو عثمان احمد نے بغور دیکھا۔ چہرے کے تاثرات اور آواز کا تاثر بہت نارمل تھا۔

''ہوں۔ میں جس گرداب میں الجھا ہوا ہوں۔ اب شاید ہی نیند آئے۔ کل بھی نہ سو پایا تھا۔ آج تو کانٹوں پر لوٹ رہا ہوں۔'' بہت سنجیدگی سے انہوں نے لب کشائی کی تھی۔ ایک پل کو سمعان کی پوری ذات ہل کر رہ گئی تھی مگر اگلے ہی پل خود کو سنبھال کر لبوں پر مسکراہٹ سجالی۔

''خیریت..... ایسی کیا بات ہوگئی؟'' ان کے ساتھ ہی بستر پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا تم نہیں جانتے میں کس وجہ سے پریشان ہوں؟'' انہوں نے براہ راست سمعان احمد کی نگاہوں میں جھانکا۔

''میں حیران ہوں جس وجہ سے میں بھاگم بھاگ یہاں آیا ہوں۔ سب ہی اسی موضوع پر گفتگو کرنے سے کترا رہے ہیں۔ میں دور ضرور ہوا ہوں مگر تم لوگوں نے تو مجھ سے بالکل غیریت واجنبیت کا مظاہرہ کر دیا ہے۔ کیا کبھی ہماری خوشیاں علیحدہ رہی ہیں جو ان دکھ کے لمحوں میں مجھ سے کوئی اپنا دکھ شیئر کرنے کے مجھے قابل ہی نہیں جان رہا۔ اتنے دن گزر گئے اس سانحے کو اور مجھے خبر تک نہ ہوئی۔'' بہت سنجیدگی سے انہوں نے کہا تو سمعان نے لب بھینچ لیے۔

''سانحہ تو آنا ہی گزر جانے کے لیے ہے پھر آپ سے کیا ذکر کرتے..... ٹوٹی پھوٹی عمارتوں کی زیارت کے سوا اب یہاں بچا ہی کیا ہے؟''

بہت دکھ سے عثمان احمد نے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔

''مجھے ساری تفصیل بتاؤ۔ میں امی، ابو اور چچا جان سب سے بات کروں گا۔ اس طرح زندگیوں سے کھیلنا کہاں کی عقل مندی ہے..... امی نے بہت کچھ کر لیا اب ان کا اختیار ختم ہونا چاہیے۔ ایک ہی ڈرامہ نئے انداز و نئے طریقے سے ہر بار دہرایا جائے کیوں؟''

کندھے پر ہاتھ رکھ کر عثمان نے تسلی دیتے ہوئے کہا تو سمعان کو اپنے اعصاب، اپنا حوصلہ تنگ پڑتا محسوس ہوا۔ سمعان احمد برداشت کرتے کرتے تھکنے لگا تھا۔ وہ بھی دل کی بھڑاس نکالنے کو ایک کندھا چاہتا تھا۔ سمعان نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو دل پر بوجھ بن گیا تھا۔ وہ سب کچھ جو عثمان احمد، علی کی زبانی بھی سن چکے تھے۔ وہ ساری تکلیفیں جو طاہرہ بیگم کے ایک حسد کا نتیجہ تھیں۔

عثمان احمد نے بہت تحمل سے سب کچھ سنا تھا۔

''جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اس قدر ذلالت کے بعد تو میں اب کبھی بھی زرش کے لیے آمادہ ہونا گوارہ نہ کرتا۔ ہاں چچی جان کا اقدام بھی قابل تحسین ہے۔ وقت وحالات کا یہی تقاضا تھا۔ ہم لوگ ان سے شکوے یا اعتراض کا حق نہیں رکھتے۔ ابو نے بتایا تھا کہ چچی جان نے انہیں اپنے ہاں آنے سے صاف منع کر دیا ہے۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہاں بہت کچھ بدل چکا ہے اور وہ جو نہیں بدلا وہ تبدیلی کے مراحل میں ہے۔ ایسے میں آپ کا کسی سے بھی اس سلسلے میں کچھ بھی کہنا سمجھانا بجھانا بے معنی ہوگا۔ ہاں امی ابو کو سمجھا سکتے ہیں کہ دونوں اب اپنی عمر کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اپنی جذباتیت پر قابو پانے کی کوشش کریں۔ آپ کے بعد میں، میرے بعد فرح کیا ان کی ساری اولاد ان کی نام نہاد نفرت کی بھینٹ چڑھتی رہے گی۔ کبھی تو ہو کہ ہم بھی ان کو احساس دلائیں۔''

عثمان احمد سمعان احمد کی بات پر کئی ثانیے تک ساکن رہ گیا تھا۔

''ہاں میں بھی اب سوچ رہا ہوں۔ اس سارے معاملے کا اب اختتام ہونا چاہیے۔ میری دفعہ تو بات کچھ بھی نہ تھی پھر چچا جان نے جس طرح یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کیا تھا اس نے حالات کو تھوڑا بہت سہارا دیا تھا مگر اب تو کنڈیشن بہت سیریس ہے۔ بات خاندانی تنازعے کی نہیں ہمارے گھر کے بکھرے شیرازے کی ہے۔ بچپن سے لے کر اب تک ہم اس ایک محرومی کے ساتھ جیتے آرہے ہیں مگر کوئی فیصلہ..... کوئی اختتام ہونے میں ہی نہیں آرہا۔ اب لازمی طور پر کوئی واضح حل ہو جانا چاہیے۔''

عثمان احمد کا لہجہ حتمی تھا۔ سمعان خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔

''میں کل چچی جان کے ہاں ضرور جاؤں گا۔ پھپھو کے ہاں بھی چکر لگاؤں گا۔ یہ صرف خاندانی بقا اور غیریت کی ہی نہیں بلکہ زندگیوں کی بات ہے۔ اس دفعہ کوئی حق تلفی نہیں ہوگی۔ میں بات کروں گا۔''

''پلیز عثمان بھائی! پہلے ہی بہت تماشا بن چکا ہے ہمارا۔ اب مزید کچھ نہیں۔ آپ کس سے شکوہ کریں گے..... جب کہ اس سارے خرابے کی اصل وجہ بلکہ بنیاد ہمارا اپنا ہی گھر ہے۔ میں تو کسی کے سامنے سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہیں رہا۔ امی کو الزام نہیں دے رہا مگر یہ سچ ہے یہ سب ان ہی کا ہی کیا دھرا ہے۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ کوئی ایسا گیم بھی کھیل سکتی ہیں۔ اگر مجھے اندازہ ہوتا تو میں کبھی امی ابو کے سامنے زرش کا نام نہ لیتا۔ میں ہر طرح کے حق سے دستبردار ہونا زیادہ بہتر سمجھتا..... مجھے ابھی تک یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ جب سارے حالات میرے سامنے تھے تو پھر میں کیوں زرش کے سامنے بھرم نہ رکھ پایا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا سب حالات بس میں کر لوں گا مگر وہ جو بس میں تھے وہ حالات بھی اختیار سے ایسے نکلے کہ میں ششدر دیکھتا رہ گیا۔ میں جھوٹا اور ناکام ثابت ہی نہ ہوا..... اس کی ذلت کا بھی باعث بنا۔''

دوئم

عثمان احمد نے بے چارگی سے بھائی کو دیکھا۔ سمعان احمد کا دکھ دل پر بوجھ بنتا چلا گیا۔

"آپ امی ابو سے بات کریں مگر اب اس تذکرے میں زرش یا چچی وغیرہ کا ذکر نہ ہو۔ خواب دیکھنے اور اچھی امید رکھنے کا حق ہر انسان کو ہے۔ ضروری نہیں ہر خواب پورا بھی ہو۔ حقیقت پسندی کا تقاضا یہی ہے کہ آپ صرف امی ابو کے درمیان تنازعے کو سامنے لانے کی کوشش کریں۔ وقت وحالات نے بہت کچھ باور کروایا ہے مگر اس کے باوجود ہم خاموش ہیں تو کیوں صرف اپنے والدین کا بھرم رکھنے کے لیے۔ امی نے اتنا کچھ کر لیا۔ میں نے کنارہ کشی اختیار کر لی کہ اب کوئی فائدہ نہیں..... کوئی راہ نہیں ہاں آپ اپنے گھر کی ابتدا کر چکے ہیں۔ آپ کچھ بھی کہہ لیں گے یا امی ابو کو سمجھائیں گے تو شاید انہیں برا نہ لگے۔ ہم میں سے کوئی بھی ان سے جو بھی بات چھیڑے گا امی اپنی توہین سمجھیں گی اور بجائے اصل صورت حال سمجھنے کے چچی لوگوں کا قصور قرار دے دیں گی۔"

"ہاں میں بھی اب یہی سوچ رہا ہوں۔ امی ابو نے کچھ نہ بتایا تو پھر مجھے کسی اور سے اصل حقائق کی نشاندہی کروانا پڑے گی۔" پرسوچ انداز میں عثمان احمد نے سر ہلایا تھا۔

"اس حادثے کے بعد تمہاری زرش سے ملاقات ہوئی؟ اس کا تمہارے لیے کیا ردعمل ہے.....؟ امی کا لگایا الزام تمہاری ذات کے متعلق اس کی نگاہوں میں کوئی نہ کوئی احساس تو بیدار کر گیا ہوگا۔"

سمعان احمد تلخی سے ہنس دیا۔

"نہیں۔ میرا اس دن کے بعد اس سے سامنا نہیں ہوا۔ میرا تو یہ سوچ کر ہی دماغ پھٹنے لگتا ہے کہ اگر اس سے کبھی سامنا ہو گیا اور اس نے اپنے ساتھ کی جانے والی زیادتی کا حساب مانگ لیا تو میں کیا کروں گا..... یقین مانیں عثمان بھائی میں سوچ سوچ کے ہارا ہوں۔ میری اذیت کا کوئی عالم نہیں۔ بڑی راتیں ہو گئی ہیں مجھے نیند لیے ہوئے۔ آنکھ بند کرتا ہوں تو وہ سارا گھٹیا ڈرامہ نگاہوں میں آ کر سارا سکون اطمینان درہم برہم کر جاتا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی میں امی یا قیصرہ خالہ کی کسی ایسی سازش کا شکار بھی ہو جاؤں گا۔ خود سے بڑھ کر اپنے جذبوں پر اعتماد تھا مگر اب کیا ہوا..... ہر رات کانٹوں پر گھسیٹ آئی ہے۔ کسی پل قرار نہیں۔" شدتِ اضطراب کے اس مظاہرے نے عثمان احمد کو سختی سے لب دانتوں تلے دبا رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ایک پل کو جی چاہتا ہے کہ بس حد سے گزر جاؤں۔ امی سے حساب مانگ لوں یا پھر ہمیشہ کے لیے خود کو ان کی نگاہوں سے دور کر لوں۔"

جذباتیت کی انتہا تھی۔ عثمان احمد نے فوراً کندھے پر ہاتھ رکھ کر ضبط کرنے کا اشارہ دیا تھا۔

"مگر میں بے بس ہوں۔ دور جانے لگتا ہوں تو سب کے چہرے نگاہوں میں آ جاتے ہیں..... ابو علی اور سب سے بڑھ کر فرح..... وہ تو مر جائے گی۔ کاش امی سمجھ سکتیں۔ وہ اپنی نفرت میں اپنی اولاد کو اپنی کل پونجی کو آگ لگا رہی ہیں اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

دل کی بھڑاس نکالتے سمعان احمد کی آنکھوں میں پردہ سا حائل ہو گیا تھا۔

دوئم

شارق زمان جو اسے وہاں رات چھوڑنے پر ہی سرے سے راضی نہ تھا۔ وہ اسے چھوڑ گیا بھی تو پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ رات جو گزری سو گزری مزید چار دن گزر گئے۔ پانچویں روز رفعت باجی رضیہ چچی کے ہمراہ اسے لینے آ گئیں۔

شارق کے میگزین میں "اعلیٰ حکام" سے متعلق کچھ خصوصی رپورٹ شائع ہوئی تھی جس نے پچھلے دنوں ماضی کی گرما گرمی دکھائی تھی۔ نتیجتاً اس کے میگزین کے خلاف کارروائی کی گئی۔ بات میگزین بند کرنے تک پہنچ گئی تھی۔ شارق زمان ان ہی جھمیلوں میں الجھا ہوا تھا۔ دو دن سے وہ اسلام آباد گیا ہوا تھا۔

رفعت باجی اور چچی اسے لینے آئیں تو خالدہ بیگم نے بغیر کچھ کہے نویرہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ درحقیقت سب ہی شارق کی ان تین چار دنوں کی نویرہ سے متعلق لاتعلقی سے خائف ہو گئے تھے۔ نویرہ خود بھی پریشان ہوئی تھی۔ کہاں وہ اسے چھوڑنے پر راضی نہ تھا اور جب شاپنگ کے بعد اسے باہر گیٹ سے ہی اتار کر گیا تو پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔

وہ خاموشی سے رفعت باجی کے ہمراہ چلی آئی تھی۔ رات کو فاروق چچا آئے تو گھر میں کچھ رونق ہو گئی تھی۔ فاروق چچا اور چچی کے چلے جانے کے بعد وہ خالہ امی کے پاس ہی بیٹھی رہی تھیں۔

جب وہ سو گئیں تو رفعت باجی نے اسے بھی کمرے میں بھیج دیا۔ کمرے میں آ کر اس کے اندر عجیب بے چینی کروٹ لینے لگی۔

یہ زندگی.....

یہ لوگ.....

یہ گھر.....

اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ زندگی اس رخ سے بھی آزمائے گی۔

نواز کے انکار نے اس کے دل میں کوئی جذبہ نہیں رہنے دیا تھا کہ وہ اسے اچھے لفظوں میں یاد رکھتی مگر وہ شخص تنہائی میں اچانک اس کے تصور میں کبھی ضرور آتا تھا اور نویرہ ہر بار چیخ جاتی تھی۔ بری طرح تکلیف سے دوچار ہوتی تھی۔

"نواز فاروق میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تمہیں کس نے حق دیا تھا کہ تم میری پارسائی پر "ریپ" ہونے کی مہر ثبت کرتے۔ تم دو مردوں نے مجھے کاٹھ کا الو سمجھ لیا تھا۔ کاش تم ایک دفعہ آ کر مجھ سے وضاحت تو مانگتے..... اپنی تنگ نظری کا ثبوت فراہم کرتے بزدلوں کی طرح کبھی نہ بھاگتے تو میں خود تم سے شادی سے انکار کرتی۔" اس وقت بھی کمرے کی تنہائی میں اسے یہ دو شخص بری طرح اذیت میں مبتلا کر گئے تھے۔ شارق کی طرف تو نجانے کون کون سے حساب نکلتے تھے مگر نواز کی پسپائی نے بھی اسے مجبور کر دیا تھا کہ اگر کبھی سامنا ہوا تو وہ اسے بری طرح نفرت سے دھتکار دے گی۔

عشاء کی نماز ادا کر کے وہ لیٹ گئی تھی۔

فون کی تیز بیپ نے اسے گہری نیند سے جگا دیا تھا۔ اس نے ناگواری سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر دوبارہ سونا چاہا مگر اب شاید یہ ممکن نہ تھا۔ جھنجلا کر اس نے پلکیں وا کی تھیں۔ کمرے میں تیز روشنی تھی اور موبائل

اس کے سرہانے پڑا مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر غصے سے موبائل ہاتھ میں لے کر پہلے اس کا گلہ گھونٹا پھر اطراف میں نگاہ کی۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا البتہ ڈریسنگ روم کا دروازہ بند تھا۔

موبائل کو گھورتے اس نے ایک غضب بھری نگاہ بند دروازے پر ڈالی۔ یقیناً شارق زمان آچکا تھا۔ اسے اپنا گہری نیند سے اٹھایا جانا بڑا برا لگا۔ جی چاہا موبائل اٹھا کر دیوار کے ساتھ دے مارے۔ وہ اس شخص کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

نویرہ لب بھینچے دروازے کو گھور رہی تھی کہ ایک خیال سے فوراً چونکی۔ اس کا چہرہ فوراً چمک اٹھا تھا۔ یوں جیسے قیدی کو قید خانے میں روشنی کی کرن دکھائی دے گئی ہو۔ شارق زمان کسی بھی وقت کمرے میں آسکتا تھا۔ اس نے فوراً سر تکیے سے نہ ہٹا کر بستر کے گدے سے شیشی برآمد کی تھی۔ وہ اس شخص کو فتح مندی کا کوئی اور موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ اس شخص کو ایسے ہی سلگانا چاہتی تھی جیسے وہ خود سلگ رہی تھی۔ شیشی کھولے اس نے کمرے میں نگاہ ڈالی۔ گلاس کہیں بھی نہ تھا۔ وہ تیزی سے بستر سے اتر کر ننگے پاؤں بغیر دوپٹے کے غسل خانے کی طرف بھاگی تھی۔ اس نے گولی منہ میں رکھی اور نل کھول کر ہتھیلی کی مدد سے پانی پیتے ہوئے گولی نگل لی۔

''اٹھ گئیں تم؟'' وہ آستین سے منہ صاف کر رہی تھی' عقب میں آواز سن کر پلٹی۔ وہ باتھ روم کے دروازے پر سلیپنگ سوٹ میں ملبوس کھڑا بڑی وارفتہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ نویرہ جل بھن گئی۔

''ظاہر ہے ایسے والیوم اگر مُردوں کے سرہانے بھی بجائے جائیں تو وہ بھی قبر سے اٹھ بیٹھیں۔'' کافی جل کر جواب ملا تھا۔

شارق زمان جو بڑی دلچسپی سے اس کے بغیر دوپٹے کے خوب صورت لباس میں ملبوس وجود کو دیکھ رہا تھا کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' نویرہ شارق کی نگاہوں سے پل میں کنفیوژ ہونے لگی تھی۔

''اچھا راستہ دیں۔'' وہ دروازے پر اس طرح ایستادہ تھا کہ جب تک وہ ایک طرف نہ ہوتا وہ نکلتی ہی نہ..... شارق نے ایک طرف ہو کر اسے راستہ دیا تو وہ باہر نکل آئی۔ اس سے پہلے کہ بستر کی طرف آتی شارق نے بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

''کیا مصیبت ہے؟'' وہ جھنجلا گئی تو شارق ہنس دیا۔

''مصیبت نہیں مادام! اسے محبت کہتے ہیں۔ پورے پانچ دن کی چھوٹ دی ہے میں نے تمہیں اور اپنے اوپر جو ضبط کیا ہے اس کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔ ادھر تو چہرہ کرو۔ بغور دیکھ تو لوں یہ وہی میری نویرہ ہے یا بدل گئی ہے.....'' کمر کے گرد بازو حمائل کر کے چہرہ اپنی طرف پھیر کر وہ مخمور سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ نویرہ کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ قربت بلا کی تھی اور ضبط.....

''میں کہیں بھاگی نہیں جا رہی۔ اگر بھاگنا ہی ہوتا تو اس عقوبت خانے میں آتی ہی کیوں؟ چھوڑ دیں مجھے..... آرام سے بات کریں۔''

کچھ گولی کا اثر ہو رہا تھا اور کچھ شارق زمان کی قربت کا..... اس نے پورا زور لگا کر اپنا آپ چھڑوا لیا۔

شارق جب گھر میں داخل ہوا تھا تو رفعت باجی نے بتا دیا تھا کہ وہ اور چچی جا کر نویرہ کو لے آئی تھیں۔ اسے ایک گونہ سکون ملا تھا۔ جی چاہا تھا کہ کمرے میں داخل ہوتے ہی پچھلے پانچ دنوں سے باندھے بند کھول دے گا مگر نویرہ کی نیند نے اسے ضبط کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور اب اس کا ٹوکنا..... وہ دوپٹہ لے کر بستر پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ نویرہ کا نخرہ برداشت کر گیا۔ اتنا کچھ کرنے کے بعد تو برداشت کرنا ہی تھا۔

اسلام آباد گئے تھے۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔ نیند کا غلبہ پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا مگر اس کی پوری کوشش تھی کہ شارق زمان کی توجہ اپنی جانب مبذول نہ ہونے دے۔

''ہوں۔'' شارق آئینے کے سامنے آکھڑا ہوا۔

''کیوں؟'' وہ بال بنا رہا تھا۔ برش رکھ کر پرفیوم اسپرے کرنے لگا۔ اس نے جلدی سے دوسرا سوال پوچھا کہ کہیں اس کی توجہ پھر اس کی طرف مبذول نہ ہو جائے۔

''کچھ میگزین پر ایلمز تھیں۔ چھوڑو ان باتوں کو، تم بتاؤ کیسے گزارے یہ دن اپنی اماں کے ہاں.....؟''

پرفیوم کی شیشی واپس رکھ کر وہ اس کے پاس ہی بستر پر آبیٹھا تھا۔ نیند کا غلبہ ایسا تھا کہ وہ بمشکل اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی۔ گولی زود اثر تھی جی چاہ رہا تھا کہ فوراً پڑ جائے۔ شارق کے قریب بیٹھنے پر اس نے بے بسی سے دیکھا۔ کاش وہ اس شخص کو بتا سکتی کہ اس کی قربت اسے کس اذیت میں مبتلا کر دیتی تھی۔

''ٹھیک ہی تھے۔'' اب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ تھوڑا سا دوسری طرف کھسک کر لیٹی تو شارق نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''خیریت؟'' وہ کمبل سر پر تاننے ہی والی تھی جب شارق نے سنجیدگی سے کمبل کا کونا تھام لیا۔ وہ جھنجلا کر رہ گئی۔

''ہاں۔ نیند آرہی ہے۔ سونے دیں مجھے۔'' بے بسی کی انتہا تھی۔

''تم ایسے کیسے سو سکتی ہو؟'' نویرہ کروٹ بدل رہی تھی جب اس نے فوراً اس کا رخ اپنی طرف کر لیا تھا۔

''کیوں نہیں سو سکتی۔ چھوڑیں مجھے۔'' اس نے بے بسی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

''نویرہ۔'' وہ ایک دو پل دیکھتا رہا۔ یہ جھٹکا بڑا شدید تھا۔

''میں نے تمہیں اتنے دن اسی لیے دیے تھے کہ ان چار پانچ دنوں میں تمہارا دماغ درست ہو گیا ہوگا۔'' اس نے غصے سے کہا تو نویرہ نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

''میرا دماغ کبھی خراب نہیں تھا شارق صاحب۔'' وہ نیند سے بوجھل آنکھیں لیے طنزیہ ہنسی۔ آواز کی لڑکھڑاہٹ بڑی واضح تھی۔

''ہاں ان دنوں میں یہ ضرور ہوا ہے کہ مجھے زندگی کا لائحہ عمل ترتیب دینے کو کچھ وقت مل گیا تھا۔ مجھے تنگ نہ کریں۔ آرام سے سو جائیں۔ اسی میں آپ کی بھی فلاح ہے اور میری بھی۔'' آخر میں اس کا لہجہ اتنا مدہم ہو گیا تھا کہ اگر شارق پوری طرح متوجہ ہوتا تو شاید سن ہی نہ پاتا۔

''میں آپ کے پاس ہوں خوشی سے یا نہ خوشی سے..... اگر مجھے آپ سے بھاگنا ہی ہوتا تو کبھی یہاں نہ آتی۔ میری بدقسمتی کہ ہر بار مجھے آپ کے سامنے لاتی ہے اور اپنی قسمت سے سمجھوتہ کر چکی ہوں۔

مجھے میرے حال پر چھوڑیں فی الحال۔ آپ کا کچھ نہیں جائے گا مگر مجھے اپنی نسوانیت کی دھجیاں بکھیرنے والے سے گھن آتی ہے۔ جب وہ میرے کردار کی گواہی بھی دیتا ہے اور اس پر الزام لگانے سے بھی نہیں چوکتا..... اپنے اس ضمیر کو سلانے میں کچھ وقت تو لگے گا۔ جب میں سمجھوتہ کر رہی ہوں تو پھر آپ بھی صبر کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں آپ کی بیوی بن چکی ہوں تو ساری عمر میں ہی رہوں گی۔ ابھی سونے دیں۔ جائیں آپ بھی سو جائیں۔ تنگ کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔'' آواز مدہم ہوتے ہوتے آخر میں بڑبڑاہٹ ہی باقی تھی۔

شارق زمان غصے سے گھور گیا۔ جی چاہا کہ اسے جھنجوڑ کر بٹھا دے۔ اس کا ایک ایک لفظ اس کی سماعتوں میں صاف اترا تھا۔ اس کی آواز کی لڑکھڑاہٹ اسے اپنی جگہ منجمد کر گئی تھی۔ نویرہ کی آنکھوں میں ڈولتا نیند سے زیادہ مدہوشی کا خمار اسے ساکن کر گیا تھا۔ نویرہ اس حد تک چلی جائے گی اسے گمان بھی نہ تھا۔

شادی کی رات آنکھوں میں سمائی تو اس نے مٹھیاں بھینچ لی۔ نویرہ کی فرار کے پیچھے موجود ردعمل اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

آج کئی دنوں بعد سمعان احمد نے اسی گھر کے سامنے گاڑی روکی تھی جہاں کبھی آنے سے پہلے اس کو سوچنا نہیں پڑتا تھا۔ اس راستے کی طرف قدم خود بخود اٹھتے چلے جاتے تھے۔ اعتماد اور یقین سے دل معمور ہوتا تو سر بھی اک جذبے و احساس سے اٹھا ہوتا تھا جب کہ آج ایسا کچھ بھی نہ تھا۔

''یہاں تک آئے ہو تو تھوڑی سی ہمت مزید کر لو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس گھر سے ہمارا رشتہ بہت مضبوط ہے۔ اپنے آپ کو مضبوط کر دیار۔'' عثمان نے سمعان احمد کے کندھے پر تھپکی دی تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ کبھی نہ کبھی تو اس ساری صورت حال کا سامنا کرنا ہی تھا۔

چوکی دار ہمیشہ کی طرح سمعان کو دیکھ کر گیٹ کھول چکا تھا۔ سمعان نے خاموشی سے گاڑی آگے بڑھا لی۔ گاڑی کی آواز سن کر شائستہ باہر نکل آئی تھیں لیکن جب سمعان احمد کی گاڑی کو رکتے دیکھا تو وہ وہیں سیڑھیوں پر ہی کھڑی رہ گئی تھیں۔ دل میں درد کی شدید لہر تھی۔ انہیں لگا ان کا پورا وجود ڈول گیا ہو۔ جب سمعان احمد کے ساتھ عثمان کو بھی گاڑی سے نکلتے دیکھا تو وہ کئی ثانیے بے حس و حرکت کھڑی رہ گئی۔ حتیٰ کہ دونوں سست روی سے چلتے ہوئے ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔

''السلام علیکم۔'' ان کا دل پھوڑے کی طرح دکھنے لگا۔

''عثمان۔'' انہوں نے والہانہ پن میں عثمان کا چہرہ تھام کر فراخ پیشانی چوم لی تھی۔ وہ کیسے بتاتیں کہ کیسے یہ ان دونوں نے ایسے عالم میں ان کی جذباتی تسکین کا سامان فراہم کیا تھا جب کہ ان کی ممتا امتحان کی زد پر تھی۔ ہادیہ تو بعد میں پیدا ہوئی تھی۔ یہ دونوں ہی تو تھے جنہوں نے ان کی سونی گود کو آباد کیا تھا۔ انہوں نے ان کو اپنے حقیقی بیٹوں سے بڑھ کر چاہا تھا۔ ان کے دل میں ان دونوں کے لیے کیسے کیسے ارمان پل رہے تھے۔ وقت نے بس ایک آن میں سب کچھ خاکستر کر دیا تھا۔

عثمان کی پیشانی چوم کر وہ رو رہی تھیں۔ عثمان نے بہت ضبط سے انہیں ساتھ لگا کر جذباتی سہارا دیا تھا۔ سمعان احمد لب بھینچے کھڑے سارے منظر کو دیکھ رہا تھا۔ شائستہ بیگم تو عثمان کے کشادہ سینے پر سر رکھ کر یوں بکھری تھیں جیسے طوفان کے بعد نقصان پر ماتم ہر ماں بیٹے کے سامنے گریہ زاری کرتی ہے۔ عثمان خاموشی سے انہیں سہارا دیے لاؤنج میں چلے آئے تھے۔

''بڑی دیر کر دی عثمان بیٹا آنے میں۔ یہاں سب کچھ بکھر چکا ہے۔ رشتے ناتے' اعتماد سب کچھ.....''

عثمان نے انہیں خاموشی سے صوفے پر بٹھایا تو سمعان احمد نے بے بسی سے دیکھا۔ وہ جانتا تھا ایسی ہی صورت حال ہوگی۔ اسی لیے وہ فرار چاہ رہا تھا مگر عثمان کے اصرار پر یہاں آنا ہی پڑا تھا۔

یہاں تو سب کچھ بہت پہلے سے بکھر چکا تھا۔ اب تو خالی خولی عمارت زمین بوس ہوتی ہے۔

''پلیز حوصلہ کریں۔'' عثمان نے پاس بیٹھ کر تسلی دی تو انہوں نے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرتے ہوئے سر ہلایا۔

''ہاں اب تو حوصلہ کرنا ہی ہے۔ اعتماد بڑی مشکلوں سے قائم ہوتا ہے اور رشتے بنانے میں ساری زندگی لگا دی جائے تو جڑتے ہیں مگر ایک پل کی لغزش توڑنے میں دیر نہیں لگاتے۔ میرا تو گھر بکھر کر سمٹا ہے خدانخواستہ تمہارے چچا کو کچھ ہو جاتا تو ہم تو گویا جیتے جی ہی مر گئے تھے۔'' گزرے دنوں پر وہ پہلی بار کسی کے سامنے رو رہی تھیں۔ یوں آبدیدہ ہو رہی تھیں۔ پھر ضبط سے آنسو صاف کر کے سمعان کو دیکھا۔

سمعان احمد خاموش مہر بہ لب قدرے فاصلے پر ایستادہ تھا۔ اسپتال میں ایک دو مرتبہ کے بعد سمعان سے دوبارہ سامنا نہیں ہوا تھا اور اس لیے ان کے دل سے ہوک اٹھی۔ طاہرہ کی ضد نے کیسی بھرپور جوانیوں کو کھا لیا تھا۔ ایسے شیر جوان بیٹوں پر تو فخر کیا جاتا ہے۔ مان و اعتماد دیا جاتا ہے جب کہ طاہرہ اپنی ہی نادانی میں اپنے ہی آشیانے کو بکھیر بیٹھی ہے۔ جذبوں سے بھرپور دل ویران کر دیے تھے۔ ان کا دل پھر بھرنے لگا۔

''ادھر آؤ سمعان کھڑے کیوں ہو؟'' انہوں نے خود کو سنبھال کر سمعان کو دیکھا تو سمعان احمد آہستگی سے ان کے پاس ہی گھٹنوں کے بل قالین پر ٹک گیا تھا۔ عجیب سی پژمردگی سے شائستہ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے تھے۔

''ایم سوری چچی جان۔'' اندر کا کرب سمعان احمد کے لہجے میں بکھر کر شائستہ بیگم کا دل چیر گیا تھا۔

''میں آپ کا گناہ گار ہوں۔ آپ مجھے الزام دیں۔ برا بھلا کہیں' حق رکھتی ہیں۔'' سمعان ضبط سے کہہ رہا تھا۔ انہوں نے تڑپ کر سمعان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر سر چوم لیا۔

''نہیں سمعان! یہ شاید سب قسمت میں تھا۔ تمہارا کیا قصور.....؟ خواہشیں پالنے' خواب دیکھنے کا تو ہر کسی کو حق حاصل ہے پھر تم نے کون سی ناجائز راہ اختیار کی تھی۔ یہ درد دیکھنے سننے والوں کی کم فہمی تھی جنہوں نے رائی کو پہاڑ بنا کر زیب داستان بنا ڈالا ورنہ میں تم لوگوں کو نہیں جانتیں..... بے شک طاہرہ نے تم دونوں کو جنم دیا ہے مگر تم لوگ میرے ہاتھوں سے سینچے پودے ہو۔ میرے سامنے پرورش پائی ہے تم دونوں نے۔ آنکھ بدلنے سے پہلے میں تم لوگوں کے اندر کا احوال جان سکتی ہوں پھر بھلا اس سارے قصے میں تمہارا دوش بھی کیا جب ماں ہی اولاد کے جذبات کو نہ سمجھ سکے۔'' انہوں نے اپنے آنسو سمیٹے۔ ہاتھ

سے پکڑ کر عثمان کو ساتھ بٹھایا۔

"نوشی اور زرش کالج گئی ہیں۔" عثمان احمد نے اطراف کا جائزہ لیتے دریافت کیا تو انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہاں۔"

"میں آفس گیا تھا تو چچا جان سے ملاقات ہوئی تھی۔" عثمان نے ماحول کا سوز ختم کرنے کو موضوع بدلا۔

"ہاں بیماری کے بعد پہلے دن گئے ہیں آج۔ میں بھی کتنی کم عقل ہوں۔ آتے ہی تمہیں پریشان کر دیا۔ کچھ پوچھا ہی نہیں۔ کب آئے.....؟ اور حمزہ زوباریہ کیسے ہیں؟"

"بس رات کو ہی پہنچا تھا۔ حمزہ اور زوباریہ دونوں ٹھیک ہیں۔ چھٹی کا مسئلہ تھا اکیلے آنا پڑا ورنہ شاید اکٹھے ہی آتے۔"

"تم دونوں بیٹھو میں کچھ یاسمین سے کہتی ہوں کہ کھانے پینے کا بندوبست کرے۔ بچیاں کالج سے تھوڑی دیر میں لوٹنے والی ہیں۔ یاسمین سے کھانا بنوا رہی تھی ذرا دیکھ لوں۔" وہ اٹھنے لگیں تو سمعان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ دل میں اک تشنگی سی لیے اس نے چچی کا چہرہ دیکھا تو وہ نظریں پھیر گئیں۔

"میں چلتا ہوں۔ آپ رکیں گے نا؟" سمعان نے عثمان کو دیکھا تو شائستہ نے فوراً سمعان کی طرف نگاہ کی۔ ذہانت سے چمکتی بھرپور نگاہیں بجھی بجھی سی تھیں۔

"رکو سمعان! کھانا کھا کر جانا۔" عثمان سے پہلے انہوں نے کہا تھا۔

"نہیں چچی جان! پھر کبھی سہی۔ دراصل مجھے میٹنگ کے لیے نکلنا تھا۔ عثمان بھائی نے کہا کہ آپ کے ہاں ڈراپ کر دوں تو چلا آیا۔"

انہوں نے خاموشی سے سمعان کو دیکھا۔ کچھ کہنے کو لب وا کیے تو پھر بھینچ لیے پھر خاموشی سے سر ہلا دیا۔ سمعان جب وہاں سے نکلا تو دل پر منوں بوجھ تھا۔

وہ یہاں نہیں آنا چاہتا تھا مگر عثمان کے سامنے ہار گیا تھا۔ اب جب کہ وہ اس کے گھر سے واپس جا رہا تھا تو بے بسی کا اک اور ہی عالم تھا۔ سمعان نے خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ ڈرائیور نے گیٹ کھولا تو گاڑی زن سے باہر نکلی تھی مگر تھوڑی دور ہی سمعان کو بریک لگانا پڑ گئی تھی۔ دوسری گاڑی کو دیکھ کر سمعان نے خود پر بڑی بری طرح ضبط کیا تھا۔ کالج یونیفارم میں ملبوس وجود پر سمعان کی نگاہ چپک گئی تھی اور تب ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھی زرش نے بھی سائیڈ پر اچانک رک جانے والی گاڑی اور اس میں موجود شخص کو دیکھا تھا۔

"سمعان بھائی!" اس کے ہونٹ نیم وا رہ گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

شارق زمان کے میگزین کا مسئلہ درمیان میں ہی الجھ کر رہ گیا تھا کہ اماں کی ٹانگ کا پلستر اترنا تھا۔ انہیں اگلے دن ہی اسپتال ایڈمٹ کروانا پڑا تھا۔ رفعت باجی کے اصرار پر دوسری ٹانگ کے لیے مصنوعی ٹانگ کا بندوبست کرنا پڑ گیا تھا۔ شارق کا خیال تھا کہ اماں پہلے اچھی طرح صحت یاب ہو جائیں تو پھر

مصنوعی ٹانگ لگوائیں گے مگر رفعت باجی بھی بضد تھیں کہ ان کی موجودگی میں ہی یہ نیک کام ہو جائے تو بہتر ہے سو شارق زمان کو بھاگ دوڑ کرنا پڑ گئی تھی۔ دائیں ٹانگ سے پلستر اترا تو ایکسرے وغیرہ کے رزلٹ سے سب کو تسلی ہوئی کہ ٹانگ کی ہڈی درست حالت میں آ چکی تھی۔ اب کچھ احتیاط اور وقت درکار تھا جب اماں مکمل طور پر صحت یاب ہوئیں اسی لیے شارق نے رفعت باجی کی بات مان لی تھی۔

بائیں ٹانگ کے اوپر کے حصے کا آپریشن کر کے راڈ ڈال کر مصنوعی ٹانگ کا انتظام کیا گیا تھا۔ اماں کو اسپتال ایڈمٹ ہوئے تیسرا دن تھا۔ شارق زمان کچھ آفس کی مصروفیات اور کچھ اسپتال کے چکروں میں تقریباً کافی حد تک مصروف ہی تھا۔ دن میں تو رفعت باجی اسپتال میں رہ لیتی تھیں پھر سارا دن کوئی نہ کوئی اسپتال کا چکر لگا لیتا تھا مگر رات میں شارق زمان کو ہی رکنا پڑتا تھا۔

خالدہ بیگم اور ساجد بھائی روزانہ ہی چکر لگا رہے تھے جب کہ نبیل بھائی کا دل ابھی تک اپنی تذلیل پر کھول رہا تھا۔ اماں کی وجہ سے وہ نویرہ کی شادی سے لے کر اب تک مہر بہ لب تھا مگر اندر سے تو لاوا پھٹ پڑنے کو تھا۔ بے شک نویرہ شارق زمان کے گھر آباد ہو چکی تھی مگر اپنی ذلت نہیں بھول رہا تھا۔ شاید اسی لیے وہ اسپتال بھی نہ جا سکا تھا کہ خوامخواہ شارق زمان کو دیکھ کر اپنا ضبط کھو بیٹھے گا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھے۔

دو تین دن کی مسلسل بھاگ دوڑ سے اس کا میگزین دوبارہ سے اپنا کام شروع کر چکا تھا۔ اس دن وہ آفس میں سب کو پہلے ہی کی طرح کام میں منہمک دیکھ کر بڑے اطمینان سے ہاسپٹل چلا آیا تھا۔ رضیہ چچی رفعت باجی کے پاس ہی تھیں۔ ایک دو گھنٹے وہاں رک کر وہ گھر چلا آیا تھا۔

آج طبیعت بڑی ہلکی پھلکی تھی۔ میگزین پر لگی پابندی اب واپس لے لی گئی تھی۔ گویا اس کی ٹینشن ختم ہو گئی تھی۔

شارق زمان کی گاڑی کی آواز سن کر ڈرائنگ روم کے صوفے پر دراز نویرہ نے ایک دم لب بھینچ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اسلام آباد سے واپسی کے بعد سے اب تک وہ شارق زمان کو نظر انداز کر رہی تھی پھر وہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے گھر میں ٹک بھی کم رہا تھا۔ اک طرح سے نویرہ کو اپنے آپ کو سنبھالنے بلکہ اپنے رویوں پر استقامت سے ڈٹے رہنے کا حوصلہ مل گیا تھا۔ وہ اس شخص کو آخری حد تک مزا چکھانے کا تہیہ کیے ہوئے تھی اور اپنے رویوں میں وہ خود کو حق بجانب بھی سمجھتی تھی۔

شارق زمان اسے ہی دیکھتا شاکرہ سے پوچھتا۔ ڈرائنگ روم میں ہی چلا آیا تھا۔ آج مزاج میں جولانی سی تھی مگر نویرہ کو صوفے پر دراز آنکھوں پر بازو رکھے محوِ خواب دیکھا تو وہ رک گیا تھا۔ وہ نویرہ کے رویوں اور ان کا پسِ منظر بخوبی سمجھ رہا تھا شاید اسی لیے وہ گھر آنے سے گریز کر رہا تھا۔ وہ اپنی تمام تر زیادتیوں سے باخبر تھا۔ اسی لیے نویرہ کو سنبھلنے کا موقع دے رہا تھا مگر نویرہ کے تیور تو کچھ اور ہی بگڑتے جا رہے تھے۔

"نویرہ!" اس نے قریب آ کر اسے آواز دی مگر کوشش ناکام ہی رہی۔

شارق کے اندر ایک دم جھنجوڑ کر نویرہ کو ایک پل میں اپنے سامنے کھڑا کر دینے کی تحریک برپا ہوئی تھی۔

"میں آپ کے پاس ہوں خوشی سے یا نہ خوشی سے اگر مجھے آپ سے بھاگنا ہی ہوتا تو کبھی یہاں نہ آتی۔ میری بدقسمتی ہر بار مجھے آپ کے سامنے لاتی ہے اور اپنی قسمت سے میں سمجھوتہ کر چکی ہوں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں فی الحال۔ آپ کا کچھ نہیں جائے گا مگر مجھے اپنی نسوانیت کی دھجیاں بکھیرنے والے سے گھن آتی ہے جب وہ میرے کردار کی گواہی بھی دیتا ہے اور اس پر الزام بھی لگانے سے نہیں چوکتا۔ اپنے اس ضمیر کو سلانے میں کچھ وقت تو لگے گا۔ جب میں سمجھوتہ کر رہی ہوں تو پھر آپ بھی صبر کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپ کی بیوی بن چکی ہوں تو پھر ساری عمر یہیں رہوں گی۔"

نیند سے بوجھل آواز نے شارق زمان کے ہاتھ کو رک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اسے وقت ہی اسی لیے دے رہا تھا کہ وہ اب اس حقیقت کو قبول کر لے مگر اب جب بھی نویرہ پر نظر پڑتی تھی نویرہ گویا ہر بار پہلے سے زیادہ مضبوط دکھائی دی تھی اور اس کی یہی مضبوطی شارق زمان کو اپنے اوپر ضبط کر لینے پر مجبور کر رہی تھی ورنہ.....

شارق زمان نے ایک نگاہ سوئے وجود پر ڈالی تھی پھر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ اس کے وہاں سے ہٹتے ہی نویرہ نے آنکھوں سے بازو ہٹا لیا تھا۔ وہ بڑی دیر تک اسی طرح لیٹی رہی۔

وہ اس شخص کو اتنی جلدی کیسے معاف کر دیتی۔ اس کے اندر کن من سی برسنے لگی تھی۔ پڑوسیوں کے مالی کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ اٹھ کر لان میں چلی آئی۔ کل ہی لان کی حالت دیکھتے ہوئے اس نے چوکیدار بابا سے کہا تھا کہ پڑوسیوں کے مالی کو کہہ کر اس کا حلیہ سنواریں۔ یہاں تو صرف گھاس پھونس ہی نظر آ رہی تھی۔ شاکرہ سے شارق کے متعلق دریافت کیا تو اسے تسلی ہوئی۔

شارق کھانا کھا کر کمرے میں جا کر سو چکا تھا۔

وہ آرام سے اپنے ساتھ شاکرہ کو ملائے مالی کو ہدایات دیتے لان کی ناگفتہ بہ حالت سنوارنے میں ہلکان ہو رہی تھی۔ لان کی طرف کبھی دھیان ہی نہیں دیا گیا تھا اسی لیے پودے برباد ہو چکے تھے۔ اب تو ان کا صرف نام و نشان ہی تھا۔

شاکرہ کو شارق کی پکار سنائی دی تو کیاری میں مٹی کھودتی نویرہ ایک پل کو رکی۔

"صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔" اگلے ہی پل شاکرہ پیغام لیے موجود تھی۔

نویرہ نے گہری سانس لیے ہاتھ میں پکڑی کھرپی سے گھمائی۔

"مالی سے پوچھ کر اس کیاری کی مٹی نرم کرو۔ پودے میں منگوا دیتی ہوں۔ ایک دو دن میں لگوا لیں گے۔ میں ابھی آتی ہوں۔" ہاتھوں میں مٹی کو جھاڑتے وہ اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ شارق کے کمرے کی دہلیز پر اس کے قدم ٹھٹکے تھے۔ اماں گھر پر نہیں تھیں۔ رفعت باجی بھی رات کو تھکن کی وجہ سے کہیں جا لیٹی تھیں اور وہ بھی ان کے ساتھ کہیں بھی جا پڑتی تھی۔ اس کمرے میں شارق کی موجودگی میں غلطی سے بھی داخل نہیں ہو رہی تھی مگر اب..... اس کے اندر اپنی تذلیل کا زہر پھر سرایت کرنے لگا تو وہ دروازے دھکیلتے اندر داخل ہو گئی کہ آخر کب تک وہ اس شخص سے آنکھ مچولی کھیل سکتی تھی۔

شارق زمان بستر پر دراز شاید اسی کا منتظر تھا۔ پہلی نگاہ نویرہ کے بے تاثر چہرے پر پڑی تو ساری خوش

فہمیوں کی تتلیاں اترتی چلی گئیں۔

"آپ نے بلوایا تھا۔" بڑے اکھڑے کھردرے لہجے میں کھڑے کھڑے میں دریافت کر رہی تھی۔

"ہوں..... تم تو یہاں آ کر یوں مصروف ہو گئی ہو کہ ڈھونڈنے پر بھی نظر نہیں آتیں۔" مسکرا کر گویا اس کے لہجے کے تاثر کو ختم کرنا چاہا تھا۔

"کوئی کام ہے تو بتائیں۔ فارغ نہیں ہوں۔" گویا جتا دیا تھا۔ شارق کا قہقہہ بے ساختہ تھا بھرپور نگاہوں سے قدرے فاصلے پر کھڑے وجود کو دیکھا۔ نویرہ ایک لمحے کو پزل سی ہو گئی تھی۔ ایسی بے باک نگاہیں وہ ان کی عادی کب تھی۔

"کام ہی ہے تو بلوایا ہے۔ مجھے بھی پتا ہے۔ پرائم منسٹر کی جانشین تو تم ہی ہو۔ سارا ملک آخر کو تمہارے ناتواں کندھوں پر ہے۔" نویرہ نے غصے سے دیکھا۔ شارق بستر اتر کر اس کے مقابل آ ٹھہرا۔

"اوہ۔ ہوں..... کیا کر رہی تھی۔ بڑے گندے ہاتھ کیے ہوئے ہیں۔" مٹی سے اٹے ہاتھ تھامے شارق رک گیا تھا۔ نویرہ کو بڑی تقویت ملی تھی۔ اپنے ہاتھوں کا گندہ ہونا بڑا غنیمت لگا۔

"آپ کام بتائیں۔ مجھے باہر بڑا کام ہے۔" اس کا انداز ہنوز تھا۔

"تم نے خود پر غور کیا ہے۔ کتنا بدل گئی ہو تم.....؟" ہاتھ تو نہیں کندھوں پر اپنے بھاری ہاتھ جمائے شارق نے کہا تو نویرہ کھول کر رہ گئی۔

"جاؤ ہاتھ دھو کر آؤ۔ آج میں نے اسپیشلی تمہارے لیے ٹائم نکالا ہے مگر تم موڈ خراب کر رہی ہو؟"

"میں فارغ نہیں ہوں۔" اس نے غصے سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"شوہر کی دلجوئی سے بڑھ کر ایک بیوی کے لیے کوئی اور کام اہم نہیں ہونا چاہیے۔ جاؤ شاباش ہاتھ دھو کر آؤ۔" مجبوراً اسے باتھ روم کا رخ کرنا پڑا تھا۔ ہاتھ دھو کر آئی تو شارق منتظر ہی تھا۔ ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بستر پر ہی بٹھا لیا۔ "ایسا کب تک چلے گا؟" اسی طرح بے تاثر چہرے کو دیکھتے شارق نے کہا تو وہ سر اٹھا کر شارق زمان کو دیکھنے لگی۔

"میں اپنی غلطی کا اعتراف تمہارے سامنے کر چکا ہوں۔ میں تمہیں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ میں تم سے یہ سب اسی طرح کرنے پر مجبور تھا ورنہ میں رفعت باجی کو اتنی ایمرجنسی میں نہ بلواتا۔ میں نے حالات کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کی تھی۔ مثبت انداز میں مگر تم نے اور نبیل نے ساری بات ہی بگاڑ دی تھی۔ اب تو تمہاری یہ ناراضگی، یہ رویے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔"

نویرہ نے بڑے ضبط سے ساری بات اپنے نزدیک سنی تھی۔

"میں یہ سب سن چکی ہوں۔ آپ کو کچھ اور کہنا ہے تو ٹھیک ورنہ۔" وہ اٹھنے لگی تھی۔ شارق نے سختی سے ہاتھ پکڑ کر اسے سامنے دوبارہ بٹھا لیا تھا۔

"اٹ از لینف نویرہ۔"

"اور جو آپ میرے میری فیملی کے ساتھ کر چکے ہیں وہ کیا تھا؟ اتنی تذلیل اتنی رسوائی آپ نے تو یہ بھی نہ سوچا کہ لوگ میرے کردار پر کیسے کیسے انگلیاں اٹھائیں گے۔ آپ نے صرف اپنی خواہشوں کو اہمیت

دی۔" ایک پل میں ہی وہ ساری مضبوطی بھلائے ضبط کھو بیٹھی تھی۔

"صرف تمہارے لیے۔"

"نہیں۔ اپنے لیے۔ اپنی خواہش کے لیے۔" وہ ایک دم بپھری تھی۔

"نویرہ۔"

"نام بھی نہ لیں۔ یہ جنگ تو ساری زندگی چلے گی۔ میں اپنے بھائیوں کے سامنے ساری عمر کے لیے سر اٹھانے کے قابل نہیں رہی۔ صرف آپ کے لیے آپ کی وجہ سے نبیل بھائی مجھ سے بات کرنے کے روادار نہیں۔" دل کا دکھ زبان پر آ گیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں نے کچھ بھی غلط نہیں کیا۔ سب کچھ قانون وضوابط کے تحت کیا ہے۔"

"کسی کی بہن کو اغوا کرنا قانون وضوابط کے تحت ہے۔ کسی کی عزت پر رات کی تاریکی میں ہاتھ ڈالنا آپ کے نزدیک قانون ہے۔ کسی کے کردار کو کسی کی آنکھوں میں مشکوک ٹھہرا کر رشتہ ختم کروانا آپ کے خیال میں ضابطے کی کارروائی تھی۔ بڑی اعلیٰ سوچ ہے آپ کی شارق زمان صاحب۔ کوئی آپ کی بہن کے ساتھ ایسا کرے تو کتنی تکلیف ہوگی آپ کو کوئی آپ کو آپ کی ماں کا حوالہ دے۔ آپ کا جی چاہتا ہے۔ اسے قتل کر دیں اور کسی کی غیرت کا جنازہ نکال کر آپ مجھے قانون وضوابط سنا رہے ہیں۔" وہ تو جیسے سارے حواس کھو کر بے نقط بولی تھی۔

"نویرہ۔" شارق کا ضبط کے مارے برا حال ہوا۔

"نام نہ لیں میرا۔ سچ کہتی ہے دنیا ماں باپ پر ہی اولاد جاتی ہے۔ بڑی اماں کی تربیت بھلا کہاں کام آتی۔ جب ماں باپ کا خون ہی اتنا پر اثر ہو۔ جیسی ماں ویسا بیٹا۔ جیسی بہن ویسا بھائی۔"

"نویرہ! بس..... اب ایک لفظ بھی تم نے زبان نکالا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔" غصہ سے اسے پیچھے دھکیلتے شارق زمان کا ضبط کے مارے برا حال ہوا تھا۔

"ماں باپ کا کردار اولاد کی کردار سازی میں بڑا معاون ثابت ہوتا ہے۔ آپ جیسی شخصیت شکست وریخت کے کردار کے حامل شخص سے یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی کی بھی بیٹی کو اغوا کروا لے اور اسے حق بجانب بھی سمجھے۔" وہ بے خوفی سے کہتے آخر میں تمسخرانہ انداز میں ہنسی تو شارق نے مٹھیاں بھینچ کر اپنے آپ کو روکا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ.....

"جس کی ماں اسپتالوں میں رل جائے اس جیسے شخص سے یہی توقع کی جا سکتی ہے جس کے نزدیک صرف اپنے احساسات اہم ہوں۔ اس سے مزید کیا امید....."

"نویرہ! بس بہت کر لی تم نے بکواس....." غصے سے شارق نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ کچھ بعید بھی نہ تھا یہ ہاتھ اس کے رخسار پر بھی نقش انگار بنا سکتا تھا۔

"بہت سن لی میں نے تمہاری تلخ کلامی۔ میں تمہیں وقت دے رہا تھا کہ تم اب خود کو اس ماحول میں ایڈجسٹ کر لو مگر اب نہیں۔ میں نے یہ سب اس لیے نہیں کہا تھا کہ میں ایک طرف بیٹھا تمہارے راضی ہونے کا منتظر رہوں۔ اگر تم یہ سب مجھے اس لیے دے رہی ہو کہ میں غلط ہوں تو تم انرجی ویسٹ کر رہی

ہو بی نارمل۔"

بڑے ضبط سے شارق زمان نے اپنے آپ کو نارمل کیا تھا۔ نویرہ حیران ہو کر دیکھے گئی۔

شارق زمان نے اس کی کمر کے گرد بازو پھیلا کر اپنے قریب کیا تو وہ سٹپٹا گئی۔

"تمہیں پانے کی خوشی میں اپنے آپ کو بھی اگر ہارنا پڑتا تو غم نہیں تھا۔"

اگلے ہی پل وہ بالکل نارمل تھا۔ جیسے چند پل پہلے اسے غصہ آیا ہی نہ ہو۔

"اماں گھر آ جاتی ہیں تو پھر ہنی مون کے ٹرپ کے لیے نکلتے ہیں۔ ویسے کہاں چلو گی تم؟"

"جہنم میں....." زہر سے بھرے جملے تھے۔ شارق زمان کھل کر ہنسا۔

اسے جھٹکا دے کر مزید قریب کیا۔

"جہنم میں کیوں۔ جنت میں کیوں نہیں۔ تمہیں پا کر تو لگتا ہے زندگی جنت بن گئی ہے۔ اب تو غصہ بھی نہیں آتا۔ اتنی گالیاں کھا کر غالب چچا بدمزہ نہ ہوئے تھے میں تو پھر..... کیا خیال ہے..... چلو گی جنت میں؟" نویرہ نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"اور ہاں اب یہ سلیپنگ پلز کھانے کی حماقت مت کرنا۔ میں ہر بار کی طرح اب بھی شرافت کا مظاہرہ کروں یہ گارنٹی نہیں دوں گا۔"

نویرہ کو پہلی بار محسوس ہوا کہ اس شخص کی مسکراہٹ کتنی خوب صورت ہے۔ وہ فوراً چہرہ جھکا گئی۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ میں اتنا بے وقوف یا احمق ہوں جو تمہارے فرار کا مطلب نہ سمجھ سکوں۔ یہ پلز تو کبھی نیند نہ آنے پر استعمال کرنا پڑتی تھیں مگر تم..... خبردار اگر تم نے دوبارہ ان کو ہاتھ بھی لگایا تو....." اسے خود سے پرے کر کے دراز سے شیشی نکال کر شارق نے اس کے سامنے کی تھی۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے اسے دیکھے گئی۔ یہ وہی شیشی تھی مگر شارق کو کیسے مل گئی۔ وہ اندر ہی اندر الجھی تھی۔

"جاؤ اپنا حلیہ درست کرو۔ کتنی پیلی ہو رہی ہو تم۔ کہیں سے بھی نہیں لگ رہی کہ نئی نویلی دلہن ہو تم۔"

شارق کے اس نئے حکم پر وہ کلس کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہوں میں۔" اس نے اپنے کپڑوں کی طرف نگاہ کی۔ پرسوں ہی تو پہنے تھے۔

"ہم اماں کے پاس جا رہے ہیں۔ وہ تمہارا پوچھ رہی تھیں۔ کپڑے چینج کر لو پھر چلتے ہیں۔" اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر شارق کو ٹوکنا پڑا تو اسے بھی یاد آیا کہ اماں اسپتال میں ہیں۔

"کیسی ہیں بڑی امی اب؟"

"بڑی جلدی خیال آ گیا تمہیں۔ ویسے تو اماں سے محبت کے بڑے دعوے ہیں۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ زچ ہو گئی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ جھوٹے دعوے نہیں۔ نہ ہی سر پر بڑا بوجھ بنا رہی ہوں۔ آپ نے جو کیا وہ ایک طرف..... وہ میری خالہ ہیں اور ان سے محبت ایک طرف....." وہ الماری کی طرف بڑھ آئی تھی۔ شارق نے اس کے دراز سراپا کو بھرپور نگاہوں سے دیکھا۔

"محبت تو میں بھی اماں سے کرتا ہوں۔" نویرہ نے پلٹ کر دیکھا۔ پوری طرح متوجہ تھا وہ پل بھر کو پزل

ہوئی۔ چہرے پر سرخی سی پھیل گئی۔

"یہ سوٹ نکال لو۔" وہ آف وائٹ سوٹ نکال رہی تھی۔ جب شارق کے کہنے پر اس نے پرپل اینڈ پنک شیڈ کے خوب صورت سوٹ پر نظر ڈالی۔ شارق اس کے پیچھے ہی آ کھڑا ہوا تھا۔ اس پر گھبراہٹ سی طاری ہونے لگی۔ اس نے بغیر بحث کیے وہی سوٹ کھینچ لیا۔ اب زندگی اس شخص کے ساتھ گزارنی تھی۔ کب اور کہاں تک وہ بحث کرتی۔ وہ نہا کر لباس بدل کر نکلی تو شارق ریڈی تھا۔

نویرہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چمک میں کئی گنا اضافہ ہوا تھا۔ اس پرپل اینڈ پنک شیڈ میں اس کا وجود قیامت ڈھا رہا تھا۔ شارق کی نگاہوں کا والہانہ پن نویرہ کو پزل کرنے لگا تھا۔ وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ وہ بالوں میں برش کر رہی تھی جب شارق نے اس کا رخ کندھوں سے تھام کر اپنی طرف کر لیا تھا۔

"اگر اسی طرح ساری باتیں مانتی جاؤ گی تو زندگی کتنی خوب صورت ہو جائے گی۔ تازہ شیمپو کی خوشبو گیلے بالوں کی نمی میں بہت مسحور کن لگ رہی تھی۔ نویرہ کو شارق کے والہانہ پن پر وحشت ہونے لگی۔

"میں اتنی خود غرض نہیں ہوں۔ میری زندگی پر صرف میرا یا آپ کا حق تو نہیں۔ اس سے پہلے میرے والدین کا بھی ہے۔ کبھی سوچا ہے آپ نے جو کیا ہے اس سے وہ کن عذابوں کو جھیل رہے ہیں....." اس کی آواز میں نمی اتر آئی تھی۔ شارق پر اس نمی نے بھرپور جادو سا کیا تھا۔ بے اختیار اسے خود میں سمیٹ لیا۔ نویرہ خود بھی زرد ہو رہی تھی۔ اس کی پناہ میں اس کے ظلم پر پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

"میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" اس نے باور کروا دیا تھا۔

"میں ان سب سے معافی مانگ لوں گا۔ تم کہو تو پیروں میں جھک جاؤں گا۔"

"آپ نے میرے کردار پر انگلی اٹھائی تھی۔ ہر کسی کی نظروں میں مجھے بدکردار کہلوایا۔"

"میں ہی اب سارے حالات سنوار لوں گا۔" اس لیے اس کا رونا دیکھا نہیں گیا تھا۔ اور پھر وہ روتی رہی۔ اس کا ایک ایک ظلم گنواتی رہی اور وہ ہر ظلم پر سر تسلیم خم کرتے ازالے کے سدِ باب بتاتا چلا گیا اور نویرہ حیرت زدہ رہ گئی.....

❁.....❁.....❁

عثمان بھائی کا خیال تھا کہ وہ یہاں آ کر حالات کو اپنے حق میں موافق کر لیں گے مگر سمعان سے مل کر سب کچھ جاننے کے بعد جب چچا' چچی سے ملاقات ہوئی تو احساس ندامت نے عثمان احمد کے اندر شگاف سے ڈال دیئے تھے۔ وہ تو ان سے بات کرنے آئے تھے' اپنا حق مانگنے آئے تھے مگر چچی کی محبت و گریہ زاری نے زبان سے گویا قوت گویائی چھین لی تھی اور پھر رہی سہی کسر نفیسہ پھپھو کے ہاں جا کر پوری ہو گئی تھی۔

پھپھو تو بھری بیٹھی تھی۔ ان کے ذرا سا زور دینے پر انہوں نے ان تمام رازوں سے بھی پردہ اٹھا دیا جو ساری عمر' ان کے والدین چھپاتے رہے تھے۔ وہ تو کئی ثانیے تک ششدر رہ گئے تھے۔

ماں چاہے کیسی بھی ہو اولاد کے لیے ماڈل ہوتی ہے' وہ تو بہت کچھ سمجھنے کے باوجود کبھی سوچ نہ پائے

تھے کہ والدین کی زندگی میں کبھی ایسا مقام بھی آیا ہو گا۔ عثمان کے جھکے سر کو دیکھ کر نفیسہ آپا کو ندامت نے گھیر لیا۔ انہوں نے اپنے تئیں بہت سمجھایا بجھایا مگر عثمان کے خاموش لبوں پر دوبارہ گویائی نہ آ پائی تھی۔ بجھی آنکھوں میں تیرتی نمی سخت اضطراب و برداشت کی گواہ تھی۔ وہ کہہ کر پچھتائیں۔

پھر وہ وہاں سے چلے آئے تھے' بغیر کچھ مزید کہے سنے۔ سمعان احمد کے سامنے بیٹھ کر انہوں نے اپنے دل کا غبار نکالا تھا۔ اذیت و تکلیف سے تو سمعان احمد بھی دوچار ہوا تھا مگر اس قدر نہیں جتنا عثمان احمد تھے۔ عثمان نے تو ہادیہ والے واقعے کے بعد گھر سے فرار اختیار کر لی تھی۔ ماں باپ سے متنفر ہو گئے جبکہ سمعان احمد کا والدین کے ساتھ چوبیس گھنٹوں کا ساتھ تھا۔ بے شک کسی نے بطور خاص کچھ نہیں بتایا تھا مگر والدین کے روز بروز کے جھگڑوں سے کیا وہ اس مسلسل چپقلش کی اصل وجہ اخذ نہ کر سکتے تھے؟ بہت کچھ نہ ہی جانتے تھے مگر کچھ کچھ تو علم ہی تھا۔

"چھوڑیں عثمان بھائی! اب پریشان ہونے یا افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ مجھے تو پہلے ہی اندازہ تھا بلکہ علم تھا کہ ایسی ہی کوئی بات ہو گی۔" سمعان احمد نے خود کو نارمل کر کے تسلی دی تھی اور عثمان نے حیرت سے سمعان احمد کو دیکھا تھا۔ سمعان کی برداشت قابل رشک تھی۔

"میرا خیال ہے فرح اور علی بھی بہت حد تک تو نہیں مگر بہت کچھ تو جانتے ہی ہوں گے۔ بے شک ابو نے ہمیشہ امی سے متعلق چپقلش کو چھپانے کی کوشش کی ہے مگر کب تک؟ یہ جو ہمارے گھر میں آئے دن نت نئے ڈرامے ہوتے ہیں' یہ کافی ہیں ہمیں باور کروانے کو کہ ہم اصل میں کیا ہیں۔" عثمان احد نے ضبط سے ہونٹ بھینچ لیے۔ سمعان احمد کی استہزائیہ ہنسی بہت تکلیف دہ تھی۔ بہت زیادہ' اندر تک جھنجوڑتی ہوئی۔

"میں کل واپس جا رہا ہوں۔" بہت دیر بعد عثمان احمد نے کچھ کہا تھا۔

"اچھی بات ہے..... بھابی اکیلی ہوں گی۔"

"نہیں میں نے زوبار یہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ انکل کے پاس چلی جائیں۔"

"پلیز عثمان بھائی' یہ جو انکشاف ہے اس کو صرف انکشاف ہی رہنے دیں۔ اپنے آپ کو سنبھالیں' ہماری زندگی کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے۔ بے شک امی ہماری ماں ہیں' مگر یہ بھی سچ ہے کہ ابو بھی اپنی جگہ درست ہیں۔ اگر کہیں ایسی کوئی بات تھی تو امی کو ابو کے ساتھ ایڈجسٹ کرنا چاہئے تھا اور ابو کو انہیں سمجھنا چاہئے تھا۔ میں یہاں امی ابو دونوں کو قصوروار سمجھتا ہوں۔ ابو نے اگر ہمارے لیے سمجھوتہ کیا بھی تھا تو اس کو نبھاتے بھی۔ میاں بیوی میں سے کسی ایک کو یہ قربانی دینا پڑتی ہے۔ امی نہیں تو ابو کو سہی' برداشت کرنا چاہئے تھا۔"

"نہیں سمعان' ہم ابو کے احساسات نہیں سمجھ سکتے۔ ابو کیا' کوئی بھی شخص نہیں برداشت کر سکتا کہ جس شریکِ حیات کو وہ اتنی محبت سے اعلیٰ مقام سے نواز رہا ہے وہ اپنے دل میں ان کے لیے سرے سے کوئی جذبات ہی نہیں رکھتا۔ ابو کے لیے یہ زیادہ تکلیف کی بات تھی کہ وہ کوئی اور شخص نہیں ان کا بھائی ہے۔"

"جو بھی ہے..... میرا نہیں خیال کہ ہمیں اس موضوع پر بات کرنا چاہئے۔ ہم نے جو بھی سنا' یا دیکھا وہ ہمارا صرف تجزیہ ہو سکتا ہے۔ پھپھو نے آپ کو جو بھی بتایا یا سنایا وہ ان کا تجزیہ ہے۔ ہم نے لوگوں کی صرف

باتیں سنیں' ہمیں نہیں پتا وہ کونسی وجوہات ہیں جو ہمارے والدین کو اس مقام پر لے آئی ہیں اور نہ ہی ہمارے والدین نے ہمارے سامنے ان وجوہات کا کبھی ذکر کیا ہے۔ پھر اپنے تئیں کچھ بھی اخذ کر لینا قبل از وقت ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں سرے سے اس واقعے کو ہی فراموش کرنا ہوگا ورنہ زندگی بہت مشکل ہو سکتی ہے۔ ہم تنہا کچھ بھی نہیں۔ ہمیں قدم قدم پر نہ چاہتے ہوئے بھی امی ابو دونوں کی ضرورت رہے گی۔ بے شک امی جو بھی کر چکی ہیں پھر بھی ان کی حیثیت مسلم ہے۔ ان کو اس طرح ڈسکس کرنا' مجھے بڑی اذیت ہو رہی ہے۔"

عثمان احمد نے خاموشی سے سمعان احمد کے تاثرات نوٹ کیے تھے اور پھر آہستگی سے سر ہلا دیا تھا۔ سمعان احمد سچ ہی تو کہہ رہا تھا۔ یہ موضوع سوائے اذیت کے اور کچھ نہیں دے سکتا۔

"میں پھر بھی ابو سے ضرور بات کروں گا۔" عثمان احمد کا ارادہ مضبوط تھا۔

"پلیز عثمان بھائی! ان سب حالات نے ابو کو اندرونی طور پر پہلے ہی بہت توڑ دیا ہے۔ امی کو شاید اس بات سے کوئی فرق نہ پڑے مگر ابو کو بہت پڑے گا۔ وہ کبھی ہم سے نظر ملا کر بات نہ کر سکیں گے۔ میں انہیں جانتا ہوں وہ جو ہمارے معاملے میں اس قدر ہی حساس ہیں۔ وہ تو اس واقعے سے ہی مجھ سے کترانے لگے ہیں اور میں ان سے۔ یہ نہ ہو ہمارا رہا سہا بھرم بھی ختم ہو جائے۔ امی ابو سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ بے خبر ہیں انہیں یہی سوچنے دیں کم از کم وہ شرمندہ تو نہ ہوں گے۔"

سمعان احمد کا موقف درست تھا۔ عثمان احمد نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"عثمان بھائی' وعدہ کریں یہ بات ہمارے درمیان رہے گی۔ کسی اور کے سامنے آپ ذکر نہیں کریں گے' حتیٰ کہ بھابی سے بھی نہیں۔"

"بے فکر رہو یار! اتنا تو میں بھی جانتا ہوں۔ یہ بہت نازک موضوع ہے۔ ہماری اپنی ذات ہی ڈسکس ہوگی اور زوباریہ سے بھی نہیں کروں گا۔ وہ سمجھتی ہے کہ امی ابو کے درمیان چپقلش نظریاتی اور خاندانی بنیادوں پر ہے۔ یہ اسے میں نے ہی باور کروایا تھا۔ اب میں اپنے ہی منہ سے اپنے والدین کی زندگی کے ان گوشوں کو کیسے بے نقاب کر سکتا ہوں۔"

سمعان احمد نے پرسکون سانس لی۔ ورنہ یہی خدشہ تھا کہ کہیں عثمان جذباتیت میں کسی اور سے ذکر نہ کر بیٹھیں۔ خاص طور پر امی ابو سے۔

نفیسہ بیگم نے سعد جمال کے منع کرنے کے باوجود سعود کے سامنے نہ صرف رشتہ ڈالا تھا بلکہ آناً فاناً بات بھی طے کر دی تھی۔ وہ اپنے اس فیصلے پر پچھتا تو نہیں رہی تھیں مگر جس طرح سعد جمال نے لاتعلقی کا مظاہرہ کر رکھا تھا وہ شش و پنج میں مبتلا ہو گئی تھیں کہ کہیں زرش کو سعد سے منسوب کر کے انہوں نے غلطی تو نہیں کی۔ سعد جمال جو فوراً آنے پر آمادہ تھا۔ جس نے خود اپنے منہ سے بارہا فرح کے لیے ماموں سے بات کرنے کو کہا تھا اور وہ راضی بھی تھیں۔ انہیں فرح دل و جان سے پسند تھی مگر جس طرح طاہرہ نے زرش پر الزام تراشی کی تھی اس نے انہیں یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کیا تھا۔ مگر اب سعد ناراض تھا' وہ جو آنے

کی تمام تیاریاں کر چکا تھا اس نے پاکستان نہ آنے کا کہہ کر ان سے قطعی لاتعلقی کا گویا اظہار کر ڈالا تھا۔ وہ مسلسل پریشان تھیں۔ بے شک ہادیہ سے انہوں نے ذکر نہیں کیا تھا۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی انہوں نے سعد کے راضی نہ ہونے کی بات اس سے چھپالی تھی مگر کب تک؟

انہوں نے ستارہ سے بات کی تھی۔ ستارہ اور سعد کی تو بہت دوستی تھی۔ وہ بے شک ان سے بات نہیں کرتا تھا۔ وہ خود امریکہ کال کرتیں بھی تو وہ ریسیو نہیں کرتا تھا۔ مگر ستارہ کے ذریعے وہ اسے راضی کر سکتی تھیں مگر یہ کوششیں بھی ناکام ٹھہری تھیں۔

دن اتنی تیزی سے گزر رہے تھے کہ انہیں کچھ سجھائی ہی نہ دے رہا تھا۔ نوشی کے سسرال والے نوشی کے امتحانات کے فوراً بعد شادی کی تاریخ کی بات کر رہے تھے جو کہ پہلے ہی طے تھا۔

سعد احمد معمول کے مطابق ہی آفس جا رہے تھے سعید احمد سے تعلقات پہلے جیسے ہی ہو چکے تھے۔ بے شک دونوں گھروں کی ایک دوسرے کے ہاں آمد و رفت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ اس واقعے کے بعد فرح اور علی نے صرف ایک بار ہی چکر لگایا تھا۔ وہ بھی زرش کا لاتعلق انداز دیکھ کر فرح کو بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ کتنی دوستی اور محبت تھی دونوں میں مگر حالات نے کیا سے کیا کر ڈالا تھا۔

کالج میں فرح کے رویہ پر زرش اپنے اوپر ضبط کر جاتی تھی۔ پہلے کی طرح ایک دم لاتعلق تو نہیں رہی تھی مگر وہ پہلے کی طرح فرح سے بے تکلف بھی نہ رہی تھی۔ سمعان احمد تو گویا اس گھر کو بھول گیا تھا۔ وہ اس گھر کا کیا لگتا تھا۔ اپنے گھر کو بھی بھول گیا تھا۔ وہ اپنا سارا وقت بزنس میں لگا دیتا تھا۔ ہر وقت متحرک و مصروف۔ ایسے میں کبھی چچا سے سامنا ہو جاتا تو سر خود بخود جھک جاتا تھا۔ احساس ندامت سے وہ ان کے سامنے زیادہ دیر ٹھہر نہیں پاتا تھا۔ ایک خلیج سی درمیان میں حائل ہو گئی تھی جسے ہر کوئی محسوس کر رہا تھا مگر کچھ بھی کرنے سے قاصر تھا۔ وقت کا کام ہے چلتے رہنا' وہ کب کسی کی مرضی کے تابع رہا ہے۔ ہر ایک کو اس مختصر سی زندگی میں اپنی بساط کے مطابق ہی ملا ہے۔ سو زرش نے بھی جینا سیکھ لیا تھا۔ اتنی بڑی ٹھوکر کھا کر بھی نہ سیکھتی تو پھر ساری عمر بے عقل ہی رہتی۔ اس نے ان کی باتوں پر دھیان دینا شروع کر دیا تھا۔ نوشی کے ساتھ مل کر گھر پر توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ ساری بے پروائی و بچپنا تو بھول بھال گئی تھی۔ اب تو صرف یہی یاد تھا کہ وہ بچی نہیں رہی۔ ساری بے پروائیاں اور نالائقیاں بھول کر زندگی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے۔

طاہرہ بیگم کی نفرت کا اصل مقصد جان کر تو وہ اور محتاط ہو گئی تھی۔ اس کہانی سے اسے بہت کچھ سیکھنے کو ملا تھا۔ زندگی کے بہت سے رنگ دیکھنے اور سوچنے کا موقع ملا تھا۔ بے شک پہلے کی طرح اس کا اعتماد بحال نہیں ہوا تھا مگر اسے زندگی کو اس کے اصل معنوں میں جاننے کا موقع ملا تھا۔

سمعان احمد سے متعلق اس کے جو بھی احساسات تھے وہ اتنے ہی پاکیزہ و شفاف تھے جتنی کہ وہ خود تھی۔ سعد جمال سے نسبت طے پانے کے باوجود وہ اس رشتے کو قبول نہ کر پا رہی تھی۔ سعد جمال کا تصور بھی اس کے ذہن کو نہ بدل پایا تھا بلکہ وہ تو الجھ گئی تھی۔ ایسے کسی بھی رشتے میں بندھ جانا' یوں اچانک حادثاتی طور پر۔ وہ ابھی بے یقین تھی۔ اگرچہ اب تو کافی دن بیت چکے تھے۔ خاندان بھر کو اس رشتے کے

طے ہو جانے کی خبر مل چکی تھی۔ نفیسہ پھپھو نے خاندان بھر میں باقاعدہ مٹھائی تقسیم کر کے دونوں کی نسبت کا اعلان کیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سعد جمال کے نام کی انگوٹھی پہنا کر اپنی طرف سے انہوں نے طاہرہ اور اس کی بہن قیصرہ بیگم کی گھٹیا چال کو ناکام بنا دیا تھا مگر زرش کو لگتا تھا کہ بہت کچھ غلط ہو چکا ہے۔

سعد جمال کو تو اس نے کبھی کزن کی حیثیت سے بھی اتنی اہمیت نہ دی تھی' اب کہاں ساری عمر کا ساتھ نبھانا تھا۔ ہاں وہ مطمئن تھی کہ اس رشتے کے طے پا جانے سے اس کے والدین خوش ہیں۔ اس کے والدین کا اعتماد اس کی ذات پر اسی طرح برقرار ہے۔

پھپھو نے جس طرح اس آڑے وقت میں ان کا ساتھ دیا تھا اور جس طرح ماما پاپا ان کے مشکور تھے' اس طرز عمل نے اسے اس رشتے کو قبول کرنے پر اکسایا تھا۔ بے شک وہ لاچار تھی مگر جب بھی ماما پاپا کے حوالے سے اس نسبت سے متعلق سوچتی' یک گونہ سکون حاصل ہوتا لیکن دوسرے ہی لمحے کسی کونے سے کئی چہرے سامنے آ کر اس کے اطمینان کو ملیا میٹ کر دیتے تھے اور وہ صرف ذہنی خلفشار سے ہی دوچار نہ ہوتی تھی بلکہ دلی طور پر بھی بے سکون ہو جاتی تھی۔ ایسے میں اس کی پناہ گاہ صرف کتابیں ہوتی تھیں۔ اس نے اپنے آپ کو ہر طرح سے اپنی اسٹڈی کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ٹھہری تھی۔

پھر گھر میں نوشی کی شادی کی بات چلنے لگی تو اس کا اسٹڈی کے بعد کا سارا وقت نوشی کے ساتھ ہی گزرنے لگا۔ ہارون انکل شادی کی تاریخ مانگ رہے تھے جبکہ ماما پاپا ٹال رہے تھے کہ نوشی آرام و سکون سے اپنے ایگزام کلیئر کر لے پھر شادی کے ہنگاموں کا سوچیں گے۔ مگر وہ لوگ بضد تھے کہ دن طے کر لیتے ہیں ایگزامز کے فوراً بعد شادی رکھ لیتے ہیں۔ گھر میں آج کل یہ ایشوز زور و شور سے چل رہا تھا۔ تقریباً روز ہی ہارون انکل اور آنٹی چلے آتے تھے۔

✿.....✿.....✿

زرش دو دن کالج سے غیر حاضر تھی۔ ویسے بھی آج کل کالج میں مختلف فنکشنز ہو رہے تھے سو وہاں جا کر ٹائم ضائع کرنے کی بجائے وہ گھر رہ کر ہی اسٹڈی پر توجہ دے رہی تھی۔

رات کو سب اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں ہی بیٹھی کتابوں میں مصروف تھی۔

"زرش کیا کر رہی ہو.....؟" نوشی کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں بس پڑھ رہی تھی' خیریت.....؟"

"ہاں....." وہ اس کے پاس ہی قالین پر بیٹھ گئی تھی۔ زرش نے محسوس کیا وہ کچھ الجھی ہوئی ہے۔ آج اسے ماما اور پاپا کے حوالے سے بھی ایسا ہی محسوس ہوا تھا مگر وہ ٹال گئی تھی مگر اب نوشی کو ہاتھ مسلتے دیکھ کر ضرور چونکی۔

"کیا ہوا۔ تم پریشان ہو۔ کچھ کہنا ہے؟"

"ہوں....." وہ رکی زرش کو دیکھا۔ "آج پھپھو کا فون آیا تھا۔"

"تو؟" وہ حیران ہوئی۔ بھلا اس میں کون سی نئی بات ہے' پھپھو کا فون تو روزانہ ہی آتا رہتا ہے۔

"انہوں نے ماما سے شادی کی بات کی ہے۔"

زرش حیرت سے دیکھے گئی۔

"ماما' پاپا بھی پریشان ہو گئے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ کم از کم ایک ڈیڑھ سال تک تو تمہاری منگنی رکھیں گے مگر پھپھو کہہ رہی تھیں کہ سعد بھائی شاید چکر لگائیں' اسی لیے وہ ان کے آتے ہی فوراً شادی کرنا چاہ رہی ہیں کیونکہ سعد بھائی نے وہاں جاب کر لی ہے۔ وہ آنا ہی نہیں چاہ رہے تھے مگر پھپھو کے زور دینے پر آنے کا کہا تھا اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ وہ ٹھہریں گے نہیں۔ دوبارہ آنے میں انہیں عرصہ لگ سکتا ہے' اس لیے پھپھو نے ماما سے بات کی ہے کہ سعد بھائی جیسے ہی پاکستان آئے' وہ تاریخ طے کر دیں گی۔" نوشی نے تفصیلاً بتایا تو زرش کا سکتہ ٹوٹا۔

"یہ کیا تماشا ہے؟ پھپھو نے یہ سوچ بھی کیسے لیا؟ ابھی تو مجھے پڑھنا ہے اور ماما نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔" وہ ایک دم روہانسی ہو گئی تھی۔

"کہا تو ہے' ماما نے تقریباً انکار ہی کیا ہے کہ کم از کم دو سال تک شادی کا سوچیں بھی مت مگر پھپھو بضد ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب ہارون انکل وغیرہ دن طے کریں تو اس مسئلے کو بھی زیر غور رکھیں۔"

"تو میرا کیا ہوگا؟ میری پڑھائی.....؟"

"وہی تو ماما نے پاپا سے بات کی ہے۔ وہ بھی الجھ گئے ہیں۔ پھپھو کا انداز حتمی ہے۔ جس طرح اچانک یہ رشتے کی بات چلی ہے اور اب اچانک شادی کی بات۔ سچ بتاؤں میں تو خود الجھ گئی ہوں۔"

"منع کر دو ماما کو۔ اس طرح سوچیں بھی مت۔ ابھی تک میں اس انگیجمنٹ کو قبول نہیں کر پائی' کہاں شادی۔" زرش کو ہول اٹھا۔ "ہرگز نہیں! ماما پاپا کو خود احساس ہونا چاہئے۔ ابھی تو میری ایج ہی کیا ہے۔ پھر سعد بھائی' امپاسبل۔ مجھے ابھی اپنی اسٹڈی کمپلیٹ کرنی ہے۔ کم از کم ماسٹر تو ہونا۔"

"ہوں' میرا بھی یہی خیال تھا۔ خیر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ سچ بتاؤں ماما پاپا اس حادثے کے بعد بہت محتاط ہو گئے ہیں۔ سمعان بھائی کے ساتھ جس طرح تمہارا نام اچھالا گیا ہے' یہ منگنی بھی صرف ایک ضابطے کی کارروائی تھی۔ پاپا تو سرے سے اس رشتے کو قبول کرنے پر بھی راضی نہ تھے مگر پھپھو کے سمجھانے پر وہ مانے تھے۔ بظاہر لوگوں کی زبانیں تو بند ہو گئی ہیں مگر جب تک باقاعدہ شادی طے نہیں ہو جاتی' ماما پاپا اس طرح شش و پنج میں مبتلا رہیں گے۔ ہو سکتا ہے پھپھو کے دباؤ ڈالنے پر ماما پاپا مان بھی جائیں کہ اب بات صرف تمہاری کم عمری یا اسٹڈی ان کمپلیٹ رہنے کی نہیں۔ لوگوں کی گندی سوچ کو بدلنے کی ہے۔ اس سارے پروپیگنڈے کا جواب دینے کی ہے۔ ایک ضابطہ کارروائی سے ثابت کر کے۔ ایک شرعی و قانونی تعلق جوڑ کر۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مجھے کیوں سزا دی جا رہی ہے؟" وہ رو ہی تو دی تھی۔

"زرش پلیز! ابھی تو نہ جانے کیا کچھ سہنا پڑے زندگی میں۔ تمہیں یہ سب اسی لیے بتا رہی ہوں کہ تم ابھی سے ذہنی طور پر تیار رہو۔ تمہیں کوئی ذہنی دھچکہ نہ لگے۔ یہ صرف الٹی میٹم ہے۔ ماما پاپا جس طرح الجھ گئے ہیں یہ ظاہر کرتا ہے وہ بھی پھپھو کی سوچ کو کسی حد تک درست سمجھ رہے ہیں۔"

زرش کچھ نہیں بولی تھی' اسی طرح نیر بہاتی رہی۔

نوشی کچھ دیر اس کے پاس بیٹھی' اسے تسلی دلاسے دیتی رہی تھی۔ نوشی تو سونے چلی گئی تھی مگر وہ ساری رات سو نہ سکی تھی۔

اگلے دن کالج جانا تھا۔ دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ بڑی پژمردگی سے تیار ہوئی تھی۔ کالج میں سارا دن بڑا عجیب گزرا تھا۔ الجھتے ہوئے، اپنے آپ سے لڑتے ہوئے۔ فرح سے کئی بار سامنا ہوا اور ہر بار وہ اسے نظر انداز کر کے گزر گئی تھی۔ ایسا تو کب سے چل رہا تھا مگر فرح کے سلام دعا کے علاوہ جو بھی بات کرتی تھی وہ جواب ضرور دیتی تھی۔ چند دن سے وہ فرح کے ساتھ نارمل بی ہیو کر رہی تھی مگر اب اچانک رات کی بات سن کر وہ پھر سے اسی اذیت سے دوچار ہوئی تھی جو صرف ایک حادثے کی وجہ سے تھی جس نے پوری زندگی کا منظر نامہ بدل دیا تھا۔

آخری پیریڈ فری تھا۔ وہ کالج کے لان کے قدرے الگ تھلگ کونے میں آ بیٹھی۔ وہ اتنی قنوطیت پسند نہیں تھی مگر اب دل چاہتا تھا کہ کسی کونے کھدرے میں جا چھپے جہاں سے وہ کسی کو نظر نہ آئے۔

بے قصور ہوتے ہوئے بھی مجرم بن گئی تھی۔ ماما پاپا کے لیے ایک مسلسل ٹینشن کا سبب۔

''زرش.....'' فرح اسے ڈھونڈتے سارے کالج کا چکر لگا چکی تھی۔ اسے یہاں بیٹھے دیکھ کر وہ اس کی بھرپور لاتعلقی کے باوجود بھی خود کو اس سے کلام کرنے سے نہ روک پائی تھی۔

زرش نے صرف ایک نگاہ کی تھی۔ دکھ' اذیت' ملال' بے بسی' کیا کچھ نہ تھا ان آنکھوں میں۔ فرح کا دل کٹ سا گیا۔ وہ اس کے قریب ہی گھاس پر بیٹھ گئی۔

''پریشان ہو؟'' جھجکتے ہوئے سوال کیا تھا۔

زرش نے اپنے سامنے کھلی فائل بند کر دی۔ مگر بولی نہیں تھی اسی طرح لاتعلق رہی۔

''پلیز زرش! مجھ سے اس طرح بی ہیو مت کرو۔ ہم تو کزنز سے بڑھ کر دوست تھیں۔ کیا تم مجھے بھی سزا دو گی اس جرم کی جو میں نے کیا ہی نہیں۔''

آج سارا دن وہ زرش کے پرملال انداز کا جائزہ لیتے اب تو اندر سے شل ہو چکی تھی۔

''اور جو سزا میں جھیل رہی ہوں وہ؟'' تلخی سے بھرپور آواز تھی۔ فرح کا دل غم سے پھٹنے کو تھا۔ ''میں نے تو کبھی زندگی میں غم کی بات کی ہی نہ تھی۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ اذیت کسے کہتے ہیں مگر تمہاری والدہ نے میرے ساتھ جو کر دیا ہے وہ ساری عمر مجھے اذیت کی بھٹی میں جھونک دینے کو کافی ہے۔ ندامت و شرمندگی ہونے لگتی ہے مجھے خود پر۔ میں کیا تھی' کیا ہو کر رہ گئی ہوں۔ کاش یہ آگاہی جو مجھے اب ملی ہے یہ اس بڑے نقصان سے پہلے مل چکی ہوتی تو اذیت اتنی زیادہ نہ ہوتی۔''

اس کے اندر تو غبار بھرا ہوا تھا۔ تند و تیز موجوں سے بپھرا طوفان تھا جو اسے ضبط کی ہر حد کراس کر جانے کو اکسا رہا تھا۔

''زرش پلیز! میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔'' فرح کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے سارے دکھ لے کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا دے۔

''تمہارے معافی مانگنے سے کیا ہو گا بھلا۔ تمہاری والدہ بھی آ کر اپنے جرم کی تلافی کی کوشش کر لیں جو کہ قیامت تک ممکن نہیں' تب بھی میرے کردار' میری ذات پر اچھالا گیا کیچڑ میری پاک دامنی سے کیسے صاف ہو گا؟'' زرش کی آنکھوں سے آنسو بہتے چلے گئے تھے۔

''زرش! سمعان بھائی بہت سنجیدہ ہو گئے ہیں۔ کام کام' کام۔ انہوں نے خود کو مشین بنا لیا ہے۔ امی سے وہ بات نہیں کرتے اور گھر میں تو شاید سنڈے کو ہی نظر آ جائیں تو بڑی بات ہے۔ ہمارا گھر ایک ایک کر کے بکھر رہا ہے۔ میں کس کس نقصان پر روؤں۔'' اس کی آواز رندھ گئی تھی۔ زرش نے کچھ خفا نظروں سے اسے دیکھا۔ اس سارے حادثے کے بعد پہلی مرتبہ فرح' سمعان کا ذکر اس کے سامنے کر رہی تھی۔ زرش کو اپنے زخم ہرے ہوتے محسوس ہوئے۔

''پلیز..... اگر تم مجھ سے رابطہ رکھنا چاہتی ہو تو پھر آئندہ کبھی میرے سامنے یہ نام مت لینا۔ نفرت سی محسوس ہونے لگی ہے اب اس نام سے بھی۔ کتنا منع کیا تھا میں نے ان کو مگر وہ تو مجھے رسوا کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اب تو انہیں خوش ہونا چاہیے۔ میں کتنی کم عقل واقع ہوئی اور ان کی چال میں آ گئی۔ یہ سب ان کا قصور ہے۔ اب تک یہ جو کچھ بھی ہو چکا ہے سب کے ذمہ دار وہ ہیں۔ انہیں محبت سوجھی ہوئی تھی۔ میں رسوا ہو کر رہ گئی ہوں۔''

فرح نے تڑپ کر زرش کو دیکھا۔ سمعان احمد کی دیوانی کتنا بدل چکی تھی۔ صرف ایک حادثے نے اس کو سرتاپا بدل دیا تھا۔ وہ اذیت سے ہونٹ کچل گئی۔

پھر باقی وقت دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ کالج آف ہوتے ہی زرش نے اپنی چیزیں سمیٹی تھیں۔ ایک نظر سر جھکاتے گھاس کے تنکے توڑتی فرح کو دیکھا۔ دل کے اندر اپنی ترش روی کا ملال جاگا مگر وہ سختی سے منہ بند کر گئی۔ فرح سے زیادہ نقصان اس کا تھا پھر وہ کیوں نادم ہوتی۔

کبھی کیسی دوستی و چاہت تھی۔ محبت و خلوص کے کیسے جذبات تھے۔ مگر اب..... آنکھ سے آنکھ ملانا مشکل ہو چکا تھا۔ نگاہیں چار ہوتی تھیں تو دل میں تکلیف کے کھنڈر آباد ہو جاتے تھے۔ وہ خاموشی سے پرنم آنکھ کو صاف کرتے وہاں سے نکل آئی تھی۔ ڈرائیور گاڑی سمیت موجود تھا۔

''زرش!'' اپنے نام پر وہ چونکی تھی۔ اس کی کلاس فیلو اس کے قریب چلی آئی تھی۔

''زرش! آج میری گاڑی لینے نہیں آئے گی۔ تم بھی ہمارے روڈ سے ہی گزرو گی۔ اگر تکلیف نہ ہو تو ڈراپ کر دو گی؟'' سائرہ نے جھجکتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''حد کرتی ہو تم بھی تکلف کی۔ ضرور..... تکلیف کیسی اس میں بھلا۔ پلیز آؤ۔'' اس نے مسکرا کر کہا تو وہ تشکر بجا لائی۔

سائرہ اس کی کلاس فیلو تھی۔ ان چند دنوں میں فرح کے بعد غیر محسوس انداز میں وہ اس سے مانوس ہوئی تھی۔ بے تکلفی بڑھی تھی۔ پھر سائرہ کون سا انجان تھی۔ پاپا کے کسی فرینڈ کی بیٹی تھی۔ سو فرح کے بعد وہ اس کی طرف توجہ مبذول کرنے میں ہچکچائی نہیں تھی کہ یہ لڑکی ڈاکٹر ظفر کی چچازاد بھی تھی۔ راستے میں سائرہ نے ایک اکیڈمی کے سامنے گاڑی روکنے کو کہا تھا۔

"ایم سوری یار! تمہیں ڈسٹرب کر رہی ہوں۔ دراصل اس اکیڈمی میں میرے ایک کزن ہوتے ہیں۔ انہیں میں نے کچھ نوٹس کا کہا ہوا تھا مجھے اشد ضرورت ہے۔ صبح فون پر کہہ رہے تھے میں واپسی پر اکیڈمی کا چکر لگاتے لے جاؤں۔" ڈرائیور کے گاڑی روکنے پر وہ شرمندہ سی وضاحت دے رہی تھی۔

"تم تو خوامخواہ شرمندہ ہو رہی ہو۔ تم جا کر نوٹس لے آؤ' میں انتظار کر لیتی ہوں۔"

"نہیں' میں اکیلی نہیں جاؤں گی۔ تم بھی ساتھ چلو۔"

زرش نے انکار کرنا چاہا مگر پھر بدتمیزی کا سوچتے راضی ہو گئی۔ اکیڈمی بہت شاندار تھی۔ انٹرس سے ہی سائرہ اپنے کزن کا پوچھتی اندر چلی آئی تھی۔ راہداری میں کئی چیئرز دیوار کے ساتھ سیٹ تھیں۔

"تم اپنے کزن کا پتا کر لو۔ میں ادھر بیٹھتی ہوں۔" زرش ادھر ہی ٹک گئی تھی۔ سائرہ سر ہلاتی اندر چلی گئی تھی۔

وہ خاموشی سے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ پانچ منٹ بعد سائرہ ایک خاصے خوش شکل' ہینڈسم سے لڑکے کے ساتھ آتی دکھائی دی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سوری زرش' تمہیں ویٹ کرنا پڑا۔" اس کے قریب پہنچتے ہی وہ فوراً اسٹارٹ ہوئی تھی۔ "ویسے ان سے ملو۔ یہ میری پھپھو کے بیٹے ہیں' نواز بھائی۔" اس نے مسکرا کر اپنے کزن کا تعارف کروایا۔

"اور نواز بھائی' یہ زرش ہے۔ جس کی میں آپ کو باتیں بتاتی ہوں۔ ہمارے کالج کی جینئس ترین لڑکی ہے یہ۔" اس نے خاصے نخرے سے زرش کو دیکھ کر کہا تو زرش جھینپ سی گئی۔ ایک پل کو مقابل ساکت ہوا تھا۔

"اسلام علیکم!" زرش نے اخلاق نبھایا تو سائرہ کے کزن کا سکتہ ٹوٹا۔ اس شخص نے صرف گردن ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ اس کی نگاہیں ابھی بھی زرش پر تھیں۔

"چلیں سائرہ!" وہ اپنے اردگرد سے یکسر بے نیاز سائرہ کی طرف متوجہ تھی۔ سر کو براؤن اسکارف سے جکڑے کندھوں پر کالج کا زونیہ اوڑھے کالج یونیفارم میں وہ اتنی ہی دلکش اور بھیگی پلکوں کی نمی سمیت اتنی ساحر لگ رہی تھی کہ مقابل ٹھٹک سا گیا تھا۔

زرش کے روپ میں اس کے سامنے کوئی جیتا جاگتا وجود آ کھڑا ہوا تھا۔

"اچھا..... نواز بھائی! تھینکس! سچی' مجھے ان نوٹس کی اشد ضرورت تھی۔ میں انشاء اللہ کل ہی واپس کر دوں گی۔" سائرہ کے کہنے پر اس شخص نے اپنی نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔ مگر اندر تو بے چینی نے سر ابھارا تھا۔

یادوں نے ایسی کروٹ لی تھی کہ دل ایک آن میں غم سے پھٹ پڑنے کو تھا۔ وہ دونوں جا چکی تھیں۔ شیشے کے اس پار وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر نظروں سے اوجھل ہو چکی تھیں مگر نواز فاروق تو اپنی جگہ ساکت ہو گیا تھا۔

زرش کے روپ میں اسے جو چہرہ یاد آیا تھا' اسے وہ خود ٹھکرا کر آیا تھا۔ اسی چہرے کو جو دل میں بستا تھا۔ اس وجود کو جو آج بھی بھولنے پر بھی بھولتا نہیں تھا۔ زرش کی آواز' اس کا بے پروا انداز اور سب سے بڑھ کر چہرے کا تاثر اسے نوریہ احسان کی ذات کو یاد دلا گیا تھا۔

ادھر نوشی کی شادی کے دن طے ہوئے تو ادھر نفیسہ بیگم مسلسل اذیت کا شکار ہونے لگیں۔

سعد نے مسلسل رابطہ ختم کیا ہوا تھا۔ وہ صرف اسی صورت پاکستان آنے پر آمادہ تھا کہ اگر وہ زرش سے رشتہ ختم کر کے فرح کے لیے بات کریں تو۔ وہ دوسری کوئی بات سننے کو تیار ہی نہ تھا۔ پاکستان میں جو کچھ ہو چکا تھا وہ سعد کو بتانے والا تو نہ تھا۔ پھر سعد طبیعت کا کچھ مختلف تھا۔ اپنی ذات کے لیے بڑا پوزیسو تھا۔ وقار اگر دھیمے مزاج کا صابر انسان تھا تو وہ خود پسند' اپنی خواہشوں کو فوقیت دینے والا انسان تھا۔ گھر بھر کا لاڈلا ہونے کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی خودسر اور ضدی بھی ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس کی اب تک ہر ضد مانی تھی۔ ہر بات' ہر خواہش پوری کی تھی مگر اب کی بار وہ جو کچھ مانگ رہا تھا وہ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ مگر وہ کچھ بھی سمجھنے پر آمادہ ہی نہ تھا۔ صرف ایک ہی ضد تھی۔

"فرح کے لیے بلائیں گی تو واپس آؤں گا ورنہ نہیں۔"

ہادیہ دو دن سے سعود احمد کے ہاں تھی۔ انہوں نے کئی بار سعد کے نمبر پر کال کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ ہر بار کال ڈس کنکٹ کر دیتا تھا۔ اب کی بار انہوں نے کوشش کی تو کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"السلام علیکم۔" روٹھا' ناراضگی سے بھرا لہجہ تھا۔ نفیسہ بیگم کے دل کو کچھ ہوا مگر ساتھ تسلی بھی کہ وہ بات کرنے پر آمادہ تو ہوا۔

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے بہت محبت سے کہا۔

"خیریت؟" اکھڑ لہجہ دل تڑپا گیا۔

"تم کال ریسیو ہی نہیں کرتے اور کرتے بھی ہو تو اتنا اجنبی لہجہ۔ ماں ہوں تمہاری۔ اتنی دور پردیس میں بیٹھے ہو۔ ہر وقت دل تمہاری طرف ہی اٹکا رہتا ہے۔ پھر بھی اجنبیوں کی طرح بات کرتے ہو۔" ان کی آواز بھرا گئی تو خاموش ہو گئیں۔

"امی پلیز!" دوسری طرف سے سعد پر آواز کا اثر ہوا تھا۔ فوراً لہجہ بدلا تھا۔

"کب آ رہے ہو پاکستان؟"

"بتایا تو ہے۔ جاب شروع کر لی ہے میں نے۔ ابھی کوئی ارادہ نہیں۔"

"تو کب ارادہ بنے گا؟ دیکھو سعد' میں بہت پریشان ہوں۔ سعود نے نوشی کے دن طے کر دیئے ہیں۔ اپنی طرف سے میں نے سعود سے کہہ دیا ہے کہ تم پاکستان لوٹ رہے ہو اور میں جلد از جلد زرش کو اپنے گھر لانا چاہتی ہوں۔" انہوں نے اپنے آپ کو مضبوط کر کے سعد کو اطلاع دی تھی مگر وہ تو سنتے ہی پھٹ پڑا۔

"امی خدا کے لیے۔ کیا کر دیا ہے آپ نے۔ میں نہیں آؤں گا۔ مجھ پر اس طرح دباؤ مت ڈالیں۔ میں فرح کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گا۔" وہ غصے سے بولا تھا۔ نفیسہ بیگم کے اندر اشتعال بکھرا۔

"سعد! مجھے مت تکلیف دو۔ میں زبان دے چکی ہوں اور فرح کے لیے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اگر زرش کا معاملہ نہ ہوتا تب بھی طاہرہ کبھی نہ مانتی اس رشتے پر۔ معراج بھائی سے پتا چلا تھا کہ طاہرہ کا ارادہ قیصرہ کے ہاں امجد سے فرح کا رشتہ طے کرنے کا ہے اور تم جانتے ہو ایسے معاملوں میں جیت ہمیشہ طاہرہ کی ہی

ہوئی ہے۔"

"تو آپ نے کب کوشش کی ہے۔ ایک دفعہ ان کے ہاں جائیں تو سہی۔"

"میں گئی تھی۔ تمہیں شاید یاد ہو ایک دن جب فرح کو بخار وغیرہ تھا' میں گئی تھی۔ سعید احمد سے بات کی تھی۔ اس نے ٹال دیا تھا کہ ابھی فرح اسٹڈی میں مصروف ہے۔ بیٹوں کی بات دوسری ہے مگر بیٹی کا رشتہ وہ اتنی جلدی طے نہیں کرے گا۔"

"آپ زور تو دیتیں۔ کوشش تو کرتیں مگر آپ نے کچھ بھی نہ کیا۔"

"میں اس کے بعد جب بھی سعید احمد سے ملی یہی بات کی مگر اس نے ہر بار ابھی چپ رہنے کو کہا۔

"تو انتظار کر لیتے۔ میں کون سا بوڑھا ہو رہا تھا اور زرش تو ابھی ان امیچور سی ہے۔ اسے میں ابھی تک ایک بچی تصور کرتا ہوں اور آپ نے فیصلہ تک کر لیا۔"

"سعد! میں مجبور تھی۔" وہ زچ ہو گئی تھیں۔ زرش کے حوالے سے انہوں نے سعد کو کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ اپنے بیٹے کی عادت سے باخبر تھیں۔ یقین تھا کہ سمعان کی پسندیدگی کا سن کر تو وہ کبھی مانے گا ہی نہیں۔

"کیا مجبوری تھی کہ اس قدر آناً فاناً یہ سب طے کر لیا اور میرے کسی فیصلے کو اہمیت ہی نہ دی۔"

"تم جانتے تو ہو طاہرہ کو' اس کی عادت کو۔ سعید احمد کی خواہش سے بھی باخبر ہو کہ وہ سمعان کے لیے زرش کا رشتہ کئی بر سعود احمد سے مانگ چکا تھا۔"

"ہاں تو پھر؟" دوسری طرف سعد الجھا۔ یہ تو وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا۔

"طاہرہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ دوسری طرف قیصرہ کی خواہش تھی کہ اس کی بیٹی فوزیہ سمعان کے لیے آئے۔ بس یہاں تو ہر روز نیا ڈرامہ ہوتا تھا۔ طاہرہ تو سب کچھ بھول بیٹھی ہے' جو بہن کہتی ہے کرتی ہے۔ وہ زرش کے رشتے نہ لینے کی مخالفت میں تھی جب کہ سعید احمد ضد میں تھا۔ پھر سمعان نے بھی باپ کی بات مانی تو طاہرہ نے غصے میں آ کر وہی گھٹیا چال چلی جو وہ ہادیہ کے سلسلے میں کر چکی تھی۔"

"اوہ مائی گاڈ۔" خاموشی سے سنتا سعد ایک دم ششدر رہ گیا۔ اس کے اعصاب پر ایک بم پھٹا تھا گویا۔

"ویری سیڈ۔"

"سعود احمد نے بہت اثر لیا ہے اس واقعے کا۔ زرش کی طبیعت بھی تم جانتے ہو۔ تایا اور اس کی فیملی سے کس قدر اٹیچ ہے۔ سمعان سے اس کی بے تکلفی کو طاہرہ اور قیصرہ نے مل کر غلط رنگ دیا ہے۔ سعود کو جب ساری صورت حال کا علم ہوا تو انجائنا کا اٹیک ہوا۔ بڑی مشکل سے حالات سنبھلے ہیں۔ کئی دن سعود احمد اسپتال رہا۔ اس دوران قیصرہ کی زبانی خاندان بھر میں زرش کے حوالے سے جو چرچا ہوا وہ علیحدہ اور سعود کی عیادت کو کیا آتے تھے جگر چھلنی کر جاتے تھے۔ ایسے حالات میں تم ہی بتاؤ میں کیا کرتی۔ میرے لیے تو میری بھتیجیاں ہی اہم ہیں۔ فرح تو میری بھی خواہش تھی اور زرش' وہ تو جیتے جی مار دینے والی بات ہے۔ ایسے عالم میں بھائی کا سہارا نہ بنتی تو کیا کرتی۔ ہادیہ کی بات دوسری تھی کہ رشتہ وغیرہ بڑوں میں طے تھا مگر یہاں تو سرے سے کچھ تھا ہی نہیں۔ لوگوں میں جو "شوشا" ہوئی ہے وہ علیحدہ۔ سعود تو موت کے منہ سے سمجھو واپس آیا ہے۔"

وہ رو رہی تھیں۔ دوسری طرف بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔

سعد جو بھرا بیٹھا تھا سب کچھ سن کر حیران رہ گیا تھا۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا وہاں اور وہ بے خبر تھا۔

"میں زبان دے کر اب واپس لے لوں۔ یوں کہو اپنے ہاتھوں سے اپنے بھائی کو قبر میں اتار دوں۔ مجھ سے یہ سب نہیں ہو رہا۔ اپنی ماں کی مجبوری سمجھو۔ اگر ایسے عالم میں' میں بھی خود غرض بن جاتی تو پھر رشتوں کا مان بھی ٹوٹ جاتا۔ سعید احمد تو خود نادم ہیں اپنی بیوی اب اس کے بس کی بات نہیں۔ طاہرہ اب سمجھانے بجھانے والی حد سے نکل چکی ہے۔ تم ہی بتاؤ میں کس منہ سے سعود کو منع کر کے فرح کا ہاتھ مانگوں کہ میں نے طاہرہ اور قیصرہ کی سازش کو غلط قرار دینے کے لیے اپنے ہاتھوں سے تمہارے نام کی انگوٹھی زرش کو پہنائی ہے۔ خاندان بھر میں مٹھائی بانٹی کہ لوگوں کے ذہنوں میں کوئی بات نہ رہے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"آپ نے مجھے یہ سب کچھ پہلے کیوں نہیں بتایا؟" کئی ثانیوں بعد تھکی تھکی سی آواز سنائی دی۔

"مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم جذباتی ہو کر کوئی انتہائی فیصلہ نہ کر لو۔"

"ماموں جان کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے' اللہ کا بڑا کرم ہے۔ شروع میں کافی سیریس کنڈیشن رہی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہوتا گیا ہے۔ سعود آفس جاتا ہے۔ اب تو نوشی کی بات بھی طے ہو گئی ہے۔ دونوں بہنوں کے ایگزامز ہو رہے ہیں۔ ایگزامز کے فوراً بعد نوشی کی شادی کی تاریخ رکھی ہے۔ اپنی بیماری کی وجہ سے سعود اب جلد از جلد نوشی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے۔ سعد! سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ میں نے تمہیں سب بتا دیا ہے۔ ٹھنڈے دل و دماغ سے ضرور سوچو مگر یہ خیال رکھنا تمہاری ماں کی عزت کا سوال ہے۔ فرح تو میری بھی خواہش تھی مگر زرش کو بھی تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی کہ وہ بھی میرے دل کا ٹکڑا ہے۔" آخر میں ان کی آواز نم آلود ہو گئی تھی۔

"تم یہاں نہیں ہو۔ تم یہاں ہوتے' سب حالات آنکھوں سے دیکھتے تو تمہارا بھی یہی فیصلہ ہوتا۔ تمہاری بہنوں' بہنوئیوں' باپ' بھائی سب کے مشورے پر یہ رشتہ طے کیا ہے۔ سب کچھ سوچ سمجھ کر صرف جذباتیت میں بھائی کے سامنے جھولی نہیں پھیلائی تھی۔ سب حالات کا تجزیہ کیا تھا۔ تمہاری خواہش' تمہارے احساسات کا بھی سوچا تھا' میری جان۔"

ان کی آواز میں آنسوؤں کی لرزش تھی۔ دوسری طرف موجود سعد کے دل پر بڑے عجیب انداز میں اثر ہوا تھا۔

"امی جان! پلیز روئیں نہیں۔ میری خواہش' میرے احساسات آپ سے بڑھ کر تو نہیں۔ پلیز روئیں نہیں۔"

وہ جتنا بھی اکھڑ مزاج اور ضدی ہو مگر ماں کو روتے نہیں دیکھ سکتا تھا اور ماں بھی وہ جس نے ہمیشہ ہر جائز ناجائز میں ساتھ دیا تھا۔ ایسے عالم میں وہ کیسے اپنی ضد پر قائم رہ پاتا جب کہ اب تو ماں کی زبان' اس کی عزت کا سوال تھا۔

"امی پلیز! روئیں نہیں۔ آپ مجھے یہ سب پہلے بتا دیتیں تو میں یوں ری ایکٹ ہی نہ کرتا۔ بہر حال مجھے کچھ وقت دیں سنبھلنے کے لیے۔ اپنے آپ کو سمجھانے کے لیے۔ ابھی یہ سب کچھ بہت تکلیف دہ ہے۔"

"میں سعود سے شادی کی بات کر چکی ہوں' سعد۔" سعد کا ایک دم تھکا تھکا انداز انہیں تڑپا گیا تھا۔

"امی پلیز' آپ ابھی مجھ سے اس موضوع پر بات نہ کریں تو بہتر ہے۔" اس نے فوراً ٹوک دیا تھا۔

"اچھا نہیں کرتی مگر یہ تو بتاؤ کہ پاکستان کب آ رہے ہو؟"

"ابھی جاب شروع کی ہے۔ ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" انداز صاف ٹالنے والا تھا۔ کہاں وہ آنے کو دن گن رہا تھا اور اب کہاں ٹالتا انداز۔ نفیسہ بیگم کے دل سے ایک ہوک اٹھی۔

"تم تو پاکستان آ کر اپنا کلینک اسٹارٹ کرنا چاہتے تھے۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہیں دیکھے ہوئے۔ اس فیصلے کی سزا اب مجھے یوں تو نہ دو۔ بس واپس آ جاؤ۔ مجھے کچھ نہیں پتا۔"

"امی جان' پلیز! ابھی میں واپس نہیں آنا چاہتا۔ میرے لیے یہ سب کچھ ایک دم برداشت کر لینا بہت مشکل ہے۔ پھر بھی میں سوچوں گا۔ واپس تو مجھے پاکستان ہی آنا ہے۔ یہاں کیا ہے میرا اپنا۔ آپ لوگ میرے اپنے سب وہیں تو ہیں۔ آپ لوگوں سے میں بھلا کٹ کر رہ سکتا ہوں؟" سعد کے ان جذباتی لفظوں سے نفیسہ بیگم کے دل کو بڑی تقویت حاصل ہوئی تھی۔

ایک دم یقین مستحکم ہوا تھا کہ اب کچھ بھی ہو ان کا بیٹا ابھی بھی ان کی مانتا ہے۔ ان کو اہمیت دیتا ہے۔ دل خوشی سے سرشار ہوا تھا۔

واجدہ بیگم چند دن اسپتال میں رہی تھیں۔ بے شک انہوں نے ابھی چلنا پھرنا شروع نہیں کیا تھا مگر مصنوعی ٹانگ کے سہارے وہ اب بغیر کسی کے سہارے اٹھ کر بستر پر بیٹھ جاتی تھیں۔ یہ اچھی خاصی امپروومنٹ تھی۔ رفعت باجی ابھی تک رکی ہوئی تھیں۔ اماں گھر منتقل ہوئیں تو شارق نے ان کے لیے فی میل نرس کا بندوبست کر دیا جو نہ صرف ان کی ضروری حاجات میں مدد کرتی تھی بلکہ روز چلنے کی پریکٹس بھی کرواتی تھی۔ پھر رفعت باجی اور نویرہ دونوں خود بھی اماں کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اماں تو اتنی ساری محبت و توجہ پا کر دنوں میں تندرست ہو رہی تھیں۔ شارق زمان نے بے شک ظلم کمایا تھا مگر وہ ان کے حق میں نویرہ کو اس گھر میں لا کر نیکی ہی کر گیا تھا۔ وہ تو گویا ساری زندگی کی فکروں سے آزاد ہو کر ہر وقت اپنے بچوں کے لیے دعاؤں میں کوشاں رہتی تھیں۔

شارق ہنی مون ٹرپ کے لیے دبئی جانا چاہتا تھا مگر نویرہ نہیں مانی تھی۔ اماں' رفعت باجی دونوں نے اسے سمجھایا تھا کہ وہ چلی جائے مگر ہمیشہ شارق کے سامنے اپنی انا کو جھکا دینے والی نویرہ نے ان کی یہ بات نہیں مانی تھی۔ مجبوراً شارق کو کہیں جانے کا پروگرام ہی کینسل کرنا پڑا تھا۔ نویرہ کو شارق کی اس پسپائی سے بڑی خوشی حاصل ہوئی تھی۔ تھی تو یہ بھی ایک خود غرضی ہی مگر وہ مطمئن ہی تھی۔ بے شک وہ شارق کے گھر آباد ہو چکی تھی' بے شک وہ اسے اپنا شوہر تسلیم کر چکی تھی مگر وہ اس کی دھاندلی' اس کے ظلم کو نہ بھولی تھی۔

شارق کے ساتھ اس کا رویہ ویسا ہی تھا' کبھی مصلحت آمیز اور کبھی ڈٹ جانے والا۔ اوّل روز سے اس نے جو اسے اپنے برے رویے کا احساس دلانے کا تہیہ کیا ہوا تھا اس پر قائم تھی۔

تین دن سے وہ اماں کے ہاں آئی ہوئی تھی۔ اماں اسے کچھ کریدنے کے بجائے ہر بار شارق کے ساتھ نباہ کرنے کی صلاح ضرور دیتی تھیں۔ نبیلہ بھابی بھی کچھ نہ کچھ نصیحت ہی کرتی تھیں مگر نبیل بھائی اس گھر میں وہ واحد شخص تھے جو اسے دیکھ کر کچھ نہیں کہتے تھے۔ حتیٰ کہ اسے مخاطب بھی نہیں کرتے تھے۔ ان کے دل میں ابھی تک شارق زمان کو مزا چکھانے کی آگ دہک رہی تھی۔

ساجد بھائی اور ضحیٰ بھابی پچھلے ہفتے ہی واپس چلے گئے تھے۔ وہ صرف شادی میں شرکت کے لیے پاکستان آئے تھے۔ اب تو شادی کے ہنگامے سرد پڑے بھی کئی دن گزر چکے تھے۔

دوپہر کو رفعت باجی کا فون آیا تھا۔ انہوں نے اسے واپس آنے کو کہا تھا۔ وہ ابھی چند دن قیام کرنا چاہتی تھی مگر سہ پہر میں شارق کا بھی فون آیا تو اسے ماننا ہی پڑی۔

ہمیشہ کی طرح شارق زمان نے اسے صرف حکم دیا تھا۔ اس کے نزدیک یہ تین دن اماں کے ہاں رہنے کو کافی تھے۔ وہ شام کو لینے آ رہا تھا۔ اماں اور بھابی کو بتا کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ تیار ہونے کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر اس گھر میں شارق زمان کے علاوہ واجدہ بیگم اور رفعت باجی بھی تھیں۔ نہا کر وہ نکلی تو بھابی نے اسے زبیدہ چچی وغیرہ کی آمد کی اطلاع دی تھی۔

"اماں کہہ رہی تھیں محتاط رہنا۔ چچی کچھ پوچھیں تو بات سنبھال لینا۔" نصیحت کے ساتھ وہ اسے سمجھا کر کمرے سے نکل گئیں تو نویرہ کا کوفت سے برا حال ہونے لگا۔ شادی کے بعد سے ہر ایک کی زبان پر صرف ایک ہی سوال ہوتا تھا۔

"خوش تو ہو؟ شارق کیسا شوہر ہے؟ نواز کے حوالے سے کچھ کہتا تو نہیں؟" اور وہ ہر بار ایک نئی اذیت سے دوچار ہو جاتی تھی۔ چچی کے ساتھ رمشا اور رضا بھی تھا۔ وہ سب سے خوش دلی سے ملی تھی۔

"تم کہاں ہوتے ہو' رضا۔ کبھی نظر ہی نہیں آتے؟"

واجدہ اماں کے اسپتال ایڈمٹ ہونے کے دوران سب سے ہی ملاقات ہوتی رہتی تھی سوائے رضا کے۔ اب بھی سب سے سلام دعا کے بعد وہ رضا کے سامنے ہی کشن پر بیٹھ گئی تھی۔ رضا نے ایک نگاہ ڈالی تھی۔

پنک لباس میں نکھری نکھری سی نویرہ نے اس کے احساسات کو بڑی بری طرح مجروح کیا تھا۔

"میں تو اسی شہر میں ہی ہوتا ہوں' آپ ہی شاید کچھ مصروف ہو گئی ہیں۔" ایک شکوہ سا تھا۔

"اچھا۔" وہ ہنس دی تھی۔ نویرہ کی یہ مدھر ہنسی اس کے اعصاب پر ایک بوجھ ثابت ہوئی تھی۔

"بڑے کمزور لگ رہے ہو۔ خیریت ہے نا' کہیں بیمار ویمار تو نہیں ہو گئے؟" بڑے غور سے رضا کو دیکھا۔ رمشا کو بڑی تپش کا احساس ہوا۔ وہ رضا کے معاملے میں بھلا کہاں چونکنے والی تھی۔ ایک جلن کا احساس پیدا ہوا تھا۔

"نہیں' ٹھیک ہوں میں۔" رضا فوراً سنبھلا تھا۔ رمشا کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ مچلی تو رضا اپنا پہلو بدل کر رہ گیا۔

"آپ سنائیں کیا ہو رہا ہے آج کل؟" رمشا کو نظر انداز کرتے اس نے نوریہ کی خود سے توجہ ہٹانی چاہی۔ یہ بھی بڑے دل گردے کا کام تھا۔ وہ تو یونہی امی اور رمشا کے ساتھ ان کو چھوڑنے چلا آیا تھا۔ یہیں آ کر علم ہوا تھا کہ نوریہ بھی ادھر ہی ہے۔ وہ تو فوراً چھوڑ کر جانے کو تھا' نوریہ کا نام سن کر دل دیکھنے کو مچل اٹھا تھا اور اب دیکھ لینے کے بعد دل کی وحشتوں میں اور ہی اضافہ ہوا تھا۔

"کیا ہونا ہے' سارا دن گھر داری اور بڑی اماں کی دیکھ بھال میں گزر جاتا ہے۔ آج کل ادھر ہوں تو فراغت ہی ہے۔"

چچی زبیدہ' اماں سے باتوں میں مصروف رہی تھیں۔ اماں کے اشارہ کرنے پر وہ اٹھ کر کچن میں بھابی کا ہاتھ بٹانے آ گئی تھی۔ اماں اسے کسی رشتہ دار کے پاس کم ہی بیٹھنے دیتی تھیں کہ خوامخواہ ہی کوئی بات نکل گئی تو دل خراب ہوں گے۔ نواز کا انکار ایک دم یوں شارق کے ساتھ رخصتی کچھ بھی تو بھلانے والا نہ تھا۔ چاہے کوئی کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو یہ ذکر ضرور چلتا تھا اور اس ذکر میں سوائے اذیت و تکلیف کے اور تھا ہی کیا اور اماں کی پوری کوشش تھی کہ پچھلے تمام حالات و واقعات کو بھلا کر نوریہ شارق کی موجودہ حیثیت کو قبول کرے کہ اب ساری عمر اسی کے ساتھ ہی تو رہنا تھا پھر کچھ کہہ کر کچھ پوچھ کر خوامخواہ نوریہ کا دل کیوں خراب کیا جائے۔

مغرب سے کچھ پہلے نبیل بھائی بھی گھر آ گئے تھے اور جب شارق کے آنے کا پتا چلا تو ان کا غصہ حد سے بڑھا تھا۔ شادی کے بعد پہلی دفعہ شارق ان کے ہاں آ رہا تھا۔

"تم فون کر کے اس شخص کو منع کر دو کہ وہ یہاں نہ آئے۔ اگر اس نے ہمارے گھر کی دہلیز بھی پار کی تو میں اسے شوٹ کر دوں گا۔"

وہ کچن میں ہی تھی جب غصے سے کھولتے نبیل نے اس کا بازو پکڑ کر اسے وارن کیا تھا۔

"کیا کرتے ہیں نبیل' پلیز آہستہ بولئے۔ چچی وغیرہ سب باہر ہیں۔ آپ کو اس لیے تو نہیں بتایا کہ اس بے چاری کی شامت لے آئیں۔" نبیلہ بھابی فوراً درمیان میں بولی تھیں۔

"اگر یہ اسے منع نہیں کر سکتی تو یہ بھی مت آیا کرے۔ اسے دیکھتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے ہر حد سے گزر جاؤں۔" نوریہ تو ششدر رہ گئی۔ اتنا غصہ' اتنی نفرت۔

"پلیز نبیل بھائی' میں خود اس کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ آپ لوگوں نے مجھے اس کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ اب مجھ کو الزام کیوں دے رہے ہیں۔"

"سارا قصور تمہارا ہے۔" بے دھڑک کہا گیا۔

"نبیل!" بھابی نے غصے سے ٹوکا تو نوریہ دھک رہ گئی۔

"نبیل بھائی.....!"

آج نبیل کی خاموشی ٹوٹی تھی۔ اس کے اندر کے غبار نے راہ پائی تھی۔

"یہ اس شخص کی طرف سے مشکوک تھی۔ اس نے اپنے گھر میں اس کے ساتھ جو بھی کرنا چاہا ہمیں بتاتی' ہم مر نہیں گئے تھے۔ اس کی چپ' اس کی شہ نے اسے ہر حد پار کرنے پر اکسایا تھا اور ہم اتنے

بے غیرت تھے کہ اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنتے چلے گئے۔ جی چاہتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی گولی سے اڑا لوں۔"

نبیل کا غصہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ نوریہ بے یقینی سے منہ پر ہاتھ رکھے دیکھے گئی۔ یہ سارے الزام بھی سہنے تھے۔ بھائی کی بے اعتنائی بھی دیکھنی تھی۔

"نبیل! کیا بات ہے؟" اماں کی آواز پر نوریہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔ بے یقینی سے نبیل کو دیکھتی اماں کو دیکھنے لگی جو شاید نبیل کی آواز سن کر ہی اندر آئی تھیں۔

"اماں! شارق کو کہیں وہ یہاں نہ آئے۔ اگر اس نے ہمارے گھر کی دہلیز بھی پار کی تو میں اسے گولی سے اڑا دوں گا۔"

نوریہ کو دیکھا جو آنسو روکنے کی کوشش میں تھی۔

"نبیل' آہستہ بولو۔ اب جو ہو چکا اس پر ماتم کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اپنے جذبات پر کنٹرول کرو۔ اب یہ مت بھولو شارق تمہارا بہنوئی بھی ہے۔ جیسا بھی ہے' جو بھی کر چکا ہے اب ہمیں حالات کے مطابق چلنا ہوگا۔" انہوں نے دھیمی آواز میں سمجھایا تو وہ بھڑک اٹھے۔

"نہیں اماں! میں آپ کی سب قسموں کو توڑ دوں گا۔ اگر اس نے یہاں قدم بھی رکھا تو یہ سمجھا دیں اس کو بھی۔"

نوریہ کی طرف اشارہ کرتے وہ غصے سے پیر پٹختے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تھے۔ کتنی اجنبیت اور بے حسی تھی نبیل کے لہجے میں۔ نوریہ تو ابھی تک سکتے میں تھی۔

شارق زمان کو نبیل بھلے کچھ بھی کہہ لیتا مگر اس کو جو موردِ الزام ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ کٹ سی گئی۔ وہ تیزی سے منہ پر ہاتھ رکھے کچن سے باہر بھاگی۔

"نوریہ!" اماں تو اس صورت حال سے گھبرا گئی تھیں۔ نوریہ کو پکارا مگر وہ کچھ سنتی تو رکتی بھی۔ اس کا رخ باہر کی طرف تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکلی تھی مگر اسے ٹھٹک جانا پڑا تھا۔ کچن کی باہر صحن کی طرف کھلتی کھڑکی کے پاس کھڑا رضا حمید ساکت رہ گیا تھا۔

پتا نہیں وہ کیا کچھ سن چکا تھا۔ وہ ساکت سا کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسا تاثر ضرور تھا کہ نوریہ چونکی تھی۔

"نبیل بھائی کیا کہہ رہے تھے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

نوریہ کو لگا جیسے اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ وہ لرز گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی' فضا میں بکھرتی گاڑی کے تیز ہارن کی آواز اسے متوحش کر گئی تھی۔

اتنے سارے لوگوں میں تماشا بن جانے کے احساس نے ہی اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر دی تھیں۔

شارق زمان آ چکا تھا۔ اس کی گاڑی کا ہارن گیٹ کھلنے کا منتظر تھا۔ ہارن کی آواز سن کر نہ صرف نبیل باہر نکل آیا تھا بلکہ اماں اور نبیلہ بھابی بھی ہراساں سی چلی آئی تھیں۔

"نبیل! بات سنو۔ تم اندر چلو۔ کوئی ضرورت نہیں باہر جانے کی۔ میں خود دیکھ لوں گی۔" اماں نے اندرونی خوف پر قابو پاتے نبیل کو روکا تھا۔

"تو پھر آپ اسے منع کر دیں' وہ اندر نہیں آئے گا۔" وہی اکھڑ اب لحاظ انداز۔

اماں نے بے بسی سے رضا کو دیکھا جو ناسمجھی میں سب کو دیکھ رہا تھا۔

"رضا! تم نبیل کو لے کر اس کے کمرے میں چلو۔ جاؤ' نویرہ تم بھی اندر۔ نبیلہ تم کچن دیکھو۔ میں دیکھتی ہوں کون ہے۔" اماں نے سختی سے سب کو حکم سنایا تھا۔

"اماں!" نبیل نے کچھ کہنا چاہا تو اماں نے ٹوک دیا۔

"تم میرا تماشا بنوانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے جاؤ گیٹ کھولو۔ میں بھی تو دیکھوں میرے بیٹے کو میری زبان کا کتنا پاس ہے۔ جاؤ کھولو گیٹ۔" اتنی سختی سے اماں نے کہا کہ نبیل غصے سے لب بھینچ گیا۔

"آئندہ اسے سمجھا دیں وہ یہاں نہیں آئے گا۔ چاہے مجھے نویرہ سے ہی تعلق توڑنا پڑے۔ میں لحاظ نہیں کروں گا۔" نبیل نے غصے سے پاؤں پٹختے اپنے کمرے کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

رضا تو لحہ بہ لحہ حیرت سے دوچار ہو رہا تھا۔ یہ سب کیا تھا۔ اسے یہ معمہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آخر ان سب کا مقصد کیا تھا؟ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے نویرہ کو دیکھا جو ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ البتہ نبیلہ جا چکی تھیں۔

"رضا' جاؤ گیٹ کھولو۔ شارق ہوگا اسے لاؤنج میں ہی لے آنا۔" اماں نے رضا سے کہا تو وہ گیٹ کی طرف چلا گیا تھا۔ نویرہ ویسے ہی کھڑی رہی۔ دل تو ابھی تک دھک دھک کر رہا تھا۔ نہ جانے اگلے لمحے کیا ہونے والا تھا۔

بے شک اماں کے اندر معاملے کو سلجھا لینے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی مگر وہ مسلسل خوفزدہ تھی۔ شارق اندر چلا آیا تھا' رضا کے ساتھ قدم سے قدم ملاتا۔ نویرہ کا اس لمحے بس نہیں چلا تھا کہ کچھ کر بیٹھے۔

کیا ہر بار ہی اس گھر میں آنے پر وہ ایسی ہی اذیت سہا کرے گی؟ اس سوال نے اس کے اندر اودھم مچا رکھا تھا۔

اماں کے اشارہ کرنے پر وہ مردہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف ہولی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر بھی اس کا دل ہول رہا تھا۔ نبیل کا آج کا رویہ اسے اپنی ہی نظروں سے گرا گیا تھا۔ بہنیں تو بھائیوں سے ہمیشہ ہی خائف رہتی ہیں پھر وہ شارق سے متعلق نبیل کو بتاتی بھی تو کیا؟ اس کے لیے شرم سے مر جانے کا مقام تھا۔ وہ خود شارق کی طرف سے بدظن تھی یا شارق نے اس رات اپنے گھر میں جو بھی کیا تھا کیا وہ بتانے والا تھا۔ وہ تو خود ذہنی اذیت میں مبتلا ہو گئی تھی اور ابھی سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ نبیل خود ہی باخبر ہو گیا تھا۔ پھر وہ کب اور کیونکر بتاتی۔ کیونکر؟ وہ مسلسل رو رہی تھی۔

گھر میں اس وقت چچی' رمشا اور رضا بھی تھے۔ اگر نبیل واقعی اپنی کرنی پر آ جائے تو؟ تماشا تو پہلے ہی بن چکی تھی رہی سہی کسر اب پوری ہو جائے گی۔ وہ تو اپنوں کی نظروں سے ہی گر جائے گی۔ پتا نہیں باہر کی صورت حال کیا تھی۔ باہر کیا ہو رہا تھا۔ وہ تو اندر اپنے ہی خوف میں مبتلا یہ مشکل وقت ٹل جانے کے لیے

دعا گو تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونکی تھی۔ گھبرا کر دروازے کو دیکھا۔ رضا حمید کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس نے جلدی سے اپنے رخسار رگڑے۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ نبیل بھائی ایسا کیوں کر رہے ہیں؟" جو سوال اسے الجھا رہے تھے' کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے لب کشائی کی تھی۔

"کچھ نہیں..... بس نبیل بھائی اور شارق کا آپس میں تھوڑا بہت کلیش ہو گیا ہے' بس اسی لیے۔" نظریں چراتے اس نے اسے ٹالنا چاہا تھا۔

"کوئی سیریس بات ہے؟" وہ بہت متفکر تھا۔ نویرہ نے پھر چونک کر دیکھا۔ رضا پوری طرح متوجہ تھا۔ ایک پل کو وہ ٹھٹکی تھی۔ یہ پریشانی' یہ متفکر انداز کچھ بے جا تو نہ تھا۔ نواز کے انکار کے بعد رضا کا رشتہ بھی آیا تھا اور یقیناً یہ ساری کارروائی اس کی مرضی سے ہی ہوئی ہوگی۔ پہلی دفعہ نویرہ کے ذہن میں اس خیال نے گردش کی تھی۔ اس نے بغور دیکھا۔ اونچا لمبا کسرتی جسم کا مالک' ڈیل ڈول میں نبیل یا شارق سے کسی طور بھی کم نہ تھا۔ وہ تو اسے ہمیشہ ایک کم عمر چچازاد سمجھ کر ڈیل کرتی رہی تھی۔ پھر ایج ڈیفرنس اور اپنی بڑائی کا خیال ہمیشہ رہا تھا کہ کبھی ایسا ویسا خیال ذہن کو نہیں چھوا تھا مگر اب رضا کا متفکر انداز اسے چونکا گیا تھا۔

"ہوں' بس نارمل سی بات ہے۔" وہ بستر سے اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھی تھی۔

رضا نے صاف محسوس کیا کہ نویرہ اس سے کچھ بھی ڈسکس کرنا نہیں چاہتی۔ اس کے اندر اذیت کی لہر اٹھی تھی۔ منہ دھو کر کمرے میں لوٹی تو وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔

"رضا!" نویرہ نے پکارا تو وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ "پلیز! تم اس سب واقعے کا ذکر کسی سے بھی نہیں کرو گے' پلیز۔" وہ ہاتھوں کو مسلتی اس کے سامنے تھی۔

"آپ بے فکر رہیں۔ آپ سے متعلق بات تو میں پہلے بھی کبھی کسی سے نہیں کرتا اب بھلا کیوں کروں گا۔" وہ تو اس پر خوش ہو گیا تھا کہ نویرہ نے اسے کسی قابل تو جانا۔

"چچی جان اور رمشا سے بھی نہیں۔" اس نے مزید تاکید کی۔

"آپ نے اعتماد کیا ہے تو مکمل کریں۔" جواباً بڑے خلوص سے کہا تھا۔ نویرہ کو اپنے کندھوں سے ایک بوجھ ہٹتا ہوا محسوس ہوا۔

"تھینکس۔ تم بہت اچھے ہو۔" وہ اب مسکرائی تھی۔ اس سے پہلے کہ جواباً رضا کچھ کہتا' شارق زمان کمرے میں داخل ہوا تھا۔ ایک سیکنڈ کو رضا کو نویرہ کے کمرے میں دیکھ کر چونکا تھا پھر سر جھٹکا۔

"السلام علیکم۔" نویرہ کو دیکھتے قدم بڑھائے تھے۔

نویرہ جو پہلے ہی ایک عذاب سے گزر رہی تھی' شارق زمان کو دیکھ کر پھر بکھر گئی۔ بجائے سلام کا جواب دینے کو اس نے سختی سے ہونٹ بھینچے تھے۔ ساتھ ہی رخ بھی بدلا۔ رضا نے دونوں کے درمیان موجود رنجش بڑی شدت سے محسوس کی تھی۔ خاص طور پر نویرہ کے چہرے پر بکھر جانے والے ناگواری و نفرت کے تاثرات۔

"کیا ہو رہا ہے؟" محسوس تو شارق بھی کر چکا تھا مگر پچھلے تاثر کو زائل کرنے کو اس نے خوش اخلاقی سے

رضا کو دیکھا۔

''کچھ خاص نہیں۔ یونہی بات چیت ہو رہی تھی۔'' نویرہ ریک میں رکھے بیگ کو کھول کر کچھ تلاش کرنے لگی تو رضا نے جواب دیا تھا۔ اسے دونوں میاں بیوی کا انداز بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ پھر نویرہ کے ساتھ شارق زمان کو دیکھتے ہی ایک تکلیف کا بھی احساس ہو رہا تھا۔ یہ جلن نہیں تھی' نہ ہی حسد تھا۔ بس اپنے ہار جانے کی اذیت تھی۔ یہ احساس گہرا ہوا تو فوراً گھبرا گیا۔

''میں چلتا ہوں۔ دیکھوں امی وغیرہ واپسی کے لیے تیار ہوئی ہیں یا نہیں۔'' وہ فوراً اس ماحول سے نکل گیا تھا۔

''کیا بات ہے' تمہارا موڈ کس لیے خراب ہے؟'' رضا کے جاتے ہی شارق نے نویرہ کو دیکھا۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر گھور کر شارق زمان کو دیکھا۔ جی چاہا کہ ایک لمحے میں سارے حساب بے باق کر لے۔ روتی سوجھی آنکھیں۔ شارق تو ٹھٹک ہی گیا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟ کسی نے کچھ کہہ دیا ہے۔ یہ چہرہ کیوں خراب کیا ہوا ہے؟'' وہ فوراً اس کے قریب آیا تھا۔ اس کے چہرے پر ہاتھ رکھنا چاہا تو اس نے سختی سے جھٹک دیا۔ بپھرے انداز میں پیچھے ہٹی تھی۔

''ہاتھ نہ لگاؤ مجھے۔'' انداز اس سے بھی زیادہ مشتعل تھا۔

''کیوں! ایسا کون سا جرم سرزد ہو گیا ہے کہ ہاتھ نہ لگانے کی دفعہ عائد کر رہی ہو؟''

''جرم.....! شارق زمان' جو کچھ آپ کر چکے ہیں اس کے لیے تو پھانسی کی سزا بھی کم ہے۔''

''کم عقل بیگم صاحبہ! آپ کو زندگی میں شامل کر کے سزا بھگت تو رہے ہیں۔ اس سزا کے سامنے تو پھانسی کی سزا بھی کم ہے۔'' ہنستے ہوئے نویرہ کے زہر خند لہجے کو اگنور کیا گیا تھا۔

''میرے ساتھ یہ ڈرامے بازیاں نہیں چلیں گی۔ کان کھول کر سن لیں' شارق صاحب۔'' شارق کی ہنسی نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ وہ تو فوراً بھڑک اٹھی تھی۔

''اوکے! نہیں کرتے ڈرامے بازیاں' حقیقت میں رومانس لڑا لیتے ہیں۔ ادھر آؤ تو' دور سے یہ تیکھا' زہریلا انداز ہضم نہیں ہو رہا۔'' بازو سے پکڑ کر فوراً اپنے قریب کیا۔

نویرہ تو مچل اٹھی تھی۔ ''چھوڑیں مجھے۔ گھن آتی ہے مجھے آپ سے۔'' اس کی نفرت کا وہی عالم تھا۔

''نویرہ۔'' وہ شارق زمان کے حصار سے نکلنے کی کوشش میں تھی۔ ان الفاظ پر اس نے سختی سے ٹوک دیا۔ اس سختی سے ٹوکنے پر اپنے آپ کو سنبھالتی نویرہ پھر رو دی۔ نبیل کے الفاظ نے اسے بڑا کم حوصلہ کر دیا تھا۔ بات بے بات آنکھیں بہنے کو بے تاب تھیں۔

''آخر کچھ تو بتاؤ ہوا کیا ہے۔ رو رو کر ان خوبصورت آنکھوں کا ستیاناس کیوں کر رہی ہو۔'' شارق زمان حیران ہوا تھا۔

وہ جتنا خود پر کنٹرول کرنے کی کوشش میں تھی' آنسو بہتے چلے آ رہے تھے۔

''یار چپ بھی کرو یا کوئی وجہ تو بتاؤ۔'' اسے کسی بھی طرح خاموش ہوتے نہ دیکھ کر وہ جھنجلا گیا تھا۔

''تم خاموش ہوتی ہو یا میں باہر جا کر کسی سے پوچھوں؟'' اب کی بار سختی سے ٹوکا تو نویرہ نے بڑی

شکایتی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ اپنے گرد پھیلے بازوؤں کا حصار توڑتے میز پر جا بیٹھی۔

''کیا ہوا تھا؟'' وہ بھی مقابل بیٹھا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' میز پر نگاہیں جمائے اپنے مخصوص لاتعلقی والے انداز میں لوٹ گئی تھی۔ شارق زمان چند پل اسے دیکھتا رہا تھا۔

''اوکے! جب کچھ نہیں ہوا تو پھر رونا دھونا بھی بند کرو۔ تیار ہو جاؤ۔ چچی جان سے میں کہہ چکا ہوں۔ بس چلنے کی کرو۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

نویرہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ وہ اس شخص کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی مگر وہ کتنی مجبور تھی۔ رہی سہی کسر نبیل کے رویے نے پوری کر دی تھی۔ ایک پل کو جی چاہا کہ جانے سے صاف انکار کر دے۔

''اب ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ جلدی کرو۔ ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔ چند دوستوں کی مکس گیدرنگ ہے۔ مجھے وہاں بھی جانا ہے۔'' اسے اسی طرح بیٹھے دیکھ کر شارق زمان نے سنجیدگی سے ٹوکا تو وہ پھٹ پڑی۔

''تو کس نے کہا تھا مجھے لینے آنے کو۔ جہاں جانا ہے آپ چلے جائیں۔ مجھے نہیں جانا آج۔'' اس شخص کی وجہ سے وہ کیا سے کیا بن گئی تھی۔ اپنا آپ مارنا پڑ رہا تھا۔ رشتے ناتے سب ایک ایک کر کے یہ شخص چھینتا جا رہا تھا۔

''نویرہ!'' نویرہ کے یوں بے دھڑک انکار پر شارق زمان نے سختی سے ٹوکا۔ ''اس سب کا مقصد کیا ہے؟'' اب کی بار غصے سے گھورا۔

''آپ کو بھی اتنی ہی تکلیف سے دوچار کرنا جس قدر میں سہہ رہی ہوں۔ آج صرف اور صرف آپ کی وجہ سے میرا بھائی مجھ سے ہر ناتہ توڑنے کی بات کر رہا ہے۔ صرف آپ کی وجہ سے۔ نبیل بھائی کو آپ کا وجود اس گھر میں گوارا نہیں اور آپ کی وجہ سے میں.....'' نویرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ حد سے گزر جائے۔ ایک لمحے کو شارق زمان کو خاموشی کی ردا نے اپنے حصار میں لیا تھا۔

''اوہ آئی سی۔ اس بات پر اتنا رونا دھونا مچا ہوا ہے۔ میں سمجھا نہ جانے ایسی کیا بات ہو گئی ہے جو محترمہ ایسا بی ہیو کر رہی ہیں۔''

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے' شارق زمان صاحب۔ صاف مجھ کو رگیدا جا رہا ہے اور صرف اور صرف آپ کی وجہ سے۔ آج نبیل بھائی صرف آپ کی وجہ سے منع کر رہے ہیں۔ کل کو ہر رشتہ ناتہ توڑ دیا تو میں کیا کروں گی۔ آپ کے لیے یہ ذرا سی بات ہے' میرے لیے مر جانے کا مقام ہے۔'' وہ شارق زمان کے نارمل انداز پر فوراً چیخی تھی۔

''آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا سب سے اپنے رویے کی معافی مانگنے کا۔ اماں' نبیل بھائی' ساجد بھائی وغیرہ سب سے۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ اپنی ہر غلطی قبول کریں گے۔ جو کچھ بھی کر چکے ہیں آپ اس کی معافی مانگیں گے۔'' وہ ہر لحاظ بھلائے نہایت بے مروتی سے گویا تھی۔ شارق زمان نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تو میں کب انکاری ہوں' میری جان۔ جو کچھ میں کر چکا ہوں مجھے پتا ہے۔ وہ کسی بھی لحاظ سے سوٹ ایبل نہ تھا مگر تب تمہارے حصول کے لیے مجھے اس سے بہتر کوئی حل سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اگر میں یہ سب نہ کرتا تو آج تم میرے سامنے نہ ہوتیں۔ تم میری غلطیوں پر نظر رکھے ہوئے ہو۔ میری محبت کی انتہا بھی تو دیکھو۔ تمہارے لیے سارے خاندان سے ٹکر لی ہے۔ گویا موت کے منہ میں ہاتھ ڈالا تھا۔ تمہاری خاطر تو سب سے معافی کیا پیر بھی چھونے پڑے تو کرلوں گا' مگر آج نہیں۔ آج میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ تم بس تیار ہونے کی کرو۔ ہری اپ یار۔"

"تو ٹھیک ہے۔ جب آپ کے پاس فرصت ہو۔ وقت ہو' آجایئے گا۔ میں بھی چلنے کو تیار رہوں گی۔"

نویرہ نے صاف رکھائی سے جواب دیتے چہرہ بھی موڑا تو شارق زمان کا غصے سے برا حال ہوا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا اور کچھ نہیں۔ نویرہ' یہاں بات بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ فی الحال میرے ساتھ چلو۔ ہم پھر آجائیں گے۔" نہایت تحمل کا مظاہرہ کرتے اسے سمجھانا چاہا تو نویرہ نے ایک دم بات کاٹ دی۔

"ہرگز نہیں۔ آپ چلے جائیں۔ میں اسی صورت میں آپ کے ساتھ جاؤں گی اگر میری فیملی آپ کو معاف کرتی ہے ورنہ نہیں۔ خاص طور پر نبیل بھائی۔ اپنے بھائی کی نظروں میں میرا جو مقام تھا وہ برقرار رکھنا ہوگا آپ کو ورنہ آپ مجھے جانتے نہیں۔ اگر میں آپ کے گھر کو آباد کرسکتی ہوں تو ہر حد بھی کراس کرسکتی ہوں۔ پھر مجھے الزام مت دیجیے گا' شارق صاحب۔"

شارق زمان نے چند پل صرف نویرہ کے تیوروں سے اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ وہ کس حد تک اپنی بات پر عمل کرنے والی ہے۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم آرام سے ساتھ چلنے والی نہیں ہو۔"

"نہیں' میں آرام سے ساتھ چلی جاؤں گی اگر آپ کو نبیل بھائی اس گھر میں آنے کی اجازت دے دیں تو۔" رو دھو کر وہ اپنے اندر کا غبار نکال چکی تھی۔ اب پھر وہی سختی لہجے میں در آئی تھی جو شارق زمان کے لیے اس کے دل و دماغ میں برقرار تھی۔ جو شارق زمان کی انتھک محنت اور محبت بھی ختم نہ کرپائی تھی۔

"ایسی کی تیسی نبیل کی۔ نبیل اگر اس معاملے کو بگاڑنا چاہتا ہے تو بہت غلط کرے گا اور تم بھی کان کھول کر سن لو اگر اس معاملے کو ایشو بنا کر تم نبیل یا کسی بھی تھرڈ پرسن کا ساتھ دو گی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"تو کیا کریں گے آپ..... ہیں' بولیں' جواب دیں۔ میں ساتھ دوں گی کیونکہ آپ غلط تھے' ہیں اور میں کیوں جھکوں یا ڈروں۔ اگر آپ مجھے پریشرائز کرنے کی کوشش کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔ میں اتنی آسانی سے سب بھول جانے والی نہیں ہوں۔" اس نے بھی دوبدو جواب دیا تھا۔ شارق زمان کا ضبط سے برا حال ہوا۔

"نویرہ۔" سختی سے ٹوکا۔

"نویرہ' تم تیار ہوجاؤ۔" اس سے پہلے کہ نویرہ کے بے لچک انداز پر شارق زمان بھی کوئی سختی کرتا' خالدہ بیگم نے فوراً کمرے میں قدم رکھا تھا۔ دروازے کے باہر کھڑے ہوکر دونوں کو سنتے انہوں نے دونوں

کے تیور بھی ملاحظہ کیے تھے۔ اب کے مداخلت ناگزیر ہوگئی تھی سو انہیں اندر قدم رکھنا ہی پڑے تھے۔

"مگر اماں۔" نویرہ ان کو دیکھ کر اور پھر ان کے اس حکم پر فوراً چیخ گئی تھی۔

"شارق' تم باہر چل کر بیٹھو میں نویرہ کو تیار کرواتی ہوں۔" انہوں نے نویرہ کی بات کاٹ کر شارق کی طرف رخ کر کے کہا۔ شارق زمان غصے سے نویرہ کو دیکھ رہا تھا۔ اماں کے کہنے پر کمرے سے نکل گیا تھا۔

"اماں! میں نہیں جاؤں گی۔"

"تم دونوں بہن بھائیوں نے طے کرلیا ہے کہ مجھے زمانے بھر میں بے عزت کرواؤ گے۔" نویرہ کے انکار پر انہوں نے غصے سے دیکھا۔

"اور جو شارق زمان کر چکا ہے وہ....." وہ تنفر سے گویا تھی۔

"اب تم اس کی بیوی ہو۔ وہ تم پر ہر طرح کا حق رکھتا ہے اور زور زبردستی وہ جب چاہے تمہیں تمہاری مرضی کے بغیر لے جاسکتا ہے۔"

"اماں! میں ایک الزام لے کر نہیں جی سکتی۔ دل پر جبر کر کے اسے قبول تو کرسکتی ہوں مگر ساری عمر اس الزام کے ساتھ نہیں جی سکتی جو الزام مجھے نبیل بھائی دے رہے ہیں۔ صرف اور صرف اس شخص کی وجہ سے۔" وہ پھر رو دی تھی۔ اماں نے آگے بڑھ کر اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما۔

"تمہیں جینا ہوگا۔ یہ مردوں کا معاشرہ ہے۔ یہاں مرد سب کچھ کر کے بھی فاتح ٹھہرتا ہے کہ حکمرانی اس کی ہے۔ نبیل تمہاری مجبوری نہیں سمجھ سکتا۔ اسے اپنی بے عزتی نہیں بھولتی۔ اب بات صرف تمہاری یا نبیل کی نہیں' دونوں خاندانوں کی بقا کی ہے۔ وہ قصہ جو ہم بڑی صفائی سے چھپا گئے تھے' لوگوں کی زبان پر ایک دفعہ آگیا تو آنے والی نسلیں بھی موردِ الزام ٹھہرادی جائیں گی۔ نواز نے جو کیا وہ گھاؤ کم تھا' بے شک وہ شارق کی بات کا یقین کرتا مگر ایک دفعہ تم سے بھی پوچھتا مگر مرد کے دل میں ایک دفعہ بال آجائے تو ساری عمر نہیں جاتا۔ اچھا ہوا وہ یہ تعلق ہی توڑ گیا۔ شارق اپنے کیے کا بھگتان بھگتنے کو تیار ہے تو تم بھی خاموش ہوجاؤ۔ میں نبیل کو سمجھالوں گی۔ مرد سب کچھ کر کے بھی اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے۔ شارق اتنی آسانی سے معافی نہیں مانگنے والا اور اگر وہ مانگ بھی لے تو کبھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کرے گا اور نہ ہی ہمارا نقصان پورا ہوگا۔ سو مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ تم اس کی مرضی پر عمل کرو۔ اب وہی تمہارا سب کچھ ہے۔ بھائیوں کی باتوں میں آکر گھر خراب کروگی تو حماقت کروگی اور میں جانتی ہوں میری بیٹی کم عقل اور احمق نہیں۔ سمجھ رہی ہو نا۔"

اماں اسے پیار سے' آرام سے رام کر رہی تھیں۔ وہ بے بسی سے انہیں دیکھے گئی۔ کہنے کو بہت کچھ تھا۔ بہت سے الفاظ' بہت سی دلیلیں مگر اماں کے یقین پر لب جیسے سل گئے تھے۔

اماں کی آنکھوں میں "میری گرتی عزت کی ساکھ بحال رہنے دو" کی جو خاموش التجا تھی' اسے سختی سے لب بھینچ لینے پر مجبور کرگئی تھی۔

سمعان احمد آفس میں تھا جب فرح کی کال آئی تھی کہ وہ اور علی شاپنگ پر جا رہے ہیں سو سمعان احمد بھی آ جائیں۔ سمعان نے انکار کرنا چاہا تو پھر ارادہ بدل دیا۔ فرح بہت کم ایسی کسی ایکٹویٹی میں ملوث ہوتی تھی اور اگر کبھی کہیں آتی جاتی تھی بھی تو بہت مجبوری میں۔ یقیناً اسے کچھ ضروری شاپنگ ہی کرنا تھی جو اسے کال کر رہی تھی ورنہ اس کام کے لیے امی تھیں مگر جب سے انہوں نے زرش کے ساتھ یہ ڈرامہ کیا تھا گھر کا کوئی بھی مرد ان سے مخاطب نہیں ہوتا تھا۔ ہر کوئی اپنے اپنے خول میں بند زندگی گزار رہا تھا۔ ایسے میں فرح کا بلاوا کچھ خوش آئند ہی تھا۔ سمعان احمد نے تمام ضروری امور کل پر ٹالے تھے۔ گھر پہنچنے پر فرح اور علی تیار ہی بیٹھے تھے۔

سمعان احمد ان کو لے کر جب شاپنگ سینٹر پہنچا تو گھڑی تین بجا رہی تھی۔ نوشی کی شادی طے تھی۔ فرح زیادہ شاپنگ اسی لیے کرنا چاہتی تھی۔ حالات جو بھی تھے مگر نوشی کی شادی میں شرکت لازمی تھی۔ اگرچہ دونوں گھرانوں میں اب وہ پہلے والی آمد و رفت نہ رہی تھی مگر اتنا تو یقین تھا کہ سعود احمد ان لوگوں کو شادی میں سب سے پہلے انوائٹ کریں گے۔ فرح ابھی سے ہی شاپنگ سے فارغ ہونا چاہتی تھی۔ پھر ایگزامز کی وجہ سے گھر سے نکلنے کی شاید فرصت بھی نہ ملتی۔

گھر کی چار دیواری سے باہر کی دنیا کی گہما گہمی وہی تھی۔ وہی رونقیں، وہی زندگی کی جولانیوں سے بھرپور قہقہے۔ اگر کہیں زندگی ٹھہر گئی تھی تو صرف ان کے اندر سے۔ باہر تو سب کچھ وہی تھا۔

فرح کے اندر یاسیت سر ابھارنے لگی تو اس نے خود کو شاپنگ میں مصروف کر لیا۔ علی اور سمعان اس کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔ بہت عرصے بعد وہ بھی زندگی سے بھرپور سانس لے رہے تھے۔ یوں جیسے کہیں کوئی خلا نہیں تھا۔ زندگی کبھی رکی نہ تھی۔ فرح اور علی دونوں کو وہیں چھوڑ کر سمعان اپنی کچھ شاپنگ کے لیے جینٹس شاپس کی طرف چلا آیا تھا۔ اس بڑے سے شاپنگ پلازہ میں ہر طرح کی ورائٹی دستیاب تھی۔

اپنے لیے مختلف چیزوں کی سلیکشن کرتے سمعان احمد کی نگاہ ایک پل کے لیے ٹھٹک سی گئی تھی۔ لائٹ ریڈ کنٹراس کے سوٹ میں ملبوس ہم رنگ دوپٹہ کندھوں پر پھیلائے، سرکو ریڈ ہی اسکارف سے ڈھانپے کچھ فاصلے پر کھڑی زرش سعود احمد، سمعان احمد کو کئی ثانیے کے لیے اردگرد سے فراموش کر گئی تھی۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ نوشی، نفیسہ پھپھو کی ستارہ، مسز ہارون آغا اور ان کا بیٹا عفان بھی ان کے ہمراہ تھا۔ وہ لوگ شاپنگ کے لیے آئے تھے۔ جس طرح وہ مختلف شاپنگ بیگ تھامے ہوئے تھے، سمعان کو یہی اندازہ ہوا تھا۔ اس چہرے کو بھلانے کے سمعان احمد نے کئی جتن کیے تھے مگر وہ ملا بھی تو سب وعدے توڑنا نے مصداق دل ایک دم بغاوت پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس ایک چہرے کے حوالے سے کیا کیا خواب آنکھوں نے نہ سجائے تھے۔ اس ایک وجود کے لیے دل میں کیا کیا ارمان نہ پلے تھے۔ سمعان احمد کے اندر تکلیف کی ایک شدید لہر اٹھی تھی۔ زرش کا سامنا ہو جانے کی شرمندگی ہی ایسی تھی کہ کبھی پلٹ کر اس راستے پر قدم نہ رکھے تھے کہ جہاں گمان ہو کہ وہ مل سکتی ہے اور اب..... "وہ بھیڑ میں اک اجنبی کا سامنا اچھا لگا" کے مصداق دل سب حدیں فراموش کر بیٹھا تھا۔ دل چاہا کہ لمحوں میں اپنے اور اس کے درمیان حائل فاصلوں کو سمیٹ لے۔ مگر کیا ان فاصلوں کا سمیٹ لینا واقعی اتنا آسان تھا؟

گزرے کئی واقعات نگاہوں میں گھوم گئے۔ دل و نظر کو بے قابو سا کر گئے تھے۔

نہیں زرش، تمہیں بھول جانا بہت مشکل ہے۔ مگر اب تمہیں کسی اور آزمائش میں نہیں ڈالوں گا۔ کتنا یقین تھا مجھے اپنے آپ پر..... اپنی محبت کی طاقت پر مگر کیا ہوا۔ میرے سامنے میرے ہی حوالے سے تم ہمیشہ کے لیے موردِ الزام ٹھہرا دی گئیں اور میں کچھ نہ کر پایا۔ حیران و ششدر دیکھتا رہ گیا۔

یہ سچ ہے زرش، یہ محبتیں بہت بڑی قربانی مانگتی ہیں اور میں نے اپنے دل کے تمام جذبوں کو کسی کال کوٹھری میں دفنا دیا ہے۔ تمام ارمان سب خوابوں کو کہیں پھینک دیا ہے۔ میں سب برداشت کر لیتا اگر بات صرف میری ذات تک رہتی۔ تمہاری رسوائی کیسے برداشت کرتا اور پھر کہنے سننے کو بچا بھی کیا تھا۔ حد بھی تو ہو گئی تھی۔

سمعان احمد نے سختی سے لب بھینچ کر اپنے اندر اٹھنے والے جوار بھاٹے کی شدت کو کنٹرول کیا ورنہ دل تو یہ چند قدموں کا فاصلہ ایک پل میں سمیٹ لینے کو مچل رہا تھا۔

وہ لوگ اپنی ہی خوش گپیوں میں مصروف ہینگرز میں لٹکے ملبوسات کو دیکھتے آگے بڑھتے چلے گئے تھے۔ سمعان احمد کی نگاہ نے دور تک سرخ لباس میں ملبوس وجود کا پیچھا کیا تھا۔ وہ لوگ نگاہوں سے اوجھل ہوئے تو دل میں اودھم مچاتے طوفان نے بڑے ماتمی انداز میں اطراف میں نگاہ ڈالی تھی۔

"کیا ہوا بھائی، خیریت؟" علی کی پرتشویش آواز اپنے عقب سے سنائی دی تو سمعان احمد چونکا۔ کئی پل گزر جانے کے باوجود سمعان احمد کی نگاہیں اس منظر میں شاید کھو گئی تھیں۔

"اوہ..... آ گئے تم لوگ۔" سمعان نے اپنے آپ کو سنبھالتے مسکرا کر پوچھا تو فرح نے بغور دیکھا۔

زرش وغیرہ کو پلازہ سے نکلتے، اندر داخل ہوتے انہوں نے بھی دیکھا تھا بلکہ ایک دو پل کو رک کر سلام دعا بھی کی تھی۔ کیا سمعان احمد نے نہ دیکھا ہوگا۔ اس نے سمعان احمد کے چہرے سے کچھ کھوجنا چاہا مگر وہاں وہی تاثرات تھے، سنجیدہ سے۔ وہ الجھ سی گئی۔

زرش سعود احمد کو دیکھ کر اسے اتنی تکلیف ہوئی تھی تو کیا سمعان کو نہ ہوئی ہوگی۔

"کر لی خریداری؟" علی، سمعان سے پوچھ رہا تھا۔ سمعان نے صرف سر ہلا کر چند چیزیں جو وہ پہلے ہی سلیکٹ کر چکا تھا، تھامے کاؤنٹر کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

"بھائی! نوشی اور زرش بھی شاپنگ کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ ساتھ میں عفان بھائی اور ستارہ آپی بھی تھیں۔ آپ نے دیکھا؟" علی سے ہضم نہیں ہوا تھا۔ شاپنگ پلازہ سے نکلتے اس نے سمعان سے پوچھ ہی لیا تھا۔

"اچھا! میں نے نہیں دیکھا۔" اپنے وہی مخصوص سنجیدہ انداز میں سمعان نے کہا تو فرح نے پھر بغور دیکھا۔ نہ چونکنا' نہ حیرت کا اظہار آرام سے انکار۔ کیا واقعی سمعان اندر سے بھی اتنا ہی نارمل تھا؟

"حیرت ہے۔ یہیں سے نکل کر وہ لوگ نیچے گئے ہیں۔ ہماری تو سلام دعا بھی ہوئی ہے۔" فرح کا جی چاہا علی کو خاموش کروا دے۔ پتا نہیں سمعان کو تکلیف ہوئی تھی کہ نہیں مگر اسے بہت ہو رہی تھی۔ خاص طور پر زرش کے لیے دیے سے انداز پر۔

"علی! اب نیچے چلتے ہیں' جلدی کرو اور یہ چیزیں پکڑو۔ مجھ سے نہیں اٹھائی جاتیں۔" اس سے پہلے کہ علی کچھ اور بھی کہہ کر سمعان کو اذیت بخشتا' فرح نے فوراً اسے ٹوکا تھا۔ بلکہ ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز بھی اسی کو تھمائے تھے۔ سمعان نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ فارغ تھی۔ یونہی فارغ بیٹھنے سے اکتاہٹ ہونے لگی تو وہ شاکرہ کے ساتھ لگ کر اپنے کمرے کی ترتیب پھر سے بدلنے میں مصروف ہوگئی۔ صفائی ستھرائی تو روز ہی کرواتی تھی۔ کام والی کے سر پر کھڑے ہو کر کرواتی تھی پھر شاکرہ اور خود بھی سارے گھر کی صفائی کا خیال رکھتی تھی۔ ڈھونڈنے سے بھی کہیں گرد یا بے ترتیبی دکھائی نہ دیتی تھی۔ ہفتوں میں یہ گھر ایک ترتیب میں سمٹتا چلا گیا تھا۔ اگر کہیں بے ترتیبی تھی تو صرف شارق زمان کی زندگی میں ورنہ تو اب سب کچھ نارمل تھا۔

"شاکرہ! یہ صوفہ ادھر دائیں طرف دیوار کے ساتھ گھسیٹ دو۔" دو گھنٹوں کی محنت سے کمرہ تو نکھر گیا تھا مگر وہ خود خاصی نڈھال ہوگئی تھی۔ کچھ بھاری سامان گھسیٹنے' کھینچنے سے بھی تھکن ہوگئی تھی۔ شاکرہ کو ہدایت دیتے وہ اپنا لباس لے کر باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ چند دن سے طبیعت بڑی بوجھل بوجھل ہو رہی تھی۔ سارا دن شاکرہ کام کرتی تھی وہ تو صرف اس کے ساتھ لگی رہتی تھی مگر اس کے باوجود تھکن سے برا حال ہونے لگتا تھا۔ یوں جیسے میلوں کا سفر طے کیا ہو۔ باتھ لے کر وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ اماں اپنے کمرے میں تھیں۔ لاؤنج میں بیٹھ کر بال سلجھائے تھے۔ بال سلجھا کر وہ اماں کے کمرے میں جانے کو اٹھی تھی مگر ایک دم سے اسے بڑا زبردست چکر آیا تھا۔

"اماں..... شاکرہ....." خلا میں سہارے کو ہاتھ مارتے وہ وہیں لاؤنج میں قالین پر گری تھی۔ ہاتھ لگنے سے ٹیبل پر پڑا گلدان نیچے جا گرا تھا۔ لاؤنج میں کچھ گرنے اور پھر چھن کی آواز پر شاکرہ بھاگی آئی تھی مگر نویرہ کو بے حواس زمین پر اوندھے منہ گرے دیکھ کر اس کی تو چیخ ہی نکل گئی تھی۔ بھاگ کر نویرہ کو سیدھا کیا۔ آوازیں دیں مگر بے سود تھا۔ وہ ایک دم گھبرا اٹھی۔

واجدہ بیگم اپنے کمرے میں تھوڑی دیر پہلے ہی کھانا کھا کر لیٹی تھیں۔ اب سو رہی تھیں۔ انہیں بتاتی تو وہ پریشان ہو جاتیں۔ گھر میں اس وقت اماں کے علاوہ وہ دونوں ہی تھیں۔ رفعت باجی کو مہینہ ہوا واپس جدہ

گئے ہوئے۔ پتا نہیں اچانک کیا ہوا تھا جو نویرہ ایسے پڑی ہوئی تھی۔ شارق زمان کو پتا چل جائے تو وہ تو اس کو جان سے ہی مار ڈالے۔ وہ شارق کے غصے سے اتنی ہی خائف رہتی تھی۔ بھاگ کر پانی لے آئی۔ چھینٹے مارے مگر بے سود تھا۔ کشن لے کر نویرہ کے سر کے نیچے رکھا۔

"یا اللہ' کسی طرح بی بی کو ہوش آ جائے۔ اچھی بھلی تو تھیں۔" وہ روہانسی ہونے کو تھی۔ اب اماں کو بتانا ضروری ہو گیا تھا۔ اماں کو اٹھا کر بتایا تو وہ پریشان ہو گئیں۔ اب وہ آہستہ آہستہ سہارے اور مصنوعی ٹانگ کی مدد سے چلنا شروع ہو گئی تھیں۔ شاکرہ کے سہارے چلتی فوراً لاؤنج میں آئیں۔ نویرہ کو یوں پڑے دیکھ کر ان کا دل لرزنے لگا۔

"جاؤ شاکرہ' ساتھ والی جو منصور کی ماں ہیں اس کی چھوٹی بہو ڈاکٹر ہے۔ وہی جو دو مہینے پہلے بیاہ کر آئی ہے۔ اسے بلا لاؤ۔ وہ کچھ کرے' یہ ہوش میں تو آئے۔" نویرہ کے ہاتھ سہلانے' گال تھپتھپاتے وہ خود پریشان ہو چکی تھیں۔

شاکرہ کو تو پسینے لگے تھے۔ شاکرہ کے ساتھ ڈاکٹر فیروزہ فوراً چلی آئی تھیں' اپنے فرسٹ ایڈ باکس کے ہمراہ۔ نویرہ کی بیہوشی کی وجہ پوچھی۔ شاکرہ کو جو علم تھا بتا دیا۔ چند اور سوال کرتی رہی۔ اماں اور شاکرہ جواب دیتی رہیں۔ تھوڑی دیر میں نویرہ کو ہوش آ گیا تھا۔

"آہ....." اس نے کراہ کر آنکھ کھولی۔

"نویرہ! کیا ہوا تھا....." اماں نے فوراً اس کا ہاتھ تھاما۔ نویرہ ناسمجھی میں اپنے اوپر جھکے سروں کو دیکھے گئی اور پھر ایک دم یاد آ گیا کہ اسے بڑے زور کا چکر آیا تھا اور پھر گر گئی تھی۔ شاید بیہوش ہو گئی تھی۔ اس نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا مگر جسم ایسا ہو رہا تھا کہ جیسے برسوں کا بیمار ہو۔

"پتا نہیں۔ چکر سا آ گیا تھا۔" شاکرہ کے سہارے وہ اٹھ کر بیٹھی تھی۔ چہرے پر ایک دم زردی سی چھا گئی تھی۔

"کب سے ایسی طبیعت ہے؟" ڈاکٹر فیروزہ نے پوچھا تو اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں ڈاکٹر فیروزہ ہوں۔ گائنا کالوجسٹ ہوں۔ ویسے آپ کے ہمسائے میں ہی ہوتی ہوں۔ نئی نئی بیاہ کر آئی ہوں نا۔" نویرہ نے سر ہلا دیا تھا۔

"طبیعت تو میری خراب نہیں تھی۔ ہاں چند دن سے تھکن بہت زیادہ ہو رہی تھی۔ طبیعت بے سبب ہی بوجھل ہو رہی تھی۔ چکر تو صرف آج ہی آیا ہے۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا ہے شادی کو؟"

اس سوال پر وہ چونکی ہی تھی۔ اماں نے بھی ڈاکٹر کو دیکھا۔

"زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا۔ صرف چند ماہ ہی ہوئے ہیں۔" نویرہ کی بجائے اماں نے ہی جواب دیا تھا۔

"آئی تھنک یو آر پریگنٹ' پھر بھی چیک اپ کروا لیں۔"

نویرہ پہلے تو ہکا بکا دیکھتی رہی پھر چہرے پر ایک دم سرخی سی چھائی تھی۔

"کسی اسپیشلسٹ کو چیک کروا لیں۔ ویسے اگر آپ چاہیں تو میں بھی چیک کر سکتی ہوں۔" ڈاکٹر فیروزہ

نے مسکرا کر کہا تھا۔ نوریہ تو سر نہ اٹھا سکی۔ پتا نہیں شرم کا احساس تھا یا کیا۔ وہ سمجھ نہ پائی۔

"شاکرہ پانی پلاؤ۔" ایک دم حلق خشک سا ہو گیا تھا۔

پانی پی کر تھوڑا سا سکون ملا تھا۔ جسم میں اٹھنے کی طاقت بحال ہوئی تو وہ اٹھ کر اماں کے ساتھ ہی ان کے کمرے میں آ لیٹی۔

ڈاکٹر فیروزہ نے باقاعدہ چیک اپ کے بعد تصدیق کر دی تھی۔

واجدہ بیگم کا خوشی سے برا حال ہو رہا تھا۔ ایک عرصے بعد انہیں خوشیاں مل رہی تھیں۔ بے شک نوریہ جیسے بھی ان کے آنگن کو آباد کرنے آئی تھی مگر نوریہ کو اس گھر میں چلتے پھرتے دیکھ کر وہ شانت ہو جاتی تھیں۔ ان کے تو گویا سارے غم دور ہو گئے تھے۔

نوریہ گم صم کیفیت میں تھی۔ ایک عورت شادی کے بعد اس خوشخبری کا پل پل انتظار کرتی ہے' دعائیں مانگتی ہے۔ ایک عورت کے وجود کی تکمیل ہی اولاد سے ہوتی ہے جب کہ وہ گم صم حالت میں تھی۔ وہ کچھ بھی سوچ نہیں رہی تھی۔ بس اس کے ذہن کی اسکرین پر گزرے تمام واقعات ایک کے بعد ایک جلوہ افروز ہوتے جا رہے تھے۔

وہ خوش نہیں تھی۔ اس نے بحالت مجبوری شارق زمان کو قبول کیا تھا۔ وہ مجبوری کی حالت میں حقوق و فرائض کی اس جنگ میں اس کے ساتھ تھی جب کہ یہ تعلق تو دل سے نبھانے والے ہوتے ہیں۔ مرد کو اولاد تو کوئی بھی عورت دے سکتی ہے۔ بچے تو خانہ بدوش بھی پیدا کر لیتی ہیں مگر اس تخلیق کے عمل سے گزرتے ہوئے عورت جو خوشی محسوس کرتی ہے وہ صرف روحانی تعلق سے ہی نہیں ہوتی دلی رغبت سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ایک عورت مرد کی قربت برداشت ہی اس لیے کرتی ہے کہ اس کے وجود کی تکمیل ہو جب کہ یہاں نہ کسی کی خوشی کا احساس تھا نہ کسی کی روحانی تسکین کا۔ یہاں تو صرف جبر کا تعلق تھا جو وہ نباہ رہی تھی۔

پہلی دفعہ وہ شارق زمان کے منہ سے اپنے لیے پاک دامن' باحیا' پاکباز عورت کے الفاظ سن کر ہاری تھی اور پھر یہ ہار اس کی مجبوری بنتی چلی گئی تھی۔ کبھی وہ غصے سے بڑھے ہاتھوں کو جھٹک دیتی تھی اور کبھی چپ چاپ مصلوب ہو جاتی تھی۔ اس سارے عمل میں اس کی اپنی ذاتی خوشی' دل کی خوشی' روحانی تسکین کہاں تھی۔ صرف ایک زور زبردستی کا راستہ اور بس۔

وہ شام تک اماں کے بستر پر آنکھوں پر بازو رکھے پڑی رہی۔ دوپہر کو نہا کر اس نے لباس بدلا تھا۔ تھوڑی دیر میں مغرب کے بعد شارق کو آ جانا تھا۔ اس کا جی اٹھنے کا نہ چاہا۔ اسی طرح سر پر کمبل لپیٹے پڑی رہی۔

اماں کو جو خوشی تھی سو تھی مگر نوریہ کی خاموشی دیکھ کر وہ بھی خاموش ہو گئی تھیں۔ نوریہ ان سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ شارق زمان سے متعلق اس کا یہ رویہ' ہر ردعمل ان کے سامنے تھا۔ نوریہ کے یوں منہ سر لپیٹ کر پڑے رہنے پر ان کے دل میں ہوک سی اٹھی تھی مگر انہوں نے ٹوکا نہ تھا۔ نوریہ سمجھ دار تھی۔ جس طرح شوہر کے حق کو سمجھ کر جب تھی اس حقیقت کو بھی قبول کر لے گی۔ انہیں یقین تھا۔

رات کے کھانے کی تیاری شاکرہ کر رہی تھی ورنہ اس وقت کچن میں نوریہ اس کے ساتھ مصروف ہوتی تھی۔ جب سے نوریہ اس گھر میں آئی تھی' شارق ایک دو دفعہ ہی رات کو لیٹ آیا تھا ورنہ وہ نو بجے تک ضرور گھر لوٹ آتا تھا۔

نو بجے تک شارق نہ آیا تو نوریہ نے شاکرہ کو کھانا لگانے کو کہا تھا ورنہ اب اماں' شارق کے جلد آنے کی وجہ سے اس کے ساتھ ہی ٹیبل پر کھانا کھاتی تھیں۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔

واجدہ بیگم نے اس کا رویا متورم چہرہ دیکھا تو سینے سے ایک ٹھنڈی سانس خارج ہوئی۔

"آئیں اماں' کھانا کھا لیں۔"

شاکرہ کو کھانا لاؤنج میں ہی لگانے کو کہا تھا۔ وہ اماں کے سامنے ہی صوفے پر آ بیٹھی تھی۔

"شارق بھی آ جاتا تو اکٹھے ہی مل کر کھا لیتے۔"

"آ جائیں گے وہ بھی۔ آپ تو کھانا کھائیں۔ آپ کو میڈیسن بھی لینی ہوتی ہے۔ اتنی لیٹ کھانا کھائیں گی تو رات سونا مشکل ہو گا۔" اس نے ذرا توجہ نہ دی تھی۔ اماں خاموشی سے کھانا کھانے لگیں۔

کھانے کے برتن اس نے شاکرہ کے ساتھ مل کر اٹھائے تھے۔ اماں کو میڈیسن کھلا کر انہیں نماز پڑھ کر سو جانے کی تلقین کرتی وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ وضو کر کے نماز ادا کر کے وہ کتنی دیر تک خالی ہاتھ اٹھائے اپنی صاف شفاف ہتھیلیوں کو دیکھتی رہی۔

ایک عورت کی خواہش' خوبصورت' تعلیم یافتہ اور امیر شریک حیات ہی ہوتا ہے۔ شارق زمان بھی تو ایسا ہی تھا پھر وہ کیوں ایک کمی سی محسوس کرتی تھی۔ وہ کیوں نہیں ابھی تک مطمئن ہو رہی تھی۔ ٹوٹ کر چاہ رہا تھا۔ اس کے لیے ہر حد کراس کر گیا تھا۔ پھر بھی وہ غیر مطمئن تھی۔ کیوں.....؟

سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگا تو منہ پر ہاتھ پھیرتے وہ بستر پر چلی آئی۔ گھڑی گیارہ بجا رہی تھی مگر وہ ابھی نہیں آیا تھا۔ آج پہلی دفعہ اسے شارق زمان کی غیر موجودگی کا احساس کمرے کی تنہائی میں شکوے کرتا دکھائی دیا۔

شارق زمان پر اس خبر کا کیا ری ایکشن ہو گا۔ وہ سوچتی الجھتی رہی۔

سوئی گیارہ کے ہندسے کو کراس کرتے سوا گیارہ اور پھر ساڑھے گیارہ تک آ گئی تو نوریہ کو اپنے کروٹیں بدلتے بدن میں دکھن کا احساس ہونے لگا۔

"کہاں رہ گیا ہے یہ شخص؟"

وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر جیسے سوچ اسی ایک سوال کے ساتھ چمٹ کر رہ گئی تھی۔

"میں باہر ہوتا ہوں تو ہر وقت ذہن تمہاری طرف ہی الجھا رہتا ہے۔ میرے اختیار میں ہو تو دنیا کے سارے کام ایک طرف چھوڑ کر ملکہ عالیہ کے چرنوں میں زندگی گزار دوں۔"

قربتوں کے عالم میں نہایت شوخی سے کہا گیا یہ جملہ اس وقت تو نہیں مگر اب نوریہ کے وجود پر چرکے لگا رہا تھا۔

"پچھتاؤ گی بیوی! ایک دن پچھتاؤ گی۔ اتنی محبت کرنے والا شوہر کہیں سے ڈھونڈ کر دکھا دو تو مان

جاؤں۔'' کمرے کے سناٹے میں گھڑی کی ٹک ٹک نو کا ہندسہ بھی کراس کر گئی تھی۔ کروٹ پر کروٹ بدلتے اپنے وجود پر کانٹے اگتے محسوس کیے تو وہ اٹھ بیٹھی۔ سرہانے رکھا موبائل اٹھالیا۔ یہ موبائل چند ہفتے پہلے ہی شارق زمان نے اسے دلایا تھا۔ وہ ضد میں استعمال نہیں کرتی تھی مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔ ہمیشہ دن میں دس دس بار اسی نمبر پر کال کر کے اسے زچ کرتا تھا۔ ایسے میں وہ کتنی بے بس ہو جاتی تھی۔ شارق زمان کا نمبر ملا کر موبائل کان سے لگالیا۔

دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ بیل مسلسل جا رہی تھی مگر کال ریسیو نہیں کی جا رہی تھی۔

نویرہ نے ایک دفعہ پھر نمبر ملائے تھے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔

گھڑی پورے بارہ بجا رہی تھی۔ اس نے دس منٹ بعد پھر کال ملائی تھی۔

''ہیلو.....'' تیسری بیل پر کسی انجانی نسوانی آواز کو سن کر نویرہ چونکی تھی۔

''ہیلو..... جی کون.....'' نویرہ نے پوچھا تھا۔

''آپ کون؟'' جواباً سوال دہرایا گیا تھا۔

''یہ شارق صاحب کا نمبر ہے نا؟''

''آف کورس۔'' دوسری طرف سے کھلکھلاتا لہجہ تھا۔ نویرہ کے تن بدن میں آگ سی لگی۔ کون ہو سکتی ہے شارق کا نمبر ریسیو کرنے والی۔

''مجھے ان سے بات کرنی ہے۔ وہ کیوں نہیں کال ریسیو کر رہے۔ کہاں ہیں' بات کروائیں میری ان سے۔''

''وہ اس وقت پیراڈائز کی سیر کو نکلے ہیں۔ ہمارے ہاتھ نہیں آ رہے محترم تو آپ کی بات کیا کراؤں۔ ہاہاہا۔'' نویرہ کا تو دماغ چیخ گیا تھا۔ ایسا بے ہنگم قہقہہ اس کے اعصاب پر بڑا گراں گزرا تھا۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا عورتیں یوں بے باک قہقہے بھی لگا سکتی ہیں۔

''کیا بکواس ہے۔ آپ ان سے بات کروائیں۔ کہیں ان کی مسز بات کر رہی ہیں۔'' اپنی دماغی کنڈیشن پر کنٹرول کرتے اس نے تحکم بھرے انداز میں کہا تھا۔

''اوہ تو تم اس کی مسز ہو۔'' فوراً استفسار ہوا تھا۔

''تمہیں کوئی شک ہے؟'' پتا نہیں کون پاگل تھی۔ نویرہ کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔

''ہونہہ شک..... ایسا کیا ہے تم میں جو مجھ میں نہیں۔ تم نے شارق زمان کو مجھ سے چھینا ہے۔ دیکھنا تمہارا بھی نہیں رہے گا۔ میں اسے اس قابل ہی نہیں رہنے دوں گی کہ یہ تمہارا نام بھی لے۔ سنا تم نے زیبا کیانی ہے نام میرا۔ میں بڑے بڑوں کو گھاس نہیں ڈالتی اور یہ شخص مجھے ریجیکٹ کرے' ناممکن۔'' پتا نہیں وہ کیا بکواس کر رہی تھی۔ نویرہ تو ششدر رہ گئی تھی۔

دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا تھا۔ نویرہ تو کوئلوں پر لوٹنے لگی تھی۔ شارق زمان کا ذاتی موبائل اس کے بجائے یہ عورت کیوں استعمال کر رہی تھی۔ نویرہ کا دماغ بس پھٹ جانے کو تھا۔

دوئم

جو بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اس پر وہ یقین نہیں کرنا چاہتی تھی مگر یقین نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی۔

پھوڑے کی طرح دکھتے اپنے سر کو اس نے دونوں ہاتھوں سے تھاما تھا۔

تین بجے کے قریب شارق زمان گھر میں داخل ہوا تھا۔ گاڑی کے ہارن اور پھر گیٹ کھلنے کی آواز' وہ فوراً متوجہ ہوئی تھی۔ نویرہ کی ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔

وہ جتنا بھی حوصلے کا مظاہرہ کرتی' جتنی بھی بے پروائی و بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتی مگر اس بات پر ابھی تک ششدر تھی کہ شارق زمان اس کی بجائے ساری رات کسی غیر عورت کے پاس گزار کر آ رہا ہے۔

شارق زمان نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا' وہ بستر سے اٹھ بیٹھی۔

''ارے تم جاگ رہی ہو؟'' جیسے ہی شارق زمان نے کمرے کی لائٹ روشن کی تھی سامنے ہی پہلی نگاہ اس پر اٹھی تھی۔ اسے بستر کے کنارے بیٹھے دیکھ کر وہ رکا تھا۔

''کہاں تھے اب تک؟'' وہ گزشتہ چند گھنٹوں سے جس اذیت و کرب سے گزر چکی تھی اب اس کا ضبط بس جواب دینے کو تھا۔ لہجے میں واضح تلخی تھی۔ اس پر عزت کی زندگی تنگ کر دینے والا کیسے عیاشیوں میں مصروف تھا۔ اسے یہ بات کسی طور پر ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

''کچھ دوستوں کے ساتھ کلب چلا گیا تھا۔ بس واپسی میں دیر ہو گئی۔'' اپنے نارمل انداز میں کہتے کوٹ اور ٹائی اتارتے بتایا گیا تھا۔ نویرہ سلگ اٹھی۔

''دوستوں کے ساتھ یا زیبا کیانی کے ساتھ؟'' وہ پھنکاری تھی۔ شارق زمان صوفے پر بیٹھ کر شوز اتار رہا تھا۔ اس کے ہاتھ تھمے۔ سر اٹھا کر اپنی طرف بے لحاظی سے دیکھتی نویرہ کو دیکھا۔

''میں نے دوستوں کا کہا ہے اور دوستوں میں ضروری نہیں صرف میل ہی ہوں۔'' بے پروائی سے جواب دیتا شارق زمان دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوا تھا۔

''تو پھر اس جگہ میں کیا کر رہی ہوں' اسی عورت کو لے آتے جس کے ساتھ ساری رات گزار کر آ رہے ہیں۔'' وہ غصے سے پھٹ پڑی تھی۔ شارق زمان نے قدرے اچنبھے سے نویرہ کو دیکھا۔ نویرہ کے تیور حیران کن ہی تو تھے۔

''اگر آپ کو شارق صاحب' یہ سب عیاشیاں ہی کرنی تھیں تو پھر مجھ پر عزت کی یہ زندگی حرام کیوں کی؟ اچھی بھلی گزر رہی تھی میری۔ کیوں میرے ساتھ میرے والدین کو اذیت کے اس جہنم میں لا پھینکا؟ ایک بات کان کھول کر سن لیں شارق صاحب' میں سب کچھ برداشت کر لوں گی مگر اپنی حق تلفی نہیں۔ اگر میں نے آپ کے ساتھ سمجھوتے جیسا قدم اٹھایا ہے تو پھر آپ کو بھی برے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔ ورنہ میں یہ نہیں دیکھوں گی کہ لوگ میری ذات کو ڈسکس کرتے ہیں یا نہیں۔ میں ہر حد پار کر جاؤں گی۔'' وہ غصے سے بپھری بیٹھی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ سامنے کھڑے شخص کا حشر نشر کر دے۔

''شٹ اپ نویرہ۔ دوستوں کی گیدرنگ تھی بس۔ شادی کے بعد پہلی دفعہ وہاں جانا ہوا تھا۔ بس باتوں

دوئم

میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا اور تم یہ بات کلیئر کرلو اگر مجھے کسی اور کو ہی اپنی زندگی میں اتنی امپورٹنس دینی ہوتی تو تم اس وقت میرے بیڈروم میں نہ ہوتیں۔"

"ہاں' تو پھر آپ وہاں کیوں گئے تھے۔ میں نے سو مرتبہ کال کی ہے۔ ریسیو کیوں نہیں کی گئی تھی اور پھر اگر ریسیو کی بھی گئی تو آپ کی اس چہیتی زیبا کیانی نے۔ وہ مجھے کس بات کی دھمکیاں دے رہی تھی۔ کیا جتانا چاہ رہی تھی" وہ شارق زمان کے کسی بھی ایکسیوز کو ماننے والی نہ تھی۔ اسی طرح بگڑے تیور لیے مخاطب تھی۔

"تم نے کال کی تھی؟" دوسری طرف حیرانگی تھی۔

"جھوٹ نہیں بولتی میں۔ یقین نہیں آتا تو لیں چیک کرلیں۔ یقیناً اس میں ابھی تک ڈائل نمبرز باقی ہیں۔" اس نے سرہانے پڑا موبائل اٹھا کر شارق زمان کی طرف اچھالا۔ شارق نے دونوں ہاتھوں سے تھاما۔

موبائل چیک کرکے اپنی جیب سے سیل نکال کر چیک کرتے اس نے نویرہ کو دیکھا۔

"مگر اس میں تو کوئی کال ریسیو نہیں ہوئی۔" اپنا موبائل اسے دکھایا۔

"تو پھر میرے فرشتوں نے مجھے خبردار کیا تھا کہ محترم شارق زمان صاحب' محترمہ زیبا کیانی کے ساتھ رات گزار کر آرہے ہیں؟"

طنز ایسا تھا کہ شارق زمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی۔ نویرہ شارق کی مسکراہٹ دیکھ کر مزید کلسی۔

"اس وقت تم حقیقت میں مسز شارق زمان لگ رہی ہو۔ بالکل وہی روپ جس میں تمہیں دیکھنا چاہتا تھا۔"

شرٹ اتار کر صوفے پر ڈالتے مسکرا کر نویرہ کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

"ویسے کچھ جلنے کی بو نہیں آرہی؟" اس کے قریب جا کر کندھوں سے تھام کر اپنے مقابل کرتے مسکرا کر شرارت سے دیکھا۔ نویرہ تو جل بھن ہی گئی۔

"جلتی ہے میری جوتی۔" اس نے سختی سے شارق زمان کے دونوں ہاتھ جھٹکے اور پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے دونوں کے درمیان فاصلہ حائل کیا تھا۔

"اف..... خالص بیویوں والا ڈائیلاگ ہے۔" مسکرا کر کہا پھر نویرہ کے پیچھے ہٹنے پر اسے گھورا تھا۔

"مجھے شیشے میں اتارنے یا بہلانے کی ضرورت نہیں۔ جب تک سارا معاملہ صاف نہیں ہوگا مجھ سے کلام کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔" نویرہ کے لہجے کی سختی و بے مروتی میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔

"کون ہے یہ زیبا کیانی؟" نویرہ کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔ شارق نے گہرا سانس لیا۔

"دوست ہے' بلکہ تھی۔" شارق نے ٹالنا چاہا تھا۔

"وہی جو ایک دفعہ ریسٹورنٹ کی انٹرس میں ملی تھی؟" نویرہ کا انداز تھانیداروں والا تھا۔ صاف جرح کرتا ہوا۔ شارق جو کبھی کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا' اسے برداشت کررہا تھا اور اپنی برداشت پر اسے

دوئم

حیرت بھی ہو رہی تھی اور نویرہ کے انداز پر عجیب سی خوشی بھی۔

"جب وہ بی بی آپ کے لیے اتنے قیمتی جذبات رکھتی ہے بقول محترمہ کے کہ ایسا کیا ہے تم میں جو مجھ میں نہیں۔ تم نے شارق زمان کو مجھ سے چھینا ہے۔ جب کہ اسے خبر نہیں شارق زمان نے مجھے میرے ماں باپ سے چھینا ہے۔ بڑے دھڑلے سے محترمہ فرما رہی تھیں کہ دیکھنا تمہارا بھی نہیں رہے گا۔ میں اسے اس قابل ہی نہیں رہنے دوں گی کہ یہ تمہارا نام بھی لے۔ تو میری زندگی برباد کیوں کی۔ آپ اس عورت کے پاس وقت گزار کر آرہے ہیں تو جائیے اس کے پاس۔ دور کریں اس کی تنہائیاں۔ خبردار! اگر مجھے جھوٹے بہلاؤں سے بہلانے کی کوشش کی تو۔"

شارق زمان نے کچھ تعجب سے اسے دیکھا۔ یہ صرف رقابت ہی نہیں تھی' کوئی اور بھی احساس تھا۔

"تو کون بہلا رہا ہے تمہیں۔ ایمان سے آج تم نے دل خوش کردیا ہے۔ اب تک تو لگ رہا تھا کہ جیسے زبردستی کا رشتہ نبھا رہا ہوں۔ آج حقیقت میں لگ رہا ہے مسز شارق زمان ہو۔" آگے بڑھ کر تیزی سے پیچھے ہٹتی نویرہ کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ نویرہ تو اس سخت گرفت میں مچل سی اٹھی

"چھوڑیں مجھے۔ ہاتھ نہیں لگائیں۔ میں شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی آپ کی۔ جائیں اسی عورت کے پاس۔" وہ تڑپ ہی تو اٹھی تھی۔

"تم نے غور کیا ہے کتنی خودسر اور منہ پھٹ ہوتی جارہی ہو۔ خاندان میں سے کوئی تمہیں اس طرح زبان درازی کرتے دیکھ لے تو عش عش کر اٹھے۔" شارق نے شرارت سے کہا۔

"کرم نوازی ہے آپ کی ورنہ میں کیا اور میری اوقات کیا۔"

"تو پھر مانتی ہو نا۔" شرارت سے نویرہ کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ اس نے غصے سے ہاتھ جھٹک دیا۔

"ہاں' اور ساری زندگی مانوں گی۔ ایک بات شارق زمان آپ سن لیں۔ مجھ سے دھوکہ دہی کی کوشش کی تو میں ہر حد کراس کر جاؤں گی۔ میں آپ کو بدلنے پر مجبور نہیں کررہی۔ آپ کی جو بھی ایکٹیویٹی ہیں وہ ایک طرف۔ اگر مجھ سے جھوٹ بولا تو میں بھی گارنٹی نہیں دوں گی کہ میں بھی ہمیشہ آپ کی وفادار رہوں۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں پچھلے تمام حوالوں کو بھلا کر آپ کی مرضی کے تابع رہوں تو پھر آپ کو بھی میری پسند ناپسند کا خیال رکھنا ہوگا ورنہ....."

"اوکے میڈم صاحبہ' اور کوئی حکم؟"

نویرہ کا یہ انداز تو شارق زمان کے اندر خوشی کی پھلجڑیاں بکھیرتا جارہا تھا۔ شادی کے بعد سے اب تک پہلی بار نویرہ کا یہ روپ دیکھنے کو مل رہا تھا۔

"آپ کا موبائل اس کے پاس کیا کررہا تھا؟" اس نے نیا کھاتا کھولا تھا۔

"یار! غلطی سے اس کی ٹیبل پر رہ گیا تھا۔ چند دوستوں میں کھو کر میں بھول گیا تھا۔ ہوسکتا ہے جب تم نے کالز کی ہوں تب زیبا نے ریسیو کی ہو۔ واپسی پر اس نے مجھے تھمایا تھا۔ اس نے مجھے بتایا تو نہیں اور نہ ہی میں نے خود موبائل چیک کیا ہے۔ اس نے نمبر ڈیلیٹ کردیا ہے اس سے ضرور پوچھوں گا۔ تم تو اپنا موڈ درست کرو۔"

"جھوٹ بول رہے ہیں؟" نویرہ نے مشکوک نظروں سے شارق کا چہرہ جانچنا چاہا تو وہ زچ ہو گیا۔

"بڑی بے اعتبار عورت ہو۔ تم سے جھوٹ بول کر میں کیا کروں گا۔ میرا زیبا کیانی سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں کبھی اچھے تعلقات تھے جو اب قصہ پارینہ ہو چکے ہیں۔ زیبا کیانی کا تعارف بس اتنا ہے کہ وہ کلب کی ممبر شپ رکھتی ہے۔ وہیں دوستی ہوئی اور پھر وہ مجھے پسند کرنے لگ گئی اور میں بھی کچھ حد تک انوالو ہوا مگر اس کی فطرت اور طبیعت ایسی تھی کہ میرا دل اچاٹ ہو گیا۔ تمہیں میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ بہت سی لڑکیوں سے دوستیاں رہی ہیں میری۔ شادی صرف تم سے کی ہے۔ اگر مجھے کوئی اور پسند ہوتی تو کون روک سکتا تھا اس کو اس گھر میں لانے تک۔ زیبا کیانی نے کچھ زیادہ ہی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ میری شادی کے انکشاف نے اس کی توقعات پر پانی پھیر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے تم سے جو بکواس کی ہے اسی سلسلے میں ہو مگر میں اس کی پروا نہیں کرتا۔" قطعی انداز تھا۔ نویرہ نے ایک دو پل کو شارق کا چہرہ دیکھا۔ پھر کشیدہ اعصاب کچھ نارمل ہونے لگے تو شارق کا حصار توڑ کر بستر پر جا لیٹی۔

"اتنی لیٹ آنے کی وجہ تو ہو گی؟" انداز اسی طرح تیکھا تھا۔ شارق زمان نے اب کے بری طرح گھورا۔ کب کسی کو اتنی جرأت تھی کہ اس کے معمولات کے متعلق باز پرس کرتا۔

"بتا تو چکا ہوں۔ دوستوں میں الجھ کر وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔" اب کے تلخی سے جواب دیا تھا۔ نویرہ کو بڑا سکون حاصل ہوا۔

"تین بجے واپسی ہو رہی ہے حیرت ہے' کیسے دوست تھے جنہیں اپنے گھروں میں واپسی کی ذرا فکر نہ تھی۔"

"نویرہ! اب کے اگر تم نے کچھ اور کہا تو....."

"تو کیا کر لیں گے آپ؟" نویرہ نے اس کا جملہ مکمل ہی نہیں ہونے دیا تھا۔ "ذہن میں رکھیں شارق صاحب' میں آپ کے ساتھ بھاگ کر نہیں آئی تھی۔ بقول آپ کے جان کی بازی لگا کر مجھے یہاں تک لائے ہیں تو برداشت بھی کریں۔ آپ کی شادی سے پہلے جو بھی روٹین تھی' اماں آپ کو روکتی تھیں یا نہیں مگر میں برداشت نہیں کروں گی۔"

شارق بس دیکھ کر رہ گیا۔

"میں آپ کو روکوں گی بھی اور یہ بھی ذہن میں رکھئے گا اگر آئندہ کبھی بغیر کسی معقول وجہ کے بغیر بتائے لیٹ ہوئے تو میں چوکیدار بابا کو کہہ دوں گی رات کو ہرگز گیٹ کھولنے کی ضرورت نہیں۔" ایک اور دفعہ عائد ہوئی تھی۔

شارق زمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی۔

"بس یا اور کچھ.....؟" مسکراتے ہوئے شارق زمان نے بھی نویرہ کے سامنے بستر پر جگہ سنبھالی تھی۔

"میں بڑا حیران ہو رہا ہوں۔ اتنی بڑی تبدیلی..... خیریت ہے نا؟" شرارت سے ہاتھ تھاما۔ "مجھ سے سچ مچ کا عشق ہو گیا ہے یا اپنی مخالفت کا یہ نیا انداز اپنایا ہے۔"

"احمق اور بے وقوف نہیں ہوں۔" نویرہ فوراً برا مان گئی تھی۔ "میں آپ کے ساتھ پوری ایمانداری

کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ آج سارا دن سوچتے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ ٹھیک ہے آپ نے جو کیا وہ بھولنے والا نہیں اور یاد رکھنا اس سے بھی مشکل ہے مگر اب جو بھی ہے میں آپ کو شوہر کی حیثیت سے قبول کر چکی ہوں۔ وجہ کوئی بھی ہو۔ مگر یہ طے ہے میں اپنے بچے کو ایسا ماحول نہیں دینا چاہتی۔"

شارق زمان نے ایک دم حیران ہو کر اسے دیکھا۔ نویرہ اپنا ہاتھ کھینچ کر دونوں ہاتھوں کو آپس میں مسلتے سر جھکا گئی تھی۔

"کیا مطلب.....؟" شارق زمان کچھ بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔

نویرہ نے اضطرابیت سے ہاتھ مسلے۔ شرم و جھجک سے زبان اظہار کرنے کا موقع دینے سے قاصر تھی۔

"ہماری اماں نے ہمیں ایسا ماحول دیا ہے کہ کبھی ذہن آلودہ ہی نہیں ہوا۔ اماں کی تربیت کا ہی نتیجہ ہے کہ آج سچ جھوٹ' حلال حرام کی پہچان ہے۔ اماں نے جو ایک بات کہہ دی وہ ہمارے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔"

"نویرہ۔" شارق نے فوراً اسے ٹوک دیا تھا۔ "مجھے صاف صاف بات بتاؤ۔" اس کا ذہن ابھی تک پچھلی بات میں ہی الجھا ہوا تھا۔

"آئی ایم پریگنٹ....." اسی طرح سر جھکائے شرم و جھجک سے ٹھہر ٹھہر کر انکشاف کر ہی گئی تھی۔

"کیا؟" شارق تو حیران رہ گیا۔ "کیا کہہ رہی ہو.....؟" وہ ابھی تک حیرت زدہ تھا۔

"آج ڈاکٹر کو چیک کرایا تھا تو اس نے بتایا تھا۔"

"ارے..... واقعی....." حیرت اب خوشی میں بدل چکی تھی۔ نویرہ نے صرف سر ہلایا۔ شارق زمان نے والہانہ پن سے نویرہ کو کندھوں سے تھام کر اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

"اوہ' رئیلی یار..... اٹس اے سرپرائز..... آئی ایم ویری ہیپی..... ویری ہیپی....." ایکسائٹمنٹ سے شارق زمان کا لہجہ ایک دم پرجوش ہو چکا تھا۔

"اتنی اچھی خوشخبری تم اب سنا رہی ہو۔" بے قراری سے پوچھا تھا۔ جبکہ نویرہ اسی طرح نارمل تھی۔

"آپ آئے بھی تو لیٹ تھے۔ پھر میں نے کئی فون کیے تھے۔"

"سوری ڈیئر! آئندہ تمہیں شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ اتنی بڑی خوشخبری سنا رہی ہو۔ اس موقع پر جان بھی مانگو تو حاضر کر دوں۔"

نویرہ نے ایک سنجیدہ نگاہ شارق زمان کے بے پایاں خوشی سے ٹمٹماتے چہرے پر ڈال کر نگاہیں جھکا لیں۔ اس کے اندر ایک دم بے چینی بڑھ گئی تھی۔

✿.....✿.....✿

نوشین کے ایگزیمز ختم ہوتے ہی شادی کی تیاریاں تیز تر ہوتی چلی گئی تھیں۔ زرش بھی شاپنگ وغیرہ میں نوشین کا ہاتھ بٹا دیتی تھی۔ کالج ٹیسٹ چل رہے تھے۔ وہ کالج سے آف کر لیتی تھی۔ اکثر پھپھو اور ہادی آپی بھی چلی آتیں تو رونق ہو جاتی تھی۔

دوئم

دو تین دن سے پھپھو مسلسل چکر لگا رہی تھیں' ماموں بھی ساتھ ہوتے تھے۔ امی ابو سے نجانے کن کن موضوعات پر بحث چھڑی ہوئی تھی۔ اس دن بھی آئے تو ان کے ساتھ ہادی آپی کے علاوہ مصطفیٰ بھائی اور ہارون انکل کی فیملی بھی تھی۔ وہ اور نوشین یاسمین کے ساتھ مل کر کھانے پینے کا اہتمام کرنے لگیں۔ پھپھو کا بار بار چکر لگانا' زرش اور نوشی دونوں ہی سمجھ رہی تھی۔

زرش متفکر بھی تھی۔ مگر اسے یہ بھی یقین تھا کہ پھپھو کے زور دینے کے باوجود ماما' پاپا اتنی جلدی پھپھو کی بات مان کر اس کی شادی کی تاریخ طے نہیں کریں گے۔

کھانے کے بعد ایک دفعہ پھر پھپھو وغیرہ ماما' پاپا پر نوشین کے ساتھ ہی زرش کی شادی کر دینے کا معاملہ چھیڑ چکی تھیں۔

''آپا! میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں' یہ ممکن نہیں مجھے مجبور نہ کریں۔''

معاملہ ایسا تھا کہ زرش خود کو برآمدے میں آ کر کھڑکی کے پاس کھڑے ہونے سے نہ روک سکی تھی۔

''حرج تو کوئی نہیں مسعود احمد' گھر کی بات ہے۔ سعد اگر پاکستان آ رہا ہے تو تم بھی دیر نہ کرو' وہ صرف چند ماہ کے لیے ہی تو آ رہا ہے۔ آپا بیگم کی خواہش پر عمل درآمد میں حرج تو نہیں۔'' یہ ہارون انکل تھے۔

''آپ کی بات بھی بجا ہے۔ سعد آئے' سو بار آئے' خوشی کی بات ہے میں تو خود یہی چاہتا ہوں کہ وہ دوبارہ واپس جانے کے بجائے یہیں سیٹل ہونے کی کوشش کرے۔ ایک اور سال زیادہ تو نہیں تب تک زرش کا کم از کم گریجویشن تو ہو جائے۔ ابھی تو تعلیم کا آغاز ہے اور عمر بھی کم سی۔ بہت مشکل ہو جائے گی۔

''تو زرش کون سا غیر کے گھر جائے گی۔ تعلیم ہوتی رہے گی۔ ہادیہ نے بھی تو بعد میں گریجویشن مکمل کیا تھا۔ سعد خود تعلیم کو اہمیت دینے والا انسان ہے۔ ہماری طرف سے کبھی دباؤ نہیں ہوگا' یہ ہادیہ کتنی خوش ہے۔ بیٹی سے زیادہ عزت' محبت' مان دیا ہے۔ ہم نے اسے زرش تو پھر ہماری لاڈلی ہے۔'' ماموں جان کی آواز پر زرش نے لب بھینچے۔

''بھائی جان! سب باتیں درست ہیں مگر اتنی جلدی نہیں۔'' ماما نے بھی انکار کیا تو چند پل کو فضا میں ایک خاموشی سی طاری رہی تھی۔

نفیسہ پھپھو کا چہرہ ایک دم اتر گیا تھا۔ ان کا بس چلتا تو شادی کی تاریخ طے کروا کر اٹھتیں۔ مگر کوئی بھی ان کی بات سمجھنے کو تیار نہ تھا۔

''اور سعد۔'' ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ انہوں نے اسے سمعان احمد کے جذبات سے متعلق نہیں بتایا تھا' نجانے کیسے اسے اس بات کی خبر ہوئی تھی۔ وہ جو سعد سے بات کر کے اسے یہاں کے سب حالات بتا کر مطمئن ہو چکی تھیں۔ ایک دفعہ پھر سب بکھرتا محسوس ہوا تھا۔

''آپ نے مجھے اصل وجہ کیوں نہ بتائی۔ آپ نے مجھ سے یہ کیوں چھپایا کہ زرش سے رشتہ طے کرنا صرف ماموں جان کی خواہش نہ تھی بلکہ سمعان احمد بھی ایسا چاہتا تھا۔'' اگلے چند دن بعد اس کی آنے والی کال نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ وہ سمجھتی رہی تھیں۔ ٹالتی رہی تھیں۔ مگر وہ تو ایسا بدظن ہوا تھا کہ ان کی کوئی بھی وضاحت کام نہ آئی تھی۔

دوئم

اور پھر انہوں نے ایک دم یہ فیصلہ کیا تھا۔ سعد کو واپس کیسے بلوانا تھا' وہ بعد کی بات تھی اصل مسئلہ تو شادی طے کروانا تھا۔

شادی طے ہو جائے گی تو انہیں سعد کو بلوانا آسان رہے گا مگر یہاں تو سرے سے کوئی ان کی بات سمجھنا ہی نہ چاہتا تھا۔ وہ بے حد جذباتی ہو رہی تھیں۔ انہیں اپنے چھوٹے بھائی کے سامنے شرمندہ ہو جانے کا خوف مارے دے رہا تھا۔ خاندان بھر میں جھوٹا پڑ جانے کا خوف انہیں یہاں بار بار آنے اور شادی طے کروانے پر مجبور کر رہا تھا۔

''ابھی تو سعد قطعی مان نہیں رہا تھا مگر ایک بار شادی طے ہو جائے تو سعد کو منانا آسان رہے گا۔ اس کی ضد کو ختم کیسے کرنا ہے؟ انہیں شادی طے کروانے کے سوا' کوئی اور راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔

بس آناً فاناً سب طے ہو جائے تو پھر سعد کا انکار بھی ختم ہو جائے گا کہ پھر انکار کی گنجائش ہی کہاں ہوگی۔ وہ اسے اپنی محبت اپنی عزت کا کہہ کر مجبور کر لیں گی۔ مگر یہاں کوئی ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔

انھوں نے جس بات کا ذکر ہادیہ تک آنے نہ دیا تھا۔ اسے کیسے کھلنے دیتی کہ خوامخواہ رشتوں میں دراڑیں پڑ جاتی تھیں۔

''سعود! تمہیں اعتبار نہیں ہے مجھ پر اپنی بہن پر؟ سعد کو واپس بلوایا ہے میں نے' بس آج میں شادی کی تاریخ لے کر ہی جاؤں گی۔'' بھیگی آواز سے آخر میں انہوں نے اپنے بڑے ہونے کا حق استعمال کیا تھا۔

سعود احمد نے خاصی بے بسی سی محسوس کی تھی۔ آپا کا کبھی کوئی حکم انہوں نے ٹالا نہ تھا اب اچانک شادی۔

''آپا! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ صرف یہی سوچ ہے کہ زرش کی پڑھائی وغیرہ کا حرج ہوگا۔'' انہوں نے خاصی بے بسی سے کہا تھا۔

''سو بسم اللہ' یہاں کون پڑھائی سے انکار کر رہا ہے۔ زرش کو ہم خود آگے پڑھائیں گے۔ ان شاء اللہ' شادی کے بعد جہاں تک جی چاہے وہ پڑھے۔'' اب کے بار شائستہ بیگم بھی چپ رہ گئی تھیں۔

یہ لوگ تو گویا ٹھان کر گھر سے چلے تھے کہ آج بات منوا کر ہی اٹھنا ہے۔

''اچھا آپا! جیسا آپ چاہیں۔ دل تو نہیں مان رہا مگر اب آپ کو انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔'' سعود احمد نے بے بسی سے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

''مبارک ہو آپا!'' ہر طرف سے مبارک' سلامت کا شور اٹھا تو زرش ششدر رہ گئی۔ پاپا اتنی جلدی مان جائیں گے وہ بے یقین تھی۔ وہ سکتے کی کیفیت لیے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

اتنی جلد یہ سب کیسے ممکن تھا۔ ابھی اس کی ایج ہی کیا تھی اور سعد جمال' سمعان احمد سے ایک دو سال عمر کے فرق میں تھا۔ لیکن وہ تو اس کے مقابلے میں خاصی نوعمر سی تھی۔

اپنے بستر پر بیٹھ کر خوب روئی۔ نوشی لاؤنج میں ہی تھی' بات طے ہونے پر تیزی سے زرش کو بتانے آئی تھی۔ سامنے اسے روتے دیکھ کر سمجھ گئی کہ اسے علم ہو چکا ہے۔

''زرش!'' وہ اس کے برابر ہی آ بیٹھی۔

"نوشی پلیز ماما' پاپا کو منع کر دو۔ اتنی جلدی یہ سب نہیں۔ میرا فیوچر میرے پلانز' میری ایجوکیشن' میرے سب خواب مر جائیں گے۔ پلیز۔"

"اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ تمہارے سامنے ہی تو سارا معاملہ ہے۔ ماما' پاپا کب اتنی جلدی یہ سب چاہ رہے تھے۔ پھپھو وغیرہ ہی زور دے رہے تھے۔ اب بھی پھپھو جذباتی نہ ہوتیں تو ماما' پاپا کب ہاں کرتے۔"

"اور میری ایجوکیشن؟" اس کا ذہن ابھی تک اسی میں الجھا ہوا تھا۔

"پھپھو کہہ تو رہی ہیں کہ بعد میں کمپلیٹ کروالیں گی۔"

"مجھے نہیں پتا' میں کچھ نہیں جانتی' اتنی محنت کر رہی ہوں میں ایگزیم کے لیے۔ سب ملیا میٹ ہو جائے گا۔" اس کے آنسو پھر زور و شور سے بہنے لگے۔

"اتنے لوگوں میں پاپا نے ہاں کہی ہے اب تو انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس طرح پھپھو روزانہ چکر لگا رہی تھیں۔ تمہیں پہلے ہی اپنے طور پر تیار رہنا چاہیے تھا کہ یہ "ہاں" تو ہونی ہی تھی۔ اب کی بار تو ہارون انکل اور آنٹی بھی پھپھو کے ساتھ مل کر آئے تھے۔ پھر انکار کیسے ہوتا۔"

"تو پھر تم یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہوں۔ جاؤ جا کر سب کے ساتھ خوشیاں مناؤ۔ مستقبل تو میرا برباد ہو رہا ہے تم لوگوں کو کیا؟" وہ گھٹنوں میں منہ چھپا کر بھبک بھبک کر روئی تو نوشی خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

وہ تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلا تو اس کالی بلی نے رستہ کاٹا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اسے سامنے دیکھ کر رضا کے تیور بگڑے اچھے بھلے موڈ کا ستیاناس ہوا تھا۔

"تم سے مطلب۔"

"اب تو تمہارے سارے مطلب میری ذات تک ہی ہوں گے۔ ویسے جا کہاں رہے ہو؟" رضا نے اسے گھورا۔

"جہنم میں۔" اسے وہیں چھوڑ کر وہ آگے بڑھا تھا۔

"تو پھر مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ دونوں مل کر جہنم کی گرمی کے مزے لوٹیں گے۔" رضا غصے سے پلٹا تھا۔

"تم۔" کچھ کہنے کی کوشش میں لب بھینچ گیا۔

"یقیناً اچھی لگ رہی ہوں گی۔ نیا سوٹ ہے' پہلی دفعہ پہنا ہے۔" وہ پوری طرح اس کے سامنے آئی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی رضا نے اسے دیکھا تھا۔ اورنج کلر کے سوٹ میں وہ اپنی سرخ و سفید رنگت لیے اچھی خاصی جگر جگر کر رہی تھی۔ یقیناً رضا کو روکنے کا مقصد بھی یہی تھا۔ آنکھوں میں کاجل ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک لگائے نظروں کے سامنے تھی۔ رضا کو رمشا کی یہ حرکت ایک آنکھ نہ بھائی۔

"تو؟"

"باہر ہی جا رہے ہو تو مجھے بھی لے چلو۔ شارق بھائی کے ہاں جانا ہے۔ رستے میں اتار دینا۔" اس

نے فوراً پروگرام بتایا تھا۔

"شکریہ! میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔" نکلا تو وہ بھی اکیڈمی کے لیے ہی تھا۔ کبھی کبھار وہ اکیڈمی کا چکر لگا لیتا تھا۔ شارق بھائی کا گھر رستے میں ہی پڑتا تھا مگر وہ وہاں جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اور یہ لڑکی پوری ڈرامہ تھی۔

"کیوں اپنی نویرہ آپی سے بھی ملنے کا ٹائم نہیں ہے۔ ملاقات کا اہتمام کروا رہی ہوں' تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔" وہ اپنی اوقات دکھانے سے باز نہیں آئی تھی۔ رضا کی آنکھیں لہو رنگ ہوئی تھیں۔

"لعنت بھیجتا ہوں میں تم پر اور تمہاری گھٹیا سوچ پر' رشتوں کا تمہیں ذرا بھی احساس' پاس چھو کر بھی نہیں گزرا۔"

"تم سے زیادہ اچھی طرح لحاظ ہے رشتوں کا' تم بتاؤ مجھے ساتھ لے کر جا رہے ہوں کہ نہیں؟" حق جتانا انداز تھا۔ وہ اور سلگا۔

"نہیں۔" اس نے صاف انکار کر کے قدم آگے بڑھائے تھے۔

"ٹھیک ہے مت لے جاؤ۔ آج پھوپھا جان گھر پر ہی ہیں انہوں نے ہی کہا تھا رضا کو لے جاؤ' کہہ دیتی ہوں تم انکار کر رہے ہو۔" وہ پوری فتنی تھی۔ رضا نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ آج واقعی حمید صاحب گھر پر ہی تھے۔ ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی اسی لیے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔

رضا اچھی طرح جانتا تھا ان تک بات پہنچنے کا مطلب ہے اپنی شامت بلانا۔ وہ ذرا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے کہ اکلوتا بیٹا ہے' اور رمشا کے معاملے میں تو وہ اسے اور بھی ذلیل کر دیتے تھے۔ اس نے کینہ توز نظروں سے رمشا کو دیکھا۔ جو اس کو مسکراتی نگاہوں سے جانچ رہی تھی۔ ایک دم جی چاہا کہ اس کے مسکراتے چہرے پر تیزاب انڈیل دے۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے جذبات پر قابو پایا تھا۔

"چلو۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔

رمشا پھپھو کو بتا کر بڑی مسرور سی اس کے پیچھے بائیک پر آ بیٹھی تھی۔ اس کی زندگی کا ایسا ناسور تھا جسے وہ چاہ کر بھی اپنے آپ سے الگ نہیں کر سکتا تھا۔ کتنا بے بس تھا۔ سارا رستہ وہ جلتا بھنتا رہا۔

بڑی اماں کے گھر کے سامنے اس نے بائیک روکی تھی۔ ہارن کی آواز پر چوکیدار بابا نے گیٹ کھولا تھا۔ اس نے دوبارہ بائیک اسٹارٹ کی۔

"تم اندر نہیں آ رہے؟"

"نہیں۔"

"آ جاؤ بھئی۔ پھر نہ کہنا کہ ملاقات کا موقع نہیں دیا۔" وہی طنزیہ انداز' رضا نے غصے سے بائیک اڑائی تھی۔ کتنی دیر تک وہ اپنا غصہ کنٹرول کرتا رہا تھا۔ نہ جانے رمشا کی فطرت ہی ایسی تھی یا پھر اس میں ضبط و برداشت کا مادہ نہ تھا۔ وہ کتنی دیر تک یونہی بے مقصد سڑکوں پر بائیک گھماتا رہا تھک ہار کر اس نے بائیک اکیڈمی کی جانب موڑی۔ اکیڈمی کے اندر آیا تو پہلی خبر جو منتظر تھی اس نے اسے سن کر دیا تھا۔

"سر نواز آئے ہوئے ہیں۔" کوئی اسٹوڈنٹ اسے خبر سنا کر کسی کمرے میں غائب ہو گیا تھا اور وہ

راہداری میں ہی کھڑا رہ گیا۔نواز فاروق کی یہ ذاتی اکیڈمی تھی بے شک اس کا انتظام فی الحال کسی دوست کے سپرد کیا ہوا تھا۔مگر دو ایک بار خود بھی چکر لگا چکا تھا۔ملاقات تو نہیں ہوئی تھی مگر پتا چلتا رہتا تھا شروع میں تو نواز کے پس منظر سے غائب ہونے پر کسی کو بھی علم نہ تھا کہ وہ کہاں گیا ہے مگر پھر رفتہ رفتہ سب کے علم میں آتا چلا گیا تھا' کہ وہ کراچی اپنے ماموؤں کے پاس ہے۔فاروق صاحب نے اس سے ہر طرح کا تعلق ختم کیا ہوا تھا۔مگر وہ اکیڈمی کا چکر ضرور لگاتا تھا۔

رضا نے اپنے آپ کو ہک اپ کیا تھا۔

''نواز بھائی کدھر ہیں؟'' اِدھر سے گزرتے کسی لڑکے سے پوچھا تھا۔

''اُدھر آفس میں۔''

وہ سیدھا اِدھر چلا آیا تھا۔دروازے کے ہینڈل پر ابھی ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اندر سے آتی آواز نے اس کے قدموں میں زنجیر ڈالی تھی۔

''بہت بُرا کیا تم نے نواز! ہم تو خاندان بھر میں سر اٹھا کر جینے کے قابل نہیں رہے۔نویرہ کو دیکھتی ہوں تو دل چھلنی ہوتا ہے۔خالدہ کو اسے کہیں نہ کہیں تو بیاہنا ہی تھا۔شارق کے ساتھ آباد ہے۔اللہ اسے آباد ہی رکھے۔کیا کیا خواب نہ دیکھے تھے میں نے تم دونوں کے حوالے سے مگر.....'' یہ رضیہ چچی تھیں۔نواز کو گھر میں قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی تو رضیہ چچی شاید نواز سے ملنے آئی تھیں۔

''کوئی یوں بھی کرتا ہے۔تم ایک ہی بیٹے تھے میرے' تم نے بھی یہ دن دکھایا مجھے' ماں ہوں۔دل تمہاری طرح پتھر نہیں کر سکتی جو تمہاری آمد کا سن کر سب بھلائے چلی آئی ہوں۔''

چچی بیگم کی گریہ وزاری ایسی تھی کہ رضا کو اپنا دل پگھلتا محسوس ہوا۔

''یقین تو مجھے تب بھی نہیں آیا تھا۔اب بھی نہیں ہے۔اب تو بتا دو تم نے نویرہ سے شادی سے انکار کیوں کیا؟ مجھے وہ وجہ نہ بتانا جو پہلے کہہ چکے ہو۔میں ماں ہوں میرا دل ان جھوٹے بہلاؤوں سے بہلنے والا نہیں۔اب تو بتا دو ایسی کیا مجبوری تھی جس کی وجہ سے یہ بن باس کاٹ رہے ہو۔'' رضا جو اندر قدم رکھنے والا تھا ایک دفعہ پھر رک گیا۔

نہ جانے نواز فاروق کیا کہنے والا تھا۔یہ تو وہ بھی یقین کرنے والا نہ تھا کہ نواز فاروق نے کسی لڑکی کے لیے نویرہ احسان کو ٹھکرایا ہو۔دل میں یہ بات تو ابھی بھی کھبی ہوئی تھی نواز نے ایسا کیوں کیا؟

''کیا بتاؤں آپ کو؟ کچھ ہے ہی نہیں بتانے والا جو پہلے کہا تھا وہی سچ تھا۔یقین کر لیں۔'' ٹھہری ہوئی پر ملال سی آواز تھی۔

''کیسے یقین کر لوں؟ اگر وہ سچ تھا تو پھر تمہارا لہجہ کیوں جھوٹ بولتا ہے بڑی بھاوج نے فون پر بتایا تھا وجہ کوئی اور ہے۔یونہی نہیں تم رات رات بھر جاگتے رہتے' میں دور ضرور بیٹھی ہوں مگر سب خبر ہے۔نویرہ کی تو شادی ہو چکی ہے۔آباد ہے آپا بتا رہی تھیں۔اب تو ماشاء اللہ سے وہ دوسرے جی سے ہے۔چند ماہ گزریں گے تو بیٹا یا بیٹی جیسی نعمت اس کی گود میں ہوگی اور تم نے۔خوش کیوں نہیں ہو تم؟ ماں' باپ' بہنیں' خاندان سب کو چھوڑا کیوں؟ بہت برا کیا تم نے بہت برا۔اپنے ساتھ ہی نہیں ہمارے ساتھ

بھی۔'' چچی بیگم ایک دفعہ پھر رو رہی تھیں۔رضا' چچی کے منہ سے ایک نیا انکشاف سُن کر ہکا بکا رہ گیا۔

اسے اپنا وجود ایک پل کو ہوا میں معلق محسوس ہوا تھا۔

''یہ تو ہونا ہی تھا۔'' نواز کا لہجہ ایک دم شکست خوردہ ہوا تھا۔

''یہ سب کچھ تو تمہارے دم سے بھی ہو سکتا تھا۔اگر تم انکار نہ کرتے تو۔'' چچی بیگم کا شکوہ ایسا تھا کہ نواز فاروق کئی ثانیوں تک مہر بہ لب رہا تھا۔

''ہاں اگر شارق زمان نویرہ کے ساتھ وہ سب نہ کرتا تو۔'' برداشت کرتے کرتے تنہا الزام سہتے سہتے نواز فاروق بھی ضبط کھو گیا تھا۔ویسے بھی پہلے ہی کون سا وہ بہت اعلیٰ ضبط کا مالک تھا اور وہ الزام جو اپنی مرضی سے اپنے ذمے لیا تھا' اس کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے شانے شل ہونے لگے تھے۔ضبط جواب دے رہا تھا۔ماں کے اس طرح الزام دینے نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔

وہ بھی کسی کے سامنے بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا۔کوئی تو ہو جو اسے الزام دینے کے بجائے حوصلہ دے۔اسے سمجھے اس کے مؤقف کو درست مانے۔ماں سے بڑھ کر بھلا کون ہے جو اولاد کو سمجھ سکتا ہو۔

نواز کا دل ماں کے سامنے راز عریاں کر دینے کو چاہ رہا تھا۔اور پھر الفاظ خود بخود ہونٹوں سے پھسلتے چلے گئے تھے۔

رضا جو نویرہ سے متعلق انکشاف سن کر واپس پلٹ رہا تھا۔پھر رک گیا تھا۔نواز کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ دل ایک دم دھڑک اٹھا تھا۔مزید نہ جانے اب کیا سننے کو ملنے والا تھا۔

''امی! وعدہ کریں آپ کسی کے سامنے اس واقعے کا ذکر نہیں کریں گی۔میں آپ کو کبھی کچھ نہ بتاتا۔ساری عمر انکار کا الزام اپنے سر لیے اسی طرح زندگی گزار دیتا' اگر آپ مجھے ذمہ دار نہ سمجھتیں تو۔نویرہ کی میں نے دل سے عزت کی ہے۔جب پہلے الزام اپنے سر لیا تھا تو اب بھی اس کو کبھی ذلیل نہیں ہونے دوں گا۔بس آپ وعدہ کریں کسی سے ذکر نہیں کریں گی۔میری طرح ہر بات دل میں ہی رکھیں گی۔کم از کم کوئی تو ایک ایسا ہو جو مجھے سمجھے' بجائے الزام دینے کے میرا دکھ بھی سمجھے۔امی میں نے بھی نویرہ کو دل کی تمام تر چاہتوں سمیت اپنانا چاہا تھا اپنے سارے جذبے اس کے نام کیے تھے۔'' رضا تو اپنے جذبوں سے باخبر تھا نواز کے الفاظ نے اسے سُن کر دیا تھا۔

''نواز میرا دل بند ہونے والا ہے بتاؤ کیا بات ہے؟'' رضیہ چچی تو نواز کے الفاظ سے ہی خوفزدہ ہو گئی تھیں۔

''آپ وعدہ کریں کسی سے کبھی ذکر نہیں کریں گی۔''

''تم بتاؤ تو سہی۔'' نواز کے انداز نے ان کا دل لرزا دیا تھا۔

''آپ کو نویرہ کے ہسپتال پہنچنے سے متعلق علم ہوگا ہی نا۔''

''ہاں تو۔''

رضا خود الجھا' بھلا یہ واقعہ بھولنے والا تھا۔

''امی! شارق زمان نویرہ کو پسند کرنے لگا تھا اور یہ بات نویرہ بھی جانتی تھی۔''

"کیا کہنا چاہتے ہو تم..... اس بات کا مطلب کیا ہے؟"

"امی! یہ ان دنوں کی ہی بات ہے جب بڑی امی کی ٹانگ کا فریکچر ہوا تھا اور نویرہ ان کے ہاں ٹھہری ہوئی تھی۔"

"تو؟"

"تو یہ کہ نویرہ دل کی تکلیف کی وجہ سے ہسپتال نہیں پہنچی تھی بلکہ اسے ہسپتال پہنچانے والا شارق خود تھا۔ شارق نے اس کے ساتھ۔" نہ جانے نواز اندر کیا کچھ کہہ رہا تھا۔

رضا کو لگا جیسے قیامت آ گئی ہو۔ اپنے اردگرد اسے دھماکے ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ اعصاب بکھر کر ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔ رضا نے دیوار سے ٹیک لگا کر خود کو گرنے سے بچایا۔

"نواز؟" رضیہ بیگم ششدر تھیں۔

"امی میں جھوٹ نہیں کہتا۔ خدا کی قسم..... یہ سب شارق نے خود مجھے اپنے منہ سے بتایا تھا۔ میں نے بہت سوچا تھا۔ میں نویرہ کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر شارق ایسا چاہتا تھا۔ وہ اپنے کیے کا بھگتان بھگتنے کو تیار تھا۔ وہ اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔ پھر آپ بتائیں میں ایسے میں کیا کرتا میں سوچ سوچ کر ہارا تھا۔ نویرہ سے متعلق کیا کچھ نہ سوچا تھا اور پھر اپنے ہی ہاتھوں سے سب ختم کرنا امی جان! کوئی آسان کام تو نہ تھا۔ میں نویرہ کو اپنا بھی لیتا۔ شارق کی کسی بکواس کو اہمیت نہ دیتا! اس کی غلطی کو نظر انداز کر دیتا مگر امی شارق کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ صبر کرنے والا انسان نہیں ہے۔ اگر اس نے میرے اور نویرہ کے رشتے بلکہ شادی کے قریب یہ حرکت کی تھی۔ تو وہ نہ جانے بعد میں کیا کچھ کرتا میں نے ہر پہلو سے سوچا تھا۔ وہ نویرہ کو بدنام کرتا نجانے کیا کچھ کر دیتا۔ میں ڈر گیا تھا۔ امی وہ بعد کی بدنامی کون برداشت کرتا میں یہ سب بھی کر لیتا مگر شارق کو کون سمجھاتا۔ میں شارق کے تیور پہچان چکا تھا' وہ رشتہ داری کا لحاظ بھی نہ کرتا اگر میں درمیان سے نہ ہٹتا۔" نواز نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔ رضیہ بیگم برستی آنکھوں سے دیکھے گئیں۔

"اتنا کچھ ہو گیا اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔ میں تو سمجھی تھی تمہارے جانے کے بعد شارق کا رشتہ آیا تھا تب میں کیا ہر کوئی یہی سمجھ رہا تھا۔ برے وقت میں شارق نے اپنا ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ہائے بہت بُرا کیا شارق نے نویرہ کے ساتھ۔ وہ تو دودھ کی طرح پاک صاف لڑکی تھی۔ اس کی گواہی سارا خاندان دینے کو تیار ہوتا تم ایک دفعہ کہتے تو سہی ہم خود نویرہ سے ساری بات کلیئر کرتے۔" وہ اب باقاعدہ رو رہی تھیں۔

"کیا فائدہ ہوتا کہنے کا۔ نویرہ تو بدنام ہو جاتی۔ میں نے تو یہی سوچا تھا کہ شارق کو اپنی غلطی کا احساس ہے' وہ ازالہ کرنا چاہتا ہے اور پھر عورت پر انگلی اٹھنا کوئی چھوٹی موٹی بات تو نہیں پوری نسل کی بنیاد ہوتی ہے ایک عورت۔ شارق کا ضمیر زندہ تھا جو اس نے اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کے بجائے اسے قبول کرنا چاہا تھا۔"

"ہاہ..... ہاہ..... پتا نہیں اچھا کیا کہ برا۔ مگر بچی تو رل گئی نا۔" رضیہ بیگم کا دکھ ہی کم نہیں ہو رہا تھا۔

"اللہ بہتر کرے گا۔ میری نیت بہت صاف تھی۔ میں نے دل کی تمام گہرائیوں سے اگر نویرہ کو اپنانا چاہا

تھا۔ تو اسے دل کی تمام گہرائیوں سے شارق کو سونپا تھا۔ شارق میں چند خامیاں ہیں۔ نویرہ کا کردار ایسا ہے کہ اگر شارق متاثر ہو کر اسے اپنا چکا ہے تو ان شاء اللہ نویرہ کے کردار کا کچھ نہ کچھ اثر اس پر بھی ہوگا۔ میں نے پہلے بھی صرف نویرہ کی بہتری سوچی تھی اور اب بھی اس کے حق میں دعا ہی کر رہا ہوں۔"

"آمین۔" رضیہ بیگم کی سسکی صاف تھی۔

رضا بہت آہستگی سے وہاں سے ہٹا تھا۔ لرزتے قدموں سے وہ اکیڈمی سے نکلا تھا۔ اتنے بڑے انکشاف نے اس کو پوری ذات سمیت ہلا دیا تھا۔

شارق زمان اتنا کچھ کر چکا تھا۔ وہ بے یقین تھا۔

اور نویرہ۔

اس پر کیا کچھ نہ بیتی ہوگی۔

وہ جوں جوں سوچتا جا رہا تھا۔ اضطراب کے گہرے سمندر میں غرق ہوتا جا رہا تھا۔

✡.....❁.....✡

سعد جمال کو اپنی شادی طے کر دینے کی خبر ملی تو وہ ایک دم پھٹ پڑا تھا۔

"یہ کیا کر دیا آپ نے؟ حد ہوتی ہے کسی چیز کی بھی میں ابھی تک اس رشتے کے لیے ہی آمادہ نہیں اور آپ لوگوں نے شادی تک طے کر دی۔ میری مرضی' میری رائے کی کوئی اہمیت ہی نہیں آپ کے نزدیک۔" آتش فشاں انداز تھا۔

یہ خوشخبری سنانے والے جمال صاحب تھے' رات کے وقت نفیسہ بیگم اور وہ سعد کو کال کر رہے تھے۔ وہ لوگ اپنے کمرے میں تھے اور ہادی وغیرہ اپنے کمرے میں۔

"تمیز سے بات کرو سعد! میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔ جو تمہارے لہجے کی عادی ہے۔ وہ تمہارے نخرے برداشت کر سکتی ہیں' میں نہیں۔ تمہیں اطلاع دے رہا ہوں۔ تمہاری رائے یا مرضی نہیں مانگی۔ کب تک آ رہے ہو۔"

ان کے انداز نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ سعد کے انکار وغیرہ سے وہ بخوبی واقف تھے مگر اس رشتے سے متعلق اس سے پہلی دفعہ بات کر رہے تھے۔

"ابو جان پلیز! اتنا بڑا فیصلہ اس قدر اچانک۔"

"اچانک کیسے تمہاری ماں تمہارے کان میں یہ بات ڈال چکی تھیں۔ کہ ہم لوگ فوراً شادی چاہ رہے ہیں۔"

"مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔" دوسری طرف سعد کچھ سخت لہجے میں بولا تھا۔

"صاف بات کرو۔ میں یہی سمجھوں کہ تم سرے انکار کر رہے ہو۔"

"ابو جان پلیز! اتنی جلدی کیسے ممکن ہے؟"

"سب ممکن ہے۔ تم مجھے اپنے آنے کی کنفرم ڈیٹ بتاؤ۔" ان کا انداز ذرا بھی رعایت دینے والا نہ تھا۔

"دیکھو برخوردار! یہاں ہم نے اس یقین پر تاریخ تک طے کر دی ہے کہ فرمانبردار اولاد والدین کی

رائے کو اہمیت دینے والی ہوتی ہے۔ نوشی کے ساتھ ہی زرش کی بھی رخصتی ہے۔ بات طے ہے۔ دن طے ہے' تم کل تک فون کر کے اپنے آنے کے یا نہ آنے دونوں کے متعلق بتا دینا۔ ایک دن کا وقت دے رہی ہوں مگر یہ سوچ کر انکار کرنا کہ اس انکار کے بعد تمہیں یہاں ہم سے سب تعلق ہی ختم کرنا ہوں گے۔ عقل مندی سے سوچنا اور عقل مندوں والا فیصلہ کرنا۔ تب تک کے لیے اللہ حافظ۔ کل رات اسی وقت تمہارے کال کا انتظار کروں گا۔" انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

نفیسہ بیگم متفکر سی شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"ٹال رہا ہے نا ہنجار میں تمہیں منع کر چکا تھا کہ اتنی جلدی شادی طے مت کرو۔ اس کے تیور مجھے اچھے نہیں لگ رہے۔ مگر تمہاری بھی یہی ضد تھی۔ کیا کر لیتا زیادہ سے زیادہ انکار کر دیتا۔ مگر اب اگر اس نے انکار کیا تو بہت بُرا کرے گا۔ میری بہن کا گھر ہے وہ' وہ پہلے ہی اس گھر میں بڑے دکھ دیکھ چکی ہے۔ زرش کوئی چھوٹی موٹی لڑکی نہیں ہے اگر سعد نے انکار کیا تو میں اسے عاق کر دوں گا۔"

"اللہ خیر کرے آپ ٹینشن کیوں لیتے ہیں۔ کچھ نہیں کرے گا۔ میں خود سمجھاؤں گی۔" ان کے برہم ہونے پر انہوں نے سبھاؤ سے کہا۔

"لگتا تو نہیں بات کرنے کا انداز ایسا تھا' کہ جیسے میں نہیں وہ میرا باپ ہے۔"

"کہا ہے نا فکر نہیں کریں۔ میں سمجھاؤں گی۔" انہوں نے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔ "میں اسے فون کر کے دیکھوں؟"

"رہنے دو۔"

"میں اس کی رائے جاننے کی کوشش کرتی ہوں۔ کچھ نہ ہوا تو سمجھاؤں گی ہی۔"

"کہا ہے نا رہنے دو۔ اسے خود سے سوچنے دو۔ کل میں خود ہی بات کروں گا۔ دعا کرو مان جائے۔"

"اللہ کرے۔" انہوں نے دعا کی تھی۔

"ہادیہ سے تو ذکر نہیں کیا؟"

"نہیں۔" انہوں نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کرنا بھی نہیں خوامخواہ پریشان ہو گی۔ کل کال کروں گا۔ پھر ہی کوئی بات کرنا۔"

"اگر سعد نے انکار کر دیا تو؟" ان کے اندر کا ڈر ان کی زبان پر آ گیا تھا۔

"تو پھر اسے اس گھر کا رستہ ہمیشہ کے لیے بھولنا ہو گا۔ ساری زندگی اس کی ہر بات مانی ہے۔ یہ بات تو اسے ماننا ہو گی۔"

نفیسہ بیگم چپ چاپ شوہر کو دیکھے گئیں۔ جو واقعی ہٹ کے پکے تھے۔

"اگر ایسا ہو گیا تو؟" ان کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁

ڈاکٹر ظفر کی کال آئی تھی۔ وہ سمعان احمد سے ملنا چاہتا تھا۔ بہت دن ہوئے تھے دونوں کی ملاقات

ہوئے۔

سمعان احمد کو اس کے ساتھ رات ڈنر کا پروگرام بنانا پڑا تھا۔ آفس سے جلدی گھر آ کر فریش ہونے کے بعد سمعان احمد نے ڈاکٹر ظفر کو اس کے کلینک سے پک کیا تھا۔ شکوے شکایت کے درمیان دونوں ہوٹل چلے آئے تھے۔

کچھ عرصے سے سمعان احمد اپنی ذات کو گویا بھول چکا تھا۔ بڑے دنوں بعد ڈاکٹر ظفر کی بھرپور رفاقت نے اندرونی و بیرونی طور پر بڑا خوشگوار تاثر چھوڑا تھا۔

"اب کہاں کا ارادہ ہے؟" کھانے سے فارغ ہو کر سمعان نے ڈاکٹر ظفر سے کہا تھا۔

"سی ویو چلیں' کیا خیال ہے؟"

"ناٹ بیڈ آئیڈیا۔"

"چلو پھر چلتے ہیں بڑا عرصہ ہوا ہے۔ دونوں نے مل کر ساحل سمندر کی ریت کو روندا نہیں۔" سمعان احمد دھیمے سے مسکرایا تھا۔

وہ دونوں جب وہاں پہنچے تھے رات کے نو بج رہے تھے۔

"سمعان! آج تمہارے چچا سے ملاقات ہوئی تھی۔" چلتے چلتے باتوں کے دوران اچانک ڈاکٹر ظفر نے کہا تھا۔

"کس سے چچا جان سے؟"

"تمہارے ایک ہی تو چچا جان ہیں انہی سے ہوئی ہے۔"

سمعان کے قدم غیر محسوس انداز میں سست پڑے تھے۔

"طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ اپنے ڈاکٹر کے پاس آئے تھے' میرا بھی اچانک سامنا ہو گیا تو سلام دعا ہو گئی۔"

"اچھا زیادہ طبیعت خراب تو نہیں تھی۔"

"نہیں ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔ بتا رہے تھے یونہی ای سی جی کروانے آئے تھے۔"

"ای سی جی پر۔" سمعان احمد کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں ابھریں۔

"میرے سامنے ہی انہوں نے ای سی جی کروائی تھی۔ ان کے دل کی پاور کچھ پرابلم کری ایٹ کر رہی ہے یار۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ وہ ٹینشن نہ لیں ورنہ ان کے دل پر بوجھ بڑھے گا جو کہ ہارٹ ورکنگ کے لیے نقصان دہ بھی ہے۔"

"اچھا کل میں پوچھوں گا ان سے۔"

"واپسی پر اپنے کلینک میں' ان کی گاڑی میں ہی لوٹا تھا۔ خوش مزاج انسان ہیں' ویسے پاپا وغیرہ سے ان کے اچھے خاصے تعلقات ہیں۔ بزنس بیسس پر میری فیلڈ ٹوٹل میڈیسن کی ہے سو مجھے نہیں پتا چلتا پاپا کے جاننے والوں کا' انکل تو سب کو ہی جانتے تھے۔ پاپا' چچا' بھائی وغیرہ سب کو۔"

"سمعان زرش کی شادی ہو رہی ہے۔" ڈاکٹر ظفر کی بات سنتے ہی سمعان ایک دم چونک گیا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"سعود انکل نے۔" ڈاکٹر ظفر کا انداز ایسا ملامتی تھا کہ سمعان نے نگاہوں کا رخ پھیر لیا۔

جب سے ان کے منہ سے ان کی دونوں بیٹیوں کی شادی کا سنا ہے۔ میں پریشان ہو گیا تھا۔ میں نے زرش کے نام کی وضاحت چاہی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ اس کی شادی اپنی بہن کے ہاں کر رہے ہیں۔

"سمعان تم نے مجھ سے اتنی بڑی بات چھپائی اگر انھیں زرش کی شادی ہی کرنی تھی تو تم میں کیا کمی تھی۔ بقول ان کے کہ وہ عجلت میں شادی کر رہے ہیں۔"

شکوہ بھرا انداز ایسا دکھی تھا کہ سمعان احمد ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو دیکھے گیا۔

"سمعان مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں یار! یوں سمجھو کہ قسمت میں بعض رشتے نہیں ہوتے۔"

"یہ سب کیا ہوا؟" دونوں چلتے چلتے رک گئے تھے ڈاکٹر ظفر نے بالکل سامنے کھڑے ہو کر سمعان کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"پتا نہیں۔ اب تو سب کچھ سٹیل ہو چکا ہے۔"

"تم مجھ سے ذکر تو کرتے؟" وہ بڑی دل گرفتگی سے کہہ رہا تھا۔

"تو پھر کیا ہو جاتا؟" بہت سنجیدگی سے پوچھا گیا تھا۔ چہرے پر بلا کا سکون رقم تھا۔ ڈاکٹر ظفر کا دل چاہا کہ کھینچ کر سمعان کو سینے سے لگا لے اور کہے اپنے اندر کا سارا درد بہا دو۔ سمعان کے سچے جذبوں سے آگاہی نہ ہوتی تو یہ سمجھا جاتا کہ سمعان کو کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر اب۔"

"تمہارے دل کا درد بانٹنے کی کوشش کرتا' پاگل۔"

"میں نارمل ہوں یار تم فکر نہیں کرو میں پہلے ہی ذہنی طور پر تیار تھا۔ یہ سب تو ہونا ہی تھا۔" سمعان نے مسکرا کر ظفر کو تسلی دی تھی مگر وہ مزید دکھی ہوا۔

"اور زرش؟ اس کا کیا ری ایکشن ہے؟"

"معلوم نہیں اصل میں یہ سب اتنا آناً فاناً ہوا ہے کہ میرا وہاں جانا ہی نہیں ہوا۔"

"اور زرش بھی تم لوگوں کے ہاں نہیں آتی؟" ڈاکٹر ظفر نے کریدا سمعان خاموش ہی رہا۔

"سمعان! ادھر بیٹھو' مجھے سب بتاؤ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں تمہارے چچا تمہارے ہوتے ہوئے کسی اور سے اپنی بیٹی کی شادی کر دیں ناممکن۔ ایسی تو کوئی بات ہوئی ہو گی جو نوبت یہاں تک پہنچی ہے۔ بتاؤ تھے چچا' ابھی زرش کے ایگزیم باقی ہیں مگر شادی کی تاریخ رکھنا پڑ گئی ہے۔"

دونوں نیچے ریت پر ہی ٹک گئے تھے۔ گویا اب بتانا ناگزیر ہو چکا تھا۔ سمعان احمد نے بڑی سفر کے ساتھ مختصراً بہت سی باتوں کو بیان کیے بغیر امی کی الزام تراشیاں اور دیگر باتوں کو سامنے لائے بغیر چیدہ سارا ماجرہ کہہ سنایا تھا۔

ڈاکٹر ظفر' دکھ' تاسف و ملال کے ساتھ سب سنتا گیا۔

اگلے دن فون کر کے انہوں نے سعد کی رائے جاننا چاہی تھی۔ سعد نے پانچ دن بعد واپسی کی ٹکٹ کنفرم کروانے کی جو خبر سنائی تو نفیسہ بیگم کا خوشی کے مارے برا حال ہونے لگا تھا۔ جمال صاحب بھی سعد کا فیصلہ جان کر ایک دم مطمئن سے ہو گئے تھے۔ انھیں یقین تھا سعد یہی فیصلہ کرے گا۔ دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔

نوشین کے سلسلے میں تقریباً ساری تیاری مکمل ہی تھی جبکہ زرش کے سلسلے میں صرف شادی کی حد تک شادی کر رہے تھے' باقی تو بعد میں بھی ہوتا رہنا تھا۔ سعود احمد کا سب کچھ ان بچیوں کا ہی تو تھا سو وہ کوئی کمی نہیں رہنے دینا چاہتے تھے۔

شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں بازار وغیرہ کا سارا کام شائستہ بیگم نے ہی سنبھالا ہوا تھا مگر دیگر کاموں کا سارا بار سعود احمد کے کندھوں پر تھا۔ ایسے موقعوں پر انھیں حقیقی بیٹے کے کمی کا احساس بڑی شدت سے ہونے لگا تھا۔ سعید احمد کی اولاد کو اپنی اولاد سمجھا تھا۔ سمعان علی عثمان نے کبھی بیٹے کی کمی محسوس ہی نہیں ہونے دی تھی۔ حالات کچھ بھی رہے ہوں مگر اب سمعان نے جب سے ان سے شرمندہ ہونا شروع کیا تھا انہیں بہت کچھ ختم ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

اس دن آفس میں ان کی طبیعت کچھ خراب سی ہو گئی تھی۔ سعید احمد آفس میں تھے' سمعان کو اطلاع ملی تو فوراً ان کے روم میں آیا تھا۔

"کیا ہوا چچا جان؟" وہ سائیڈ کے صوفوں پر تھے۔

"کچھ نہیں بیٹا! یونہی درد سا ہونے لگا تھا۔ میڈیسن لی ہے۔ افاقہ ہو جاتا ہے۔ ابھی۔"

"ڈاکٹر کو بلواؤں؟" سمعان احمد پریشانی سے ان کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔

"نہیں یار' اب اتنی زیادہ بھی طبیعت خراب نہیں ہوئی۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تھا مگر ان کے چہرے کے تاثر نے ان کی مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔

"آپ کو اگنور نہیں کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر کو دکھا لیتے ہیں خدانخواستہ یہ ہلکا سا درد زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ آفس کے کام تو چلتے رہیں گے آپ اٹھیں ڈاکٹر کو دکھا کر گھر چل کر آرام کریں۔"

"رہنے دو یار' اس عمر میں درد تو جاگتے ہی رہتے ہیں۔" انہوں نے مسکرا کر ٹالا تھا مگر سمعان احمد نے ان کے ٹالنے کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی تھی۔ سب کچھ وہیں چھوڑ کر ان کو ساتھ لے کر ڈاکٹر کے پاس چلے آئے تھے۔

ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد تسلی دی تھی اس ہدایت کے ساتھ کہ ٹینشن نہ لیں۔

"یار! ٹینشن تو اس زندگی کا حصہ ہے۔ جس انسان کو ٹینشن نہ ہو اسے نہ ہونے کی ٹینشن ہوتی ہے۔ اب انسان بے چارہ کیا کرے۔" ان کا حوصلہ کمال تھا۔ سمعان مسکرا دیا تھا۔

"کوئی سیریس بات تو نہیں ڈاکٹر۔" سمعان نے علیحدہ سے پوچھا تھا۔

"نہیں کوئی خاص تو نہیں۔ میرا خیال ہے سعود احمد اپنی بچیوں کی شادی کے سلسلے میں کچھ زیادہ ہی برڈن محسوس کر رہے ہیں جو ان کی ذہنی ٹینشن کا سبب بن رہا ہے اگر یہ پازیٹو سوچیں تو بالکل نارمل رہ سکتے

ہیں۔"

"انہوں نے کچھ میڈیسن تجویز کی تھیں ساتھ میں ریسٹ بھی۔

"سعود احمد کا ڈرائیور گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ دونوں پچھلی سیٹ پر تھے۔ سمعان کا ارادہ ان کو گھر چھوڑ کر خود آفس جانے کا تھا۔

"سمعان!"

"جی چچا جان!"

"ناراض ہو ہم سے۔" انہوں نے محبت سے سمعان کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"نہیں تو۔ آپ نے ایسا کیوں سوچا؟" سمعان نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

"سمعان تم سے بڑھ کر میرے لیے کون اہم ہوگا۔ میں نے اور شائستہ نے تمہیں حقیقی بیٹے کی طرح ہی ہمیشہ چاہا ہے۔ تم تو ہمارے گھر کا رستہ ہی بھول گئے ہو۔ رشتہ ہونا یا نہ ہونا قسمت کی بات تھی۔ تم جب مجھ سے نگاہیں چراتے ہو تو مجھے بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔" انہوں نے دل کا بوجھ اتارا تھا۔ سمعان احمد نے محبت سے ان کے ہاتھ تھامے۔

"سوری چچا جان! میری وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو تو۔ ہاں میں آپ سے شرمندہ ہوں مگر میں آپ سے کوئی رشتہ نہیں بھولا۔ آپ کا ہم پر حق ہے۔ آپ حکم کریں۔"

"تمہاری چچی بھی تمہارا روز پوچھتی ہیں۔ گھر آتے ہی نہیں ہو تم۔"

"آپ کے سامنے ہی سارے کام ہیں۔ سارا دن فرصت ہی نہیں ملتی۔" سمعان کے جواز پر وہ ہلکے سے مسکرا دیے تھے۔

"پہلے بھی تو یہی کام تھے۔" شکوہ لبوں سے پھسل گیا تھا۔

"میں چکر لگانے کی کوشش کروں گا۔" سمعان نے ٹالا تھا۔ ان کے دل کو اک تکلیف سی ہوئی تھی۔ کتنے فاصلے آگئے تھے درمیان میں۔

وہ چاہ کر بھی اسے اپنے گھر لے جانے پر مجبور نہیں کر سکتے تھے۔

"میرے ساتھ چل تو رہے ہو۔ چچی سے بھی مل لینا بڑی خوش ہوں گی تم سے مل کر۔"

سمعان نے خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھا تھا۔ کتنی آس تھی آنکھوں میں۔ کتنا یقین تھا۔ سمعان احمد نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

عصر کے قریب کا وقت تھا۔ یقیناً اس وقت سبھی گھر پر ہی ہوں گے۔ سمعان کی سوچیں عجیب سی کروٹیں لینے لگی تھیں۔ دھیان کے پردے میں اک عکس بننے ابھرنے لگا تھا۔ سمعان احمد نے بروقت خود کو سنبھالا تھا۔ گاڑی سیدھی پورچ میں جا کر رکی تھی، ایک لمحے کو سمعان احمد کے دل کی دھڑکن بڑھی تھی دل چاہا تھا کہ واپس لوٹ جائے' اندر نہ جائے مگر پھر اپنے آپ کو سنبھال لیا کہ یہ مشکل مرحلہ زندگی میں کبھی آنا تو تھا ہی۔ تو اب کیوں نہیں۔

"چلو سمعان احمد! لگے ہاتھوں تم اپنی برداشت کو بھی آزما لو۔" سمعان نے خود کو تھپکی دی تھی۔

ٹی وی لاؤنج سے ملی جلی آوازوں نے انہیں وہیں کا رخ کرنے دیا تھا۔

"السلام علیکم۔"

کئی چہروں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ ہادیہ' ستارہ' نفیسہ پھپھو' نوشین' چچی اور ان سب کے درمیان قالین پر بیٹھی ڈھیروں زیور سجائے سب کی توجہ کا مرکز بنی زرش نے۔

"وعلیکم السلام۔ ارے سمعان آیا ہے۔" شائستہ بیگم تو سمعان کو دیکھ کر ایک دم سب چھوڑ کر اٹھی تھیں۔ سمعان نے مسکرا کر انہیں پھر سلام کیا تھا۔ انہوں نے والہانہ پن سے دونوں ہاتھوں میں چہرہ تھام کر پیشانی چومی تھی۔

"تم کو آج ہماری یاد کیسے آگئی؟" ان کا شکوہ بجا تھا۔ سعود احمد مسکرائے۔

"اس کو اندر تو جانے دیں۔" دونوں ابھی تک دروازے میں رکے ہوئے تھے۔ شائستہ نے فوراً رستہ دیا تھا۔

زرش اس دوران سارے زیور اتار کر پھپھو کی جھولی میں ڈال چکی تھی۔ سر پر ڈوپٹہ اوڑھ کر ایک دم رخ بھی بدلا تھا۔

"السلام علیکم پھپھو جان کیسی ہیں؟"

"وعلیکم السلام تم سناؤ؟"

"اللہ کا شکر ہے۔" پھپھو کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"بھائی صاحب کیسے ہیں؟ علی' فرح۔" شائستہ اور سعود صاحب ساتھ ہی آبیٹھے تھے۔

"ٹھیک ہیں۔"

"آج آپ آفس سے اتنی جلدی آگئے ہیں؟"

"کیوں آپ کو ہمارا جلدی گھر آنا اچھا نہیں لگا۔" سعود احمد نے مسکرا کر کہا تو سبھی ہنس دیے۔ شائستہ بیگم جھینپ گئی تھیں۔

"آپ بھی حد کرتے ہیں طبیعت کا پوچھ رہی ہوں' خیریت ہے نا؟"

"اللہ کا شکر ہے۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔" ان کا اشارہ اردگرد موجود پھیلاوے کی طرف تھا۔

"کچھ نہیں۔ میں اور ستارہ شاپنگ کے لیے گئی تھیں کچھ کپڑے اور زیور لیے تھے' سوچا زرش کو بھی دکھا لوں کہ کیسا ہے۔ پسند بھی ہے یا نہیں۔"

سمعان نے ایک غیر ارادی نگاہ زرش کی طرف کی۔ ستارہ کے ساتھ بہت دھیمے لہجے میں محوِ گفتگو تھی بے شک اس کی طرف پشت تھی مگر سائیڈ سے چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔

"یہ زیور لیا ہے۔ صبح فون کر کے زرش سے کہا بھی تھا کہ ساتھ چل کے پسند کر لے مگر یہ مانی ہی نہیں۔ میں ہادیہ اور ستارہ گئی تھیں۔" وہ اب سعود احمد کو زیور دکھا رہی تھیں۔

"بہت اچھا ہے۔ بہت بھاری بھی۔" سعود احمد نے تعریف کی تھی۔

"ارمانوں سے خرید رہی ہوں اللہ پہننا نصیب کرے۔"

دوئم

''آمین۔'' شائستہ بیگم نے خاموش اپنے ہاتھوں کو دیکھتے سمعان کو دیکھا تو ان کے دل میں اک لہر اٹھی تھی۔

''ہادیہ بیٹا۔ یہ سارا سامان تو سمیٹو۔ نوشین! اٹھو بھائی کے لیے کچھ کھانے پینے کے لیے لاؤ۔''

''نہیں چچی جان! کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ سیدھا آفس سے اٹھ کر آیا ہوں' چچا جان سے پوچھ لیں۔ واپس آفس جانا ہے۔ پھر کبھی سہی۔'' سمعان احمد کا انداز وہی تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی زرش نے اس قدر مطمئن آواز کی طرف دیکھا۔ اس کی زندگی کو بے آرام کر کے سمعان احمد کیسے مطمئن ہو سکتا ہے۔ اس کی سوچ تک میں کڑواہٹ گھلی تھی۔ اسی لمحے سمعان کی بھی نگاہ اٹھی تھی۔ زرش نے جو بڑے عجیب انداز میں دیکھ رہی تھی تلخی سے رخ موڑ لیا تھا۔ اک واضح تنفر تھا اس کے انداز میں۔ سمعان کے اندر چھن سے کوئی چیز ٹوٹی تھی۔

بس وہ اسی لمحے سے بھاگ رہا تھا۔ زرش کی اس اک نگاہ میں کیا کچھ نہ تھا۔ دکھ' اذیت' ملال' شکوہ اور سب سے بڑھ کر الزام دیتی نگاہ میں مجرم قرار دیتا احساس تھا۔ جو بہت ہی تلخ اور نفرت بھرا تھا۔

''تو کیا زرش مجھ سے نفرت کرنے لگ گئی ہے؟'' یہ سوال ایسا تھا کہ سمعان بے اختیار اٹھ بیٹھا تھا۔

''بیٹھو سمعان! کھڑے کیوں ہو گئے ہو۔ کچھ کھائے پیے بغیر تو جانے نہیں دوں گی۔ اتنے دنوں بعد آئے ہو۔'' چچی کی محبت کا وہی عالم تھا مگر سمعان احمد کے لیے اب ایک پل بھی مزید وہاں ٹھہرنا ناممکن تھا۔

''پھر سہی۔ ابھی جانے دیں۔ آفس کے بہت سے کام ادھورے چھوڑ کر آیا ہوں۔ چچا جان نے آنے کا کہا تو انکار نہیں کر سکا۔ پلیز۔'' سمعان کا انداز ایسا تھا کہ شائستہ بیگم خاموش ہو گئی تھیں مگر دل چاہ رہا تھا اسے ابھی مت جانے دیں۔

کچھ دیر تو ٹھہرے
کچھ اس کی سنیں
کچھ اپنے دل کی سنائیں
مگر جانے والوں کو کب کوئی روک سکا ہے۔

اور اب

سمعان سب کو خدا حافظ کہتا وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔

سمعان کے نکلتے ہی زرش بھی اٹھی تھی۔

''ایک منٹ میں پانی پی کر آتی ہوں۔'' ستارہ کو کہہ کر وہ بھاگ کر اپنے کمرے کی طرف آئی تھی۔ اتنی تیزی سے کہ جوتا پہننا بھول گئی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر اسٹڈ دراز کھول کر کچھ نکالا تھا۔ اور پھر اسی تیز رفتاری سے باہر کی طرف بھاگی تھی۔

''سنیے۔'' سست قدموں سے جاتا سمعان احمد بس گیٹ سے نکلنے ہی والا تھا اس پکار نے قدموں میں زنجیر ڈالی تھی۔

دوئم

سمعان فوراً پلٹا تھا۔

زرش اس کے سامنے تھی۔ ننگے پاؤں' پھولی سانسوں سمیت۔

ایک پل کو ٹھہر کر اس نے اپنی سانس ہموار کی تھی۔

سمعان جو اس کی اک نفرت بھری نگاہ کے الزام کا بار اٹھائے چل رہا تھا۔ یوں پکارے جانے پر حیران سا تھا۔

''تم؟'' کچھ کہنے کی کوشش میں لب صرف پھڑ پھڑا ہی سکے تھے۔

''سوری مجھے آپ کو روکنا تو نہیں چاہیے تھا مگر کیا کرتی پھر شاید موقع نہ ملتا۔'' وہ اپنی سانس ہموار کر کے سپاٹ چہرہ لیے مخاطب تھی۔

''آپ کی ایک امانت تھی میرے پاس۔'' اس کا انداز ہنوز وہی تھا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ سمعان احمد کی طرف بڑھا کر اس کے سامنے بند مٹھی کھول دی تھی۔ گداز مرمریں ہاتھ کی گلابی ہتھیلی پر دھرا لاکٹ سمعان احمد کا منہ چڑا رہا تھا۔

''یہ آپ کا دیا ہوا لاکٹ..... میں واقعی بڑی احمق ہوں جو آپ کے اس تحفے کا مطلب نہ سمجھ سکی اور جو آپ چاہتے تھے وہ تو ہو گیا۔ اب اس تحفے کا میرے پاس رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ پلیز لے جائیں اس کو۔'' کتنا سخت' اذیت سے بھرا کسی بھی احساس سے عاری لہجہ تھا۔

سمعان کے اندر شدید احتجاج نے سر اٹھایا تھا۔ بہت برہمی سے اپنے جذبوں کی اس طرح توہین کرتے وجود کو دیکھا۔

''میری سوچ غلط یا گھٹیا نہیں تھی ٹھیک ہے حالات میرے حق میں سازگار نہیں رہے تھے۔ مگر تم مجھے الزام نہیں دے سکتیں۔''

''تو میں آپ کو الزام کب دے رہی ہوں۔ میں کہہ تو رہی ہوں میں احمق تھی۔ اور پلیز میں کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں نے سوچا تھا میں کبھی آپ سے سامنا نہیں کروں گی مگر مجھے آپ سے نہ صرف سامنا کرنا پڑ رہا ہے بلکہ بات بھی کر رہی ہوں۔ اس تحفے کے ساتھ آپ اور آپ کی والدہ کی بڑی ممنون ہوں۔ جنہوں نے مجھے ایسی آگہی دی ہے جو شاید ساری زندگی کی ٹھوکروں سے بھی مجھے حاصل نہ ہو پاتی۔ میں نے ہمیشہ رشتوں کی پاکیزگی کا خیال رکھا تھا۔ مگر میری قسمت' پلیز آپ یہ لے لیں۔ میں مزید آپ کے نام کا کوئی الزام نہیں سہہ سکتی۔'' اس نے ہتھیلی بدستور سمعان کی طرف پھیلائے رکھی تھی۔ سمعان احمد چند پل اسے دیکھے گیا تھا۔

بغیر کوئی لحاظ و مروّت کے وہ لاکٹ اٹھائے جانے کی منتظر تھی۔ اس کی نگاہوں میں شدید ملامت کا احساس تھا۔ پچھلے کسی حوالے کا رشتہ داری و مروّت کا شائبہ تک نہ تھا۔ سمعان احمد کے نام کی مالا جپنے والی نہایت تلخ الفاظ بول رہی تھی۔ سمعان احمد کی دیوانی سرتاپا بدل گئی تھی۔ وہ اس سارے واقعے کا الزام سمعان احمد کو دے رہی تھی۔ سمعان کے اندر جیسے طوفان برپا ہوا تھا۔

تند و تیز سیلِ رواں نے منہ پھاڑا تھا مگر ضبط کمال کا تھا۔

دوئم

"میں تحفہ دے کر واپس لینے والوں میں نہیں ہوں۔"

زرش نے غصے سے دیکھا۔ "یہ تمہاری چیز ہے اگر تم اپنی سوچ میں آزاد ہو تو اپنے ہر عمل بھی ہو۔ بے شک کہیں پھینک دو۔ میں یہ واپس نہیں لوں گا۔ میں جھوٹا نہیں تھا۔ حالات نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ مجھے قسمت کو بدلنا آتا ہے مگر میں اپنے رشتوں سے ہار گیا۔ تم اپنی سوچ میں آزاد ہو جو مرضی سوچو، جو مرضی کہو، تم اس وقت حق پر ہو۔ سعد کے ساتھ شادی مبارک ہو۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اللہ حافظ۔"

"رکیے سمعان بھائی! پلیز یہ لے جائیں۔" سمعان نے جانے کو قدم اٹھائے ہی تھے کہ وہ فوراً سامنے آ گئی تھی۔ آواز میں التجا در آئی تھی۔

"مجھے آپ کے نام کی کوئی بھی چیز نہیں رکھنا لے جائیں اس کو۔"

سمعان نے ایک دو پل اسے دیکھا تھا۔ وہ بے لچک انداز لیے ہوئے تھی۔

"جب تمہارے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں تو پھر میں اس کا کیا کروں گا۔" سمعان نے وہ لاکٹ پکڑ لیا تھا۔ زرش نے سکھ کا سانس لیا مگر اگلا پل اس کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔

"زبردستی نام لکھوا لینے سے قسمت بدل نہیں جاتی، ہے نا زرش سعود احمد۔" سمعان نے وہ لاکٹ تیزی سے گیٹ کے پاس پڑے ڈسٹ بن میں ڈال رہا تھا۔

"اب مطمئن ہو جاؤ میرے نام کی کوئی بھی چیز تمہارے پاس نہیں۔" سمعان جذباتیت کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ مگر اس وقت یہ حرکت خود بخود اس سے سرزد ہوئی تھی۔

زرش منہ پر ہاتھ رکھے ششدر کھڑی رہ گئی تھی۔

سمعان یہ حرکت بھی کر سکتا ہے اسے توقع نہ تھی۔

سمعان نے ایک نگاہ ششدر کھڑے وجود پر ڈالی اور پھر تیزی سے قدم باہر کی طرف بڑھا لیے تھے۔

سمعان کے باہر نکلتے ہی اس کی آنکھیں ایک دم برسنا شروع ہو گئی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر ڈسٹ بن میں جھانکا کچرے کے اوپر گرا لاکٹ جھلملاتی نگاہوں سے بھی نظر آ گیا تھا۔

دوئم

سعد جمال پاکستان آ چکا تھا۔ فرح نے ایک دن پہلے علی سے سعد کی آمد کی خبر سنی تھی۔ تب سے وہ جلے پیر کی بلی بنی ہوئی تھی۔ احساسات ایسے ہو رہے تھے کہ کسی پل چین نہ آ رہا تھا۔

وہ کالج مسلسل جا رہی تھی۔ زرش شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد مسلسل تو نہیں مگر ایک دو دن بعد ضرور جا رہی تھی۔ آج بھی زرش کالج گئی تھی دونوں ساتھ ساتھ ہی رہی تھیں مگر اجنبیوں کی طرح اور زرش کا یہ اجنبیوں والا رویہ اس کا دل مزید چھلنی کر رہا تھا۔

گھر آ کر لباس بدل کر اس کے لیے ماجدہ کا پیغام تھا کہ کھانا کھا لے۔ وہ ٹیبل پر پہنچی تو حیرت ہوئی آج سبھی گھر میں تھے۔ ابو، بھائی، علی تو کالج سے لوٹا تھا اور امی بھی۔ اب ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانا بہت ہی کم نصیب ہوتا تھا۔ کھانے کے دوران پاپا اور سمعان میٹنگ کی ہی باتیں کرتے رہے تھے۔ وہ خاموشی سے کھاتی رہی۔

کال بیل کی تیز آواز نے سب کو متوجہ کیا تھا۔

کھانا کھا کر وہ چائے بنا کر لائی تھی۔ اس وقت لاؤنج میں سبھی تھے سوائے طاہرہ بیگم کے۔

"علی دیکھو کون ہے؟" علی قالین پر بیٹھا ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔ سعد صاحب کے کہنے پر اٹھنے لگا۔

"میں دیکھتی ہوں۔" فرح ٹرے رکھ کر باہر نکل آئی تھی۔ گیٹ کھولنے پر اسے جو شخصیت سامنے نظر آئی تھی اسے دیکھ کر وہ کئی ثانیے کو ساکت رہ گئی تھی۔

"سعد جمال۔" بہت عرصے بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ پورا وجود گویا پتھر بن گیا تھا۔ پاکستان آنے کے دو دن بعد وہ ان کے ہاں آیا تھا۔

"اسلام علیکم۔" وہ چونکی تھی۔ گزرے بہت سے لمحے یاد آتے چلے گئے۔ آنکھوں میں نمی سی اتر آئی تھی۔

"اندر آنے نہیں دو گی۔" وہ دروازے پر ایستادہ تھی، جیسے اس کا رستہ روکے ہوئے ہو۔ اندر کے ابال کو پلکیں جھپک کر روکتے ہوئے وہ سائیڈ پر ہو گئی تھی۔

"ناراض ہو۔" اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ فرح سختی سے لب دبائے آگے بڑھتی رہی تھی۔

"فرح!..... فرحی! پلیز..... کچھ تو کہو۔" وہ اس کے سامنے آیا تھا۔ فرح نے سر اٹھا کر ملامتی انداز سے اسے دیکھا۔

"سوری۔" وہ سائیڈ پر ہو گیا تھا۔

وہ خاموشی سے اندر چلی گئی۔

سعد نے عجیب پژمردہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ایک طویل سانس فضا میں شامل کرتے ہوئے اس نے اندر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"اسلام علیکم۔"

اس آواز پر کسی فائل پر ڈسکشن کرتے دونوں باپ بیٹا ہی نہ صرف متوجہ ہوئے تھے بلکہ علی کے ہاتھ سے ریموٹ کنٹرول بھی چھوٹا تھا۔

"سعد" سب کے لب ہلے تھے اور پھر سب ہی اذیت سے دوچار ہوئے تھے۔

"کیسے ہیں ماموں جان!" آگے بڑھ کر وہ ماموں کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔انہوں نے بڑی محبت و گرمجوشی سے سینے سے لگالیا کہ بہر حال وہ ان کا بھانجا پہلے تھا۔

سمعان بہت ہی نارمل انداز سے گلے ملا تھا۔علی کا انداز کچھ ڈسٹربنگ تھا وہ ملتے ہی باہر نکل گیا تھا۔فرح اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔طاہرہ بیگم کو سعد کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ بھی فوراً اپنے کمرے سے نکل آئی تھیں۔

ان سے سلام دعا کرتے سعد کا انداز پھیکا سا تھا۔

سعید احمد سعد سے ان کی تعلیم مصروفیات اور امریکہ کے قیام سے متعلق ہی استفسار کرتے رہے تھے۔انہیں کہیں میٹنگ پر جانا تھا۔کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے تھے۔سمعان احمد نے ہی سعد کو کمپنی دی تھی۔

دونوں کے درمیان دو تین سالوں کا فرق تھا مگر ہم عمر ہونے کی وجہ سے کبھی بڑی بے تکلفی تھی۔سمعان تعلیم مکمل کرتے ہی بزنس میں انوالو ہو گیا تھا تو سعد اپنی ہاؤس جاب مکمل کرتے ہی مزید تعلیم کے لیے باہر چلا گیا تھا۔دوران تعلیم وہ چکر لگاتا رہا تھا۔مگر اب کے پورے ڈیڑھ سال بعد پاکستان آنا ہوا تھا۔مگر یہاں بہت کچھ بدلا ہوا تھا۔نہ صرف سعد کی بے تکلفی بلکہ سمعان احمد کے انداز میں بھی بلا کی جھجک تھی۔دونوں ہی ایک دوسرے سے مخاطب بار بار رک جاتے تھے نگاہیں پھیر لیتے تھے۔

ماجدہ نے چائے بنا کر پیش کی تھی چائے پی کر سعد سمعان کے ساتھ اس کے کمرے میں چلا گیا تو طاہرہ بیگم سب کے رویوں پر کڑھنے لگیں۔

اپنے ہی گھر میں وہ اجنبی بن کر رہ گئی تھیں۔

فرح علی سمعان سبھی ان سے کبھی کلام نہیں کرتے تھے اور سعید احمد ان کے چپ کی مار سب پر بھاری تھی۔

اپنے گھر کے سناٹوں سے گھبرا کر کبھی دل اتنا گھبراتا کہ ایک دم وحشت زدہ ہو جاتیں ایسے میں جی چاہتا تھا کہ اپنے گھر سمیت ہر چیز کو آگ لگا دیں۔

فرح اپنے کمرے میں آ کر خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ذہن کسی بھی نقطے پر نہیں ٹھہر رہا تھا۔

اضطراب وحشت دکھ ان احساسات سے اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔اس نے اس شخص کو کبھی

دانستہ نہیں سوچا تھا۔مگر نادانستگی میں ہی اس شخص کو لعنت ملامت کرتے اس نے پہروں سوچا تھا۔اس شخص کی آنے والی گم نام کال نے اس کی توجہ میں اپنا حصہ ڈالا تھا۔اس کے جذبوں کو عجب احساس آگہی دیا اور پھر جب سمعان کے کہنے پر اس شخص سے بات کی تو سب نقش پانی کے بھنور ثابت ہوئے تھے۔دل کی بستی میں ابھی کونپل نے اپنے ہونے کا پتہ بھی نہیں دیا تھا کہ نہ ہونے کے دکھ میں مبتلا کر دیا تھا۔

ماں باپ کے حالات نے ایسی سمجھداری دی تھی کہ آنکھوں نے کم سنی سے ہی خوابوں سے تعلق توڑ لیا تھا۔مگر گمنام آواز اس کی آنکھوں میں رنگ ضرور بکھیر دیتی تھی۔دل میں جہاں وحشتوں کا راج ہونے لگتا تھا وہاں اک میٹھا سا احساس بھی کروٹ لینے لگتا تھا۔آنکھیں تو فوراً دیئے جلا دیتی ہیں۔انجان شاعرانہ لفظوں نے آنکھوں کے پار بڑی خاموشی سے رازداری کا مظاہرہ کرتے ڈر و خوف کے جھولے میں جھولتے دیپ جلا لیے تھے مگر بادِ صرصر وہ دیپ بجھا چکی تھی۔

وہ کس کس چیز کا ماتم کرتی۔

سمعان احمد کے دل کی بربادی کا۔

زرش کی بے گناہی کا۔

ماں کے ظالمانہ سلوک کا یا پھر اپنے اندر رہنے والی لڑکی کے احساسات کے کچلنے کا۔

وہ سعد جمال سے ناراض نہیں تھی۔

وہ اس کے ڈرامے پر اس سے خفا تھی مگر ناراض نہیں تھی۔سمعان کے سمجھانے پر اس کا دل سعد جمال کا گرویدہ ہونے کو ہی تھا کہ سارا منظر بدل گیا تھا۔مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔وہ گریہ وزاری نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ زرش کے حق میں اس شخص کے لیے دعا مانگنے کی کوشش میں بلک بلک کر رو دی تھی۔

بڑے برے وقت میں آ کر اسے اپنے لٹنے کا احساس ہو رہا تھا۔

پہلے سمعان کا دکھ رُلاتا تھا مگر اب اپنی آگہی کا دکھ خون کے آنسو بہانے پر مجبور کر رہا تھا۔

نہ جانے کتنا وقت بیتا تھا۔

آنے والا نہ جانے گیا تھا کہ نہیں۔

وہ اپنا چہرہ صاف کرنے باتھ روم میں گھس گئی تھی۔منہ ہاتھ دھو کر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔

طوفان پانی کا ہو یا آنسوؤں کا تباہی کے اثرات شدید ترین ہوتے ہیں اس نے اپنی نم سوجی آنکھوں کو مسلا۔چہرے پر کولڈ کریم لگا کر چہرے کی سرخی کم کرنا چاہی تھی مگر آنکھوں کی سرخی جوں کی توں تھی۔

"سعد بھائی چلے گئے۔" کچن میں کام کرتی ماجدہ سے آ کر پوچھا۔

"جی سمعان صاحب کے ساتھ چلے گئے تھے۔"

فرح نے سکھ کا سانس لیا

ایک کپ چائے بنا کر لان میں دے جاؤ۔میں اُدھر ہی ہوں۔" ماجدہ سے کہہ کر وہ لان میں آ بیٹھی تھی۔لان ہرا بھرا تھا پھول کھلے ہوئے تھے مگر اسے لگ رہا تھا کہ جیسے ان کے گھر کے اندر اک خزاں ٹھہر

گئی ہے۔جس کا نہ جانے کوئی اختتام بھی تھا کہ نہیں۔

ماجدہ چائے تیار کر کے دے گئی تھی۔

دوپہر ڈھلتی شام کی آہٹوں کا پتا دے رہی تھی۔

سمعان احمد نے گیٹ سے اندر گاڑی بڑھائی تو پہلی نگاہ اسی پر ہی پڑی تھی وہ بھی متوجہ تھی۔سمعان نے وہیں گاڑی روک کر اس کی طرف پیش قدمی کی تھی۔آج سمعان جلدی گھر آ گیا تھا۔ارادہ فرح اور علی کے ساتھ آؤٹنگ کا پروگرام تھا مگر سعد جمال کی آمد نے سارا پروگرام لیٹ کر دیا تھا۔

''اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟علی کہاں ہے؟''اس کے قریب پہنچ کر پہلی نگاہ اس کے چہرے پر پڑی تو ٹھٹک گیا تھا۔بھیگی نم آلود سوجی آنکھیں سرخ چہرہ۔

ٹیس سی اٹھی تھی دل کے اندر

''علی باہر نکل گیا تھا' ابھی تک نہیں لوٹا۔''سمعان کو حیرت ہوئی۔

''کافی دیر ہو گئی ہے۔شام ہونے والی ہے اب تک تو گھر میں آ جانا چاہیے اسے۔''سمعان نے گھڑی دیکھی تھی۔

''آپ کو اس پر چیک رکھنا چاہیے بھائی' امی کی تو وہ کوئی بات سنتا ہی نہیں میں کچھ کہوں تو مجھے بھی ڈانٹ دیتا ہے۔آپ سے اور ابو سے ڈرتا ہے' آپ ہی سمجھائیں اتنی دیر گھر سے باہر رہنا ٹھیک نہیں۔''

''ہوں۔''اس نے تفکر سے ہنکارا ابھرا۔''امی کہاں ہیں؟''

''پتا نہیں۔شاید اپنے کمرے ہی میں۔''

''فارغ ہو؟''

''کیوں؟''اس نے سمعان کا چہرہ دیکھا۔

''چلو آؤ باہر چلتے ہیں' تھوڑی سی آؤٹنگ ہی ہو جائے گی۔''

''کہاں؟''

''پارک چلتے ہیں یا سی سائیڈ کیا خیال ہے؟''

''پارک ہی چلتے ہیں بڑا عرصہ ہوا ہے کہیں پارک کا چکر لگائے ہوئے۔''

''اٹھو پھر۔''سمعان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

وہ جس دکھ میں مبتلا تھی اس سے خود بھی نکلنا چاہتی تھی سو فوراً جانے کو تیار ہو گئی تھی۔سمعان اس کو ''اللہ دین'' پارک لے کر آیا تھا۔یہ ان کے گھر سے خاصا دور تھا مگر چھوٹے بچوں کی تفریح کے لیے خاصا موزوں تھا۔وہ سمعان کے ساتھ واکنگ ٹریک پر چل رہی تھی۔سمعان اس کا گم صم انداز محسوس کر کے مسلسل کوئی نہ کوئی بات چھیڑ کر اس کا دھیان بٹا رہا تھا۔کتنے دنوں بعد سمعان احمد کی یہ بے تکلفی دیکھنے کو مل رہی تھی مگر اس کا دل خوش ہونے کے بجائے گہرے غم میں غرق ہوتا جا رہا تھا۔

سینے کے اندر سناٹے سے اتر رہے تھے۔

''کچھ کھاؤ گی؟''اسے مسلسل سر جھکائے چلتے دیکھ کر سمعان نے پوچھا اس نے یونہی سر ہلا دیا۔

''ادھر بیٹھو میں آئس کریم لے کر آتا ہوں گھبرانا نہیں۔''سمعان نے قریبی درخت کے نیچے بنے سنگی بینچ کی طرف اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے ادھر جا بیٹھی۔اردگرد بہت سے لوگ تھے زندگی کی گہما گہمی تھی۔ہنستے مسکراتے چہرے معصوم بچے خوبصورت کپلز۔وہ دلچسپی سے اطراف میں دیکھے گئی۔

چونکی تو اس وقت جب کوئی خاموشی سے اس کے برابر آ کر بیٹھا تھا۔

''ارے بھائی آپ اتنی جلدی.....''باقی کے الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے تھے۔اس کے برابر آ کر بیٹھنے والا سمعان احمد نہیں سعد جمال تھا۔

''آپ؟''حیرت کا شدید جھٹکا تھا۔سعد بھلا اِدھر کیا کر رہا تھا۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔بات کرنا چاہتا ہوں مگر تمہارے گھر میں یہ ممکن نہ تھا۔''سعد جمال نے سنجیدگی سے کہا تو وہ چونکی یعنی سمعان احمد سعد جمال کی اطلاع پر اسے یہاں لائے تھے۔

اس کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔

اگر سمعان اسے کچھ بتاتے تو وہ کبھی نہ آتی۔

''مگر مجھے' آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔''سارا معاملہ کلیئر ہوتے ہی وہ غصے سے کہہ کر فوراً اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے قدم اٹھاتی سعد جمال نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''فرح پلیز! میری بات سن لو۔پلیز۔''ملتجی انداز تھا۔

''کیوں؟اب کون سا نیا ڈرامہ رچانا چاہتے ہیں آپ؟ آپ کا کیا خیال ہے میں آپ کی بات سن لوں گی۔خام خیالی ہے آپ کی اب کوئی نیا کھیل شروع کرنے سے پہلے ضرور سوچ لیجیے گا کہ آپ کی شادی زرش سعود احمد سے طے ہے۔''

''فرح پلیز! ہم کزن بھی ہیں۔''سعد زچ ہوا تھا۔فرح نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''ہماری اس حوالے سے بھی کبھی بے تکلفی نہیں رہی۔''ادھر رکھائی کا وہی عالم تھا۔

''پلیز فرح! میں اپنے ہر مذاق کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں مجھے پتا ہے تم مجھ سے بدگمان ہو۔ناراض ہو بیٹھ کر میری بات سن لو۔''

''سعد بھائی پلیز! آپ ہماری پھپھو کے بیٹے ہیں' میرے لیے بڑے قابلِ احترام ہیں۔آپ نے جو بھی کیا آپ کا ذاتی فعل ہے' ہاں میں ہرٹ ضرور ہوئی تھی مگر مجھے کسی بھی قسم کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔آپ پہلے ہی اس سارے مذاق نما ڈرامے کا محرک پیش کر چکے ہیں۔اب بار بار وضاحت کیوں؟''

وہ اسی طرح سرد تاثرات لیے کھڑی تھی۔سعد کے ساتھ بھائی کا حوالہ دے کر اس نے گویا صاف واضح کر دیا تھا کہ وہ اسے کیا حیثیت دیتی ہے۔

''فرح پلیز! میں ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ ہوں' پلیز اگر تم آرام سے میری بات سن لو تو۔''اس کی آواز میں عاجزی در آئی تھی۔فرح کو نہ چاہتے ہوئے بھی واپس اسی بینچ کے دوسرے کنارے پر ٹکنا پڑا تھا۔

سمعان کے بغیر وہ واپس بھی نہیں جا سکتی تھی اور یہاں سے ہٹ کر وہ جاتی بھی کہاں سمعان احمد اگر اسے یہاں چھوڑ کر گیا تھا تو اتنی جلدی آمد نہیں ہونی تھی جب تک سمعان آتا اسے سعد کو برداشت کرنا تھا۔

وہ بینچ پر بیٹھ تو گئی تھی مگر بولی کچھ بھی نہیں۔ سامنے ٹریک پر نگاہیں جمائے کس نادیدہ نقطے کو گھور رہی۔

"تم سے متعلق میرے جذبات نہ ہی وقت گزاری کے لیے رچایا گیا کوئی ڈرامہ تھا' نہ ہی جھوٹ سا ایک مذاق ضرور کیا تھا مگر تمہارے جذبات سے کھیلنا کبھی مقصود نہ تھا۔ میں تو بہت مطمئن تھا کہ تمہارا حصول بہت آسان ہے۔ میرے دلی جذبات سے امی ابو اور ستارہ تینوں آگاہ تھے' اس کے باوجود زرش سے فانا یوں رشتہ طے ہو جانا تم شاید یقین نہ کرو میرے لیے کسی شاک سے کم نہ تھا' بیس دنوں' بے یقین ہوں۔ امی ابو کو قائل کرتا رہا ہوں' اپنے جذبات واضح کیے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ الٹا امی نے یہاں کے حالات بتائے اس سے میں خود دوہری کیفیت کا شکار ہو چکا تھا۔" اسے بالکل خاموش دیکھ کر سعد جمال نے خود ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔

"تمہیں شاید یقین نہ آئے مگر یہ سچ ہے' امی زرش سے رشتہ طے کرنے سے پہلے ماموں سے کئی بار تمہارے میرے رشتہ کی بات کر چکی تھیں۔

"کیا؟" فرح کے لیے یہ انکشاف تھا۔ خاصی حیرانی سے سعد کو دیکھا۔

"اور ماموں نے ہر بار ٹال دیا تھا۔ وہ شاید وقت کا انتظار کر رہے تھے مگر وقت سب کے ساتھ نجانے کب اور کہاں کیا کھیل' کھیل جائے۔ کوئی نہیں جانتا۔"

وہ اب اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ فرح کے اندر سعد کے لہجے پر اک نمی سی بکھر گئی۔

"میں تو سرے سے زرش سے رشتے سے ہی انکاری تھا مگر یہاں تو امی ابو نے شادی تک طے کر دی۔ مجھ سے پوچھے بغیر میری مرضی کے بغیر۔" امی جان سے یہاں کے سارے بدلتے حالات سے باخبر ہونے کے بعد میں نے ایک دن یونہی تم لوگوں کے ہاں کال کی تھی اور علی سے بات ہوئی تھی۔ امی نے مجھے قطعاً نہیں بتایا تھا کہ سمعان احمد زرش میں انوالو ہے' انہوں نے یہی تاثر دیا کہ اس سارے تماشے کی ذمہ دار صرف مامی جان ہیں اور علی سے بات کرنے پر اس سے سمعان احمد اور زرش کی پسندیدگی کا سن کر میں حیران رہ گیا تھا۔"

فرح الجھی' سمعان احمد کی پسندیدگی تو ٹھیک مگر زرش' اس نے کچھ کہنا چاہا کہ سعد نے ٹوک دیا۔ بلکہ ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

"اگر تم اس بات سے انکار کر رہی ہو تو فضول ہے۔ میں خود بھی علی کی بات سن کر حیران ہو رہا تھا۔ میں یقین کر ہی نہیں سکتا تھا۔ سمعان احمد اور زرش میں ایج ڈیفرنس ایسا ہے کہ مانا ہی نہیں جا سکتا تھا اور دوسرا سمعان احمد کا رویہ زرش کے ساتھ ہمیشہ سے برادرانہ ہی رہا تھا۔ مجھے یقین کرنے میں تامل ہوا تھا اور پھر جب میں نے عثمان بھائی کے ہاں کال کر کے حالات سے متعلق جاننا چاہا تو انہوں نے بھی سب کہہ دیا۔ مجھے بڑا دکھ ہوا تھا۔ امی نے مجھ سے یہ ساری بات کیوں چھپائی۔ سمعان احمد تو مجھے وقار بھائی سے بڑھ کر عزیز ہے' بھلا اس کے جذبات سے متعلق جان کر بھی رشتہ قبول کر لینا ناممکن تھا۔"

"فرح لب بھینچے سن رہی تھی۔"

"میں نے سعود ماموں کو فون کر کے حالات کے متعلق جاننا چاہا تو پتا چلا کہ امی نے ان سے میرے رشتے کی طرف سے انکار کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ مجھے بڑا دکھ ہوا تھا۔ کسی نے امی ابو سے پوچھا تو انہوں نے صاف ٹالا تھا۔ سمعان کی پسندیدگی سے انکار کیا تھا۔ پھر بھی میں انکاری رہا تو انہوں نے آناً فاناً شادی کی تاریخ طے کر کے فوراً پانچ دنوں کے اندر پاکستان پہنچنے کا حکم نامہ جاری کر دیا تھا۔ میرے پاس اب کوئی راستہ نہیں بچا تھا مگر یہ شادی بھی قبول کرنا ناممکن ہے۔ اس لیے میں سمعان سے ملا ہوں' بے شک میری اس سے براہ راست اس موضوع پر بات نہیں ہوئی مگر بہت اچھی طرح جان چکا ہوں کہ سمعان احمد' زرش کے لیے کس حد تک انوالو ہو چکا ہے۔

"ان آخری الفاظ پر فرح کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی تھی۔ وہ سمعان احمد کے تمام جذبوں کی گواہ تھی۔ سمعان احمد کا دکھ تو اسے خون کے آنسو رلاتا تھا۔ اب بھی آنسو بہتے چلے گئے۔

"ابھی آپ نے کہا کہ سمعان احمد اور زرش کی پسندیدگی۔" یہ صرف سمعان بھائی کے جذبات تھے۔ زرش تو سرے سے ناواقف تھی اور جب اسے علم ہوا تو وہ سمعان بھائی کے ہر جذبے سے انکاری تھی۔ اگر ہم میں سے کوئی اسے سمعان بھائی کے ساتھ انوالو قرار دے تو یہ سراسر بہتان ہوگا۔ زرش تو قطعی بے قصور ہے۔ قصور تو بھائی کا بھی نہ تھا۔ مگر حالات پر کس کا بس چلتا ہے امی اور خالہ کی نفرت اس قدر زور آور تھی کہ دونوں نے ذرا بھی نہ سوچا کہ وہ چچا کی فیملی کو نقصان پہنچاتے پہنچاتے اپنی فیملی کو بھی نہیں بخش رہیں۔ میں جانتی ہوں امی کے ایک بہتان سے کیسا کیسا طوفان نہیں آیا۔ سمعان بھائی کی ذات کیسے بکھری ہے۔ ان کے رت جگوں کی میں گواہ ہوں۔ مگر قطعی بے بس ہوں کہ اپنے بھائی کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔

"سمعان بھائی نے کبھی کسی سے شکوہ نہیں کیا۔ انہوں نے کسی کو الزام نہیں دیا۔ دکھ تو یہ ہے کہ دکھ دینے والی کوئی اور ذات نہیں' ہماری اپنی جنم دینے والی ماں ہے۔"

"فرح! میری ایک بات مانو گی۔" سعد اسے اسی طرح روتے دیکھتا رہا تھا۔ وہ خود ہی چپ ہو گئی تو اس نے کہا تھا فرح نے سر اٹھا کر اسے دیکھا سعد جمال کے تاثرات ناقابلِ فہم تھے۔

"اگر سمعان سے متعلق مجھے علم نہ ہوتا تو میں آسانی سے امی ابو کی بلیک میلنگ کا شکار ہو جاتا۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو۔" وہ رک گیا تھا۔

"میں زرش سے شادی سے انکار کر کے سمعان اور زرش کی شادی پر زور دوں گا۔"

"کیا؟" فرح کو جھٹکا سا لگا تھا۔ "ک..... کہ کیا..... مطلب ہے آپ کا؟" اس کی زبان ہکلا گئی تھی۔

"امی ابو میرے کسی انکار' کسی جواز کو' کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہیں ان سے بات کر کے ہارا ہوں اب صرف میرے پاس ایک ہی راہ ہے میں سعود ماموں کے سامنے انکار کر دوں۔" فرح کو لگا جیسے اس کے اطراف میں بم پھٹ گیا ہو۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ..... ہرگز نہیں..... ایسا کبھی مت کیجیے گا۔ ہم اتنے خود غرض نہیں ہیں ہمارے لیے اس سارے الزام کے بعد زرش کو حاصل کرنا مشکل تو نہیں تھا مگر ہم کس منہ سے دوبارہ یہ رشتہ مانگتے

اور نہ ہی چچا جان اس اسٹیج پر ہیں کہ انہیں اب انکار کر کے صدمہ پہنچا سکیں۔ پہلے ہی وہ انجانا کے ا
شکار ہو چکے ہیں۔ بال بال بچے تھے۔ اب تو شاید (میرے منہ میں خاک) اگر ان کو کچھ ہو گیا تو ا
سوچیے گا بھی مت۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔ صرف یہی ایک راہ مجھے دکھائی دیتی ہے' چلو میں تمہارا نام ہی نہیں لیتا
جذبات کو سرے سے کچھ اہمیت ہی نہیں دیتا مگر سمعان سے متعلق اتنی بڑی زیادتی مجھ سے نہیں ہو سکتی
نہیں۔"

"تو پھر کیا کریں گے آپ؟"

"تم میرا ساتھ دو پلیز سعود ماموں کو تو میں بڑے آرام سے قائل کر لوں گا۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ تو سرے سے ہی بھڑک اٹھی تھی۔ "میرے متعلق ایسی بات سوچیے گا بھی نہیں۔" ا
نے قطعیت سے کہا تھا۔

"اور آپ کا کیا خیال ہے۔ ہم لوگوں میں ان کو قائل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے یا ہم لوگوں نے ا
سے بات نہ کی ہوگی۔ اگر بات قائل کرنے کی ہے تو سمعان بھائی اور ابو جان سے بڑھ کر کون اہم ہو
ہے۔ چچا جان کے لیے اس سارے قصے کے باوجود' چچا جان کی محبت و شفقت میں ذرا فرق نہیں آیا۔ ا
ہماری شرمندگی ہے جو ہم اپنے حق سے دستبردار ہو چکے ہیں ورنہ امی کے بہتان کا جواب دینا کوئی مشکل
تھا۔" اس کے لہجے میں تندی و تیزی تھی۔

"اور میرے متعلق یا میرا نام لے کر آپ نے اگر کسی سے انکار کیا تو یاد رکھیے گا میں آپ کو اس زیا
پر کبھی معاف نہیں کروں گی۔ آپ سمعان بھائی کو لے کر اتنے کانشش ہو رہے ہیں تو غلط کر
ہیں۔ سمعان بھائی اتنے کم ظرف یا خود غرض نہیں ہیں' کہ وہ یہ سارا الزام سہہ کر بھی زرش کو دوبارہ ا
ماحول میں آنے پر مجبور کریں۔ سمعان بھائی اگر اکیلے میں مجھے آپ سے بات کرنے کے لیے موقع د
رہے ہیں تو ان کی فطرت کا اندازہ لگا لیں آپ' وہ اس خاندان کی عزت و وقار کی سرخروئی کے لیے کچھ
کر سکتے ہیں۔" فرح کے صاف اور واضح الفاظ نے سعد جمال کو کئی ثانیوں تک خاموش کر دیا تھا۔

"میرا آپ کو مشورہ ہے سعد بھائی۔ سمعان بھائی کو بنیاد بنا کر کوئی بھی انتہائی قدم مت اٹھا
کیونکہ بعض جذباتی فیصلے سوچنے میں بڑے آسان ہوتے ہیں مگر عمل میں انتہائی مشکل ثابت ہو
ہیں۔ زرش سے شادی سے انکار صرف آپ کا ذاتی عمل نہیں ہوگا بلکہ تین گھرانے متاثر ہوں گے' اور
نے کبھی بھی آپ کی حوصلہ افزائی نہیں کی' اور یہ میرا صائب مشورہ ہے آپ کو زرش کم عمر ضرور ہے
حالات و واقعات نے اسے اب جو آگہی دی ہے اگر آپ نے بھی اس سے زیادتی کرنا چاہی تو پھر ا
کوئی بھی بکھرنے سے نہیں روک پائے گا' اور چچا جان اس کنڈیشن میں نہیں ہیں کہ اتنا بڑا صدمہ
سکیں۔ جبکہ شادی بھی قریب ہے۔"

سعد جمال نے بڑی بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔ امی ابو ستارہ اور فرح سب یہی سمجھا رہے
اس کا دل کچھ بھی ماننے کو تیار ہی نہیں ہو رہا تھا۔

دونم

اگر ایک طرف اپنے مجبور پر جوش جذبات تھے تو دوسری طرف سمعان احمد کا خیال۔

سعد نے بہت بے بس ہو کر اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ فرح کو سمجھا لینا اپنا ہم نوا بنا لینا اس نے
کس قدر آسان سمجھ رکھا تھا مگر اب لگ رہا تھا کہ جو کچھ طے کر کے وہ واپس پاکستان لوٹا تھا وہ سب تو عملی
طور پر سرانجام دینا خاصا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

نویرہ سے متعلق نئی خوشخبری سن کر تقریباً سبھی باری باری آ کر طبیعت دریافت کر کے بڑی اماں کو
مبارک باد دے کر گئے تھے۔ سجیلہ آپا' اماں' نبیلہ بھابی' زبیدہ چچی اور رقیہ چچی بھی بڑی دونوں بیٹیوں کے
ساتھ آئی تھیں۔

دوبئی سے سجاد بھائی تو اکثر کال کر کے پوچھتے رہتے تھے۔ ضحی بھابی نے بطور خاص اماں سے سن کر فون
کیا تھا۔ رفعت باجی بھی بہت خوش تھیں۔ اس سب کے باوجود نویرہ کو شارق زمان کی زیادتی نہیں بھولتی
تھی۔ اس کی قسمت میں یہ سب کچھ تھا وہ مان چکی تھی مگر شارق زمان اگر دھاندلی کے بجائے صلح صفائی کی
کوئی راہ اپناتا تو شاید نبیل بھائی کو اپنی غیرت پر لگنے والی چوٹ اتنی شدید محسوس نہ ہوتی۔ سوائے نبیل
بھائی کے باقی سبھی نارمل ہی تھے رفعت باجی نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا۔

"میں تو بہت خوش ہوں نویرہ! ایک نیک باکردار عورت کی اولاد ہماری نسل ہوگی۔ اگر شارق کسی ایسی
ویسی عورت کو گھر لے آتا تو ہم کیا کر لیتے۔ شارق کو اپنی ماں کی بجائے' اماں کی گود نصیب ہوئی تھی شاید
اسی لیے اس کی فطرت میں تھوڑی بہت مروّت باقی ہے۔ اپنی ماں بہن کی روش پر نہیں چلا۔ میں تو اللہ کا
شکر ادا کرتے نہیں تھکتی کہ اس نے تم جیسی لڑکی سے ہمیں نوازا۔ اب اتنی جلدی یہ نعمت۔ اللہ کا بہت کرم
ہے تم پر' نویرہ دیکھنا ایک دن ایسا آئے گا کہ شارق زمان کے اندر کوئی خامی نہیں رہے گی اور تم اس رشتے پر
فخر کرو گی۔" کتنا مان تھا ان کے لہجے میں' مگر وہ وقتی طور پر متاثر ہوئی تھی اس کے بعد وہ پھر بے حس ہو گئی
تھی۔

وہ چاہتی بھی تو اتنی بڑی زیادتی بھلا نہیں سکتی تھی۔

دوپہر کے قریب گھر کے تمام کاموں سے فارغ ہو کر وہ اماں کے پاس بیٹھی ہلکی پھلکی باتیں کر رہی تھی
کہ فون کی بیل بجنے لگی تھی۔

"دیکھنا ذرا شاکرہ کون ہے؟"

"انسپکٹر انجم ہیں کوئی کہہ رہے تھے وہ شارق صاحب کے دوست ہیں۔ آپ سے بات کرنا چاہتے
ہیں۔"

شاکرہ کے کہنے پر وہ حیران ہوئی اماں نے بھی دھیان دیا۔ نویرہ نے اُٹھ کر ریسیور تھاما۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! نویرہ بھابی بات کر رہی ہیں۔ دوسری طرف سے استفسار ہوا۔

"جی۔"

"آپ کو ایک اطلاع دینی تھی' لالہ منصور کو جانتی ہیں۔"

"کون لالہ منصور؟" اس کے تو فرشتوں کو بھی علم نہ تھا۔

"اچھا آسان لفظوں میں یہ ہے کہ شہوانہ زمان جو کہ شارق کی بہن ہے' اس نے جس شخص سے شادی کی تھی۔ اس کا والد لالہ منصور ہے۔ احسان منصور اس کا بیٹا ہے۔

"اچھا۔" اچھا نویرہ کے دماغ میں جھما کا ہوا تھا۔ "تو آپ یہ مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟"

"آج شارق کے دفتر میں لالہ منصور اور شارق کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا۔"

"تو۔"

"دونوں کے درمیان کافی شدید جھگڑا ہوا ہے۔ گولی بھی چلی ہے۔ لالہ منصور تو فرار ہو گیا مگر شارق کے بازو پر گولی لگی ہے۔ وہ اس وقت ہاسپٹل میں ہے۔"

"کیا؟" اس کی آواز چیخ سے مشابہ تھی۔ اماں اور شاکرہ دونوں ہی متوجہ تھیں۔

"کیا ہوا نویرہ؟" اماں نے پریشان ہو کر پوچھا تھا۔

"پلیز پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ صبح دس بجے یہ حادثہ ہوا تھا۔ شارق کو فوراً ہاسپٹل منتقل کیا گیا تھا۔ گولی نکال دی گئی ہے۔ خون کافی بہا ہے اب وہ خطرے سے باہر ہے۔"

"نویرہ کو اپنے اعصاب سن ہوتے محسوس ہوئے۔ اس شخص سے اختلاف سہی' مگر یہ طے تھا اب بھی شخص عمر بھر کا ساتھی تھا' اور جس کے ساتھ رہا جائے اس کے دکھ درد سے لاکھ نفرت کے باوجود رشتہ بن جاتا ہے۔

"لالہ منصور روپوش ہو گیا ہے۔ مگر ان شاء اللہ شام تک گرفتار ہو جائے گا۔ آپ زیادہ فکر مند نہ ہوں۔ اطلاع دی ہے۔ اگر ہاسپٹل کا چکر لگانا چاہیں تو ایڈریس لکھ لیں۔" خبر ایسی پریشان کن تھی کہ اس نے سن ہوتے حواس کے ساتھ ایڈریس سنا تھا۔

"کیا ہوا ہے نویرہ؟" ریسیور کریڈل پر رکھ کر پلٹی تو منتظر اماں نے متوجہ کر لیا۔

"اماں شارق کو گولی لگی ہے..... ہاسپٹل میں ہے اس وقت۔"

"ہائے اللہ! کیسے؟" اماں کی تو چیخ ہی نکل گئی۔ ایک دم رونے لگیں۔ نویرہ آہستگی سے انجم کی بات کہہ سنائی۔

"نویرہ ابھی لے چلو مجھے۔ نجانے وہ کس حال میں ہو گا۔ خدا غارت کرے اس منحوس کو، ہم سے کیا لینے آ جاتا ہے۔ میرے بچے کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ جس نے اس کے بیٹے سے بیاہ رچایا ہے' اسے پکڑے اس کے حلق میں گولی اتارے۔" اماں کی گریہ وزاری شروع ہو چکی تھی۔

"اماں! اکیلی کیسے لے چلوں آپ کو سہارا دے سے چلتی ہیں آپ اس وقت کسے کہوں؟"

"نبیل کو فون کر کے بلا لو۔" اماں نے اسے راہ دکھائی۔

نبیل کا غصہ دل و دماغ میں روشن تھا مگر ایسے عالم میں اس کے علاوہ کس کو بلاتی۔ نبیل کے نمبر پر کال کی تھی۔

"السلام علیکم' نبیل بھائی میں نویرہ۔" وہ جھجک گئی تھی۔

"ہاں بولو۔" روکھا پھیکا انداز اس کے دل سے اک ہوک اٹھی۔

"نبیل بھائی! شارق کا کسی لالہ منصور نامی شخص سے جھگڑا ہو گیا ہے گولی لگی ہے۔ اس وقت ہاسپٹل میں ہیں۔ اگر آپ آ جائیں تو۔" بھائی کی بے رخی تھی کچھ پہلے ہی ملنے والی خبر نے کم حوصلہ کر دیا تھا کہ آواز خود بخود لڑکھڑا گئی تھی۔

"اچھا ہوا ہے۔ ایسے کرپٹ لوگوں کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ افسوس کچھ نہیں کر سکتا..... کسی اور کو بلا لو..... بڑے ہمدرد ہیں اُس کے اس شہر میں' ہاں اگر اس کی موت کی خبر پہنچے تو ضرور بلانا میں تب ضرور آؤں گا۔" اتنا سفاکانہ انداز نویرہ کا دل کانپ گیا۔ اتنی نفرت' اتنا غصہ وہ تو پتھر کی بن گئی تھی۔

کسی بے بس انسان کا مذاق اڑانا' کہاں کی عقلمندی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

نبیل نے کال ڈراپ کر دی تھی۔ اس نے خاموشی سے ریسیور رکھ دیا تھا۔

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"کچھ نہیں۔ میں فاروق چچا کو دیکھتی ہوں۔" اس نے دوبارہ ریسیور تھاما تھا۔ آنسو صاف کر کے اس نے دوبارہ نمبر ملائے تھے۔

فاروق چچا ساری بات سن کر متفکر ہو گئے تھے۔ انہوں نے فوراً پہنچنے کا کہا تھا۔

پندرہ منٹ بعد وہ گھر آ گئے تھے۔ اماں کا ابھی اتنا چلنا پھرنا کہاں مناسب تھا۔ وہیل چیئر پر انہیں ہاسپٹل لایا گیا تھا۔ نویرہ ساتھ ہی تھی۔

انسپکٹر انجم انہیں اور کئی لوگوں کے ہمراہ کاریڈور میں ہی مل گئے تھے۔

"کیسی طبیعت ہے شارق کی۔"

"اللہ کا بڑا کرم ہے۔ گولی جس اینگل سے بازو میں لگی ہے اگر تھوڑی بھی گڑبڑ ہو جاتی تو سیدھی سینے پر جا لگتی۔ خون خاصا بہہ گیا تھا۔ وہ تو شکر ہے کہ حادثہ دفتر میں ہوا۔ عملہ فوراً متحرک ہو گیا تھا۔ پہلی فرصت میں نزدیکی ہاسپٹل منتقل کیا تھا۔ فوراً آپریشن کر کے گولی نکالی گئی ہے۔" چچا کے پوچھتے ہی انسپکٹر انجم نے تفصیلی بتایا تھا۔

"اللہ میرے بچے پر اپنا کرم رکھے۔ اگر خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو۔" اماں کی آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں۔ نویرہ جوان کی کرسی دھکیل رہی تھی اس نے گہرا سانس لیا۔

"ملنے کی اجازت ہے کہ نہیں؟"

"شارق اندر بے ہوش ہے۔ دیکھ لیں آپ لوگ' ڈاکٹر سے میں پوچھ لیتا ہوں۔" وہ ایک طرف چلا گیا تھا۔ ڈاکٹر سے اجازت لے کر ان کو اندر چلے جانے کا اشارہ کر دیا تھا۔ چچا کے ہمراہ وہ اماں کی کرسی دھکیلتی انہیں اندر لے آئی تھی۔ شارق زمان بستر پر چت لیٹا ہوا تھا۔ آنکھیں بند' دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔ بازو پر ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ جس سے قطرہ قطرہ خون شارق زمان کی رگوں میں منتقل ہو رہا تھا۔

نویرہ کے اندر شارق کو اس طرح پڑے دیکھ کر بے بسی و بے چارگی کا ایک گہرا احساس جاگا تھا۔ چاہے کچھ بھی ہو۔ اس کا اس شخص سے رشتہ بہت گہرا تھا۔ شوہر سے پہلے وہ تایا زاد تھا۔ اور اب.....

نویرہ کی پلکوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے تھے۔

اماں بستر کے قریب ہو کر شارق کے چہرے پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

شارق زمان کو جب ہوش آیا تو اس کے پاس سب ہی تھے۔ فاروق چچا نے فون کر کے سب کو ہی اطلاع کر دی تھی۔ حمید چچا' زبیدہ چچی اور اماں پہنچ گئے تھے۔ شام تک شارق زمان کے دوست احباب کی آمد و رفت بڑھی تو اس نے اماں اور نویرہ کو گھر چلے جانے کا کہا تھا۔ فاروق چچا وہیں تھے۔ البتہ حمید چچا اس کو گھر چھوڑنے آئے تھے۔ اماں وہیں سے واپس چلی گئی تھیں۔ گھر آ کر بھی نویرہ کا ذہن الجھا رہا۔ خون بہنے سے شارق زمان کی اندرونی کمزوری اس کے چہرے سے صاف دکھائی دی تھی مگر ہوش میں آنے کے بعد سے وہ مسلسل منصور اور اس کے بیٹے کو مزہ چکھانے کے مصمم ارادے ظاہر کرتا رہا تھا۔ گولی کا اثر تو ذرا بھی نہ ہوا تھا۔ اماں تو مسلسل روتی رہی تھیں مگر اسے پروا کب تھی۔

''جتنا میرا خون بہا ہے۔ اتنا ہی اس شخص کا بہاؤں گا۔ لالہ منصور سمجھ لے کہ کس سے دشمنی لی ہے؟'' وہ اپنے ارادوں میں اٹل تھا۔

اگلے دن دس بجے کے قریب وہ اور اماں اسپتال پہنچی تھیں۔ شارق زمان کے لیے کھانا لے کر۔ رات فاروق چچا وہاں رکے تھے۔ ان کے اسپتال آنے پر وہ گھر چلے گئے تھے۔

''کیا حال ہے؟'' ٹرے میں کھانا چن کر جب وہ بیڈ کے قریب آئی تو پوچھا تھا ورنہ جب سے آئی تھی مہر بہ لب تھی۔

''تمہیں فرصت مل گئی میرا حال پوچھنے کی؟''

''کیا مطلب؟'' اماں دیوار کے پاس رکھے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ نویرہ نے تعجب سے شارق زمان کو دیکھا۔

''محترمہ! کل بھی تشریف لائی تھیں اور آج بھی۔ کل تو توفیق نہ ہوئی تھی کہ جھوٹے منہ سے ہی پوچھ لیا جائے کہ مر گیا ہوں کہ زندہ ہوں۔ چلو حال احوال پوچھنا تو دور کی بات انسان پریشانی و تفکر کا ہی اظہار کر دیتا ہے مگر وہ بھی ندارد۔ افسوس تو بڑا ہوگا کہ کیا تھا یہ گولی بازو کی بجائے سینے پر لگی ہوتی۔ کم از کم ناپسندیدہ انسان سے جان چھوٹ جاتی۔''

نویرہ نے تاسف سے اسے دیکھا تھا اور پھر اماں کو۔ اماں جو پوری طرح متوجہ تھیں مگر شارق زمان کی آواز دھیمی ہونے کی وجہ سے پتا نہیں انہوں نے کچھ سنا بھی تھا کہ نہیں.....

''خیر کیا کہہ سکتی ہوں۔ نظر شناسی بلکہ مردم شناسی ہے آپ کی اور کسی انسان کی موت سے مجھے کوئی خوشی حاصل نہیں ہوگی۔ اتنی ظالم نہیں ہوں میں۔'' غصے سے جواب دے کر اس نے بیڈ کی سائیڈ پر ٹرے رکھی تھی۔

''تم کتنی رحم دل ہو۔ کاش کوئی مجھ سے پوچھے۔'' شارق زمان کا انداز خاصا فریش تھا۔ نویرہ نے تعجب سے شارق زمان کا چہرہ دیکھا۔ یہ مسکراہٹ مردانہ خدوخال کو دل کھینچ لینے والی اٹریکشن دے رہی تھی۔

''ایک گولی کھا کر اثر نہیں ہوا.....'' اس نے دانت پیسے تھے۔

''تمہارے ہاتھوں سے پوری چھ کی چھ گولیاں کھا سکتا ہوں۔ ٹرائی تو کرو۔'' انداز ہنوز شوخی پر مائل تھا۔ نویرہ غصے سے گھورتی واپس پلٹی مگر شارق نے آزاد ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اماں کے سامنے شارق زمان کی یہ حرکت اسے بڑی کوفت سے دوچار کر گئی تھی۔

''کیا ہے؟'' انداز کھا جانے والا تھا۔ شارق زمان نے بھرپور حظ اٹھایا تھا۔

''یار ناشتہ کرواؤ۔ کل سے جوس وغیرہ پر گزارا کر رہا ہوں۔ کم بخت ڈاکٹروں نے بھی اس ہاتھ کو مسلسل تختہ مشق بنایا ہوا ہے۔ ایک ہاتھ سے اب خود تو کچھ کھانے سے رہا۔''

نویرہ نے شارق زمان کے اس ہاتھ کو دیکھا جو مسلسل ڈرپز اور مختلف سوئیوں سے جکڑا ہوا تھا۔

''مجھے نہیں پتا۔ میں نرس کو بلوا لیتی ہوں۔ وہ کھلا دے گی۔'' وہ تو کمرے کی تنہائی میں بھی شارق کے قریب خود نہیں بڑھتی تھی۔ اب تک جو کچھ بھی ہوا تھا۔ شارق زمان کی ہی پیش رفت کا ہی نتیجہ تھا اور اب یوں اماں کے سامنے کھانا کھلانا۔ اسے حیا سی آئی تھی۔

ہاتھ کو مسلتے اس نے شارق زمان سے نظر بچائی۔ دوسرا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت میں تھا۔

''نرس' نرس ہی رہے گی۔ بیوی نہیں بن جائے گی۔ بیٹھو ادھر۔'' حکم آمیز لہجے میں کہتے ہوئے اس نے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر اسے بھی بستر پر بٹھا لیا تھا۔ نویرہ کا کوفت سے برا حال ہوا۔ جی چاہا سامنے پڑی ٹرے اٹھا کر دیوار پر دے مارے۔

''شارق! کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔ صبح صبح اٹھ کر نویرہ تیار کرنے لگ گئی تھی۔ صرف میری وجہ سے ہم لیٹ آئے ہیں ورنہ صبح صبح کھانا بھیج دیتی۔ اب کھا لو۔ کل سے تم نے پتا نہیں کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں۔'' صوفے پر بیٹھی اماں نے پتا نہیں ان کی گفتگو سنی تھی یا نہیں البتہ انداز ضرور نوٹ کیے تھے۔ اسی لیے شارق کو کہا تھا۔

''بتا تو رہا ہوں اسے کل سے جوس پر گزارہ کر رہا ہوں۔ بھوک سے برا حال ہو رہا ہے۔ ہاتھ بھی بندھا ہوا ہے اور یہ کچھ کھلانے پر آمادہ ہی نہیں۔'' نویرہ پر نظر ڈال کر اماں کو با آواز بلند جواب دیا تھا۔ نویرہ نے غصے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''لو یہ کیوں انکار کرے گی۔ صبح سے ہلکان ہو رہی تھی۔ اب تم بیماری میں بھی چھوٹا موٹا کھانا تو کھاتے نہیں ہو۔ میرے کہنے پر ہی مرغی کا سالن اور چاول بنائے تھے۔ ساتھ میں پھلکے ہیں۔ جو جی چاہے کھانا کھاؤ۔ نویرہ بیٹا کھانا کھلاؤ۔ گیارہ بج رہے ہیں۔ بھوک تو صبح سویرے ہی لگ جاتی ہے۔'' اماں کے حکم نے نویرہ کو لب بھینچ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ شارق کے ہونٹوں پر بڑی دلآویز مسکراہٹ چمکی تھی۔ نویرہ نے ٹرے میں چاول' سالن کے ساتھ پھلکے بھی نکال لیے تھے کہ جو جی چاہے کھا لے گا مگر اب غصے کو اندر ہی اندر کنٹرول کرتے ہوئے اس نے چاولوں والی پلیٹ اٹھائی تھی۔

دوئم

"آپ لوگ آئے کیسے؟" اماں سے پھر پوچھا تھا۔ "مجھے روٹی کھانی ہے۔ یہ چاول رہنے دو۔" اماں سے سوال کرتے اسے بھی ٹوکا تھا۔ نوریہ جو اسپون میں چاول بھر رہی تھی۔ اس شاہی آرڈر پر کلس کر رہ گئی۔

"مجھے نہیں پتا۔ کھالیں خود ہی۔" وہ بڑبڑائی تھی۔ اماں کا لحاظ تھا ورنہ جواب تو ایسا دیتی کہ موصوف کے ہوش ٹھکانے آجاتے۔ چاول تو چمچ سے کھلا دیتی مگر روٹی۔

"چوکیدار کو کہہ کر ٹیکسی منگوالی تھی۔ تمہیں پتا تو ہے باہر نکلتے ہوئے وہیل چیئر استعمال کرتی ہوں۔ اماں کے بغیر طبیعت باہر نکلنے کو تیار نہیں ہوتی۔ ڈر ہی لگا رہتا ہے کہ کہیں گر گئی تو کوئی ہڈی پھر نہ ٹوٹ جائے۔ پہلے ہی مشکل سے چلنا ہو رہا ہے۔ وہ تو شکر ہے وہیل کرسی فولڈ ہونے والی ہے۔ باہر نکلنے میں آسانی رہتی ہے۔" اماں جواب دے رہی تھیں۔ شارق نے نوریہ کو گھورا تھا۔

"میرا آج بھوکا رہنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ محترمہ آپ کے رحم و کرم پر ہیں' کھلا دیں۔" آواز خاصی بلند تھی۔ نوریہ نے بڑے مرے انداز میں دوبارہ پلیٹ تھامی تھی۔

"یہ چاول ہی کھلاؤں گی۔ منظور ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اماں کو کہہ دیتی ہوں۔ کھانا تو وہ آرام سے کھلائیں گی۔"

"یہ چاول کیا تم اپنے ہاتھوں سے زہر بھی پلاؤ گی وہ بھی آنکھیں بند کر کے پی لوں گا۔" شرارت ہنوز تھی۔ نوریہ نے بڑی خفا نظر' ہونٹ دبا کر مسکراتے چہرے پر ڈالی تھی۔

"زہر میں کیا پلاؤں گی۔ آپ کی جو حرکتیں ہیں وہ اس بستر تک تو لے ہی آئی ہیں۔ قبر کون سی دور ہے۔ ایک مومن کو دن میں ہر پل قبر کو یاد رکھنا چاہئے۔ اچھی بات ہے۔" تلخی سے تگڑے جواب سے نوازا تھا۔ اسپون میں چاول بھر کر اس نے اپنے اسی تلخ انداز میں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"زندگی آپ کو موقع دے گئی ہے۔ خوش قسمت ہیں جو یہ گولی بازو پر لگی ہے۔ اب بھی اپنا مواخذہ کریں۔ موت لفظ کہنا آسان ہے۔ جھیلنا بہت مشکل۔" خاص طور پر جتایا تھا۔ اسی دم کوئی تیزی سے دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا تھا۔ کمرے میں موجود تینوں نفوس آنے والے کو دیکھ کر متوجہ ہوئے تھے۔

"ہائے شارق!" گھٹنوں سے اونچی پینٹ پنک ٹی شرٹ گلے میں برائے نام اسکارف ڈالے ہونٹوں پر ہلکی نیچرل لپ اسٹک لگائے' سر پر گلاسز جمائے' ایک کندھے پر جھولتے براؤن بیگ اور پیروں میں نفیس ہیل پہنے آنے والی اتنی دلکش تھی کہ نوریہ کو ایک پل کو لگا کہ اطراف میں خوشبو کے جھونکے بکھر گئے ہوں۔ شارق زمان کو کھانا کھلانے کے لیے بڑھتا ہاتھ ساکن ہوا تھا۔

"زیبا کیانی!" اس کے ہونٹوں نے نیم سرگوشی کی تھی۔ گو وہ اس سے صرف ایک بار ملی تھی۔ سرسری سی وہ ملاقات اس کے ذہن و دل میں آج بھی روشن تھی۔ زیبا کیانی کا توبہ شکن حسن آنکھوں کو خیرہ کرتا سراپا نوریہ کے اندر اک تلاطم برپا کر گیا تھا۔

بڑے والہانہ انداز میں وہ شارق کی طرف بڑھی تھی۔ "شارق! بلیومی مجھے تو پتا ہی نہیں چلا اس سارے واقعے کا۔ آج ہی تمہارے آفس فون کیا تو تمہارے کسی ملازم نے بتایا۔ میری تو سمجھو حالت ہی بری ہو گئی تھی۔ سنتے ہی بھاگی چلی آئی ہوں۔" محبت و لگاوٹ کا یہ خاص مظاہرہ اور پھر جس طرح اس نے

دوئم

آگے بڑھ کر کمرے میں موجود دونوں خواتین کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے شارق کے بیڈ کے دوسرے سرے پر بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ نوریہ تو اش اش کر اٹھی۔

"ویسے یہ سب ہوا کیسے؟" اپنے دونوں ہاتھوں میں شارق کے دوسرے ہاتھ کو سمیٹے وہ بڑی محبت سے استفسار کر رہی تھی۔ نوریہ تو جل بھن گئی تھی۔ نہایت کوفت سے اس نے چاولوں سے بھرا اسپون پلیٹ میں پٹخا تھا۔

"بس معمولی سا جھگڑا تھا۔" شارق نے نوریہ کے تیور دیکھے تھے۔

"کھانا کھالیں۔ باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔" جس طرح زیبا نے دونوں خواتین کو نظر انداز کیا تھا اسی طرح نوریہ نے بھی جتایا تھا۔

"اوہ تم ناشتا کر رہے تھے۔ میں تو بغیر ناشتا کیے ہی چلی آئی ہوں۔" نوریہ کے ٹوکنے پر اس نے اب اسے بڑی توجہ سے دیکھا تھا۔ براؤن بڑی سی چادر اپنے وجود کے اطراف میں اچھی طرح لپیٹے اپنے خوب صورت پرکشش چہرے کی تمام تر سادگی کے باوجود وہ ماحول میں نمایاں محسوس ہوئی تھی اور شاید کچھ چھائی ہوئی بھی۔

یہ شارق زمان کی بیوی تھی۔ نوریہ کو دیکھتے ہوئے اس کے باوقار انداز میں ٹوکنے سے اسے ایک ہتک سے دوچار کیا تھا۔

"یہ بچی کون ہے شارق؟" اماں جو مسلسل خاموش بیٹھی تھیں۔ وہ اس طرح کی چمکتی دمکتی لڑکی کو دیکھ کر یہی سمجھی تھیں کہ یقیناً شارق کی کوئی جاننے والی ہی ہوگی مگر جس طرح وہ شارق کے قریب بیٹھی تھی' انہیں برا محسوس ہوا تھا۔

"ہیلو آنٹی! میں شارق کی فرینڈ ہوں۔ آپ یقیناً اس کی امی ہیں۔" شارق سے پہلے ہی وہ بول پڑی تھی۔

"ہوں۔" اماں نے بغور دیکھا۔ حسن و خوب صورتی میں یکتا و بے مثال۔ کسی بھی چیز کی کمی نہ تھی اس میں' نوریہ کے مقابلے میں تو کہیں بڑھ کر تھی مگر پھر بھی انہیں اس کے اندر شدید کمی محسوس ہوئی۔ شرم و حیا کی کمی تھی شاید۔

"تمہاری بیوی تو شاید مجھے کبھی ناشتے کو نہ کہے مگر تم تو ناشتے کا کہہ دو۔"

"وائے ناٹ۔ نوریہ! زیبا کے لیے بھی کھانا نکال دو۔" نوریہ کے لیے شارق کا یہ حکم نامہ بڑا گراں تھا۔

"میرا خیال ہے یہ چل کر صوفے پر بیٹھیں۔ رہی ناشتے کی بات تو نرس کو بلوا کر سرو کروا دیجیے۔ کافی کھانا موجود ہے ہاٹ پاٹ میں' پھر میں ہر ایرے غیرے کی خدمت کے لیے مامور نہیں ہوں۔" اندر کی کھولن لفظوں کی صورت صاف ظاہر تھی۔ بغیر کوئی لحاظ و مروّت دکھائے۔ اس نے برملا زیبا کیانی کو اس کی اوقات باور کرانے کی کوشش کی تھی۔

"نوریہ! یہ اس وقت مہمان ہیں۔" شارق نے ٹوکا تو نوریہ ایک دم کہہ اٹھی۔

"صرف آپ کی۔ میرا ایسے لوگوں سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔"

"شٹ اپ۔" زیبا کیانی ایک لمحے میں آؤٹ ہوئی تھی۔ نویرہ کو دیکھ کر رقیبانہ وحاسدانہ احساسات فوراً اُمڈے تھے مگر نویرہ کے ہتک آمیز انداز نے اسے سلگا دیا تھا۔

"یو شٹ اپ۔" نویرہ کا انداز اس سے بھی جارحانہ تھا۔

"نویرہ!" شارق نے سختی سے ٹوکا تو اس نے غصے سے شارق کو دیکھا۔

"خبردار! مجھے ٹوکا تو۔ شارق زمان! میں آپ کو صاف اور واضح انداز میں باور کروا چکی تھی کہ اگر مجھ سے کوئی تعلق رکھنا ہے تو پھر آپ کو ایسی ساری سرگرمیوں کو ترک کرنا ہوگا۔" غصے سے اس نے زیبا کیانی کی طرف انگلی اٹھائی تھی۔ "ورنہ پھر جو ہوگا۔ اس کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔ میں ایسی چلتی سرگرمیوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ مجھے بے وقوف بنانے کی ضرورت نہیں۔" وہ غصے سے ایک دم ہی بپھر گئی تھی۔ اس کے انداز و تیور اور بطور خاص لب ولہجہ کو دیکھ کر اماں بھی حیران رہ گئی تھیں۔

"کتنی جاہل اور غیر مہذب ہے تمہاری بیوی۔ بالکل دقیانوسی سی۔" نویرہ بستر سے اتر کر پیچھے ہٹی تو زیبا نے استہزائیہ انداز میں کہتے اس کے سر سے پاؤں تک براؤن چادر میں چھپے وجود کو دیکھا۔

"شٹ اپ زیبا!" شارق کو زیبا کی بات ناگوار گزری تو فوراً ٹوکا تھا پھر نویرہ کو گھورا جو غیظ وغضب سے زیبا کو دیکھ رہی تھی۔

"نویرہ! بے وقوفی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ شی از جسٹ اے گیسٹ' میری عیادت کو آئی ہے۔"

"ہونہہ۔ گیسٹ..... ایسی نہ جانے کتنی ہوں گی جو چکر لگائیں گی۔ کس کس کی پردہ پوشی کریں گے آپ.....؟ ایسے لوگوں کی موجودگی میں یا تو یہ رہیں گی یا میں..... چلیں اماں گھر چلتے ہیں۔ خوامخواہ مجھ پر عزت کی زندگی تنگ کی ہے۔ اپنے بھائیوں کی نگاہوں سے گرایا مگر بے حسی کا یہ عالم ہے کہ ماں اور بیوی کی موجودگی میں "دوستیاں" نبھائی جا رہی ہیں۔" غصے سے کہتے اس نے اپنے وجود کے گرد لپٹی چادر درست کی۔

"سکون سے نویرہ بچے! وہ چلی جائے گی' تمہاری جگہ مضبوط ہے۔ حوصلہ کرو۔ یہ تو عام سی بات ہے۔" انہوں نے سمجھانا چاہا۔

"نہیں ہوتا مجھ سے حوصلہ۔ انتہائی حالت میں مردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔ یہی سوچ کر میں اس شخص کے ساتھ زندگی گزار رہی ہوں مگر اب نہیں کروں گی۔ مجھے یہ قبول ہی نہیں کہ مجھے چھونے والا ایسی عورتوں سے ہاتھ ملا کر میری طرف آیا ہو۔ میں اگر اس کے ساتھ نبھا کرنے پر مجبور ہوں تو اسے میری مجبوری نہ بنائیں۔ اسے یا تو ان عورتوں سے تعلق ختم کرنا ہوگا یا مجھ سے....." شارق کا زیبا کو "گیسٹ" کا درجہ دینا ہی غضب ہو گیا تھا۔

"نویرہ بکواس نہیں کرو۔" نویرہ کے ان الفاظ نے شارق کو بھی طیش دلایا تھا۔ وہ کون سا زیبا کیانی پر مر رہا تھا۔ یہ زیبا ہی تھی جو اس کی شادی سے متعلق جانتے ہوئے بھی اس کے پیچھے پروانہ وار نثار ہو رہی تھی مگر نویرہ کو کون سمجھاتا' وہ تو شارق کے ساتھ زیبا کی یہ بے تکلفی دیکھ کر ہی ہتھے سے اکھڑ گئی تھی اور زیبا کے سامنے نفرت کے اس بھرپور اظہار نے شارق کو بھی سلگا دیا تھا۔ دل چاہا ایک دم ساری احتیاطیں بھلا بیٹھے مگر زیبا کیانی کے سامنے اسے خود پر جبر کرنا پڑا تھا اور یہ اس کے لیے بڑی اذیت کی بات تھی۔

"اماں! میں جا رہی ہوں۔ میں شاکرہ کو چوکیدار کے ہمراہ بھیجوں گی یا حمید چچا کو فون کروں گی۔ آپ رہ لیں ادھر ہی۔ شام کو واپس آ جائیے گا۔"

شارق نے غصے سے اس خودسری نویرہ کو دیکھا۔ نویرہ کا انداز پہلے نفی کرتا تھا مگر اب برابر کی چوٹ کا تھا۔ جب سے یہ پریگنینسی کی خبر ملی تھی وہ حد سے زیادہ بے باک اور بے خوف ہو گئی تھی۔ شارق کو نویرہ کا یہ پروگرام طے کرنا انتہائی زہر لگا۔

"اکیلے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تھوڑی دیر میں اماں کے ساتھ چلی جانا۔" زیبا کے سامنے اپنے اٹھتے اشتعال کو دبا کر اس نے ٹوکا تھا۔

"نہیں۔ جب تک آپ کی یہ چہیتی ادھر ہے۔ اب ایک پل بھی نہیں رکوں گی۔ رہ گئی بات اکیلے جانے کی فکر نہیں کریں۔ آپ جیسے بے خوف شخص کے ساتھ رہنے کا کچھ اثر تو ہونا ہی ہے۔ کم از کم دنیا کے چال چلن ہی سیکھنے کو مل گئے ہیں۔ اماں خیال نہ کیجیے گا۔ میں آرام سے چلی جاؤں گی اللہ حافظ۔" چادر منہ کے گرد لپیٹ کر مستحکم لہجے میں کہا۔

دونوں کو ایک ہی جواب میں نمٹاتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ دروازہ کھولا تو دیوار کے قریب کھڑے انسان کو دیکھ کر وہ چند ثانیے کو ساکت ہوئی تھی۔ نجانے وہ کیا کچھ سن چکا تھا مگر میری بلا سے اس نے کندھے اچکائے۔

"رضا! تم....." اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا تھا۔

رضا نے براؤن چادر میں لپٹے چہرے سمیت پورے وجود کو دیکھا اور اک گہری سانس لے کر اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے تھے۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! عیادت کو آئے تھے۔"

"جی۔ آپ گھر جا رہی ہیں؟" رضا نے نویرہ کی آنکھوں میں دیکھا۔ نجانے کیوں نویرہ نگاہ پھیر گئی تھی۔ کچھ تھا رضا کی نگاہوں میں۔

"ہوں۔"

"آئیے۔ میں چھوڑ دیتا ہوں۔ میرے پاس بائیک ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو۔"

اسے کسی رکشے والے یا ٹیکسی ڈرائیور پر بھی تو اعتماد کرنا تھا تو پھر رضا کیا برا تھا۔ اسے ایک پل کو سوچنا پڑا تھا۔ "چلو۔"

✿.....❁.....✿

چونکہ نوشین اور زرش کی شادی ایک ہی دن طے تھی مگر ہارون انکل کی فیملی نوشین کا نکاح پہلے کرنے کے حق میں تھی۔ سعد احمد اور شائستہ بیگم کو بھی بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ شادی طے تھی' نکاح شادی سے قبل ہو یا شادی والے دن ایک ہی بات تھی۔ شادی سے ہفتہ قبل انہوں نے نکاح کا دن رکھ لیا تھا۔ اس

سلسلے میں دونوں جانب خوب تیاریاں ہو رہی تھیں۔

ہادیہ آپی آ کر دونوں کو ایک دو بار پارلر لے کر جا چکی تھیں۔ دونوں ہی ماشاء اللہ خوب صورت چہرے کی مالک تھیں۔ نوشی کا چہرہ تھوڑا سا سانولا تھا مگر بلا کا خوب صورت اور تیکھے نقوش سے مزین تھا جب کہ زرش کا سفید دودھیا حسن گلابی چھلکاتے رخساروں' گھنی پلکوں اور ہیروں کی طرح دمکتی نگاہوں سے ایسا شعلہ تھا جو اپنی معصومیت اور کم عمری سے کسی کا بھی دل لوٹ سکتا تھا۔ خدا کی طرف سے دیا گیا یہ حسن دونوں بلکہ تینوں کو نمایاں کرتا تھا۔ ہادیہ تو خیر سے گھر بار والی تھیں جب کہ باقی یہ دونوں بھی اپنے فطری حسن و خوب صورتی میں بے مثال تھیں۔

آپا کے اصرار پر ہی زرش پارلر جانے پر راضی ہوئی تھی ورنہ خود کو سنوارنے' اجاگر کرنے کی اسے ضرورت ہی نہ تھی۔ خدا کا ودیعت کیا گیا حسن ایسا ہی تھا کہ کچھ مصنوعی سہاروں کی ضرورت کبھی نہیں آئی تھی۔ بیوٹیشن نے اس کا چہرہ دیکھتے ہی کہہ دیا تھا کہ صرف گھر میں تیار کیا گیا ابٹن ہی روزانہ ہاتھ پیروں اور چہرے پر مل لیا جائے یہی کافی ہے۔ اب نوشی کے ساتھ اس کی بھی شامت آئی ہوئی تھی۔ ماما نے یاسمین کی ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی کہ روز سونے سے پہلے دونوں بہنوں کو ابٹن ملا جائے۔

زرش جو سرے سے اس قدر عجلت میں شادی پر رضامند ہی نہ تھی' دل میں لاکھ اعتراضات اور انکار کے جواز موجود تھے مگر ماما پاپا کو دیکھ کر انکار کرنے کی جرأت نہ تھی۔ پہلے ہی ماما پاپا اس کی وجہ سے بمشکل ہی حالات کو ہموار کر پائے تھے۔ خدا خدا کر کے سنبھلے تھے۔ وہ انکار کرتی تو کتنا دکھ ہوتا۔

وہ سارا دن سب کی خواہش پر شادی کی تیاری میں مصروف رہتی تھی مگر رات کی تنہائی میں موقع ملتے ہی کمرے کی خاموشی میں اپنی بے اختیار ہو جانے والی سسکیوں کو نہ روک پاتی تھی۔

ہادیہ آپا روزانہ چلی آتی تھیں اور اسے نجانے کن کن الفاظ میں شادی کے بعد کی ذمہ داریاں' شوہر کے حقوق و فرائض سمجھاتی رہتیں تو وہ سرخ چہرے کے ساتھ لب بستہ سر جھکائے سنتی رہتی تھی۔ اسے لگ رہا تھا یہ بہت بڑا امتحان ہے قبل از وقت۔ یہ سب اس کی برداشت اور عمر سے بہت زیادہ تھا۔ ماما پاپا اسے کم از کم دو سال تو مزید دیتے مگر پھپھو کو نجانے کس بات کی جلدی تھی۔ اب تو سعد جمال بھی پاکستان آ چکا تھا۔ ان کے ہاں بھی آیا تھا۔ پہلے سے زیادہ وجیہ لگ رہا تھا۔ گو کہ اس نے سرسری سلام دعا اور حال چال کے بعد زیادہ کلام نہیں کیا تھا مگر اس کے انداز میں ایسی بات ضرور تھی کہ زرش چونک گئی تھی۔

سعد جمال کا ماما پاپا سب کے ساتھ رویہ بھی بڑا لیا دیا سا تھا تو وہ پھپھو اور ماموں جان کے ساتھ ہی تھا مگر جس طرح سارے عرصے میں وہ چپ چاپ گم صم رہا۔ زرش الجھتی رہی۔ سمعان احمد کی محبت سے بھرپور چاہت اور وارفتگی کے مشاہدے کے بعد سعد جمال کا یہ گم صم خاموش لیا دیا انداز' زرش کے اندر کوئی پن مسلسل چبھو رہا تھا۔

وہ ہفتے میں تین دن کالج جا رہی تھی۔ کالج میں اس نے بطور خاص کسی سے شادی کا ذکر نہیں کیا تھا مگر کیا کیا جائے قیصرہ خالہ کی سجل اور رابعہ دونوں اسی کالج میں ہی تھیں۔ خاص طور پر سجل کے ذریعے اس کی قریبی دوستوں کو تھوڑی بہت بھنک پڑ ہی گئی تھی۔ چونکہ یہ شادی جس طرح طے پائی تھی اور جس قدر عجلت میں ہو رہی تھی۔ زرش کی کوشش تھی کہ جاننے والی لڑکیوں کو مدعو ہی نہ کرنا پڑے۔ اگرچہ کسی نے بھی منہ در منہ صاف پوچھا نہ تھا مگر وہ خود ہی احتیاط برت رہی تھی۔

ماما تو کہہ چکی تھیں کہ چند دن کی چھٹیاں لے لو۔ پاپا بھی کہہ رہے تھے کہ کالج نہ جاؤ۔ پرنسپل سے وہ خود ہی جا کر بات کر لیں گے۔ سو وہ مطمئن تھی کہ اگلے چند دن میں وہ کالج جانے اور دوستوں کے سامنے سے بچ گئی تھی مگر اس دوران پڑھائی کا حرج ہونا تھا۔ وہ ابھی سے فکر مند تھی۔ یہ طے تھا کہ اسے اپنی تعلیم میں فرق نہیں آنے دینا تھا۔

ہادیہ آپا کے سمجھانے بجھانے پر اس نے اور بھی بہت کچھ سوچا تھا کہ سعد کا مزاج دیکھ کر اسے قائل کرنے کی کوشش کرے گی کہ وہ اسے کم از کم دو سال تک ریلیف دے کہ وہ کم از کم گزارہ لائق تعلیم تو حاصل کر سکے۔ دو سال بعد حالات مناسب ہوئے تو وہ سعد کو کسی نہ کسی طرح مزید تعلیم کے لیے قائل کر لے گی کہ اسے کم از کم ایم بی اے تو کرنے دے اور اس کے بعد اگر اسے مکمل گھریلو لڑکی بن کر زندگی گزارنا پڑی تو وہ اس مقام پر تو ہو گی کہ ذہنی و جسمانی لحاظ سے وہ مکمل طور پر تمام ذمہ داریوں کو باحسن نبھا سکے ورنہ شاید کچھ بھی ممکن نہ تھا کہ جب تک سعد جمال تعاون نہ کرے۔

وہ یہ سب خود ہی سوچ رہی تھی۔ سعد جمال کیا سوچے گا۔ اس کا کیا ردعمل ہو گا۔ وہ فی الحال کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ بڑوں کے عجلت بھرے فیصلے میں اپنا مستقبل تباہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اگر سعد تعاون کرے تو سب کچھ ممکن تھا ورنہ نہیں۔ شادی تو ہو ہی رہی تھی۔ وہ مجبور بھی تھی مگر شادی کے بعد وہ خود کچھ حد تک فیصلہ کرنے کا حق تو رکھے گی۔

اس نے یہ سب طے کر کے ہی شائستہ کے سامنے شادی سے انکار نہیں کیا تھا۔ یہ سب سوچنے اور طے کرنے کے بعد ہی اس نے بہت سے دیگر رشتوں کو بھی نارمل لینے کی کوشش کی تھی جن میں اب سعد کا اور سمعان احمد کا تعلق تھا لیکن اب جب سے سعد سے ملاقات ہوئی تھی وہ الجھ گئی تھی۔ اس کے رویے نے اسے بے چین کر دیا تھا چلو اس کے ساتھ اک نیا تعلق بنا تھا۔ وہ کم عمر تھی مگر ماما پاپا کے ساتھ اس کا لیا دیا انداز اسے ہضم نہ ہوا تھا۔

سعد ان سب حالات سے باخبر ہے ہادیہ آپا بتا چکی تھیں مگر اس کا سرد رویہ کیوں تھا؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

نکاح کی تقریب گھر پر ہی طے تھی۔ ہاں البتہ کھانا ریڈی میڈ تھا۔ شام ہوتے ہی مہمان آنا شروع ہو گئے تھے۔ سعود احمد نے اس تقریب میں قریبی تمام عزیز و اقارب کو بمعہ اہل و عیال مدعو کیا تھا۔ البتہ اسلام آباد سے صرف عثمان بھائی آئے تھے۔ ہادیہ آپا رات میں ہی آ گئی تھیں۔ وہ عصر کے قریب ہی دونوں کو پارلر چھوڑ گئی تھیں۔ گھر کافی کام تھا' ماما تنہا تھیں۔ بے شک پھپھو کی بڑی دونوں بیٹیاں آ چکی تھیں' ہاتھ بٹا رہی تھیں مگر ان کی ذمہ داری ڈبل تھی۔

نوشی کے لیے ولیمے کا آف وائٹ فراک اور پاجامہ تیار کروایا گیا تھا۔ بے شک وہ باقاعدہ تمام زیور کے اہتمام سے تیار نہیں ہوئی تھی۔ ماتھے پر بندیا اور بازوؤں میں چوڑیوں کے علاوہ گلے میں ہلکا سا

لاکٹ پہنا تھا۔ باقی سارا زیور پھولوں کے گہنے تھے۔ نوشی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"قسم سے نوشی تم تو قیامت لگ رہی ہو آدھی دلہن بن کر۔ عفان بھائی کی خیر نہیں۔ یہ نہ ہو وہ ٹکرا کے ساتھ ڈائریکٹ رخصتی ہی کی بات کریں۔" زرش نے اس کو چھیڑا تھا۔ عفان کے نام پر وہ ایکدم شرمائی تھی۔

"بکو نہیں۔ خیر تم تو ان سادہ کپڑوں میں بھی غضب ڈھا رہی ہو۔ سعد بھائی کا خیال رکھنا بلکہ ان سے نظر اتروالینا۔" زرش کے رخسار سرخ ہو گئے تھے۔

"جوابی تعریف کی نہیں ہو رہی۔" جھینپے انداز میں اس نے ٹوکا تھا۔

ہلکے پنک کلر کے بالکل سادہ سوٹ میں بغیر کسی آرائش کے بھی وہ دمک رہی تھی اور مل مل کر لگائے گئے ابٹن کی سوندھی سوندھی مہک اور گجروں کی مہک نے اسے بڑا پاکیزہ سا سنگھار عطا کیا تھا۔

شادی تک ہر چیز منع تھی بلکہ آپا تو یہاں تک تاکید کر رہی تھیں کہ روزانہ لباس ہرگز بدلنے کی ضرورت نہیں۔ شادی کے قریب پورا ہفتہ ایک ہی لباس رکھنے سے نکھار زیادہ آتا ہے۔ خیر یہ تو ان کی منطق تھی مگر جس طرح گھریلو مصروفیات تھیں۔ زرش کچھ خود بھی پہننے اوڑھنے سے غافل ہو چکی تھی۔

پارلر سے انہیں وقار بھائی لینے آئے تھے۔ تیار تو صرف نوشی ہی ہوئی تھی۔ وہ تو ساتھ آئی تھی جب وہ دونوں گھر پہنچیں۔ دونوں اطراف کے تقریباً سب ہی مہمان آ چکے تھے۔ زرش اسے اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔

"تم ذرا ایزی ہو کر بیٹھو۔ ابھی یہاں رش لگ جائے گا۔ میں ذرا دلہا بھائی کو دیکھ آؤں۔" اسے مسکرا کر کہتے وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔ چونکہ سارے قریبی ہی مہمان تھے اسی لیے عورتوں اور مردوں کے لیے علیحدہ سیٹنگ ارینج منٹ نہیں کیا گیا تھا۔

پھپھو کی فیملی کے ساتھ سعد کو دیکھ کر وہ کچھ مطمئن ہوئی تھی ورنہ نجانے کیوں گمان ہو رہا تھا کہ شاید وہ نہ آئے۔ تایا کی فیملی میں فرح علی اور عثمان بھائی ہی دکھائی دیے تھے اور حمزہ اور زوباریہ بھابی کو شادی سے تین دن پہلے ہی آنا تھا۔ اس نے ہر ایک کو دیکھا تھا مگر اس کی نگاہیں پھر بھی بھٹکتی رہی تھیں۔

قیصرہ اور طاہرہ کے سب ہی بہن بھائی تھے۔ دوہری رشتہ داریاں تھیں سو سب ہی آئے تھے سوائے قیصرہ بیگم کے۔ ان کے ہاں پاپا نے ان کو کارڈ ضرور بھیجا تھا مگر صرف شادی کا نکاح کا نہیں۔ وہ آئیں یا نہ آئیں۔ یہ ان کی مرضی تھی۔ یہ پاپا کی فراخ دلی تھی مگر زرش ہرٹ ہوئی تھی۔ وہ اس عورت کو کبھی بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے اردگرد دیکھا تھا۔ ہال میں ٹی وی لاؤنج میں ڈرائنگ روم میں مگر اس کی نگاہیں اسی طرح بے چین رہی تھیں۔ اس نے لاشعوری طور پر گلے میں پڑے ہار کو مٹھی میں دبا لیا تھا۔ عثمان بھائی اس سے بہت شفقت سے ملے تھے۔ یہی حال فرح اور علی کا بھی تھا۔ فرح کچھ جھجک رہی تھی مگر زرش اس سے نارمل ہی ملی تھی۔ سب سے ملنے اور سلام دعا کرنے کے بعد وہ واپس نوشی کے پاس جانے کو اٹھی تھی۔

عفان بھائی تھری پیس سوٹ میں واقعی دلہا لگ رہے تھے۔ ابھی صرف نکاح ہی تھا مگر وہ خصوصی

اہتمام سے تیار ہوئے تھے۔ ایک طرح سے یہ شادی کی ریہرسل ہی ہو گئی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی لاؤنج سے نکلی تھی۔ آج کے دن وہ کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ کچھ بھی نہیں مگر اس کے دل میں غیر محسوس انداز میں سناٹے میں گونجنا شروع ہو گئے تھے۔

اتنے شور و پرہجوم فضا میں زرش اندر کا ماحول محسوس کر کے خود ہی گھبرا گئی تھی۔ وہ اندر کمروں کی جانب جانے کی بجائے چند پل کھلی فضا میں گہرے گہرے سانس لینے کی نیت سے باہر لان کی طرف بڑھی تھی۔ راہداری سے نکل کر وہ اندرونی دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ سر جھکائے اپنی ہی سوچوں میں گم عجلت میں اندر داخل ہوتے وجود سے تصادم دونوں کو نہ صرف چونکا گیا تھا بلکہ اپنی اپنی جگہ ساکن کر گیا تھا۔ آنے والے وجود نے اس کے وجود کو گرنے سے بچانے کو بازوؤں میں سمیٹا تھا اور پھر دونوں ہی ساکن ہو گئے تھے۔

زرش کے اندر کے سناٹوں میں ایک دم ہلچل سی گونج اٹھی تھی۔ زرش حیران رہ گئی تھی۔ وہ اس چہرے کو اتنی دیر سے ڈھونڈ رہی تھی اور نہ پا کر اس کے اندر کے سناٹے گہرے ہو گئے تھے کہ ان کی کوئی بھی خوشی اس وجود کے بغیر کبھی بھی ناممکن تھی اور اب سمعان احمد کی نگاہیں اس کے وجود پر گویا تھم سی گئی تھیں۔ وہ حسین تو پہلے ہی تھی مگر اس وقت اس کا چہرہ ایسے چمک رہا تھا گویا ہر طرف روشنیاں بکھری ہوں۔ بغیر کسی آرائش سادہ سے حسن اور لباس میں جو سمعان احمد کے دل کا قرار لوٹ گئی تھی۔

"زری!" بے آواز سرگوشی زرش کے ساکن وجود میں جان ڈال گئی تھی۔ اسے صورت حال اور مقام کا احساس ہوا تو فوراً نظریں جھکا کر پیچھے ہٹی تھی۔ ان کے ہاتھ ہٹا کر پیچھے ہٹنے پر سمعان نے بڑی بے قرار نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ یہ وجود یہ حسن' یہ چاند چہرہ ان کے مقدر میں بھی ہو سکتا تھا مگر..... ان کے جذبات میں ہلچل سی ہوئی تھی۔

"کیسی ہو؟" سمعان کے لب ہلے تھے۔

"ٹھیک ہوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں تلخی تھی۔ سمعان کے اندر دکھ کے بادل گہرے ہونے لگے۔

"پیاری لگ رہی ہو۔" سمعان دل کی بات زبان پر لانے سے نہ روک پایا تھا۔ زرش نے بے اختیار سر اٹھا کر پانی سے اٹی نگاہوں سے انہیں یوں دیکھا تھا کہ جیسے سرزنش کرنا چاہ رہی ہو۔

"آپ....." کچھ کہتے کہتے وہ سختی سے لب بھینچ گئی۔ "پیچھے ہٹیں مجھے باہر جانا ہے۔" اس کے لہجے میں بلا کی تلخی تھی۔

"زرش! کیا ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہم یہ بھول جائیں۔ درمیانی عرصے میں جو بھی ہوا۔ فراموش کر دیں۔ ہم آپس میں پہلے کزن تھے۔ باقی رشتے بعد میں آتے ہیں۔"

"پلیز چپ ہو جائیں۔ کہنا بہت آسان ہے مگر عمل کرنا بہت مشکل۔ آپ کس قدر آسانی سے کہہ رہے ہیں۔ فراموش کر دوں..... کیا آپ میرا وہ یقین' وہ اعتبار دلا سکتے ہیں جو آپ پر تھا۔ بولیں جواب دیں۔"

سمعان احمد کے ایک طرف ہٹنے پر وہ آگے بڑھی وہ چلتے چلتے ایک دم رک گئی تھی۔ انتہائی غصے سے

انہیں دیکھا۔ وہ خاموش تھے۔

"نہیں۔ دلا سکتے آپ مجھے میرا وہ اعتبار..... بہت غلط کھیلا کھیلا ہے آپ نے میرے ساتھ۔ آپ میرے تایا کے بیٹے تھے' ہمارا کوئی بھائی نہیں تھا' ماما پاپا نے بیٹے کی کمی قدم قدم پر محسوس کی تھی اور ہم نے بھائیوں کی اور میں نے تو آپ کو حقیقی بھائی سمجھا تھا مگر آپ نے کیا کیا۔ نہ صرف میرا اعتبار توڑا بلکہ مجھے ذلیل بھی کیا۔ میرے اوپر بہتان بازی کی میری محبت' میری چاہت کو غلط رنگ دیا۔"

"زرش پلیز۔" وہ بلک بلک کر رونے لگی تو سمعان کے اندر ندامت کے ناگ اٹھنے لگے۔ "گناہ گار ہوں تمہارا مگر جتنی تم بے قصور ہو اتنا ہی میں بھی۔"

"چلے جائیں میرے سامنے سے۔ مت آیا کریں میرے سامنے۔ نفرت سی محسوس ہوتی ہے مجھے آپ سے۔" سمعان دکھائی نہیں دیا تھا تو وہ بے چین سی ہو کر رو دینے کو تھی اور اب دکھائی دیا تو آنکھیں ساون بھادوں بنی ہوئی تھیں۔

سمعان نے چند پل اسے دیکھا تھا۔ زرش کا انداز حد سے زیادہ دل شکن تھا جب کہ اس کا رونا دل پر قیامت بن رہا تھا۔ بڑی بے بسی سے سمعان نے دوبارہ دروازے کی جانب قدم بڑھائے تھے مگر وہاں سعد جمال کو دیکھ کر ٹھٹک جانا پڑا۔ نجانے اس نے کیا دیکھا..... کیا سنا تھا؟ سمعان کے اندر بے چینی سی ابھرنے لگی۔

"السلام علیکم۔" اسی چپ چاپ انداز میں زرش کو دیکھ کر سعد نے سمعان کو دیکھ کر مسکرا کر جو سلام کیا تھا۔ زرش نے آواز پر فوراً پلٹ کر دیکھا۔ سمعان سے ہاتھ ملاتا سعد بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ فوراً بوکھلا کر چہرہ صاف کرنے لگی تھی۔

"بہت لیٹ آئے تم۔" زرش تیزی سے دوپٹے سے رخسار رگڑتے دوسرے دروازے سے واپس اندر چلی گئی تھی۔

"ہاں بس آفس کا کام تھا۔ چچا جان اور ابو کی غیر موجودگی میں لازمی کرنا تھا۔" اپنے عقب میں سمعان کی آواز سنائی دی تھی

✿.....✿.....✿

نکاح کی تقریب ہوتے ہی ہادیہ آپا کے کہنے پر وہ نوشی کو وہیں لاؤنج میں لے آئی تھی۔ عفان بھائی اور دیگر مرد حضرات کے بیٹھنے کا انتظام ڈرائنگ روم میں تھا۔ عفان بھائی کی ماما نوشی کے واری صدقے جا رہی تھیں۔ لاؤنج میں قریبی رشتے کے مرد حضرات کے سوا سب ہی خواتین ہی تھیں۔ ہنسی مذاق' باتیں آوازیں اس قدر پرشور ہنگاموں کے باوجود سعد جمال اس طرح گم صم تھا۔ بظاہر اس کی نگاہیں نوشی کے ساتھ بیٹھی مسکراتی زرش پر تھیں مگر ذہن پر ان گنت خیالات کی فلم سی چل رہی تھی۔

سمعان احمد کا زرش کو گرنے سے بچانا۔ اس کی تعریف کرنا' زرش کا اندر' رونا اور پھر سمعان احمد کو چلے جانے کا کہہ دینا جب کہ اس سب کے برعکس سمعان احمد کا وہی نارمل انداز برقرار تھا۔ یہ سب اسے بہت الجھا چکا تھا فیصلہ بہت مشکل تھا اور ایسے عالم میں فرح کا سامنا ہونا۔

بے شک فرح سعید احمد اس سے بالکل نارمل ہی ملی تھی۔ ایک کزن کی ہی حیثیت سے مگر سعد جمال جو خود کو بہلا پھسلا کر حالات کے لیے تیار کر رہا تھا۔ اب پھر گم صم ہو گیا تھا۔

اسے کیا کرنا چاہئے۔ کس طرح امی ابو سے بات کر لے کہ وہ اس کے احساسات و جذبات کو سمجھ لیں۔

"زرش!" زرش نوشی کے قریب سے اٹھ کر لاؤنج سے باہر نکل آئی تھی۔ سعد جو ایک کونے میں بیٹھا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔

"جی..... آپ.....؟" اسے حیرت ہوئی۔ ساتھ میں تھوڑی سی کنفیوز بھی ہوئی۔

"مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔" سعد کا انداز از حد سنجیدہ تھا۔ زرش نے دھیان سے دیکھا۔

"جی کہیے۔" ارد گرد دیکھتے اس نے اپنی اندرونی گھبراہٹ پر قابو پاتے نارمل انداز میں کہا تھا۔

"ادھر نہیں۔ میرا مطلب ہے یوں کھڑے کھڑے تو بات نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی سمعان آ جا رہے ہیں۔ یہ بات کرنے کی مناسب جگہ نہیں۔ اگر تم کہیں بیٹھ کر میری بات سن لو تو.....؟"

زرش اب حقیقت میں الجھی تھی۔ سعد جب سے پاکستان لوٹا تھا اس کا انداز یہی تھا۔

"کوئی خاص بات ہے؟"

"ہوں۔"

"اچھا آپ ادھر نوشی کے کمرے میں چلیں۔ میں آتی ہوں۔"

سعد کے جانے کے بعد وہ کچن میں چلی آئی تھی۔ پہلے پانی پی کر اپنی گھبراہٹ ختم کرنا چاہی۔ پتا نہیں سعد کو کیا کہنا تھا۔ ایسے عالم میں کہ جب شادی میں صرف ایک ہفتہ باقی تھا۔ نجانے وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ وہ سوچ کر الجھ کر رہ گئی تھی۔

وہ نوشی کے کمرے میں آئی تو سعد نوشی کی اسٹڈی ٹیبل کے پاس کھڑا کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر کتاب رکھ دی تھی۔

"بیٹھو۔" سعد نے بستر کی طرف اشارہ کیا تھا وہ کھڑی رہی۔

"آپ پلیز بات کیجیے۔ میں سن رہی ہوں۔"

"تم اپنی شادی سے خوش ہو؟" سوال ایسا تھا کہ زرش کا چہرہ سرخ رنگ ہوا تھا۔

"جی.....؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"میرا مطلب ہے تم اس شادی پر راضی ہو یا نہیں؟" اس کے حیران ہونے پر سعد نے وضاحت کی تھی۔

"یہ سراسر ماما پاپا کا فیصلہ ہے۔ میں تو پڑھنا چاہتی ہوں مگر....." وہ سعد پر ابھی سے واضح کر دینا چاہتی تھی کہ شادی کی وجہ سے اس کی تعلیم متاثر ہو رہی تھی۔ یہ موقع اچھا تھا اس نے فوراً کہہ بھی دیا تھا۔

"اگر میں انکار کر دوں تو؟"

"جی؟" زرش نے چونک کر سعد کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ واقعی کچھ نہیں سمجھی تھی۔

"میں سمعان احمد کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتا۔ ایسے عالم میں کہ جب سب نے اسی کے

ساتھ زیادتی کی ہو۔"

زرش کے اعصاب پر گویا بم پھوڑا گیا تھا۔ وہ تحیر سے دیکھے گئی۔

"تم مجھے غلط نہیں سمجھنا۔ مجھے کوئی بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا۔ امی ابو بھائی کوئی بھی نہیں۔ سب ماموں جان کی بیماری کی فکر ہے اور یہاں اس عجلت بھرے فیصلے کی وجہ سے جو اتنی زندگیاں برباد ہو رہی رہیں۔ ان کو کوئی نہیں دیکھ رہا۔ خاص طور پر سمعان احمد اس کے ساتھ اتنی بڑی زیادتی..... تو نیور ناممکن۔ اگر میرا ساتھ دو تو میں امی ابو سب کو راضی کر لوں گا۔ شادی رکوا لوں گا۔ ٹھیک ہے رشتہ یوں ہی برقرار رہے گا تب تک میں حالات کو سنوارنے کی حتی المقدور سعی نہ کر لوں۔"

زرش بے حس و حرکت سعد کو دیکھے جا رہی تھی۔ پتا نہیں الفاظ انجانے تھے یا اس کی سماعت کمزور تھی۔ نا سمجھی سے ساکن تھی۔ سمعان احمد کے حوالے سے ایک اور الزام اس کے سر تھا۔ سمعان احمد کی ذات ایک اور شخص کی نظروں میں اسے گرا گئی تھی۔ مارے صدمے کے وہ کسی بھی قسم کی تردید کے قابل بھی نہ رہی تھی۔

"زرش! تم سن رہی ہو میری بات۔ خدا کی قسم مجھے سمعان احمد سے متعلق کچھ علم نہ تھا اور جب علم ہوا ہے' دل چاہ رہا ہے سب کچھ ملیا میٹ کر دوں۔"

"پلیز! چپ ہو جائیں۔ میرا سمعان بھائی سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ کتنی تردید کروں میں کہ سب کو یقین آ جائے۔ نہیں ہے میرا ان سے کوئی تعلق جو کچھ بھی تھا ان کی طرف سے تھا' جو بھی تھے ان کے یکطرفہ احساسات تھے۔ آپ یقین کریں میرا۔ دوسروں کی طرح آپ تو کم از کم مجھے الزام نہ دیں۔"

اگلے ہی پل وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

سعد نے عجیب بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔

"میں تمہیں الزام نہیں دے رہا اور میں اتنا کم ظرف نہیں ہوں مگر بات تو ساری یہ ہے کہ اس سارے قصے میں سب سے زیادہ نقصان صرف سمعان احمد ہی اٹھا رہا ہے۔ یہ خاندانی چپقلش صرف ذاتی مفاد اور حسد کی بناء پر کی جانے والی سازش ہیں۔ وہ حق رکھنے کے باوجود اپنے حق سے دستبردار ہو چکا ہے۔"

"آپ میرے سامنے ان کا نام بھی نہ لیں۔ اس سارے قصے کے ذمہ دار وہی ہیں۔ تایا ابو کیا چاہتے تھے وہ ایک طرف تائی امی کی حیثیت بھی مسلم تھی جب انہوں نے ایک دفعہ ہادیہ آپا کے لیے کھل کر انکار کر دیا تو پھر ساری بات ہی ختم تھی۔ ایسے عالم میں سمعان بھائی کے احساسات و جذبات کو صرف حماقت ہی قرار دوں گی۔ اپنے ساتھ کی جانے یا ہونے والی زیادتی کے سراسر ذمے دار صرف وہ خود ہیں۔ آپ مجھے نہیں انہیں جا کر باور کروائیں۔" اپنے آپ کو سنبھال کر اس نے تحکم سے کہا تھا۔ سعد نے چونک کر اسے بغور دیکھا۔ اس کے الفاظ اتنے کم زور بھی نہ تھے اس کی اپنی ذات کے برعکس۔

"زرش تم....."

"پلیز آپ جو بھی کہنا چاہتے ہیں کھل کر کہیں۔ سمعان بھائی کا قصہ نہ چھیڑیں۔ یہ شادی اس قصے "قصہ پارینہ" بنانے کے لیے ہی طے ہوئی تھی۔ اگر آپ کو میں اس سارے الزام وغیرہ سمیت قبول ہوں تو صاف بات کریں۔ اگر انکار کرنا چاہتے ہیں تو مجھے باور کروانے یا میرے جذبات جاننے کی بجائے

کر اپنے بڑوں سے انکار کریں۔" اگلے ہی پل وہ خاصی تلخ ہو چکی تھی۔ سعد نے خاصی حیرت سے اسے دیکھا۔ ساڑھے پانچ فٹ سے بھی نکلتا قد مناسب سراپا دلکش چہرے کی خوب صورتی سمیت وہ حد سے زیادہ دلکش تھی۔ ایسے میں اس کی گفتگو۔

"اگر میں سچ مچ انکار کر دوں تو.....؟"

زرش کا دل کانپ اٹھا۔ "تو میں سمجھوں گی مجھ پر الزام لگانے والوں میں ایک فرد کا اضافہ اور ہو گیا۔"

اگلے ہی پل وہ تنفر سے گویا ہوئی تھی۔

"زرش تم....."

"بات سنئے میری سعد جمال! یہ میرے والدین کا فیصلہ ہے۔ انکار کرنا ہوتا تو میں خود سو طریقوں سے کرتی مگر میں ایک الزام کندھوں پر لادے ساری عمر ایک بوجھ کی طرح زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ سمعان بھائی کیا تھے؟ ان کے جذبات کیا ہیں؟ وہ کون ہیں؟ ان کے گھر سے ایک الزام لے کر نکلنے کے بعد میں ہر بات بھول گئی ہوں۔ اگر آپ ان کے لیے مجھے چھوڑیں گے یا الزام دیں گے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہاں ہمارے بڑوں کو ضرور پڑے گا۔ آپ مجھے قائل کرنے کی بجائے اپنے والدین کو قائل کریں تو شاید کوئی راہ نکل آئے۔" غصے سے کہہ کر وہ پلٹی تھی۔ آنکھوں میں نمی سی تھی مگر مضبوط بنی ضبط کر رہی تھی۔

"زرش! رکو تو....."

"اب بھی کوئی بات رہ گئی ہے کہنے کو.....؟" نمی کو انگلی سے صاف کیا۔

"زرش! مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ تمہیں الزام نہیں دے رہا۔ سمعان احمد کے متعلق....."

"پلیز! چپ ہو جائیں۔ نفرت سی ہو چلی ہے مجھے اس نام سے۔ بات ہو چکی ہے آپ واضح کر چکے ہیں۔ شادی میں ابھی ایک ہفتہ باقی ہے۔ میں سب برداشت کر لوں گی مگر میرے والدین شاید یہ برداشت نہ کر سکیں۔" زرش کا جی چاہا کہ شدت سے روئے۔

سعد نے لب بھینچ لیے۔

"آپ انکار کر رہے ہیں۔ یہی بتانا چاہتے ہیں نا آپ جائیں کر لیں مگر یاد رکھیے گا۔ اس کے بعد کبھی ہمارے سامنے نہ آیئے گا ورنہ ایسا نہ ہو میں نفرت میں ہر حد سے گزر جاؤں۔" غصے سے کہتی ہوئی وہ دروازے کی دہلیز پار کر گئی تھی۔ سعد جمال نے بے بسی سے ہلتے پردے کو دیکھا تھا۔ اس کی بے بسی میں ایک دم کئی گنا اضافہ ہوا تھا۔

اس چھوٹی سی لڑکی کو قائل کر لینا کتنا آسان سمجھ لیا تھا۔ اس نے مگر اب پچھلی تمام ناکامیوں کے بعد اس محاذ سے بھی ناکام ہونا پڑا تھا۔ بری طرح شکست سے دوچار ہو گیا تھا۔

ایک پل کو سعد جمال کو لگا جیسے وہ ایک بند گلی میں آ کھڑا ہوا ہے۔ جس کے آگے کوئی راستہ نہیں۔ مجبوراً اسے وہاں ٹھہرنا تھا۔ اپنے لیے نہیں تو اور بہت سے لوگوں کے لیے ہی سہی۔

شام کے قریب دو دن بعد شارق زمان کو اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ نویرہ دوبارہ اسپتال نہیں گئی تھی۔ فاروق چچا کے ساتھ ہی شارق واپس گھر آیا تھا۔ وہ کچن میں رات کے کھانے کا اہتمام کر رہی تھی جب ان کی واپسی ہوئی تھی۔ سرسری سلام دعا اور حال چال کی پرسش کے بعد وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

شارق کے گھر آجانے کا سن کر حمید چچا اور چچی چلی آئی تھیں۔ شام کے بعد خاندان کے چند اور لوگ بھی عیادت کو آگئے تو کام بڑھ گیا تھا۔ مہمانوں کی تواضع اور کھانا پینا' نویرہ تو اس میں مصروف رہی تھی۔ شاکرہ ساتھ تھی سو سہولت رہی تھی۔ دس بجے کے قریب مہمانوں کی واپسی ہوئی تو وہ دونوں بھی کچن کے کاموں سے فارغ ہو گئی تھیں۔

شارق زمان گھر آنے کے بعد صرف کمرے میں لباس تبدیل کرنے کو گیا تھا۔ مہمانوں کی وجہ سے مسلسل لاؤنج میں ہی ٹی وی لگائے بیٹھا رہا تھا۔

شاکرہ کو اماں کے پاس بھیج کر نویرہ نے لاؤنج میں جھانکا تھا۔ صوفے پر دراز دایاں بازو گلے میں موجود پھندے میں ڈالے وہ ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔ وہ اندر جانے کی بجائے اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ عجب سی بے حسی اسے اپنے اندر اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ نماز ادا کر کے وہ دعا مانگ کر اٹھی تو رات کے دس بج رہے تھے۔ وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔

اماں مہمانوں کے جاتے ہی کمرے میں چلی گئی تھیں۔ میڈیسن کھاتے ہی وہ سونے لیٹ گئی تھیں۔ اماں کے کمرے میں جھانکا۔ شاکرہ بھی لائٹ آف کیے سو رہی تھی۔ باقی گھر کے بھی سارے دروازے لاک چیک کر کے لائٹس آف کرتے وہ لاؤنج میں چلی آئی جہاں ٹی وی کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ کوئی ٹاک شو چل رہا تھا۔

شارق زمان لیٹے لیٹے سو چکا تھا۔ شاید نویرہ نے ایک پل کو دیکھا شاید کوئی ردعمل ہو مگر وہ واقعی سو چکا تھا۔ دایاں ہاتھ سینے پر تھا۔ بائیں ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول جکڑے پہلو میں تھا۔ ٹی وی آف کرنے کو ریموٹ کنٹرول لینے کو جھکی تو شارق نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

''تمہارا تو مجھ سے پردہ چل رہا تھا شاید۔'' لیٹے لیٹے سیدھی آنکھیں نویرہ کے چہرے پر گاڑی تھیں۔ نویرہ نے سیدھے ہو کر گہری سانس لی۔ اس کا طنز صاف سمجھ گئی تھی۔

''خیر اب ایسی بھی بات نہیں جب پردہ کرنا چاہئے تھا تب آپ نے ایسا کچھ ہونے نہ دیا تھا اب کہاں کا پردہ؟'' نویرہ کا انداز بڑا سنجیدہ تھا بلکہ کچھ طنز آمیز بھی تھا۔

''تو پھر تمہارے اس رویے کو کیا سمجھوں؟'' غصے سے اُسے نے دیکھتے ہوئے شارق زمان اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ٹی وی آف کر کے ریموٹ کنٹرول سائیڈ پر پھینکا تھا۔

''جوابی کارروائی۔'' بڑے ٹھنڈے لہجے میں کہتی وہ وہاں سے ہٹنے کو تھی جب شارق نے غصے سے ہاتھ پکڑ کر جھٹکے سے پاس ہی سوفے پر گرا لیا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟''

''یہی تو۔ میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیسی جوابی کارروائی؟''

گدے پر سنبھل کر بیٹھتے اس نے شارق کو دیکھا تو اس نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''کوڑھ مغز تو نہیں' جب سب سمجھ رہے ہیں تو پہیلیاں بجھوانے کا فائدہ۔'' وہ شارق کے قریب سے اٹھنا چاہتی تھی مگر اس نے بازو پکڑ کر ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔

''مائنڈ یور لینگویج نویرہ!'' نویرہ کے لب و لہجے پر درشتگی سے ٹوک دیا گیا تھا۔ ''مجھے سمجھ نہیں آ رہا تمہیں غصہ کس بات کا ہے۔ پرسوں تم اکیلی اسپتال سے چلی آئیں۔ وہ تو بعد میں رضا نے بتایا کہ وہ تمہیں گھر چھوڑ کر آ رہا ہے۔ اس کے بعد تم آئی ہی نہیں۔ میں نے سو بار فون کیا۔ تم نے ریسیو نہیں کیا اور اب شام سے میں آیا ہوں۔ تم منہ ہی سیدھا نہیں کر رہی ہو۔''

''تو کیا فرق پڑتا ہے آپ کو۔ آپ کو تو اپنی اسی خوشی میں مست رہنا چاہیے کہ میں آپ کے گھر میں ہوں۔ آپ کے نام سے وابستہ۔'' طنزیہ لہجے میں فوراً کہا گیا تھا۔ شارق نے غصے سے چند پل اسے دیکھا تھا۔

''میرا خیال ہے تمہارا اب اس انداز میں اری ٹیٹ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور جس بات کو وجہ بنا کر تم یہ ناراضگی دکھا رہی ہو' میرے نزدیک اس وجہ کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ تم میرے بچے کی ماں بننے جا رہی ہو۔ میری زندگی میں اگر ایسی ویسی کسی عورت کی کوئی اہمیت ہوتی تو کون تھا مجھے روکنے والا.....؟ خوامخواہ اپنی انرجی ویسٹ نہ کرو۔ زیبا صرف عیادت کرنے آئی تھی۔ اگر تم اس کی مہمان نوازی کر دیتیں تو کوئی فرق نہیں پڑ جاتا۔ الٹا تم اس کے سامنے کیا کچھ نہ کہہ گئی تھیں اور پھر ایسے ہی چلی آئی۔ باہر کی عورت باہر کی عورت ہی رہے گی۔ بیوی نہیں بن جائے گی بیگم صاحبہ۔ اس نکتے پر غور کریں۔'' خاصے غصے سے باور کروایا گیا تھا۔ نویرہ نے غصے سے بازو کھینچ لیا۔

''میں نے آپ سے وضاحت نہیں مانگی۔'' وہی بے لحاظ انداز تھا۔

''پھر موڈ کیوں خراب ہے؟''

''خوش ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔'' خاصا جلا کٹا انداز تھا۔

''خیر اب یہ تو نہیں کہہ سکتی۔ مرتے مرتے بچا ہے تمہارا شوہر۔ اگر خوشی مناؤ تو خاصی بڑی وجہ ہے۔''

نویرہ نے شارق کے الفاظ پر اسے صرف دیکھا تھا۔ بے اثر چہرہ لیے بیٹھی رہی۔

''نماز پڑھ لی یا ابھی پڑھنی ہے؟''

''پڑھ چکی ہوں۔'' اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے دس بجا رہی تھی۔

''چچا بتا رہے تھے لالہ منصور گرفتار ہو گیا تھا۔ کل ہی شاید گرفتار ہوا تھا۔''

اچانک خیال آیا تو اس نے شارق کو دیکھا۔

''ضمانت بھی ہو چکی ہے۔ ایسے لوگ ایسے کام کرنے سے پہلے ضمانت کرواتے ہیں۔ انجم پر اوپر سے دباؤ تھا ورنہ وہ چھوڑتا نہیں کبھی۔ خیر اسے چھوڑوں گا میں بھی نہیں۔ میں بڑا لحاظ کرتا رہا ہوں اس شخص کا۔ اب کے دشمنی کی بنیاد اس کی طرف سے ہوئی ہے۔ ساری عمر یاد رکھے گا کس سے الجھا ہے وہ.....''

''کیا کریں گے آپ؟'' شارق کے تیور دیکھ کر پوچھا۔

''کم از کم اس کے حلق میں گولی اتارنے سے کم بھی نہیں کروں گا۔'' لہجہ بڑا پرعزم تھا۔

''اس کے حلق میں گولی اتار کر آپ کو کیا حاصل ہوگا؟'' کچھ تلخی سے اس سے پوچھا۔

''میرا خون اتنا سستا نہیں تھا۔ شہوانہ کون ہے میری بلا سے اس کے بیٹے نے کس قماش کی عورت سے شادی کی یہ اس کا مسئلہ تھا۔ یہ معاملہ اگر میں اچھالتا تو بہت پہلے یہ کر چکا ہوتا۔ وہ شخص جان بوجھ کر دوسرے دن مجھے تکلیف دینے آ پہنچتا تھا۔ یہ جھگڑا طول نہ پکڑتا اگر وہ جان سے مارنے کی دھمکی نہ دیتا۔ اگر وہ ایسی دھمکیاں آزمائے گا تو چوڑیاں میں نے بھی نہیں پہنیں۔''

''تو فائدہ کیا ہوا ہے اس سارے جھگڑے کا..... وہ جرم کر کے بھی آزاد ہے اور آپ ہسپتال کا قیام بھی بھگت چکے ہیں۔ انسان کو اتنا جذباتی بھی نہیں ہونا چاہیے۔ ایسے لوگوں سے پہلو تہی بھی تو کی جا سکتی تھی۔''

''وہ مجھے میرے سامنے ماں بہن کی گالیاں بکتا رہے اور میں چپ کر کے سنتا رہوں۔ اتنا ہی بے غیرت سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے؟'' اس نے غصے سے نویرہ کو دیکھا۔ نویرہ کے چہرے پر بڑی استہزائیہ سی مسکراہٹ چمکی تھی۔

''خیر میں کیا سمجھوں گی۔ کوئی انسان کیا ہے اس کے اعمال ثابت کر ہی دیتے ہیں۔ اپنی ماں بہن کی گالی تو ہر کسی کو بُری لگتی ہے چاہے وہ کسی کی بہن بیٹی پر رات کی تاریکی میں ہاتھ ڈالنے والا ہی کیوں نہ ہو۔''

''نویرہ۔'' نویرہ کا یہ وار رائیگاں نہیں گیا تھا۔ شارق زمان نے بڑے غصے سے اسے ٹوکا تھا۔ ''میں تمہیں اپنے اس عمل کی وضاحت دے چکا ہوں۔ ازالے کے طور پر تم ادھر ہو اس گھر میں۔ میری بیوی کی حیثیت سے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے۔ انسان ہوں فرشتہ نہیں۔ غلطی انسانوں سے ہی ہوتی ہے۔ انسان ہی بہکتے ہیں آسمانوں سے فرشتے نہیں اترتے گناہ سرانجام دینے۔'' نویرہ کے طعنے نے اسے بری طرح مشتعل کر دیا تھا۔

''اپنے عمل کی کیا توجیہ پیش کی ہے اور ازالہ بھی خوب کیا ہے۔ زندہ انسانوں کے احساسات تو ایک طرف ان کی زندگیوں سے کھیلا ہے آپ نے۔ جسے آپ ازالہ کہتے ہیں وہ موت ہے۔ اس سے بہتر تھا بدنامی کا طوق گلے میں ڈال کر زندگی بسر ہو جاتی۔ یہ ازالہ؟ عمر بھر کا طوق گلے میں ڈال دیا ہے آپ نے۔'' تنفر سے کہتے وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ''نبیل بھائی کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ آپ کے ساتھ ہونے والا حادثہ جان کر بھی انسانیت کے ناتے نہ آسکیں اور میں، مجھ سے تو خیر ان کو سوگلے ہیں۔ شارق زمان میری بات یاد رکھئے گا۔ اگر میں اپنے بھائیوں کی نظروں سے گری ہوں تو آپ کو بھی مجھے اپنے گھر میں آباد کر کے کوئی خوشی حاصل نہ ہوگی۔ ہاں میں آپ کے ساتھ آخری حد تک کمپرومائز ضرور کروں گی کہ اب یہ میری مجبوری ہے۔ پہلے میرے والدین تھے اور اب آپ کی اولاد۔''

اپنے اندر کی بھڑاس نکال کر وہ بغیر پلٹ کر دیکھے لاؤنج سے نکل گئی تھی۔

نفیسہ پھپھو فرح کو اپنے گھر لے جانے کے لیے آئی تھیں۔

سعید احمد سعد کا رشتہ اور پھر شادی طے کر دینے کے فیصلے سے ان سے ناراض تھے۔ انہوں نے ان سے بات کی تھی۔ اپنا مؤقف سمجھایا تھا۔ سعید احمد سمجھے تھے یا نہیں ہاں البتہ انہوں نے فرح کو ان کے ساتھ شادی کے لیے چلے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ تیاری تو پہلے بھی وہ کر چکی تھی۔ ابو کی اجازت پا کر وہ ان کے ساتھ چلی آئی تھی۔ اسلام آباد سے زوباریہ بھابی بھی آ چکی تھیں۔ ایک دن انہوں نے ''احمد لاج'' میں گزارنے کے بعد چچا کے ہاں قیام کیا تھا۔ زیادہ رشتہ دار سب ہی تقریباً اسی شہر کے رہنے والے تھے۔ دونوں طرف کے مہمان وغیرہ ملتے جلتے ہی تھے۔ اسی لیے مہمان جو چند آ چکے تھے۔ کبھی پھپھو کے ہاں رہتے تھے اور کبھی سعود احمد کے ہاں چلے جاتے تھے۔

کل نوشی کی مہندی تھی اور پرسوں زرش کی، دونوں طرف کا فنکشن ہوٹل میں ایک ساتھ ہی طے تھا۔ پھپھو کے ہاں ان کی ساری آل اولاد جمع ہو چکی تھی سوائے ستارہ باجی کے جو کہ اپنے گھر میں تیاریوں میں مصروف تھیں۔ ہادیہ آپا بھی مسلسل گھن چکر بنی ہوئی تھیں۔ صبح کے وقت وہ ادھر تھیں تو شام کو وہ ماما وغیرہ کے پاس چلی جاتی تھیں کہ دونوں طرف کی تیاریوں میں وہ برابر ہاتھ بٹا رہی تھیں۔

یہ سب لوگ اگرچہ اپنے آپ کو اچھی طرح کمپوز کر چکے تھے۔ اس حقیقت کو مان چکے تھے مگر دل میں جو درد تھا وہ گاہے بگاہے تکلیف ضرور دے رہا تھا۔ علی روز کالج سے واپسی پر چچا کے ہاں ہی چلا جاتا تھا۔ اگر دل کیا تو رات کو واپس آ گیا ورنہ فون کر کے وہیں رک جانے کی اطلاع کر دیتا تھا۔ سعید احمد بھی روز ہی چکر لگا رہے تھے مگر دل میں سب ہی افسردہ سے تھے۔ آنکھوں میں اچانک پانی جمع ہونے لگتا تو فوراً ذہن کو کسی اور جانب مصروف کر لیتے تھے گویا سب کے دلوں کو ایک مستقل روگ آ لگا تھا۔

پھپھو کے ہاں آئے اسے دوسرا دن تھا۔ اس سارے عرصے میں اس کا سعد جمال سے صرف ایک دفعہ ہی سامنا ہو پایا تھا۔ عجب بے چارگی سے بھری نگاہ اس کی طرف اٹھی تھی اور فرح نے خاموشی سے سر جھکا کر نگاہ پھیر لی تھی۔ سعد جمال اگر اس کے سامنے آنے سے اجتناب کر رہا تھا وہ خود بھی بچ رہی تھی۔ زوبیہ آپی اسے زرش کے لیے تیار کردہ ملبوسات دکھا رہی تھیں۔ اس وقت لاؤنج میں پھپھو، ماریہ باجی کے علاوہ دیگر مہمان خواتین بھی تھیں۔ ہادیہ آپی ماما کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ طیب کو یہیں پھپھو کے پاس ہی چھوڑ گئی تھیں۔

''بہت پیارے ہیں کپڑے۔ ایک سے بڑھ کر ایک۔'' ہر لباس پر نگاہ پڑتے ہی وہ تعریف کر رہی تھی۔

سمعان بھائی اور زرش کی شادی سے متعلق خیالات کی اڑان کہاں تک نہ پہنچی تھی مگر خواب تو صرف خواب ہی ہوتے ہیں۔ کب حقیقت کا روپ دھارتے ہیں۔ زیور دیکھتے اس کی آنکھوں میں دھند سی ٹھہری تھی۔ یہ سب سمعان بھائی کے حوالے سے بھی تو ہوسکتا تھا۔ یہ سب اہتمام وہ لوگ بھی تو کر رہے تھے مگر وہ کس سے شکوہ کرتی۔ وہ دھواں دھواں چہرہ لیے بیٹھی ہوئی تھیں۔

''آپا! ایک کپ چائے پلوا دیں۔''

ماریہ آپا نے سعد کی طرف دیکھا۔ الجھا الجھا حلیہ اور تھکن سے بھرپور سراپا تھا۔ سعد کی آواز سن کر فرح نے سر نہ اٹھایا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' پھپھو نے بھی سعد کو دیکھا۔ وہ کافی مضمحل سا لگ رہا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' ادھر بیزاری کا اور ہی عالم تھا۔ وہ آج کل سب ہی سے ناراض تھا۔ سب سے بول چال بند تھی۔ سارا سارا وقت گھر سے باہر یا کمرے میں بند رہ کر گزار رہا تھا کسی کو بات کرنے' کچھ سمجھانے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔ نفیسہ بیگم کے دل میں ملال جاگا۔ سعد جمال نے جو ایک سرسری نگاہ سر جھکائے وجود پر ڈالی تھی۔ اس میں کیا کیا جذبے کارفرما تھے۔ ان کی تیز نگاہی سے نہ چھپ سکے تھے۔

''طبیعت ٹھیک نہیں لگتی مجھے تمہاری۔'' انہوں نے تفکر سے اسے دیکھا تھا۔ ستارہ سے عمر میں بڑا ہی سہی مگر گھر بھر کا لاڈلا اور چہیتا بیٹا تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک ہر جائز و ناجائز اس کی پوری ہوئی تھی مگر اب کی بار اس کی خواہش وہ کیسے پوری کر دیتیں۔ ان کے دل کا ملال بڑھنے لگا۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے۔ آپا ایک کپ چائے بنوا کر میرے کمرے میں بھیج دیجیے گا اور کوئی مجھے تنگ نہ کرے۔ سونا چاہتا ہوں میں۔'' اسی بیزار انداز میں کہہ کر وہ پلٹا تھا۔

''سعد کہاں تھے سارا دن صبح کے گئے ہوئے تھے؟ تمہارے ابو کتنی دفعہ پوچھ چکے ہیں؟''

''یہیں تھا۔'' مختصراً کہہ کر وہ چلا گیا تھا۔

فرح نے سر اٹھا کر سکون کا سانس لیا۔

''جاؤ ماریہ چائے بنا کر دے دو۔ نجانے کچھ کھایا پیا بھی ہے یا نہیں' رات بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ صبح صبح بغیر کچھ کھائے پیئے نکل گیا تھا اور اب شکل دکھا رہا ہے۔ نجانے کہاں خوار ہو کر آیا ہے۔'' سوٹ کیس میں ملبوسات اور زیورات کو رکھتے انہوں نے بیٹی سے کہا تو ماریہ باجی اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ پھپھو سامان سمیٹ کر زوبیہ باجی کے ساتھ سوٹ کیس اٹھوا کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ وہ بھی اٹھ کر کچن میں چلی آئی' پیاس لگی تھی۔ ماریہ باجی چائے بنا کر کپ میں ڈال چکی تھیں۔

''فرح! یہ چائے تم ذرا سعد کو دے آؤ۔ انیس (ان کا بیٹا) رو رہا ہے۔ دیکھوں کیا ہوا ہے اسے.....''

''میں آپا؟'' وہ جھجک گئی تھی۔

''ہاں دے آؤ اسے۔'' وہ کہہ کر عجلت میں کچن سے نکل گئی تھیں کہ ان کے بیٹے کے رونے کی آواز بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے کپ تھام لیا تھا۔

نجانے زندگی بار بار ان ہی رستوں پر کیوں لے آتی ہے جہاں انسان چلنا نہیں چاہتا۔ یہی حال اس

کے ساتھ تھا۔ وہ پھپھو کے ہاں آنا نہیں چاہتی تھی مگر ابو کے کہنے پر انکار نہ کر سکی تھی۔ بڑی دقتوں سے اس نے سعد کے دروازے پر دستک دی تھی۔

''آجائیں۔'' اس نے کمرے میں قدم رکھا تو سعد نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بستر پر دراز تھا۔ کمبل گردن تک تانے اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

وہ آہستہ سے قدم اٹھائے جھجکتے' الجھتے اس کی طرف چلی آئی تھی۔ سعد جمال یک ٹک اسے دیکھے گیا تھا۔ یہ اس کی نظروں کا وہم تھا یا حقیقت تھی..... ایسے ان گنت خواب اس نے جاگتی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ فرح سعید احمد اس کے پاس ہو۔ اس کے اردگرد نگاہوں کے سامنے چلتی پھرتی اسے ایک خواب سا محسوس ہوا تھا۔

''یہ چائے.....'' وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی تھی۔ والہانہ نگاہوں سے نگاہیں بچائے اس نے کپ بڑھایا تھا۔ سعد جمال کو لگا جیسے طلسم ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے خاموشی سے کپ تھام لیا تھا۔

''بیٹھو۔'' اس نے سوفے کی طرف اشارہ کیا تو وہ انکار میں سر ہلا گئی۔

''نہیں چلتی ہوں۔'' وہ پلٹی تھی۔

''فرح!'' بے چین بے قرار آواز پیروں میں زنجیر بن کر لپٹی تھی۔ وہ پلٹے بغیر وہیں تھم گئی تھی۔

''تمہیں نہیں لگتا یہ سب غلط ہو رہا ہے؟'' وہ بستر سے اتر کر اس کے مقابل آ ٹھہرا تھا۔

''شاید حالات کا یہی تقاضا تھا۔'' اس نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''ہونہہ حالات..... صرف ایک فرد کی غلطی کی سزا چار انسانوں کی زندگیاں برباد کر دینا کہاں کی عقل مندی ہے؟'' تلخی سے اس نے فرح کو دیکھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں؟'' اس نے سعد جمال کو دیکھا بڑھی ہوئی شیو' الجھے حلیے اور بے ترتیب لباس میں وہ اس سعد سے بالکل مختلف تھا' جسے وہ جانتی تھی۔

''فرح! تم تو کم از کم میرا ساتھ دو۔ میں سب کے سامنے ڈٹ جاؤں گا۔ پلیز تم مجھے سپورٹ کرو۔'' ایک دم ملتجی لہجے میں سعد نے فرح کا ہاتھ تھاما تھا۔ وہ ششدر رہ گئی۔

''نہیں یہ سوچیے گا بھی نہیں۔ دو دن بعد شادی طے ہے آپ کی۔ میں آپ کے کسی بھی عمل میں شریک نہیں ہوں گی۔ سوری.....'' اس نے سختی سے انکار کیا تھا۔

سعد جمال نے انتہائی بے بسی سے اسے دیکھا۔

''فرح! میں تمہاری آس پر اتنی دور سے آیا ہوں۔ تم تو کم از کم مجھے ناامید نہ کرو۔''

''میں نے آپ کو کبھی آس نہیں دلائی تھی۔'' ادھر وہی انداز تھا۔

''تمہیں میری حالت کا احساس نہیں ہو رہا کیا؟'' سعد کے لہجے میں بے چارگی سی اتر آئی تھی۔ فرح کے اندر عجیب سا احساس پیدا ہوا تھا۔

سعد کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھا۔ سعد کے ہاتھ کے گرم لمس نے اس کو چونکایا تھا۔

''آپ کو بخار ہے؟'' اس نے تشویش سے سعد کو دیکھا۔

"مر رہا ہوں میں اور کسی کو احساس ہی نہیں۔"

فرح نے صرف سعد جمال کو دیکھا تھا۔

"مجھے صرف ٹینشن ہے بخار نہیں۔" اس کی آنکھوں میں ایسا تاثر ضرور تھا کہ سعد نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے اسے تسلی دی۔

"آپ کوئی میڈیسن وغیرہ لے لیتے۔" اس نے بڑے خلوص سے مشورہ دیا تھا۔

"میری دوا تم ہو۔ تم مان جاؤ تو میں ہر طوفان سے ٹکرانے کو تیار ہوں۔"

"سوری۔ میں اتنی خود غرض نہیں ہوں۔" سختی سے کہہ کر سعد جمال کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر وہاں سے نکل آئی تھی۔ سعد جمال کو اچھی خاصی حرارت تھی۔

اس کا ذہن بار بار ادھر ہی بھٹک رہا تھا۔ باقی سارا دن سعد جمال کے کمرے کا دروازہ نہیں کھلا تھا۔ صرف ایک دفعہ پھپھو اندر گئی تھیں۔ ان کی کمرے سے واپسی پر سعد جمال بھی نہ صرف کمرے سے نکل آیا تھا بلکہ گھر سے بھی نکل گیا تھا۔

اس نے کئی بار خاموشی سے پھپھو کو آنسو بہاتے دیکھا تھا۔ یہاں آ کر اس کے دل و دماغ کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔ سعد جمال کی باتیں بار بار دل و دماغ پر دستک دیتیں تو وہ خود کو کسی نہ کسی کے ساتھ باتوں میں الجھا لیتی تھی۔

رات گئے تک ڈھولک کا اہتمام تھا۔ کھانے پینے کے بعد سب ہی خواتین کزنز لاؤنج میں ہی جمع ہو گئی تھیں۔ رات بارہ بجے کے قریب سعد گھر آیا تو اس نئے ہنگامے نے اسے مزید مشتعل کیا تھا۔ طاہرہ بیگم کے سب ہی بہن بھائی سوائے قیصرہ بیگم کے ادھر ہی جمع تھے۔ آل اولاد سمیت کہ جمال صاحب کی برادری (چچا سے نسبت رشتہ داری) یہی لوگ تھے۔ سوائے طاہرہ کے باقی سب ہی قیصرہ بیگم سے بدظن ہی رہے تھے بلکہ ملنا ملانا بھی سرسری سا ہی تھا۔

رات ایک بجے کے قریب قریب یہ ڈھولک کا پروگرام چلا تھا۔ اس کے بعد جس کو جہاں جگہ ملی تھی جا پڑا تھا۔

صبح سارے گھر میں بڑی خوشگوار سی ہلچل تھی۔ رات لیٹ سونے کی وجہ سے سوائے چند ایک کے باقی سب ہی لیٹ ہی اٹھے تھے۔ ناشتے وغیرہ کا سلسلہ دس بجے تک چلا تھا۔ آج رات نوشی کے سسرال والے مہندی لے کر آ رہے تھے۔ کل ان لوگوں نے زرش کی مہندی لے کر جانا تھی۔ ناشتے کے بعد سارے گھر میں اسی سلسلے میں تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔

فرح کو مہندی اچھی لگانی آتی تھی۔ نوشی کی مہندی کی شرکت کے لیے ہر کوئی اس سے مہندی لگانے کا اصرار کر رہا تھا۔ وہ چپ چاپ جو بھی کہہ رہا تھا مہندی لگا رہی تھی۔ زوبیہ باجی کو ابھی مہندی لگا رہی تھی کہ سعد جمال چلا آیا تھا۔

"آپا! وہ ریڈ شرٹ اور اس کی ہم رنگ ٹائی کہاں ہے؟ مجھے مل نہیں رہی؟" آواز پر مہندی لگاتے اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ تازہ تازہ شیو کے بعد کندھے پر تولیہ ڈالے وہ زوبیہ باجی سے مخاطب تھا۔ فرح کے

دیکھنے پر بڑی ناراض نگاہ ڈالی تھی۔

"ادھر الماری میں ہی ہو گی اور یہ کیا تم نے شیو کر ڈالا ہے۔ منع بھی کیا تھا رہنے دیتے۔ کل مہندی تھی پرسوں شیو کروا لیتے۔ بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ مہندی کی ویڈیو اتنی اچھی آتی ہے۔ دو دن کا انتظار نہیں ہو سکا تم سے۔"

"واقعی صحیح کہہ رہی ہیں بھابی۔" فرح کی کزن عروبہ نے کہا۔

"آپ سے جو پوچھا ہے وہ بتائیں۔" اس نے زوبیہ باجی سے کہا۔

"الماری میں ہی ہو گی۔ یہ تم جا کہاں رہے ہو؟ کہاں کی تیاری ہے؟" انہیں اچانک یاد آیا تو پوچھا۔

فرح سر جھکائے بدستور مہندی لگاتی رہی۔

"بتایا تو تھا آپ کو۔ ایثار کو تو جانتی ہیں نا آپ۔ وہی جو میرے ساتھ یوکے میں تھا۔ وہ آج پاکستان آ رہا ہے۔ اسے ریسیو کرنا ہے اور ساتھ میں اس کا کچھ سامان بھی ہے جو اس نے میرے ہاتھ گھر والوں کے لیے بھجوایا تھا مگر مجھے اس کے گھر جا کر دینے کا موقع ہی نہیں ملا۔ پلیز جلدی سے شرٹ ڈھونڈ دیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ کہہ کر نکل گیا۔

"جاؤ عروبہ! تم سعد کی الماری میں دیکھ دو۔ میں نے الماری کے پہلے خانے میں رکھی تھی۔ تم نکال دو۔ میرے ہاتھوں پر تو مہندی لگی ہے۔"

عروبہ چلی گئی تھی۔ آپا کے بعد اس کی باری تھی مہندی لگوانے کی۔

"باجی! آپ کو سعد بھائی بلا رہے ہیں۔" شادی کے لیے رکھی جانے والی کام والی کا آٹھ دس سال کا بیٹا پیغام لیے چلا آیا تھا جو وہ مہندی لگا کر ابھی لاؤنج کے صوفے پر لیٹی تھی۔ آنکھیں کھول کر دیکھا۔

"کسے بلا رہے ہیں؟"

"فرح باجی کو؟ آپ کا نام باجی ہی ہے نا۔" وہ لڑکا اس کے پوچھنے پر کنفیوز ہو گیا تھا۔ وہ سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں ہیں وہ؟"

"اپنے کمرے میں۔" وہ جواب دے کر ایک طرف بھاگ گیا تھا۔ اس نے سعد کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ نک سک سے تیار بستر پر پڑا بریف کیس کھولے کچھ دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے بلوایا تھا؟"

فرح کو دیکھ کر اس نے بریف کیس سیدھا کیا تھا۔

"ہاں۔ امی کہاں ہیں؟" وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"پھپھو تو ہادیہ آپی کے ساتھ چچا جان کے ہاں گئی ہوئی ہیں۔ ناشتے کے بعد ہی چلی گئی تھیں۔"

"اچھا کب تک آئیں گی؟"

"پتا نہیں۔" اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

سعد نے ایک دو پل کو اسے دیکھا۔ فرح اس کے مسلسل دیکھنے پر کنفیوز ہوئی تھی۔ اس نے پہلو بدلا۔

''آپ کو کوئی کام تھا؟'' اس کی آواز پر وہ گھبرا گئی تھی۔

''ہاں کام ہی تو تھا۔''

''کیا؟''

''فرح!'' سرگوشی نما آواز پہ اس نے صرف پلکیں ہی اٹھائی تھیں۔ ''سچ سچ بتانا۔ یہ جو کچھ بھی ہونے جا رہا ہے۔ تمہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' سوال ایسا تھا کہ فرح ہل سی گئی تھی۔ دل درد سے بوجھل ہونے لگا۔ دل چاہا کہ ایک ہی پل میں چیخ اٹھے اور کہہ دے۔

''ہاں فرق پڑتا ہے بہت زیادہ۔'' ابھی تو اس نے خواب بھی دیکھنے شروع نہیں کیے تھے کہ ضبط کے اس کڑے امتحان سے گزرنے کا مرحلہ آ پہنچا تھا مگر وہ ضبط کیے کھڑی رہی۔ بعض اوقات بغیر کچھ کہے بھی انسان بہت کچھ کہہ دیتا ہے۔ کمرے کی خاموشی میں دونوں ہی کچھ کہے' کچھ سنے بغیر ہی بہت کچھ کہہ اور سن گئے تھے۔ فرح کے اندر کا ابال آنسوؤں کی صورت بہنے کو بے تاب تھا مگر وہ لب بھینچے کڑے ضبط سے دوچار تھی۔ چہرہ سرخ رنگ ہو چکا تھا۔ سعد جو اسے پل پل رنگ بدلتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

''فرح!'' بڑے جذباتی انداز میں اس کمزور وجود کو کندھوں سے تھاما تھا۔ اسے لگا اس کی ذات کی پوری عمارت ہل گئی ہے۔

''آپ.....'' آنسو رخساروں پر بہہ نکلے تو اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہا۔ سعد نے بہت آہستگی سے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا تھا۔

فرح جو خود کو بمشکل سنبھال رہی تھی اس نئی افتاد پر بکھر سی گئی تھی۔ بڑا کٹھن ہوتا ہے خود پر قابو پانا۔ وہ تو ریزہ ریزہ ہوئی تھی۔ اس کے آنسوؤں کی نمی سے سعد جمال کا کندھا بھیگتا رہا۔ بہت نرمی سے ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد حمائل کیے دوسرے ہاتھ سے اس کا سر تھپتھپا کے سعد جمال نے اس کمزور سی لڑکی کو سہارا دیا تھا۔

رو دھو کر دل کا غبار نکلا تو فرح کو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تھا۔ وہ شرم کے مارے ہل بھی نہ سکی۔ کہاں وہ کوئی ''آس'' بھی دلانے کو تیار نہ تھی اور اب کیسے مکمل یقین سونپ دیا تھا اسے۔ فرح سعید احمد کو اپنے ان لمحوں کی بے اختیاری پر رہ رہ کر ملال جا گا۔

''سوری۔'' سعد کے بازو کا حصار توڑ کر پیچھے ہٹتے اس نے نگاہیں اٹھائے بغیر کہا تھا۔ سعد نے جیب سے ایک رومال نکال کر اسے دیا تو اس نے اسی طرح سر جھکائے چہرہ رومال سے صاف کر لیا تھا۔

کمرے کی خاموشی میں کئی پل بغیر کچھ کہے سنے گزر گئے تھے۔

''یقین کرو فرح سعید احمد تمہارا یہ خاموشی سے سونپا جانے والا اعتبار ہمیشہ میرے ہمقدم رہے گا۔ اب کوئی ملال نہیں رہا۔ زندگی کے بڑے سے بڑے طوفان سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ پیدا کر لوں گا اگر تمہارا اعتبار شامل حال رہے تو.....'' سعد جمال نے بہت آہستگی سے کہا تھا۔ فرح نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ فرح کے اندر ملال سمٹنے لگا کہ وہ کیوں کمزور پڑ گئی تھی۔

''جب بچھڑنا طے ہے تو کیوں نہ مسکراتے ہوئے بچھڑیں کیا خیال ہے؟''

فرح نے پھر سر جھکا لیا تھا۔ سعد جمال نے اس کے ہاتھ سے آنسوؤں سے بھیگا رومال لے لیا تھا۔

''تمہارا یہ پہلا اور آخری تحفہ ہمیشہ یاد رہے گا۔'' فرح مسکرا بھی نہ سکی تھی۔ اس کا دل بڑی بری طرح ٹوٹا تھا۔ کتنا مشکل ہو جاتا ہے بعض اوقات خود پر قابو پا لینا۔ وہ پھر وہاں ٹھہری نہیں تھی۔ تیزی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔ زوباریہ باجی والے کمرے میں آ کر باتھ روم بند کر کے خوب دل کی بھڑاس نکالی۔

دوپہر کے قریب پھپھو گھر آ گئی تھیں۔ ہادیہ آپا وہیں ٹھہر گئی تھیں۔ سارا دن وہ عجیب کیفیت میں گھری رہی۔ اس کے کمرے سے نکل آنے کے کچھ دیر بعد ہی سعد زوباریہ باجی کو بتا کر اپنے دوست کو ریسیو کرنے چلا گیا تھا۔ وہ رات کو لیٹ ہو سکتا تھا کہ ہو سکتا تھا وہ دوست کے گھر چلا جائے۔ وہ زوبیہ کے پاس ہی تھی جب وہ کہہ کر گیا تھا اور اس کے جانے کے بعد اس کے اندر گویا سناٹا سا اتر گیا تھا۔

شام کے بعد سب ہی مہندی میں شرکت کے لیے تیار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ مہندی کا فنکشن تو دس بجے کے درمیان تھا۔ ہوٹل کی بکنگ تھی۔ سعود احمد نے فون کر کے سب کو وقت پر پہنچنے کا کہا تھا۔

وہ بڑی بے دلی سے تیار ہوئی تھی۔ نجانے کیوں دل بری طرح خوفزدہ ہو رہا تھا۔ پیلے لباس میں ہلکی پھلکی آرائش کے ساتھ وہ زوبیہ آپی کے کمرے سے تیار ہو کر باہر نکلی تو اچھے خاصے مہمان سعود احمد کے ہاں جا چکے تھے۔ وہیں سے انہوں ہوٹل جانا تھا۔ صرف گھر کی فیملی رہ گئی تھی یا عروبہ وغیرہ۔ ان کا ارادہ سیدھے ہوٹل پہنچنے کا تھا۔

''فرح! غضب ہو گیا۔'' تیزی سے اپنی طرف آتی عروبہ کی بدحواسی دیکھ کر وہ چونکی تھی۔ وہ کمرے میں تھی جب کہ عروبہ پھپھو وغیرہ کے پاس۔

''کیا ہوا؟'' اس کے بدحواس انداز اسے متوحش کر چکے تھے۔

''سعد بھائی گھر چھوڑ کر جا چکے ہیں۔''

''کیا.....؟'' فرح کے اعصاب پر یہ بوجھ بہت گراں گزرا تھا۔ وہ ششدر کھڑی رہ گئی۔

''ان کی آج بارہ بجے کے بعد امریکہ کی فلائٹ تھی۔ وہ جب اپنے دوست کا کہہ کر گھر سے نکلے تھے دراصل ان کی اپنی فلائٹ تھی۔ بریف کیس وغیرہ لے کر گئے تھے۔ سب کو دوست کا کہہ کر گئے تھے کہ کسی کو شک بھی نہ ہو۔''

وہ بتا رہی تھی اور فرح خالی دماغ لیے سن کھڑی تھی۔

سعد کے کمرے میں اس کا انداز کچھ بھی نظر انداز کیے جانے والا نہ تھا پھر وہ کہاں چوک گئی تھی..... اسے تو اسی وقت سمجھ لینا چاہئے تھا۔

''چچی جان کی طبیعت بڑی خراب ہو رہی ہے۔'' وہ نفیسہ پھپھو کا کہہ رہی تھیں۔ فرح نے اسے دیکھا۔

''ہو سکتا ہے جھوٹ ہو۔ وہ واقعی دوست کے پاس ہوں۔'' اس نے خود کو تسلی دینا چاہی تھی۔

''نہیں سعد بھائی نفیسہ چچی کے کمرے میں خط چھوڑ کر گئے ہیں ان کی دراز میں ڈال کر گئے تھے۔ وہ تو اب تیار ہوتے ہوئے انہیں نظر آیا تو چچا جان نے پڑھا۔ بہت برا ہوا۔ بہت برا کیا سعد بھائی نے۔

شائستہ پھپھو اور انکل کا نجانے کیا ردعمل ہو اور زرش بے چاری تو بے موت ماری گئی۔ کل مہندی کی رسم
اور سعد بھائی آج بغیر بتائے چلے گئے۔'' وہ کفِ افسوس مل رہی تھی اور فرح کا وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن
میں لہو نہیں۔ بڑی مشکل سے خود کو سنبھالتے وہ پھپھو کے کمرے میں آئی تھی۔ پھپھو بستر پر دراز تھیں اور
کے اردگرد سب ہی گھر والے جمع تھے۔

''مجھے اس کے تیور دہلائے دے رہے تھے۔ وہ بار بار واپس چلے جانے کی دھمکیاں دے رہا تھا۔
منتیں کی تھیں' واسطے دیے تھے مگر وہ پھر بھی چلا گیا۔ میرے سعود کا کیا حال ہوگا..... اس پر تو قیامت
گھڑی ہے۔ جاؤ وقار کہیں سے اسے لے کر آؤ۔ ایک دفعہ آ جائے ورنہ میرا سعود جی نہ پائے گا۔ جاؤ
جائیں کچھ کریں۔'' پھپھو کی گریہ زاری سے سب ساکت کھڑے تھے۔

''اماں! میں پتا کر چکا ہوں۔ یو کے جانے والی فلائٹ کی لسٹ میں اس کا نام بھی شامل تھا بلکہ انکوائری
آپریٹر بتا رہی تھی کہ پاکستان آتے ہی واپسی کا ٹکٹ کنفرم کروا کر آیا تھا۔''

''جمال! یہ کیا ہو گیا..... اب میں کیا منہ لے کر جاؤں گی بھائی کے پاس؟''

خاموشی سے سنتی فرح نے سب کو دیکھا۔ دونوں بہنیں رو رہی تھیں۔ اتنی بڑی بات تھی۔ رونا
لازمی تھا۔

''اب جو بھی ہو چکا ہے فیس تو کرنا ہی ہے۔ اتنا بڑا نقصان ہے جتنا بھی ماتم کریں کم ہے مگر
کرنے کا وقت نہیں۔ وقار اپنی ماں کو سنبھالو اور خبردار کسی نے سعود کو بتایا تو..... شکر ہے سارے مہمان
جا چکے ہیں۔ حوصلے سے' سکون سے' سوچتا ہوں۔ اطلاع تو دینی ہی ہے۔ مرتضیٰ بیٹا تم سعد سے رابطہ
کرنے کی کوشش کرو۔ ابھی ایک دن باقی ہے۔ خدا کرے کوئی سبیل نکل آئے۔'' وہ بڑے حوصلے سے
کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے تھے۔ مرتضیٰ نے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر موبائل آف تھا۔ انہوں
نے یو کے فون کر کے سعد کی رہائش والے نمبر پر اطلاع دے دی تھی کہ وہ جیسے ہی وہاں آئے فوراً کال
کرے۔ یہ مبہم سی کوشش تھی۔ اگر اسے کال کرنا ہی ہوتی تو جاتا کیوں.....؟

فرح کو اپنا آپ بڑا چور سا محسوس ہوا۔

دس بجے کے بعد سے سعود احمد' ہادیہ آپی کی کالز آنا شروع ہو گئی تھیں کہ وہ لوگ کب پہنچ رہے ہیں۔
نفیسہ بیگم تو گویا بے جان سی ہو گئی تھیں۔ وقار بھائی اور جمال صاحب لگے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی طرح
سعد جمال کو راستے سے ہی واپس آنے پر مجبور کر لیا جائے مگر اب یہ ناممکن تھا۔ کوئی راہ نہیں بچی تھی۔
آئی اے سروس بھی ان کی مدد کرنے سے قاصر تھی کہ پی آئی اے کی فلائٹ سے ہی سعد امریکا جا رہا تھا۔

گیارہ بجے کے قریب پھپھو اپنے آپ کو بحال کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں کہ سعود احمد کی کالز
مسلسل آ رہی تھیں۔ عفان کی فیملی بھی پہنچ چکی تھی۔ صرف یہ لوگ ہی نہیں تھے۔

''کب تک منہ چھپا سکتی ہوں۔ خدا گواہ ہے میری نیت صاف تھی۔ میں نے نیک نیتی سے یہ رشتہ
جوڑا تھا۔ یہی کہوں گی کہ زرش جیسی لڑکی کے سعد جمال قابل کہاں تھا..... روتے ہوئے انہوں نے کہا
تھا۔ پھوپھا جان کا ضبط سے برا حال تھا۔ ہر کوشش ناکام رہی تھی۔

''سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کریں۔ اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پہلے بھی سعد کی پردہ پوشی کر کے
نقصان اٹھایا ہے۔ صرف کل کا دن تھا اور پرسوں بارات۔ صرف ایک بیٹی کا معاملہ نہیں ہے۔ دو بیٹیوں کا
معاملہ ہے۔ دوسری تو پھر غیروں میں جا رہی ہے۔ اللہ ہی اب حالات سنوارے تو سنوارے۔'' جمال
صاحب سب کو تیار ہونے کا کہہ کر باہر نکل گئے تھے کہ اب ہوٹل پہنچنا ضروری ہو گیا تھا۔

ہوٹل جانے کے لیے وہ سب لوگ گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ وہ بھی وقار بھائی کے کہنے پر گاڑی کی
طرف بڑھنے لگی تو کام والی چلی آئی۔

''یہ سعد صاحب دے گئے تھے کہ جب آپ ہوٹل کے لیے جائیں تو آپ کو دے دوں۔'' اس نے
ایک لفافہ فرح کو تھمایا تھا۔ اس نے حیران ہو کر لفافے کو دیکھا۔

''کب دے کر گئے تھے؟''

''جب وہ تیار ہو کر گھر سے گئے تھے۔''

فرح نے خاموشی سے لفافے کو دیکھا۔ نجانے اب اندر کیا تھا۔ پھپھو نے بے شک منہ سے کچھ نہیں کہا
تھا مگر وہ جانتی تھیں۔ سعد کے اس فرار کی ایک وجہ وہ خود بھی ہے۔

عروبہ پیچھے چلی آ رہی تھی۔ اس نے دیکھے بغیر لفافہ بیگ میں رکھ لیا تھا۔ ہوٹل پہنچتے ہی ہادیہ آپی ان
لوگوں کو دیکھ کر فوراً پاس آ گئی تھیں۔

''اتنی دیر لگا دی آپ لوگوں نے۔''

وقار بھائی کی گاڑی میں وہ اور پھپھو کے ساتھ عروبہ بھی تھی۔ دونوں نے پھپھو کو سہارا دے کر گاڑی
سے نکالا تھا۔

''بس امی کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی۔''

''کیا ہوا پھپھو کو؟'' ہادیہ آپا فوراً پریشان ہوئی تھیں۔

''کچھ نہیں۔ بس بی پی لو ہو گیا تھا۔'' ہادیہ پھپھو کو سہارا دے کر اندر لے گئی تھی۔

جمال صاحب نے سب کو منع کر دیا تھا کہ کوئی کچھ نہیں بتائے گا۔ عفان وغیرہ کی فیملی سکون سے رسم
وغیرہ کر لیں۔ مہمان واپس چلے جائیں تو وہ خود سکون سے بات کریں گے تب تک سب کو چپ رہنا ہے۔

کھانے کے بعد رسم شروع ہو گئی تھی۔ فرح اندر آتے ہی اپنی ماں کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ پتا نہیں یہ
ابو کا دباؤ تھا یا طاہرہ بیگم کا اپنا رویہ وہ قیصرہ خالہ کے ساتھ بیٹھی اسے حیران کر گئی تھیں۔ سعود احمد نے رشتہ
داری کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں بھی انوائیٹ کیا تھا مگر یقین نہیں تھا کہ قیصرہ بیگم بھی بمعہ فیملی آ جائیں گی۔
فرح کیا سب ہی حیران تھے ان کے آنے پر۔

فرح نے ہوٹل آ کر سمعان بھائی کو فوراً تلاش کیا تھا۔ قادر بھائی کے ساتھ کھڑے دیکھ کر اسے تھوڑا
سکون ملا تھا مگر اندر سے وہ سخت نڈھال سی تھی۔ زرش پیلے سوٹ میں دونوں ہاتھوں میں گجرے پہنے بغیر
کسی میک اپ اور دیگر آرائش کے جگمگ کر رہی تھی۔ زرش کو دیکھ کر اس کے آنسو بہنے کو تھے۔
نوشی اور عفان کو اکٹھے بٹھا کر رسم انجام دی جا رہی تھی۔ مہمان اسٹیج کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ نسبتاً

پرسکون گوشے کی طرف چلی آئی۔ بیگ سے لفافہ نکال کر دیکھا۔ لفافہ کھلا ہوا تھا۔ بس ٹیپ کے ساتھ بند کیا گیا تھا۔ اس نے ٹیپ اکھاڑ دی لفافے سے۔ دو تہہ شدہ کاغذ پھسل کر نکلے تھے۔ ایک سفید کاغذ پہلی تہہ پر ''فرح'' کے جلی حروف تھے۔ اس نے دوسرا کاغذ واپس لفافے میں ڈال کر اسے کھول لیا تھا۔

''فرح جانِ عزیز!

آغاز ایسا تھا کہ فرح سٹپٹا کر رہ گئی تھی۔

تم اس حوالے سے بے شک کتنا ہی ناراض نہ ہو مگر اس سے مناسب حوالہ تمہارے لیے میری زندگی میں نہیں۔ میں نے تم سے محبت کی تھی کوئی کھیل نہیں کھیلا تھا مگر امی اور باقی سب اس کو کھیل ہی سمجھ رہے تھے۔ تم مجھ سے بہت ناراض ہو گی اور یقیناً ہونا ہی چاہئے۔ میرا اقدام قابلِ مذمت تو ہو سکتا ہے مگر نہیں جا سکتا۔ میں خود غرض ہو کر بھی سوچوں تو خود کو زرش اور سمعان کے ساتھ زیادتی کرنے کے قابل نہیں پاتا ہوں میں زرش کو اپنا کر بھی اسے کبھی نہ اپنا پاتا۔ میں نے بہت سوچا۔ پاگل پن کی حد تک مگر زیادتی تھی اور ایسی ہی زیادتی سمعان کے ساتھ بھی ہو رہی تھی۔ اپنی جگہ اس کو رکھ کر سوچتا ہوں تو خود کو پر سمجھتا ہوں۔ تمہارا یقین میرے ساتھ ہے۔ مجھے پتا ہے میں کیا کر چکا ہوں۔ اپنی واپسی کے تمام راستے بند کر چکا ہوں۔ میں نے سب سے بات کی ہے حتیٰ کہ سمعان اور زرش سے بھی۔ کوئی مجھے سمجھتا ہی نہیں تھا اور ماموں جان سے انکار کرنے کی ہمت نہ تھی۔ میں جا رہا ہوں۔ میں آخری سانس تک خود کو تمہارا مقروض سمجھوں گا۔ بس تم ایک کام کرنا یہ یقین جو جاتے سمے تم نے مجھے دیا ہے اس کی حفاظت کرنا۔ میں واپس آؤں گا۔ میرا یقین ہے ان شاء اللہ یہاں کے حالات سنور جائیں گے۔ اب ماموں جان کے پاس سوائے سمعان کے لیے ہاں کہنے کے کوئی اور راہ نہیں رہتی۔ سمعان کو اپنی محبت مل جائے گی۔ مجھے یقین ہے ایسا ہو گا۔ بظاہر سب کو میرا اقدام بہت غلط لگ رہا ہو گا مگر جب آہستہ آہستہ حالات سنورتے جائیں گے تو سب کو میرا اٹھایا گیا قدم درست لگے گا کہ میں نے یہ قدم نیک نیتی سے اٹھایا ہے۔ صرف ذاتی غرض نہ تھی۔ چار زندگیوں کی بقا کا سوال تھا۔

اپنا خیال رکھنا اور یہ دوسرا خط زرش کے نام ہے۔ تم سے بہتر کوئی اور مجھے نہیں لگا تھا جو زرش تک اس خط کو پہنچاتا۔ دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اللہ حافظ۔''

فقط

سعد جمال

مہندی کی رسم بڑے آرام و پرسکون ماحول میں اختتام تک پہنچی تھی۔ رات کے ایک بجے تک فارغ ہوئے تھے۔ سو فوراً گھروں کی طرف روانگی شروع ہو گئی تھی۔ اس دوران کسی نے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ سمعان احمد بارہ بجے ہی رخصت ہو گئے تھے کہ طاہرہ بیگم کہنے کو آ تو گئی تھیں مگر انہوں نے فوراً گھر جانے کی ٹھانی تھی۔ علی تو گھر جانے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ عثمان بھائی کو انہوں نے گھر چھوڑنے کا کہا تو انہوں نے سمعان احمد کے سر پر ذمہ داری ڈال دی تھی کہ ایسے عالم میں وہ بھی ماں سے بچ رہے تھے۔

طاہرہ بیگم کے روانہ ہوتے ہی قیصرہ بیگم بھی شوہر اور بیٹے کے ساتھ روانہ ہو گئی تھیں۔ ساتھ میں ان کی

چھوٹی دونوں بیٹیاں بھی تھیں۔ سعود احمد نے ان لوگوں کو خود ڈراپ کرنے کی آفر کی تھی مگر اسجد میاں نے اپنی گاڑی کا کہہ کر انکار کر دیا تھا۔ عفان بھائی کی فیملی کے رخصت ہوتے ہی باقی مہمان ایک ایک کر کے گاڑیوں میں ''سعود منزل'' کی طرف روانہ ہوئے تھے کہ ان مہمانوں کے لانے اور لے جانے کے لیے فیکٹری کی گاڑیوں کا خصوصی انتظام کیا گیا تھا۔ آخر میں وہ لوگ خود گھر پہنچے تھے۔ پھپھو کی ساری فیملی ادھر ہی آ گئی تھی۔

گھر آتے ہی زرش کا تھکن سے برا حال تھا۔ آج سارا دن مصروف گزرا تھا۔ اتنی افراتفری میں کہ درمیان میں صرف صبح کے ناشتے اور وقفے وقفے سے چائے کے ایک دو کپ کے علاوہ کچھ کھانے کی مہلت بھی نہ ملی تھی۔ کہنے کو تو اس کی اپنی شادی تھی مگر نوشی کی وجہ سے جو بھاگ دوڑ تھی اس نے اپنی شادی کے جھنجٹ کو فی الحال ذہن سے اگر محسوس کیا تھا تو وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

نوشی کے نکاح والے دن سعد جمال کا انداز' اس کی گفتگو نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ وہ مختلف انداز میں اس واقعہ کو سوچ چکی تھی مگر وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ سعد جمال صرف سمعان احمد کو بنیاد بنا کر اسے انکار کرنے کا تو نہیں کہہ سکتے تو پھر اصل وجہ کیا تھی؟ وہ سوچ سوچ کر الجھی تھی۔

اب بھی گھر آتے ہی اس نے یاسمین کو کچھ کھانے کو دینے کو کہا تھا۔ ہوٹل میں بھی چلتے پھرتے ایک دو لقمے ہی لے پائی تھی۔ اب بھوک سے برا حال تھا۔ سب گھر والے اور دیگر مہمان لاؤنج میں تھے۔ وہ یاسمین کو کھانے کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ایک ہفتہ ہو گیا تھا پرسکون آرام دہ نیند لیے ہوئے۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا سراپا دیکھا۔ پیلے لباس میں آرائش کے نام پر صرف گجرے پہنے وہ اس سادگی میں بھی قیامت ڈھا رہی تھی۔ قدم قدم پر وہ نظروں سے سراہی گئی تھی۔ خاص طور پر سمعان احمد کی نگاہوں نے اس کے چہرے کا طواف کیا تھا۔ وہ قدم قدم پر لڑکھڑا گئی تھی۔ بے شک وہ سوشل نہیں رہی تھی۔ سارا وقت نوشی کے ساتھ ہی رہی تھی مگر بارہا وہ ان کی نظروں کی تپش سے خائف ہوئی تھی۔ اب اس سب کا کچھ حاصل نہیں تھا مگر وہ ان کو کہنے سے قاصر تھی۔

طاہرہ بیگم اور قیصرہ کی فیملی کو دیکھ کر وہ کن مراحل سے گزری تھی یہ صرف وہی جانتی تھی۔ یہ اگر اس کے پاپا کی ''صلہ رحمی'' کے تحت مدعو کیے گئے مہمانوں میں سے نہ ہوتے تو شاید وہ لمحوں میں سارے حساب بے باق کر لیتی۔ اس کے اندر نفرت کا احساس بڑا گہرا ہوا تھا۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر گزرے لمحوں کو یاد کرتے اچانک اس کی نگاہ اپنی گردن پر ٹھہری تھی۔ لاکٹ پر انگلیاں پھیرتے وہ بڑے تکلیف دہ احساسات سے دوچار ہوئی تھی۔ اس دن کچرے کے ڈھیر سے لاکٹ اٹھا کر دوبارہ گلے میں پہنے ہوئے اسے تکلیف تو بڑی ہوئی تھی مگر اس نے اس نیت سے پہن لیا تھا کہ جب بھی موقع ملا وہ سمعان احمد کو فوراً لوٹائے گی۔ نوشی کے نکاح کے بعد آج بار ہا جی چاہا تھا کہ وہ ان تک یہ لاکٹ پہنچا دے مگر ان کی اس دن پھینک دینے والی حرکت نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ غصہ و نفرت اپنی جگہ مگر یہ لاکٹ قیمتی بھی بہت تھا۔

وہ ابھی لاکٹ پر انگلیاں ہی پھیر رہی تھی کہ باہر سے ایک دم اونچی اونچی آوازیں آنا شروع ہو گئی

تھیں۔ زرش پہلے تو کچھ نہیں سمجھی تھی مگر جب کان میں شدید قسم کی گریہ زاری گونجی تو وہ فوراً متوجہ ہوئی تھی۔ ایک نہیں بہت سی آوازیں تھیں۔ عجلت بھرے جملے چیخ و پکار۔ زرش کا دل لرز اٹھا۔

''الٰہی خیر۔'' وہ فوراً باہر کی طرف لپکی تھی۔ راہداری میں بڑی تیزی سے وقار بھائی بھاگتے گزرے تھے اور ان کے پیچھے بہت سے لوگ۔

''کیا ہوا؟'' مگر کسی نے کوئی توجہ ہی نہ دی تھی۔ سب ہی باہر نکلے تھے پھر ایک دم گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز پر وہ ہڑبڑا کر باہر لان کی طرف بھاگی تھی مگر وہاں صرف مہمان ہی تھے۔ ماما' پاپا' نوشی سب نجانے کہاں تھے۔

ہادیہ آپا اور بھابی پر نظر پڑی تو وہ فوراً ان کی طرف بڑھی تھی۔

''کیا ہوا.....؟ یہ کون رو رہا تھا؟'' ہادیہ آپا بری طرح رو رہی تھیں۔ زوباریہ بھابی انہیں سنبھال رہی تھیں۔ زرش کو دیکھ کر انہوں نے ایک دم بھابی کو ہٹا کر زرش کو اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

''زرش! پاپا کو اٹیک ہوا ہے۔ بڑی بری طرح طبیعت خراب ہوئی ہے۔''

زرش تو ساکت رہ گئی تھی۔

''ہادیہ کیا کرتی ہو..... بجائے اسے سنبھالنے کے، تم خود بچی بن رہی ہو۔'' بھابی نے دونوں کو علیحدہ کیا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا زرش چچا جان کو۔ بس ہلکا سا درد ہوا تھا انہیں۔ تمہارے بھائی اسپتال لے کر گئے ہیں۔ کچھ نہیں ہوا۔''

وہ ایک دم پیلی زرد ہو گئی تھی۔

''ہادیہ! ہوش کرو نوشی کو دیکھو۔ اندر اس کی خود طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ اپنی ماما کو دیکھو ان کو ہوش نہیں آ رہا۔ زوباریہ تم جا کر دیکھو شائستہ کو۔'' نفیسہ پھپھو کی پکار پر بھابی فوراً دونوں کو وہیں چھوڑ کر اندر بھاگی تھیں۔ ایک دم یہ کیا ہو گیا تھا۔ زرش سمجھنے سے قاصر تھی۔ ابھی تو ہنستے مسکراتے سب کو چھوڑ کر وہ اپنے کمرے میں گئی تھی۔ تایا ابو' پاپا' ماما' پھپھو' ماموں سب ان کے کمرے میں تھے جب کہ باقی سب مہمان مختلف کمروں اور لاؤنج میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ یہ اچانک کیا ہو گیا تھا۔

عروبہ نے ہادیہ آپا کو سہارا دیا تو فرح نے سکتے کی کیفیت میں کھڑی زرش کو تھام لیا۔

''اندر چلو۔'' دونوں ماما کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ انہیں ہوش آ گیا تھا۔ نوشی ان کے پاس ان کا ہاتھ تھامے بیٹھی ہوئی تھیں جب کہ ماما مسلسل رو رہی تھیں۔ کوئی بھی کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔

''آپا! یہ کیسے ہوا؟ پاپا تو بالکل ٹھیک ٹھاک فریش تھے.....''

''مجھے خود نہیں پتا یہاں کمرے میں پھپھو' ماموں' ماما پاپا ہی تھے یا پھر عثمان بھائی اور وقار تھے۔ میں باہر مہمانوں میں مصروف تھی۔''

''ماما کو کیا ہوا ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟'' زرش ماما کے پاس بیٹھی تھی۔ انہوں نے زرش کو دیکھا تو کلیجہ کو تھا۔ نوشی کے ہاتھ چھوڑ کر انہوں نے اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

''ہائے میری بچی! اتنا بڑا روگ لگا دیا۔ سعد تمہیں خدا سمجھے۔'' ان کی گریہ وزاری ایسی تھی کہ ہر کوئی اپنی جگہ ساکن ہو گیا تھا۔

''شائستہ حوصلہ کرو۔ یہ پریشان ہو رہی ہے۔'' پھپھو نے ان کا کندھا تھاما تو وہ مزید روئی تھیں۔

''آپا! آپ سے مجھے یہ امید نہ تھی۔'' ماما کو روتے دیکھ کر زرش کو خود رونا آ رہا تھا۔ بڑی سے بڑی بات پر بھی ماما نے کبھی حوصلہ نہ ہارا تھا۔ نجانے کیا بات ہوئی تھی جو ان کی گریہ زاری ہی کم نہ ہو رہی تھی۔

''شائستہ! صورت حال سمجھو۔ سارے مہمان جمع ہیں۔ سعود کی صحت کے لیے دعا مانگو۔ اللہ میرے بھائی کو زندگی دے۔'' پھپھو خود رونے لگ گئی تھیں۔ سوائے عروبہ اور فرح کے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کمرے میں گھر کے مکینوں پر کیا قیامت ٹوٹی ہو گی۔

زوباریہ بھابی سب کو سنبھال رہی تھیں۔ شائستہ بیگم کو خیال آیا تو انہوں نے اٹھ کر وضو کیا تھا۔

''نوشی زرش۔ اٹھو شاباش اپنے ابو کی صحت کے لیے دعا مانگو۔ بہت بڑی آزمائش ہے۔ اے میرے مالک۔'' وہ دوپٹے سے چہرہ صاف کرتی باتھ روم کی طرف چلی گئی تھیں۔

وضو کر کے انہوں نے جائے نماز بچھائی تھی۔ ان تینوں بہنوں نے بھی ان کی تقلید کی تھی۔

''بھابی! بھائی کے نمبر پر کال کر کے پتا کریں۔ چچا جان کی حالت اب کیسی ہے؟'' فرح نے پھپھو کو دلاسہ دیتی بھابی سے کہا تھا۔

''ہاں زوباریہ! پتا کرو۔ خدا میرے بھائی کو سلامت رکھے۔'' انہوں نے اپنے موبائل سے کال ملائی تھی۔ عثمان بھائی نے کال ریسیو کر لی تھی۔

''کیسی طبیعت ہے اب چچا جان کی؟''

''کچھ نہیں کہہ سکتا زوباریہ..... آئی سی یو میں رکھا گیا ہے دعا کرو۔'' عثمان کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

زوباریہ بھابی ساکت رہ گئیں۔

''کون کون ہے آپ کے ساتھ؟''

''چچا جان کی طبیعت اچانک ہی خراب ہوئی ہے۔ میں وقار اور پھوپھا جان تھے ساتھ ہی ابو بھی۔ بس فوراً لے کر نکلے ہیں۔ سمعان کو میں نے کال کر دی ہے۔ وہ فوراً چچا کے ہاں آ رہا ہے۔ چچی جان کو سمعان کے ساتھ بھیج دینا۔ لڑکیوں میں سے کسی کو مت بھیجنا۔'' انہوں نے چند اور ہدایات دے کر کال بند کر دی تھی۔ پھپھو کو بتا کر انہوں نے دعا مانگنے کو کہا تھا۔

''فرح! وجہ کیا بنی ہے چچا جان کی اس طبیعت کی اور چچی جان سعد کو الزام کیوں دے رہی تھیں؟'' وہ خود بھی الجھی ہوئی تھی۔

''ایک تو ان لوگوں کا ہوٹل لیٹ پہنچنا' سعد کا نہ آنا سب کا گم صم انداز پھر واپسی پر ان کے ساتھ ادھر آ جانا۔ چچا جان کے کمرے میں خفیہ میٹنگ ہونا انہیں یہی لگ رہا تھا کہ سب معاملہ پھپھو کے گھر سے شروع ہوا ہے اور صورت حال سنگین تر ہے۔

''ادھر آئیں میں بتاتی ہوں۔'' وہ ان کو لے کر ایک طرف چلی آئی تھی اور پھر اس نے ساری بات

بتائی۔ سعد کے فرار اور انکار سمیت۔

''ہائے یہ تو بہت برا ہوا۔ بہت برا..... پہلے ہی زرش کی وجہ سے چچا جان کو اٹیک ہوا تھا اب پھر اٹیک۔ اللہ چچا جان کی زندگی کی حفاظت کرے۔ پھپھو لوگوں کو سعد کے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہیے تھی اگر وہ راضی نہیں تھا تو یہ آناً فاناً شادی طے کر دینے کی بھلا کیا تک تھی.....'' وہ کفِ افسوس مل رہی تھی۔ انہوں نے اس کی ذات کو ڈسکس نہیں کیا تھا مگر فرح اندر ہی اندر چور بن گئی تھی۔ بظاہر پھپھو وغیرہ میں سے کسی نے اسے الزام نہیں دیا تھا مگر وہ بہت زیادہ کانشس ہو گئی تھی۔

سمعان لینے آیا تو شائستہ بیگم اپنے آپ کو سنبھال چکی تھیں۔ قیامت تو آ ہی چکی تھی۔ اب وہ کتنا بھی روئیں اس کے اثرات کم نہیں ہونے تھے جو طے تھا وہ ہو کے رہنا تھا۔ وہ خاموشی سے جانے کو تیار ہو گئی تھیں۔

''ماما! ہم بھی جائیں گے۔'' نوشی کی آواز پر انہوں نے دیکھا۔ نوشی ہادیہ زرش تینوں آس بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

''تم لوگ گھر میں رہ کر اپنے پاپا کی زندگی کی دعا مانگو۔ چلو سمعان۔'' وہ ان کے ساتھ چلی گئی تھیں۔ ان کے ساتھ نفیسہ پھپھو بھی تھیں۔ وہ آئی۔ سی۔ یو میں ہی تھے۔ ڈاکٹر مسلسل کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ یہ شدید صدمہ تھا جس نے براہ راست ان کے دل پر کام کیا تھا۔ دل تو پہلے ہی کمزور تھا۔ سنتے ہی انہوں نے حواس کھوئے تھے اور ان کو حواس کھوتے دیکھ کر شائستہ بیگم خود بے حواس ہوئی تھیں۔ نفیسہ کے پکارنے پر سب سے پہلے وہاں ہادیہ نوشی اور زوباریہ ہی پہنچی تھیں۔ زوباریہ نے ایک دو منٹ چچا کی حالت درست ہونے کا انتظار کیا مگر جب دیکھا کہ حالت سنبھلنے کی بجائے مزید بگڑ رہی ہے تو انہوں نے عثمان وغیرہ سے انہیں فوراً اسپتال منتقل کرنے کو کہا تھا اور اب..... زوباریہ بھابی گھر میں سب کو دیکھ رہی تھیں۔ ہادیہ تو رو کر دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں جب کہ وہ دونوں خاموشی سے ''کلام پاک'' پڑھتے اللہ سے پاپا کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھیں۔

فجر کے بعد جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔ یہاں سب کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ اسپتال سے پل پل کی خبر مل رہی تھی۔ صبح آٹھ بجے کے قریب زرش کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

شائستہ بیگم کا اسے ساتھ لگا کر سعد جمال کا نام لے کر رونا اسے ٹھٹکا گیا تھا۔ اگر سعد جمال سے براہ راست بات نہ ہوئی ہوتی تو وہ کچھ بھی نہ سمجھ پاتی مگر ماما کے ان چند الفاظ نے ہی اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ تب سے وہ چپ چاپ ساکت سی تھی۔ صرف نماز دعا سے پاپا کی زندگی کی التجا کرتی رہی تھی مگر اب ضبط سے بے ضبط ہو گیا تھا۔

''علی! ہمیں اسپتال لے چلو۔'' علی کمرے میں آیا تو اس نے کہا وہ اسے دیکھ کر نظریں پھیر گیا تھا۔ فجر کے قریب وہ اسپتال گیا تھا۔ ابھی لوٹا تھا چچا کی طبیعت جوں کی توں تھی مگر وہ اسے دلاسے میں کچھ نہ کہہ سکا۔ ہادیہ آپا کو چھوڑ کر وہ آیا تھا اور اب یہ زرش.....

نو بجے کے قریب وہ اور نوشی علی کے ساتھ بائیک پر اسپتال پہنچی تھیں۔ ماما جو مسلسل تسبیح میں مصروف

تھیں۔ دونوں کی سوجی آنکھیں مسلسل گریہ زاری سے سرخ چہرے دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں دلاسہ دیا تھا۔

عثمان بھائی نے اگر نوشی کو ساتھ لگا کر تسلی دی تھی تو تایا ابو نے زرش کو بازو کے گھیرے میں لے کر حوصلہ و ضبط کرنے کی تلقین کی تھی۔

تھوڑی دیر میں عفان بھائی اور ان کے امی ابو کے ساتھ ستارہ آپی اور قادر بھائی بھی آ گئے تھے۔ کسی نے ان کو اطلاع دی تھی۔ وہ سنتے ہی اسپتال پہنچے تھے۔

تایا جان اور پھوپا جان انکل اور دیگر لوگوں کو لیے ایک طرف کھڑے سعود احمد کی طبیعت سے متعلق بتاتے رہے تھے۔ ستارہ باجی کو صورت حال کا علم تو نہیں تھا مگر اندازہ تھا لیکن موقع ملتے ہی نفیسہ بیگم سے سعد کے جانے کا سن کر ششدر رہ گئی تھی۔

''ابھی میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا کہ سعد فرح کی وجہ سے گھر چھوڑ کر گیا ہے۔ صرف یہی کہا ہے سعد سے کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتا تھا سمعان اور زرش کے معاملے کو لے کر شادی سے انکار کیا ہے۔ ہادیہ کو تو سرے سے اس معاملے کا علم ہی نہیں ہونے دیا۔ تم بھی ذکر مت کرنا باقی لوگوں کو بھی منع کر چکی ہوں۔ زرش بے چاری تو سہہ رہی ہے۔ دونوں ہی میری بھتیجیاں ہیں۔ ایک کے لیے دوسری کی زندگی کیوں برباد کروں۔ میں نے تو اچھا ہی سوچا تھا مگر..... فرح کا نام مت لینا اور نہ اس کے سامنے ذکر کرنا۔ اسے تو شاید خبر بھی نہیں کہ سعد اس کی وجہ سے گھر چھوڑ کر گیا ہے۔'' انہوں نے ساری صورت حال بتا کر آخر میں سمجھایا تھا۔ ستارہ گم صم سی بیٹھی رہی تھیں۔

یہ معاملہ بڑا گمبھیر ہو چکا تھا۔ کتنی زندگیاں داؤ پر لگ چکی تھیں۔ سعد نہیں مان رہا تھا تو بھی دل دکھی تھا۔ وہ گم صم اور چپ تھا تو اس کے احساسات کا سوچتے ہوئے دل غمزدہ تھا اور اب وہ چلا گیا تھا تو بھی دل میں تکلیف ہو رہی تھی۔

گیارہ بجے کے قریب مانیٹرنگ مشین (ای سی جی) کی ریڈنگ بدلی تو اسپتال کے ڈاکٹرز میں کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ ڈاکٹرز روم میں جمع ہو چکے تھے۔ سب کے دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گئے تھے۔

ادھر پھر آہستہ آہستہ مشین کی ریڈنگ بہتر ہونے لگی تو ڈاکٹرز نے بڑی امید دلائی کہ مریض کے ہوش میں آنے کے چانسز پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان سب کے لیے گویا یہ ایک نئی زندگی تھی۔

بارہ بجے کے قریب سعود احمد کی کنڈیشن خطرے سے باہر بتا کر گویا ڈاکٹرز نے سب کو زندگی کی نوید سنا دی تھی جو جہاں تھا وہیں تشکر بجا لایا تھا۔

تقریباً آدھ گھنٹہ بعد ان کو ہوش آیا تھا۔ ڈاکٹرز نے اپنی اچھی طرح تسلی کے بعد مریض سے ملنے کی اجازت دے دی تھی مگر ایک ایک کر کے..... ماما' نوشی' ہادیہ آپا سب ہی ایک ایک کر کے اندر جا کر واپس آتے رہے تھے مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی تھی۔ کسی نے ابھی تک ذکر نہیں کیا تھا مگر اسے یقین تھا پاپا کی اس کنڈیشن کی ذمہ دار کہیں نہ کہیں اس کی ذات ہی ہے۔

سعد جمال کا رویہ ازبر تھا اور ماما کے الفاظ بھی.....

"زرش! پاپا بلا رہے ہیں۔ پاپا سے ملنا نہیں....." نوشی کے کندھا ہلانے پر اس نے عجب بے چارگی سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اک خوف تھا کہ اگر وہ پاپا کے سامنے گئی تو کہیں ان کی طبیعت پھر سے خراب نہ ہو جائے۔

"زری بیٹا! سعود بلا رہے ہیں تمہیں۔ آؤ اپنے پاپا سے مل لو۔" تایا ابو بھی اس کے پاس چلے آئے تھے۔

"تایا ابو! وہ پاپا مجھے دیکھ کر۔"

"اوں ہوں۔ کچھ نہیں سوچنا۔ چلو آؤ میرے ساتھ۔" انہوں نے محبت سے تنبیہ کی تھی پھر اسے بازو کے حصار میں لے کر وہ آئی۔ سی۔ یو میں چلے آئے تھے۔

پاپا کے پاس نرس کے علاوہ سمعان احمد بھی تھے۔ سمعان نے صرف ایک نگاہ ڈالی تھی۔ زرد پیلے لباس میں روئے بکھرے خستہ حال وجود کے ساتھ وہ رات کی زرش سے قطعی مختلف تھی جس کی سادگی میں بھی ایسا حسن تھا کہ نگاہیں پلٹنا بھول گئی تھیں اور اب۔ عثمان بھائی اور پاپا نے چچا کے اٹیک کی جو وجہ بیان کی تھی۔ سمعان تو خود ششدر رہ گیا تھا۔ سعد کو کتنا سمجھایا تھا۔ اپنی طرف سے مطمئن کرنا چاہا تھا مگر اس کے ذہن کو بدلنے سے قاصر رہا تھا۔ یہ لڑکی ایک بار پھر اس کے حوالے سے موردِ الزام ٹھہرائی گئی تھی۔

سعود احمد زرش کو تایا کے ساتھ آتا دیکھ کر تڑپ اٹھے تھے۔ یہ بیٹی انہیں اپنے آپ سے بڑھ کر عزیز تھی۔ اس بیٹی کو اک ذرا سی تکلیف پہنچی تھی تو ان کا دل کام کرنا بھول گیا تھا۔ اس بیٹی کو ہر غم سے بچانے دنیا کے ہر سرد و گرم سے دور رکھنے کے لیے انہوں نے دل کے فیصلے کو رد کرتے ہوئے نفیسہ آپا کی بات مانی تھی۔ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کے دل کا کیا فیصلہ تھا۔ سمعان احمد انہیں کس قدر عزیز تھا۔ زرش کے حوالے سے انہوں نے سمعان احمد کے لیے کیا کچھ نہ سوچا تھا مگر صرف اپنی بیٹی کے اچھے مستقبل کے لیے یہ جوا کھیلا تھا اور اب کیا ہوا تھا؟

ان کا دل یہ فیصلہ کر کے بھی مطمئن نہ تھا۔ ہر وقت مبتلائے درد رہتا تھا۔ وہ ہر دوسرے روز ڈاکٹرز کو دکھا رہے تھے۔ ڈاکٹرز ڈپریشن اور ٹینشن بتا رہے تھے اور جب سے سعد جمال پاکستان آیا تھا۔ سعد جمال کے انداز و اطوار دیکھ کر ان کا دل انجانے وسوسوں سے دوچار تھا مگر سعد اس حد تک بھی چلا جائے گا..... وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے اور سب سے بڑی تکلیف دہ بات یہ تھی کہ نفیسہ آپا نے ان سے یہ سب کچھ چھپایا تھا۔ اگر وہ اشارہ بھی کر دیتیں تو شاید وہ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر لیتے مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اپنے غلط فیصلے کا بھگتان وہ بھگت رہے تھے۔

انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ بے قرار ہو کر ان کے کندھے پر پیشانی ٹکا کر بے حال ہو گئی تھی۔

"زرش بیٹا! حوصلے سے۔ پاپا کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" تایا ابو کا ہاتھ اس کے سر پر مسلسل تھا۔ پاپا پٹیوں اور ڈرپس سے جکڑے ہاتھ سے اس کی پشت سہلاتے رہے تھے۔ ان کے آنسو ان کے چہرے کو بھگوتے رہے تھے۔

"بھائی صاحب! میرا فیصلہ غلط تھا۔ جلد بازی میں طے کیے فیصلے اکثر غلط ثابت ہوتے ہیں میری بیٹی کا

خیال رکھیے گا۔"

"سعود! حوصلہ کرو۔ دھیرج سے یار۔ کچھ نہیں ہوا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سعد اگر چلا گیا ہے تو کیا ہوا۔ تمہارا بھائی ابھی زندہ ہے۔ یہ میری بیٹیاں ہیں۔ ان کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔" تایا ابو نے نہ صرف اسے بازو کے حصار میں لے لیا تھا بلکہ پاپا کا ہاتھ تھام کر انہیں بھی تسلی دی تھی۔ ان سے زیادہ باتیں کرنا مناسب نہ تھا سو ایک دو منٹ بعد تایا ابو اسے باہر لے آئے تھے۔

ڈاکٹرز نے سعود احمد کو انجکشن لگا کر کچھ دیر کے لیے اعصابی سکون فراہم کرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ پاپا خطرے سے باہر تھے مگر حالت تسلی بخش نہ تھی۔ تایا ابو نے کچھ دیر بعد ماما سمیت ان سب کو زبردستی گھر جانے پر راضی کر لیا تھا۔

گھر میں زوباریہ بھابی کے علاوہ مہمان ہی تھے۔ ماما کو گھر کا بھی خیال تھا۔ سعد جمال اس طرح نہ کرتا تو آج زرش کی مہندی کا فنکشن ہوتا۔ گھر آ کر اعصاب پرسکون ہوئے تو انہوں نے ہادیہ اور نوشی کو بتایا تھا وہ تو سن کر پتھر بن گئی تھیں جب کہ زرش اسی طرح بے تاثر بیٹھی رہی تھی۔

"سعد کے رویوں سے تو میں بھی ٹھٹک گئی تھی مگر وجہ یہ ہو گی مجھے یقین نہیں آ رہا۔ پھپھو وغیرہ نے مجھ سے اتنی بڑی بات چھپالی۔ وقار نے بھی پتا نہ چلنے دیا۔" ہادیہ آپا کا شاک سے برا حال تھا۔

"اب کیا ہو گا..... ساری دنیا جانتی ہے کل نوشی کے ساتھ زرش کی بھی شادی ہے' یہ سعد نے کیا کر دیا؟" نوشی تو کچھ بولنے سے ہی گئی تھی۔

"جو ہونا تھا ہو چکا۔ تم لوگ جاؤ مہمانوں کو دیکھو۔ بھائی صاحب اور لڑکے بھی پہنچ جاتے ہیں۔ رات سے مہمانوں کو دیکھا نہیں۔ دوپہر ڈھل رہی ہے۔ کھانے پینے کا ہی اہتمام ہو۔ آفتیں کتنی بھی ٹوٹ پڑیں۔ زندہ رہنے کے لیے کھانا تو پڑتا ہے۔"

رات گئے تک فنکشن اور پھر اس نئی آفت نے ان کو ادھ موا کر دیا تھا۔ ذہنی و جسمانی مشقت سے پہلے ہی برا حال تھا۔ اب تو اعصابی توڑ پھوڑ بھی نڈھال کر چکی تھی۔

"ماما! آپ آرام کریں۔ ہم دیکھ لیں گے۔" زوباریہ' زوبیہ اور ماریہ کے علاوہ اور لڑکیاں بھی ہیں۔ سب کر لیں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔ ان شاء اللہ اب تو پاپا کی طبیعت بھی خطرے سے باہر ہے۔ شام کو جا کر ایک چکر لگا لیں گے۔" ہادیہ آپا نے خود کو سنبھال کر بڑے ہونے کا ثبوت دیا تھا۔

"ہوں۔" وہ بستر پر دراز ہو گئی تھیں۔

"زرش! تم میرے پاس ادھر آؤ۔ نوشی بیٹا دروازہ بند کرنے سے پہلے لائٹ آف کر دینا۔" زرش ان کے قریب آ بیٹھی تھی۔

"تمہیں علم تھا زرش سعد کی اس حرکت کے بارے میں؟" جس طرح ان کے بتانے پر زرش بے تاثر رہی تھی انہیں یہی شک ہوا تھا۔

"نہیں..... اندازہ تھا۔"

"کیوں؟"

اس نے نوشی کے نکاح کے روز والا سارا قصہ کہہ سنایا۔

"تم ہمیں اسی دن بتاتی۔ ہم کم از کم یہ شادی تو ملتوی کر دیتے۔ کچھ نہ کچھ کرتے۔ سعد جمال سے بات کر کے معاملہ درست کر لیتے۔ آپا سے باز پرس کرتے۔ تم نے اپنے آپ تک بات رکھ کر بہت غلط کیا۔" ماما کے آنسو پھر بہہ نکلے تھے۔

"سوری۔ مجھے کیا علم تھا وہ اس حد تک چلے جائیں گے۔"

"آپا بھی یہی کہہ رہی ہیں مگر وہ سب کچھ کر چکا ہے۔" ضبط سے ان کی آواز پھٹ پڑی تھی۔

"اب لوگوں کو کیسے سمجھائیں گے..... اللہ اللہ کر کے تمہارے پاپا کی طبیعت سنبھلی ہے مگر بدنامی کا خوف سر پر ہے سمجھو' کیا کروں؟ کس طرح حالات بدلوں.....؟" انہوں نے اپنا سر تھاما تھا۔

زرش آہستگی سے ان کے کندھے پر سر رکھ کر سسک اٹھی تھی۔

اس کی ذات اس کے والدین کے لیے کس درجہ اذیت کا باعث بن چکی تھی۔ کاش وہ خود کو ختم کر کے والدین کو خوشیاں دلا سکتی۔

شائستہ نے بھی اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیری تھیں۔ آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

ابھی فرح اس کے پاس تھی۔ کمرے میں وہ تنہا تھی جب جاتے ہوئے اس نے اس کو لفافہ تھمایا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" اپنی روئی سوجی سرخ آنکھوں سے فرح کو دیکھا' وہ نظروں چرا گئی تھی۔

"پتا نہیں۔"

"مگر ہے کیا..... میرے لیے کیوں؟" اب کے اس کی سرخی مائل آنکھوں میں حیرانی بھی تھی۔

"یہ سعد بھائی تمہارے لیے دے گئے تھے۔"

اسے ناچاہ کر بھی بتانا پڑا تھا۔ اب تو بات کھل گئی تھی' ہر مہمان' ہر شخص کو پتا چل گیا تھا کہ اچانک سعد احمد کو اٹیک کیوں ہوا ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ کوئی سعد کے فرار پر مذمت کر رہا تھا' تو کوئی ان حالات کو ڈسکس کر رہا تھا۔ جن کی بناء پر نہ صرف یہ رشتہ طے ہوا تھا بلکہ عجلت میں شادی بھی ہو رہی تھی۔

"تمہیں؟" فرح تو پہلے ہی منہ چھپا رہی تھی۔ یہ سچ تھا' پھپھو لوگوں نے کسی کے سامنے بھی سعد کی اس سے پسندیدگی کا ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ سرے سے اس کا نام چھپا گئی تھیں' ان کی فیملی کے دیگر لوگوں کا بھی یہی ردعمل تھا جبکہ وہ تو اپنی جگہ شرمندہ تھی۔ سعد کے اس فرار میں' کچھ قصور اس کے نام بھی تھے' وہ جانتی بھی تھی اور سمجھتی بھی' سو اسی لیے زرش کے سامنے سر جھکا ہوا تھا۔

"نہیں۔ سعد بھائی اپنے گھر ملازمہ کو یہ لفافہ دے گئے تھے' اس نے بھی مجھے دیا تھا کہ تم کو دے دوں۔" نظریں چراتے اس نے وضاحت کی تھی۔

"اب اس میں کیا ہے؟ جو کرنا تھا وہ کر چکے۔ اب کون سی کسر باقی رہ گئی تھی۔" جذبات سے بوجھل آواز میں وہ پھٹ ہی تو پڑی تھی۔

"تم دیکھ لو۔" وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

زرش نے جھلملاتی نگاہوں سے اس لفافے کو دیکھا۔ ایک پل کو جی چاہا کہ اس لفافے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے مگر اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اس نے لفافہ کھول لیا۔ اس کے اندر موجود کاغذ پھسل کر اس کے ہاتھوں میں آ گیا تھا۔ نجانے اب اس میں کیا تھا۔

ماما کی حالت' پاپا کی کنڈیشن' گھر والوں کی اذیت مہمانوں کا ردعمل دیکھ کر وہ اس قدر جذباتی ہو رہی تھی کہ اگر اس کا بس چلتا تو ایک پل میں کچھ کھا کر سو جاتی۔ اتنی سی عمر میں کیا کچھ نہ دیکھ لیا تھا۔ اب کس چیز کی کسر رہ گئی تھی آنکھوں کو دوپٹے سے رگڑتے اس نے کاغذ کھول لیا تھا۔

"ڈیئر زرش!

سلام بخیر!

"میں نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ تم سے بذریعہ قلم کبھی کلام کرنے کی نوبت آ جائے گی۔ حقیقت میں تمہارا مجرم ہوں تمہارا ہی نہیں ماموں جان اور پورے خاندان کا بھی' مگر میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں کچھ غلط نہیں کر رہا۔ میرا دل مطمئن ہے۔ میں نے تم سے بات کی' تمہیں اپنے انکار کا کہا مگر وجہ نہ بتا سکا۔ لیکن اب تم سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتا۔ میں فرح کو پسند کرتا ہوں۔"

زرش ششدر سی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں موجود کاغذ لرز رہا تھا اور الفاظ گڈمڈ تھے۔ "سعد فرح کو پسند کرتا ہے۔"

وہ بے یقین تھی۔

"میں فرح کو پسند کرتا ہوں۔" اس نے کئی بار یہ جملہ پڑھا تھا۔

"اب سے نہیں بہت پہلے سے' میری پسندیدگی سے میری تمام فیملی (ماسوائے بھابی ہادیہ کے) سبھی باخبر تھے' ماموں کی فیملی سے سمعان اور فرح اور کچھ حد تک ممانی اور ماموں بھی باخبر تھے۔ امی نے صرف بڑی ممانی کی فطرت کو دیکھتے ہوئے انہیں ان کے غلط رویے کا احساس دلانے کو یہ رشتہ باندھا تھا۔ میری مرضی اور پسند کے بغیر۔ اگر بات صرف میری پسند کی ہوتی تو میں سمجھوتہ کر لیتا اور میں کر بھی رہا تھا اگر مجھے سمعان کا تم سے متعلق پسندیدگی کا علم نہ ہوتا۔ میں خود کو سمعان کی جگہ پر رکھ کر سوچتا ہوں تو اپنا آپ مجرم لگتا ہے۔ میں نے امی' ابو' بھائی بہن سب کو حتیٰ کہ سمعان سے بھی بات کر کے دیکھ لی' مگر کوئی مجھے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہا۔ تمہیں میں اپنی زندگی میں شامل بھی کر لوں تو تمہیں کبھی وہ خوشی' وہ مقام نہ دے پاتا جو میرے دل میں فرح کے لیے تھا۔ تو پھر خود ہی بتاؤ تم سے اتنی بڑی بے ایمانی کیسے کر لیتا۔ ابھی تم کو میرا یہ اقدام سراسر بے انصافی پر مبنی لگے گا مگر مجھے یقین ہے یہ حالات بہت جلد رخ بدلیں گے' اب ماموں کے پاس صرف ایک ہی راہ رہ جاتی ہے' سمعان احمد کو قبول کرنے کی۔ مجھے یقین ہے سمعان کے ساتھ تم بہت خوش رہو گی۔ سمعان تو پہلے ہی تمہارا طلب گار تھا اور یقیناً تم بھی ان کو پسند کرتی ہو گی۔ گذشتہ حالات کو دیکھوں تو ان کو رد کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی سوائے اس ایک الزام کے جو بڑی ممانی نے لگایا اور جتنا تم اس قصے میں بے قصور ہو ایمانداری سے حالات کا تجزیہ کیا جائے تو سمعان احمد بھی بے قصور

ہے۔ پھر اکیلا سمعان سزا کیوں جھیلے۔ امی کے صرف ایک جذباتی فیصلے سے چار زندگیاں تباہ ہو رہی ہیں۔ (میری، تمہاری، سمعان اور فرح کی) میں امی، ابو کو بتائے بغیر جا رہا ہوں مگر امید ہے میرے بعد یہاں کے حالات سازگار ہو جائیں گے۔ میری تمام دعائیں تم دونوں کے حق میں ہوں گی۔ جب بھی واپس پاکستان آنے کا موقع ملا۔ تم کو سمعان کے ساتھ دیکھ کر بڑی خوشی ہوگی۔ زندگی میں گنجائش ہو تو دل میں بھی گنجائش نکل آتی ہے، یوں سمجھ لینا اوپر والے نے میرا اور تمہارا ساتھ نہیں لکھا تھا، ہمیشہ خوش رہو۔ اگر ہو سکے تو معاف کر دینا۔

فقط

سعد جمال

خط کے اختتام تک آتے آتے وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ سعد جمال اس کے سامنے ہو اور وہ اس شخص کا حلیہ بگاڑ دے۔ وہ شخص اسے ایک الزام کی بنیاد پر چھوڑ گیا تھا۔ صرف اور صرف سمعان احمد کے لیے۔ فرح کی خاطر۔ یہ دونوں بہن بھائی اس کی زندگی کا ناسور بن گئے تھے۔

"زرش کیا ہوا؟ یہ کیا ہے؟" وہ قالین پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی کہ نوشی گھبرا کر اندر آئی تھی اور پھر اس کے پاس زمین پر گرے کاغذ کو دیکھ کر ٹھٹکی تھی۔

پاپا کے پاس سے آنے کے بعد ماما کی زبان سے سعد سے متعلق انکشاف سن کر وہ خود بھی شاک میں تھی۔ زرش کو مسلسل روتے دیکھ کر اس نے کاغذ اٹھا لیا تھا۔

"زرش نہیں کرو۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ شکر ہے پاپا کی زندگی بچ گئی ہے۔ سعد نے جو کیا وہ اچھا یا برا ایک طرف، تم شکر کرو کہ آنے والی زندگی کے ایک تکلیف دہ امتحان سے بچ گئی ہو۔ اللہ نے انشا اللہ بہتر ہی سوچا ہوگا۔" خط پڑھ کر اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا اس نے زرش کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینا چاہتی تھی۔

"میرے ساتھ ہی کیوں؟ کیوں ہو رہا ہے یہ سب میرے ساتھ، کسی اور کے ساتھ کیوں نہیں؟" وہ جذباتیت کی انتہا پر تھی۔

"اچھا چپ کرو..... پلیز..... چپ ہو جاؤ۔" نوشی نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ نوشی کی پناہ پا کر وہ پھر بکھر گئی تھی اور اتنی بکھری تھی کہ نوشی کے چپ کرانے پر بھی چپ نہ ہوئی تھی۔

اس کو لگنے والی چوٹ بہت شدید تھی شاید رو لینے سے اذیت کم ہو جائے۔ نوشی گم صم ہو کر اسے بلکتے دیکھتی جا رہی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب انکل کی؟" سمعان آئی سی یو سے باہر نکلا تو پہلا سامنا ہی ڈاکٹر ظفر سے ہو گیا تھا۔ ہاتھ ملاتے ہی پوچھا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ پہلے سے بہتر ہے، مگر طبیعت بحال نہیں ہو رہی۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ ان کے دل

پر بہت دباؤ ہے۔ شدید ڈپریشن کا شکار ہو رہے ہیں، ان کے اعصاب۔"

"ہوں۔ کل تو شادی تھی، ان کی بیٹیوں کی، اس طرح اچانک کیسی؟" سمعان نے نظر چرائی کہ اس ساری صورت حال میں اس کی ذات بھی انوالو ہو رہی تھی، سارا مسئلہ ہی ان کی ذات سے متعلق تھا۔

"تمہیں کس نے اطلاع دی تھی؟" سمعان ڈاکٹر ظفر کے ساتھ ویٹنگ روم کی طرف چلا آیا۔

"میری ڈیوٹی ٹائمنگ یہی ہے آج کل اس اسپتال میں شام کے بعد اپنے کلینک میں ہوتا ہوں یہاں آیا تو عثمان بھائی انکل اور دیگر لوگوں کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ تبھی عثمان بھائی نے بتایا۔"

وہ دونوں ویٹنگ روم میں آئے تو وہاں جمال صاحب سعید احمد، عثمان اور دیگر لوگ کسی مسئلے پر الجھے ہوئے تھے، ان دونوں کو آتے دیکھ کر روم میں خاموشی چھا گئی تھی۔ چچا جان دواؤں کے زیر اثر غافل تھے، وقار بھائی ان کے پاس ہی تھے۔ ڈاکٹر ظفر نے سعید احمد سے بھی سعود احمد کے اٹیک کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے صاف بات کہہ دی۔ ڈاکٹر ظفر کئی ثانیے تک ساکت رہ گئے تھے۔

"اب کیا ہوگا؟ بہت برا ہوا یہ۔ کل شادی ہے؟ کس طرح ہینڈل کریں گے یہ لوگ؟" ان کا صدمے سے برا حال تھا۔

"سعود سے میری بات ہو چکی ہے۔ ان حالات میں ایک ہی حل ہے مگر سمعان کسی طور پر نہیں مان رہا۔" سعید احمد کی بجائے جمال صاحب نے ڈاکٹر ظفر سے کہا تھا۔

"مطلب..... کل سمعان اور زرش؟" ڈاکٹر ظفر نے سمعان کو دیکھا، جو بے تاثر چہرے سمیت دیوار کو گھور رہا تھا۔

"ہوں، یہ میری ہی نہیں سعود کی بھی ایماء ہے، اس سے بات کر کے ہی اتنا بڑا فیصلہ کیا ہے۔ تم ہی سمجھاؤ اسے، یہ خوامخواہ جذباتی ہو رہا ہے میں بھی فون کر کے تمہیں بلانے والا تھا۔ اچھا کیا تم خود ہی آ گئے۔" سعید احمد نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔ سمعان احمد کے چہرے پر ناگواری چھانے لگی۔

"ابو پلیز! میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں یہ ممکن نہیں۔ مجھے مجبور مت کریں۔"

"سمعان بیٹا! حالات کو سمجھو۔ ہم بھی مجبور ہوئے ہیں۔ کیا سعد اور کیا تم۔ ہم نے پہلے بھی حالات کو سہارا دینا چاہا تھا، کسی کی دل آزادی یا نیچا دکھانا مقصود نہ تھا۔" سمعان کے ایک دم انکار کرنے پر جمال صاحب نے آہستگی سے کہا تو سمعان نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ ڈاکٹر ظفر خاموشی سے سمعان کا چہرہ دیکھے گیا۔ اس وقت سمعان کے احساسات کیا ہو سکتے تھے وہ اندازہ کر سکتا تھا۔ مگر باقی لوگوں کے فیصلے کو بھی نہیں جھٹلا سکتا تھا۔

"جمال بھائی! آپ اسے سمجھائیں..... میں اپنے بھائی کو موت کے منہ میں جاتے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ طے ہے اب کل بارات آئے گی، اگر یہ نہیں تو کوئی اور سہی۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے۔ متبادل تو کہیں سے بھی مل سکتا ہے۔ آپ دیکھ لیں۔ سوری مجھ سے یہ امید مت کریں۔ اللہ چچا جان کو زندگی دے۔ مگر زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا شخص کی بے بسی سے فائدہ اٹھانا کہاں کا اصول ہے۔" سمعان کے لہجے میں ایک دم تلخی اتری تھی۔ ڈاکٹر ظفر نے بڑی خاموشی سے سب کو

دیکھا۔

''ہم کسی کی بے بسی سے فائدہ نہیں اٹھا رہے' سعود کی صرف ایک بیٹی ہی کل بیاہنے نہیں جا رہی' دو ہیں نوشی کو بیاہنے والے لاکھ اچھے لوگ سہی' مگر لوگوں کی زبان نہیں روکی جا سکتی۔ شادی سے صرف دو دن پہلے شادی سے انکار کا مطلب سمجھتے ہو۔'' سعید احمد سمعان کے ایک ہی انداز سے ایک دم برہم ہوئے تھے۔

''سب سمجھتا ہوں مگر یہ سب بھی مجھے قبول نہیں۔'' ادھر وہی انکار تھا۔

''دیکھ رہے ہو عثمان۔ پہلے اس کی ماں نے مجھے خاندان بھر میں ذلیل کروایا ہے اور اب یہ..... اسے سمجھاؤ.....'' خاموشی سے سب کو سنتے عثمان بھائی نے بھی سمعان کے چہرے اور کشیدہ اعصاب کو دیکھا۔ اور پھر باپ کو۔

''ابو جی' مجبور مت کریں۔ جبر کا انجام آپ دیکھ چکے ہیں۔ اس طرح تو یہ بات سچ ثابت ہو گئی' جس کو غلط قرار دینے کو تو یہ سب کچھ فیصلے ہوئے تھے اس عجلت بھری شادی سے کچھ سبق نہیں سیکھ رہے یہ لوگ اور اب اور غلط فیصلہ۔''

سعید احمد کے یوں تلخ ہونے پر سمعان احمد کی بھی تلخی بڑھی تھی۔

''غلط نہیں..... یوں کہوں تم زرش کو اپنانا ہی نہیں چاہتے۔''

عثمان نے باپ کی دم بدم بڑھتی برہمی کو خائف انداز میں دیکھا اور سمعان کے تیور بھی۔ نجانے اب کیا ہونے والا تھا۔

''ابو جی' آرام سے بھی یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ سمعان تم سکون سے بیٹھ کر بات کرو۔ جذباتی ہونے یا تلخ ہونے کی ضرورت نہیں۔''

زرش کے نام پر سمعان کے چہرے کی سرخی جس طرح بڑھی تھی' عثمان بھائی کو فوراً مداخلت کرنا پڑی تھی۔

''کیا بات کریں۔ میری زندگی میں' ساری عمر بہن بھائیوں کے سامنے خوار ہونے' شرمندگی اٹھانے کا مقام ہی تو رہ گیا ہے۔ صرف آخری بار پوچھ رہا ہوں سمعان تمہیں میرا فیصلہ قبول ہے یا نہیں۔'' سعید احمد فوراً سے پیشتر جذباتی ہوئے تھے۔ سمعان نے عجیب سے انداز میں انہیں دیکھا۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھے تو پھر کیا اب نہ سمجھتے کہ ایسی حالت میں تو وہ اپنا ذاتی حق بھی چھوڑ دیتا' کسی کی بے بسی سے فائدہ اٹھانا وہ کب گوارا کر لیتا۔

''ابو! آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ دنیا میں صرف ایک میں ہی تو نہیں رہ گیا اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔''

''سعد! تمہاری وجہ سے اس بے قصور کو دنیا کے سامنے خوار ہونے' ذلت اٹھانے کو چھوڑ کر گیا ہے۔ کیا تمہاری غیرت گوارا کرے گی کہ تمہارے نام پر بدنام ہونے والی لڑکی دنیا کی ٹھوکروں پر آ جائے۔'' انہوں نے بات ہی ایسی کی تھی کہ ڈاکٹر ظفر نے سمعان کو ایک دم پلٹ کر باہر نکلتے دیکھا۔

''رکو سمعان! شام قریب ہے۔ زرش کی مہندی کا فنکشن آج ہی ہو گا۔ تم ہاں یا ناں میں صاف جواب دے دو' اس کے بعد میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔''

سمعان دروازے پر ہی رک گیا تھا۔ پلٹ کر باپ کو دیکھا۔ سعید احمد کے تاثرات بڑے ناقابل فہم تھے۔ بڑے اٹل اور فیصلہ کن۔

''سوری۔''

''ٹھیک ہے۔ عثمان! تم علی کو فون کر کے بلواؤ۔'' ان کا انداز ایک دم بڑا فیصلہ کن تھا۔ سمعان نے چونک کر باپ کو دیکھا۔

''سعود کو میں زبان دے چکا ہوں۔ سمعان نے صاف انکار کر دیا ہے اب اسے کوئی مجبور نہیں کرے گا۔ تم علی کو بلواؤ' اس سے بھی بات کر کے دیکھ لوں۔ اگر اس نے بھی انکار کیا تو پھر مجھے کسی کی کوئی پروا نہیں ہو گی۔ اس اولاد کے لیے میں نے ایک مشکل ترین زندگی گزاری ہے۔ ایک ایسی عورت کو برداشت کیا جس نے قدم قدم پر مجھے ذلیل کروایا۔ صرف اولاد کی خاطر اس عورت کو اب بھی اپنے گھر میں برداشت کر رہا ہوں۔ اس کے بغیر میری زندگی میں کسی کی کوئی اہمیت نہیں ہو گی۔ عثمان! کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو کرو فون علی کو۔ ابھی سب صاف ہو گا۔'' جذباتی انداز میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔ ڈاکٹر ظفر کے سامنے سعید احمد کا یہ انداز یہ الفاظ سمعان کا ضبط سے برا حال ہوا تھا۔

''سعید! جذباتی فیصلے مت کرو۔ علی بہت چھوٹا ہے۔ وہ تو زرش سے بھی ایک سال چھوٹا ہے۔ یہ نامناسب ہے۔'' جمال صاحب بھی ان کی جذباتیت پر ٹھٹک گئے تھے۔

''تو پھر کیا کروں؟''

''ابو جان..... یہ نامناسب ہے۔ علی اور زرش..... ناممکن۔'' عثمان نے بھی اپنی بے بسی و بے چارگی پر قابو پاتے ہوئے کہا تھا۔

''ٹھیک ہی سمعان نہیں مان رہا۔ علی کے لیے نامناسب ہے۔ تم تو سمجھدار ہو۔ سب حالات سمجھتے ہو۔ تم ہاں کر دو۔''

وہاں موجود ہر فرد کو لگا جیسے اس کے سر پر کمرے کی چھت آ گری ہو۔

''ابو.....'' عثمان پر حیرت سے سکتہ ہو گیا تھا۔

''ابو جی پلیز.....'' سمعان احمد ضبط سے چیخ پڑا تھا۔

''تمہاری بات نہیں ہو رہی' تم اپنا فیصلہ سنا چکے ہو۔ تم جا سکتے ہو۔'' ان کے انداز میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔ ''عثمان! دیکھ کیا رہے ہو؟ علی کو فون کرو' تم تو مانو گے نہیں کہ تم پہلے ہی بیوی بچے والے ہو۔ علی کو منانا ہو گا۔ ہر حال میں۔ بلاؤ اسے۔''

''سعید! سکون سے' آرام سے' اس طرح تو نقصان ہی ہاتھ آنا ہے۔'' ان کے یوں جذباتی انداز پر جمال صاحب نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''نہیں ہو رہا مجھ سے سکون۔ زرش کو میں نے فرح سے کبھی کم نہیں سمجھا۔ مجھے اندازہ ہو رہا ہے اندر آئی سی یو میں لیٹے وجود پر کیا قیامت ٹوٹی ہے' کسی کی بیٹی پر اتنا بڑا الزام لگ جائے' تہمت لگ جائے اس باپ کا کیا حال ہو گا۔ اپنی کم عمر بیٹی کا آناً فاناً رشتہ طے کرتے ہی شادی کر دینا' جسے پڑھانے' کسی مقام پر

پہنچانے کے جس باپ نے کئی خواب دیکھے ہوں۔ وہ سہہ سکتا ہے اپنی بیٹی پر اتنی بڑی تہمت؟ اور یہ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ صرف اس کی وجہ سے' صرف تنہا وہ کیوں سزا جھیلے' یہ بھی کیوں نہیں۔" سمعان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کا انداز بڑا برہم تھا۔ سمعان بہت کچھ بتا چکا تھا مگر یہ سب نہیں۔ کیسی تہمت کیسا الزام؟ ڈاکٹر ظفر نے حیرانی سے سب کو دیکھا۔

سمعان نے نظریں چرالی تھیں۔

"مجھے ڈر ہے میں بھی بیٹی والا ہوں۔ ان ماں بیٹے کا کیا میری بیٹی کے سامنے نہ آئے۔ اگر ایسا ہوا تو خدا کی قسم کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ نہ ہی یہ رشتے اور نہ ہی یہ انسان۔" وہ اس وقت جذباتیت کے اس مقام پر تھے کہ جہاں انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ اسی جذباتی پن نے ان کی ساری زندگی کی خوشیوں و آسودگیوں کو نگل لیا تھا اور المیہ یہ تھا کہ ان کو ہم سفر بھی ویسا ہی جذباتی ملا تھا۔ جس کا نتیجہ آج ان کے سامنے تھا۔

"ایک غیرت مند انسان وہی ہوتا ہے جو اپنے حصے کا بھگتان بھگتے۔ غلطی جس کی ہے وہ سزا بھی جھیلے۔ مگر سمعان نہیں مان رہا تو پروا نہیں۔ آج میں دیکھ لیتا ہوں میرے باقی دونوں بیٹیوں میں سے کون میری بات کا مان رکھتا ہے۔"

سمعان بے بس ہو گیا تھا۔

"ابو جی یہ ناانصافی ہے۔"

"اور جو زرش کے ساتھ ہو رہا ہے کیا وہ بڑا انصاف ہے؟"

سمعان کا چہرہ جو سرخی مائل تھا۔ ایک دم زرد ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر ظفر جس کی نظریں پل رنگ بدلتے چہرے پر تھیں اس نے سمعان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ سمعان نے ڈاکٹر ظفر کو دیکھا۔ ڈاکٹر ظفر نے دیکھا سمعان کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔ بے بسی کی ایک انتہا تھی۔ ڈاکٹر ظفر نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں حوصلہ دیا تھا۔

"آپ کو کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ ٹھیک ہے جیسا آپ چاہتے ہیں وہی ہوگا۔"

نہایت سپاٹ لہجے میں کہتے سمعان باہر نکل گیا تھا۔

سمعان کے اقرار پر سب گم صم ہو گئے تھے۔ خاص طور پر سعید احمد صاحب۔

"میں سمعان کو دیکھتا ہوں۔" ڈاکٹر ظفر باہر نکلے تو سعید صاحب نے گہری سانس لی۔ وہ سمعان کی رگ رگ سے واقف تھے اچھی طرح جانتے تھے' ایسی حالت میں وہ کبھی نہیں مانے گا۔ قدرت نے انہیں ایک موقع دیا تھا۔ بھائی کی موت کو شکست دے کر زندگی طرف موڑا تھا۔ بھتیجی کے مستقبل کا سوال تھا اور خاص طور پر بیٹے کی زندگی کا۔ وہ یہ جوا کھیلنا چاہتے تھے اور ہر حال میں اور نتیجہ ان کی سوچ کے مطابق تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اپنی تلخ کلامی اور ناروا الفاظ کے ازالے کو عثمان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو عثمان نے بڑی بے بسی سے انہیں دیکھا تھا۔

نوریہ اماں سے ملنے آئی تھی۔ صبح اس کے کہنے پر شارق زمان اسے ادھر چھوڑ گیا تھا۔ نبیل بھائی آفس جا چکے تھے' وہاں اماں اور نبیلہ بھابی بہت محبت سے ملی تھیں۔ شارق زمان کے بازو کا زخم مندمل ہو چکا تھا۔ دو دن سے وہ آفس بھی جا رہا تھا۔ لالہ منصور سے اس کی چپقلش اسی طرح برقرار تھی مگر چونکہ کیس کو انسپکٹر انجم بذات خود دیکھ رہا تھا تو شارق زمان خود سے کوئی بھی قدم اٹھانے کی غلطی نہیں کر رہا تھا ورنہ جس طرح وہ اندر ہی اندر سے گولی کھا کر بپھرا ہوا تھا' بس نہیں چلتا تھا کہ فوراً کچھ کر ڈالے۔

واپسی کا پروگرام رات کا تھا۔ صبح ہی صبح وہ چلی آئی تھی' بھابی گھر کے کاموں سے فارغ ہوئیں تو اس نے ان کے ساتھ مل کر چچی زبیدہ کے ہاں جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ فاروق چچا کے ہاں تو وہ پہلے بھی کم ہی جاتی تھی۔ پھر رشتہ طے ہو جانے سے تو آنا جانا ہی ختم ہو گیا تھا اور شادی کے بعد تو وہ خود ہی رشتہ داروں سے پہلو بچاتی تھی کہ کوئی پرانے زخموں کو نہ چھیڑ بیٹھے اب جبکہ وہ اک نئی زندگی شروع کر چکی تھی' ذہنی طور پر ایک سوچ پختہ ہو چکی تھی تو شارق زمان کی زیادتی اور نواز کے فرار کا معاملہ ذہن میں اب ثانوی تو نہیں مگر پہلے سے کچھ کم حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ دوپہر کے قریب وہ دونوں گڑیا کو ساتھ لیے وہاں چلی آئی تھیں۔ چچی نوریہ کو اپنے گھر دیکھ کر ہی خوش ہو گئی تھیں۔ شادی کے بعد پہلی بار وہ ان کے ہاں آئی تھی' ان کا خوشی کے مارے برا حال تھا۔ دو بجے کے قریب رمشاء بھی کالج سے لوٹ آئی تھی اور اس کے بعد رضا بھی۔

نوریہ کو جہاں اپنے گھر دیکھ کر خوشی ہوئی تھی وہاں کچھ تکلیف کے احساس نے بھی چھوا تھا۔ کتنی کوشش کرتا تھا کہ وہ نوریہ کو بھول جائے۔ اپنے دل کو سمجھائے' اب وہ کسی اور کی نہ صرف بیوی تھی بلکہ مکمل طور پر کسی اور شخص کا گھر آباد کر چکی تھی' ایسے میں اسے کوئی حق حاصل نہ تھا کہ اس کو سوچتا اس تک نارسائی کا غم مناتا مگر یہ کم بخت دل بھی کبھی سنبھلا ہے۔

جب سے نواز فاروق کے منہ سے شارق زمان سے متعلق انکشاف سنا تھا وہ تو ہر پل اک اذیت کی بھٹی میں سلگتے گزار رہا تھا۔ اس نے تو محبت میں بھی پاکیزگی کا خیال رکھا تھا۔ نوریہ کو سوچا بھی تھا تو صرف اس انداز میں کہ گویا کوئی عبادت کی ہو۔ اتنی محبت سے نام لیا کہ "نام" کو اپنے ہونے پر فخر محسوس ہو۔ اس نے تو انتہا کی بھی مگر شارق زمان کی زیادتی کا جان کر ہر آن' ہر پل دل شعلے کی مانند بھڑک اٹھتا تھا۔ کاش اسے اختیار حاصل ہوتا تو وہ شارق زمان سے احتساب مانگتا مگر نوریہ کو دیکھ کر سلام دعا کرتے ہوئے پھر اس کے اندر دکھ ہوا تھا۔

"بڑے کمزور ہوتے جا رہے ہو تم۔ کیا کرتے رہتے ہو سارا دن۔" وہ نوریہ کے سامنے ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس سوال پر اس کے ہونٹوں پر بڑی اذیت بھری مسکراہٹ چمکی تھی۔ سلام دعا کے بعد وہ پوچھ رہی تھی۔

"کچھ خاص نہیں لاسٹ سمسٹر ہے' بس تیاریوں میں لگا ہوا ہوں۔"

"ایگزیمز کے بعد کے کیا ارادے ہیں۔" نبیل بھائی کی گڑیا اس کی گود میں چڑھی بیٹھی تھی۔ اس کے بالوں کو چھیڑتے اس نے پوچھا۔

"ایم بی اے کرنے کا ارادہ ہے "لمس" سے۔ دعا کریں رزلٹ اچھا آئے تو داخلہ با آسانی مل جائے گا۔"

"ان شاء اللہ..... انسان محنت کرے تو اللہ پھل ضرور دیتا ہے۔"

"واقعی؟" رضا نے اطراف میں دیکھا۔

زبیدہ چچی کچن میں کھانا تیار کر رہی تھیں۔ رمشاء بھی ان کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ بھابی نماز پڑھنے ا
کمرے میں گئی تھیں' اس وقت وہ دونوں ہی تھے' یا پھر نویرہ کی گود میں گڑیا تھی۔

"آپ خوش ہیں؟" اس نے نویرہ کے چمکتے چہرے کو دیکھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" مسکرا کر الٹا سوال دہرایا گیا تھا۔

نویرہ کی مسکراہٹ نے اس کے دل پر گویا بجلی گرائی تھی۔ جذبات میں ایک دم ہلچل برپا ہوئی تو ا
نے فوراً گھبرا کر نگاہوں کا رخ بدلا۔

"نہیں..... آپ خوش نہیں ہیں۔"

"اچھا....." نویرہ نے حیران ہو کر رضا کے سنجیدہ سے چہرے کو دیکھا۔

"تمہیں کس نے کہہ دیا؟"

"آپ کے چہرے پر لکھا ہے؟" اس نے ایک نگاہ پھر نویرہ کی حیران چہرے پر ڈالی۔

"اوہو۔ تو تمہیں چہرے پڑھنے کا فن بھی آ گیا ہے۔" نویرہ نے مذاق میں بات اڑانا چاہی تھی مگر ر
سنجیدہ تھا۔

"ہاں۔ جب چہرے کچھ چھپانے میں ناکام رہ جائیں تو ان کے اندر کا حال خود بخود آنکھوں
جھلکنے لگتا ہے۔ آپ کی آنکھیں تو ایک طرف آپ کی زبان بھی آپ کا ساتھ نہیں دے رہی۔ آپ
جھوٹ سجتا نہیں۔ بڑی کچی ہیں اس معاملے میں' کسے دھوکا دے رہی ہیں' خود کو یا اوروں کو۔

نویرہ کے رویے نے اسے ایک دم ہرٹ کیا تو اس نے بھی سنجیدگی سے کہا تھا۔

"رضا' بی سیریس۔" نویرہ نے فوراً سنجیدہ ہو کر اسے ڈپٹا۔ انداز چھوٹے بچوں کو ڈانٹنے والا تھا۔

"آپ مجھ سے چھوٹے بچوں کی طرح بی ہیومت کیا کریں۔ آپ سے عمر میں صرف چند سال کا فر
ہے۔ جھولے میں کھیلنے والا بچہ نہیں ہوں میں۔ آپ کا یہ انداز مجھے بڑا زہر لگتا ہے۔" اس نے فوراً برا
لیا تھا۔

ایک دم اس کے انداز پر نویرہ کو ہنسی آ گئی۔

"کتنے بھی بڑے بن جاؤ' میرے لیے تو کم عمر ہی رہو گے' اب تو رشتے میں بھابی ہوں تمہاری' شا
کی بیوی کی حیثیت سے' احترام' عزت کی مستحق ہوں۔"

"حیرت ہے جو شخص دوسروں کی عزت سے کھیلتا ہو آپ اس کی بیوی ہونے پر فخر محسوس کر رہی ہیں"

"رضا....." نویرہ نے فوراً چونک کر ٹوکا۔

رضا کا انداز بڑا عجیب سا تھا۔

"اس بات سے کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"کچھ خاص نہیں۔" فوراً بے پروائی سے کندھے اچکائے تو نویرہ چند پل بغور دیکھے گئی۔

"تمہیں مذاق میں بھی ایسی کوئی بات کہنے کا حق نہیں دوں گی۔" اگلے ہی پل نویرہ نے اسے برہمی سے جتا دیا تھا۔

"مذاق کیوں۔ حقیقت' حقیقت ہے۔ کیا آپ ان کی سرگرمیوں سے انکاری ہو سکتی ہیں؟" نجانے کیوں رضا حمید اس ٹاپک کو طول دے رہا تھا۔ نویرہ کو الجھن ہونے لگی۔

"انتہائی مشکل حالات میں انہوں نے مجھے اپنایا ہے رضا' ان کی جو بھی سرگرمیاں ہیں' جیسے بھی ہیں' کم از کم تمہیں کوئی حق نہیں کہ تم ان کی ذات پر انگلی اٹھاؤ....." تلخی سے نویرہ نے ٹوکا تو رضا ہنس دیا تھا۔ بڑی طنزیہ ہنسی تھی نویرہ لب بھینچ گئی۔

"کم از کم آپ تو اتنا بڑا جھوٹ نہ بولیں۔"

"رضا صاف بات کرو۔ پہیلیاں مت بجھواؤ۔" ایک دم نویرہ کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"سوری! میں کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔" نویرہ کے لہجے میں ترشی و تیزی نے اسے ایک دم احساس دلایا تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گیا فوراً معذرت کی تھی۔ نویرہ کشیدہ اعصاب لیے اسے دیکھے گئی۔

"سوری۔ یونہی سب منہ سے نکل گیا۔ کوئی خاص مقصد نہ تھا۔ نویرہ کے چہرے کے تنے اعصاب مزید کشیدگی کا شکار ہوئے تھے۔ رضا کا اس ساری بکواس سے کیا مطلب تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ رضا نے نویرہ کو دیکھا تو اسے اس پر ترس آیا۔

بھلا شارق نے جو کچھ بھی کیا تھا اس میں اس کا قصور کہاں سے نکل آتا تھا۔ خوامخواہ وہ اس کو اتنا کچھ سنا چکا تھا۔ اس کے اندر ندامت کا احساس گہرا ہونے لگا۔ کسی کا غصہ کسی اور پر اتارنے کا بھلا کہاں کا اصول تھا۔

"کیا کوئی بات ہو رہی ہے یا خاموشی کا مقابلہ ہو رہا ہے۔"

دونوں مسلسل خاموش تھے اس خاموشی کو رمشاء کی تیز آواز نے توڑا تو نویرہ نے رضا کے رویے کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے اس کو دیکھا۔

"کھانا تیار ہے بھابی کہاں ہیں؟" وہ نبیلہ کی بابت پوچھ رہی تھی۔

"نماز پڑھنے گئی تھیں۔"

"چلیں کھانا تیار ہے' ٹیبل سیٹ کر کے آئی ہوں' میں بھابی کو دیکھتی ہوں۔"

نویرہ رمشاء کے کہنے پر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تم بھی کپڑے چینج کر لو اب۔ کافی دیر سے آئے ہو۔ باقی باتیں کھانے کی ٹیبل پر کر لینا۔" رمشاء کا انداز ایسا تھا کہ نویرہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ رضا حمید کو بڑی طنزیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی' جواباً رضا نے جن کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ چونکانے والا تھا۔

"تم دونوں میں کوئی لڑائی چل رہی ہے؟" اس نے بے ساختگی سے پوچھا تھا۔

"ہمارے درمیان کبھی سرے سے کچھ چل ہی نہیں سکتا' آپ لڑائی کی بات کرتی ہیں۔ لڑائی وہاں ہوتی ہے جہاں دل میں کوئی جگہ ہو۔ جبکہ یہاں تو..... ایکسکیوزمی..... میں ذرا کپڑے چینج کر لوں۔"

نوریہ کو جواب دے کر وہ رمشاء کو استہزائیہ دیکھتا وہاں سے نکل گیا تھا۔ نوریہ نے اس کے جواب
خاموشی سے رمشاء کو دیکھا۔ اس کا چہرہ نوریہ کے سامنے اس واضح توہین پر سرخ انگارہ ہو چکا تھا۔

نوریہ نے اسے کچھ کہنا چاہا مگر وہ سرخ چہرہ لیے غصے سے وہاں سے نکل گئی تھی نوریہ کو اس کا ردعمل
عجیب لگا۔ رضا کے طنز میں بھلا اس کا کیا قصور کھانے کی ٹیبل پر بھی رمشاء کے چہرے کا تناؤ برقرار رہا
جبکہ اس کے برعکس رضا حمید جان بوجھ کر محض رمشاء کو نظر انداز کرنے کو نوریہ سے مسلسل کوئی نہ کوئی بات
چھیڑے ہوئے تھا۔ اس کی خوش اخلاقی عروج پر تھی۔ نوریہ کو تو محسوس نہ ہوا کہ دونوں کے درمیان کیا
رہا ہے اور کیوں مگر رمشاء کے چہرے کی سختی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

کھانے کے بعد اس نے رمشاء کے ساتھ مل کر ہی ٹیبل سمیٹی تھی' مگر رمشاء کا موڈ بحال نہیں ہوا
بھابی گڑیا کو لے کر چچی کے ساتھ لاؤنج میں جا بیٹھیں تو وہ رمشاء کے ساتھ کچن میں چلی آئی جو
سمیٹ کر چائے بنانے لگی تھی۔

''چچی جان بتا رہی تھیں کہ ان کا ارادہ تم دونوں کی باقاعدہ انگیجمنٹ کر دینے کا ہے؟'' رمشاء کا
دیکھتے اس نے یہی بات چھیڑی تھی۔

''ارادے تو ان کے اور بھی بہت سے ہیں' مگر کیا کریں بیچاری پھپھو' بیٹے کے سامنے کوئی چلتی
ہے؟'' اسی تلخی سے اس نے جواب دیا تھا۔

''اب اتنی بھی ناامیدی اچھی نہیں ہوتی۔ رضا کی کیا مجال ہے جو اتنی اچھی پیاری لڑکی کو جھٹلائے۔
خود بھی خوش ہو رہی تھی سن کر' اچھی بات ہے باقاعدہ رشتہ طے ہو جائے گا تو اس کا انکار بھی ختم ہو گا۔ تم کا
کو فکر کرتی ہو ڈیئر۔ بہت مضبوط رشتہ ہے تمہارا۔ اس کے اعتراض اس رشتے کو زک نہیں پہنچا سکتے۔''

''اور رضا کی ناخوشی؟'' نوریہ کے خلوص سے وہ ایک دم متاثر ہوئی تھی فوراً موڈ بحال کرتے ہو
سوالیہ دیکھا۔

''وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جاتا ہے' تم مجھے اور شارق کو ہی دیکھ لو۔ کتنا تضاد ہے ہم دونوں میں
مگر پھر بھی نبھا رہی ہوں۔ مجبوری ایک طرف' چچی جان تو پھر اتنی خوشی و محبت سے یہ رشتہ جوڑ رہی ہیں
گیا رضا' کیا کمی ہے تم میں' جب شادی ہو جائے گی تو سارے اعتراض ختم ہو جائیں گے۔'' اس
رسان سے سمجھایا تو رمشاء نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں تو سمجھ ہی لوں گی۔ یہی سب آپ رضا کو بھی تو سمجھائیں۔ دماغ خراب ہوا ہے اس کا۔'' نو
سے رضا کے حوالے سے جھلن اور ناراضگی ایک طرف مگر وہ نوریہ کے خلوص اور نیک نیتی کی بھی قائل تھی
اتنا موڈ خراب ہونے کے باوجود وہ پل میں مائل بہ کرم ہو گئی تھی۔

''ان شاء اللہ بہتر ہی ہو گا۔ فکر نہیں کرتے۔ میں اسے سمجھانے کی ضرور کوشش کروں گی۔'' چائے
تھی' کپ میں انڈیل کر رمشاء نے اسے کپ تھمایا تو نوریہ نے بھرپور تسلی دی تھی۔

وہ ماما کے ساتھ دوبارہ پاپا سے ملنے گئی تھی۔ وہ ابھی تک آئی سی یو میں ہی تھے۔ ہاں حالت پہلے سے بہتر تھی۔ وہ جتنا عرصہ بھی وہاں ٹھہریں پاپا دوائیوں کے زیر اثر غنودگی میں ہی رہے تھے۔ وہ رات کو پاپا کے پاس ہی ٹھہرنا چاہتی تھی مگر عثمان بھائی اور تایا ابو اسے زبردستی ماما کے ساتھ واپس گھر لے آئے تھے۔ ہاں پاپا کے پاس جمال ماموں اور منصور ماموں رکے ہوئے تھے۔

گھر آئی تو بھابی زبردستی اس کے لیے کھانا لے آئی تھیں۔ اس حالت میں کہ جب ہر طرف سوگ کی کیفیت تھی۔ نوالہ تو ایک طرف حلق سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں اتر رہا تھا۔ نوشی اور بھابی کے اصرار کے باوجود اس نے صرف ایک دو نوالے ہی کھائے تھے۔ بھوک نیند اور اعصابی توڑ پھوڑ سے برا حال تھا۔ مگر حلق سے کچھ اترنے کو تیار ہی نہ تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی ذہن سعد جمال کی حرکت کی طرف جا رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے فوری طور پر اس شادی سے متعلق کچھ نہ کچھ سوچا تھا۔ سعد جمال سے متعلق جذبات نے بہت لمبی اُڑان نہیں بھری تھی مگر رشتہ طے ہوتے ہی یہ نام اس کے نام کے ساتھ لیا جانے لگا تھا اور اب آن کی آن میں سب بدل گیا تھا۔ کل شادی تھی اور آج گھر میں سناٹا گونج رہا تھا۔ جو مہمان تھے وہ شام کے بعد نجانے کہاں چلے گئے تھے۔ اس نے ہادیہ آپا سے پوچھا تھا تو انہوں نے یہی کہا تھا کہ پھپھو کے ہاں چلے گئے ہیں۔ یہاں تو صرف چند ایک ہی مہمان رہ گئے تھے۔ البتہ بھابی اور ہادیہ آپا مسلسل ادھر ہی تھیں۔ وہ کمرہ بند کیے پڑی ہوئی تھی' رات کے گیارہ بج رہے تھے جب ہادیہ آپا کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اندر چلی آئی تھیں۔ وہ جو نیند اور اعصابی توڑ پھوڑ کا شکار جسم لیے پڑی ہوئی تھی' انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔ آپا جس طرح عجلت میں اندر داخل ہوئی تھیں اور پھر انہوں نے اسے آوازیں دیتے ہوئے لائٹ آن کی تھی۔ ناگہانی کے خوف سے زرش کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

''زرش اٹھو فٹافٹ۔''

''کیا ہوا؟'' وہ سہم کر انہیں دیکھنے لگی۔ کل سے لے کر اب تک دل اس قدر خوفزدہ ہو چکا تھا کہ آہٹ پر بھی لرز اٹھتا تھا۔

''کچھ نہیں۔ بس تم کپڑے بدلو؟ اٹھو شاباش جلدی کرو۔'' انہوں نے ہاتھ میں تھاما شاپنگ بیگ اس کے بستر پر ڈھیر کیا تو وہ الجھی۔

"مگر کیوں؟" پاپا کی طرف سے ایسی ویسی کوئی خبر نہ تھی اسے کچھ سکون حاصل ہوا' مگر الجھن برقرار تھی۔

"اٹھو نا' ٹائم بہت کم ہے۔ وہ سب لوگ پہنچنے والے ہیں۔ جلدی کرو۔" انہوں نے آگے بڑھ کر صرف عجلت دکھائی تھی بلکہ ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا تھا۔

"کون؟" کس کی بات کر رہی ہیں؟" آپا شاپنگ بیگ سے سب چیزیں نکال نکال کر بستر پر ڈال کرتی جا رہی تھیں۔ زرش چیزوں کو دیکھتے مزید الجھی۔

"مہمانوں کی بات کر رہی ہوں۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ بہت پرسکون متحمل مزاج۔

"آپا پلیز! یہ کیا ہے سب؟ یہ لباس' چوڑیاں' پھولوں کے گجرے اور جوتا وغیرہ۔ یہ سب وہ چیزیں تھیں جو پھپھو کل دوپہر میں ہادیہ آپا کے ساتھ آ کر اس کے لیے دے کر گئی تھیں۔ صرف پھولوں اور گجروں کا اضافہ تھا۔ باقی تو سب وہی تھا۔

"تم پہلے کپڑے بدل دو' پھر آرام سے سکون سے بتاتی ہوں۔" ان کے چہرے پر بلا کا سکون تھا۔

"ہرگز نہیں۔ آپ پہلے مجھے بتائیں' یہ سب کیا ہے؟ اب کون سا نیا تماشا ہونے والا ہے میرا۔" اس کی زبان میں بلا کی تلخی سمٹ آئی تھی۔ آپا فوراً آگے بڑھ کر اسے کندھوں سے تھاما تھا۔

"دھیرج سے' سکون سے میری جان۔" یوں سمجھو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ پھپھو اور تایا وغیرہ مل کر مہمان لے کر آ رہے ہیں' اسی لیے مہمان ادھر چلے گئے تھے' تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ کم پریشان نہ ہو۔"

"مگر کس کے لیے۔ سعد تو چلا گیا ہے؟ اس کی آنکھوں میں الجھن گہری ہو چکی تھی۔ جیسے وہ اس ساری صورت حال کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

"ہاں سعد تو چلا گیا ہے' مگر سعد پر تو دنیا ختم نہیں ہوتی۔ قسمت سب سے بڑی زور آور ہے۔ انسان لاکھ سر پٹخے' ہر تدبیر کر لے مگر ہوتا وہی ہے جو رب تعالیٰ نے روز ازل سے انسان کی تقدیر میں لکھ دیا ہے سعد تمہاری قسمت میں تھا ہی نہیں۔ جو تمہاری قسمت میں تھا' اللہ نے اس کے لیے خود ایسے حالات بنا دیئے کہ کسی کی بھی مخالفت کام نہیں کر سکی۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا....." وہ واقعی کچھ نہیں سمجھی تھی۔

"بتاتی ہوں ابھی تم کپڑے چینج کر لو۔ میں طیب کو دیکھ لوں یاسمین کو پکڑا کر آئی ہوں۔ ابھی اس نے بھی کپڑے چینج کرنے ہیں' تم پلیز ذہن پر بوجھ نہیں ڈالو۔ کپڑے چینج کر لو میں آتی ہوں۔" آپا بات میں اسے کہہ کر نکل گئی تھیں' وہ ناسمجھی سے دیکھے گئی' پیلے جھلملاتے خوب صورت سوٹ کو دیکھے گئی۔ ذہن میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔

اب کیا ہونے والا تھا۔ کیوں؟ کس کے لیے؟ اس کے دماغ کی شریانیں پھٹنے کو تھیں۔ وہ سر تھام کر بستر پر گر گئی تھی۔

آپا واپس آئیں تو وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے خاموشی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

اس نے برستی نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"آپا! مجھ سے کچھ نہیں چھپائیں۔ پلیز مجھے صاف صاف بتائیں' کون ہے وہ؟ وہ بلک اٹھی تھی۔ آپا نے اسے ساتھ لگا کر جذباتی سہارا فراہم کیا تھا۔

"آپا! میں پہلے ہی تماشا بن کر رہ گئی ہوں' صاف بتا دیں کون ہے وہ؟"

"سمعان احمد!" ان کے الفاظ اسے کئی ثانیے تک ساکن کر گئے تھے۔

"آپ جھوٹ کہہ رہی ہیں۔ کہہ دیں مذاق ہے یہ۔" اس نے بے یقینی سے سر نفی میں ہلایا۔

"زرش..... آپا نے اس کا کندھا تھامنا چاہا تو وہ سرعت سے پیچھے ہٹی۔

"پلیز آپا! کہہ دیں یہ جھوٹ ہے' سمعان بھائی۔ نہیں۔"

"یہ سچ ہے زرش۔ ایسے عالم میں کہ پاپا موت اور زیست کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ سعد ہمیں تماشا بنا کر جا چکا ہے۔ تایا ابو اپنے ہمارے سر پر ہیں۔ ہمارے پاس کوئی اور راہ نہ تھی۔ پاپا نے تایا ابو سے صرف اتنا کہا تھا کہ ان کا انتخاب غلط ہے۔ تایا ابو نے خود ماما سے بات کر کے یہ سب طے کیا ہے۔ ماما کے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ کل صرف تمہاری ہی بارات نہیں آ رہی تھی' نوشی کی بھی آ رہی تھی' ایسے عالم میں ہم کیا کرتے۔ ہم مجبور تھے' زرش!

"آپا..... بہت غلط کیا آپ نے بہت غلط' اوہ میرے اللہ اس طرح تو تائی کا الزام سچ ثابت ہو گیا۔ یہ کیا کر دیا آپ نے؟ اس نے اپنا چکراتا سر تھاما تھا۔ وہ پرسکون کب تھی۔

"آپا....." اس کے لبوں سے صرف کراہ ہی نکلی تھی۔ آپا اگر اسے بروقت تھام نہ لیتیں تو وہ منہ کے بل زمین پر جا گرتی۔

"زرش..... زرش..... زرش کو حواس کھوتے دیکھ کر وہ چیخ ہی اٹھی تھیں۔ نڈھال تو وہ پہلے ہی تھی اس خبر نے اس کے رہے سہے حواس بھی چھین لیے تھے۔ آپا کے پکارنے پر نوشی فوراً بھاگی چلی آئی تھی۔ دونوں کی کوشش سے زرش کو پانچ منٹ بعد ہوش تو آ گیا تھا مگر وہ گم صم ہو چکی تھی۔

شائستہ بیگم کو اس کی طبیعت کا علم ہوا تو فوراً اس کے پاس آئی تھیں۔

"زرش! میری جان کیا ہوا؟ اسے گم صم دیکھ کر انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ چونک اٹھی تھی پھر ایک دم ان کے ساتھ لگ کر رونے لگی۔

"ماما! میرے ساتھ ایسا نہیں کریں۔ مت تماشا بنائیں مجھے۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے مار دیں۔ مگر یوں نہ کریں۔" وہ بلک رہی تھی' رو رہی تھی' وہ تینوں ہی رو دیں۔

"زرش خاموشی سے میری طرف دیکھو۔ وہ کسی بھی طرح ان سے سنبھل نہیں رہی تھی تو انہوں نے سختی سے اپنا چہرہ صاف کر کے اسے پکارا۔" وہ ماں کی سختی پر انہیں سہم کر دیکھنے لگی۔

"تم اپنے پاپا کی کنڈیشن تو دیکھ چکی ہو؟"

"ہوں....." اس نے صرف گردن ہلائی تھی۔

"بس پھر چپ کر کے جو ہو رہا ہے اسے قبول کرو۔ ہم بھی کر رہے ہیں۔ تمہارے پاپا اس کنڈیشن میں

نہیں کہ انہیں اتنا بڑا صدمہ دیا جائے۔ کل سمعان کے ساتھ تمہیں دیکھ کر وہ سنبھل جائیں گے۔ مگر تنہا دیکھ کر سہہ نہیں پائیں گے۔ اپنے پاپا کے لیے ہمارے لیے' اس گھر کی عزت کے لیے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ میری بات سمجھ رہی ہو نا۔'' آخر میں ان کی آواز رُندھ گئی تھی۔ زرش نے سسکتے ہوئے ان کے سینے میں منہ چھپا لیا تھا۔

''میری بیٹی بہت اچھی اور حالات کو سمجھنے والی ہے۔ اپنے پاپا کی کنڈیشن کا سوچو۔ ہادیہ! بہن کو پانی کرواؤ۔ بس چھوٹی سی رسم ہوگی وہ لوگ بس رستے میں ہی ہیں۔ میں باہر کا بھی انتظام دیکھوں' وقار وغیرہ نے ہوٹل کی سروس بلالی تھی۔ دیکھوں کہاں تک انتظام وغیرہ ہوا ہے۔'' انہوں نے اپنا چہرہ صاف کرتے زرش کی پیشانی چومتے اس کو ہادیہ کے حوالے کیا تھا۔

❁.....❁.....❁

ایک وقت تھا کہ سعود احمد کا رشتہ سمعان سے طے کرنے پر راضی ہوئے تو بھی طاہرہ بیگم کے خود آ کر رشتہ مانگنے کی بات رکھی تھی۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا تھا اور اب یہ وقت تھا کہ حالات نے سب کو جھٹکا دیا تھا۔ طاہرہ بیگم سب کے ساتھ نہیں آئی تھیں۔ سمعان احمد بھی رسم کرنے کے لیے آنے والوں کے ہمراہ نہیں تھا۔ رسم کا سارا انتظام نفیسہ پھپھو نے پہلے ہی کیا ہوا تھا۔ وہی بری' وہی ملبوسات' وہی انتظام فرق صرف یہ تھا کہ پہلے وہ سب سعد جمال کے نام سے تھا اور اب سمعان احمد کے۔

اس قدر عجلت میں کچھ بھی تیار کروانا ممکن نہ تھا' سو سعید احمد' سمعان احمد کے راضی ہوتے ہی نفیسہ آپا سے بات کر کے پے منٹ کرنے کی شرط پر ان سے وہ سارا ساز و سامان لے لیا تھا۔ نفیسہ بیگم بھائی کو سب دیتے ہوئے رنجیدہ بھی تھیں' روئی بھی تھیں مگر سمعان بھی سعد سے کم عزیز نہ تھا۔ سو اندر کا دکھ اندر ہی دبا گئی تھیں۔ مہندی کی رسم انہوں نے اپنے گھر سے لے کر جانے کو کہا تھا' سعید احمد جان بھی گئے تھے انہوں نے طاہرہ بیگم سے چلنے کو کہا تھا مگر ان کا ری ایکشن اتنا شدید تھا کہ انہوں نے دوبارہ طاہرہ بیگم کا سامنا کرنے سے ہی پرہیز کیا تھا۔ ایسے موقعے پر وہ اب طاہرہ بیگم کی طرف سے کوئی بدمزگی نہیں چاہتے تھے کہ یہ جو پہلے ہی ہو چکا تھا انہی کی بدولت تھا۔ اس سارے قصے کی ذمہ داران کے نزدیک صرف طاہرہ بیگم ہی تھیں۔

مہندی لے کر آنے والوں میں ہارون آغا کی فیملی کے ساتھ ساتھ نفیسہ بیگم اور سعود احمد کے مدعو کیے گئے تمام مہمان تھے۔

سوجی آنکھوں سمیت روئی دھوئی زرش کو رسم کے لیے لا کر بٹھایا گیا تو فرح نے سب سے پہلے اس کے دونوں ہاتھوں میں گجرے پہنا کر رسم کا آغاز کیا تھا۔ وہ کل سے لے کر اب تک اتنا رو چکی تھی کہ رسم کے لیے لا کر بٹھاتے ہوئے زرش کو اپنے سارے احساسات برف کی طرح سرد ہوتے محسوس ہوئے۔ اس کے اندر شدید قسم کا نفرت بھرا احساس جاگا تھا اور فرح نے جیسے ہی گجرے پہنانے کو ہاتھ تھاما تو ایک پل کو جی چاہا تھا کہ یہی ہاتھ اٹھا کر فرح کو نفرت سے پیچھے دھکیل دے۔ ان لوگوں کو کیا حق حاصل تھا کہ اس کی ذات کو یوں سرِ عام تماشا بنا کر رکھ دیں۔ ماما اس کو اس قدر سمجھا چکی تھیں کہ ان کی باتیں اس کے اندر اب

ان لوگوں کے لیے نفرت بھرا احساس اجاگر کر رہی تھیں۔

ماما پاپا کی بے بسی اور سب سے بڑھ کر اپنا یوں تماشا بن جانا۔ اس کے اندر یہ احساس' خون کا آخری قطرہ تک نچوڑے دے رہا تھا کہ وہ مجبور ہو گئی ہے۔

نجانے کیا کیا رسمیں ہوئی تھیں۔ مہندی سے لے کر ڈھولک تک زوباریہ بھابی اور فرح ہر رسم میں پیش پیش تھیں۔ اتنے دنوں کی ٹینشن' بھاگ دوڑ' اور کل سے مسلسل رونے دھونے کی وجہ سے اب زرش کی طبیعت اس قدر بگڑ چکی تھی کہ بمشکل بیٹھی ہوئی تھی۔ تھکن سے جسم نڈھال ہی نہیں تھا بلکہ ٹینشن نے اندرونی نظام پر اس قدر اثر ڈالا تھا کہ جسم حرارت سے بھی دوچار تھا۔

نوشی اور ہادیہ آپا کو اس کی مسلسل فکر ہو رہی تھی۔ انہوں نے زوباریہ بھابی اور دیگر لوگوں سے زیادہ ہنگامہ کرنے سے منع کر دیا تھا بلکہ رسم ہوتے ہی ہادیہ اسے اٹھا کر اس کے کمرے میں لے آئی تھیں۔

وہ جو بمشکل خود پر کنٹرول رکھے ہوئے تھی' کمرے میں آتے ہی پھٹ پڑی تھی۔

''مت بنائیں میرا تماشا آپا۔ منع کر دیں سب کو' پلیز۔'' ڈوپٹہ اتار کر ایک طرف پھینکتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے فرح کے بے پناہ محبت سے بنائے گئے گجرے نوچ کر پھینکتے' اس کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔

''زرش' بچوں کی طرح ردِعمل ظاہر مت کرو۔ حالات کو فیس کرو۔ صرف تمہاری ذات اکیلی تماشا نہیں بن رہی' ہمارا سارا خاندان تماشا بن رہا ہے۔ اس وقت بات انفرادی بقاء کی نہیں' خاندانی بقا کی ہے۔ پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔'' آپا نے کندھوں سے تھام کر اسے دلاسہ دیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''نہیں سمجھ میں آ رہی کچھ بھی۔ آپ کسی بھی شخص کے ساتھ چلتا کر دیں۔ مگر سمعان بھائی کے ساتھ نہیں۔ آپا اتنا بڑا ظلم مت کریں۔ مر جاؤں گی میں۔'' وہ بکھر ہی تو گئی تھی۔ اس کے احساسات و جذبات کو سخت ٹھیس لگی تھی۔

''آپا! لوگ مجھ پر باتیں بنا رہے ہیں۔ سب کے شکوک و شبہات سچ ہو جائیں گے۔ تائی کے بہتان کو سب سچا سمجھیں گے۔'' اس کے ذہن کی یہ گرہ کھل ہی نہیں رہی تھی۔ ہادیہ نے سختی سے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے۔ زرش کی حساسیت بے جا نہ تھی۔ مگر ان کے پاس اس کی تسلی و تشفی کے لیے الفاظ نہ تھے۔

''تمہیں بخار تیز ہوتا جا رہا ہے۔ میں یاسمین کو کہتی ہوں کچھ کھانے کو لائے' کھا کر میڈیسن لے لو۔ نیند کی گولی دیتی ہوں۔ اتنی راتوں سے مسلسل جاگ رہی ہو۔ ایک بھرپور نیند لے لو تو کل شام تک فریش ہو جاؤ گی۔'' انہوں نے اس کا دھیان بٹانا چاہا تھا۔

''ہاں دے دیں نیند کی گولی' جان چھوٹے میری اس زندگی سے۔'' وہ جذباتیت کے آخری اسٹیج پر تھی' ہادیہ بول ہی تو اٹھی تھی۔

''شٹ اپ..... خبردار ایسا سوچا بھی۔ پاپا کا ہی کچھ خیال کر لو۔ وہ تمہیں اس حالت میں دیکھ لیں تو ان پر کیا بیتے گی۔ تمہارا وجود ان کے لیے اس وقت زندگی اور موت کی نوید ہے۔ اپنے آپ کو کمپوز کرو۔ پاپا کے لیے ہی پلیز۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

نیند کی گولی کا اثر تھا کہ وہ کئی گھنٹے سوئی تھی۔ رات بہت شانت' فنکشن اور پھر سوتے سوتے بھی تین ساڑھے تین بج گئے تھے۔ آپا کے لاکھ کہنے پر بھی اس نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ہاں دودھ کے گلاس کے ساتھ گولی نگل لی تھی' کہ وہ خود بھی کچھ دیر کے لیے' کچھ کھا کر سو جانا چاہتی تھی۔

نوشی کے اٹھانے پر وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

''کیا وقت ہوا ہے؟'' اس وقت اس کا ذہن بالکل صاف تھا اسی لیے لہجہ بھی پرسکون تھا۔

''دس بج رہے ہیں۔ اٹھ کر منہ ہاتھ دھولو پھر کھانا کھالینا۔'' نوشی نے بڑی محبت سے اپنے مہندی سجے ہاتھوں سے اس کے بالوں کو چہرے سے ہٹا کر کہا تو زرش کو اپنے حلیے کی طرف دیکھتے بہت کچھ یاد آتا چلا گیا۔ پہلا لباس جوں کا توں پہنا ہوا تھا۔ رات اتنی نڈھال تھی کہ اتارا بھی نہ پائی تھی اور اب ہاتھ اس نے تعجب سے اپنے ہاتھ پاؤں دیکھے' نوشی بھی دیکھ رہی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے سوکھی مہندی سے اکڑی اسکن والے ہاتھ پاؤں نوشی کے سامنے کیے۔ نوشی مسکرادی تھی زرش کے ہاتھوں سے کہیں کہیں سوکھنے پر مہندی جھڑ چکی تھی۔ سرخی مائل گہرا رنگ بڑا بھلا لگ رہا تھا۔

''مہندی ہے' تمہاری طبیعت بے شک خراب ہے' مگر دلہن کے لیے مہندی تو لازمی ہونی چاہیے۔ تمہارے سونے کے بعد بھابی نے تمہارے ہاتھ تھامے تھے' فرح نے مہندی لگادی تھی۔ ویسے رنگ بہت گہرا آیا ہے۔ دھونے پر تو اور بھی نکھر آئے گا۔'' زرش نے غصے سے اپنے ہاتھوں اور بازوؤں کو دیکھا۔ کہنیوں سے اوپر تک جاتے مہندی کے نقش ونگار اس کے گورے سفید صحت مند ہاتھوں اور بازوؤں پر بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔

''کیا تماشا ہے یہ..... کیا تم لوگوں کے لیے کافی نہیں تھا کہ میں رات کے فنکشن کے لیے چپ چاپ مان گئی تھی' اب اور کتنا تماشا بنانا ہے میرا۔ کیوں لگوائی مہندی' وہ بھی فرح سے۔ جو سارے معاملے کے بگاڑ کا سبب ہے؟'' وہ پھٹ ہی تو پڑی تھی۔

''زرش! پلیز کول ڈاؤن! تم بھول رہی ہو' پاپا ہمارے اسپتال میں ہیں۔ بے شک ڈاکٹر انہیں خطرے سے باہر بتا رہے ہیں مگر ان کی طبیعت کسی بھی لمحے بگڑ سکتی ہے۔ سمعان بھائی کے لیے اچانک یہ فیصلہ کرنا۔ صرف حالات میں ٹھہراؤ پیدا کرنے کے لیے ہی نہ تھا بلکہ زندگی کی طرف لوٹتے پاپا کی' تایا جان سے پہلی خواہش ہی یہی تھی کہ تایا ابو تمہارا خیال کریں اور سمعان بھائی سے بڑھ کر اس حالت میں کوئی بھی اہم نہیں تھا' سو ماما کو یہ فیصلہ کرنا پڑا ہے۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو پلیز۔''

''کیا سمجھوں؟ ان سب کی ذمہ دار تایا کی فیملی ہے ان کی بیوی اور اولاد' مجھے نفرت سی ہو رہی ہے ان لوگوں کے ظلم سے بھی۔ اپنی خواہش کی تکمیل میں وہ لوگ ہماری نہ صرف عزت سے کھیلے ہیں بلکہ پاپا کی زندگی سے بھی۔ میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ کبھی نہیں۔'' غصے سے کہہ کر وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ نوشی نے متفکر انداز میں اسے دیکھا تھا۔ زرش کا انداز بڑا پریشان کن تھا جارحانہ بھی۔

بارات کے ساتھ قیصرہ بیگم اور ان کی فیملی نہ تھی' ہاں ان کا بیٹا امجد ضرور تھا۔ طاہرہ بیگم کل رات مہندی

کی طرح اب بارات کے ساتھ بھی جانے پر راضی نہ تھیں۔ سعید احمد نے بھی ان سے جان کر نہیں کہا تھا۔ مگر عثمان اور زوباریہ نے ان سے طویل بحث وتکرار کے بعد انہیں ساتھ چلنے پر آمادہ کر ہی لیا تھا۔ جہاں ان کا مان جانا کئی نفوس کے لیے سکون کا باعث بنا تھا وہاں سعید احمد کو یہ خدشہ بھی لاحق ہو چکا تھا کہ کہیں عین وقت پر یہ عورت کوئی گڑبڑ نہ کردے۔ کہ وہ اس عورت کے ساتھ اک عمر گزار چکے تھے۔ اب طاہرہ بیگم کے تیوروں کو سمجھنے لگے تھے۔ ان کا انکار اگر اقرار میں بدلا ہے تو پیچھے ضرور کوئی سازش ہی ہوگی۔ اسی لیے انہوں نے زوباریہ بھابی کو بلوا کر ہمہ وقت طاہرہ بیگم کے ساتھ رہنے کی تاکید کی تھی۔ عجلت میں ہی انہوں نے فون پر ہی جس جس سے بھی رابطہ ممکن ہو سکا تھا۔ دوست احباب کو مدعو کیا تھا کہ رشتے دار پہلے ہی آپا اور سعود احمد کی طرف مدعو ہی تھے۔ شادی کے سارے انتظامات پہلے ہی ہوٹل میں ہی طے تھے۔ وقار بھائی' مصطفیٰ اور دیگر لڑکوں نے مل کر ساری ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ پھپھو اسپتال میں سعود احمد کے پاس چلی گئی تھیں۔ باقی سب لوگ شادی میں مصروف تھے۔

شام 7 بجے بارات ہوٹل پہنچی تھی۔ عفان بھائی کی بارات بھی آ چکی تھی۔ دونوں باراتیں ایک ساتھ ریسیو کی گئی تھیں۔

سعود احمد کی طبیعت کی وجہ سے سب کام سادگی سے ہی سرانجام دیئے جا رہے تھے۔

عفان بھائی کریم کلر کی شیروانی اور پاجامے کے ساتھ سر پر پگڑی پہنے بہت جچ رہے تھے۔ جبکہ سمعان احمد بلیک کوٹ سوٹ میں سنجیدہ تاثرات سمیت اپنی پرسنالٹی کی تمام تر وجاہتوں کے ساتھ بڑی پر وقار شخصیت لگ رہے تھے۔ عجلت اور ایمرجنسی میں بنائے گئے دولہا تھے۔ مگر اس کے باوجود سمعان احمد کی شخصیت کا جادو برقرار تھا۔

نکاح اور کھانے کے بعد دونوں دلہنوں کو ان کے پہلو میں لا بٹھایا تھا۔ خوب صورت تو وہ دونوں ہی تھیں مگر اس وقت جیسے ہر نگاہ ان دونوں بہنوں پر جم سی گئی تھی۔ بیوٹیشن کے ہاتھ کا کمال اور لباس و زیورات کے استعمال نے دونوں کو ایک لاثانی حسن عطا کیا تھا کہ جو نگاہ بھی اٹھی تھی جھکنا بھول گئی تھی۔

ایک پل کو تو سمعان احمد بھی سب کچھ فراموش کر کے ساکن ہوا تھا۔ اس وجود کو اپنانے کو کہاں کہاں خواب نہ دیکھے تھے مگر قسمت نے ساتھ نہ دیا تھا اور اب قسمت اس قدر مہربان ہوئی تھی کہ دل میں محبت کی تمام تر سچائی کے باوجود احساس پشیمانی آ بیٹھا تھا۔ یہ لڑکی اس کی محبت کی وجہ سے رسواء ہو رہی تھی۔ اس کے نام پر سعد اسے چھوڑ گیا تھا۔ اپنی تمام تر سچائی کے باوجود اس وقت سمعان احمد اس لڑکی کے سامنے شرمندہ ہونے پر مجبور تھا کہ یہ اب صرف کزن ہی نہیں بیوی بن چکی تھی۔

سمعان احمد کے یک ٹک دیکھنے پر کئی طرف سے شوخ سیٹیاں گونجیں تو سمعان احمد نے فوراً نگاہوں کا رخ بدل لیا۔ بجائے دل میں شوخ دھڑکنوں کے ارتعاش کے بڑا درد احساس جاگا تھا کہ اس وقت زرش کن احساسات کا شکار ہوگی۔ سمعان کے اندر بڑی شدید بے چینی سی پھیلی تھی۔ گزرے ہوئے زرش کے کئی رویے یاد آئے تھے۔ وہ اس کا مجرم تھا' طاہرہ بیگم نے جو بھی سلوک کیا تھا اس میں وہ بھی شریک تھا کہ وہ طاہرہ بیگم کا بیٹا تھا اور زرش سے محبت کا دعوے دار.....؟ اور اب رہی سہی کسر سعد جمال پوری کر گیا تھا۔

سعید احمد کا انداز اگر ایک دم جارحانہ نہ ہو جاتا اور وہ علی اور عثمان بھائی کو انوالو نہ کرتے تو شاید وہ ہاں نہ کرتا۔ مگر اب بات آن کی تھی۔ زرش اس کی وجہ سے معتوب ٹھہرائی جا رہی تھی۔ اس کے نام پر سمعان احمد کے اندر اک جنگ سی چھڑ چکی تھی۔

تمام رسوم کے بعد رخصتی کا وقت آیا تو دونوں بہنیں ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔ ماما نے بڑے حوصلے کا مظاہرہ کیا تھا۔ دونوں کو چپ ہونے کی تلقین کرتی رہی تھیں۔ رخصتی کے بعد دونوں بہنوں کی گاڑیاں اسپتال کی طرف روانہ ہوئی تھیں کہ سعود احمد تاکید کی تھی کہ رخصتی کے بعد وہ دونوں ملنے اسپتال ضرور آئیں۔

سعود احمد کی طبیعت پہلے سے بہتر تھی۔ ڈاکٹر سے ملنے کی پرمیشن مل گئی تھی۔ سعود احمد سے ملتے وقت دونوں نہ صرف خود پھوٹ پھوٹ کر روئی تھیں بلکہ ان کے ساتھ دیگر لوگوں کی بھی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

''زرش بس کرو۔ انکل کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' چند لمحے بعد نوشی تو سعود احمد سے جدا ہو کر چپ ہو گئی تھی مگر زرش کی گریہ وزاری اسی طرح برقرار تھی۔ زوباریہ بھابی جو اس کے ساتھ ہی گاڑی میں تھیں انہوں نے کندھوں سے تھام کر زبردستی ان سے جدا کیا تھا۔

''سمعان! ادھر آؤ.....'' بستر پر لیٹے لیٹے ہی انہوں نے اشارہ کیا تھا۔ سمعان احمد جو اس ساری صورت حال کو دیکھ کر پہلے ہی گم صم تھا۔ ایک گہرا سانس لے کر ان کے پاس بستر پر جا بیٹھا۔ دوسری طرف زرش تھی۔

''جی چچا جان!''

''سمعان! زرش کا خیال رکھنا۔ میری اس بیٹی کو دنیا داری کا کچھ پتا نہیں۔ یہ مجھے بہت عزیز ہے۔ اس کو ذرا سی تکلیف ہو تو میرا دل کام کرنا بھول جاتا ہے۔ پچھلی باتوں کو بھلا دینا۔ خیال رکھنا زرش کا۔''

''پاپا.....'' زرش تو مزید بکھری تھی۔ ان کے کندھے پر دوبارہ سر رکھ دیا تھا۔ انہوں نے محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ آہستہ آہستہ ان کے آنسو بہہ رہے تھے۔

''آپ ٹینشن نہ لیں چچا جان..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اب جو بھی ہو چکا تھا وہ ایک طرف اب ان حالات کو تو فیس کرنا ہی تھا۔

''جیتے رہو۔ آباد رہو۔ عفان بیٹا تم بھی ادھر آؤ۔'' انہوں نے سمعان کے عقب میں خاموشی سے کھڑے عفان کو بھی دیکھا تو وہ بھی قریب چلے آئے تھے۔ ان کے اشارہ کرنے پر وہ جھکے تو انہوں نے ان کی پیشانی چوم کر ڈھیروں خوشیوں کی دعائیں دی تھیں۔

''کچھ دیر بعد وہ لوگ تو چلے گئے تھے نوشی کے ہمراہ مگر وہ لوگ مزید کچھ دیر وہاں ٹھہرے تھے۔ رو دھو کر زرش کی پہلے سے ہی خراب طبیعت مزید خراب ہوئی تھی۔ رونے کی وجہ سے میک اپ تو سارا دھل گیا تھا۔ اسپتال سے واپسی پر بھی زرش کی سسکیاں گاڑی میں گونجتی رہی تھیں۔ زوباریہ بھابی اسے بازو کے حصار میں لیے سارا راستہ اس کا سر تھپکتی رہی تھیں۔ انہیں ساتھ ہی ساتھ سخت تشویش بھی لاحق ہو گئی تھی کہ زرش بخار کی وجہ سے سخت تپ رہی تھی۔ باقی لوگ تو رخصت ہوتے ہی گھر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

دولہا کی) گاڑی اور سمعان احمد کی گاڑی ہی اسپتال گئی تھیں۔ شادی کی تقریب تو بخیر و عافیت گزر چکی تھی۔ ان لوگوں کے ہزار ہا خدشات کے باوجود اور سب نے شکر ادا کیا تھا۔

عفان کی بارات کے گھر آتے ہیں طاہرہ بیگم تو کمرے میں جا گھسی تھیں۔ وہ ایک بہت بڑی شکست سے دوچار ہوئی تھیں۔ اسی شکست سے جس نے ان کے پرانوں زخموں کو پھر سے تازہ کر دیا تھا۔ سمعان وغیرہ کی گاڑی گھر آئی تو بھی وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھیں۔ ان کی ساری بھابیاں' ان کے بچے اور بہن (قیصرہ آپا تو آئی ہی نہیں تھیں) سب بہنیں آ چکی تھیں' گھر بھرا پڑا تھا۔ زرش کو فرح اور زوباریہ بھابی دونوں نے مل کر گاڑی سے نکالا تھا۔ عجلت میں بھی علی نے ویڈیو بنانے کا انتظام کروا لیا تھا۔ طاہرہ بیگم کسی بھی رسم میں شریک نہ ہوئی تھیں۔ زوباریہ اور ممانیاں ہی سب کچھ کر رہی تھیں۔ طاہرہ بیگم کا رویہ محسوس تو سب کو ہی ہو رہا تھا مگر سبھی خاموشی سے کہ اسی خاموشی میں ہی عافیت تھی۔

گھر آتے ہی زوباریہ بھابی نے زرش کا میک اپ درست کیا تھا مگر اس کے آنسو ہی نہیں تھم رہے تھے۔ تصویروں اور مووی کے سیشن کے بعد زوباریہ زرش کو سمعان احمد کے کمرے میں لے آئی تھیں۔ سب کی کوشش کے باوجود سمعان نے اپنے کمرے کی سجاوٹ سے منع کر دیا تھا۔ اس وقت کمرے میں قالین اور بیڈ پر سرخ پھولوں کی پتیاں بچھی ہوئی تھیں۔

''زرش' اب بس بھی کرو۔ طبیعت تمہاری پہلے ہی خراب ہے' بخار تیز ہوتا جا رہا ہے تمہارا۔ اس طرح تو اور بگڑ جائے گی۔''

''بھابی پلیز! مجھے ماما کے پاس چھوڑ آئیں۔ میرے گھر' نہیں رہنا مجھے یہاں۔ میں نے اس گھر سے نکلتے ہوئے قسم کھائی تھی کبھی اس گھر میں نہیں آؤں گی مگر۔ نہیں جیا جاتا مجھ سے ایسے الزام لے کر۔'' اس کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے اور اوپر سے اس کی گریہ وزاری۔

''بی ریلیکس زرش!'' انہوں نے محبت سے ساتھ لگا کر سر تھپکا تھا۔ کچھ کھاؤ پیو گی؟'' ہادیہ نے رخصتی کے وقت زوباریہ کو خاص تاکید کی تھی کہ اسے کچھ کھلا پلا دیں وہ پچھلے کئی دنوں سے صرف برائے نام ہی کھا پی رہی تھی۔

''نہیں.....''

''دودھ؟''

''کچھ بھی نہیں..... مر جانے کے علاوہ کچھ بھی کرنے' کھانے کو جی نہیں چاہ رہا۔'' بھابی نے اس کا چہرہ تھام کر پیشانی چومی تھی۔ انہیں اس وقت زرش پر برا ترس آ رہا تھا۔ اس سارے واقعے میں سب سے زیادہ خسارہ اسی کے حصے میں تو آیا تھا۔

سمعان احمد جس طرح آمادہ ہوئے تھے' عثمان احمد بتا چکے تھے۔ سمعان کا مؤقف بھی غلط نہ تھا مگر جس طرح سعید احمد نے سمعان کے جذبات کی پروا کرتے اپنا فیصلہ سنایا تھا انہیں بڑا دکھ ہوا تھا۔ یہ سچ تھا سعید احمد کا فیصلہ اس وقت حالات کے متقاضی اور بالکل درست تھا مگر سمعان سے دھمکی آمیز انداز کی بجائے وہ پیار سے بھی مؤقف سمجھا کر راضی کر سکتے تھے۔ سمعان احمد کی مسلسل خاموشی اور گم صم انداز اور دیر سے

طاہرہ بیگم کا رویہ یہ سب زوباریہ بھابی کو اندر ہی اندر دہلا رہے تھے۔

وہ کچھ دیر زرش کے پاس بیٹھ کر اسے تسلی دلاسہ دیتی رہی تھیں۔ پھر دیگر گھر والوں کو دیکھنے کا کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھیں۔ اس وقت وہ مکمل طور پر اس گھر کی بڑی بہو کے فرائض سرانجام دینے میں وقت سرگرداں تھیں۔

سب مہمانوں کے لیے سونے کا انتظام کرواتے فرح کے ساتھ وہ کافی مصروف تھیں۔ کچھ مہمان آتے ہی مل کر رخصت ہو چکے تھے۔ اس وقت چند ہی مہمان تھے۔ ادھر سے فارغ ہو کر وہ ٹی وی لاؤنج میں آئیں تو سمعان احمد کو بالکل تنہا گم صم بیٹھے پایا تھا۔ انہوں نے وقت دیکھا' رات کے ڈھائی بج رہے تھیں۔ نائٹ فنکشن تھا مگر رخصتی جلدی ہونے کے باوجود ان کا کچھ وقت اسپتال میں لگ گیا تھا۔ اور آتے ہی زرش کی خراب طبیعت کی وجہ سے انہوں نے اسے زیادہ ہجوم میں رہنے نہ دیا تھا اور اب تو بہت دیر ہو رہی تھی۔ زرش جس قدر جذباتی ہو رہی تھیں۔ اس وقت اسے ایک سہارے' ایک کندھے کی ضرورت تھی اور سمعان سے بہتر کون اس کا درد سمجھ سکتا تھا۔

"سمعان....." انہوں نے پکارا تو سمعان احمد نے چونک کر انہیں دیکھا۔ بہت گہری سوچ تھی جو مسلسل ٹوٹا تھا۔

"کمرے میں نہیں جانا..... رات کافی ہو رہی ہے۔ سارے مہمان سونے کو جا چکے ہیں۔ تم اٹھو....." سمعان نے نگاہ پھیر لی تھی۔

اپنے کمرے میں جانا آج زندگی کا سب سے مشکل ترین لمحہ لگ رہا تھا۔ ایسے لمحے کے لیے انہوں نے کئی حسین خواب دیکھے تھے مگر اس خواب کی تعبیر کے لیے ان کا کیا کچھ داؤ پر نہ لگ گیا تھا۔ ان کے اذیت کی سخت لہر اٹھی تھی۔ مگر وہ کب تک زرش کی الزام دیتی نگاہوں اور شکوہ کرتے لہجے سے بچتے تھے۔ انہوں نے گہرا سانس فضا میں خارج کیا تھا۔

"سمعان! زرش کا خیال رکھنا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ بہت تیز بخار ہے اسے۔ ہادیہ بتا رہی تھی کچھ کھایا بھی نہیں رہی۔ بہت جذباتی ہو رہی ہے وہ اس وقت۔ اس کی فیلنگز سمجھنے کی کوشش کرنا پلیز۔ تمہارے کسی بھی سخت رویے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ پلیز خیال رکھنا۔"

سمعان سے نگاہیں چراتے ڈھکے چھپے لفظوں میں انہوں نے اس سے ایسی بات ضرور کہی تھی کہ سمعان کے اندر بڑا شدید احتجاج پیدا ہوا تھا۔ بھلا زرش کو ان سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔ وہ تو اس کے چہرے ان کے اندر کو پڑھ لینے کا یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے سختی سے لب بھینچ لیے کہ مبادا کچھ سخت نہ کہہ دیں مگر بھابی کے الفاظ نے انہیں ہرٹ کیا تھا۔ وہ اتنے سطحی تو نہیں تھے۔ نہ ہی جذبات کے مارے شکوہ کس سے کرتے۔ حالات نے انہیں اس مقام پر لا پٹخا تھا کہ ہزار چاہنے کے باوجود زبان کھولنے کی اجازت نہ تھی۔

اپنے کمرے میں داخل ہونے پر انہیں سسکیوں کی آواز نے رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔ ہوٹل میں ایک دفعہ کے بعد سمعان نے دوبارہ اسے نہیں دیکھا تھا۔ اور اب۔

دروازہ

سمعان کے دروازہ بند کرنے پر وہ چونک کر ایک دم سیدھی ہوئی تھی۔ فوراً سمعان کو دیکھا۔ سمعان کی بھی نگاہ اٹھی تھی۔ زرش کی اس اک نگاہ میں کیا کچھ نہ تھا۔

سمعان احمد نے فوراً نگاہ چراتے ہوئے وارڈ روب کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ لباس لے کر وہ ڈریسنگ روم میں چلے گئے تھے۔

زرش کی سسکیاں ایک دم تیز ہوئی تھیں۔ ایک دم جی چاہا کہ اپنے وجود سمیت اس سارے کمرے کو آگ لگا دے۔ وہ اسی کمرے میں بری طرح رسوا کی گئی تھی اور اب یہی کمرہ اس کے ارمانوں کا خون کر رہا تھا۔ اس کے اندر بری طرح جذباتی کیفیت نے حملہ کیا تھا۔ اپنا آپ سخت مظلوم اور یہ لوگ ساری کائنات سے بڑھ کر ظالم لگ رہے تھے۔ خاص طور پر سمعان احمد۔ وہ اس نام پر رسوا کی گئی تھی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

سمعان لباس بدل کر کمرے میں آیا تو وہ گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھی۔ پورا وجود ہل رہا تھا۔ سمعان کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ لیا تھا۔ وہ بستر پر بیٹھا تو بھی زرش کی حالت میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔

"زرش.....!" سمعان نے پکارا بھی تو ذرا فرق نہ پڑا تھا۔

"زری!" سمعان سب برداشت کر سکتا تھا مگر زرش کا رونا نہیں۔ سمعان کو پہلی دفعہ احساس ہو رہا تھا کہ زرش کی محبت کتنی گہری ہو چکی ہے اس کے دل میں۔ اگر قسمت مہربان نہ ہوتی اور وہ اسے گھورتا تو۔ اب ایک دم یہ تصور ہی سوہانِ روح لگا تھا۔

"زری۔" سمعان نے اس کے کندھے پر نرم دباؤ ڈالا تھا مگر دوسری طرف تو آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔

"ہاتھ نہیں لگاؤ مجھے..... خبردار اگر مجھے چھوا بھی تو....." اس کے لہجے میں اس کے اندر کی ساری تلخی تھی۔

سمعان کے اندر ایک ہی پل میں زرش کے اس قدر بے گانہ انداز سے بہت کچھ ٹوٹا تھا۔

"زرش....." سمعان نے پکارا تو وہ غصے سے پیچھے ہٹی تھی۔

"نفرت ہو رہی ہے مجھے آپ سے۔ سنا آپ نے۔ بڑی محبت کی تھی میں نے آپ سے۔ میری دنیا آپ پہ آ کر ختم ہوئی تھی۔ اتنا اعتبار تو میں نے اپنی ذات پر بھی نہیں کیا' جتنا آپ پر تھا۔ کس نے حق دیا تھا آپ کو میرا اعتبار توڑنے کا۔ میری ذات کو ذروں سے حقیر کرنے کا۔ بتائیں' بولیں' کس نے حق دیا تھا آپ کو یہ سارا گھٹیا کھیل کھیلنے کا۔

"جتنی تم بے قصور ہو اتنا ہی میں بھی۔ میں نے تمہارے ساتھ کی خواہش ضرور کی تھی مگر ایسا کبھی نہیں چاہا تھا۔" سمعان نے پھر بھی پوزیشن کلیئر کرنا چاہی تھی۔

"جھوٹ بولتے ہیں آپ۔ اب آپ کی کسی بات کا اعتبار نہیں کروں گی۔ سعد کے ساتھ مل کر آپ نے اور فرح نے یہ گھٹیا پلان تیار کیا۔ کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا۔ میرے پاپا کا کیا قصور تھا۔ انہیں کس جرم کی سزا ملی ہے۔"

وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر ضبط کھو گئی تھی۔ سمعان کے پاس زرش کی ان غلط فہمیوں کے سارے جواب تھے مگر اس وقت کچھ بھی کہنا بے اثر تھا۔ سمعان نے تشویش سے اسے دیکھا۔ بھابی بتا چکی تھی کہ اسے بخار ہے۔ ایسے میں یہ جذباتیت اور مسلسل گریہ وزاری نقصان دہ بھی تھی۔

"آپ چلے جائیں میرے سامنے سے۔ آپ ہمارے گھرانے کو پہنچے والے شدید نقصان کے ذمہ دار ہیں۔ کبھی معاف نہیں کروں گی آپ کو۔" رونے کے ساتھ ساتھ وہ دل کی بھڑاس بھی نکال رہی تھی۔

"زرش! پلیز رونا بند کرو۔ تم بہت جذباتی ہو رہی ہو۔ تمہاری طبیعت پہلے ہی خراب ہے۔" سمعان نے بہت نرمی سے اس کے سارے الزامات کو سنتے' صرف نظر کرتے پھر اس کے مسلسل ہلتے وجود کو تھامنا چاہا مگر اب کی بار زرش بپھر ہی گئی تھی۔

"خبردار..... کہا ہے نا..... ہاتھ نہیں لگانا مجھے۔ ورنہ میں کسی بھی حد سے گزر جاؤں گی۔" سمعان کے ہاتھوں کو جھٹکتے وہ بستر سے اترنے لگی تو سمعان نے کچھ برہمی سے اسے دیکھا۔ زرش ہمیشہ ادب سے بات کرتی مگر اس وقت وہ سب لحاظ بالائے طاق رکھے بے لحاظی سے مخاطب تھی۔

"کہاں جا رہی ہو تم؟ آرام سے ادھر بیٹھو۔ پہلے ہی بہت تماشا بن چکا ہے۔" سمعان نے نہایت برہمی سے اس کا بازو پکڑ کر اسے بستر سے اترنے سے باز رکھنا چاہا تھا مگر زرش کے اوپر سمعان احمد کی اس برہمی و استحقاقانہ انداز نے بڑا برا اثر ڈالا تھا۔

"آپ مجھ پر کسی بھی سختی کا حق نہیں رکھتے۔ میں کسی بھی حق کو قبول نہیں کرتی۔ یہ صرف مجبوری ہے۔ اپنے پاپا کی زندگی کے لیے پی جانے والا کڑوا گھونٹ۔ آپ نے جس طرح ہمارے گھرانے کا استحصال کیا ہے۔ اس نے میرے دل میں آپ کے لیے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے۔ بڑا شوق تھا آپ کو مجھے پانے کا' مگر یاد رکھیے گا۔ آپ مجھے پا کر بھی اس دھاندلی کے باوجود کبھی مجھے پا نہیں سکیں گے۔"

وہ جذباتیت کی انتہا پر تھی۔ سمعان نے بڑی بے چارگی سے اسے دیکھا۔ اس وقت اپنے حق میں کچھ بھی کہنا فضول تھا۔ سمعان کے بازو کو جھٹکتے وہ بستر سے اتری تھی۔ بخار کی وجہ سے اس کا وجود خاصا کمزور اور نڈھال ہو رہا تھا مگر اس پر تو اک جنون سا طاری تھا۔ سب ملیامیٹ کر دینے کا۔ سمعان نے خاموشی سے دیکھا تھا۔ رونے کی وجہ سے میک اپ تو پہلے ہی بہہ چکا تھا۔ بس اثرات باقی تھے۔

بستر سے اترتے ہی اس نے جیسے تیسے پنیں اکھاڑ کر ڈوپٹہ نوچ کر صوفے پر پٹخا تھا۔ سمعان نے کچھ کہنا چاہا پھر لب بھینچ لیے۔ گجرے نوچ کر پھینکتے ہوئے وہ ایک ایک کر کے سارا ہار سنگھار اُجاڑتی گئی تھی۔ زیورات بڑی بے دردی سے اُتارے گئے تھے۔

سمعان کی نفیس طبیعت پر زرش کا یہ انداز بڑا گراں گزرا تھا۔ ایک بازو میں سونے کی چوڑیاں اور کڑے تھے جو آسانی سے اتر گئے تھے۔ مگر دوسرے بازو پر کانچ کی چوڑیاں تھیں۔ جو خاصی تنگ تھیں' جنہیں بڑے آرام سے اتارنے کی ضرورت تھی۔ زرش کے سابقہ انداز میں ہی اتارنے پر دو تین ٹوٹ گئی تھیں بلکہ کانچ کا کوئی ٹکڑا اس کے ہاتھ کی کسی نس میں جا لگا تھا۔ ایک دم پتلی خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔ اب سمعان خاموش تماشائی بنا نہیں رہ سکا تھا۔ ایک دم اٹھ کر اس کی طرف آیا تھا۔

"زرش ہوش کرو۔ اس طرح اتارنے سے تمہارا ہاتھ زخمی ہو رہا ہے۔ آرام سے بھی اتاری جا سکتی ہیں۔" تکلیف کے شدید احساس کے باوجود اس نے مزید چوڑیاں اتارنا چاہیں تو سمعان نے ٹوک دیا۔

"خبردار! میرے معاملے میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" بدتمیزی کی حد تھی۔ زرش کے اندر کی وحشت اس کی جنونیت کا روپ دھار چکی تھی۔

"زرش! تمہارا ہاتھ زخمی ہو چکا ہے۔" سمعان کی نگاہ اس کے ہاتھ پر تھی۔ خون بہنے سے اس کا دوسرا ہاتھ بھی بھیگ رہا تھا۔

"ادھر ہاتھ دو۔ میں دیکھتا ہوں۔ زخم گہرا ہے۔" سمعان نے ہاتھ پکڑا تھا مگر وہ تو مچل ہی گئی تھی۔

"نہیں۔ چھوڑو مجھے' کہا ہے نا۔ نفرت ہوتی ہے مجھے تم سے۔ چھوڑو۔" سختی سے ہاتھ کھینچ کر وہ دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

"میں پل پل مر رہی ہوں۔ آپا کا سونپا گیا الزام اب ساری زندگی میرا تعاقب کرے گا اور ہٹ جائیں میرے سامنے سے ورنہ میں آپ کا لحاظ نہیں کروں گی۔ وہ سوچ سمجھنے کی صلاحیت سے ماورا ہو چکی تھی۔ اس وقت اس پر صرف وحشت سوار تھی۔

"بڑی تکلیف ہو رہی ہے آپ کو مجھے اس حال میں دیکھ کر۔ اب ساری عمر یہ تکلیف سہیئے گا۔ میں اگر اذیت میں رہوں گی تو خوش آپ بھی نہیں رہیں گے۔ مجھے حاصل کر کے' یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔"

رہی سہی چوڑیاں اس نے دیوار پر ہاتھ مار کر توڑ دی تھیں۔ نجانے بازو میں کہاں کہاں کانچ چبھے تھے۔ کئی جگہ سے خون کی بوندیں بہہ نکلی تھیں مگر اسے تو جیسے کوئی پرواہ ہی نہ تھی۔

زرش کا رویہ اور انداز حیرت ناک ہی نہیں' اذیت ناک بھی تھا۔ زرش کی نفرت کی حد تھی۔ سمعان احمد کا ذہن ماؤف سا ہونے لگا تھا۔ اگر وہ اسے مزید روکتا تو وہ مزید ایسی حرکت کرتی۔ زرش کے اندر کی وحشت سے وہ اندازہ لگا چکا تھا۔ سمعان خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

باہر گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سارے گھر والے اور مہمان وغیرہ شاید سو چکے تھے۔ کچھ دیر سمعان لاؤنج کے صوفے پر بیٹھا رہا تھا۔ جب ایک دم لاؤنج کی لائٹ آن ہوئی تھیں۔ سمعان نے فوراً آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا' عثمان بھائی تھے۔ وہ بھی سمعان کو دیکھ کر ٹھٹکے تھے۔ ان کے کندھے سے حمزہ لگا ہوا تھا۔ جو سسک رہا تھا۔

"سمعان تم..... تم اپنے کمرے میں نہیں گئے؟"

ان کا سوال ایسا تھا کہ سمعان نے فوراً نگاہوں کا زاویہ بدلا۔

"کمرے میں ہی تھا ابھی آیا ہوں۔"

"خیریت..... زرش اب کیسی ہے؟ آئی مین بخار وغیرہ۔" اگلا سوال ان کے لبوں پر تھا' سمعان نے گہرا سانس لیا۔

"ویسی ہی ہے۔" (یا شاید مجھے دیکھ کر مزید خراب ہوئی ہے)۔

"سو گئی ہے کیا؟"

"ہوں۔" سمعان نے وضاحت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ "آپ سوئے نہیں؟"

"میں سو گیا تھا۔ حمزہ رو رہا تھا میں اٹھا کر باہر لے آیا۔"

"بھابی سو گئی ہیں؟"

"ہوں۔"

سمعان اٹھ کھڑا ہو۔ اب یہاں رکنے کا جواز نہیں رہا تھا۔ عثمان نے سمعان کے انداز سے بہت کچھ کیا تھا مگر خاموش رہے۔ سمعان کمرے میں لوٹا تو پہلی نگاہ اطراف میں اٹھی۔ وہ صوفے قریب قالین پر ہی دراز تھی۔ خاصا بے ترتیب انداز تھا' بکھرا ہوا حلیہ' قالین پر بچھی پھولوں کی پتیاں بڑی بری طرح مسلی گئی تھیں۔ زیورات بکھرے پڑے تھے جبکہ وہ خود اردگرد کے ماحول سے بے خبر سو چکی تھی۔

سمعان کی نگاہ اس کے بازو پر اٹھی تھی۔ جو قالین پر پہلو میں تھا۔ خون رُک چکا تھا مگر بازو پر جم چکا مہندی کے نقش و نگار میں ایک جیسا ہی تاثر دے رہے تھے۔ سمعان نے بکھرے زیورات دراز میں دیئے تھے۔

لاکھ جذباتی سہی مگر وہ انہیں عزیز تر تھی۔ وقت حالات نے اسے اتنا ڈسٹرب کر دیا تھا تو کیا ان کی میں اتنا دم تو تھا کہ اس کے بکھرے وجود کو سمیٹ لینے کی صلاحت رکھتے۔ اسے اپنی محبت کی سچائی سونپ اس کی بے اعتمادی ختم کر سکتے۔ ان کے اندر اک عزم نے سر اٹھایا تھا۔ سوچ مثبت رخ کی طرف تھی۔ قالین پر پھینکے گئے گجرے اٹھا کر انہوں نے بستر پر ڈال دیئے تھے۔ کمرے کی بے ترتیبی درست کر کے سمعان نے اس کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ ابھی رات کے دو تین گھنٹے باقی تھے۔ اسے یونہی نہیں جا سکتا تھا۔

زرش کو سمعان کے قریب جھک کر اسے آواز دی تھی مگر کوئی فرق نہ پڑا تھا وہ اسی طرح ساکن سرصوفے کی سیٹ پر تھا۔ سمعان نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اٹھانا چاہا بھی تو اس کے وجود میں کوئی نہیں ہوئی تھی۔ سمعان کو تشویش سی ہونے لگی۔ زرش کا جذباتی انداز پوری آب و تاب کے ساتھ سطح پر چمکا تو دل کی دھڑکن ایک دم تیز ترین ہوئی تھی۔ وہ جذباتی تھی۔ پہلے ہی بیمار اور نڈھال تھی میں اس نے خود سے کچھ کر لیا تو۔ اسی سوچ نے سمعان کو پورا ہلا دیا تھا۔

"زری..... سمعان نے ایک دم اسے جھنجوڑا تھا۔ وہ لڑھک کر ان کے بازوؤں میں آ رکی تھی۔ سمعان ساکت سا رہ گیا تھا۔

"زری اٹھو' ہوش کرو۔" سمعان کے اندر کا اضطراب دو چند تھا۔ زرش پر اپنی کسی بھی پکار کا کوئی دیکھ کر سمعان نے اسے فوراً اٹھا کر بستر پر ڈالا تھا۔ زرش کے ساتھ جو کچھ ہو چکا تھا وہ کسی بھی حد تک تھی۔ سمعان نے نبض چیک کی' رفتار بہت سلو تھی۔ سمعان نے فوراً کمرے سے نکلے تھے' عثمان بھائی بھی لاؤنج میں تھے۔ حمزہ کو سلاتے وہ خود بھی نیم غنودگی میں تھے۔

"بھائی' بھابی کو فوراً لے کر میرے کمرے میں آئیں۔ زرش کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

دو نم

ہے" سمعان کے عجلت میں اٹھانے پر وہ حیران رہ گئے تھے۔ سمعان کہہ کر واپس چلا بھی گیا تو وہ فوراً اپنے کمرے میں بھاگے تھے۔

جب تک بھابی اور عثمان بھائی آئے تھے' سمعان زرش کے چہرے اور ہاتھوں سے جمے خون کو گیلے تولیے سے صاف کر چکا تھا۔

"کیا ہوا؟" سمعان نے بستر سے اٹھ کے بھابی کو جگہ دی تھی۔

"پتا نہیں۔"

"لگتا ہے بے ہوش ہو گئی ہے۔ فرسٹ ایڈ باکس تو ہو گا گھر میں۔" بھابی نے اچھی طرح چیک کرنے کے بعد عثمان کو دیکھا۔

"ہوں' کچن میں ہے۔" سمعان کی نگاہیں زرش کے چہرے پر ہی تھیں جو زردی مائل ہو چکا تھا۔

"میں لا دیتا ہوں۔" عثمان بھائی چلے گئے تھے۔

"کیا ہوا؟ خیریت ہے نا۔" سمعان احمد کی تشویش بجا تھی۔

"ہوں۔ لگتا ہے بخار کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی ہے۔ بخار بھی تو اتنا تیز ہے۔ پھر ہا دیہ بتا رہی تھی یہ نہ کچھ کھا رہی ہے نہ پی رہی تھی۔ ویک نہیں بھی ہو گی۔"

عثمان بھائی باکس لے آئے تو بھابی اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگیں۔ پانچ منٹ بعد وہ ہوش میں تھی مگر غنودگی کی کیفیت میں۔

"ماما....." اس کی کراہ پر سمعان نے سکون کا سانس لیا' ورنہ زرش کی جذباتیت نے خوفزدہ ہی کر ڈالا تھا۔

بھابی نے کچھ دیر اس کی پیشانی پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھی تھیں۔ زرش کو ہوش تو آ گیا تھا مگر کمزوری اور بخار کی وجہ سے غنودگی برقرار تھی۔ بھابی نے دودھ کے ایک گلاس کے ساتھ اسے غنودگی کے ہی عالم میں ایک دو گولیاں دی تھیں۔

"فکر نہیں کرو۔ بخار کا اثر ہے۔ اتنے دنوں کی ٹینشن کو کوئی رنگ تو دکھانا ہی تھا۔ پھر یہ ہے بھی بڑی حساس۔ شکر ہے صرف بخار ہے ورنہ۔" بھابی نے مسکرا کر سمعان کو دیکھا۔ سمعان مسکرا بھی نہ سکا۔

"تم دیکھتے رہنا اسے' اگر طبیعت زیادہ خراب ہو تو بلا لینا۔ ویسے امید ہے ان گولیوں سے کچھ افاقہ ہو گا۔ اگر بخار کم نہ ہوا تو۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ لینا یا پھر ڈاکٹر بلوا لینا۔" کل ساری رات جاگ کر گزاری تھی اور کل کا سارا دن بھی بھاگ دوڑ میں گزر گیا تھا۔ تھکن تو بھابی کو بھی بے حد ہو رہی تھی پہلے حمزہ نے نیند خراب کی تھی تو عثمان اٹھا کر باہر لے گئے تھے اور اب زرش کی وجہ سے ڈسٹرب ہو گئی تھیں۔

"آپ فکر نہیں کریں' میں دیکھ لوں گا۔" زرش کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ دونوں اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

سمعان دروازہ لاک کر کے زرش کے قریب ہی چلے آئے تھے۔ وہ نیم غنودگی میں کبھی کبھی کراہ رہی تھی۔ بخار کا زور کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ سمعان نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو وہ اسی طرح جل رہی تھی۔

سمعان نے اس کا سر سرہانے سے اٹھا کر اپنی جھولی میں رکھ لیا تھا۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں
سمعان کے اندر اس کے لیے محبت کا اک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"ماما....." سمعان احمد کراہ پر اسے دیکھنے لگا۔ اس کی ذہنی کنڈیشن کا سمعان احمد اندازہ لگا سکتا تھا۔

"پاپا....." اس کی کراہیں کم نہیں ہو رہی تھیں۔

"زری....." ہاتھ روک کر سمعان نے اس کا ہاتھ تھاما تو ذرا کی ذرا اس نے پلکیں کھول کر سمعان
دیکھا۔

"آپ؟" اس کی صرف لب ہلے تھے۔ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟"

"پاپا..... پاپا کہاں ہیں؟ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔"

سمعان نے ایک گہری سانس لے کر اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

"صبح چلیں گے۔"

"ماما کو بلا دیں۔ مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔ میرا سر پھٹ رہا ہے۔" وہ درد سے کراہ رہی تھی۔ اسے
بھی علم نہ تھا وہ کیا کہہ رہی ہے۔ سمعان نے آہستگی سے اس کا سر دبانا شروع کر دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

نویرہ رات کو زبیدہ چچی کے ہاں ہی رک گئی تھی۔ شارق زمان کو کال کر کے اس نے اسے لینے آ
سے منع کر دیا تھا۔ نویرہ کا موڈ جو آج کل تھا' شارق زمان نے اسے منع نہیں کیا تھا کہ شاید اسی طرح اس
موڈ بہتر ہو جائے۔ شارق زمان کو اس نے صرف آنے سے منع کیا تھا' یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ چچا کے ہاں آ
ہوئی ہے۔ اگلے دن وہ رضا کے کالج سے آنے کے بعد اماں کے ہاں چلی آئی تھی۔ بھابی تو کل ہی آ
تھی۔ رضا چھوڑ گیا تھا۔ آج اسے چھوڑنے آیا تھا۔ کچھ دیر اس کے کہنے پر وہ رک گیا تھا۔

نبیل گھر پر ہی تھا (صرف سلام دعا کے علاوہ کوئی بات نہیں ہوئی تھی دونوں کے مابین) اب بھی سلا
دعا کے علاوہ کوئی بات نہ ہوئی تو نویرہ کا دل بھر آیا۔ ایک شخص کی وجہ سے وہ اپنوں سے دور ہو گئی تھی۔ وہ
یہ سوچ کر آئی تھی کہ کل شارق کو فون پر کہہ دے گی کہ آفس سے واپسی پر اسے لیتا جائے۔ نبیل سے رو
سے دل اتنی دل برداشتہ ہوئی تھی کہ وہ خاموشی سے اپنا بیگ لیے اماں کو خدا حافظ کہہ کر' رضا کے ہمراہ
گھر سے نکل آئی تھی' اماں نے روکا تھا کہ شام ہونے والی ہے شارق کا انتظار کر لے مگر وہ رکی نہیں تھی
خوامخواہ نبیل اور شارق کا سامنا ہوتا تو بات بڑھتی۔

رضا' نویرہ کے رویے کو نوٹ کر چکا تھا۔ وجہ بھی سمجھ رہا تھا مگر نویرہ کی سارے رستے برقرار رہنے والی
خاموشی نہ توڑ سکا تھا۔

"اندر آؤ میں اچھی سی چائے بنا کر پلاتی ہوں۔" گھر آنے پر وہ ویسے ہی جانے لگا تو نویرہ نے روک
لیا تھا۔

"نہیں چلتا ہوں۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔"

"آؤ نا اندر....." وہ اس کے انکار کو اہمیت دیے بغیر اندر بڑھ گئی تھی۔ نتیجتاً رضا کو بائیک اندر لے جانا
پڑی تھی۔

"ارے شارق گھر پر ہیں۔" اندر گاڑی کھڑی دیکھ کر نویرہ ٹھہری تھی۔

نبیل کے رویے نے اسے بڑی بری طرح ہرٹ کیا تھا وہ اپنے ہی خیالوں میں غرق تھی' جب سیڑھیاں
چڑھتے اس کا پاؤں مڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ منہ کے بل گرتی پیچھے سے آتے رضا نے بھاگ کر اس کا
بازو پکڑ کر اسے سہارا دیا تھا۔

"دھیان سے ابھی گر جاتیں تو....."

نویرہ کا دل' دھک دھک کر رہا تھا۔ پاؤں مڑ گیا تھا۔ سنبھلنے کی کوشش میں اسے اپنا توازن بحال کرنے
میں چند پل لگ گئے۔ رضا کے بازو اس کے گرد تھے' سنبھل کر اپنے وزن پر کھڑے ہوتے اچانک اس کی
نگاہ اٹھی تھی۔ اندرونی دروازے کی چوکھٹ پر شارق زمان کھڑا تھا۔ نویرہ کے متوجہ ہونے پر رضا نے بھی
دیکھا تھا۔ نویرہ سنبھل کر کھڑی ہو گئی تھی تو اس نے اپنے بازو ہٹا لیے تھے۔ شارق کے تاثرات بڑے عجیب
سے تھے۔ نویرہ تو نہ سمجھی تھی البتہ رضا ٹھٹک گیا تھا۔ اسی لمحے شارق تیزی سے پلٹ کر واپس اندر چلا گیا
تھا۔

رضا نے نویرہ کو دیکھا' اس پر شارق کے پلٹ جانے سے کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ نویرہ تو نبیل کی
طرف سے ہرٹ ہو کر آئی تھی' ایسے میں شارق زمان سے سامنا اس کے جذبوں کو عجیب سا سرد پن عطا
کر گیا تھا۔

"تم لاؤنج میں جا کر بیٹھو' میں ذرا چادر اتار آؤں۔" اسے وہیں سے کہہ کر وہ اندر لاؤنج کی طرف
جانے کی بجائے راہداری سے ہوتی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ شارق کمرے میں نہیں تھا' اس نے چادر
اتار کر الماری میں لٹکائی' بیگ ڈریسنگ پر رکھتے کمرے کا جائزہ لیا۔ ایک رات کی غیر حاضری سے کمرا
بکھرا پڑا تھا۔ اس کی طبیعت پر یہ پھیلاوا بڑا گراں گزرا تھا۔ اس وقت موڈ اتنا خراب ہو رہا تھا کہ وہ ایک
طائرانہ نگاہ ڈال کر کمرے سے نکل آئی تھی۔

"السلام علیکم....." اماں' شارق اور رضا تینوں موجود تھے اس نے جھک کر اماں سے پیار لیا تھا۔

"آ گئی خیر سے..... شارق تھوڑی دیر پہلے ہی گھر آیا تھا۔ تمہیں لینے کے لیے جانے ہی والا تھا۔ اچھا
کیا تم آ گئیں۔" نویرہ نے شارق کو دیکھا وہ مکمل بے اعتنائی سے ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔

نویرہ کو پہلی دفعہ اس کا رویہ کچھ عجیب سے لگا تھا۔ شارق نے سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک رہی نا..... میڈیسن لی۔ شاکرہ سے مالش کروائی؟" اس نے اماں کی طرف
توجہ دی تھی۔

"ہاں سارا کچھ ہی کروا لیا تھا۔ بس اب تمہاری عادت ہو گئی ہے نا تو تمہاری غیر موجودگی بڑی محسوس
ہوئی۔"

رکنے کا ارادہ نہیں تھا۔ بھابی کے ساتھ چچا جان کے ہاں چلی گئی تھی۔ زبیدہ چچی نے رات کو روک لیا

تھا۔اسی لیے آنے سے منع کر دیا تھا' آج ہی ادھر سے گھر گئی تھی اور پھر رضا کے ساتھ ہی ادھر آ گئی۔" نے تفصیلاً بتایا تو شارق زمان نے پلٹ کر نویرہ کو دیکھا۔ وہ مکمل اماں کی طرف متوجہ تھی مگر اس کے پلٹنے دیکھنے پر رضا نے ضرور دیکھا تھا۔

"کل جب بات ہو رہی تھی' تم نے ذکر تو نہیں کیا تھا کہ تم چچا کے ہاں ہو۔" شارق کے انداز میں برہمی سی تھی۔

"خیال نہیں رہا ہوگا۔" نویرہ کا انداز لاپروا تھا۔

"یہ ایسی بات تو نہیں تھی کہ خیال نہ رہتا۔ مجھ سے تم اپنی اماں کے ہاں رہنے کی اجازت لے کر تھی۔ پھر وہاں سے ادھر جانے کی کیا تک تھی۔ مجھے کیا ہوتا میں سیدھا وہیں اتار دیتا۔" شارق کے انداز میں صاف تپش تھی۔

"وہاں موجود تینوں نفوس ہی چونکے تھے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" نویرہ بھی برہم ہوئی تھی۔

"کچھ خاص نہیں۔ اگر تم وہاں جانا چاہ رہی تھیں تو مجھ سے کہا ہوتا۔"

"میرا ادھر جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ تو اماں کے ہاں جا کر بھابی کے کہنے پر یہ پروگرام بن گیا اور اس میں مضائقہ بھی کیا ہے۔ کیا آپ مجھ پر خاندان والوں سے ملنے پر پابندی لگائیں گے۔"

"پابندی کیسی؟ صاف اور اصولی بات ہے۔ چچا کے ہاں جانا تھا تو ملاقات کا سیدھا راستہ اپناتی۔ چکروں میں تو نہ الجھتی۔"

"مطلب؟"

رضا حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کے تیور بدلتے جا رہے تھے۔

"مطلب تم اپنے آپ سے پوچھو۔ یا رضا سے پوچھ لو۔" ان کا انداز اور الفاظ ایسے تھے کہ نویرہ تو ثانیے کو حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" غصے سے نویرہ کے بھی تیور بدلے تھے۔ وہ بھول گئی تھی رضا ان کے درمیان ہے۔ وہی رضا' جس کے سامنے کل اس نے اپنا شارق کے ہمراہ خوش ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے تم دونوں کو..... ایک چھوٹی سی بات کو الجھا رہے ہو۔ شارق تم چپ رہو۔ خوامخواہ پریشان کر رہے ہو۔ جاؤ نویرہ رضا کے لیے چائے بنا کر لے کر آؤ۔ شاکرہ کو میں نے بازار بھیجا تھا۔ ہوتی تو اب تلک چائے بن گئی ہوتی۔" بات بڑھتے دیکھ کر اماں نے فوراً مداخلت کی تھی۔ نویرہ نے غصے سے لب بھینچ لیے۔ شارق بھی ریموٹ صوفے پر پھینک کر وہاں سے نکل گیا۔ نویرہ کو رضا کے سامنے شارق کا یہ انداز بڑا ہتک آمیز محسوس ہوا۔ نویرہ زیبا کیانی والے واقعے کو لے کر ابھی تک شارق سے برگشتہ تھی۔ تو کیا شارق زمان نے رضا کے حوالے سے اس پر چوٹ کر کے اسے کچھ باور کرایا ہے۔ وہ الجھ گئی تھی۔

"میں چلتا ہوں۔" رضا کو اندازہ نہیں تھا کہ شارق ایسا رویہ رکھے گا وہ کیوں ایک دم غصے میں آیا

سمجھ رہا تھا مگر نویرہ نہیں۔ اس سے پہلے کہ بات بڑھتے تو فوراً اصرار کیا۔

"نہیں' میں چلتا ہوں۔ آج اکیڈیمی جانے کا بھی ارادہ ہے۔ ایگزیمز کی تیاری کر رہا ہوں تو اکثر چکر لگا رہا ہوں۔"

"تھوڑی دیر رک جاؤ نویرہ چائے بنا لاتی ہے۔" اماں نے بھی کہا تو وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ نویرہ نے چائے بنا کر اماں اور اسے دی تھی چائے پی کر وہ رخصت ہوا تو مغرب کی اذانیں ہونے لگیں۔ وہ مغرب کی نماز ادا کر کے کچن میں چلی آئی۔ شاکرہ نماز پڑھنے کے دوران آ چکی تھی' کچن کا سامان لائی تھی۔

اسے شارق زمان کی بات پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔ اتنی گھٹیا بات کی تھی شارق نے۔ نجانے رضا کیا سوچتا ہوگا۔ دونوں نے مل کر کھانا تیار کیا تھا۔

ٹیبل سیٹ کر کے اس نے شاکرہ کو کمرے میں بھیجا تھا کہ وہ شارق کو بلا لائے کھانے کی ٹیبل پر بھی شارق کا موڈ خراب رہا تھا۔ اس نے بھی ذرا توجہ نہ دی۔ اماں کے ساتھ باتوں میں مصروف رہی۔ شارق کا غصہ نویرہ کے اس رویّے کو اور بڑھا دیا تھا۔ شارق کا خیال تھا کہ نویرہ اس سے اس کے اس رویّے کی وضاحت مانگے گی' مگر نویرہ نے سرے سے توجہ ہی نہ دی تھی۔ کھانا کھا کر وہ غصے سے چابی اٹھا کر گھر سے گاڑی نکال کر چلا گیا۔

رات کے اس وقت شارق کا گھر سے جانا' نویرہ نے لب بھینچ لیے۔ وہ توقع کر رہی تھی کہ شارق کو رضا کے سامنے برتے جانے والے اپنے رویّے پر شرمندگی ہوگی تو وضاحت کرے گا۔ مگر یہاں تو الٹا ہوا تھا۔

عشاء کی نماز پڑھ کر اماں کو دوا کھلا کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ کمرے کی حالت دیکھ کر وہ حیرت زدہ ہوئی۔ ہر چیز اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی تھی۔ یوں جیسے سارا غصہ انہی چیزوں پر اتارا گیا ہو۔

آدھا گھنٹہ لگا تھا اسے کمرہ ترتیب دینے میں۔ بستر پر لیٹی تو نبیل کے رویّے نے پھر سے رنجیدہ کر دیا۔ نبیل سب سمجھتا تھا اسے ساری حقیقت بتا دی تھی پھر بھی وہ اسے ہی موردِ الزام ٹھہراتا تھا۔ بقول اس کے اس نے ان سے یہ سب چھپا کر شارق زمان کو یہ سب کرنے کی شہہ دی تھی۔ اگر وہ پہلے ہی قدم پر شارق کے رویوں کا ذکر کر دیتی تو شارق اس حد تک نہ جاتا۔ وہ لوگ کوئی سدِ باب کرتے۔

"وہ عجیب دو پاٹوں میں پھنس رہی تھی۔ شارق زمان سے نبھاہ کرنا مشکل تر تھا تو واپس پلٹنا اس سے بھی زیادہ اذیت ناک۔

وہ گہری نیند میں تھی جب کسی چیز کے سختی سے پٹخنے کی آواز پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"کون ہے؟ کیا ہو؟"

کمرہ روشن تھا۔ نجانے کیا چیز گری تھی یا گرائی گئی تھی وہ شارق زمان کو دیکھ کر چپ ہو گئی۔ شارق لباس بدلنے کی بجائے بستر پر آ بیٹھا تو اس نے بغور دیکھا۔ شارق کے رویّے میں کوئی بات تھی مگر کیا۔ اس کا ذہن اخذ نہ کر پایا تھا۔

"لباس تو بدل لیں۔" اس کی کمر کے پیچھے سے تکیہ کھینچ کر دراز ہونے پر اس نے ٹوکا تھا۔

شارق نے اپنی سرخ آنکھوں سے اسے گھورا تو ایک پل کو نویرہ کا دل کانپا تھا۔ شارق نے اسے کبھی

اس انداز میں نہیں دیکھا تھا۔

''کہاں تھے' رات کے تین بج رہے ہیں۔ یہ گھر آنے کا وقت ہے؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''تم کل سے کہاں تھی میں نے پوچھا تھا؟'' بڑا ہی سرد انداز تھا' نویرہ ایک پل کو ساکن ہوگئی تھی۔

''تم کل سارا دن کہاں تھیں؟ آج کہاں تھیں۔ رضا کے ساتھ کیوں آئیں؟'' میں نے کچھ پوچھا ہے؟

''آپ بات کو بڑھا رہے ہیں شارق زمان.....'' نویرہ ایک دم غصے سے بولی تھی۔

''چلو نہیں بڑھاتے۔ تم بات کی وضاحت کردو۔'' وہی سرد انداز تھا۔

''میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا جو وضاحت کرتی پھروں۔ یہ صرف آپ کی ذہنی اختراع ہے۔'' اس نے غصے سے چیختے ہوئے کہا تو شارق زمان نے ایک دم اس کا بازو کھینچ کر اپنے پہلو میں گرا لیا تھا۔

''یہ میری ذہنی اختراع نہیں۔ آنکھوں دیکھی بات ہے۔ تم رضا کی بانہوں میں کیا کرتی پھر رہی تھیں۔''

''آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔'' نویرہ نے تڑپ کر شارق کو دیکھا۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ شارق یہ بات کہہ سکتا ہے۔

''شک کرنے کا موقع بھی تم خود ہی دے رہی ہو۔ کل سے مجھے بغیر بتائے تم ان کے ہاں کیا کر رہی تھیں اور بقول آپ کی اپنے گھر سے آئی تھیں تو پھر رضا کے ساتھ کیوں؟''

''اس لیے کہ نبیل بھائی آپ کو گھر میں دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتے اور میں نہیں چاہتی تھی کہ بات بڑھے۔''

''وضاحت اچھی ہے۔'' وہ استہزائیہ ہنسا تو نویرہ گم صم دیکھے گئی۔

یہ شخص اس کی پاک دامنی پر مرمٹا تھا اور اب یہی شخص اس پر کیچڑ اچھالنے والوں میں سب سے پہلے تھا۔

ایک ایک کر کے اس کے آنسو گرتے چلے گئے تھے۔ وہ جتنی بھی وضاحت کر لیتی شارق زمان کے دل میں بال آ چکا تھا۔ وہ اس کا یقین کیسے کرتا؟

اس نے شارق کا بازو ہٹا کر اس کے پہلو سے اٹھنا چاہا۔ تو غصے سے شارق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''تم اپنی جگہ خود خالی کر رہی ہو۔ یاد رکھو جو عورت ایک دفعہ اپنے مرد کے دل سے اتر جائے تو وہ کبھی اپنا مقام حاصل نہیں کر پاتی۔ میں نے تمہیں قسمت سے لڑ کر حاصل کیا تھا۔ ذہنی و جسمانی سکون کے لیے تم میرے دل کی اوّلین خواہش تھیں۔ مجھ سے جھوٹ بول کر' سب چھپا کر اچھا نہیں کیا۔ تمہیں مجھے بتانا چاہئے تھا کہ رضا حمید تم میں انٹرسٹڈ ہے۔ یا تم اس میں.....؟''

''شٹ اپ..... شارق زمان۔ بس ایک اور لفظ بھی نہیں۔'' وہ ایک دم غصے سے پھٹ پڑی تھی۔ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔

''آپ کو کوئی حق نہیں مجھ پر الزام لگانے کا۔'' وہ رو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کیسے کلیئر کرے؟

''شام سے پہلے کے واقعے کو تو نہیں جھٹلا سکتیں تم۔''

''بعض اوقات آنکھوں دیکھی بات بھی جھوٹ ہوتی ہے۔''

''چلو مان لیتا ہوں مگر یہ کیا ہے؟ اس کی بھی کوئی وضاحت ہوگی تمہارے پاس؟'' غصے سے اٹھ کر شارق زمان نے ڈریسنگ پر پڑا لفافہ اٹھا کر اس کے قریب بستر پر پٹخ دیا۔ نویرہ حیران ہو کر لفافے کو دیکھے گئی۔

''کیا ہے یہ؟'' وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

''کچھ خاص نہیں۔ چند تصویریں ہیں تمہاری..... اور یہ ڈائری۔'' شارق نے الٹی پڑی ڈائری اٹھا کر وہ بھی اس کی گود میں اچھال دی تھی۔

''میرا اس سے کیا تعلق؟''

''بہت گہرا.....'' میں بہت صاف اور کھرا انسان ہوں۔ تمہارے اچھے کردار نے مجھے متاثر کیا تھا اور میں نے ہر حد پار کر دی۔ اب بھی فیصلہ تم پر ہے۔ مگر مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے۔ جو کہو گی میں فیصلہ کر دوں گا۔'' غصے سے کہہ کر شارق زمان کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

یہ سب کیا تھا۔ قسمت اس پر کیا وار کرنے والی تھی' وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ یہ شارق زمان کی محبتوں کی شدتیں تھی۔

اس کی چاہتوں کی اپنی شدتوں نے آج اس کو اپنی ہی نظروں سے گرا دیا تھا۔ نویرہ کو ایک دم لگا جیسے اردگرد زمین و آسمان گھوم گئے ہوں۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے وہ لفافہ تھاما تھا۔

کئی تصویریں اس کے ہاتھوں میں تھیں۔ اس کے بچپن سے لے کر جوانی' اسکول کالج اور پھر خاندان کے مختلف فنکشن میں اتاری گئی یہ تصاویر یہ سب اس کی تھیں۔ مگر شارق اسے کیا باور کرانا چاہتا تھا۔ مختلف تصویروں میں مختلف پوز تھے۔ کبھی سنجیدہ کبھی ہنستے' مسکراتے اور ایک تصویر نے اسے ٹھٹکا دیا تھا۔ یہ تصویر اس کی منگنی کے فنکشن کی تھی۔ مگر اس کے ساتھ رضا حمید تھا۔ سنجیدہ تاثرات لیے بیٹھا رضا حمید۔ بظاہر عام سی تصویر تھی مگر شارق زمان اسے کیا سمجھانا چاہتا تھا اور یہ تصویریں بے شک اس کی تھیں مگر وہ ان کو دیکھ پہلی بار رہی تھی' تو کیا یہ رضا کے پاس تھیں' اگر تھیں تو پھر شارق کے پاس کیسے پہنچیں؟ اور کیوں؟

کیا رضا حمید واقعی اس میں انٹرسٹڈ تھا؟

نویرہ کا دماغ گھوم رہا تھا۔

اس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا مگر اس آخری سوچ نے اس کے آنکھوں کے سامنے اندھیرے کی چادر تان دی تھی۔

بند ہوتی آنکھوں سے اسے صرف اتنا محسوس ہوا تھا کہ تمام تصویریں اس کے ہاتھوں سے پھسلتی چلی گئی تھیں۔

✿.....✿.....✿

آنکھ کھلنے پر وہ خالی الذہنی کی سی کیفیت میں چھت کو دیکھے گئی۔ نظروں کا زاویہ بدلا تو پہچان کے رنگ

واضح ہوئے۔ وہ ایک دم بستر پر اٹھ بیٹھی۔ بوجھل جلتی آنکھوں سے اطراف میں دیکھا۔

''یہ اس کا کمرہ نہ تھا اور وہ تو.....'' پرواز ایک دم رک گئی تھی۔ ساتھ ہی ذہن کی بہت سی گرہیں کھل گئی تھیں بہت سے واقعات فلم کی مانند ذہن کی اسکرین پر واضح ہوتے چلے گئے تھے۔

اس کے دل و دماغ میں تلخی سی ابھرتی چلی گئی۔ غصے سے کمبل اپنے اوپر سے ہٹا کر وہ تیزی سے بستر سے اتری تھی مگر ایک قدم بھی نہ اٹھا پائی۔ اپنے لباس کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھا تو توجہ اپنے پاؤں میں موجود زیور کے بجنے میں الجھ گئی تھی۔ رات دیوانگی میں زیورات اتارتے ہوئے شاید پاؤں کی پازیب اتارنا بھول گئی تھی۔

وہ ابھی تک عروسی لباس میں تھی۔ ہاں دوپٹہ غائب تھا۔ دوپٹے کی تلاش میں اس نے اطراف میں نظریں گھمائیں تو دائیں طرف رکھے صوفے پر بیٹھے سمعان احمد پر ساکن ہو گئیں۔ ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک ہاتھ میں چائے کا مگ لیے دوسرے میں اخبار تھامے سمعان احمد اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اس کے ذہن میں گزری رات' پرچھائیں کی مانند چھو گئی تھی۔ نیم بے ہوشی کی کیفیت میں سمعان احمد کی توجہ' اس کا بہلانا' پیشانی پر پٹیاں رکھنا۔ اس کے اندر بڑا عجیب سا احساس پیدا ہوا تھا۔ وہ ایک دم نگاہ جھکا گئی تھی۔ رخ بدل کر وہ واپس بستر کے کنارے ٹک گئی بغیر دوپٹے کے یوں اس حلیے میں سمعان احمد کے سامنے آنا' اس کا ذہن بخار ہونے کے باوجود رات کے اپنے بپھرے انداز کے برعکس مثبت انداز میں سوچ رہا تھا۔ شرمندگی سے دونوں پاؤں بستر کے اوپر کر لیے۔ اس نے پہلے پاؤں کو زیور سے آزاد کیا تھا اور پھر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ لیے تھے۔

سمعان احمد اسے رخ موڑ کر بیٹھتے دیکھ کر مگ ٹیبل پر رکھ کر اس کے قریب چلا آیا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے اب؟''

زرش نے نگاہ اٹھا کر سمعان احمد کو دیکھا۔ پچھلے دنوں کی تلخی اس کی آنکھوں میں آٹھہری۔ پاپا کی بیماری' ان کی انتہائی خراب کنڈیشن سمعان احمد کا بھاگنا اور سب سے بڑھ کر سمعان احمد کی ذات کا الزام' اس کے اندر کا غبار پھر گہرا ہوتا چلا گیا تھا۔

''وہ کیوں یہاں آئی تھی؟ اس نے یہاں کبھی نہ آنے کی قسم کھائی تھی۔'' اس کا جی چاہا کہ چیخ چیخ کر روئے۔ اپنے نقصان پر شدید ماتم کرے' چیخے چلائے۔ یہ شخص اس کے لیے کتنے بڑے نقصان کا باعث تھا۔

''بخار اترا یا نہیں؟'' اس کے قریب آ کر سمعان نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا کہ زرش نے ایک دم تنفر سے سمعان کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

''کوئی پروا نہیں ہونی چاہیے..... میں مروں یا جیوں؟ خبردار مجھے ہاتھ لگایا تو.....'' وہ ایک دم بدلحاظی پر اتر آئی تھی۔ بالکل رات والا انداز لوٹ آیا تھا۔

سمعان نے اسے بغور دیکھا۔ زرش کی نگاہوں میں کوئی لحاظ و مروت نہ تھا۔ بیماری و بخار کے باوجود تلخی برقرار تھی۔ گزشتہ رات وہ ہوش و حواس سے بے گانہ ہی رہی تھی اور اب حواس میں لوٹتے ہی اس کا وہی

بپھرا انداز تھا۔

''رات تمہاری طبیعت کافی خراب تھی' غصہ اپنی جگہ مگر.....''

''پلیز آپ چلے جائیں۔ میرے سامنے سے' میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' اس کی نفرت کا وہی عالم تھا۔ سمعان کی بات کاٹ کر اس نے کہا تو سمعان نے لب بھینچ لیے۔ اس کے نفرت انگیز انداز نے روح میں گویا شگاف ڈال دیے تھے۔

اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی۔ سمعان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا۔ زوباریہ بھابی تھیں۔

''اٹھ گئیں تمہاری بیگم صاحب.....؟'' انہوں نے سمعان کے دروازے پر رکھے بازو کے اوپر سے اندر جھانکتے زرش کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر چھیڑا تھا۔ جواباً سمعان نے انہیں بازو ہٹا کر اندر آنے کا راستا دیا تھا۔

''شکر ہے تم اٹھ گئیں۔ میں صبح سے کئی چکر لگا چکی ہوں۔ کیسی طبیعت ہے اب رات تو بڑا بخار تھا؟ بے ہوش ہو گئی تھیں تم.....'' اس کے قریب آ کر بستر پر بیٹھتے انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ زرش نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''زندہ ہوں۔ افسوس.....'' بھابی ایک پل کو چپ رہ گئی تھیں۔

''کپڑے بدل لو۔ ہادیہ ماریہ اور وقار بھائی آئے ہوئے ہیں ناشتہ لے کر..... صبح صبح وہ نوشی کے ہاں گئے تھے ادھر ناشتہ دے کر ادھر آ گئے۔ تم اٹھ کے منہ ہاتھ دھو لو' کپڑے چینج کر لو۔ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

زرش کے انداز کو دیکھ کر انہوں نے بھی سنجیدگی سے کہا تھا۔ زرش لب بھینچ کر بستر سے اتر گئی۔

''بخار تو ابھی بھی تمہیں بہت تیز ہے۔ ناشتہ کر لو۔ میں میڈیسن دیتی ہوں۔ پاپا کہہ رہے تھے کہ تم کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں یا ڈاکٹر کو بلوا کر چیک کروا لیں۔ رات تو تم نے ڈرا کر رکھ دیا تھا۔''

سمعان کمرے سے نکل کر جا چکا تھا۔ بھابی کی باتوں پر بھی وہ چپ رہی تھی۔ بھابی نے اسے ٹوکا تو نہیں البتہ الماری سے اس کا لباس نکال کر اسے تھمایا تو وہ خاموشی سے واش روم میں گھس گئی تھی۔

جسم نقاہت اور بخار سے بری طرح ٹوٹ رہا تھا۔ جسم میں گویا آگ سی پھوٹی ہوئی تھی۔ بھابی کے منع کرنے کے باوجود اس نے باتھ لیا تھا۔ وہ نہا کر باہر نکلی تو کمرے میں بھابی کے ساتھ ہادیہ آپا اور ماریہ باجی کو دیکھ کر وہ فوراً ان کی طرف لپکی۔

''آپا.....''

''زری!'' انہوں نے فوراً اٹھ کر اسے خود سے لگا لیا تھا۔

ہادیہ سے ملتے ہی وہ ایک دم رو دی تھی۔ ہادیہ کی بھی آنکھیں بھر آئیں۔

''چپ..... اب نہیں رونا۔'' انہوں نے بمشکل اسے خود سے جدا کرتے اس کے آنسو صاف کیے۔

''پاپا کیسے ہیں؟''

''اللہ کا شکر ہے بہت بہتر ہیں پہلے سے۔ صبح فون پر میری ان سے بات ہوئی تھی۔ تمہارا پوچھ رہے

تھے۔ نوشی کو بھی تمہاری ہی فکر ہو رہی تھی۔'' انہوں نے اسے سنبھالا تو آنسو ضبط کر کے ماریہ باجی سے لپٹ گئی۔

''تم آرام کرو۔ پہلے ہی اتنی خراب تھی تمہاری طبیعت؟'' زوباریہ بھابی نے تشویش سے اسے دیکھا۔ وہ چپ ہی رہی بلکہ خاموشی سے بستر پر بیٹھ گئی تو آپا برش لے کر اس کے بال سلجھانے لگیں۔

''یہ تمہارے بازو پر کیا ہوا ہے؟'' زرش کے بالوں کو سلجھاتے ہوئے اچانک ان کی نگاہ مہندی کے گہرے نقش و نگار سے سجے بازو پر پڑی تو انہوں نے ہاتھ روک کر اس کا بازو تھاما۔

''یہ کیا ہے؟'' انہیں تشویش ہوئی تھی۔ کل تک تو کوئی زخم نہ تھا۔

''کچھ نہیں۔ چوڑیاں اتارتے ہوئے زخمی ہو گیا تھا۔'' بھابی نے خاموشی سے زرش کو دیکھا۔ بے تاثر چہرہ لیے بیٹھی تھی۔

تھوڑی دیر بعد کمرے میں اچھی خاصی گیدرنگ ہو چکی تھی۔ طاہرہ بیگم کی بھابیاں ان کے بچے، بہن اور ان کی اولاد وغیرہ رشتہ داری تو ایسی تھی کہ کسی طرف سے چھوٹ نہ تھی مگر اس وقت زرش کو ان سب کو دیکھ کر وحشت سی ہو رہی تھی۔

وہ کیوں یہاں آ گئی تھی..... وہ کیوں کمزور لمحوں کا شکار ہو کے اس شادی پر آمادہ ہو گئی تھی۔ وہ انکار کیوں نہیں کر پائی تھی۔ اسے اپنی شکست وحشت زدہ کر رہی تھی۔

زرش کو لگا جیسے اس کے اندر شدید گھٹن پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ وہ نارمل رہنا چاہتی تھی مگر یہ شدت پسند سوچ اس کے جذبات پر حاوی ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ہادیہ آپا، ماریہ باجی اور وقار بھائی اس سے مل کر چلے گئے تھے بھابی کے ٹوکنے پر آہستہ آہستہ کر کے کمرہ خالی ہوا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

زوباریہ بھابی فرح کو ساتھ ملائے ناشتے کی سجی سجائی ٹرالی لیے چلی آئیں تو دیکھے گئی۔

''کافی دیر سے ناشتہ آیا ہوا ہے۔ صرف تمہارے اٹھنے کا انتظار ہو رہا تھا۔ ناشتہ کر لو پھر میں تم کو تیار کر دیتی ہوں۔ سمعان کے ساتھ چچا جان کو دیکھنے ہاسپٹل چلی جانا۔''

فرح جھجک رہی تھی تو زرش نے بھی اس کی جانب دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ صرف ایک دن میں میلوں کے فاصلوں نے سب کچھ ختم کر ڈالا تھا۔ زرش کا اجنبیوں والا انداز دیکھ کر فرح دل مسوس کر رہ گئی۔ برتن رکھ کر وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی کہ یہ سب اس کی برداشت سے بہت زیادہ تھا۔

''میں سمعان کو بھیجتی ہوں۔'' وہ ٹرالی سیٹ کر کے برتن سجا کر باہر نکل گئی تھیں۔ بخار سے جسم ابھی بھی تپ رہا تھا مگر زرش کو پہلی بار پچھلے دو دنوں سے اپنے بھوکے ہونے کا احساس ہوا۔ خالی پیٹ تو نفرت بھی نہیں ہوتی۔ اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ خاموشی سے ٹرالی کو دیکھا۔ کھانے کی کتنی اقسام تھیں مگر اس نے پلیٹ میں تھوڑا سا حلوہ ڈال کر پوری تھام لی تھی۔ ابھی وہ چند لقمے ہی کھا پائی تھی کہ سمعان احمد کو آتے دیکھ کر اس کی بھوک ایک دم مٹ گئی تھی۔ ایک دم جی چاہا کہ ہر چیز الٹ پلٹ دے مگر وہ بڑی مشکل سے خود پر کنٹرول کر پائی تھی۔

بھابی بستر کے کنارے ٹرالی اس طرح سیٹ کر کے گئی تھیں کہ وہ سرہانے کی طرف بیٹھی پاؤں لٹکائے

کھا رہی تھی۔ سمعان نے زرش کو بغور دیکھا۔

ایک نگاہ ڈال کر بے شک وہ نگاہ پھیر چکی تھی مگر سمعان کی موجودگی اسے ڈسٹرب کر رہی تھی۔ سمعان نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

گزری تمام رات میں سمعان نے اس لڑکی کی ساری نفرت ساری تلخی اور اذیت کو پوری گہرائی سے محسوس کیا تھا۔ زرش کے دکھ کا اچھی طرح اندازہ تھا مگر اب سوائے مداوے کے کچھ بھی نہ تھا۔ سمعان احمد ساری رات سوچتے ہوئے اس رشتے کو قبول کر چکا تھا کہ یہی سچ تھا مگر زرش کس مقام پر تھی اس کا بھی اندازہ ہو رہا تھا۔ سمعان زرش کے دل کو اپنی طرف پہلے کی طرح نہیں پھیر سکتا تھا مگر اپنی طرف سے کوئی امکان نہیں رکھنا چاہتا تھا کہ اپنی غلطیاں اپنے قصور واضح کرنے کا حق تو تھا نا۔

سمعان ہاتھ دھو کر آیا تو زرش ادھ کھائی پوری وہیں رکھے گم صم بیٹھی تھی۔ ایک نظر اس کے گم صم انداز کو دیکھتے ہوئے سمعان احمد اس کے قریب بیٹھا تو وہ لب بھینچے پیچھے ہٹی تھی مگر سمعان نے ہاتھ تھام کر روکا تھا۔

''زرش!'' سمعان نے پہل کی تھی مگر ادھر تو جذبات کا طوفان امڈ آیا تھا۔

''خبردار! ہاتھ نہ لگانا مجھے۔'' وہ پھٹ ہی تو پڑی تھی۔ انداز ایسا تضحیک آمیز تھا کہ سمعان ششدر رہ گیا تھا۔ رات وہ غصے میں تھی پھر بخار کی حالت میں تھی جب کہ اب تو اسے نارمل ہونا چاہیے تھا۔

''اوکے۔ نہیں لگاتا۔ تم ناشتہ تو کر لو۔'' سمعان نے اپنے اندر اٹھتے تلخ جذبات کو قابو کیا کہ بہر حال وہ حق پر تھی۔

''مجھے نہیں کرنا۔'' ادھر تنفر کا وہی عالم تھا۔

''اوکے پھر ایک کپ چائے تو نکال دو۔'' سمعان نے اسے پھر بھی بہلانا چاہا تھا مگر وہ لب بھینچے بیٹھی تھی۔

''زرش!'' سمعان نے پھر کوشش کی۔

''میں بہری نہیں ہوں اور نہ ہی آپ کی ملازمہ ہوں اور نہ ہی آپ کے ہاتھ ٹوٹے ہیں۔'' الفاظ تھے کہ بدتمیزی کی حد تھی، سمعان کا ضبط بس یہیں تک تھا۔

''شٹ اپ۔ سوچ سمجھ کر بولو۔'' سمعان ٹمپرامنٹ لوز نہیں کرنا چاہتا تھا مگر زرش کے الفاظ نے ایک دم مجبور کیا تھا۔ ''اپنے رویے پر غور کرو۔'' اگلے ہی لمحے سمعان نے اپنے لہجے پر قابو پایا تھا۔

''اور جو آپ لوگوں کا رویہ ہے وہ کیا ہے؟ وہ کسی شرافت کے زمرے میں آتا ہے؟ بڑے پارسا بنے پھرتے ہیں آپ اصلیت کیا ہے آپ لوگوں کی سب سمجھ گئی ہوں میں۔'' وہ بھی پھٹ پڑی تھی۔ وہ جو نقصان بھگت چکی تھی۔ عمر بھر کے لیے جو خسارہ قسمت میں لکھا گیا تھا وہ کس کس کا ماتم کرتی۔

''چلے جائیں آپ میرے سامنے سے۔ آپ کو دیکھتی ہوں تو مجھے اپنے شدید نقصان کا احساس ہوتا ہے۔'' اس کی آواز رندھ گئی تھی۔ سمعان صرف دانتوں پر دانت جمائے اسے دیکھے گیا۔

''تم آرام اور سکون سے بات کر سکتی ہو۔ اس طرح ہذیانی انداز اختیار کرنے سے بھلا کیا فائدہ بلکہ الٹا

نقصان ہی ہے۔ تمہاری طبیعت پہلے ہی مضمحل ہے۔'' سمعان نے اپنے جذبات پر کنٹرول کرتے ہوئے دھیمے انداز میں کہا تو وہ نظر انداز کیے بستر سے اترنے لگی۔

''آپ نہیں جاتے تو میں چلی جاتی ہوں۔''

''زرش! تم سے کچھ کہا ہے میں نے.....'' سمعان نے اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ ایک پل بھی سمعان کے سامنے نہیں ٹھہرنا چاہتی تھی۔ سمعان کا سامنے سے ہٹنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا سو وہ خود ہی یہاں سے اٹھ جانا چاہتی تھی۔

''زرش۔'' سمعان نے اس کا بازو پکڑا تھا۔ ''پہلے ہی بہت تماشا بن چکا ہے۔ آرام سے بیٹھو۔ یہ ایک پل کا ساتھ نہیں عمر بھر کا ہے جو ہو چکا ہے وہ مٹ نہیں جائے گا۔''

''یہ تماشا میں نے نہیں بنوایا۔ آپ لوگوں کی عنایت ہے اور رہی بات ساتھ کی تو جب میں کسی قسم کے رشتے کو سرے سے مانتی ہی نہیں تو پھر کہاں کا ساتھ؟'' زرش کے الفاظ نے سمعان احمد کے اوپر بڑی بری طرح اثر کیا تھا۔

''اب تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے جو حقیقت ہے وہ حقیقت ہے۔'' سمعان نے پہلی دفعہ اس پر چوٹ کی تھی جواباً زرش نے غصے سے مضبوط گرفت سے بازو کھینچنے کوشش کی تھی مگر سمعان کے ذرا سے جھٹکے سے وہ بے توازن سی منہ کے بل بستر پر گری تھی۔

''آرام سے بیٹھو ادھر۔''

''آپ کے اس طرح کرنے سے میرے دل میں نفرت تو بڑھے گی لیکن محبت نہیں یاد رکھیے گا۔'' سمعان کے ہاتھ میں پکڑا اس کا بازو تپ رہا تھا۔ سمعان نے ایک نگاہ ڈالتے ہوئے اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔

وہ بستر پر گرتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''میں نے کیا بگاڑا تھا آپ لوگوں کا؟ ساری دنیا میں تباہ کرنے کو ایک میں ہی ملی تھی آپ کو.....؟ قصور تھا میرا جو آپ کی ماں نے یہ کھیل کھیلا؟ پہلے پاپا کی زندگی سے کھیلا اور اب میں.....؟ مجھے مجبور مت کریں کہ میں کوئی انتہائی قدم اٹھاؤں۔ اس مجبوری کے رشتے کے طعنے مت دیں۔ میں نے اگر اپنے پاپا کے لیے یہ کڑوا گھونٹ پیا ہے تو آپ لوگوں سے نفرت میں کسی بھی حد تک چلی جاؤں گی مت بھولیے گا۔'' روتے ہوئے وہ اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی۔ سمعان کا مقصد اسے حقیقت باور کرانا تھا نہ کہ اذیت سے دوچار کر دینا۔ سمعان نے ایک نگاہ اس کے روتے ہوئے وجود پر ڈالی اور پھر اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا۔

زرش غلط نہیں تھی ہاں اس کا غم گہرا ضرور تھا مگر وہ بے حد جذباتیت کا شکار ہو رہی تھی۔

''مرنا میرے اختیار میں نہیں۔ اگر ہوتا تو اس گھر میں کبھی قدم نہ رکھتی۔ اس گھر میں آپ کے حوالے سے اٹھائی گئی ذلت میں کبھی بھول نہیں سکتی۔'' اس کے الفاظ سمعان کو کسی قدر اذیت سے دوچار کر رہے تھے۔ سمعان نے اس کی طرف سے مکمل پشت کر لی مگر اندر تو اذیت کا اور ہی عالم تھا۔ جیسے طوفان پھر اٹھا

تھا۔

''میرے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے اور اس قدر مہارت سے کھیلا ہے کہ ہر طرف سے جیت آپ کی ہے۔ مجھے اتنا بزدل نہ سمجھیں۔ مجھے اگر آزمائیں گے تو ساری عمر پچھتائیں گے۔''

سمعان احمد کے عمر بھر کے ساتھ کے الفاظ نے اسے آتش فشاں بنا ڈالا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ ایک پل کی تاخیر کیے بغیر کچھ کر بیٹھے۔ کسی انتہائی حد سے گزر جائے۔ اس وقت سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو چکی تھیں پھر وہ کیوں سوچتی کونسا کسی نے اس کے بارے میں سوچا تھا؟ کس نے اس کی سنی تھی..... سب نے اپنی کی تھی..... کھانے کی ٹرالی جوں کی توں پڑی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

زرش کی آواز بند ہو چکی تھی۔ البتہ اس کی سسکیاں برقرار تھیں۔

''ایسے زندگی کیسے گزرے گی؟'' سمعان کی سوچ الجھ کر رہ گئی تھی۔ ایک دو پل بعد سمعان پلٹا تو شدید جھٹکا لگا۔

''زرش! یہ کیا بچپنا ہے؟'' سمعان نے اس کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لیتے ہوئے ہوا میں معلق کر دیا تھا۔ ''یہ کیا حماقت ہے احمق لڑکی.....'' انتہائی غصے اور جھنجلاہٹ سے سمعان نے اس کے ہاتھ میں دبی چھری لینا چاہی تو زرش نے چھری کی دھار پر گرفت مضبوط کر لی تھی۔

''کون ہوتے ہو تم لوگ میرے.....؟ چھوڑو مجھے..... بڑا شوق تھا مجھے حاصل کرنے کا؟'' زوبار یہ بھابی ٹرالی کے اوپر پھلوں کی ٹوکری کے ساتھ سیب کاٹنے کے لیے چھری رکھ گئی تھیں۔ سمعان کو امید نہ تھی کہ زرش یہ پاگل پن بھی دکھا سکتی ہے۔ سمعان کے اصل میں رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اگر ایک پل کی بھی تاخیر ہو جاتی تو..... تو نجانے زرش کیا کر ڈالتی۔

''پاگل پن کی بھی کوئی حد ہوتی ہے زرش..... چھوڑو اسے۔'' انتہائی غصے سے اس کی کلائی کو جکڑتے سختی سے کہا مگر وہ تو چیخ ہی اٹھی تھی۔

''کیوں چھوڑوں؟ کون ہوتے ہیں آپ مجھے روکنے والے؟ نہیں زندہ رہنا چاہتی میں..... ساری زندگی آپ کے ساتھ ایک الزام کی طرح زندگی گزارنے سے بہتر ہے ابھی مر جاؤں۔'' بہت بدتمیزی سے چیختے وہ اپنا ہاتھ چھڑا رہی تھی۔

''شٹ اپ۔ احمق..... ایڈیٹ.....'' زرش کی اس حرکت نے سمعان کو ایک دم آتش فشاں بنا دیا تھا۔ وہ کسی بھی طرح چھری نہیں چھوڑ رہی تھی بلکہ تیز دھار نے اس کی ہتھیلی پر کٹ لگا دیا تھا۔ خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔ غصے سے اس کے منہ پر سمعان نے تھپڑ کھینچ مارا تھا۔ زرش کے تو چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ ہتھیلی خود بخود ڈھیلی سی پڑ گئی تھی۔ سمعان نے چھری نکال کر دور پھینکی۔ زخم سے سرخ خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔ سمعان نے تاسف سے بلک کر روتے وجود کو دیکھا۔

سمعان احمد کی انگلیوں کے نشان اس کے نرم و نازک رخسار پر چھپ سے گئے تھے۔ وہ پہلے تو تھپڑ لگنے پر ہکا بکا سی سمعان کو دیکھے گئی تھی پھر ایک دم سمعان کی گرفت سے اپنا ہاتھ کھینچ کر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''آپ نے مجھے تھپڑ مارا ہے؟'' جیسے کسی نے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ چھوا تھا وہ اس وقت بے

یقین تھی۔ سمعان کا سارا اشتعال بہہ نکلا تھا۔

''زری.....'' سمعان نے اس کے دونوں کندھوں کو تھاما تھا تو وہ بلک اٹھی۔

''مجھے نہیں زندہ رہنا۔ نہیں رہنا ادھر..... چھوڑیں مجھے۔ آپ بہت برے ہیں آئی ہیٹ یو۔'' سمعان کے مضبوط بازوؤں میں مچلتی وہ شدت سے رو رہی تھی۔ سمعان نے لب بھینچے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تو اس کا بولنا بند ہو گیا۔

زرش کی اس انتہائی حرکت نے انہیں ششدر کر دیا تھا۔ زرش اس وقت جس توڑ پھوڑ کا شکار تھی سمعان نے اسے بستر پر لا بٹھایا۔ اس کی مضبوط گرفت میں گرم وجود اور سانسوں کی آمد و رفت سے زرش کی خراب طبیعت کی شدت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ سمعان نے گلاس میں پانی ڈال کر اس کے ہونٹوں سے لگایا تو وہ گلاس ایک طرف ہٹا گئی۔

''پانی پی لو سانس بحال ہو جائے گی۔'' روتے روتے سانس غیر ہموار ہو گئی تھی بلکہ ہچکی بندھ گئی تھی۔

سمعان کے دو تین بار کہنے پر وہ ایک دو گھونٹ پی پائی تھی۔ گلاس ایک طرف رکھ کر سمعان نے اس کا ہاتھ تھاما۔ مہندی سے سجی ہتھیلی میں لگا گہرا کٹ سارا ہاتھ سرخ خون سے تر تھا۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے اب بھی رو رہی تھی۔ سمعان نے سائیڈ دراز سے فرسٹ ایڈ باکس نکالا۔ زخم سے خون صاف کر کے سمعان نے بینڈیج کی تب بھی وہ گھٹنوں میں سر دیے سسکتی رہی۔

''زری.....'' سمعان نے اس کے مسلسل ہلتے وجود کو بڑی ترحم بھری نگاہ سے دیکھا تھا۔ بڑی محبت واپنائیت سے پکارا بھی تو اس کے شغل میں کوئی فرق نہ آیا۔ سمعان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس کا وجود ساکن ہو گیا تھا۔

''آپ مجھے تنہا چھوڑ دیں پلیز۔'' کافی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر کہا بھی تو کیا..... سمعان نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ اس وقت جس ذہنی حالت سے گزر رہی تھی اس کو ایک پل کے لیے بھی تنہا چھوڑنا کسی بڑے خطرے سے کم نہ تھا۔

''میں بھابی کو بھیجتا ہوں۔ تم تیار ہو جاؤ پھر ہاسپٹل چلتے ہیں۔'' سمعان نے بستر سے اترتے ہوئے اپنے اوپر ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی تھی۔ ٹی شرٹ پر جا بجا خون کے دھبے تھے۔ سمعان نے الماری سے شرٹ نکال کر وہیں کھڑے کھڑے تبدیل کی تھی۔ کمرے سے نکلنے سے پہلے سمعان نے قالین پر پڑی چھری اٹھا لی تھی۔

❁.....❁.....❁

رات کیسے گزری تھی وہ خود بھی بے خبر تھی۔

اک شاک کی کیفیت تھی۔

اک چھوٹا سا واقعہ اتنا بڑا طوفان لا سکتا ہے وہ حیرت زدہ تھی۔

یہ تصویریں بے شک اس کی تھیں مگر وہ اصل کہانی سے بے خبر تھی۔

صبح ہو چکی تھی مگر اس کو لگ رہا تھا کہ اس کی قسمت پر رات کی تاریکی چھا گئی ہے۔ شارق زمان

اسے تنکے سے بھی ہلکا کر گیا تھا۔ اس کے پاس تھا ہی کیا..... کردار و وقار ہی تو تھا اور ساری عمر اس کی حفاظت کی تھی۔ ساری عمر جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس شے کی حفاظت کی تھی حتیٰ کہ نواز سے بات طے ہو جانے پر بھی اس نے اپنے جذبوں کو سنبھال سنبھال کر رکھا تھا اور پھر قسمت نے جو بھی کیا تھا وہ کمپرومائز کرنے پر تیار تو ہو گئی تھی۔ صرف نبیل بھائی کی وجہ سے دل دکھتا تھا لیکن اب حالات نے جو کروٹ لی تھی اسے لگ رہا تھا کہ وہ بس ڈھے جائے گی۔

اب ہمت ختم ہونے کو تھی۔

شارق زمان کمرے میں داخل ہوا تو وہ بستر پر بیٹھی گم صم سی کیفیت میں تھی۔ شاک ہی اتنا بڑا تھا کہ وہ کسی بھی طرح سنبھل نہ پا رہی تھی۔ شارق زمان کا دل بھر گیا تھا۔ اتنی جلدی یا پھر واقعی یہ رضا کی کوئی حرکت تھی۔ وہ ابھی تک شش و پنج میں تھی۔

اردگرد تصویریں بکھری پڑی تھیں۔

شارق کے داخل ہونے پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ شارق کے چہرے کے تاثرات انتہائی بے تاثر تھے بلکہ اس کے دیکھنے پر بھی کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا تھا۔

نویرہ کو رونا آنے لگا۔

وہ مسلسل رو رہی تھی۔

ذہن اتنا الجھا ہوا تھا کہ فجر کی نماز بھی ادا نہ کی تھی۔

شاکرہ دوبار آ کر دروازہ کھٹکھٹا کر جا چکی تھی مگر اس کے اندر اپنی جگہ سے ہلنے کی بھی سکت نہیں تھی۔

شارق الماری سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں چلا گیا تو نویرہ کے اندر جیسے ہلچل سی اٹھی تھی۔

وہ کیوں ایک الزام لے کر جیئے..... ابھی قصہ صاف ہو گا۔ ابھی فوراً اسے شارق سے اتنے بڑے الزام پر پوچھ گچھ کا حق تھا وہ کیوں بلاوجہ الزام سہے جب اس کا قصور ہی نہیں.....

اس کے اندر بلا کی تحریک برپا ہوئی تھی۔ بستر سے اتر کر وہ کمرے میں ٹہلنے لگی تھی۔ شارق زمان باتھ لے کر لباس بدل کر نکلا تو اسے دیکھ کر رکا پھر سر جھٹک کر تولیے سے سر خشک کرتے وہ آئینے کے سامنے جا رکا۔ نویرہ کے اندر شدید احتجاج نے سر اٹھایا تھا۔

''ان تصویروں سے آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟'' ساری تصویریں لا کر اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخی تھیں۔

''میں کچھ ثابت نہیں کرنا چاہتا۔ یہ تصویریں تمہارے سامنے ہیں کیا تمہیں انکار ہے کہ یہ تمہاری تصویریں نہیں ہیں؟'' ہاتھ روک کر نویرہ کو دیکھا۔ نویرہ کو لگا وہ آگ کے دہانے پر جا بیٹھی ہے۔

''ایسی تو کئی تصویریں میری بہت سے دوسرے کزنز کے پاس بھی ہوں گی۔ ان کے بارے میں کیا رائے ہے؟''

''مگر ان میں سے کوئی بھی تمہارے ساتھ اتنا قریب نہیں ہو گا جتنا یہ رضا ہے۔ میں آج تک اسے کزن کی حیثیت سے ہی سمجھتا رہا تھا مگر علم نہ تھا۔ اندر ہی اندر یہ کھیل بھی کھیلا جا رہا تھا۔''

"شارق زمان! حد میں رہیں۔" نویرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کچھ کر بیٹھے.....

"بڑی اعلیٰ محبت ہے آپ کی۔ بڑے عظیم دعوے تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ آپ سے ساری بات کلیئر کروں گی مگر اب نہیں۔ میں کیوں وضاحتیں پیش کروں..... رضا سے متعلق اگر آپ کو کوئی غلط فہمی بھی ہے تو یہ آپ کا ذہنی کمپلیکس ہوگا۔ میرے لیے وہ ایک چچا زاد ہی تھا اور ہے اور رہے گا..... وہ کیا سوچتا ہے اس کے پاس یہ تصویریں کیوں ہیں اس کا جواب اس کے پاس تلاش کریں۔ مجھ پر الزام لگانے کا آپ کو کوئی حق نہیں۔" وہ کیوں یہ سب سہتی..... وہ کیوں مجبور ہوتی؟ یہ شخص پہلے اس کا مجرم تھا اور اب اس کے جذبات کا قاتل..... اس نے دو بدو جواب دیا تھا۔

"ہاں جاؤں گا اس کے پاس جواب لینے مگر اس سے پہلے تم سے پوچھنا تھا۔" تولیہ بستر پر اچھالتے ہوئے شارق نے بڑے غصے سے کہا تھا۔

"پوچھا نہیں الزام لگایا تھا وہ بھی اپنی گندی سوچ کے مطابق....."

"اپنی سوچ کے مطابق نہیں یہ ثبوت تمہارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتے..... کیا انکار کرو گی اس ڈائری سے بھی.....؟" بستر پر ایک طرف رکھی ڈائری اٹھا کر شارق نے اس کے سامنے لہرائی تو وہ استہزائیہ دیکھے گئی۔

"پڑھ چکی ہوں میں اس کو بھی..... اس میں رضا نے اپنی فیلنگ شیئر کی ہیں۔ وہ کیا سوچتا ہے اس میں قصور ہے میرا حصہ کہاں ہے..... مجھے یہ بتائیں؟ مجھ پر الزام تراشی کیوں؟"

"کوئی بھی مرد ایسے نہیں بہک جاتا۔ عورت کا حصہ کہیں نہ کہیں ہوتا ہے۔ رضا تم سے کم عمر تھا پھر اس کے دل میں یہ احساس کیونکر پیدا ہوا؟ ترغیب زور آور ہو تو جذبے منہ زور ہوتے ہیں۔ اس سے کیوں انکاری ہو تم؟" نویرہ کئی پل شارق کو دیکھے گئی۔

"ہاں سچ کہتے ہیں آپ۔ کوئی بھی مرد ایسے تو نہیں بہک جاتا۔ عورت کا حصہ ضرور کہیں نہ کہیں ہوتا ہے جیسے آپ کو ترغیب دینے میں میرا ہاتھ تھا۔ آپ یوں تو نہیں بہکے تھے؟ آپ کو بھی تو میں نے ترغیب دی تھی پھر تو آپ کو نواز فاروق کے سلسلے میں بھی مجھ پر الزام لگانا چاہیے کہ اس کے ساتھ تو پھر میرا ایک رشتہ تھا جو آپ اور رضا سے بھی مضبوط تھا۔ نواز کیونکر آپ کی باتوں میں آ کر مجھے چھوڑ گیا..... میں نے رضا کو ترغیب دی تھی کون تھا مجھے روکنے والا..... نواز کے انکار کے بعد میں اس کے لیے ہاں کر چکی تھی..... واقعی میں نے اُسے ترغیب جو دی تھی۔" آخر میں اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔

مسلسل آنسو بہانے سے آنکھیں پہلے ہی سوج چکی تھیں۔ اب پھر آنکھوں میں گویا مرچیں سی لگنی شروع ہو گئی تھیں۔

"مجھے ان دونوں کے ساتھ نتھی مت کرو۔ میں باکردار عورت کے دھوکے میں یہ سہہ چکا ہوں۔ تمہارے نیک کردار نے مجھے ترغیب دی تھی۔ میں نے ہر حد پار کی تھی مگر دھوکے باز عورت کے لیے نہیں۔"

"میں دھوکے باز نہیں ہوں شارق زمان! آپ جیسے شخص ایسے ہی ہوتے ہیں کلی کلی منڈلانے والے

جانے نیک اور باکردار عورت کسے کہتے ہیں..... اگر آپ کو نیک اور باکردار عورت کی پہچان ہوتی تو آج میرے سامنے کھڑے اپنے پورے قد سے نہ گر رہے ہوتے۔ مجھ سے باز پرس کرنے سے پہلے معاملے کی چھان بین کرتے مگر....." وہ رک کر آنسو پینے لگی۔ "آپ کے دل میں اب بال آ چکا ہے۔ اب میں لاکھ تاویلیں بھی دوں تو بھی خود کو حق پر ثابت نہیں کر سکوں گی۔ میری ذات کے بخیئے اُدھیڑنے سے بہتر ہے کہ آپ اپنے دل کی بات کریں کہ یقیناً آپ فیصلہ کر چکے ہیں۔ آپ فیصلے کا کہہ رہے ہیں۔ اب سب کلیئر ہو جائے۔ آپ کریں فیصلہ..... میں بھی آپ جیسے شخص کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ مجھ کو بدکردار ثابت کرنے سے پہلے آپ اپنا کردار بھی دیکھ لیجیے گا۔ مجھے کوئی ملال نہیں ہوگا بلکہ میرے لیے یہ عین خوشی کا مقام ہوگا کہ آپ جیسے ذہنی کمپلیکس کے شکار شخص کو ساری عمر صفائیاں دینے سے بہتر ہے کہ آج ہی فیصلہ ہو جائے۔" اپنی تمام تر کمزوری پر قابو پا کر اس نے بھی دوٹوک بات کی تھی۔

شارق نے اسے کئی پل خاموشی سے دیکھا تھا۔

یہ اس کی شدید محبت کا انجام تھا.....

یا اس کی جذباتیت کا.....

محبت اسے تھی

نویرہ کو نہیں.....

اس نے ایک باوفا' نیک عورت ہی تو مانگی تھی اور قسمت نے اسے کیا دیا تھا..... شارق کو لگا جیسے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

"ہاں واقعی اب تو فیصلہ ہوگا اور ضرور ہوگا مگر چھپ چھپا کے نہیں..... پہلے ہر بات واضح ہوگی پھر میں فیصلہ کروں گا مگر یاد رکھنا نویرہ۔ میری اولاد صرف میری ہوگی۔ تم مجھے میری اولاد دینا اور ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلی جانا۔ میں جیسا بھی ہوں مگر بدکردار نہیں ہوں۔ کلی کلی منڈلانے والا ہوں یا نہیں یہ میرا معاملہ ہے مگر جو تمہارا حق تھا وہ تمہیں دیا تھا کسی اور کو نہیں....."

غصے سے کہتے شارق نے ایک طرف پڑے بریف کیس کو اٹھایا تھا اور چپ چاپ کھڑی نویرہ کو دیکھے بغیر کمرے سے نکل گیا تھا۔

کیا واقعی فیصلہ ہو گیا تھا۔ اتنی جلدی سب ختم ہو گیا تھا۔ وہ اس شخص سے لاکھ بیزار تھی مگر اس انتہا پر جا کر نہیں سوچا تھا۔

اسے لگا اب اس کے وجود میں موت در آئی ہو۔ آنکھوں میں بہتے آنسو لیے وہ قالین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

زوباریہ بھابی نے اسے تیار کر دیا تھا۔ اب وہ سمعان احمد کے ساتھ ہاسپٹل جا رہی تھی۔ سارا
وہ خاموش رہی تھی۔ ڈرائیونگ کرتے سمعان احمد نے کئی بار اسے دیکھا تھا۔ کئی بار سمعان کی نگاہ اس
ہاتھ کی ڈریسنگ پر پڑی تھی۔ اچانک سمعان کو خیال آیا تو وہ موبائل نکال کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔
"السلام علیکم....." زرش نے سمعان کو بات کرتے دیکھا اور پھر باہر دیکھنے لگی۔ "ظفر کہاں ہو
وقت؟"
"ہاسپٹل؟"
"اوکے پھر ٹھیک ہے۔ نہیں یہی کنفرم کرنا تھا۔ نہیں میں آ رہا ہوں۔ چچا جان کی عیادت کے لیے
اچھا باقی باتیں آ کر ہوں گی۔ اللہ حافظ۔"
ہاسپٹل قریب آ چکا تھا۔ سمعان نے موبائل آف کر کے ڈیش بورڈ پر ڈال دیا تھا۔ ہاسپٹل قریب آ
دیکھ کر زرش ایک دم سیدھی ہوئی تھی۔
"یہ کیا کر رہی ہو؟" سمعان نے دیکھا وہ زخمی ہاتھ پر لگی پٹی اتار رہی تھی۔ بجائے جواب دینے
اس نے پٹی اتار کر شیشے سے باہر اچھال دی تھی۔
"تمہارا زخم کافی گہرا ہے۔ کافی گہرا کٹ تھا۔ بے پروائی سے زخم بگڑ بھی سکتا ہے۔" زرش اب
چپ رہی تھی۔
ہاسپٹل آ چکا تھا۔
سمعان نے اس کی چپ پر گہرا سانس لیا۔ یعنی اسے کچھ بھی کہنا سمجھانا فضول تھا۔ گاڑی پارک ہو
پر نکلنے سے پہلے زرش نے ٹشو باکس سے کئی لیف نکال کر زخمی مٹھی میں دبا لی تھیں۔
سمعان کے ہمراہ جب وہ پاپا کے روم میں داخل ہوئی تو اس وقت ماما ان کے پاس تھیں۔
"السلام علیکم۔" وہ بے تابی سے ان کی طرف بڑھی تھی۔
"وعلیکم السلام۔" ماما سے یوں ملی گویا برسوں سے بچھڑی ہوئی تھی۔
ماما سے ملتے ہوئے وہ پھر رو دی تھی۔ دھیرے دھیرے آنسو بہتے رہے تھے۔ ماما بڑے ضبط سے
سر سہلاتی رہی تھیں۔
"خوشی کے موقعے پر نہیں روتے بیٹا۔ اب بس کرو۔" ماما نے اسے بڑے سکون سے خود سے

لو ثم
اور پیشانی چومی تھی۔
"خوش رہو آباد رہو۔ اللہ ڈھیروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔" پاپا لیٹے ہوئے تھے اسے دیکھ کر اٹھ
بیٹھے تھے۔
وہ ان کے سینے سے جا لگی۔
"خوش ہو نا؟" سمعان کو ساتھ لگا کر پیار کرتی شائستہ بیگم نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ سمعان احمد
دھیرے سے مسکرا دیا۔
"بس آپ کی دعائیں ہیں۔"
"جیتے رہو۔"
"کیسے ہیں آپ چچا جان؟" دوسری طرف وہ آ گیا تھا۔ ان کے دائیں کندھے سے زرش لگی نیر بہا
رہی تھی۔ بائیں طرف وہ بیٹھا تو سعود احمد نے اسے بازو کے حصار میں لے کر ساتھ لگا لیا تھا۔
"بہت بہتر ہوں اب تو..... ڈاکٹرز کا ٹریٹمنٹ کافی اچھا ہے پھر تم لوگوں کو دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔ صبح
نوشی اور عفان بھی آ کر مل گئے تھے۔" وہ کافی بشاش تھے۔ زرش نے دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ان
کے سینے سے سر اٹھایا۔
"ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔
"کہہ رہے تھے کہ پرسوں تک فارغ کر دیں گے۔ آگے اللہ کی مرضی....."
"ان شاء اللہ ڈاکٹرز کے ٹریٹمنٹ سے تو میں بھی مطمئن ہوں۔ رات سے ظفر آپ کے پاس ہی تھا۔
ہلچل کی رپورٹ دے رہا تھا۔"
"ہاں خاصا مددگار ہے یہ لڑکا بھی۔ ادھر ہی تھا ابھی باہر نکلا ہے۔ تمہاری چچی کہہ رہی تھیں کھانا کھا لینا
مگر کہہ رہا تھا کہ ڈیوٹی شروع ہونے والی ہے۔ تمہاری چچی نے وارڈ بوائے کے ہاتھ ابھی کھانا بھجوایا
ہے۔"
زرش کے اندر سکون سا اترتا چلا گیا پاپا کو اس طرح مسلسل بولتے دیکھ کر۔ وہ بہتر تھے اور اب خطرے
سے باہر تھے۔ نارمل انداز میں باتیں کر رہے تھے۔
"شائستہ! بچوں کو کچھ کھانے پینے کو دو۔" باتیں کرتے اچانک خیال آیا تو بیگم سے کہا۔
"کھانا کھاؤ گے یا چائے پیو گے؟" شائستہ بیگم نے پوچھا تھا۔
"زرش نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ کھانا کھلا دیں اسے۔" سمعان نے کہا تو زرش نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ
پاپا کو دیکھ رہے تھے۔
"ہاں ہادیہ بتا رہی تھی۔ کافی طبیعت خراب رہی ہے تمہاری۔ اب کیسی ہے؟ بخار تو اب بھی لگ رہا
ہے۔" شائستہ بیگم نے پوچھا تھا۔
"ٹھیک ہوں۔"
"لگ تو نہیں رہا کوئی میڈیسن لی سمعان اس نے؟" سعود احمد بھی متفکر ہوئے تھے۔

"کوئی خاص نہیں۔" زرش نے غصے سے سمعان کو دیکھا۔

"یہ کچھ کھا پی بھی نہیں رہی۔ چچی جان آپ اسے کچھ کھلا دیں پھر کسی ڈاکٹر سے چیک اپ کروا لیتے ہیں۔ اچھا خاصا بخار ہے۔"

"کیا ہے ٹھیک تو ہوں میں۔" اس کی آواز میں خفگی نمایاں تھی۔ دونوں میاں بیوی نے بغور دیکھا تھا۔ سعود احمد نے کچھ کہنا چاہا تو شائستہ بیگم نے منہ پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش کرا دیا تھا۔

"کھانا کھالو۔ آجاؤ ادھر۔" انہوں نے ٹرے میں کھانا نکال کر اسے دیا تو بادلِ نخواستہ اسے اٹھنا ہی پڑا۔

"سمعان! تم بھی آجاؤ۔" شائستہ بیگم نے کہا۔

"آپ لوگ کھائیں۔"

"چائے دوں؟"

سمعان نے سر ہلا دیا تھا۔ انہوں نے فلاسک سے چائے نکال کر اسے دی تھی۔ زرش کو شائستہ بیگم نے زبردستی کھانا کھلایا تھا۔ کھانے کے بعد انہوں نے سیب کاٹ کر زبردستی کھلائے تو زرش کے منہ کے زاویے بگڑنے لگے تھے۔ سمعان گاہے بگاہے اس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کھانا کھا کر فارغ ہوئی تو سمعان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلیں.....؟"

زرش نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"کہاں.....؟"

"گھر....." گھر کا سن کر زرش کا چہرہ ایک دم زرد ہوا تھا۔

"مگر مجھے نہیں جانا ابھی تو....."

"زرش جاؤ گھر شاباش۔ تمہارے پاپا اب بالکل ٹھیک ہیں کیوں سعود؟" شائستہ بیگم نے زرش کی بات کاٹ کر اسے جانے کا حکم دے دیا تھا۔ وہ لب بھینچ گئی وہ تو مطمئن تھی کہ اب وہ اس گھر سے آگئی ہے۔ دوبارہ ادھر نہیں جانا پڑے گا مگر.....

"ہاں اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ سمعان زرش کا خیال رکھنا۔ ڈاکٹر کو دکھا لینا۔"

"جی ضرور..... آپ بے فکر رہیں۔" سمعان کا وہی پرانا مطمئن پرسکون انداز تھا۔

زرش کے اندر آگ لگی تھی۔ اسے آگ کی وادیوں میں دھکیل کر یہ شخص اتنا پرسکون کیوں ہے؟ ماما پاپا کے سامنے اس کی ایک بھی نہ چلی تھی۔ ان کے روم سے نکلتے ہوئے اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ کمرے سے نکلتے ہی اس کے ہاتھ میں پکڑے ٹشو جو خون دوبارہ رسنے سے بھیگ چکے تھے۔ ایک طرف پھینک دیے تھے۔ اس وقت اس کے اندر سب کچھ تہس نہس کر دینے کی تحریک اٹھ رہی تھی۔ سمعان اس کے آگے چل رہا تھا۔ براؤن چادر میں وہ اس کے پیچھے جا رہی تھی۔ اس وقت زرش کا جی چاہ رہا تھا کہ یہیں سے کہیں غائب ہو جائے کہ اسے دوبارہ اس گھر میں نہ جانا پڑے۔

راہداری کے اختتام پر سمعان رک گیا تھا۔ جواباً زرش کو بھی رکنا پڑا تھا۔

"ظفر اپنے روم میں ہی ہے۔ چلو آؤ چیک اپ کروا لیتے ہیں۔"

"مگر مجھے نہیں کروانا۔"

"بری بات۔ پہلے ہی تمہاری طبیعت خاصی خراب ہو چکی ہے۔" سمعان کا پرسکون انداز ایسا تھا کہ جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں۔

"میں نے آپ سے کہا ہے ناں کہ میری پروا مت کریں میں....."

"چلو آؤ۔" سمعان نے اس کی بات مکمل ہی نہیں ہونے دی تھی۔ ہاتھ تھام کر چلنا شروع کر دیا تھا۔

"آپ کو میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔ مجھے نہیں جانا کسی کے پاس۔"

راہداری میں گزرتے کئی لوگوں نے پلٹ کر دونوں کو دیکھا تھا مگر سمعان احمد کو جیسے پروا ہی نہ تھی۔ ڈاکٹر ظفر کے روم کے سامنے جا کر ہی دم لیا تھا۔

زرش کو رونا آنے لگا۔

"السلام علیکم۔" اندر داخل ہو کر سمعان نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

ڈاکٹر ظفر دونوں کو دیکھ کر فوراً آگے بڑھا تھا۔ (سب چھوڑ چھاڑ کر)

"وعلیکم السلام! ویری گڈ زرش بھابی بھی ہیں۔ کیسی ہیں آپ؟"

زرش غصے سے ویسے ہی کھڑی رہی۔

"انکل سے ملنے آئے تھے تم لوگ؟" زرش کی طرف سے جواب نہ پا کر اس نے سمعان سے پوچھا تھا۔

"ہوں..... زرش کی طبیعت خراب ہے۔ ذرا چیک کر لو بخار ہے۔"

"اوہ۔ کیا ہوا؟ زیادہ تو خراب نہیں۔" اس نے فوراً زرش کو دیکھا۔ "آئیں ادھر بیٹھیں۔" ڈاکٹر ظفر نے مریض والی مخصوص چیئر کی طرف اشارہ کیا تو وہ بادل نخواستہ جا بیٹھی۔

"ٹمپریچر اور بی پی چیک کر کے اس نے میڈیسن تجویز کر دی تھی۔

"ٹینشن اور کمزوری ہے بس۔ میڈیسن لیں دودھ وغیرہ استعمال کریں۔ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" وہ لب بھینچے اس کی ہدایات سنتی گئی تھی۔

"یار ذرا ہاتھ بھی چیک کر لو۔" ٹیبل کے دوسری جانب رکھی چیئر پر بیٹھے سمعان نے کہا تو زرش نے گھبرا دیا۔

"کیا ہوا ہے؟" ڈاکٹر ظفر نے سمعان کو دیکھا اور پھر اسے۔

"کچھ نہیں ہوا۔" تلخی بھرپور تھی مگر سمعان کی طرح ڈاکٹر ظفر کو بھی پروا نہیں تھی۔

"پلیز! ہاتھ دکھائیں۔" مجبوراً اسے اپنا بایاں ہاتھ اس کے سامنے کرنا پڑا تھا۔

"ارے یہ تو بڑا گہرا کٹ ہے۔ کیسے لگ گیا؟" اس نے زرش کے ساتھ ساتھ سمعان کو بھی دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ بس ویسے ہی لگ گیا تھا۔ تم ڈریسنگ کروا دو ذرا۔" سمعان کے کہنے پر ڈاکٹر ظفر نے نرس بلوالی تھی۔

''ان کے ہاتھ کی ڈریسنگ کر دیں۔ ذرا دھیان سے۔''

''آیئے۔'' وہ اسے پردے کے دوسری طرف رکھے بینچ پر لے گئی تھی۔

''زرش کا کیا ری ایکشن ہے؟'' ڈاکٹر ظفر نے سمعان کا سنجیدہ پرسکون چہرہ دیکھا۔

''جیسا ان حالات میں ہونا چاہیے۔ حیرت تو مجھے تب ہوئی اگر اس کے برعکس وہ پرسکون ردعمل کرتی۔ بالکل حالات پر مبنی نیچرل انسانوں والا ری ایکشن ہے۔'' سمعان کے انداز میں فرق نہیں آیا تھا۔

''اور تمہارا.....؟'' جس طرح سمعان نے بمشکل رضامندی دی تھی اس سے بھی ڈاکٹر ظفر کچھ مطمئن تھا مگر اب زرش کے ساتھ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ اتنا مطمئن و پرسکون انداز.....؟

''کیسا لگ رہا ہے؟'' الٹا سمعان نے سوال کر ڈالا تھا۔

''بہت اچھا۔''

''مجھے تم سے یہی امید تھی۔ ان شاء اللہ سب حالات سنور جائیں گے۔ میں تو سعد کو دعائیں دے رہا ہوں۔ تمہاری تو سنی گئی ہے۔'' وہ اب مذاق کر رہا تھا۔ ڈریسنگ کروا کر قریب آتی زرش نے ڈاکٹر ظفر کا جملہ سنا تھا۔ اس کے اندر آگ پھر بھڑک اٹھی تھی۔

''ہو گئی ڈریسنگ؟'' زرش چپ ہی رہی تھی۔

''او کے یار چلتا ہوں۔ رات کو ملاقات ہو گی۔ ضرور آنا فنکشن میں۔'' سمعان اٹھ کھڑا ہوا تو ظفر بھی کھڑا ہو گیا۔

''کیا ولیمہ کی تقریب آج ہی ہے؟''

''نہیں۔ فی الحال تو نہیں۔ ہاں نوشی کا ولیمہ طے ہے۔ ضرور آنا پھر بات ہو گی۔'' زرش سمعان کا انتظار کیے بغیر باہر نکل گئی تھی۔

واپسی کے راستے میں وہی خاموشی تھی۔ ہاں البتہ جیسے ہی مین روڈ سے گاڑی ٹرن لینے لگی تھی وہ فوراً الرٹ ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

''مجھے گھر جانا ہے۔''

''ہم گھر ہی جا رہے ہیں۔''

''مجھے اپنے گھر جانا ہے۔''

''تو کون کہتا ہے وہ تمہارا گھر نہیں؟''

''پلیز! مجھے آپ کے ہاں نہیں جانا۔ ماما کے ہاں جانا ہے۔ آپ مجھے ادھر لے کر جائیں۔ مجھے ادھر نہیں جانا۔'' سمعان نے گہری سانس لی تھی۔

''اگر میں نہ لے کر جاؤں تو.....؟'' سمعان نے اسے دیکھا۔ بھابی کے میک اپ کرنے کے باوجود اس کے بائیں رخسار پر ان کی انگلیوں کے نشان کی سرخی برقرار تھی۔ براؤن چادر میں لپٹی خوب صورت چہرے پر میک اپ کی تہہ اور بخار کی سرخی نے اس کے حسن کو دوبالا کر دیا تھا۔

''تو پھر آپ گاڑی روکیں میں خود چلی جاؤں گی۔'' اس کا انداز اٹل تھا۔ سمعان نے گہرا سانس لیا

تھوڑا سا آگے جا کر گاڑی کو ٹرن بیک دیا تھا۔ اپنے گھر کی طرف گاڑی جاتے دیکھ کر وہ اندر ہی اندر مطمئن ہو گئی تھی۔ گاڑی جیسے ہی گھر کے اندر داخل ہوئی تھی وہ تیزی سے دروازہ کھول کر نکلی تھی۔ بھاگتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ قید سے چھوٹی ہے۔

''آپا..... ہادیہ آپا..... یاسمین۔'' اس کی آوازوں پر سب فوراً سامنے آ گئے تھے۔ ہادیہ کے ساتھ پھپھو ادھر ہی تھیں۔

''ارے زری تم.....''

''آپا.....'' وہ بھاگ کر ان سے لپٹی تھی۔ ''مجھے گھر یاد آ رہا تھا۔'' آپا کے بعد پھپھو سے ملتے وہ ایک دم پرسکون ہو گئی تھی۔

''کس کے ساتھ آئی ہو؟'' ہادیہ کے سوال پر جواب کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ سمعان کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر لب سی گئی تھی۔

سمعان کو سب سے ملتے دیکھ کر وہ چپکے سے وہاں سے نکلی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر اپنے بستر کو دیکھ کر اس کا جی چاہا کہ لمبی تان کر سو جائے۔ بڑے دنوں کی نیند ایک بار ہی لے لے یا پھر ہمیشہ کی نیند..... چادر بستر پر ڈال کر وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ فیروزی لباس میں اس کا خوب صورت تراشا ہوا سراپا مزید اجاگر ہو گیا تھا۔ ہلکے ہلکے میک اپ اور جیولری میں چہرہ دہک رہا تھا۔ اس نے تو دو دنوں سے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تک نہ تھا۔ کل بیوٹیشن نے تیار کرتے وقت کتنا کہا تھا مگر جی ہی مر گیا تھا۔ کل کے واقعات کو یاد کر کے اس کی آنکھیں پھر گیلی ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ لائٹ آف کر کے بستر پر آ لیٹی تھی۔

بائیں ہاتھ میں کتنا درد ہو رہا تھا مگر وہ چپ چاپ لیٹی رہی۔ آنکھوں پر بازو رکھے چت انداز میں.....

کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا تو نیند میں ڈوبا اس کا ذہن الجھا۔ کلون کی مخصوص خوشبو اسے وحشت زدہ سی کرنے لگی تھی مگر وہ لب بھینچے ایک دم اذیت سے آنکھوں میں آ جانے والی نمی اور سسکیوں کو روکتے آنکھوں پر بازو رکھے سونے کا تاثر دیتی پڑی رہی تھی۔

سمعان احمد نے چند پل اسے دیکھا۔ وہ بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی مگر پاؤں کی جنبش صاف بتا رہی تھی کہ کیا ارادہ ہے..... سمعان نے تاریکی میں آہستہ سے اس کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ بستر پر اس کے قریب بیٹھ کر سمعان نے ایک دو پل اسے دیکھا۔

''زری.....'' اس پکار میں دل کی تمام شدتیں در آئی تھیں۔ تمام جذبے سمٹ آئے تھے۔ سمعان نے آہستگی سے اس کا بازو اس کی آنکھوں سے ہٹایا تو اس کی بھیگی آنکھیں' کاجل کی دھار نمی لیے ہیروں کی طرح دمکتی نگاہیں سمعان کی نگاہوں سے ٹکرا کر پلٹ گئی تھیں۔ گویا سمعان احمد کے دل کی دنیا ہی پلٹ گئی تھی۔

''زری.....'' اس نے کروٹ بدل کر اٹھنا چاہا تھا مگر سمعان نے اس کے دوسری طرف ہاتھ رکھ کر اس کی فرار کی راہیں مسدود کر دی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی..... سمعان احمد کے جذبوں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا تھا۔ جھک کر اس کی صبیح پیشانی کو چھوا تھا۔ سمعان نے اپنا استحقاق جما دیا تھا۔ وہ تو کئی پل تک

ششدر سی پڑی رہ گئی تھی۔

سمعان نے اس کے چہرے پر اپنی انگلیاں پھیریں تو وہ ہوش میں آئی تھی۔ ایک دم سمعان کے بازو ہٹاتے ہوئے وہ دوسری سائیڈ سے بستر سے اتر گئی تھی۔ اس کی آواز گنگ ہو گئی تھی۔ بستر پر پڑی چادر اٹھا کر اپنے کندھوں پر ڈالی۔ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رخ موڑ کر کھڑی وہ سسک اٹھی تھی۔

''زری.....'' اٹھ کر سمعان اس کی طرف آیا بھی تو وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔

''آپ چلے جائیں پلیز۔ مجھے نہیں جانا آپ کے اس گھر میں۔ اگر آپ نے میرے ساتھ کوئی سختی کی تو میں اپنی جان دے دوں گی مگر وہاں نہیں جاؤں گی۔ کبھی نہیں.....'' رونے کے باوجود اس کے لہجے کی سختی برقرار تھی۔

''اب وہی تمہارا گھر ہے۔'' سمعان نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

''میں نہیں مانتی۔'' وہ چیخی تھی۔ سمعان نے بغور اسے دیکھا۔ وہ اٹل ارادے لیے کھڑی تھی۔ سمعان کی پیش قدمی بھی بے کار گئی تھی۔ اپنے رشتے کا خوب صورت استحقاق بھی کسی کام نہ آیا تھا۔ سمعان سختی سے اسے لے جا سکتا تھا۔ کوئی مشکل نہ تھی مگر سمعان احمد کو سختی کرنا زیب نہ تھا۔

''اوکے ٹھیک ہے۔ تم آرام کرو۔ میں ہادیہ کو کہہ دیتا ہوں۔ وہ تمہیں میڈیسن کھلا دے گی۔ میں شام کو آؤں گا۔ نوشی کے ولیمے کے لیے چلنا ہوگا۔'' وہ چپ رہی تھی۔ سمعان نے اس کے چہرے پر اک بھرپور نگاہ ڈالی تھی۔ سمعان کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ لاک کیا تھا۔ دوبارہ بستر پر گرتے ہی اس کے آنسو پھر بہہ نکلے تھے۔

وہ نویرہ کو چھوڑ کر گھر آیا تو بہت الجھا ہوا تھا۔

نواز فاروق کے منہ سے شارق کے متعلق سب جان کر بھی وہ اپنی آنکھوں سے شارق کا نویرہ کے ساتھ رویہ دیکھ کر شاک میں آ گیا تھا۔ دل کو بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ شارق زمان ذہنی طور پر اس قدر قدامت پرست اور بیمار سوچ کا حامل ہو سکتا ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے جو دیکھا تھا' اسے غلط سوچ رہا تھا۔ رضا حمید کی نویرہ کے گھر میں اس کے ساتھ موجودگی نویرہ کی زندگی مشکل بنانے والی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ اگر جانتا ہوتا تو کبھی وہاں نہ جاتا۔ نویرہ کو خالدہ چچی کے ہاں ہی چھوڑ کر آ جاتا۔ شارق کے رویے اور پھر اس کی گھٹیا سوچ نے اسے بڑا دل گرفتہ بنا دیا تھا۔ نویرہ جیسی اعلیٰ اوصاف و کردار کی مالک لڑکی رُل گئی تھی۔ اس کے دل کا ملال بڑا گہرا تھا۔

وہ ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا مگر گھر میں قدم رکھتے ہی پہلا سامنا رمشاء سے ہوا تھا۔

''اتنی دیر لگا دی۔ تم تو نویرہ جی کو چھوڑنے گئے تھے۔'' اس نے راہداری میں ہی اسے روک لیا تھا۔

''تم سے مطلب.....؟''

''تم جتنے بھی ہاتھ پاؤں مار لو مگر افسوس تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آنے والا۔ یہ مت بھولو نویرہ اب کسی اور کی بیوی ہے۔'' وہ استہزائیہ دیکھتے باور کروا رہی تھی۔ نویرہ کے معاملے میں کتنا حساس تھا اب بھی ایک پل

میں بھڑک اٹھا تھا۔

''تم اپنی بکواس بند کرو۔ نویرہ کا نام مت لیا کرو۔''

''کیوں.....اتنی تکلیف کیوں ہوتی ہے؟ وہ تمہاری جاگیر تو نہیں جو اس کا نام لینا منع ہے۔ سچ کہتی ہوں تو تکلیف ہوتی ہے تمہیں۔ اب بھی اس کو حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اب بھی تمہیں اپنی اس آپا کے درد اٹھتے ہیں اور وہ کیوں ہمارے گھر آئی تھی۔ میں اب تک یہی سمجھتی رہی تھی کہ صرف تمہیں ہی اس کا درد مار رہا ہے مگر علم نہ تھا وہ نیک نامی کا کھیل رچائے تمہیں اُلّو بنا رہی ہے۔'' وہ بغیر کوئی لحاظ و مروّت کیے غصے سے گویا تھی۔

''شٹ اپ۔'' رضا کا جی چاہا کہ پل میں اسے ختم کر دے۔ ''اب تم نے ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔'' اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی تھی۔ ایک دم آواز خاصی اونچی ہو گئی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے یہ.....؟ کیوں شور کر رہے ہو تم دونوں؟'' زبیدہ بیگم فوراً وہاں آئی تھیں۔ انہوں نے ناسمجھی میں دونوں کو دیکھا۔

''کچھ نہیں دماغ خراب ہو رہا ہے۔ اس کا اور کچھ نہیں۔'' اس نے غصے سے کھا جانے والی نگاہوں سے رمشاء کو دیکھا۔

''میرا دماغ خراب نہیں ہوا تمہارا اور تمہاری اس پاک دامن آپا کا خراب ہوا ہے۔ ایک شوہر کم تھا اسے جو تمہیں بھی اپنی اداؤں سے الجھا رہی ہے۔'' وہ بھی دوٹوک بولی تھی۔

''بکواس بند کرو۔'' ماں کے سامنے رمشاء کی یہ گوہر افشانی' اس نے طیش سے اسے تھپڑ کھینچ مارا تھا۔

''رضا!'' زبیدہ بیگم نے ششدر انداز میں اسے ٹوکا۔

''امی اسے باز رکھیں ورنہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں گا۔'' اس کا انداز ایک دم بپھرا ہوا تھا۔

''کیوں سچ اتنا کڑوا لگ رہا ہے تمہیں۔ تم تو اسے صرف خالدہ چچی کے ہاں چھوڑنے گئے تھے پھر وہاں سے اس کے گھر کیا لینے گئے تھے۔ اتنی دیر لگا کر اس کے ساتھ وقت گزار کر نہیں آ رہے۔ کیا جھوٹ ہے یہ۔'' بغیر ڈرے بلکہ تھپڑ کھا کر مزید آتش فشاں ہو گئی تھی۔

''میں منہ توڑ دوں گا تمہارا۔'' وہ طیش سے اس کی طرف بڑھا مگر زبیدہ بیگم نے ایک دم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

''کیا ہوا ہے تم دونوں کو؟ کیوں پاگلوں کی طرح لڑ رہے ہو؟''

''اس سے پوچھیں اپنی اس لاڈلی چہیتی سے؟''

''رمشاء! کیا بات ہے؟'' انہوں نے اب رمشاء کو دیکھا جو سرخ رخسار پر ہاتھ رکھے کینہ توز نظروں سے رضا حمید کو گھور رہی تھی۔

''بات بہت صاف اور واضح ہے۔ نویرہ اس گھر میں کیوں آئی تھی۔ وہ شادی شدہ ہو کر اسے بے وقوف بنا رہی ہے۔ میں نے صرف اتنا ہی کہا ہے اور یہ مجھے مرنے مارنے پر تل آیا ہے۔''

''امی.....امی! اسے کہیں کہ اپنا منہ بند رکھے۔'' وہ پھر بپھر اٹھا۔

"رمشاء! نویرہ کے بارے میں تمہیں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔" انہوں نے اسے ہی ٹوکا تھا۔

"چاہے وہ سچ ہی کیوں نہ ہو....." رمشاء کا انداز زہر خند تھا۔

"دیکھا امی! یہ بکواس کر رہی ہے مسلسل..... جان بوجھ کر بیان بازی....."

"اچھا چپ کرو۔ جاؤ اپنے کمرے میں۔ وہ کم عقلی کر رہی ہے تو تم تو ہوش کے ناخن لو۔ خوامخواہ کسی کو ایشو بنا رہے ہو۔" امی کے بار بار کہنے پر وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

نجانے انہوں نے کیا سمجھایا تھا کہ کھانے کے بعد زبیدہ بیگم البتہ اس کے پاس ٹی وی لاؤنج میں آ گئی تھیں۔ حمید صاحب گھر پر نہیں تھے۔ وہ اپنے کسی دوست کے پاس سرگودھا گئے تھے۔

"نویرہ کے ساتھ تمہارا کیا معاملہ ہے؟" انہوں نے بیٹھتے ہی پوچھا تھا۔

"امی! آپ بھی اس کم عقل کی باتوں میں آ گئی ہیں۔" وہ بے یقین تھا۔

"نہیں میں کیوں آنے لگی۔ وہ مسلسل ایک ہی بات کہہ رہی ہے کہ نویرہ تمہیں بہکا رہی ہے۔ نویرہ کس مزاج کی ہے میں اچھی طرح جانتی ہوں مگر رمشاء کو کیسے سمجھاؤں؟ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے۔ نویرہ اب تنہا نہیں' شادی شدہ زندگی گزار رہی ہے۔ کل کو بچہ اس کی گود میں ہوگا۔ تم سے کھل کر یہ بات اس لیے کر رہی ہوں کہ خدانخواستہ رمشاء کسی اور کے سامنے غصے میں ایسی کوئی بھی بات کہہ دے تو کوئی اونچ نیچ بھی ہو سکتی ہے۔ شارق کس مزاج کا انسان ہے وہ بھی تم سے چھپا نہیں ہے۔ اپنی ماں اور بہن کی زندگیوں سے وہ بڑا خار کھاتا ہے۔ غصے کا تیز ہے اور جذباتی بھی اور بیوی سے متعلق کوئی بھی شخص ایسی ویسی کوئی بات نہیں سنتا۔ بہتر ہے تم اپنے آپ کو بدلو سمجھاؤ خود کو۔ رمشاء سے تمہارا جو رشتہ ہے اسے قبول کرو۔" انہوں نے ٹھنڈے انداز میں اسے سمجھانا چاہا تھا۔ ان کی آخری بات پر وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"ہرگز نہیں۔ نویرہ سے متعلق میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ شادی شدہ ہیں۔ یہ رمشاء کا ذہنی کمپلیکس ہے جو وہ بات کو غلط رخ دے رہی ہے۔ محض اپنی ذہنی گندگی کی وجہ سے اور یہ امید مت رکھیے گا کہ میرا اس سے کوئی رشتہ ہے' میں مر کر بھی اسے اپنی زندگی میں شامل نہیں کروں گا۔" اس نے اٹل انداز میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

"تو رمشاء بھی بڑی ضدی اور جذباتی ہے۔ اس نے اس بات کو انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔ اگر کبھی اس نے کسی اور کے سامنے ایسی ویسی کوئی بات کہہ دی تو نویرہ بے چاری تو بے موت ماری گئی نا؟"

"دماغ خراب ہے اس کا اور کچھ نہیں....."

"جذباتیت سے مت سوچو۔ میں چاہ رہی ہوں کہ یہ منگنی باقاعدہ ہو جائے تو رمشاء کا دماغ بھی پرسکون ہو جائے گا۔"

"ہرگز نہیں۔ ایسا سوچیے گا بھی نہیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔" اس نے دھمکی دی تھی۔

"تو پھر مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟ تمہاری جذباتیت نویرہ کو رسوا کر دے گی۔ رمشاء نے بھی یہی دھمکی

دی ہے کہ اگر تم نے اس رشتے سے انکار کیا تو وہ شارق زمان کو تمہارے بارے میں سب بتا دے گی۔"

ماں کے منہ سے یہ الفاظ سن کر پہلے تو وہ چپ چاپ دیکھے گیا پھر غصے سے اٹھ کر وہ کمرے سے نکلنے لگا تھا۔ اس کے تیور اتنے جارحانہ تھے کہ زبیدہ بیگم نے دہل کر اس کا راستہ روکا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"آپ راستے سے ہٹیں۔ یہیں ابھی کلیئر کروں گا اس سے' اس سارے ڈرامے کا مقصد کیا ہے آخر؟ بتائے تو سہی کسی دن میں گلا دبا دوں گا اس کا۔"

"اف رضا! تمہارا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے اور اس کا بھی۔ چپ کر کے ادھر بیٹھو میں اسے خود دیکھ لوں گی۔" انہوں نے بازو سے پکڑ کر اسے دوبارہ صوفے پر دھکیلا تھا۔

"پھپھو اسے سمجھا دیں اگر اس نے رشتے سے انکار کیا تو خدا کی قسم میں پھر جو کروں گی یہ خود دیکھے گا۔" رمشاء ایک دم لاؤنج میں آ کر بولی تھی۔ رو رو کر آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

"جاؤ جو بھی کرنا ہے کر لو۔ میں بھی دیکھتا ہوں تمہاری گھٹیا سوچ کہاں تک جاتی ہے۔ رہی نویرہ کی بات تو اب میرا تم سے وعدہ ہے۔ وہ اب اس گھر میں آئے گی میری بیوی کی حیثیت سے دیکھنا تم....." وہ بھی غصے سے گویا تھا۔ جذبات میں یہ بھی ہوش نہ تھا کہ وہ کیا کہہ چکا ہے۔ ہوش تو تب آیا جب زبیدہ بیگم کا بھرپور تھپڑ اس کے گال پر پڑا تھا۔

"تمہیں شرم نہیں آئی یہ بات کہتے ہوئے۔ وہ کسی کی بیوی ہے ہوش کرو تم۔" غصے اور صدمے سے ان کی آواز پھٹ گئی تھی۔

"اس انتہائی سوچ تک مجھے یہ لے کر گئی ہے۔ اسے ہوش کروائیں۔ اب تو یہ ہوگا جس نے جو بھی کرنا ہے وہ کرے۔ نویرہ کو درمیان میں لائی ہے۔ وہ اب ساری عمر درمیان میں رہے گی۔" جذباتیت کی انتہا تھی۔ زبیدہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔ رمشاء بے تاثر چہرہ لیے کھڑی رہی تو رضا اسے کینہ توز نظروں سے گھورتا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

اسے رہ رہ کر رمشاء کے الفاظ یاد آ رہے تھے اور جواباً اپنا شدید ردعمل بھی۔

"رمشا بی بی! تم نویرہ کو درمیان میں لا کر اچھا نہیں کر رہیں اب دیکھنا میں نویرہ کو اپنی زندگی میں کیسے شامل کرتا ہوں۔ میرا وعدہ ہے تم سے۔ اسے نویرہ رضا حمید کے طور پر تمہارے سامنے نہ لایا تو کہنا۔"

جوں جوں سوچ رہا تھا اس کے ذہن کا تناؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

نہایت دیوانگی میں اس نے اپنی اسٹڈی دراز سے اپنی ڈائری نکالی تھی۔ اس ڈائری میں اس نے اپنی جذباتی کیفیت کے ایک ایک لمحے کو رقم کیا تھا۔ نویرہ کے تصور سے لپٹ کر کئی خوابوں کو روشن کیا تھا۔ کئی وعدے کیے تھے اور کئی ایفاء ہوئے تھے۔ نویرہ کی اتنی تصویریں اس ڈائری میں جمع تھیں مگر اب اس کا ذہن جو سوچ رہا تھا اس پر عمل کرنا قطعی مشکل نہ تھا۔

اس نے جو بھی پلان کیا تھا وہ انتہائی گھٹیا تھا مگر وہ رمشاء کی نفرت میں اب کسی بھی حد تک جائے گا۔ یہ اس نے اب طے کر لیا تھا۔

اس کی آنکھ سے ایک آنسو چپکے سے بہہ نکلا تو اس نے انگلی سے جھٹک دیا کہ اب اپنا دل پتھر بنانا ہی طے تھا۔

ہادیہ آپا نے اسے میڈیسن کھلا کر سلا دیا تھا۔ عصر کے قریب انہوں نے ہی آ کر اسے اٹھایا تو اس کی آنکھ کھلی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھا کر ابھی وہ بیٹھی ہی تھی کہ آپا اسے بیوٹیشن کے پاس لے جانے کو تیار کھڑی تھیں۔ رات نوشی کے ولیمے کا فنکشن تھا۔ سارا خاندان مدعو تھا۔ ماما گھر آ چکی تھیں۔ اسے دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھی براہِ راست اس سے کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کے زخمی ہاتھ کو دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔

''یہ زخم کیسے لگا؟ پٹی کیوں کروائی ہوئی ہے؟'' انہوں نے پوچھا تھا۔

''بس ویسے ہی۔'' وہ نگاہیں چرا گئی تھی۔

''زرش! ادھر میری طرف دیکھو۔ تم نے کوئی جذباتیت تو نہیں دکھائی۔'' انہیں اس کی جذباتیت کی شاید امید تھی۔

''کہا نا پھل کاٹتے ہوئے زخمی ہو گیا تھا۔''

انہوں نے ایک دو پل اسے دیکھا تو وہ پزل ہونے لگی۔

''اتنا گہرا زخم نہیں ہلکا سا ہے۔'' اس نے مزید کہا تو انہوں نے گہرا سانس لیا۔

''ادھر کیوں آئی تھیں؟ سمعان کے ساتھ گھر کیوں نہیں گئیں؟'' اب کے انہوں نے براہِ راست پوچھا تو وہ چپ رہ گئی۔

''میرا دل نہیں چاہا وہاں جانے کو.....''

''زرش! جو ہو چکا ہے اسے بھولنے کی کوشش کرو۔ میرے بچے اس طرح زندگی نہیں گزرتی۔ بڑا مشکل ہو جائے گی۔ ہم بھی تو برداشت کر رہے ہیں۔ اس انتہا پر آ کر رشتہ قبول کرنا تمہاری شادی کرنا ہمارے دل پر گزری ہے۔ کوئی نہیں جانتا مگر دل میں اب پچھلی باتوں کے حوالے رکھے تو پھر زندگی نہیں گزرنے والی۔ میرا بیٹا تمہیں سب بھولنا ہو گا۔ اپنے لیے ہمارے لیے۔'' ان کے دھیمے لہجے پر وہ خاموش نروس ہو گئی تھی۔

''بہت مشکل ہے ماما یہ برداشت کر لینا۔ کچھ بھی نہیں بھولتا جس گھر میں مجھ پر بہتان بازی کی گئی تھی جس شخص کے حوالے سے اس کے نام پر دوبارہ اس گھر میں جانا برداشت نہیں ہو رہا۔ دل چاہ رہا ہے موت آ جائے۔'' وہ پل میں جذباتی ہو گئی تھی۔ شائستہ بیگم کی گود میں سر رکھے وہ خوب روئی تھی۔

شائستہ بیگم اسے کئی طرح سے سمجھاتی رہی تھیں۔ زندگی کی اونچ نیچ سے آگاہ کرتی رہی تھیں۔ اس رشتے کے حوالے سے اسے سب برداشت کرنے کی تلقین کرتی رہی تھیں۔ وہ آنسو بہاتی سب سنتی رہی مگر دل کچھ بھی ماننے کو تیار نہ تھا۔

ہادیہ آپا اسے پارلر لے گئی تھیں۔ وہیں سے انہیں سیدھا ہوٹل پہنچنا تھا۔ پارلر سے انہیں وقار بھائی نے پک کیا تھا۔ ولیمے کی تقریب کافی شاندار رہی تھی۔ نوشی عفان کے ساتھ کافی خوش لگ رہی تھی۔ اس کی

نگاہ جب بھی نوشی کے چمکتے، مسکراتے چہرے پر پڑی اس کے دل سے اس کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا ضرور نکلی تھی۔ وہ سارا وقت ماما کے ساتھ ہی بیٹھی رہی تھی۔ تایا ابو کی ساری فیملی شامل تھی۔ سوائے طاہرہ کے۔ سارے وقت میں اسے سمعان ایک دو دفعہ ہی نظر آیا تھا۔ ایک دفعہ ڈاکٹر ظفر کے ساتھ تو دوسری دفعہ عفان بھائی کے ہمراہ۔ سعود احمد کی طبیعت کل سے بہتر تھی سو ڈاکٹر نے انہیں کچھ وقت کے لیے ولیمے میں شرکت کی اجازت دے دی تھی۔ جمال ماموں کے ہمراہ وہ وہاں آئے تھے۔ پاپا کے کہنے پر وہ بھی نوشی کے ساتھ اسٹیج پر آ بیٹھی۔

''سمعان کدھر ہے؟ مجھے ملا نہیں..... کیا وہ نہیں آیا؟'' ان کی نگاہیں سارے ہال میں گردش کر رہی تھیں۔ آخر نہ پا کر انہوں نے عثمان بھائی سے پوچھا۔

''باہر ہے بلواتا ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد ہی سمعان چلا آیا تھا۔ بلیک کوٹ سوٹ میں اپنی شخصیت کی تمام تر وجاہت سمیٹے وہ نمایاں تھا۔ چچا سے بڑی گرمجوشی سے ملا تھا۔

وہ نوشی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ سعود احمد انہوں نے ایک طرف ہو کر سمعان کو زرش کے ساتھ بیٹھنے کی جگہ دی تھی۔ اپنی دونوں بیٹیوں کو دیکھ کر ان کے چہرے پر بڑا اطمینان سا تھا۔ پچھلے دو دن جس طرح قیامت خیز تھے ان کے برعکس اس وقت وہ بڑے ہی پرسکون اور مطمئن تھے۔

کھانے کے بعد فوٹو سیشن چلا تو بھی سعود احمد بڑے پرسکون تھے۔

''کیسی طبیعت ہے اب؟'' فوٹو سیشن کے بعد ذرا اسٹیج پر رش کم ہوا تو سمعان نے اسے دیکھا۔

آف وائٹ اور گولڈن کام سے مزین فراک اور پاجامے میں خصوصی آرائش و زیبائش لیے آنکھوں کو کافی خیرہ کن لگ رہی تھی۔ صبح کے برعکس اس وقت کافی کمال لگ رہی تھی۔ سمعان کو تو یہی لگا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس کے دوسری طرف نوشی اور ساتھ ہی عفان تھے۔ باقی سب اردگرد تھے۔ اس وقت اسٹیج پر وہ چاروں ہی تھے۔ سعود احمد جمال ماموں کے سہارے اسٹیج سے اتر کر دیگر مہمانوں سے مل رہے تھے۔

''پیاری لگ رہی ہو۔'' دھیمے لب و لہجے میں کہی گئی اس تعریف پر اس کے رخسار سرخ ہوئے تھے۔ سمعان احمد کے ساتھ رشتہ بدلا تھا۔ وہ لاکھ نہ مانتی مگر یہ اٹل حقیقت تھی جسے اب کوئی جھٹلا نہیں سکتا تھا۔

''ہاتھ کا زخم اب کیسا ہے؟'' سمعان نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ پٹی اب پھر اتر چکی تھی۔ ہاں ٹشو مٹھی میں ضرور دبا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' مختصر جواب تھا۔ اتنے مہمانوں کی نگاہیں ان پر تھیں۔ جواب دینا مجبوری تھی۔

''کیا بات ہو رہی ہے؟'' نوشی نے ان دونوں کو دیکھا تو مسکرا کر پوچھا۔

''تمہاری تعریف کر رہے ہیں۔'' سمعان کے برجستہ انداز پر وہ جھینپی تھی۔

''عفان کے ساتھ جوڑی کافی سیٹ ہے۔''

''نظر نہ لگا دینا۔'' عفان بھائی فوراً بولے تو زرش کے ہونٹ بھی مسکرا اٹھے تھے۔

"میری نظر کسی کو نہیں لگتی۔ بے فکر رہو۔"

"خیر جوڑی تو تم دونوں کی بھی بڑی پرفیکٹ اور پیاری لگ رہی ہے۔ مجھے تو لگ رہا ہے کہ ولیمے کے دولہا دلہن ہم نہیں تم دونوں ہو۔ دیکھ نہیں رہے کیسے سب مہمان صرف تم دونوں کو ہی دیکھ رہے ہیں۔ بے شک یہ ولیمے کی تقریب ہم دونوں کے اعزاز میں ہے۔" عفان بھائی کے تبصرے پر وہ چاروں ہی ہنس دیے تھے۔

"بڑی ہنسی نکل رہی ہے دیور جی۔ خیریت ہے نا۔" ستارہ باجی کہاں چوکنے والی تھیں۔ فوراً سٹیج پر آئی تھیں۔

"آپ کی برائیاں ہو رہی تھیں۔"

"تم سے مجھے اس سے بہتر کی امید بھی نہیں۔" عفان کے چڑانے پر وہ چڑ بھی گئی تھیں۔

"مذاق کر رہے ہیں۔" نوشی فوراً صفائی میں بولی تو ستارہ کے ساتھ عفان اور سمعان دونوں ہی ہنس دیے تھے۔

"جانتی ہوں۔"

"دیکھ لیں۔ کیسی اپنی دیورانی ڈھونڈی ہے۔ ابھی سے آپ کے حق میں ہے۔ ہمارا تو اللہ ہی حافظ ہے۔" عفان کا انداز دہائی دینے والا تھا۔

"تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ ہر طرح کی لگائی بجھائی سے پاک دیورانی ہے میری۔ ایسی کوئی اور لڑکی کہیں سے ڈھونڈ کر لاتے۔"

"ہاں تو اسی لیے فوراً شادی کروالی ہے۔" ان دونوں کی نوک جھوک سے زرش مسکراتی رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد پاپا ماموں کے ساتھ واپس ہاسپٹل چلے گئے تھے۔ رات بارہ بجے کے قریب مہمان رخصت ہونا شروع ہو گئے۔ نوشی اور عفان نے رسم کے تحت شائستہ بیگم کے ساتھ جانا تھا۔ تایا کی فیملی بھی جانے کو تیار تھی۔

"چلو زرش بھائی صاحب انتظار کر رہے ہیں۔ رات کافی ہو رہی ہے۔ اب چلنا چاہیے۔"

"مگر مجھے ادھر نہیں جانا۔" جھکے سر سے اس نے سختی سے انکار کیا تو شائستہ بیگم نے اسے بغور دیکھا۔

"شادی کے بعد سسرال کا گھر ہی اس کا اصل گھر ہوتا ہے۔ ولیمے کی ابھی کوئی باقاعدہ رسم نہیں ہوئی تب تک تمہیں ادھر ہی رہنا ہوگا۔" انہوں نے سمجھانا چاہا تھا۔

"آپ منع کر دیں۔ وہ چلے جائیں میں ادھر نہیں جاؤں گی۔"

"زرش! بچوں والی باتیں مت کرو۔ میں نے تمہیں کتنا سمجھایا ہے پھر وہی بات....."

"آپ مجھے مجبور مت کریں پلیز ماما۔" اس نے التجائیہ آنکھوں سے شائستہ کو دیکھا۔

"کیا مسئلہ ہے شائستہ اور یہ زرش کیوں رو رہی ہے؟ کیا ہوا ہے زری بیٹا؟" تایا ابو چلے آئے تھے۔

"کچھ نہیں میں بس زرش کو لے کر آنے ہی والی تھی؟" انہوں نے ٹالا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گی ماما! آپ مجھے مجبور مت کریں۔" آنکھیں صاف کر کے اس نے ادھی

آواز میں کہا تو سعید احمد نے اسے دیکھا۔

زرش رو رہی تھی۔ انہیں بظاہر کوئی اعتراض نہ تھا مگر اب زرش کا انداز دیکھ کر وہ چونکے تھے۔

"تو کیا زرش ابھی تک راضی نہیں ہوئی؟" فرح علی اور باقی سب کے ساتھ زرش کا رویہ بڑا سرد سا تھا۔ اس سارے عرصے میں وہ دیکھ کر بھی نظر انداز کر گئے تھے مگر اب سب واضح تھا۔

"بھائی صاحب! آپ بے فکر رہیں۔ زرش آپ کے ساتھ جائے گی۔" انہوں نے زرش کے ضدی لہجے کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

"ماما میں اس شادی کے لیے مجبور تھی مگر اب مجھے کوئی مجبوری نہیں۔ پلیز مجھے زبردستی مت بھیجیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔" اس کا انکار نہیں بدلا تھا۔

"ٹھیک ہے شائستہ! زرش کو مت مجبور کرو۔ ابھی وہیں چلی جائے۔ بعد میں کل میں آ کر لے جاؤں گا۔ اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ ماں باپ کے گھروں میں بیٹیاں تو آتی جاتی رہتی ہیں۔" تایا ابو نے بروقت مداخلت کر کے بات کو یکسر غیر اہم قرار دے دیا تھا مگر شائستہ بیگم کو تشویش لاحق ہو گئی تھی۔ اس وقت ان کے نزدیک زرش صرف جذباتی ہو رہی تھی اور کچھ بھی نہیں تھا۔ زرش کو وہ رخصت کر چکے تھے۔ اب زرش کی یہ ضد انہیں وہم میں مبتلا کر رہی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے بھائی صاحب مگر سمعان....."

"سمعان انکار نہیں کرے گا۔ زرش بیٹا جاؤ ماما کے ساتھ۔ کل ان شاء اللہ لینے آؤں گا۔" انہوں نے اجازت دینے کے ساتھ ساتھ اپنے آئندہ ارادے سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

زرش نے ایک گہرا اطمینان بھرا سانس لیا تھا۔ وہ بس ایک دفعہ اپنے گھر جانا چاہتی تھی۔ بعد کے حالات میں کیا ہوتا ہے۔ وہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ اس کے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ اسے ابھی اس گھر میں جانا نہیں پڑے گا۔

وہ انتہائی غصے سے گھر سے نکلا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو اس وقت؟" زبیدہ بیگم اس کے تیوروں سے دہل گئی تھیں۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ اب وہ کہاں جا رہا تھا۔ اس وقت حمید صاحب بھی نہیں تھے۔ وہ ہوتے تو شاید بات اتنی نہ بڑھتی۔ رضا کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے کہ وہ کچھ اخذ نہ کر پا رہی تھیں۔

"کہیں بھی، آپ جا کر سو جائیں۔ آ جاؤں گا میں۔" کھلے دروازے سے اس نے بائیک باہر نکالی تھی۔

"رضا..... رکو تو....." انہوں نے کئی آوازیں دی تھیں مگر لگتا تھا کہ وہ اپنے کان بند کر چکا ہے۔

"دروازہ بند کر لیں۔" زن سے وہ گاڑی بھگا لے گیا تھا۔ زبیدہ بیگم کا دل لرزنے لگا تھا۔ رضا کے تیور انتہائی بڑے خطرناک لگ رہے تھے۔

"نجانے اب کیا کرنے والا ہے یہ لڑکا؟" دروازہ بند کر کے وہ اندر چلی آئی تھیں۔ انہیں رہ رہ کر یاد آ

رہا تھا کہ رضا کے غصے سے کمرے میں چل دینے پر انہوں نے جب رمشاء کو ٹھنڈا کرنا چاہا تو وہ بھی پیر پاؤں پٹختی اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

''وہ آپ کا بیٹا ہے ناں میں تو پھر غیر ہوں۔ وہ کچھ بھی کرے آپ کے لیے وہ بیٹا ہی رہے گا خامی نظر ہی نہ آئے گی مگر میں جانتی ہوں وہ نویرہ کے ساتھ مل کر کیا کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔ میں اپنے کوئی بھی زیادتی نہیں ہونے دوں گی۔ سمجھا دیجیے گا اسے بھی۔ اگر اس نے نویرہ کا نام بھی لیا تو میں سب اگل دوں گی۔ اس سارے خاندان کو بتا دوں گی کہ یہ نیک پروین کیا ہے.....'' نفرت سے کہتی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ رضا کے کمرے میں اسے سمجھانے کی نیت سے آئیں تو وہ کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔

''آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں یا نہیں؟'' وہ بڑے غصے سے کسی سے مخاطب تھا۔

''آپ ہی کا فائدہ ہے ظاہر ہے۔'' اس کا انداز طنزیہ تھا۔ ''نہیں کچھ چیزیں پہنچانی ہیں آپ کو۔ ابھی اسی وقت.....کل صبح اگر مل لیں تو.....ٹھیک ہے میں آجاتا ہوں۔'' وہ فون بند کر کے سیدھا ہوا تو ماں کو دروازے میں کھڑے دیکھ کر ٹھٹکا۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

دراز سے لفافہ نکال کر وہ تصویریں اس میں ڈال رہا تھا۔ ایک تصویر نیچے گری تو ان کی نگاہ پڑی۔ بنی نویرہ کی تصویر تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ جھک کر تصویر اٹھا چکا تھا۔ تصویر لفافے میں ڈال کر اس نے شاپر میں ڈائری اور لفافہ دونوں ڈالے تھے۔

''رضا میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔'' وہ بالکل چپ تھا۔ وہ غصے سے پھٹ پڑی تھیں۔

''کچھ نہیں ہے۔'' تنفر بھرا انداز تھا۔ وہ ہکا بکا رہ گئیں۔ رضا نے ان سے کبھی اس انداز میں کلام نہیں کیا تھا۔

وہ بائیک کی چابی لے کر کمرے سے نکلا تو وہ بھی پیچھے پیچھے آئی تھیں۔

''رکو تو..... بتاؤ تو سہی..... کیا کرنے والے ہو تم؟'' وہ پوچھ رہی تھیں مگر وہ کچھ بھی بتائے بغیر گیا تھا۔ اس وقت وہ بیٹھی رو رہی تھیں۔ رمشاء اگر ضدی تھی تو وہ ضدی ترین تھا۔ انہیں رہ رہ کر نویرہ کی تصویر یاد آ رہی تھی۔

''ہائے اللہ کہیں یہ نویرہ کے ہاں تو نہیں چلا گیا۔'' ''یا اللہ خیر رکھنا۔ پتا نہیں کیا ارادے ہیں اس لڑکی کے۔ ایک ہی اولاد دی وہ بھی آزمائش بنا رہا ہے۔ کیا کروں میں؟ کس کو بتاؤں؟ باپ دوسرے شہر میں ہے۔ کسی کا ڈر خوف نہیں۔ باپ کو پتا چلا تو مجھے تو لمحوں میں بے حیثیت کر دے گا۔'' ان کا رونا کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اب کے دل کو جو خوف لاحق ہوا تھا۔ اس نے ان کا قرار سکون سب لوٹ لیا تھا۔ شوہر کی بازپرس سب پر حاوی تھی۔

''یا اللہ رضا کو ہدایت دے۔'' وہ شدت سے روئی تھیں۔

روتے روتے اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں۔

شارق زمان تو اپنا فیصلہ سنا کر جا چکا تھا اور وہ اپنی نظروں میں ہی گر گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے.....اسی گھر میں رہ کر فیصلے کی اس گھڑی کا انتظار کرے جس گھڑی کا وہ صبح کہہ کر گیا تھا یا پھر چپ چاپ اماں کے ہاں چلی جائے۔

دل و دماغ میں اک جنگ سی چھڑ چکی تھی۔ کوئی فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ ایک دم ذہن نے راہ دکھائی تو اس نے موبائل اٹھا لیا۔

رضا نے اگر یہ سب کیا تھا تو کیوں؟ اسے پوچھنا چاہیے تھا۔ اسے آزمائش میں دھکیلنے والا اگر وہ تھا تو وجہ بھی دریافت کرنا اس کا حق تھا۔

''ہیلو۔''

''رضا!'' دوسری طرف رضا ہی تھا۔ نویرہ کو رونا آنے لگا۔ اس کو اس نے کیا سمجھا تھا۔ اک چھوٹا سا بھائی سمجھتی رہی تھی اور یہ شخص کیا نکلا تھا۔ اس کے ذہن میں رات پڑھے جانے والے الفاظ گھوم گئے تھے۔

''نویرہ! میری روح ہے۔ وہ جانتی ہی نہیں۔ اس دل میں اس کا کیا مقام ہے؟ قسمت کیوں نہیں مجھ پر مہربان ہو رہی ہے۔ کاش مجھے موقع ملے میں قسمت سے لڑ کر اسے جیت لوں۔ اسے بتاؤں کوئی اس کے لیے کتنا پاگل ہو رہا ہے۔ وہ کیوں نہیں سمجھتی.....؟ کیوں میرے سامنے آ کر مجھے آزماتی ہے.....؟ اسے میری تڑپ، میری لگن کا اندازہ کیوں نہیں ہو رہا..... کیوں نہیں؟''

اور اب اس کی آواز سن کر اس کے اندر شدید نقصان کا احساس اجاگر ہو گیا تھا۔

''نویرہ۔'' وہ حیرت زدہ تھا یا گم صم.....

''تم اس وقت میرے گھر آ سکتے ہو؟'' اپنے جذبات پر قابو پاتے ہی اس نے کہا۔

''اس وقت.....؟'' صبح کے دس بج رہے تھے۔

''ہاں فوراً۔''

''اوکے میں آتا ہوں۔''

''میں انتظار کر رہی ہوں۔'' موبائل بند کر کے وہ پھر رو رہی تھی۔ وہ آج کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور پھر اماں اندر داخل ہوئی تھیں۔

''نویرہ! کیا بات ہے؟ تم آج باہر کیوں نہیں نکلی؟'' ان کی نگاہ اندھیرے کی وجہ سے اس کے آنسوؤں پر نہیں پڑی تھی ورنہ ضرور ٹھٹکتیں۔ انہوں نے لائٹ آن کی تو پہلی نگاہ نویرہ کو دیکھ کر وہ ساکت ہو گئی تھیں۔

''نویرہ.....کیا ہوا ہے؟'' وہ گھبرا کر اس کے پاس ہی بستر پر آ بیٹھیں۔ ''کیا بات ہے؟ جلدی بولو..... میرا دل بند ہو جائے گا۔'' ان کا گھبراہٹ سے بی پی شوٹ کرنے لگا تھا۔

''بڑی اماں!'' وہ شدت سے روتی ان سے لپٹ گئی تھی۔

''نویرہ! میرا دل بند ہونے لگا ہے۔ میری بچی بتاؤ کیا بات ہے؟''

"اماں! سب ختم ہو گیا ہے کچھ بھی نہیں رہا۔"

"کچھ بتاؤ بھی تو....."

روتے ہوئے اس نے وہ سب کہہ سنایا۔ اماں پر گویا سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

"رضا نے یہ کیا کر ڈالا اور شارق..... اس کی عقل کیا گھاس چرنے چلی گئی ہے؟ کیا وہ تمہیں جانتا نہیں جو یہ بہتان لگا رہا ہے۔"

"اماں خدا گواہ ہے مجھے کبھی اندازہ ہی نہ ہوا کہ رضا میرے متعلق ایسا بھی سوچتا ہے۔ میں نے تو اسے ہمیشہ نبیل بھائی کی ہی طرح سمجھا تھا۔ غلطی میری صرف اتنی ہے کہ میں اس کے دل کی برائی نہ دیکھ سکی تھی۔"

"بہت برا ہوا یہ سب.....؟ شارق کو یہ سب پتا کیسے چلا؟"

"پتا نہیں۔ ہو سکتا ہے رضا نے ہی بتایا ہو۔" نویرہ نے اپنے آنسو صاف کیے۔ "تم مجھے رات بتاتی۔ ناحق اپنی جان پر اتنا بڑا ظلم سہا۔ صبح سے رو رہی ہو۔ اکیلی پڑی سہہ رہی ہو۔ اٹھو باہر چل کر کچھ کھاؤ پیو اس طرح تو مر جاؤ گی۔"

"میرے کردار پر انگلی اٹھ رہی ہے اماں! اور وہ کوئی اور نہیں میرا اپنا شوہر میرے خلاف بول رہا ہے۔ شارق کبھی میرا کردار دیکھ کر مجھے باکردار کہنے والا اب مجھے بدکردار کہہ رہا ہے۔ ایک عورت کا دکھ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟ وہ تو فیصلے تک کی بات کر گیا ہے اور میں..... میں تو مر بھی نہیں سکتی۔"

"ہائے میری بچی!" اماں نے اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ ان کے آنسو بھی بہہ نکلے تھے۔ تھوڑی دیر بعد شاکرہ نے بتایا کہ رضا آیا ہے۔

"یہ کیوں آیا ہے اب؟"

"میں نے بلوایا ہے؟ پوچھوں تو سہی کیا برائی کی تھی میں نے اس کے ساتھ جو وہ میرے ساتھ یہ کھیلنے والا ہے۔"

اماں کے ساتھ وہ باہر نکل آئی تھی۔ رضا صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے اور اماں کو آتے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ نے بلوایا۔؟" نویرہ نے کیوں بلوایا تھا۔ وہ جانتا تو تھا ہی مگر پوچھنے کی دیر تھی۔ نویرہ نے ہاتھ میں پکڑی تصویریں اور ڈائری کھینچ کر اس کے منہ پر دے ماری تھیں۔

"یہ کیا ڈرامہ ہے؟" وہ غصے سے پھنکاری تو اماں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"دھیرے سے۔ غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔ سکون سے بیٹھ کر بات کرو۔" انہوں نے اسے صوفے پر بٹھانا چاہا تو وہ پھٹ پڑی۔

"نہیں سکون ہو رہا مجھ سے۔ میرے کردار کو مشکوک بنا دیا ہے اس شخص نے۔ بولو کوئی ہے جواب تمہارے پاس' جواب دو۔ کیوں کیا تم نے یہ سب؟ یہ تمہاری چیزیں تھیں۔ تم نے شارق کو کیوں بھیجا کیا؟" وہ پوچھ رہی تھی اور وہ سر جھکا کر کھڑا تھا۔ اس کی خاموشی اسے مجرم قرار دے رہی تھی۔ نویرہ

دوئم

ایک دم آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑا تھا۔

"شارق کے پاس یہ کیسے پہنچیں؟ بولو؟"

"رات میری ان سے ملاقات ہوئی تو....."

"کمینے ذلیل۔ تم نے میری محبت کو غلط رنگ دیا۔" اس نے کھینچ کھینچ کر اس کے دونوں گالوں پر تھپڑ مارے تھے۔

"چٹاخ..... چٹاخ....."

وہ پھر بھی سر جھکائے کھڑا رہا تھا۔

"نویرہ....." اماں دہل اٹھی تھیں۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا؟" اس کا گریبان جھنجوڑتے وہ شدت سے روئی تو اماں نے اس کے ہاتھوں سے رضا کی قمیص چھڑا کے اسے بازوؤں سمیت لیا۔ وہ تو بکھر ہی گئی تھی۔

"اماں! پوچھیں اس سے کیوں کیا اس نے ایسا؟ میں نے تو اس کو کبھی نبیل بھائی سے کم نہ سمجھا تھا۔ یہ مجھے برائی کی نظر سے دیکھتا رہا اور میں کم عقل سمجھ ہی نہ پائی۔ مجھے شارق کی برائی نظر آ گئی اور..... اور اس کو میں نے کم عمر چچازاد سمجھ کر ہمیشہ پیار دیا۔ چھوٹے بھائیوں والا دوستوں کی طرح ٹریٹ کیا اور یہ میرے سامنے مجھے گندی سوچ لیے گندی نظروں سے دیکھتا رہا۔"

"پلیز! آپ مجھے گندی سوچ کا طعنہ نہ دیں۔ میں نے کبھی آپ کو غلط نگاہ سے نہیں دیکھا۔" اس نے پہلی دفعہ سر اٹھا کر نویرہ سے کہا۔

"شٹ اپ۔ اس سے بڑھ کر اور سوچ کی غلاظت کیا ہو گی کہ تم نے شارق کو یہ سب دیا۔"

"وہ آپ کے قابل نہیں۔ جو شخص آپ کے قابل نہیں۔ وہ آپ کے ساتھ کیوں رہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے یہ کرنے میں دیر ہو گئی اگر مجھے علم ہوتا تو یہ سب بہت پہلے کر لیتا۔" ادھر ذرا بھی شرمندگی نہ تھی۔

"اماں نے تاسف سے اسے دیکھا۔ نویرہ نے غم و غصے سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ وہ میرے قابل نہیں اور تم کون ہوتے ہو یہ فیصلہ کرنے والے۔" نویرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا خوبرو منہ نوچ لے۔

"انہوں نے آپ کے ساتھ جو کیا میں سب جانتا ہوں۔ انہوں نے کیسے نواز بھائی کو بھگا کر آپ سے زبردستی شادی کی۔ مجھے سب علم ہے۔"

نویرہ اس انکشاف پر حیرت زدہ رہ گئی۔

"کیسے علم ہوا تمہیں؟"

"جیسے بھی مگر اب یہ طے ہے اگر آپ کی شادی نواز بھائی یا کسی سے بھی ہوتی میں برداشت کر لیتا لیکن اب نہیں۔"

"بکواس بند کرو۔" وہ غصے سے پھر چیخ اٹھی تھی۔

"تم جتنے گھٹیا انسان ہو میں نے ایسا انسان زندگی بھر نہیں دیکھا۔ شارق نے اگر میرے ساتھ برائی کی بھی تھی تو اس نے تلافی کی کوشش بھی کر دی تھی اور تم..... مجھے یقین نہیں آ رہا۔ تمہاری سوچ کی گراوٹ اس حد تک بھی ہو سکتی ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ شاید یہ سب غلط ہو۔ شارق کو غلط فہمی ہو گئی ہو۔ غلطی سے یہ چیزیں اس کے ہاتھ لگ گئی ہوں مگر نہیں....." وہ تاسف سے سر ہلانے لگی تھی۔

"رضا! تم نے اچھا نہیں کیا۔ تمہیں پتا بھی نہیں شارق کس سوچ کا مالک ہے اس نے نویرہ سے شادی ہی اس لیے کی تھی کہ اسے نویرہ کا کردار پسند آیا تھا اور تو نے یہ چیزیں دے کر نویرہ کے خلاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذرا بھی خیال نہ آیا۔ خاندان بھر میں عزت کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔ کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا۔" اماں آبدیدہ ہو گئی تھیں۔ رضا نے سر جھکا لیا۔

"میں نے ان کی عزت ہمیشہ کی ہے۔ کبھی ان کی ذلت کا نہیں سوچا۔ میں نے ہمیشہ ان سے محبت کی ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" اس کا انداز بڑا مطمئن تھا۔ نویرہ گم صم اسے دیکھے گئی۔ رضا کو ذرا بھی شرمندگی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اسے ذلت کی گہرائیوں میں دھکیل کر وہ کیسا مطمئن تھا۔ اس کی آنکھوں میں کیا اٹل پن تھا۔

"جن کی عزت کرتے ہیں ان کو یوں ذلیل نہیں کرتے۔" اماں بھی تاسف سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"تمہیں اندازہ ہی نہیں تم کیا کر چکے ہو..... شارق اب کس حد تک جا سکتا ہے وہ نویرہ کو چھوڑ بھی سکتا ہے۔ مرد یہ نہیں دیکھتا اس کا اپنا کردار کیا ہے..... اسے بس عورت ہر طرح سے پاک صاف چاہیے اور تم نے نویرہ کو اس کی نظروں سے گرانے کی کوشش کر کے اچھا نہیں کیا۔"

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں نے شارق بھائی کو ان کے متعلق بالکل سچ بتایا ہے کہ انہوں نے کبھی میری حوصلہ افزائی نہیں کی اور اس ڈائری میں میں نے ایسا کچھ بھی نہیں لکھا کہ کوئی ان کے کردار پر انگلی اٹھائے۔ اپنے جذبات کو اپنی غلطی کہا ہے۔ اب یہ ان کی ذہنی اختراع ہے۔ وہ کس رنگ میں بات کو لیتے ہیں....." وہ اب بھی مطمئن تھا۔ نویرہ کا دل ڈوبنے لگا۔

"وہ اب نویرہ کو نہیں رکھنے والا۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھ رہے۔" اماں نے دہائی دی تھی۔

"انہیں ایسے مرد کے ساتھ رہنا بھی نہیں چاہیے جو کسی اور کی باتوں میں آ کر ان کو چھوڑنے کی بات کرے۔"

"رضا!" وہ اماں کے حصار سے نکل کر غصے سے اس کی طرف بڑھی تھی۔ "نکل جاؤ یہاں سے۔ تمہارے گھٹیا پن کا اندازہ مجھے ہو گیا ہے۔ دفعہ ہو جاؤ۔ اب تم کبھی اپنی شکل نہ دکھانا۔ یہ نہ ہو میں نفرت سے تم پر تھوک دوں۔" اس کے لب و لہجے میں رضا کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔ پہلی دفعہ رضا کے چہرے کا اطمینان رخصت ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر سایہ سا آ کر گزر گیا تھا۔

"میں نے آپ سے حقیقی، سچی محبت کی ہے نویرہ۔" پہلی دفعہ اس نے نویرہ کو پکارا تھا (اس کا نام لے کر)۔ نویرہ ششدر رہ گئی تھی۔ اس کا ہاتھ ایک بار پھر پوری طاقت سے اس کے چہرے پر اٹھا تھا۔

"دفع ہو جاؤ۔ مجھے کبھی اپنی شکل نہ دکھانا۔ تم میں رشتوں کا تقدس و انسانیت مر گئی ہے تمہاری آنکھوں

میں ایک پل میں ہی میں نے وہ غلاظت دیکھی ہے جو آج تک مجھے دکھائی نہ دی۔ کاش یہ غلاظت مجھے پہلے ہی نظر آ جاتی۔ دفعہ ہو جاؤ۔ نکل جاؤ....."

اب کی بار اس نے اپنے ہاتھوں سے اسے باہر کی طرف دھکیلا تھا۔

❁.....❁.....❁

اگلے دن عصر کے بعد بھائی بھابی اور تایا ابو اسے لینے کو آ گئے تھے۔ شائستہ بیگم ہاسپٹل گئی ہوئی تھیں۔ پھپھو صبح گھر چلی گئی تھیں۔ دور و نزدیک کے سب ہی مہمان کل اور صبح تک اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو چکے تھے۔ اس وقت گھر میں وہ تینوں بیٹوں کے علاوہ عفان اور وقار بھائی ہی تھے۔ ان لوگوں نے آتے ہی اپنی آمد کا مقصد واضح کر دیا تھا۔ زرش جو کل رات سے یہاں آ کر پرسکون تھی کہ اب ادھر جانے کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ ایک بار پھر ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

اسے ادھر نہیں جانا۔ یہ طے تھا مگر ان لوگوں کو کیسے سمجھائے..... ہادیہ آپا تو ان لوگوں کے آتے ہی یاسمین کے ساتھ مل کر کھانے پینے کا انتظام کرنے لگ گئی تھیں۔

نوشی نے اسے تیار ہونے کا کہا تو وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ ابھی وہ اسی شش و پنج میں تھی کہ ایسا کیا کرے کہ اسے انکار بھی نہ کرنا پڑے اور یہ سب لوگ بھی سمجھ جائیں۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟" زوباریہ بھابی کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ "زرش! ناراض ہو؟" اس کی خاموشی پر وہ اس کے پاس ہی بستر پر آ بیٹھی تھیں۔ "چلو دوسروں سے تمہیں گلے ہو سکتے ہیں مگر مجھ سے کس بات کی ناراضگی میں تو تم دونوں بہنوں کی شادی میں شرکت کو ہی آئی تھی وہ اور بات تھی کہ تمہاری شادی سعد کی بجائے سمعان سے ہو گئی۔"

"نام نہ لیں میرے سامنے اس شخص کا۔" اس کا اشارہ سعد کی طرف تھا۔

"دیکھو حالات کا یہی تقاضا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بہت کچھ بگڑ جاتا۔ کیا تم چچا جان کو موت کی طرف جاتے برداشت کر لیتیں؟" انہوں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ سسک اٹھی۔

"بس یہی بات تھی جس نے مجھے مجبور کیا ورنہ بھابی میں نے قسم کھائی تھی۔ میں دوبارہ اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گی جس گھر میں مجھے ذلیل و خوار کیا گیا تھا۔ میرا کیا قصور تھا بھابی.....؟ مجھے سزا کیوں دی گئی؟ تائی امی کا ماما، پاپا سے جو بھی اختلاف تھا وہ ان سے بغض رکھتیں۔ جب ان کو علم تھا کہ میں کیا سوچتی ہوں ان لوگوں سے متعلق میرے جذبات کیا ہیں تو پھر انہوں نے وہ سارا کھیل کیوں رچایا؟ مجھے خاندان بھر میں بدنام کیا۔ ماما پاپا کو اس قدر مجبور کیا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سعد کا رشتہ قبول کرنے پر راضی ہوئے تھے اور یہ اس قدر عجلت میں شادی.....؟ یہ سارا نقصان تو میرے حصے میں آیا۔ سعد نے انکار کیا اور پھپھو نے زبردستی کرنا چاہی۔ آپ کو تو شاید یہ بھی علم نہ ہو کہ سعد اصل میں فرح کو پسند کرتا تھا۔ اس نے یہ خط میرے نام فرح کے ذریعے بھجوایا تھا۔ میرا تو اعتبار ہی اٹھ گیا ہے ان رشتوں سے۔ فرح کو میں نے ان حالات میں بھی نوشی سے کم اہمیت نہ دی تھی اور اس نے اس موڑ پر آ کر میرا اعتبار مجروح کیا پھر بھی سب کہیں کہ میرا ردعمل محض جذباتیت ہیں تو..... جذباتیت ہی سہی مگر یہ طے ہے اب اس گھر میں مجھے نہیں

جانا۔" اس نے دراز سے خط نکال کر انہیں تھما دیا تھا۔ یہ خط اس کے اور فرح نوشی کے علاوہ ماما نے بھی پڑھا تھا اور اب بھابی پڑھ رہی تھیں۔ بھابی نے خط پڑھ کر اسے دیکھا وہ اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔

"اب یہ تو سب ہو چکا ہے۔ جو کچھ سہنا تھا وہ تو سہہ لیا۔ اب حالات نے یہ سب رنجشیں درست کرنے کی راہ دکھائی ہے تو پھر تم بھی اپنا حصہ ڈالو اس میں۔ ماضی پر ماتم کرتے رہنا کیا عقل مندی ہے۔ اگر لوگ غلط یا برے تھے تو تمہیں اب اپنا ظرف بڑا کرنا ہوگا۔ گھر بسانے کے لیے بہت سی قربانیاں دینا ہوتی ہیں زرش۔" انہوں نے اسے جذباتی سہارا دینے کو سمجھایا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"نہیں بھابی! اب اور نہیں۔ میں اپنے حصے کی قربانیاں دے چکی ہوں۔ میں کم عقل تھی مگر اب نہیں۔ یہاں گھر بسانے سے کوئی سروکار نہیں۔ گھر تو تب بسے گا جب تائی خود آ کر اپنی غلطی کا اعتراف کریں گی۔ مجھے صرف تایا بیاہ کر لے گئے ہیں۔ میری ذات پر لگے الزام نہیں ختم ہوئے بلکہ تائی کے لگائے گئے الزامات کی تصدیق ہوئی کہ میں سمعان احمد کے ساتھ انوالو تھی۔ میں نے سارے فنکشن میں بہت سے لوگوں کی آنکھوں میں لکھی یہ تحریریں پڑھی ہیں۔ اس گھر میں اب قدم تب ہی رکھوں گی جب تائی اپنے سارے الزام قبول کریں گی۔ اپنے غلط رویے کی معافی ماما پاپا سے مانگیں گی ورنہ زندگی گزر رہی ہے گزر ہی جائے گی..... مگر یہ طے ہے اب اس گھر میں نہیں جانا۔"

زوباریہ نے حیران ہو کر اٹل ارادوں کی مالک زرش کو دیکھا۔

"اور سمعان احمد اس سارے قصے میں اس کا کیا قصور ہے؟ جتنی تم قصوروار تھیں اتنا ہی وہ بھی ہے۔ اس کے بارے میں بھی سوچو....."

"یہ جو کچھ بھی ہوا ہے اب تک ان کا سراسر قصوروار میں انہیں ہی ٹھہراؤں گی۔ ان کی ذات سے متعلق مجھے جب انکشاف ہوا تو میں نے اپنے قدم روک لیے تھے مگر انہیں محبت سوجھی ہوئی تھی۔ انہوں نے اتنے دعوے کیے عمر بھر ساتھ دینے' عزت وقار دینے کی بات کی تب بھی میں نہیں مانی تھی۔ یہ ان ہی کا قصور ہے۔ اس دن اگر وہ مجھے نہ روکتے اور میں اس قدر جذباتی نہ ہوتی تو کیا مجال تھی ان کی' خالہ کی..... کہ وہ ڈرامہ تشکیل دیتیں۔ اگر دیا بھی تھا تو وہ کامیاب بھی ہوتا۔ اور بات یہاں تک ہی رہتی تو میں سمجھ لیتی کہ میری طرح وہ بھی ماں اور خالہ کی سازش کا شکار ہو گئے۔ اگر سعد کا یہ قصہ نہ ہوتا اور سعد یوں پاکستان آ کر واپس نہ جاتا۔ نہیں کیسے مان لوں کہ وہ بے قصور ہیں کیا یہ غلط ہے کہ وہ سعد جمال سے ملتے رہے تھے۔ وجہ کوئی بھی ہو وہ ملتے تو رہے تھے نا۔ وہ سعد کو راضی کرتے انہیں تو موقع ملا تھا مگر افسوس وہ مجھے حاصل کر کے بھی کچھ حاصل نہیں کر پائیں گے۔"

زوباریہ کو بہت سی باتوں کا قطعی علم نہ تھا۔ وہ سمعان کے حق میں کچھ بھی نہ کہہ سکی تھیں۔

"چلیں میں سب برداشت کر لیتی ہوں مگر سعد کے انکار کے بعد یہ سمعان احمد ہی کیوں تھے..... کیا دنیا میں اور لڑکے مر گئے تھے؟ کوئی بھی ہو سکتا تھا..... میں خوشی سے قبول کر لیتی مگر انہوں نے مجھ سے شادی کیوں کی؟"

"عثمان بتا رہے تھے کہ جب چچا جان کی کنڈیشن بہت خراب ہو گئی تھی اور ہوش میں آنے کے بعد

انہوں نے تمہاری طرف سے پوچھا تو پاپا نے انہیں سب ٹھیک ہو گیا ہے کہہ کر تسلی دی تھی۔ تب انہوں نے یہ فیصلہ کیا تو چچا جان رو پڑے تھے۔ سمعان احمد سے بات کی تو اس نے انکار کر دیا تھا۔ وہ تو راضی ہی نہ تھا اگر پاپا اسے دھمکی نہ دیتے۔"

"کیسی دھمکی.....؟" اس کے پوچھنے پر انہوں نے نگاہیں چرا لی تھیں۔

"انہوں نے تمہارے لیے علی کو منتخب کیا تھا۔"

"کیا.....؟" وہ منہ پر ہاتھ رکھے ہکا بکا رہ گئی تھی۔ "اوہ مائی گاڈ۔"

"ساتھ میں پاپا نے یہ بھی دھمکی دی تھی کہ اگر علی انکار کرے گا تو وہ عثمان سے کہیں گے۔"

"بس کریں بھابی بس۔" وہ ایک دم رو دی تھی۔ کانوں پر ہاتھ رکھے۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تایا ابو ایسا بھی کر سکتے ہیں۔" وہ بے یقین تھی۔

"مجبوراً سمعان کو راضی ہونا پڑا تھا۔ پاپا بھی غلط نہ تھے۔ ان کے سامنے اجڑتی بھتیجی اور موت کے منہ میں جاتا بھائی تھا۔ انہوں نے جو بھی طریقہ آزمایا محض تمہاری بھلائی کے لیے تھا۔ بعد میں انہوں نے عثمان سے سوری کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اگر وہ سمعان کو اس طرح جذباتی نہ کرتے تو وہ کبھی راضی نہ ہوتا۔" یہ دھمکی صرف سمعان کو راضی کرنے کے لیے تھی۔

وہ گھٹنوں میں سر دیے روتی رہی تھی۔

"سمعان کا صرف اتنا قصور ہے کہ اس نے تم سے محبت کی تھی۔ یہ تم دونوں کی بدقسمتی تھی کہ ماما نے وہ سارا ڈرامہ کیا مگر اب تو یہ سب ہو چکا ہے۔ تمہیں اب بڑے حوصلے سے یہ سب فیس کرنا ہے۔ رشتے بہت نازک ہوتے ہیں۔ جذباتیت سے صرف نقصان ہوتا ہے۔" انہوں نے اسے ساتھ لگا کر سمجھایا تھا۔

"نہیں بھابی! اس سلسلے میں اب کمپرومائز نہیں ہوگا۔ میں اب اس گھر میں نہیں جاؤں گی اور ایک الزام لے کر ساری زندگی سمعان احمد کے ساتھ بھی نہیں گزاروں گی۔ یا تو تائی کو سارے خاندان کے سامنے اپنے لگائے گئے بہتان کا اقرار کرنا ہوگا اور ماما پاپا سے معافی مانگنا ہوگی یا پھر آپ لوگ اس رشتے کو بھول جائیں۔ یہ طے ہے اب کچھ بھی ہو جائے میں اس گھر میں نہیں جاؤں گی۔"

اب کہنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔ بھابی چپ چاپ اسے دیکھے گئیں۔ وہ اپنی سی پوری کوشش کر چکی تھیں۔

وہ لوگ زرش کے بغیر واپس آئے تھے۔ فرح اور علی جو شدت سے زرش کے منتظر تھے۔ صرف بھائی بھابی اور باپ کو آتے دیکھ کر گم صم ہو گئے تھے۔

"تو کیا زرش نہیں آئی؟" ان کے اندر دکھ کی لہر سرایت کرتی گئی۔ سمعان نے دونوں بہن بھائیوں کو دیکھا۔

جب سے ابو وغیرہ چچا کے ہاں گئے تھے۔ وہ دونوں کتنے پرجوش تھے۔ سمعان کے کمرے کو کیسے انہوں نے سنوارا تھا۔ سارے کمرے میں پھول بچھائے تھے۔ اب ان کے چہرے بجھ گئے تھے۔ دوسری طرف طاہرہ بیگم ان کو تنہا آتے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ ان کے اندر اطمینان سرایت کر گیا تھا۔ انہیں اندازہ تھا کہ زرش ضدی و جذباتی ہے۔ وہ نہیں آئے گی مگر جس طرح یہ شادی ہوئی تھی اندر سے وہ خوفزدہ بھی

تھیں کہ وہ آ جائے۔

''بھابی! زرش کیوں نہیں آئی؟'' فرح ابو کے کہنے پر چائے بنانے آئی تھی۔ بھابی پیچھے ہی چلی آئی تھی۔

''وہ آنا نہیں چاہتی۔ اس نے آنے سے انکار کر دیا ہے۔''

''کیوں.....؟ شادی تو ہو چکی ہے.....اب انکار کی وجہ.....؟''

''یہ شادی جن حالات میں ہوئی ہے۔ اس سے تم انکار نہیں کرو گی۔''

''چچی جان نے کچھ نہیں کہا؟''

''کہا ہو گا۔'' انہوں نے دھیرے دھیرے اسے ساری بات کہہ سنائی۔ آخر میں زرش کی رکھی گئی شرط سمیت۔

''امی کبھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کریں گی۔ وہ کبھی چچا اور چچی سے معافی نہیں مانگیں گی اور زرش جتنی ضدی ہے وہ کبھی اپنی ضد نہیں توڑے گی۔''

وہ متفکر ہو گئی تھیں۔

زوباریہ بھابی نے زرش سے تفصیلی بات کرنے کے بعد اور اس کا جواب پا کر علیحدہ جا کر سعید احمد کو سب کہہ دیا تھا۔ انہوں نے پھر زرش کو اپنے ساتھ چلنے کی بات نہیں کی تھی بلکہ مغرب کے بعد چچی ہاسپٹل سے گھر آ گئی تھیں۔ کھانے کے بعد انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو چچی نے خود ہی زرش کو ساتھ چلنے کا کہا تھا۔ تب بھی زرش کا وہی انکار تھا اور پھر سعید احمد نے علیحدہ جا کر شائستہ بیگم سے نجانے کیا بات کی تھی کہ وہ متفکر ہو گئی تھیں۔ وہ لوگ گھر واپس آ گئے تھے مگر سعید احمد کی خاموشی برقرار تھی۔

فرح چائے بنا کر لاؤنج میں لے آئی تو وہاں ابو اور سمعان بزنس کی باتوں میں مصروف تھے۔

''سمعان! وہ اسلام آباد والے آفس کی اسٹیبلشمنٹ کا کیا بنا؟'' اچانک چائے پیتے انہوں نے سمعان سے پوچھا۔

''تقریباً سب ریڈی ہے۔ ورکرز کی سلیکشن ہو چکی ہے۔ سوچ رہا ہوں دو تین دن میں چکر لگاؤں۔ صرف منیجر کی سلیکشن رہ گئی ہے۔ اس سلسلے میں چچا جان سے بھی بات کی تھی۔ ان کی رائے ہے کہ کسی نئے منیجر کا انتخاب کرنے کی بجائے یہیں سے کسی قابل بھروسہ اور تجربہ کار بندے کو سلیکٹ کیا جائے۔''

''ہوں۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ یہاں تو میں اور سعود ہیں۔ سب دیکھ رہے ہیں۔ نیا آفس اور نئے علاقے میں کام شروع کرنے کے لیے کسی قابل بھروسہ بندے کی ضرورت ہے۔ کیا خیال ہے کرو گے وہاں کے آفس کو مینج.....؟''

''میں.....؟'' چائے پیتے سمعان نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''ہاں تم.....؟'' ان سے ناراض علیحدہ بیٹھی طاہرہ بیگم بھی متوجہ ہوئیں۔ باقی سب تو متوجہ تھے ہی۔

''میرا خیال ہے میری ضرورت یہاں زیادہ ہے۔''

''وہاں بھی ضرورت زیادہ ہے۔ میں خود یہی چاہ رہا ہوں کہ تم بذاتِ خود اس آفس کو ہینڈل کرو۔ سعود

دو نہم

صحت یاب ہو کر جب تک آفس کو دوبارہ دیکھے گا تب تک میں اور باقی ورکرز ہیں جو ہینڈل کریں گے۔''

''اس اچانک فیصلے کی وجہ.....؟'' سمعان احمد نے سعید احمد کے سنجیدہ انداز کو دیکھتے ہوئے پوچھے بغیر نہ رہا پایا تھا۔

''کچھ خاص نہیں۔ عثمان وہاں پہلے ہی سیٹل ہے۔ اپنا گھر ہے۔ وہاں رہو۔ جب تک زرش اپنے ایگزامز وغیرہ سے فارغ ہوتی ہے۔ تب تک تم وہاں کے آفس کو اچھی طرح سیٹ کر لو پھر زرش کو وہیں لے جانا۔''

گویا دھماکہ ہوا تھا وہاں موجود ہر انسان چونکا تھا۔

''کیوں سمعان کیوں جائے؟ سمعان علیحدہ نہیں رہے گا۔'' طاہرہ بیگم نے ایک دم کہا تو سعید احمد نے سپاٹ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''تم سے کسی نے نہیں پوچھا۔'' ان کا انداز ساری اولاد کے سامنے ایسا تھا کہ طاہرہ بیگم کا جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔ اپنے ہی گھر میں وہ بے حیثیت ہو کر رہ گئی تھیں۔ بے کار شے بن گئی تھیں۔ زرش سے شادی طے کرنے پر انہوں نے کیا کچھ نہ کیا تھا مگر کوئی سننے والا ہی نہ تھا۔ اولاد علیحدہ ان سے متنفر اور نالاں رہتی تھی۔ بس ایک گھر میں ایک چھت تلے رہتے تھے۔ اس کے سوا کچھ باقی نہ تھا۔

''آپ زرش کو اس گھر میں بھی تو لا سکتے ہیں۔'' عثمان نے کہا تھا۔

''نہیں۔ میں زرش کو اس گھر میں نہیں لانا چاہتا۔ وہ اس گھر میں نہیں آئے گی۔'' ان کا لہجہ بڑا سختی لیے ہوئے تھا۔ عثمان نے پھر کچھ کہنا چاہا تو زوباریہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

''تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں سمعان.....؟'' انہوں نے سمعان کو دیکھا۔ ''اور کوئی اعتراض ہونا بھی نہیں چاہیے۔ میں یہ فیصلہ کیوں کر رہا ہوں۔ تم سمجھ چکے ہو گے۔'' سمعان نے لب بھینچ لیے۔

یہ زندگی کا بڑا تلخ باب تھا۔ اپنی ہی نظروں میں گرا دینے والا.....

''سعود سے میں خود بات کر لوں گا۔ فی الحال تم چند دن بعد اسلام آباد سیٹل ہونے کی بات کرو۔''

سمعان تب بھی چپ رہا تھا۔ وہ بول کر کرتا بھی کیا.....اسے گمان تو تھا کہ زرش نہیں آئے گی زرش کے رویے کو وہ سمجھ چکا تھا اور اب سعید احمد کے فیصلے نے اسے سخت مضطرب کر دیا تھا۔ بظاہر وہ گم صم بیٹھا رہا تھا۔ اس کے بعد بھابی نے کوئی اور ٹاپک چھیڑ دیا تھا۔ چائے ختم کرتے ہی سمعان اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

تازہ پھولوں کی پتیوں کی سجاوٹ و خوشبو نے سمعان کے اندر بے کلی سی پھیلا دی تھی۔ پرسوں رات زرش اس کمرے میں تھی۔ اس کے پاس اس کی دسترس میں.....اس کی زندگی میں ایسی رات آ کر چپکے سے گزر گئی تھی جس کے لوگ خواب دیکھتے ہیں۔ ہزاروں خواب سجاتے ہیں اور اس نے وہ رات بیمار زرش کے سرہانے بیٹھ کر اس کی تیمارداری کرتے گزاری تھی اور آج کی رات.....سمعان کپڑے بدل کر بستر پر آیا تو دل و دماغ میں لاتعداد سوچیں تھیں۔ دروازے پر دستک ہوئی تو سمعان اٹھ بیٹھا۔

''کون.....؟'' دروازہ لاک نہیں تھا۔ سمعان کے پوچھنے پر ہینڈل دباتے بھابی اندر چلی گئی تھیں۔

"بھابی! آپ..... آیئے....."

"میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟"

"نہیں۔ پلیز! بیٹھیے۔" سمعان نے شائستگی سے کہا تو بھابی کے دل میں اک ہوک سی اٹھی۔ کاش وہ سمعان کے لیے کچھ کر سکیں۔

"سمعان! مجھے لگتا ہے ماما تم لوگوں کے اسلام آباد سیٹل ہونے پر شاید راضی نہ ہوں۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

"اب میں کیا کر سکتا ہوں یہ ابو کا فیصلہ ہے.....؟ اس سلسلے میں انکار یا اقرار دونوں کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ پہلے ہی شادی سے انکار کرنے کا تجربہ سہہ چکا ہوں کہ ابو کس حد تک جا سکتے ہیں۔"

"ابھی یہ قصہ تازہ ہے اسی لیے وہ زیادہ جذباتی ہو رہے ہیں۔ دیکھو سمعان یہ میاں بیوی کا رشتہ نازک ہے۔ محبت اپنی جگہ لیکن پریکٹیکل لائف میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ زرش ابھی کم عمر اور ابھی زیر تعلیم بھی۔ وہ جتنا کچھ سہہ چکی ہے۔ اس تجربے کے زیر اثر وہ کچھ بھی کر جائے گی۔ تمہیں برداشت کرنا ہوگا کہ بہر حال زیادتی ہماری طرف سے ہوئی ہے۔"

سمعان نے لب بھینچ لیے تھے۔

"آج کیا ہوا تھا؟ کیا زرش نے آنے سے انکار کر دیا تھا یا پھر یہ ابو کا ذاتی فیصلہ ہے؟" کچھ دیر توقف کے بعد سمعان نے بھابی کا چہرہ دیکھا۔

انہوں نے زرش سے ہونے والی اپنی ساری گفتگو حرف بہ حرف کہہ سنائی۔ سمعان خاموشی سے سنتا رہا۔ بغیر اپنی کوئی رائے دیے۔

"زرش کا مطالبہ اتنا ناجائز نہیں ہے سمعان۔ وہ کیا ہر عورت کی یہ ڈیمانڈ ہوتی ہے کہ وہ جس گھر میں بھی جائے پوری عزت و احترام سے جائے جب کہ ماما اس کے ساتھ جو کر چکی ہیں وہ بہت غلط ہے۔ بھی سچ ہے لوگوں نے اس شادی میں بظاہر شرکت کر کے بڑی تلخ باتیں بھی کی ہیں۔ سعد کے فرار بے شک حالات درست ہوئے ہیں مگر بہت سی پیچیدگیاں بھی پیدا ہو چکی ہیں۔ زرش کی یہ بات بالکل ہے کہ لوگ تو اب یہی کہیں گے کہ سعد جمال کے فرار کے پیچھے ہم دونوں کا ہاتھ ہے۔" سمعان زرش زیادہ جذباتی ہو رہی ہے۔ اس کا صرف ایک ہی حل ہے کہ اس کو کچھ عرصے کے لیے اس کے حال پر دیا جائے۔ حالات و واقعات انسان کو سب سکھا دیتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ حالات کو فیس کرنا سیکھ جائے گی تو اس رشتے کی گہرائی کو بھی جان لے گی مگر اس وقت اس سے کچھ ڈیمانڈ کرنا سراسر غلط ہے بلکہ کے اندر کی زخمی لڑکی کی عزتِ نفس مجروح کرنے والی بات ہے۔"

بھابی نے تفصیلاً کہا تو سمعان نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ یہ سب تو وہ خود بھی سمجھ رہا تھا۔ اگر حالات نارمل ہوتے اور امی وہ سب ڈرامہ نہ کرتیں تو بھی سمعان کو کبھی اتنی جلدی شادی نہیں کرنا تھی۔ کم از کم تین سال اس کی تعلیم مکمل کرنے کا اسے موقع ضرور دینا تھا اور اب آناً فاناً سب ہو چکا تھا تو بہت کچھ تھا اب اسے.....

"میں بس یہی کہنے آئی تھی۔ ہم لوگ تو شاید پرسوں تک واپس چلے جائیں گے مگر تم زرش سے رابطے میں ضرور رہنا۔ وہ نہ بھی ملنا چاہے تو ملنا۔ وہ اس وقت اس مقام پر ہے کہ اس کا اعتبار رشتوں سے اٹھ چکا ہے۔ سعد کے فرار کا ذمہ دار بھی وہ تم ہی لوگوں کو سمجھتی ہے۔ سعد فرح کو پسند کرتا تھا۔ تمہیں شاید علم نہ ہو۔" انہوں نے اپنی طرف سے انکشاف کیا تھا۔

"جانتا ہوں میں....."

"یہ بات زرش بھی جانتی ہے۔ سعد نے اس کے نام جو خط لکھا تھا اس میں اس نے یہ لکھا تھا۔ آج جب میری اس سے بات ہو رہی تھی تو اس نے یہ خط دیا تھا۔ اسے واپس دینا یاد ہی نہیں رہا پھر سوچا تمہیں دوں گی۔ زرش سعد کے فرار کو لے کر جن غلط فہمیوں کا شکار ہو رہی ہے۔ تمہیں علم ہونا چاہیے۔ تاکہ تم سدباب کر سکو۔"

انہوں نے اٹھ کر قریب آ کے مٹھی میں دبا لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"کیسی ہے اب وہ..... طبیعت کچھ سنبھلی کہ نہیں؟" لفافہ کھول کر سب پڑھ کر دوبارہ لفافے میں خط ڈال کر سمعان نے بھابی سے پوچھا بھی تو کیا۔

"ٹھیک ہے وہ۔ پہلے سے کافی بہتر ہے۔ کل جا کر دیکھ لینا۔ ہاں یاد آیا چچی بتا رہی تھیں کہ کل صبح ڈاکٹرز کہہ رہے تھے کہ چچا جان کو ڈسچارج کر دیا جائے گا۔" ان حالات میں بھی سمعان کا اعتماد قابلِ رشک تھا۔ وہ دل ہی دل میں سراہنے لگیں۔

"آج میں گیا تھا۔ کافی بہتر ہیں۔ میں کل جاؤں گا۔ صبح ظفر کو اطلاع کر دیتا ہوں۔ وہ سارے معاملات دیکھ لے گا۔ اس وقت ہاسپٹل میں کون تھا؟"

"چچی جان کہہ رہی تھیں کہ جمال انکل چلے گئے تھے۔ صبح تک وہیں رہیں گے۔ ویسے پاپا کہہ رہے تھے کہ صبح وہ خود ہاسپٹل جائیں گے اور چچا جان کو ساتھ لے کر گھر آئیں گے۔"

سمعان نے سر ہلایا تو وہ پلٹیں۔

"اوکے تم شاید سونے لگے تھے۔ میں چلتی ہوں۔"

"بھابی!"

وہ جاتے جاتے پلٹی تھیں۔

"تھینکس فار ایوری تھنگ۔"

"نو فارمیلٹی۔ دس از مائی ڈیوٹی۔ بس تمہیں یہی سمجھانا تھا۔ ماشاء اللہ تم خود خاصے سمجھ دار ہو۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تھا اور پھر کمرے سے چلی گئی تھیں۔

صبح کے دس بج رہے تھے جب وہ لوگ سعود احمد کے ساتھ گھر آئے تھے۔ رات سے ہی ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا کہ صبح ان کو گھر جانے کی اجازت مل جائے گی۔ عثمان' سعید احمد اور سمعان اسپیشلی ان کو لینے ہاسپٹل گئے تھے۔ وہ ان کے ساتھ ہی گھر آئے تھے۔ پھپھو اور جمال ماموں ان کے آنے سے پہلے آ چکے تھے۔ بڑے پرجوش انداز میں ان کا خیر مقدم ہوا تھا۔

نوشی اور عفان یہیں تھے انہیں کل روانہ ہونا تھا اپنے گھر میں۔

سب سے ملنے کے بعد سعود احمد نے اطراف میں دیکھا۔ زرش کہیں نہیں تھی' یہ تو انہیں رات ہی خبر ہو گئی تھی کہ سعید احمد کے ساتھ وہ نہیں گئی۔ ان کا دل دکھی ہوا تھا مگر اب اپنے استقبال کو بھی موجود نہ پا کر چونکے تھے۔

''زرش کہاں ہے؟'' وہ سب لوگ لاؤنج میں ہی تھے۔ بڑے عرصے بعد ان کے گھر میں ایسی رونق تھی۔ مگر ایسے میں زرش کی غیر موجودگی..... انہوں نے ہادیہ سے پوچھا۔

''سو رہی ہے۔''

''اس وقت؟'' انہوں نے وقت دیکھا انہیں گھر آئے بھی ایک گھنٹہ ہو رہا تھا۔ تقریباً گیارہ بج رہے تھے۔

''جی..... پچھلے چند دن سے نہ وہ ٹھیک سے سوئی تھی اور پھر بخار بھی تھا۔ رات بھی ہم لوگ دیر تک جاگتے رہے تھے' اسے ہلکی سی حرارت ہو رہی تھی تو میں نے میڈیسن دے کر سلا دیا تھا۔ میں دیکھتی ہوں شاید اٹھ گئی ہو۔'' وہ اٹھنے لگی تھیں تو انہوں نے منع کر دیا۔

''رہنے دو' سونے دو اُسے۔ اچھا ہے فریش ہو جائے گی۔''

سمعان نے انہیں دیکھا' یہ سوال تو اس کے ذہن میں بھی کافی دیر سے تھا' کچھ دیر بعد سمعان اٹھا تو عفان نے کہا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' وہ عثمان' عفان اکٹھے ہی بیٹھے تھے۔

''یہیں ہوں۔ آتا ہوں ابھی۔'' وہ لاؤنج سے نکل آئے تھے۔

نہ ہی یہ گھر نیا تھا اور نہ ہی یہ لوگ..... مگر رشتہ ضرور بدل چکا تھا' زرش کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے سمعان کو اس بات کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ کمرے میں قدم رکھا تو نگاہ بے خبر بستر پر دراز

لاونیم وجود میں الجھ گئی تھی۔ وہ بے خبر گہری نیند میں تھی۔ سینے تک کمبل لیے..... بازو کمبل سے باہر تھے۔ سمعان احمد کے احساسات میں بڑی روانی سی آئی تھی۔ ذہن و دل کو اک لطیف سے احساس نے چھو لیا تھا گویا۔ نگاہیں بے تابانہ سوتے وجود کا طواف کرنے لگی تھیں۔

وہ محبت و اعتبار کی حدوں سے دور جا چکی تھی کیا وہ سمعان احمد کی بے ریا پرخلوص شدید محبت کا کبھی اعتبار بھی کر پائے گی؟ یہ سوال سمعان احمد کے ذہن میں مچل کر رہ گیا تھا۔

جس طرح غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے اس نے سارا الزام ان کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے ان کے ہاں آنے سے انکار کیا تھا کیا آئندہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کے دل میں ان لوگوں سے متعلق وہی احساسات و جذبات پروان پا جائیں گے جو کبھی اس بے ریا لڑکی کی فطرت کا حصہ تھے۔ جتنی گہری چوٹ ہو نقصان اتنا ہی شدید ہوتا ہے۔ نقصان تو دونوں ہی اٹھا چکے تھے بلکہ دونوں کہاں سارا خاندان' مگر وہ مرد تھے حالات کو برداشت کرنے کی قوتِ مدافعت رکھتے تھے اور زرش..... ان کے ذہن میں اس کی جذباتی کیفیت در آئی۔

ایک گہرا سانس لیتے ہوئے سمعان احمد نے بستر کے کنارے جگہ پکڑی تھی۔ دھیرے سے اس کا بایاں بازو تھاما تھا۔ انداز ایسا تھا کہ کہیں اس کی نیند میں خلل نہ پڑ جائے۔ ہاتھ کی ہتھیلی پر زخم کا گہرا گٹ پہلے سے کافی مندمل تھا۔ مہندی کے نقش و نگار پہلے سے کچھ مدھم ضرور تھے مگر اس کے خوب صورت مومی ہاتھوں کو بڑی خوبصورتی عطا کر رہے تھے۔

پھر سمعان احمد کے اندر بڑے خوب صورت سے جذبے سر ابھارنے لگے تھے۔

نیند ٹوٹی تھی' زرش نے ایک دم آنکھیں کھول دی تھیں۔ سمعان احمد کو بستر کے کنارے دیکھ کر پہلے تو وہ کچھ بھی نہیں سمجھی تھی۔

سمعان احمد کا والہانہ پن سے اسے دیکھنا..... اگلے ہی پل وہ گویا مکمل حواس میں تھی۔ سمعان کے ہاتھ کی گرفت میں اس کا ہاتھ تھا' اسے گویا کرنٹ چھو گیا تھا۔ پورے وجود میں اک آگ سی دہک اٹھی تھی۔ اس نے سرعت سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔

آ..... آپ.....'' اسے سمجھ نہ آئی کہ کس قسم کا ردعمل ظاہر کرے۔ غصے سے ان کی اس درجہ جسارت پر ان پر الٹ پڑے یا پھر..... کمبل ہٹاتے وہ سرعت سے پیچھے ہٹی تھی۔ ''آپ کیوں آئے ہیں یہاں؟'' ایک دم آپڑنے والی افتاد تھی۔ وہ کنفیوز سی ہو گئی تھی۔ یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ اس وقت کس حلیے میں ہے۔

سمعان احمد نے بڑے استحقاق سے اس کے خوب صورت سراپا پر نگاہ ڈالی۔ بے بی پنک سلیپنگ سوٹ میں بغیر دوپٹے کے وہ بستر سے اتری تھی۔ ہاف سلیولیس میں کھلے بالوں سمیت نگاہوں کو اچھا خاصا خیرہ کر رہی تھی۔ سمعان کی نگاہوں نے اسے فوراً اپنے حلیے کا احساس فراہم کیا تھا۔ وہ خجل سی ہو گئی تھی۔ بستر سے اتر کر اس نے ارد گرد نگاہ ڈالی دوپٹہ نجانے کہاں تھا۔ سمعان احمد کی مسلسل جمی نگاہوں نے اسے سرتاپا گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ لاکھ انکار کرتی مگر اک واضح تبدیلی آ چکی تھی۔ رویوں میں بھی اور شاید سوچ میں بھی۔ دوپٹا تلاش کرنے کی بجائے اس نے الماری کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ الماری کھولتے

ہی جو بھی چادر ہاتھ لگی تھی اس نے نکال لی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب.....؟" سمعان کی آواز پر اس نے الماری کا پٹ بند کیا تھا۔

ایک دو پل لگے تھے اسے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے میں۔

"آپ کیوں آئے ہیں؟" پلٹ کر اس نے تلخی سے پوچھا تھا۔

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں۔" سمعان نے مسکرا کر اپنی بھرپور چمکتی دل کش نگاہیں اس کے چہرے پر جمادی تھیں۔ زرش تو ایک پل میں ہی پزل ہوگئی تھی۔ وہ سمعان احمد کی ان نگاہوں اور رویوں کو بھلا کہاں عادی تھی۔ اس نے سمعان احمد کو کوئی اور بھی رشتہ دے رکھا تھا اور اب..... اس کے اندر زبردست جنگ شروع ہوگئی تھی۔ وہ سمعان احمد کو کوئی سخت جواب دینا چاہتی تھی مگر کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔

"بخار تو نہیں لگ رہا۔ نبض میں چیک کر چکا ہوں۔ ہاں مزاج کچھ برہم سے ہیں۔" سمعان احمد کی کھنکتی دل کش آواز زرش کو لگا اس کے حواس گم ہو جائیں گے۔

"ہاتھ کا زخم اب کیسا ہے.....؟" سمعان احمد اسی طرح بستر کے کنارے ٹکا پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے..... پلیز آپ جائیں یہاں سے۔" اندر کی تلخی اور بیرونی گھبراہٹ نے اسے کنفیوز کر دیا تھا۔ ہاتھوں کو آپس میں مسلتے اس نے سمعان احمد کو دیکھا۔

"پہلے اس میں اک ادا تھی' ناز تھا' انداز تھا

روٹھنا اب تو تیری عادت میں شامل ہوگیا۔

یہ بھاری دل کش لہجہ زرش کی سماعتوں کو بری طرح جھنجوڑ گیا تھا۔

"پلیز جائیں آپ.....؟ پلیز....." اس کی پلکیں نم ہوگئی تھیں۔ "مت آیا کریں میرے سامنے مجھے اپنا آپ گناہ کی دلدل میں اترتا محسوس ہوتا ہے۔" غم کی شدت سے اس کی آواز بھیگ گئی تھی۔ "میں سارے خسارے بھگت چکی ہوں۔ اپنے حصے کی سزا بھی تجویز کر چکی ہوں کہ بہرحال آپ لوگوں سے قسمت داری کا خمیازہ تو بھگتنا ہے مجھے۔ مگر آپ کو کوئی حق نہیں کہ یوں آ کر میری ذلت کا تماشا دیکھیں۔ کیا تماشا بنا کر دل نہیں بھرا آپ کا.....؟" دل کا غبار فوراً نکلنے کو بے تاب تھا۔ سمعان گہرا سانس لیتے ہوئے بستر سے اٹھا تھا۔

"زرش! میرے خلوص' میری محبت کو غلط نگاہ سے نہ دیکھو۔ نقصان صرف تمہارا ہی نہیں' میرا بھی ہے۔ تمہارا اعتبار کھو دینا کیا یہ نقصان کم ہے۔" اس کے قریب آ کر سامنے کھڑے ہو کر سمعان نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔

"نام نہ لیں میرے سامنے کسی محبت' کسی خلوص کا۔ سب جھوٹ تھا' فراڈ تھا۔ رشتوں کے نام پر آپ نے میرے جذبوں سے صرف کھیلا ہے۔" الزام ایسا تھا کہ سمعان احمد نے غصے سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں مجھ پر اس حوالے سے الزام لگانے کا کوئی حق نہیں۔" برہمی سے کہا تو وہ مزید تلخی سے بولی تھی۔

"ہاں سارے حق تو آپ کو اور آپ کی فیملی کو حاصل ہیں۔ دوسروں کو رسوا کرنے' برباد کرنے کے..... آپ کو کب برا لگے گا' دوسروں کی زندگیوں' احساسات سے کھیل جانا بڑی عام سی بات ٹھہری آپ کے لیے تو۔"

"زرش....." جوابی تلخی اتنی بھرپور تھی کہ سمعان نے سختی سے ٹوکتے ہوئے اس کا بازو پکڑا تھا۔

"غلط فہمی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ تم سب کو ایک ہی تناظر سے دیکھ رہی ہو۔ اپنے ذہن کو غلط فہمیوں کی آماجگاہ مت بناؤ۔ پرسکون ہو کر سوچو تمہیں حالات کا درست اندازہ ہوگا۔"

"نہیں پرسکون ہوا جاتا مجھ سے۔ آگ سی لگی ہوئی ہے میرے اندر' جی چاہ رہا ہے ہر چیز تہس نہس کر دوں۔ ہر طرف آگ لگا دوں۔ میں غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں۔ نہیں ہوں میں....." سمعان کے الفاظ پر وہ پھٹ پڑی تھی۔ اگر سمعان نے اس کا بازو نہ پکڑا ہوتا تو شاید غصے سے سمعان کو پیچھے دھکیل دیتی۔ وہ اس وقت اتنی ہی بپھری ہوئی تھی۔

"زری.....! کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں..... یوں ایک دم ٹمپرامنٹ لوز کرنا..... ہوش کرو....." سمعان نے اس کا دوسرا بازو بھی تھاما تھا۔

"ڈونٹ ٹچ می..... سمجھے' آپ مت آیا کریں میرے سامنے ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔" سمعان اس کی پہلے ہی ایک حماقت بھگت چکا تھا۔ تاسف سے اسے دیکھا۔ وہ غصے سے سمعان کی مضبوط گرفت سے بازو چھڑا رہی تھی۔

"تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے بھی ہمارے درمیان ایک بڑا گہرا اور مضبوط رشتہ ہے اس سے کیونکر انکاری ہو سکتی ہو تم۔"

"آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں.....؟" اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"نہیں سمجھا رہا ہوں۔" سمعان نے اس کے بپھرے انداز و اطوار پر خود کو پرسکون کرتے مسکرا کر کہا۔

"مجھے آپ کی کسی سمجھ کی کوئی ضرورت نہیں۔ چھوڑیں مجھے۔" سمعان کے ہاتھوں کی حدت سے اسے بڑا عجیب سا احساس رگ و پے میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ سختی سے ہاتھ جھٹکنا چاہے تھے۔

"یہ ساتھ چھوڑنے کے لیے تو نہیں باندھا تھا۔" سمعان نے اسے موم کرنا چاہا تھا۔ مسکرا کر کندھوں پر ہاتھ رکھے تو زرش بپھر ہی گئی تھی۔

"اب کون سی کسر رہ گئی ہے۔ میں سب سمجھ چکی ہوں' آپ کے ان انداز و اطوار سے آپ کے متعلق میرے دل میں نفرت تو پیدا ہو سکتی ہے بجائے محبت کے' آپ کا امیج ہی خراب ہو رہا ہے اور کچھ نہیں ہے۔" غصے سے کہتے اس نے سمعان کے ہاتھوں کو جھٹکنا چاہا تھا مگر سمعان نے خود ہی ہاتھ اٹھا لیے تھے۔

"تم اپنے ان الفاظ کی وضاحت کر دو تو بہتر ہوگا۔" سمعان کا انداز یک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

اس کے الفاظ ایسے تھے کہ سمعان کو بڑی تکلیف ہوئی تھی۔

"میں جو کہہ چکی ہوں' آپ سمجھ چکے ہیں۔ آپ اپنا حق جتا کر میرے ساتھ اس طرح کے سطحی ڈائیلاگ بولیں گے تو صرف میرے دل میں نفرت کا احساس ہی پیدا کریں گے اور کچھ بھی نہیں....." وہ

غصے سے کہتی سمعان کے قریب سے گزرتی باتھ روم میں جا کر بند ہو گئی تھی۔

سمعان احمد کتنی دیر تک اس کے الفاظ میں موجود "سطحی" کے مفہوم کو کھوجتا ہی کھڑا رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

نویرہ گھر جانا چاہتی تھی' اماں نے اسے بڑی مشکلوں سے سمجھا کر روکا ہوا تھا۔ وہ اب شارق زمان جیسے کانوں کے کچے شخص کا سامنا بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر اماں کو کون سمجھاتا جنہیں نویرہ کا چلے جانے کا فیصلہ بھی کم عقلی لگ رہا تھا۔ تھک ہار کر انہوں نے زبیدہ چچی کو بلوا لیا تھا۔

رات بھر سے تو وہ پہلے ہی انجانے وسوسوں اور رضا کے انداز سے خوفزدہ روتی رہی تھیں یہاں آ کر بھی سننے کو ملا' ان پر گویا سکتہ سا طاری ہو گیا تھا اور پھر جب ان کی یہ کیفیت زائل ہوئی تو بڑی شدت سے رو دیں۔

"آپا بیگم معاف کر دیں مجھے۔ گناہ گار ہوں آپ کی۔ میں اب تک سمجھی تھی کہ رضا لاابالی پن کا شکار رہا ہے۔ وقت کے ساتھ سنبھل جائے گا مگر..... ہائے رضا! کیا کر دیا تُو نے یہ..... کسی سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا مجھے۔" نویرہ ان کے پاس ہی تھی ان کی گریہ وزاری پر اس کا بھی دل لہولہان ہو رہا تھا۔

"شارق کا موبائل بند ہے آفس وہ گیا نہیں۔ نجانے کہاں ہے؟ اور یہ بھی جانے پر تلی ہوئی ہے۔ بستا گھر اجڑ رہا ہے میرا؟" اماں نے چادر کے پلو سے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

"آپ شارق کو بلوائیں۔ میں اسے سمجھاتی ہوں۔ بھلا اس میں نویرہ کا کیا قصور؟"

"نہیں چچی جان..... اب میں اس شخص کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ یہ کسی بھی شخص کی بات پر اعتبار کر کے میرے کردار کو داغدار کر چکا ہے۔ اب یہ شخص معافی بھی مانگ لے تو میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ آپ کا کیا قصور؟ میں نے ہمیشہ محرم نامحرم کا خیال رکھا..... کزنز سے کبھی فری نہ ہوئی مگر رضا کو نے محرم و نامحرم کے زمرے سے نکال دیا تھا۔ نتیجتاً ایسا ہونا ہی تھا۔ مجھے عقل کرنی چاہئے تھی اس سے تکلف ہوتے ہوئے احساس رکھنا چاہئے تھا وہ کم عمر تھا اور میں اسے بھائی سمجھ کر کم عمر سمجھ کر نجانے کیا کرتی رہی اور وہ....." نویرہ کی آواز رندھ گئی تھی۔

"تم خود کو کیوں قصوروار سمجھ رہی ہو۔ یوں سمجھو میری ہی تربیت میں کوئی کمی رہ گئی تھی۔ ورنہ اسے سوچتا بھی کیوں؟" چچی نے آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

"زبیدہ اسے سمجھاؤ..... مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔ گھر بنانے کو عورت بڑا کچھ برداشت کرتی ہے۔ میں نے بھی تو کیا تھا..... سوتیلا ہی سہی ہمیشہ اپنا بیٹا ہی سمجھا۔ سوکن برداشت کی۔ شوہر کا ہرجائی پن سہا؟"

"مگر آپ نے بدکردار عورت کا طعنہ تو نہیں سہا۔ نہیں بڑی اماں عورت سب برداشت کر لیتی ہے بدکرداری نہیں..... میں نبھاہ کر رہی تھی اور کرتی بھی مگر اب نہیں..... مجھے مجبور نہیں کریں مجھے جانے دیں۔ مت روکیں مجھے۔" وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اماں کی نگاہ اس کے سراپا پر جا رکی۔ چادر دائیں کندھے پر تھی۔ اس کا خوب صورت متناسب بھرا بھرا سمپا کتنا دلکش لگ رہا تھا۔

کہتے ہیں عورت جب ماں بنتی ہے اس پر بڑا خصوصی روپ آ جاتا ہے' اور نویرہ تو ویسے ہی دل کش

دو نیم

ماں بننے کے اعزاز نے اسے اور نکھار دیا تھا۔ اماں کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

"اس بچے کا بھی تو کچھ سوچو..... جذبات سے نہیں ہوش سے کام لو۔ شارق غلطی کر رہا ہے تو تم تو نہ غلطی کرو..... اپنے بچے کے لیے ہی سہی صبر کر لو۔"

"ہاں اماں اسی لیے تو کہہ رہی ہوں..... کل کو شارق نے اس بچے سے بھی انکار کر دیا کہ وہ اس کا نہیں تو....." وہ اتنی بڑی بات کہتے کہتے ایک دم لب بھینچ کر سسک اٹھی تھی۔

اماں اور چچی زبیدہ دونوں کا دل کانپ گیا تھا۔

"اللہ نہ کرے..... اب وہ اتنا بھی کم عقل نہیں..... جذباتی ہے۔ جذبات میں سو غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ یہی تو دیکھو وہ تم سے محبت بھی تو کرتا ہے۔" اماں نے پھر اسے سمجھانا چاہا تھا مگر نویرہ خاموشی سے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اسے اب کوئی دلیل سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ الماری سے اپنے کپڑے نکال نکال کر سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔ جب چچی زبیدہ اندر آ گئی تھیں۔

"نویرہ! میری بیٹی..... یہ دیکھ میرے ہاتھوں کو..... نہیں کرو ایسا..... گھروں میں سو باتیں ہو جاتی ہیں۔ رضا کو میں سمجھا لوں گی۔ وہ شارق کی غلط فہمی دور کر دے گا' اسے کرنا پڑے گی اگر ایسا اس نے نہ کیا تو میرا وعدہ ہے میں اسے گھر سے نکال دوں گی..... میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ اس وقت میرا خیال کرو..... تمہارے چچا شارق کی طرح ہی جذباتی ہیں' انہیں بھنک بھی پڑ گئی تو وہ مجھے کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیں گے۔" وہ ہاتھ جوڑے اس کے سامنے کھڑی تھیں اور نویرہ اتنی بے ضمیر بھی نہ تھی کہ ان کا کوئی ادب لحاظ نہ کرتی۔ ان کے ہاتھ تھام کر ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔

"چچی! بہت مشکل ہو گئی ہے زندگی..... جیتے جی مر جانے والی بات ہے یہ تو..... نواز کا طعنہ ہی میرے لیے کافی تھا اور اب رضا کی یہ حرکت..... میں تو بدنام ہو گئی نا۔"

"اللہ نہ کرے....." وہ دہل کر رہ گئی تھیں۔

"ابھی بات اسی گھر کے اندر ہے۔ میں شارق کو سمجھاؤں گی..... واسطہ دوں گی اسے' وہ اتنا پتھر دل نکلا کہ اصل بات نہ سمجھے۔ رضا کو مجبور کروں گی کہ وہ اسے یقین دلائے کہ تم بے قصور ہو۔" انہوں نے اپنے آنسو صاف کیے تھے مگر نویرہ کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ منہ زور طوفان کی طرح بہتے ہی چلے آ رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

انکل ہارون کی فیملی نوشی کو لینے آئی تھی۔

مسعود احمد نے نفیسہ پھپھو اور سعید احمد دونوں گھروں کو بھی ڈنر پر انوائٹ کیا تھا۔ ہادیہ آپا تو آج کل مسلسل ادھر ہی تھیں۔ مغرب کے وقت وقار بھائی' جمال ماموں اور پھپھو بھی آ گئے تھے۔ سعید احمد کے ساتھ فرح' علی اور سعید احمد خود تھے۔

سمعان میٹنگ میں مصروف تھا وہ نہیں آ سکا تھا۔ زرش نے سن کر ایک گونہ سکون کا سانس لیا تھا۔ کل انکل اور عثمان بھائی کو واپس چلے جانا تھا۔ سو وہ صبح سے چچی کی دعوت پر ادھر ہی تھے۔

"سعود ولا" میں اچھی خاصی رونق ہوگئی تھی۔ زرش ابھی تک نارمل نہیں ہوسکی تھی مگر یہ بھی تھا کہ پچھلے دنوں کے برعکس وہ سب سے لاتعلق بھی نہیں رہ پائی تھی پھر تایا کی ہدایتیں اور نصیحتیں تھیں کہ وہ سب مہمانوں کے درمیان اٹھنے بیٹھنے پر مجبور تھی۔ ماما اور بھابی کے اصرار پر وہ پرپل اور پنک شیڈ کے ہلکے پھلکے کام سے مزین سوٹ کے ساتھ لائٹ سے میک اپ میں اپنا لاتعلق سا انداز بھول کر اندر کی گھٹن کو دبانے پر مجبور ہوگئی تھی۔ وہ کچن میں ہادیہ آپا کے کہنے پر یاسمین اور اس کی ماں کو (جو شادی کی وجہ سے آج کل ادھر ہی تھیں آج مہمانوں کی وجہ سے کھانا پکانے کی ساری ذمے داری اسی پر تھی) دیکھنے آئی تھی کہ کام کہاں تک پہنچا ہے۔ سب ریڈی دیکھ کر وہ مطمئن ہوگئی تھی۔

باہر سب ہی تھے مگر اس کا دل ان سب میں جا کر بیٹھنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے زینہ طے کرتے اوپر ٹیرس پر چلی آئی۔ زندگی ایک دم بدلی تھی۔ ان چند ماہ میں کیا کچھ نہ بدلا تھا۔ سمعان احمد کے رویے سے لے کر اس سے موجودہ رشتے تک ہر چیز، ہر تعلق بدل گیا تھا اور زرش جیسی لڑکی کے لیے اس سب کو قبول کر لینا بہت مشکل تھا۔

"ناراض ہو زرش.....؟" وہ ریلنگ پر جھکی نیچے اندھیرے میں نجانے کیا گھور رہی تھی جب اس آواز پر پلٹ کر دیکھا۔ دو تین قدموں کے فاصلے پر فرح کھڑی تھی۔ زرش کے چہرے کے زاویے بدلے تھے۔ سب کے سامنے ملنا بات کرنا مجبوری تھی مگر اب.....

"بہت ناراض ہو مجھ سے، اتنی کہ مجھے دیکھتے ہی تم چہرہ پھیر لیتی ہو۔"

زرش نے چہرہ پھیر لیا تھا۔ "وہ اس کے قریب چلی آئی تھی۔ زرش کے دل سے اک ہوک اٹھی تھی۔ بہت سے گزرے دن، لمحے نگاہوں کے سامنے آتے چلے گئے تھے۔

"کسی اور کی مجرم ہوں کہ نہیں مگر تمہاری تو ہوں مگر اتنی بھی نہیں کہ تم مجھے دیکھ کر چہرہ ہی نفرت سے پھیر لو۔" زرش نے چہرہ پھیرا تو وہ تڑپ کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔

"کیا چاہتی ہو تم.....؟" زرش کی آواز میں اک عجیب سا سرد پن تھا، بے گانگی و اجنبیت کا بھرپور تاثر..... فرح کا دل یکلخت کئی ٹکڑوں میں بٹا تھا۔

"زرش پلیز ہم کزنز ہی نہیں کبھی اچھی دوست بھی تھیں۔" وہ تڑپ ہی تو اٹھی تھی۔

"یہ اس دور کا قصہ ہے جب میں تم لوگوں کے ڈراموں اور محبت کے جھوٹے مظاہروں سے بے خبر تھی۔ میں نے تم لوگوں سے متعلق ہر رشتے، ہر احساس کو اسی دن اپنے دل سے نکال دیا تھا جب ایک الزام لے کر تم لوگوں کے گھر سے نکلی۔ زبردستی کے تعلق سے رشتے بن نہیں جاتے، ہاں ٹوٹ ضرور جاتے ہیں۔ زبردستی نفرت تو پیدا کر سکتی ہے محبت نہیں۔" وہ فرح کو بھی اسی تناظر سے دیکھ رہی تھی۔

"کسی کی مجبوری سے کھیلنے والے غاصب لوگ ہو تم..... جیسی فطرت تم لوگوں کی ماں کی ویسی ہی تم لوگوں کی ہے۔ محبت کے جواب میں ڈسنے والی..... استحصال پسند ماں کی اولاد سے ایسے ہی رویے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ہاں ایک احسان ضرور کیا ہے تم لوگوں نے مجھ پر، مجھے وہ شعور و آگاہی دی جو شاید برسوں کی ٹھوکروں سے بھی نہ ملتی۔ آئندہ میرے سامنے آنے کی غلطی نہ کرنا، میرا ظرف میرے

ماں باپ کی طرح آسمان جیسا نہیں ہے، نفرت کرتی ہوں میں تم لوگوں سے سنا تم نے۔ ہمارے درمیان صرف ایک رشتہ ہے صرف نفرت کا اور بس۔"

فرح ششدر سی دیکھے گئی تھی۔ کیا یہ وہی زرش تھی جو ان کے نام کا دم بھرتی تھی۔ جس کی صبح ان کے نام سے ہوتی تھی اور شام ان کے نام سے اور اب نفرت کا یہ عالم تھا۔

"زرش تم....." اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"نہیں فرح..... اگر تم چاہتی ہو کہ میں خاموش رہوں تو آئندہ میرے سامنے آ کر یہ مت پوچھنا کہ میں ناراض ہوں یا نہیں۔ تم لوگ میرے درد کا اندازہ کرو تو شاید اپنا سوال بھول جاؤ۔" فرح کی آنکھوں سے بہہ جانے والے آنسو تھے کہ زرش ایکدم کچھ دھیمی پڑ گئی تھی۔

فرح چند پل اسے رخ موڑ کر کھڑی دیکھتی رہی تھی اور پھر اپنی سسکیاں دباتی تیزی سے سیڑھیاں اترتی چلی گئی تھی۔

کھانا لگنے تک وہ اوپر ٹیرس پر ہی رہی تھی اور پھر بھابی کے بار بار پکارنے پر وہ نیچے آئی تھی۔ نوشی اور عثمان بھائی تو آج رخصت ہو رہے تھے ماما اور ہادیہ آپا کے ساتھ مل کر اس نے کھانا لگوایا تھا۔ مردوں کے لیے لاؤنج میں ہی انتظام کر دیا تھا جبکہ خواتین کی نشست ڈائننگ روم میں تھی۔ ابھی کھانے کا دور چل رہا تھا کہ سمعان احمد کی آمد ہوئی تھی۔ سعود احمد کو سب کی موجودگی میں سمعان کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ باپ اور چچا کی غیر موجودگی میں ان حالات میں بھی کاروبار کی طرف بھرپور توجہ دے رہا تھا۔ میٹنگ کا سن کر انہوں نے فوراً اسے فون کیا تھا۔ میٹنگ ختم ہوتے ہی اسے فوراً پہنچنے کو کہا تھا اور اب سمعان سامنے تھا۔ سمعان سیدھا لاؤنج میں ہی آیا تھا۔

زرش نوشی کے روم میں اسے تیار ہونے میں مدد دے رہی تھی جب کھانا ختم کرتے ہی بھابی اور ستارہ بھابی سمعان احمد کی آمد کی خبر لیے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"زرش بی بی! نوشی کی تیاری کی فکر چھوڑو اپنی تیاری کی فکر کرو۔ سمعان احمد کو ماموں جان نے بلوا لیا ہے۔ لگتا ہے نوشی کے ساتھ تمہیں بھی چلتا کر رہے ہیں وہ۔" ستارہ آپی کی چہکتی آواز پر وہ ساکن ہوئی تھی۔

"کیا مطلب.....؟"

"یہ تو تم چچا جان سے پوچھو۔"

وہ نوشی کی کلائیوں میں گجرے سجا رہی تھی جب ستارہ نے ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ میں تھاما گجرا لے کر اس کی کلائی میں سجا دیا تھا۔ زرش لب بھینچ کر کھڑی ہوگئی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ماما کو میں صاف کہہ چکی ہوں، مجھے اس گھر میں نہیں جانا پھر اب میرے ساتھ کسی نے زبردستی کی تو....."

"زرش!" وہ ایک دم غصے سے بولی تو نوشی نے فوراً اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"کیا ہونا جا رہا ہے تمہیں۔" بھابی نے بھی آگے بڑھ کر اسے بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔

"پاگل ہوگئی ہوں میں..... بھابی، نوشی جا کر سب کو بتا دیں مجھے کہیں نہیں جانا..... یہ شادی میرے لیے کا طوق تھی بحالت مجبوری پیا جانے والا زہر تھا اسے میرے لیے پھانسی کا پھندا مت بنائیں، ورنہ سب پچھتائیں گے۔ میں صاف کہہ رہی ہوں۔ نہیں جانا مجھے اس گھر میں۔ مر کر بھی نہیں۔" ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہ ایک دم رو دی تو ستارہ کو ندامت ہوئی۔ یہ تو صرف ان خواتین کا خیال تھا خوامخواہ اس نے بات کی تھی۔ سعد جو کر چکا تھا اور زرش کے ساتھ (پیچھے) جو کچھ ہو چکا تھا زرش جیسی جذباتی لڑکی کا ردعمل بالکل فطری سا تھا۔

"سوری یار! تم تو سنجیدہ ہوگئی ہو..... ہوسکتا ہے چچا جان نے ویسے ہی بلوایا ہو۔" ستارہ نے تسلی بھی دی مگر زرش نارمل نہیں ہوئی تھی۔ طاہرہ بیگم کے گھر میں اس کا سامنا کرنے کے تصور سے ہی زرش کو اپنی سانسیں حلق میں اٹکتی محسوس ہو رہی تھیں۔

اسے اس گھر میں مر کر بھی نہیں جانا تھا۔ یہ طے تھا، ماما تک کو وہ اپنے خیالات پہنچا چکی تھی اس کا خیال تھا کہ ماما پاپا کو بھی آگاہ کر چکی ہوں گی مگر اب ستارہ کی گل افشانی نے اسے کوئلوں پر جا بٹھایا تھا۔ وہ بھابی کا حصار توڑتی باہر نکل آئی تھی۔ کہیں بھی جانے کی بجائے وہ باہر لان میں چلی آئی۔ کھانے کے بعد اندر برتن سمیٹے جا چکے تھے کچھ دیر بعد نوشی اور عفان لوگوں کی رخصتی کا شور اٹھ جانا تھا اور اگر پاپا نے سچ کا اسے بھی آج ہی سمعان کی ساتھ اس سے پوچھے بغیر رخصت کر دیا تو..... اِدھر سے اُدھر چکر لگاتے وہ بے دم سی ہوگئی تو خاموشی سے اندر چلی آئی۔ زینہ طے کرتے وہ ٹیرس پر اسی جگہ آ رکی جہاں فرح کی آمد سے پہلے کھڑی تھی۔

وہ کیا کرے؟ وہ کیسے اس طوفان کو روکے؟ کیسے اس ناگہانی سے بچے.....؟

"کیا ہو رہا ہے؟"

اس آواز نے اس کے اعصاب ٹھٹھرا دیئے تھے۔

وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی تھی۔ اسی طرح رخ موڑے کھڑی رہی تھی۔

کیا واقعی سمعان اسے لے جائے گا..... اس پل وہ مزید خوفزدہ ہوگئی تھی۔

"زرش....." بہت ہولے سے اس کے قریب آ کر پکارا گیا تھا۔ زرش دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی۔

"ارے..... زرش..... زری! کیا ہوا ہے..... زری؟" سمعان احمد تو بوکھلا ہی گیا تھا وہ تو اسے سارے گھر میں دیکھتا نہ پا کر اِدھر چلا آیا تھا مگر کیا خبر تھی کہ وہ اس طرح کا ردعمل ظاہر کرے گی۔

"زرش..... زری..... زری.....!"

وہ بڑی شدت سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ بڑی بے قراری سے پکارتے سمعان احمد نے اسے کندھوں سے تھاما تھا۔ رخ اپنی طرف کیا تھا۔

"واٹ ہیپنڈ....." مٹے مٹے میک اپ اور آنکھوں میں کاجل کی پھیلی لکیر زرش نے سمعان احمد کو دیکھا۔

"آپ مجھے لینے آئے ہیں۔ اپنے ساتھ لے جانے کے لیے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ سمعان نے نہ سمجھی سے اسے دیکھا۔

"آپ کو پاپا نے بلوایا ہے۔ پاپا چاہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ چلی جاؤں مگر مجھے نہیں جانا..... آپ کے ساتھ نہیں جانا۔ آپ کے گھر نہیں جانا..... مجھے مجبور مت کریں۔ نہیں جاؤں گی میں۔" نم بھرے انداز میں اس نے سمعان احمد کے ہاتھ اپنے کندھوں سے جھٹک دیئے تھے۔

سمعان کو ایک پل لگا تھا سب سمجھنے میں..... چچا جان نے اس کے ساتھ تو ایسی کوئی بات نہیں کی تھی اور نہ ہی کسی اور فرد نے جبکہ زرش کا رونا۔

"تمہیں کس نے کہا ہے؟ چچا اور چچی میں سے کسی نے؟" بڑی سنجیدگی سے اسے گریہ وزاری کرتے دیکھا تھا۔

"نہیں..... ستارہ آپی نے۔" روتے ہوئے بتایا گیا تھا۔

"تم کیا چاہتی ہو؟" رونے سے نہ صرف اس کی آنکھیں بلکہ ناک اور رخسار بھی سرخ ہو چکے تھے۔ سمعان نے بڑی تفصیلی نگاہ ڈالی تھی۔

"مجھے کہیں نہیں جانا؟" سمعان احمد کی تفصیلی نگاہ پر توجہ دیئے بغیر بے دردی سے چہرہ رگڑتے ہوئے سمعان کو دیکھا تھا۔

"اوکے..... ٹھیک ہے..... تمہیں کوئی مجبور بھی نہیں کرے گا۔ اگر چچا جان اور چچی جان کا ایسا کوئی ارادہ ہے بھی تو میں ان کو سمجھا لوں گا۔"

"ہیں۔" رونا دھونا بھول کر اس نے سمعان کو دیکھا جس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ بڑا نارمل پرسکون انداز تھا۔ یوں جیسے کوئی عام سی کسی تھرڈ پرسن کی یا پھر کاروباری بات ہو رہی ہو۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں؟" وہ بے یقین ہوئی تھی۔

"تمہیں شک نہیں ہونا چاہئے.....؟" زرش سے صرف دو قدم کے فاصلے پر کھڑا وجود اتنا ہی سنجیدہ تھا جتنا کہ اس کا لہجہ تھا۔

"اگر کسی نے مجھے مجبور کیا تو.....؟" وہ ہر طرح کی تسلی کر لینا چاہتی تھی۔ اتنا تو یقین تھا کہ اگر سمعان انکار کرے گا تو سچ ہی ہوگا۔

"تو بھی تمہیں میری طرف سے اطمینان ہونا چاہئے۔ فی الحال میں خود بھی نہیں چاہتا کہ تم وہاں جاؤ۔" زرش خاموشی سے دیکھے گئی۔ سمعان احمد کا انداز مکمل طور پر نارمل اور سنجیدہ تھا۔ سمعان قریب ہی رکھی کرسی پر بیٹھا تو زرش کو دیکھا جو شش و پنج میں تھی۔

"آؤ ادھر بیٹھو....." سمعان نے دوسری کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ جھجک گئی تھی۔ "مجھے تم سے اسی سلسلے میں بات کرنی ہے۔ آرام سے سکون سے بیٹھ کر بات سن لو۔" سمعان احمد کے لہجے کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہ پڑا تھا۔

وہ خاموشی سے کرسی پر ٹک گئی تھی۔ مگر انداز ایسا تھا کہ کسی بھی پل اٹھ کھڑی ہوگی۔ پلکوں پر ٹھہر جانے

والی نمی کو پلو سے صاف کر کے سمعان کو دیکھا۔

"جو بھی حالات ہیں' امی کے رویے سے لے کر اب تک' ہر چیز' ہر بات واضح ہے۔ میں تمہیں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم اپنی سوچ بدلو۔ اس سارے قصے میں یقیناً سب سے زیادہ نقصان تمہارا ہی ہوا ہے اور یہ کمی ہماری شرمندگی سے کچھ نہیں ہونے والا۔ تم اس گھر میں جانا نہیں چاہتیں اور امی تمہیں وہاں رکھ نہیں سکتیں۔" طاہرہ بیگم کے ذکر پر زرش کے چہرے کے زاویے بدلے تھے۔ "رہ گئی میری بات تو میں بھی نہیں چاہتا کہ تم اُدھر جاؤ' ابو نے اس سلسلے میں اک نئی پیشکش رکھی ہے۔" سمعان نے زرش کو دیکھا جو الجھ گئی تھی۔

"کیسی پیشکش؟" اس کے چہرے پر لکھا تھا (زبان سے زیادہ)۔

"ابو چاہتے ہیں کہ میں تمہیں لے کر اسلام آباد سیٹل ہو جاؤں عثمان بھائی کے ساتھ۔"

"کیا.....؟" زرش حیران ہو کر دیکھے گئی۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ ایکدم کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ سمعان نے اسے دیکھا وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"کیوں.....؟ تم اس گھر میں جانا نہیں چاہتیں' اس کے علاوہ تمہیں کہیں بھی رکھا جائے تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔" اس کے ایک دَم انکار نے سمعان کو تھوڑا سا گرم کیا تھا۔

"کیوں نہیں اعتراض ہونا چاہئے۔ میں آپ کے ساتھ بھاگی نہیں تھی اور نہ ہی میرا آپ کے ساتھ کوئی لمبا چوڑا افیئر تھا۔"

"زرش....." سمعان کے گرم ہونے پر وہ جواباً دوگنا زیادہ گرمی سے بولی تھی۔

سمعان نے فوراً اسے ڈپٹا تو وہ چپ ہو گئی۔ سمعان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دوبارہ کرسی کی طرف دھکیل دیا۔

"آرام سے بیٹھ کر بات سنو۔ ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی۔"

"مجھے آپ کی کوئی بے تکی بات نہیں سننی.....اور میں کیوں چوروں کی طرح چھپ کر زندگی گزاروں.....؟ قصور آپ کا ہے' غلطی آپ لوگوں کی ہے تو اصلاح بھی آپ کریں۔ میں آپ کے ساتھ یہ گھر تو ایک طرف اسلام آباد تک میں نہیں جاؤں گی۔ ایک الزام لے کر میں زندگی نہیں گزاروں گی۔ اس بات سے کم پر تو کبھی سوچئے گا بھی نہیں کہ جب تک آپ کی والدہ صاحبہ اپنی غلط بیانی اور الزام تراشی کا اقرار نہیں کریں گی اور انہیں اقرار کرنا ہوگا' اسی خاندان کے سامنے جس کے سامنے وہ مجھے ذلیل کر کے میں پیش پیش تھیں۔"

سمعان کے کرسی پر دوبارہ دھکیلنے اور تحکم سے کہنے نے الٹا ہی اثر کیا تھا۔ وہ تو بپھر ہی گئی تھی۔ بغیر رکے کے محو کلام تھی۔

"ایسا امی کبھی بھی نہیں کریں گی۔ انہیں اپنا بیان واپس ہی لینا ہوتا تو یہ سارا ڈرامہ اسٹیج ہی کیوں کیا جاتا۔ تمہارے سامنے آپشن ہے' اور زندگی ایک دو گھنٹے کا کھیل نہیں کہ جسے ضد اور انا میں ہوا کر دیا جائے۔"

"یہ ضد نہیں اور نہ ہی انا ہے۔ حق کی بات ہے اور یہ طے ہے میں پورے عزت و وقار کے ساتھ جینا چاہتی ہوں' اگر کسی نے مجھے مجبور کیا تو وہ نتائج کے ذمہ دار خود ہوں گے۔ میں اب وہ پہلے والی زرش سعود احمد نہیں رہی۔ یہ یاد رکھئے گا۔"

سمعان نے لب بھینچ لیے۔ زرش کا روز بروز اک نیا روپ سامنے آ رہا تھا۔ واقعی حالات و واقعات انسان کی خفیہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں خاصے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ وہ زرش کو اک کم عمر لاابالی سی لڑکی ہی سمجھ رہے تھے مگر وہ جس بات کے لیے ڈٹ گئی تھی وہ عام نہ تھی۔ کردار کی بات تھی اور کردار پر ایک دفعہ انگلی اٹھ جائے تو بات نسلوں تک جاتی ہے اور وہ دونوں آنے والی نسلوں کے امین تھے (جیسا کہ ان کی والدین تھے مگر ان کے والدین کی باہمی زندگی نے کیسا انتشار اور بکھراؤ پیدا کیا تھا کہ لاکھ جتن کرنے کے باوجود کچھ بھی درست نہیں ہو پا رہا تھا)

"دیکھیں سمعان بھا.....ء.....ئی۔" وہ روانی میں کہتے کہتے ایک دَم منہ پر ہاتھ رکھتے اپنی زبان روک گئی تھی۔ شادی کے بعد پہلی بار نام لے کر مخاطب کر رہی تھی۔ سمعان کے ساتھ بھائی کا حوالہ لگانے کی عادت اتنی پختہ تھی کہ اب مشکل سے ہی چھوٹنی تھی۔ زرش کے یوں ایک دَم منہ پر ہاتھ رکھ لینے پر سمعان کے تنے اعصاب ایک دَم ڈھیلے ہوئے تھے۔ لبوں پر تبسم سا بکھر گیا تھا۔

"مائنڈ اٹ.....شوہر کو بھائی کہنے سے نکاح ٹوٹ بھی سکتا ہے۔" زرش کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ وہ جو سمعان سے موجودہ رشتے کو محسوس کیے بغیر الجھ رہی تھی۔ اب یوں گھبرائی گھبرائی خاصی منفرد سی لگ رہی تھی۔ اتنی تلخ گفتگو میں بھی سمعان کے دل و دماغ پر اس چھوٹی سی بات نے بھرپور انداز میں اثر کیا تھا۔ بڑے برجستہ انداز میں اسے باور کروایا تو وہ سمعان کی اس شرارت پر اور سرخ پڑ گئی تھی۔ نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا لیا تھا۔ سمعان کو اس کا یوں پزل ہونا اور بھی لطف دے گیا تھا۔

"میں چلتی ہوں۔" اتنی دیر سے سمعان کے ساتھ الجھتے' لڑتے جھگڑتے پہلی بار احساس ہوا کہ ان کے درمیان بڑا خوب صورت سا رشتہ بھی ہے جسے وہ سرے سے محسوس ہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"یوں درمیان میں ہی ساری بات چھوڑ کر....." عقب سے سمعان کی آواز سن کر وہ رک گئی تھی۔

"بات بہت واضح اور صاف ہے۔ آپ کی والدہ جب تک خود آ کر ساری غلطیوں کو تسلیم نہیں کریں گی یہ سلسلہ اب ایسے ہی رہے گا۔ آپ کے ساتھ ساری عمر گالی بن کر جینے سے بہتر ہے کہ میں ساری عمر پاپا کے اس گھر میں ہی بیٹھی رہوں۔ فیصلہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ مجھے ایک عزت اور وقار سے اٹھے سر اور مکمل مان بھری زندگی دیتے ہیں کہ جس کا وعدہ اگر آپ کو یاد ہو تو آپ نے کبھی بھولے سے کیا تھا۔ یا پھر ایک ذلت بھری زندگی کہ جس کے پیچھے آپ کی والدہ کی الزام تراشی تھی۔ یہ بھی طے ہے میرے دل میں آپ کے لیے جو جذبات تھے وہ بالکل بے ریا تھے۔ اگر آپ کو منظور ہے تو ٹھیک ورنہ میرا اب فیصلہ یہی ہے جو کبھی بدلے گا نہیں۔" وہ دوٹوک انداز میں کہتی پلٹ کر دیکھے بغیر سرعت سے سیڑھیاں اترتی چلی گئی تھی۔

گھر کے سامنے گاڑی روک کر ہارن دیا تو چند منٹ بعد گیٹ کھل گیا تھا چوکیدار بابا آج گیٹ پر ہی تھے۔ بڑی اماں کی ہدایت پر اس کے انتظار میں جاگ رہے تھے ورنہ رات کے اڑھائی بجے وہ ادھر نہیں ہوتے تھے تالا لگا کر اپنے کوارٹر میں چلے جاتے تھے۔

آج بڑے عرصے بعد شارق لیٹ آیا تھا۔ شارق گاڑی اندر لے آیا تھا۔

اندرونی حصے میں سوائے اماں کے کمرے کے باقی سارے گھر کی لائٹس آف تھیں۔ یعنی اماں جاگ رہی تھیں۔

پہلے اماں کے کمرے میں جانے کا سوچا مگر پھر ارادہ بدلتے وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

کمرے میں داخل ہوا تو سیدھی نگاہ بستر پر پڑے سوٹ کیس اور بستر پر بکھرے کپڑوں پر پڑی تھی۔ شارق زمان کو لگا اس کے دماغ کی رگ پھٹ جائے گی۔ وہ نوریہ کو سوچنا نہیں چاہتا تھا مگر دل و دماغ پر صرف ایک خیال ہی چمٹ کر رہ گیا تھا اور اب اس کی کمرے میں غیر موجودگی..... انتہائی طیش میں بستر پر پڑے سوٹ کیس کو ہاتھ مار کر دور جا گرایا تھا۔ سوٹ کیس میں رکھے کپڑے اردگرد بکھر گئے تھے۔ صرف کپڑے ہی نہیں بکھرے تھے اور بھی بہت کچھ بکھر گیا تھا' شاید پوری زندگی ہی۔

''ڈیم اٹ.....'' جی چاہا کہ کمرے کے در و دیوار ہلا دے۔ غصے سے بہت سی چیزیں اِدھر سے اُدھر پھینک کر بھی اندر کا اشتعال کم نہ ہوا تو کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گیا تھا۔ لباس بدل کر باہر آیا تو کمرے میں اماں کو بیٹھے دیکھ کر رک گیا۔

اس وقت وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اور اماں کا تو قطعی نہیں۔

''بڑی دیر سے گھر آئے ہو؟'' وہ خاموشی سے بستر پر ٹک گیا۔ کمرے کی پھیلی بے ترتیبی پر اماں نے بغور نگاہ کی۔ ''شارق..... کھانا کھاؤ گے؟'' اسے بالکل خاموش بیٹھے دیکھ کر انہوں نے پھر پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نوریہ کا نہیں پوچھو گے؟'' کچھ دیر بعد انہوں نے پھر پوچھا تھا گویا زخموں پر نمک چھڑک دیا تھا۔

''اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ سارا دن نہ کچھ کھایا نہ پیا؟ شام کے بعد قے پر قے کرنے لگی تھی۔ میں تو پریشان ہو گئی تھی۔ ساتھ والی ڈاکٹر کو بلوایا تو وہ چیک کر کے دوائی دے گئی ہے۔ تو وہ دوا کھا کر سو گئی ہے۔ ادھر میرے کمرے میں ہی ہے۔'' اماں کی بات پر بھی وہ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ نہ سوال نہ کوئی ردعمل۔

''شارق! یہ کیا ہو رہا ہے؟ بڑے ارمانوں سے تم سب سے لڑ کر اسے اس گھر میں لائے تھے اور اب اتنی جلدی دل بھر گیا ہے تمہارا اس سے۔ گھر بکھر رہا ہے۔ نوریہ تو جا رہی تھی میں نے بڑی مشکل سے روکا ہے۔ زبیدہ کو بھی بلوایا تھا اور رضا کو بھی سارا دن تمہیں کال کرواتی رہی ہوں نہ آفس میں تھے نہ موبائل آن تھا کہاں تھے تم؟''

''آپ نے خوامخواہ اسے روکا..... جانے دیا ہوتا۔'' وہ بولا بھی تو کیا۔

''ایسے کیسے جانے دیتی اسے۔ خدا جوڑی سلامت رکھے وہ اس گھر کی بہو ہے۔ تمہارے ہونے

والے بچے کی ماں۔ ازدواجی زندگی میں اونچ نیچ تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ رضا کم عمر جذباتی لڑکا ہے۔ آرام سے بیٹھ کر مسئلہ حل کیا جا سکتا تھا تم نے تو حد ہی کر دی۔ نوریہ کو اس گھر سے نکالنے کا سوچنا بھی نہیں..... تمہارا دل بھر گیا ہے تو اور بات ورنہ اس کے کردار کی گواہی تو سارا خاندان دینے کو تیار ہے۔''

''ہاں کبھی میں بھی یہ سوچتا تھا مگر اب نہیں..... رضا کم عمر جذباتی لڑکا تھا مگر وہ اس حد تک کیوں آیا ہے۔ نوریہ غیر شادی شدہ تو نہیں تھی۔ اتنی بڑی بات کہ میں نوریہ کو چھوڑ دوں اور وہ اس کو اپنانا چاہتا ہے' اماں آپ اسے عام سی بات کہہ رہی ہیں' میرا جی چاہ رہا ہے کہ قتل کر دوں رضا کو اور پھر ساری کی ساری گولیاں اپنے حلق میں اتار لوں۔ جو نوریہ جیسی لڑکی کو سمجھ نہ سکا۔ نوریہ وہ لڑکی ہے جو میری نگاہ بدل جانے کو محسوس کر گئی تھی میں کیسے یقین کر لوں کہ ایسے میں رضا کی بدلتی نگاہ اور سوچ کا علم نہ ہوا ہو۔''

وہ تو پھٹ ہی پڑا تھا۔ اشتعال بھرا تھا اس کے اندر تو۔

''اماں! میں نے قسمت سے کچھ نہیں مانگا تھا صرف باکردار باحیا اور پاکباز بیوی کی طلب کی تھی کہ ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد ایک باکردار عورت کی کوکھ سے ہو۔ مجھے نہیں علم تھا کہ نوریہ مجھے دھوکہ دے گی۔ میں نواز فاروق تک سے خائف نہیں تھا کہ نوریہ کا اس سے ایک رشتہ تھا لکھنے کو کہنے کو سو جواز تھے مگر وہاں میرا دل مطمئن تھا اور یہاں اماں رضا کے معاملے میں مجھے ہمیشہ کھٹک رہی تھی۔ نوریہ کا رویہ اس سے کزن سے بڑھ کر تھا' پھر بھی آپ کہتی ہیں کہ نوریہ کا کوئی قصور نہیں۔ رضا کو اس مقام تک لانے والی ہی نوریہ ہے۔ کوئی بھی مرد ایسے نہیں پھسل جاتا اور شادی شدہ عورت سے متعلق بات کہہ دینا کہ ''میں اس کو اپنانا چاہتا ہوں۔'' اماں یہ عام بات نہیں ہے۔'' وہ رکا تھا۔

''اگر مجھے کسی ایسی ویسی عورت سے ہی شادی کرنا ہوتی تو اماں اب تک نجانے اس گھر میں کتنی آ چکی ہوتیں۔ مجھے ایسی عورت چاہئے جس پر نسلیں فخر کر سکیں۔ میری ماں کی فطرت کا ازالہ کر سکے کہ شارق زمان کا خون اتنا گندا بھی نہیں ہے مگر اب نہیں..... اماں! اب کچھ بھی نہیں رہا۔ میں نوریہ کو فیصلہ سنا چکا ہوں اگر آپ اس کی کسی بھی قسم کی طرفداری کے لیے آئی ہیں تو میں معذرت کرتا ہوں۔ میرے حوالے سے وہ جو بھی نقصان اٹھا چکی ہے میں اس کی تلافی کرنے کو تیار ہوں۔ میں سارے خاندان کے سامنے نواز کے فرار کے پیچھے چھپا مفہوم بھی واضح کرنے کو تیار ہوں۔ سارے خاندان کے سامنے نوریہ کے ساتھ کی جانے والی زبردستی بتانے کو بھی تیار ہوں مگر اسے کہیں وہ یہاں سے چلی جائے۔ یہ نہ ہو میں کچھ کر بیٹھوں۔''

وہ واقعی سخت مشتعل تھا۔ اماں کا دل لرز اٹھا۔ چٹانوں کی سی سختی تھی لہجے میں۔ یعنی کوئی لچک نہ تھی۔

''اسے کہیں وہ یہاں سے چلی جائے' میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ میں نے اسے کیوں چھوڑا ہے۔ اگر میری بات پر یقین نہیں آتا تو میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں۔ اس کی نیک نامی اور کردار پر کوئی حرف نہیں آئے گا مگر اب میں اس پر اعتبار نہیں کر پاؤں گا۔ اپنی آنکھوں سے اسے رضا کے ساتھ دیکھ لینے کے بعد اب یہ ممکن نہیں۔'' اس نے گویا فیصلہ سنا دیا تھا۔

''شارق وہ بے قصور ہے۔'' اماں بے قراری ہو گئی تھیں۔

"تو میرا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے بھی تو صرف اس سے ایک وعدہ لیا تھا کہ ہمیشہ میری وفادار بن کر رہے۔ شادی سے پہلے اگر رضا سے متعلق جو بھی تعلق تھا مگر شادی کے بعد تو وہ سب ختم کر سکتی تھی جیسے میں نے اس کے لیے سب سرگرمیاں چھوڑ دی تھیں مگر اماں اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس دن ہاسپٹل سے وہ مجھ کو سخت سست سنا کر رضا کے ساتھ گھر آئی اور پھر اس کے بعد یہ سارا قصہ۔"

"بعض اوقات آنکھوں دیکھی بھی غلط ہو جاتی ہے شارق۔" اماں کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیسے سمجھائیں۔

"ہاں' میں نے بھی یہ سوچا تھا مگر کل رات اگر رضا پورے یقین سے میرے سامنے کھڑا وہ سب نہ کہہ رہا ہوتا' میں نے انجانے میں غلطی سے نویرہ کے ساتھ جو بھی کرنا چاہا تھا وہ صرف چند لوگوں کے علم میں آیا تھا۔ نواز کو میں نے وہی بتایا جو میرے دل نے کہا تھا اور نویرہ نبیل اور چچی کی ساری فیملی ان کے بعد صرف آپ یا رفعت باجی اس قصے کو جانتی تھیں پھر رضا کو کیسے علم ہوا.....؟" وہ مکمل طور پر نویرہ سے متنفر ہو چکا تھا۔ اماں بے بسی سے اسے دیکھے گئیں۔

"اماں! وہ اتنے یقین سے وہ سب کہہ رہا تھا کہ اسے یہ سب نویرہ نے بتایا ہے اور نویرہ.....! اماں! نبیل نویرہ سے اس بات پر خفا ہے کہ اسے پہلے کیوں نہ سب بتایا گیا تو پھر رضا کو کیسے علم ہو گیا؟"

"ہو سکتا ہے خالدہ وغیرہ میں سے کسی نے ذکر کر دیا ہو؟" اماں کی غیر متزلزل آواز پر وہ طنزیہ ہنسی ہنس دیا تھا۔

"دل کے بہلانے کو اماں یہ خیال اچھا ہے۔"

"شارق! تمہاری غلط فہمیاں ایک طرف مگر اس بچے کا بھی تو سوچو۔" اماں نے سب سے اہم مسئلے پر توجہ دلائی تھی۔

"ہاں وہ میری اولاد ہے۔ نویرہ کو کہہ دیجیے گا میں بڑی خاموشی کے ساتھ یہ سارا قصہ ہی ختم کر دوں گا بس میری اولاد بحفاظت مجھ تک پہنچا دے۔ اس کے بعد وہ جیسا چاہے گی فیصلہ کر دوں گا۔" اماں خالی آنکھوں سے دیکھے گئیں۔

نویرہ جیسی مضبوط اعصاب کی مالک لڑکی آج سارا دن ایسے ہی نہیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ شارق کا یہی فیصلہ اسے توڑ پھوڑ گیا تھا۔ کیسے آناً فاناً میں سب ختم کر گیا تھا۔ جسے حاصل کرنے کو وہ آگ کے دریا میں کود اتھا۔

"شارق ایک دفعہ پھر سوچ لو' یہ دیکھو میرے بوڑھے ہاتھوں کو غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں۔ مل بیٹھ کے حل نکل آتا ہے تم نویرہ سے....."

"نہیں اماں ..... اب مفاہمت کی کوئی راہ نہیں بچی۔ آپ کو پتا ہے میری عادت کا' میں نے ہمیشہ خالص چیز پسند کی ہے جس چیز میں ذرا بھی نقص آ جائے چاہے وہ مجھے کتنی ہی محبوب ہو میں اسے پھینک دیتا ہوں۔ اماں کا دل چاہا اسے جھنجوڑ دیں۔

"چیزوں اور انسانوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" مگر وہ کہہ نہ سکی تھیں۔

"نبیل اس سے ناراض ہے وہ اسے کیسے برداشت کر لے گا۔" انہوں نے کہا بھی تو کیا۔ وہ ہنس دیا۔

"یہ آپ کا مسئلہ نہیں' میں نبیل سے معافی مانگ لوں گا وہ کرے گا برداشت۔" وہ ویسے ہی بے تاثر چہرہ لیے کہہ رہا تھا۔

"شارق اچھا نہیں کر رہے تم۔" وہ آخر میں رو دی تھیں۔ انہوں نے نویرہ کو ٹھنڈا کر لیا تھا سمجھا لیا تھا اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا اور اب شارق کا بے لچک انداز اور فیصلہ کن رویہ۔

"شارق! سارا خاندان بکھر جائے گا۔"

"پہلے کون سا جڑا ہوا ہے؟"

"نویرہ تو جیتے جی مر جائے گی۔"

"اچھا....." استہزائیہ ہنسی پر اماں کے آنسو بے اختیار ہوتے چلے گئے تھے۔

"نویرہ بے قصور ہے' یہ کیسی محبت ہے تمہاری؟"

"اماں میں نے نویرہ سے محبت نہیں کی تھی' میں نے اس کے کردار سے محبت کی تھی۔ اس کے کردار پر چڑھا ملمع اتر چکا ہے اور میری محبت بھی ختم۔"

"شارق....." اماں کی یہ آخری سسکاری تھی جو نویرہ کے دفاع میں تھی۔ اماں کی سسکاری نے ان کے لبوں پر دم توڑا تو باہر دروازے کے قریب کھڑی سب سنتی نویرہ اپنے وجود کو پتھر ہوتے محسوس کر رہی تھی۔ یعنی سب ختم.....

❁.....❁.....❁

شادی کے بعد وہ پہلی بار کالج آئی تھی۔ شادی سے ہفتہ پہلے ہی اس نے چھٹیاں کرنا شروع کر دی تھیں اور اب شادی کے چھ دن بعد وہ آ رہی تھی۔ جو بھی لڑکی ملی تھی اس کا پہلا سوال یہی تھا۔

"سنا ہے زرش تمہاری شادی ہو گئی ہے۔" اس ذکر سے اس کے زخم کیسے ہرے ہو رہے تھے کوئی نہیں جانتا تھا وہ قدم قدم پر ہرٹ ہوئی تھی۔

❁.....❁.....❁

باقی ماندہ رات کوئی بھی نہیں سو سکا تھا۔

نہ نویرہ' نہ اماں اور شاید شارق زمان بھی۔

نویرہ اب یہاں ایک پل بھی نہیں رکنا چاہتی تھی' صبح آٹھ بجے تک اس نے بمشکل انتظار کیا تھا کہ شارق زمان اپنے کمرے سے باہر نکلے اور وہ وہاں جا کر اپنا سوٹ کیس لے جو زبیدہ چچی کی گریہ وزاری کے بعد وہ جوں کا توں بستر پر پڑا چھوڑ آئی تھی۔

آٹھ بجے کے بعد وہ مزید انتظار نہ کر سکی تھی' باقی ماندہ رات اماں کے سمجھانے بجھانے کے باوجود وہ دروازہ دھکیل کر کمرے میں چلی آئی تھی۔ شارق زمان جاگ رہا تھا مگر بستر پر دراز تھا۔ پہلی نگاہ کے بعد انہوں نے تنفر سے نگاہوں کے زاویے بدل لیے تھے۔ سارا کمرہ بکھرا پڑا تھا' کرسٹل کے ٹکڑے جا بجا قالین پر بکھرے پڑے تھے اور سوٹ کیس سمیت تمام کپڑے قالین پر یہاں وہاں پڑے تھے۔ نویرہ نے

اک تاسف بھری نگاہ سوٹ کیس پر ڈالی۔

چیزیں تو ایک طرف وہ شاید زندہ انسانوں سے بھی یہی سلوک کرتا تھا۔ جب تک دل چاہا اچھالا اکتا گیا تو توڑ پھوڑ کر پھینک دیا۔ آگے بڑھ کر نویرہ نے سوٹ کیس سیدھا کیا تھا۔ ایک ایک کر کے کپڑے اکٹھے کیے تھے۔ بڑے سکون سے تہہ کر کے بریف کیس میں رکھ رہی تھی۔ اس کی ہر حرکت بلا کا اطمینان وسکون تھا۔ اس کا ضمیر مطمئن تھا اس کا کردار بے داغ تھا تو پھر وہ کیوں ڈرتی۔ وہ دور گزرا جب شوہر کے پاکباز بیوی کو بدکردار کہنے پر شرعی حدود کا نفاذ ہوتا تھا اب تو صرف وقت گزارا جانا تھا چاہے جیسے بھی ہو۔

پانچ چھ جوڑے رکھنے کے بعد وہ الماری کھول کر چند چیزیں لے کر پلٹی تھی۔ اسی دوران بڑی اماں کے چہرے پر آنسو لیے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ شارق زمان بستر پر نیم دراز سب دیکھ رہا تھا۔

"اماں یہ دیکھ لیں! میں کچھ بھی نہیں لے کر جا رہی یہ نہ ہو بعد میں میرے اوپر ایک اور الزام ہو..... وہ زیور ہے جو اماں نے مجھے دیا تھا۔ اور یہ وہ زیور ہے جو آپ نے پہنایا تھا میں اماں والا زیور لے کر جا رہی ہوں اور یہ چند روپے ہیں جو وقتاً فوقتاً اپنے گھر سے رخصت کرتے وقت اماں دے دیتی ہیں آپ لوگ جو بھی دیتے تھے وہ سب کچھ ادھر لا کر میں پڑا ہوا ہے۔ کھانے پینے کا میں حساب نہیں چکا سکتی کہ نکاح کے عوض شاید یہ حلال ہو۔" اس کے ہر ہر لفظ میں زہر تھا۔ اماں تو پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"نبیل بھائی کی ناراضگی کے باوجود اماں نے دنیا دکھاوے کو جو کچھ بھی دیا ان میں یہ چند جوڑے لے کر جا رہی ہوں آپ دیکھ لیں۔ بے شک تلاشی کروا لیں۔"

"اماں اسے کہیں جو بھی لے کر جانا چاہتی ہے لے جائے جو ایک بار دے دیا تو پھر دے دیا۔"

شارق زمان کے کہنے پر ایک چھوٹے سے ہینڈ بیگ میں مختصر سے پیسوں کے ساتھ اماں کا دیا گیا زیور رکھتے نویرہ نے سر گھما کر شارق زمان کو دیکھا۔

"قیمت چکانا مرد کی فطرت جو ٹھہری۔" وہ زہر سے بھری ہوئی تھی مگر آواز اتنی ہی پرسکون تھی۔

ہینڈ بیگ کپڑوں کے ساتھ سوٹ کیس میں رکھتے وہ سیدھی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ میں سونے کے کڑے اور دوسرے میں چوڑیاں تھیں دونوں ہاتھوں میں پانچ چھ انگوٹھیاں تھیں گلے میں شارق کے نام کا چھوٹا لاکٹ جو اس نے ولیمے سے اگلے دن اسے اپنے ساتھ لے جا کر دلایا تھا رونمائی کے تحفے کے طور پر۔ کانوں میں ٹاپس اور بندے اس نے ایک ایک کر کے سب کچھ اتار کر اماں کے ہاتھوں میں ڈال دیا تھا۔

"نویرہ یہ کیا کر رہی ہو یہ تو....."

"اماں! کل جب میں جا رہی تھی تو مجھے گمان تھا کہ مجھے واپس یہیں آنا ہے اس لیے کچھ نہیں اتارا مگر اب طے ہے کہ مجھے واپس نہیں آنا تو پھر میں یہ نہیں لے جا سکتی۔ ویسے بھی ان سب کی قیمت حاصل کر ہی چکی ہوں۔ رہ گئی بچے کی بات تو جب وہ پیدا ہو گا تو بات کیجیے گا۔ یہ واحد وہ چیز نہیں بلکہ وہ ہو گا جو میں آپ لوگوں کو نہیں دوں گی۔"

"تم کون ہوتی ہو میری اولاد کو لینے والی۔ وہ میری اولاد ہے اور مجھے ملے گی ورنہ میں کسی بھی حد تک

چلا جاؤں گا۔" شارق زمان تو ایک دم بپھر کر سیدھا ہوا تھا۔ نویرہ نے استہزائیہ دیکھا۔

"ہاں تم جیسے مرد کس حد تک جا سکتے ہیں جان گئی ہوں۔ مجھے یہ دھمکیاں مت دو۔ بدکردار تو مجھے کہہ ہی چکے ہو مگر تمہارے پاس کیا گارنٹی ہے کہ یہ اولاد تمہاری ہے؟" نویرہ چہرے سے ہی نہیں لہجے سے بھی اتنی ہی پرسکون تھی۔ شارق زمان اپنی جگہ منجمد ہو گیا تھا۔

نویرہ نے استہزائیہ دیکھا۔ شارق کے پاس شاید کوئی جواب نہ تھا۔

"تم ثابت کروا لینا کہ وہ تمہاری اولاد ہے مگر پھر میرے بدکردار ہونے کا فیصلہ بھی واپس لے لینا لیکن شارق زمان یاد رکھنا وہ میری اولاد ہے اور میرے پاس ہی رہے گی چاہے اس بار تم دنیا کا کوئی بھی حربہ استعمال کر لو۔ دنیا کی کسی بھی عدالت میں مجھے بدکردار ثابت کروانے اور اس اولاد کو اپنی اولاد کہنے کو چلے جانا مگر فیصلہ تو تب ہو گا جب میں گارنٹی دوں گی کہ یہ تمہاری اولاد ہے یا نہیں۔"

"نویرہ....." وہ چیخ کر بستر سے اترا تھا۔

"چلاؤ مت شارق زمان..... میرا تمہارا اب کوئی لین دین نہیں رہا۔"

وہ جتنا مشتعل ہوا تھا وہ اتنی ہی پرسکون تھی۔

اماں نے دہل کر نویرہ کا بازو پکڑا تھا۔

"اماں.....! میرا ضمیر مطمئن ہے اسی لیے میں پرسکون رہوں گی۔ مگر یہ شخص مجھے اس مقام تک لا کر اس قدر ذلیل و رسوا کر کے کبھی سکون سے نہیں جی پائے گا۔"

"نویرہ۔" وہ مشتعل ہو کر آگے بڑھا تھا مگر اماں نے فوراً درمیان میں آ کر اس کا راستہ روک لیا تھا۔

"کیا کرتے ہو؟ جا تو وہ رہی ہے؟" روتے ہوئے اماں نے کہا تو وہ غصے سے پاگل ہوا تھا۔

"تو پھر بکواس بند کر کے جائے۔"

"چہ..... چہ..... اتنا بھی حوصلہ نہیں کہ اپنی اصل شکل آئینے میں دیکھ سکو۔ جس شخص کو اپنی ماں بہن کا نام گالی لگتا ہو جو اپنی اصلیت سے مفرور ہو حیرت کی بات ہے اس کے منہ سے اپنے لیے باکردار بیوی کی ڈیمانڈ ہوتی ہے۔" وہ استہزائیہ ہنسی تھی۔

"اماں اسے یہاں سے دفع کریں..... ورنہ میں....."

"چلو نویرہ....." اماں نے شارق کے غصے سے ڈر کر نویرہ کا بازو پکڑا تھا۔ جس کی آنکھوں میں شارق زمان کے لیے بلا کی نفرت تھی۔

"جا تو رہی ہوں اماں مگر یہ واضح کر دوں شارق صاحب میں یہ تصویریں اور ڈائری ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔"

اس نے آگے بڑھ کر ڈریسنگ پر رکھی دونوں چیزیں اٹھا لی تھیں۔

"تم لوگوں کو بتاتے ہو یا نہیں، میں ضرور بتاؤں گی کہ میرے شوہر نے مجھے بدکردار کہہ کر گھر سے نکال دیا ہے۔ یہ تصویریں اور ڈائری تمہارے نزدیک ثبوت ہیں مگر میرے نزدیک سچائی ہیں۔ تمہارے کردار کو آئینے کی شکل میں پرکھنے کی۔ تمہارا اصل روپ جان کر مجھے کل تک بڑی تکلیف ہوتی تھی اب وہ بھی نہیں

رہی۔ دراصل جو نفسیاتی طور پر بیمار ذہنیت کے حامل لوگ ہوتے ہیں ان کی سوچ ایسی ہی ہوتی ہے۔ جو انسان اپنے وجود کی حقیقت سے باخبر نہیں وہ میرے بدکردار ہونے پر کیسے مہر ثبت کرسکتا ہے؟ میرا کردار سارے خاندان کے سامنے ہے۔ مجھے پرکھنے والے اپنے وجود کی حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں وہ میرے کردار کو بالکل ایسے ہی جانتے ہیں جیسا کہ وہ لوگ اپنی اصل شناخت کو جانتے ہیں۔ ہاں تم جیسے لوگ ہر رشک کی دہلیز پر کھڑے ہر کسی کو اپنی سوچ کے زاویوں سے پرکھتے رہتے ہیں۔"

نویرہ نے ایک آخری کٹیلی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ جو غیظ بھری نگاہوں سے اسے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ ایک سوٹ لے کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی تھی۔ اماں کی سسکیاں سارے کمرے میں گونج رہی تھیں۔ نویرہ کے لفظ شارق زمان کے ذہن پر ہتھوڑے کی مانند برس رہے تھے۔

اماں کو دیکھ کر اور رونا آیا' نویرہ نے اس گھر سے ایک جوڑا کیا ایک جوتا تک نہ لیا تھا' یہ سب وہ خالدہ بیگم کی وقتاً فوقتاً دی گئی عنایتیں تھیں جو اب اس کے کام آرہی تھیں۔

"اچھا اماں! چوکیدار بابا کو کہا تھا ٹیکسی لے آئے' اب تو ٹیکسی والا بھی انتظار کرکر کے تھک گیا ہوگا۔ اگر آپ کی خدمت میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو معاف کیجئے گا۔"

"نویرہ! تم....." اماں نے روتے ہوئے اسے اپنے سے لگالیا تھا۔ شارق زمان بے تاثر چہرہ لیے کھڑا رہا۔

"اماں! دعا کیجئے گا میں اس آزمائش میں سرخرو رہوں۔" نویرہ کی آواز میں ہلکی سی نمی در آئی تو اس نے سختی سے خود کو اماں سے علیحدہ کرلیا۔ وہ ثابت قدم رہنا چاہتی تھی ہر حال میں۔ جبکہ اماں کے آنسو اسے کمزور کررہے تھے۔

"میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

"رہنے دیں اماں! خوامخواہ سب پریشان ہوں گے' میں خود ہی ہینڈل کرلوں گی۔ آخر کو بدکرداری کا الزام لے کر جارہی ہوں۔" اس نے سوٹ کیس تھام لیا تھا۔

اماں کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

جب محبتوں میں شدت آجائے اور شدتیں حد سے بڑھ جائیں تو چاہتوں کو زوال آہی جاتا ہے۔

یہ شارق زمان کی چاہتیں تھیں۔

اس کی شدتوں کی یہ حد تھی۔

محبت ہمیشہ اعتدال کے پلڑے میں زندہ رہتی ہے۔

وہ ہمیشہ اعتدال کا ضامن مانگتی ہے۔

ہر رشتہ ایک خاص مقام میں زندہ رہتا ہے۔

ہر رشتے کا ایک مدار ہے۔ وہ مدار سے ہٹ جائے تو فنا ہوجاتا ہے۔

جب "مطلوبہ مقدار" کم ہو یا بڑھ جائے تو نقصان ہی ہمیشہ سامنے آتا ہے۔

اس گھر سے نکلتے' ٹیکسی میں بیٹھتے' ایک ضدی آنسو اس کی پلکوں کی باڑ پر آٹھہرا تھا نویرہ نے بھی بہنے

دیا کہ وہ اس گھر سے سونپی گئی ہر کمزوری یہاں ہی چھوڑ کر جانا چاہتی تھی۔ آگے اس کے سامنے ایک بہت بڑا امتحان تھا جہاں اس کے قدموں کی ذرا سی کمزوری ولغزش اسے رسوا کرسکتی تھی۔ اور وہ بدکردار کہے جانے کے باوجود رسوا نہیں ہونا چاہتی تھی۔

وہ پچھلے دو دن سے کالج نہیں جارہی تھی۔ اس کا کالج جانے اور لڑکیوں کی آنکھوں میں ان گنت سوالوں کا سامنا کرنے کا دل ہی نہیں چاہا تھا۔ شائستہ بیگم نے ایک دوبار کہا بھی تھا مگر وہ ٹال گئی تھی۔ تعلیم اس کا خواب تھا مگر اب اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ ایسے حالات میں وہ کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔

وہ سارا دن سو کر اٹھی تو طبیعت عجیب بوجھل سی ہورہی تھی۔ روزانہ نوشی اور عفان شام کے بعد ضرور چکر لگالیتے تھے۔ پاپا بھی پہلے سے کچھ بہتر تھے تاہم وہ گھر پر ہی بیڈ ریسٹ پر تھے۔ وہ نہا کر لباس بدل کر کچن میں چلی آئی تھی۔ اس نے ماما پاپا سے چائے کا پوچھا تو دونوں نے انکار کردیا تھا۔ اپنے لیے چائے بنا کر وہ لاؤنج میں آبیٹھی' ٹی وی لگا کر مصروف تھی کہ علی چلا آیا۔

"السلام علیکم' کیا ہورہا ہے بھابی صاحبہ!" وہ خاصا پرجوش اور خوش نظر آرہا تھا۔ زرش نے خاموشی سے اسے دیکھا۔ اس کا رویہ آج کل سب کے ساتھ ایسا ہی تھا۔ خاص طور پر تایا لوگوں کے ساتھ مگر علی تو روزانہ آرہا تھا۔ دو دن سے سمعان احمد نہیں آرہا تھا' اس نے علی سے ہی سنا تھا کہ وہ کسی کام کے سلسلے میں آؤٹ آف اسٹیشن ہے۔

"حال چال نہ سہی مگر سلام کا جواب دینا تو مسلمان پر فرض ہے۔" اس کے یوں خاموشی سے دیکھنے پر اس نے ٹوکا تو وہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"چھوڑو ٹی وی کو یہ دیکھو میں کیا لایا ہوں۔" اس نے ایک شاپنگ بیگ لہرا کر اسے دکھایا تھا۔ ساتھ ہی ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بھی آف کردیا تھا۔

"کیا ہے.....؟" بادلِ نخواستہ اسے پوچھنا پڑا تھا۔

"بوجھو تو جانیں۔"

"مجھے پزل کھیلنے کا کوئی شوق نہیں۔" اس نے علی کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر دوبارہ ٹی وی آن کرلیا تھا۔

"توبہ کتنی سڑیل ہو تم..... سمعان بھائی کو نجانے تم میں کیا نظر آیا تھا۔" کہنے کو تو اس نے مذاق میں کہا تھا مگر زرش کو لگا اس نے اسے ذلیل کردیا ہو۔

"شٹ اپ۔"

"سوری یار..... میں نے تو مذاق کیا تھا۔"

"مگر میرا تم سے مذاق کا کوئی رشتہ نہیں۔"

"نہ بناؤ مگر دیور بھابی کے رشتے سے انکار نہیں کروگی۔" اس نے پھر شرارت سے کہا تھا۔ "اچھا چلو یہ

دیکھو میں کیا لے کر آیا ہوں۔" اس کے ایک دم چپ چاپ دیکھنے پر علی نے بات ہی پلٹ دی تھی۔ شاپنگ بیگ سے بڑا سا البم نکال کر اسے تھمایا تھا۔

"بڑی زبردست تصویریں آئی ہیں۔ مجھے اتنی ایکسائٹمنٹ ہو رہی ہے کہ حد نہیں..... تم بھی دیکھو گی حیران رہ جاؤ گی۔ آج ہی ابھی لے کر آیا ہوں۔ سیدھا یہیں آیا ہوں ویسے تو فوٹو گرافر کو دودھ کا کروانے کو کہا ہے مگر فی الحال یہ ایک البم ہی تیار ہوا ہے۔ تم دیکھو تو سہی۔" اس نے تصویروں والا البم کے سامنے ٹیبل پر رکھ کر کھول لیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی زرش کی نگاہ پہلی تصویر پر ٹھہر سی گئی تھی۔ لباس میں وہ سر جھکائے بیٹھی تھی اور اس کے دائیں بائیں عثمان بھائی اور زوباریہ بھابی تھے۔ اس نے لب بھینچ لیے تھے۔

علی ایک ایک تصویر پر تبصرہ کرتا نان اسٹاپ بول رہا تھا۔ ہر تصویر ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ انتہا خوب صورت و دل کش انداز میں کھینچے گئے پوز اور اوپر سے فوٹو گرافر کی مہارت۔ مہندی' شادی' نوشی ولیمے اور پھر نوشی کے مکلاوے والے دن کی سب تصویریں بڑی زبردست تھیں۔

"ارے علی آیا ہوا ہے۔" ماما کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا وہ اندر روم میں تھیں' پاپا پاس۔ اب ادھر آئی تھیں۔

"ارے تصویریں آ گئی ہیں۔ نوشی نے بھی فون کیا تھا کہ ادھر کی بھی تصویریں اور مووی دونوں آ ہیں۔" وہ اس کے پاس ہی آ بیٹھی تھیں۔ زرش چند منٹ بعد خاموشی سے اٹھ گئی۔ اسے اب وحشت ہونے لگی تھی۔

"چائے پیو گے۔" اپنا خالی کپ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"نہیں۔"

"چچی امی میں زری کو لینے آیا تھا۔" اس نے زرش کو دیکھ کر ماما سے کہا تھا۔

"کیوں؟" زرش نے ہی پوچھا تھا۔

"میرا آج آؤٹنگ کا موڈ ہو رہا تھا۔ فرح کو کہا تو وہ نہیں مانی تھی۔ میں نے سوچا چلو زری کے ساتھ چلتا ہوں۔ سی سائیڈ چلیں گے۔"

"نہیں مجھے نہیں کہیں جانا۔" اس نے فوراً انکار کیا تھا۔

"چلی جاؤ زرش۔ تھوڑی سی آؤٹنگ ہو جائے گی تم تو بالکل کمرے میں بند ہو کر رہ گئی ہو۔ کالج نہیں جا رہی ہو۔" ماما نے اس کے انکار پر کہا تھا۔

"کالج کیوں نہیں جا رہیں۔"

"پتا نہیں۔" ماما نے اسے دیکھا وہ سرخ چہرہ لیے کھڑی تھی' اب بات بات پر وہ غصے میں آ جاتی تھی۔ زرش ایسی تو نہ تھی۔ ان کا دل دکھا۔

"مجھے نہیں جانا کہیں۔"

"زرش بری بات بیٹا..... علی تمہارے لیے وقت نکال کر آیا ہے۔ ایسے بی ہیو نہیں کرتے۔ ریڈی ہو جاؤ

ہو جاؤ چادر لے آؤ۔" شائستہ بیگم نے اب کے کچھ بے لچک انداز میں کہا تو وہ خاموشی سے اندر ہی مڑ کو لوٹی چادر لے کر آ گئی۔

سمندر کے کنارے آ کر بھی اس کے اندر کا اضطراب کم نہیں ہوا تھا۔ وہ علی کے ساتھ بائیک پر آئی تھی۔ سارے راستے خاموش رہی تھی اور اب بھی علی کے ساتھ گیلی ریت پر چلتے اس کے دل کی زمین گیلی ہو رہی تھی۔

"زرش! بہت ناراض ہو ہم سے۔ مجھ سے بھی۔ میں تو تمہارا بھائی ہوں۔ کیا بھائیوں سے بھی ناراض ہوا جاتا ہے۔" چلتے چلتے رک کر اس نے اسے دیکھا۔ تو زرش کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ وہ قطعی بے بس تھی۔ اپنے جذبات میں۔ اپنے احساسات میں' وہ نارمل ہونا بھی چاہتی تو قطعی بے سود تھا۔

"پلیز..... ادھر بیٹھو جو دل میں ہے کہہ دو..... جتنا غبار ہے بہا دو۔ مجھے تمہارا ہنستا مسکراتا چہرہ چاہیے..... پلیز جو بھی گلے ہیں کہہ دو۔" اس نے اسے ایک چھوٹے سے پتھر پر لا بٹھایا تھا اور پھر خود بھی ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

"علی! میرا دل چاہتا ہے میں مر جاؤں..... ہر آن' ہر پل میرے دل میں صرف یہی خیال آتا ہے' کہ اپنے زندگی کو خود سے دور کر لوں۔" اس نے اس کے کندھے پر سر رکھا تو پھر دل کا درد بہاتی چلی گئی تھی۔

"علی! میرے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ کسی نے بھی اچھا نہیں کیا۔" اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"اور کالج کیوں نہیں جا رہی ہو؟" کچھ دیر بعد اس نے پوچھا تو اس نے وہ سب کہہ سنایا۔

"لڑکیاں بار بار شادی کا حال پوچھتی ہیں۔"

"تم دفع کرو ایسے لوگوں کو..... لوگوں کی تو عادت ہوتی ہے ایسی بکواس کرنے کی۔"

"نہیں علی.....! اب میں وہ پہلے والی زرش نہیں رہی۔ مجھے لوگوں سے خوف آنے لگا ہے' میں اب لوگوں کا سامنا نہیں کر سکتی' مجھے ڈر لگنے لگا ہے لوگوں سے ان کے لہجوں سے' ان کی باتوں سے' میں نہیں سامنا کر سکتی۔" وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔ "اس واقعے نے میری خود اعتمادی چھین لی ہے' میں ایک دم کسی کو کچھ بھی کہہ دیتی تھی مگر اب لگتا ہے میری گویائی چھین لی گئی ہے' گونگا بنا دیا ہے مجھے اس واقعے نے۔"

علی نے بڑی خاموشی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دلاسا دیا تھا۔ کافی دیر بعد اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

"اندھیرا کافی ہو گیا ہے۔" اس نے اطراف میں نگاہ کی' شام کے سائے پھیل رہے تھے۔

"آئس کریم کھاؤ گی؟" علی کے پوچھنے پر اس نے سر ہلا دیا تھا۔

"تم بیٹھو میں آتا ہوں لے کر۔" وہ چلا گیا تھا وہ اسی پتھر پر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے گھٹنوں پر سر رکھے سمندر کی تلاطم خیز موجوں میں بپھرے طوفان کو دیکھ رہی تھی۔

"السلام علیکم....." انجان اجنبی آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑے شناسا سے چہرے کو دیکھ کر ٹھٹکی۔

"وعلیکم السلام۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

"ہونہہ..... ساری عمر یونہی زندگی نہیں رہتی اگر شائستہ کی ہی حکمرانی کروانی ہے مجھے اس گھر میں تو اسے یہاں سے نکلوایا کیوں تھا۔" انتہائی نخوت بھرا تمسخرانہ انداز تھا۔ زرش الجھ گئی۔

"آپ کچھ بھی کہیں آپا..... دولت کی مجھے پروا نہیں..... سعود احمد کی ساری جائیداد ظاہر ہے اس کی بیٹیوں کے نام ہی تو ہے۔ سنا ہے میں نے ہادیہ کے نام کے شیئرز وہ وقار کے نام منتقل کرنے کا سوچ رہے ہیں۔"

طاہرہ بیگم کی باتیں زرش کے دماغ میں واقعی نہیں بیٹھ رہی تھیں لیکن موضوع گفتگو ان کی ذات تھی تو وہ چپ سادھے سنتی گئی۔

"نوشی کو بھی دے دلا کے ہی رخصت کریں گے دونوں میاں بیوی۔ رہ گئی زرش سنا ہے اس کے نام بھی اچھی خاصی جائیداد ہے۔ یہ "احمد منزل" کا سعود احمد والا پورشن اور مری والا کاٹیج کے علاوہ لاہور والا گھر زرش کے نام ہے۔"

زرش حیران ہو کر سن رہی تھی۔ اتنی معلومات تو اسے بھی نہیں تھیں۔ جبکہ طاہرہ بیگم اور بھی بہت کچھ گنوا رہی تھیں۔

"بزنس میں نفیسہ آپا کے علاوہ دونوں بھائیوں کا جو حصہ بنتا ہے اس میں بھی سعود احمد کا سارا کاروبار ظاہر ہے اس کی بیٹیوں کے نام ہی ہے۔ رہ گئی شائستہ تو جس گھر میں رہ رہے ہیں وہ اسی کے نام ہے۔ "احمد گارمنٹس" تو سمعان کے نام ہے جبکہ باقی کاروبار عثمان سمعان علی فرح کے حصے پر سعید احمد چلا رہے ہیں۔ یہ سارا اثاثہ بچوں کا ہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ میرے بچوں کا مستقبل محفوظ ہے۔ فوزیہ اپنی بیٹی ہے میری زوباریہ کا فیملی بیک گراؤنڈ بھی مضبوط ہے۔ مگر وہ سب لوگ گارمنٹ یا بزنس جائیداد کے معاملے میں ہمارے ہم پلہ تو نہیں مگر حیثیت والے ہیں۔"

گھر میں بالکل خاموشی تھی اس خاموشی میں دھیمے سے گفتگو کرتی طاہرہ بیگم کا ایک ایک لفظ زرش کے اندر حیرت کی دنیا آباد کر رہا تھا۔

"آپا! دل تو میرا بھی خون کے آنسو روتا ہے..... فوزیہ کے لیے میں نے کس کس کی مخالفت مول نہیں لی۔ ایک دفعہ پھر اپنی گھر ہستی داؤ پر لگا رہی ہوں مگر کیا فائدہ..... آپ کے شکوے بجا ہیں..... لیکن میری بھی تو سنیں جو بھی باہر سے آئے گی راج کرے گی۔ عثمان کا تو کاروبار میں صرف حصہ ہے سمعان احمد جتنی محنت کرتا ہے سعید احمد اس کے عوض اس کے لئے علیحدہ کاروبار شروع کرنے جا رہے ہیں۔ فوزیہ آتی تو دل کو سکون رہتا نجانے آنے والی کیسی ہوگی۔ زوباریہ فطرت کی اچھی ہے ورنہ عثمان دور پردیس میں ہیں میرے تو دل کو ہول اٹھتا ہے۔ کچھ کہوں تو مجھے ہی الزام دینے لگتے ہیں سب....." آخر میں ان کی آواز رندھ گئی تھی۔

"نہیں آپا یہ کبھی نہیں ہو سکتا..... مر کر بھی نہیں..... اگر ایسا ہوا تو سعید احمد کچھ بھی کر لیں پر میرا فیصلہ نہیں بدلے گا..... اپنی ساری اولاد میں مجھے سمعان احمد سب سے زیادہ عزیز ہے اور اس کے لئے وہی کلموہی رہ گئی ہے۔"

نجانے وہ اب کس کو کوس رہی تھیں زرش کے تو کچھ پلے نہ پڑا۔

"سمعان کو میں جانتی ہوں وہ میری مرضی کے بغیر باپ کی بھی نہیں مانے گا اور سعید احمد نے کہا ہے کہ وہ کچھ عرصہ سمعان کی شادی نہیں کرنا چاہتے۔ میں چپ ہو گئی ہوں کہ ان کے اندر بھائی کی محبت کا جو طوفان ٹھاٹھیں مار رہا ہے ذرا تھم لے پھر سوچوں گی کیا کرنا ہے۔"

زرش الجھ گئی تھی دونوں میں ہونے والی یہ گفتگو کم ہی پلے پڑ رہی تھی۔

"ہاں سنا تو میں نے بھی ہے۔ بلکہ سعید احمد اور سمعان احمد دونوں نے ہی کہا تھا کہ میں چلوں عیادت کر آؤں مگر آپا آپ جانتی ہیں سعید احمد کے طعنوں کے بعد انتہائی ذلیل کر کے گھر سے نکالنے کے بعد میں اس شخص کی شکل بھی، دیکھنے کی روادار نہ تھی۔ بھائیوں اور ماں باپ کی ضد کے سامنے ہار گئی پھر آپ نے سمجھایا تو دوبارہ یہاں چلی آئی ورنہ دل سے تو ابھی بھی دھواں اٹھتا ہے۔ آج تک سعید احمد کا رویہ تکلیف دیتا ہے۔ کبھی دل چاہتا ہے کہ دیواروں سے سر پھوڑ پھوڑ کر روؤں۔ میں نے اس کٹھور سنگدل شخص پر اعتبار کیا تھا۔ بھول کس سے نہیں ہوتی مگر بھول تو وقتی تھی کوئی میرے دل میں جھانک کر نہیں دیکھتا یہاں کیسی آگ لگی ہوئی ہے۔ ساری عمر گزر گئی ایک رات بھی سکون سے نہیں سو پائی ہوں۔ اتنی ذلت کاش آپا میرے بس میں ہو تو میں اس عورت کا منہ نوچ لوں۔ کتنی خوش ہے میرے گھر میں آگ لگا کر۔ کتنا چیخی تھی میں سعید احمد کے سامنے اعتبار قسمیں دلائل ثبوت کیا نہیں میں نے اس سنگدل شخص کے سامنے پیش کیا مگر اس کے دل میں پتھر فٹ ہو گیا تھا۔ آپ بھی تو گواہ ہیں کیسے مجھے گھر سے نکل جانے کو کہا تھا۔ اپنے بچوں کے لئے آج یہاں ہوں ورنہ....."

طاہرہ بیگم اب رو رہی تھیں ان کی سسکیاں زرش کے دل کو عجیب سے درد سے دوچار کر رہی تھیں۔

"ہاں..... یہ نفرت میرے اندر زہر بن کر دوڑتی ہے۔ دونوں میاں بیوی کا نام بھی سنوں تو دل چاہتا ہے آگ لگا دوں اور اب ساری عمر گنوا کے اعتبار مجروح کروا کے بے اعتباری کی زندگی جی کے پھر اس عورت کی بیٹی گھر لے آؤں نہیں آپا! فوزیہ کا نام اس لیے لیتی ہوں کہ آپ کے مجھ پر بڑے احسان ہیں جب ذلیل کر کے اس گھر سے نکالی گئی تھی تو آپ نے رہنے کو چھت دی تھی۔ جب سب بہن بھائیوں نے ساتھ چھوڑا تھا آپ سہارا بنی تھیں۔ احسان فراموش نہیں ہوں مگر مجبور ہوں میں سعید احمد کے سامنے فوزیہ کے لئے نہیں لڑ سکتی۔ وہ شخص ساری عمر کا انعام "طلاق" کی صورت بھی دینے سے گریز نہیں کرے گا..... آپ کچھ بھی کہہ لیں خود غرض احسان فراموش مگر اب اس عمر میں یہ خاک سر میں نہیں ڈلوا سکتی۔ میں نے سب کچھ کر دیکھا ہے مگر سعید احمد کے سامنے ہار گئی ہوں۔"

وہ اب باقاعدہ رو رہی تھیں۔

زرش ساکت کھڑی تھی۔

طاہرہ بیگم کی باتیں گریہ وزاری اس سے یہ گتھی نہیں سلجھنے والی تھی۔

"ہاں ایک دفعہ پھر دیکھوں گی مگر ابھی نہیں..... کچھ عرصہ ٹھہر جائیں آپ کو جلدی کس بات کی ہے۔ نہ میں کہیں بھاگی جا رہی ہوں اور نہ ہی سمعان احمد۔ یہ جو زرش والا معاملے ذرا ٹھپ

"آپ زرش ہیں؟" پوچھنے والے کے لہجے میں یقین تھا۔ وہ چونک کر بغور دیکھنے لگی۔ سلجھی پرسنالٹی سے چھچھورا انسان تو نہیں لگتا تھا اور نہ ہی آنکھوں کا تاثر ایسا تھا مگر تھا کون؟ اسے یہ چہرا بھالا سا لگا مگر یاد نہیں آ رہا تھا۔

"آپ کون؟"

"میں نواز فاروق ہوں۔ سائرہ کا کزن۔ آپ کو یاد ہوگا ایک بار آپ اکیڈمی آئی تھیں۔"

"جی..... یاد آ گیا۔ سوری مجھے چہرہ بھول گیا تھا۔ کہیے کیسے ہیں آپ۔"

"اللہ کا شکر ہے۔ دراصل میں اکثر یہاں آتا رہتا ہوں کافی دیر سے آیا ہوا ہوں۔ آپ کو روتے کر ٹھٹک گیا تھا' پھر یاد کرنے پر پتا چلا کہ آپ کون ہیں اس وقت آپ اکیلی کیوں ہیں آپ کے ساتھ لڑکا تھا۔" بات ادھوری چھوڑ کر نواز فاروق نے اسے دیکھا۔ چادر کو اپنے گرد لپیٹے وہ اس سے خاصی الر لگی تھی۔

"میرے ساتھ میرا بھائی ہے' وہ آئس کریم لینے گیا ہے۔"

"اوہ....." زرش نے دیکھا نواز فاروق کچھ پرسکون ہوا تھا۔

"آپ رو کیوں رہی تھیں؟" اس نے پوچھا تھا۔

"بس ویسے ہی۔" اس نے ٹال دیا تھا تو نواز فاروق نے جرح نہیں کی تھی۔

زرش کو پہلی بار دیکھ کر وہ چونکا تھا زرش کے چہرے میں اسے نوریہ یاد آئی تھی اور آج پھر وہ گیا تھا' پچھلے چند دنوں سے وہ بہت پریشان تھا۔ نجانے کیوں نوریہ کا خیال بار بار دل و دماغ کو الجھا ہوئے تھا اور ایسے میں زرش کو دیکھنا' وہ اپنے آپ کو اس سے بات کرنے سے روک نہیں پایا تھا۔

"کیسی چل رہی ہے آپ کی اکیڈمی۔" زرش نے برائے بات پوچھا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ پھر ایگزمز کے دنوں میں اسٹوڈنٹ کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ آیئے گا آپ بھی دن چکر لگایئے گا۔"

"جی ضرور....." زرش نے بھی اخلاق نبھایا تھا۔

پھر نواز نے چند باتیں اور کی تھیں اور رخصت لی تھی۔

نواز کے رخصت ہونے کے دو تین منٹ بعد علی آئسکریم لے آیا تھا۔

دونوں نے سمندر کی ریت پر چلتے آئس کریم ختم کی تھی۔ زرش نے اسے سر نواز فاروق کے بتایا تھا۔ ریت پر چلتے وہ دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے جب علی کے موبائل پر بیپ ہونے لگی تھی۔

"السلام علیکم بھائی..... کیسے ہیں؟"

زرش رک گئی تھی۔

"ٹھیک ہوں..... گھر میں بھی سب خیریت ہے۔"

"جی اللہ کا شکر ہے اِدھر بھی سب ٹھیک ہے' چچا جان بھی کافی بہتر ہیں۔" دوسری طرف سے عثمان بھائی تھے یا سمعان احمد' زرش چلتے چلتے کئی قدم آگے بڑھ آئی تھی۔ پانی میں چلتے اس نے

دیکھا علی پیچھے ہی رک کر موبائل پر مصروف تھا۔

"زرش....." سمندر کی پرشور لہروں میں تیزی سے اپنی طرف بھاگ کر آتے علی نے اسے موبائل تھمایا تھا۔

"بھائی ہیں..... بات کرنا چاہتے ہیں تم سے۔"

"کون؟"

"تم بات کرو' میں آتا ہوں۔" وہ اسے موبائل تھما کر یہ جا وہ جا۔

"ہیلو....."

"السلام علیکم۔" دوسری طرف سمعان احمد تھا۔ زرش نے ایک گہری سانس لی۔

"وعلیکم السلام۔"

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔" آہستہ آہستہ چلتے وہ آگے بڑھ آئی تھی۔ پانی اب گھٹنوں کو چھو رہا تھا۔

"کالج نہیں جا رہیں؟" اس سوال نے زرش کے اندر ایک تلاطم برپا کر دیا تھا۔

"آپ کو میرے کہیں آنے جانے سے غرض نہیں ہونی چاہئے۔" تلخی خود بخود اس کے لہجے میں سمٹ آئی تھی۔

"فرح نے فون کیا تھا مجھے آج..... اس طرح تو تم اپنا نقصان کرو گی۔ تمہارے ایگزامز کی ڈیٹ شیٹ آنے والی ہے۔ پہلے ہی کافی چھٹیاں کر چکی ہو۔ کل سے تم کالج جاؤ۔"

سمعان نے دوسری طرف سے کہا تو زرش کو لگا جیسے اس تحکم بھرے انداز نے اس کے اندر آگ سی لگا دی ہو۔

"نہیں جانا مجھے کالج۔ چھوڑ چکی ہوں کالج..... مجھ سے نہیں برداشت ہوتیں گھٹیا لڑکیوں کی گھٹیا باتیں۔"

"چچی جان کو علم ہے؟" دوسری طرف سے سمعان نے بڑی تشویش سے پوچھا تھا۔

"بتا دوں گی ان کو بھی۔"

"تمہارے ایگزمز ہونے والے ہیں۔ اس طرح تو تمہارا حرج ہوگا۔"

"ہونے دیں' آپ کو پروا نہیں ہونی چاہئے۔" دوسری طرف سے سمعان خاموش ہو گیا تھا۔ زرش سے الجھنا اپنا دماغ خراب کرنے والا حال تھا۔

"علی کہاں ہے؟"

"پتا نہیں؟" زرش نے اطراف میں دیکھا وہ چلتے ہوئے کافی گہرے پانی میں آ گئی تھی۔ پاؤں کے نیچے موجود ریت پر اب پاؤں کسی بھی لمحے پھسل سکتے تھے۔ اگر کوئی بپھری لہر اسے اپنے ساتھ بہا کر لے گئی تو ایک خوف نے اسے اطراف میں جکڑا تھا۔ اندھیرے میں اس نے کنارے کی طرف دیکھا۔ نجانے علی کہاں تھا۔

"کیا مطلب ہے؟ علی کو فون دو اور اس وقت تم ہو کہاں؟"

"ہم سی سائیڈ آئے تھے' میں آگے آ گئی ہوں وہ پتا نہیں کدھر گیا ہے۔ موبائل دے کر گیا ہے فون نہیں آ رہا کہیں بھی۔" اب کے اس نے کچھ آرام سے کہا تھا۔

"پاگل ہو گیا ہے کیا وہ..... اکیلے کیوں چھوڑ کر گیا ہے وہ؟" دوسری طرف سمعان احمد فوراً غصے میں تھا۔ زرش متوحش سی واپس پلٹی تھی۔ گہرے پانی میں اطراف میں دیکھتے وہ اندھیرے میں کھوج رہی تھی کہ کہیں سے علی نکل آئے' اتنا کم عقل تو وہ نہیں تھا مگر نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ نجانے کہاں گیا تھا۔

"نظر آیا علی کہ نہیں؟"

"نہیں۔"

"اس وقت کس سائیڈ پر ہو؟"

"پتا نہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"وہ چلتے کافی آگے نکل آئے تھے۔ یہاں بہت کم لوگ ہیں چند ایک ہی مگر اب تو مکمل اندھیرا ہو چکا ہے۔"

"نان سنس۔" سمعان خاصا برہم ہوا تھا اور پھر کال بند کر دی تھی۔

زرش نے ہونٹ دانتوں تلے دبا لئے۔ ساحل پر آ کر اس نے اطراف میں دیکھا نجانے علی کہاں گیا تھا اسے اب اس پر غصہ آنے لگا تھا۔

"علی....." کنارے پر کھڑے اس نے اردگرد آواز لگائی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا موبائل ایک دفعہ پھر بیپ دے رہا تھا۔ سمعان کی کال تھی۔

"علی آیا ہے یا نہیں؟" سمعان پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ اب سچ مچ رو دینے کو تھی۔

"اچھا رونا شروع نہ کر دینا۔ اتنا کم عقل نہیں ہے وہ کہ یوں ایک دم منہ اٹھائے کہیں چل دے۔ تم ایسا کرو باہر آؤ میں پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ موبائل تو پاس ہی ہے تم کسی سے سائیڈ پوچھ کر کال کرو میں آتا ہوں۔

"مگر آپ تو یہاں نہیں ہیں؟"

"ابھی لوٹا ہوں۔ ایئرپورٹ سے سیدھا گھر جا رہا تھا کہ علی کو کال کی تھی اب ادھر ہی آ رہا ہوں۔ پہنچنے والا ہوں۔"

"اچھا۔"

ابھی وہ اِدھر اُدھر کھڑی دیکھ ہی رہی تھی کہ اسے کنارے پر بڑی چٹان کے عقب میں بیٹھے دونوں دکھائی دیئے تھے۔

"علی....." اس کا غصہ ایکدم بڑھا تھا۔ اس کا ہم عمر ایک اور لڑکا ہمراہ تھا۔

"علی" وہ بھاگ کر اس کی طرف آئی تھی۔ علی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم اتنی دیر سے ادھر بیٹھے گپیں ہانک رہے ہو اور میرا ڈر ڈر کر برا حال ہو گیا تھا۔

"دیکھ رہا تھا۔ ادھر ہی تھا۔ یہ میرا دوست ہے فراز بس اس کو دیکھ کر ادھر آ بیٹھا تھا۔" علی کے دوست کو دیکھ کر وہ اپنا غصہ پی گئی تھی۔

"جلدی آؤ....." وہ اسے کہہ کر آگے بڑھ آئی تھی وہ فوراً دوست کو خدا حافظ کہتا پیچھے بھاگا تھا۔

"یار خفا کیوں ہو رہی ہو۔ میں تمہیں دیکھ تو رہا تھا۔ بے شک تمہاری نظروں سے اوجھل تھا مگر تمہاری جانب متوجہ تو تھا نا۔" وہ پھر بھی خاموش رہی تھی۔

سمعان کی کال آنے لگی تو اس نے خاموشی سے اسے موبائل تھما دیا۔

"ارے سمعان بھائی ہیں۔ کہیں تم نے شکایت تو نہیں کر دی ان سے میری۔" علی کی آواز سنتے ہی سمعان اس پر بڑی بری طرح برسا تھا۔ اسے غیر ذمہ دار اور بھی نجانے کیا کچھ کہہ سنایا تھا۔

"آئندہ میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔" کال بند ہوتے ہی اس نے علی کو کہہ دیا تھا۔ علی کا منہ دیکھنے والا تھا۔

"سمعان بھائی آ گئے ہیں' چلو بیٹھو وہ تمہیں گھر چھوڑ کر آئیں گے۔ انہیں اب مجھ پر اعتبار نہیں۔ وہ روڈ پر انتظار کر رہے ہیں۔"

اس نے بائیک اسٹارٹ کی تھی وہ خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔ پتا تھا علی کو اب سمعان سے اور بھی سننے کو ملنے والی تھیں۔

وہ گھر آیا تو سامنے زبیدہ بیگم بڑی شدت سے رو رہی تھیں۔ آج کل تو زبیدہ کیا اس گھر کا ہر فرد ہی رو رہا تھا۔ سوائے حمید صاحب کے یا اس کے اپنے علاوہ۔

"کیا ہوا ہے؟" زبیدہ اس سے ناراض تھیں مگر وہ پھر بھی پوچھ بیٹھا تھا۔

"نویرہ کو شارق نے گھر سے نکال دیا ہے۔ وہ صبح سے خالدہ آپا کے ہاں آئی ہوئی ہے۔" رضا کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا تھا۔

"تمہارے باپ سے میں چھپا گئی ہوں اب کیسے چھپاؤں گی۔ جی چاہ رہا ہے کچھ کھا کر پڑ جاؤں۔ اسی وقت کے لیے لوگ نیک اولاد کی دعا مانگتے ہیں۔ ایک ہی اولاد تھی وہ بھی....."

"میں نے کچھ نہیں کیا.....؟" ڈھٹائی کا یہ عالم تھا۔ زبیدہ بیگم کا جی چاہا کہ کسی دیوار پر جا کر اپنا سر مار لیں۔

"رضا! میرے سامنے سے ہٹ جاؤ' ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔ تم نے مجھے ذلت کے جن گڑھوں میں لا پھینکا ہے اب شاید ہی عمر بھر سر اٹھانے کا موقع ملے۔ تمہارا بھگتان بھگتنا ہے اب ساری عمر' خاندان تو ایک طرف تمہارا باپ ہی کسی طور کم نہیں۔"

ان کی مسلسل گریہ وزاری پر اپنے کمرے سے رمشاء بھی نکل آئی تھی۔ رضا کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی

تپش شعلے اگلنے لگی تھی۔

"اس سب کا الزام آپ مجھے نہ دیں اس سب کی قصوروار یہ ہے۔" رضا کا انداز ایسا تھا جیسے اس کے لیے یہ بالکل عام سی بات ہو۔

"تم دونوں میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔" انہوں نے قطعیت سے کہا تھا۔ "تم دونوں اب کچھ بھی کرو..... گھر برباد کرو یا آباد میں تم دونوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھوں گی۔ چلے جاؤ میرے سامنے سے۔ میرے نصیبوں کا رونا تھا جسے میں رو رہی ہوں۔" وہ اور شدت سے رو رہی تھیں۔

"وہ تو بھائی کی بیٹی تھی تم تو میری اولاد تھے جب تمہیں ہی ماں باپ' خاندان کی عزت کا خیال نہ آیا پھر اس سے میں کیا گلہ کروں۔ میں تمہارے کسی بھی عمل کی ذمہ دار نہیں۔ اب اپنے باپ کو خود ہی کہنا سننا نویرہ خالدہ بھابی کے ہاں جا چکی ہے اور شارق جیسا مرد اب اسے دوبارہ اپنے گھر میں بسانے والا نہیں اور تمہارے جیسے لوگوں کو نبیل جیسے غیرت مند بھائی چھوڑتے نہیں۔ تین گھر برباد ہو رہے ہیں تمہاری ذرا سی ضد اور رمشاء کی بے صبری نے کسی باکردار عورت کو بدکردار کہلوا ڈالا ہے اور اوپر سے یہ عالم ہے کہ شرمندگی تک نہیں۔ لاکھ دفعہ کہہ چکی ہوں تم شارق کو سمجھاؤ اپنی غلطی کا اعتراف کرلو۔ ہوسکتا ہے اسے نویرہ پر اعتبار آ جائے مگر اس خاندان کے مردوں کی عقل ان کے جذبات کے تابع ہے۔ سارے خسارے تو پھر ہم عورتوں کے حصے میں آتے ہیں۔ ایک اور سہی۔"

رضا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ رمشاء خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ رضا کو دھمکیاں دینا اور بات تھی مگر حقیقت میں وہ کچھ بھی نہیں کرنے والی تھی۔ اس کی جذباتی اور بے صبری فطرت نے نویرہ کو برباد کر ڈالا تھا۔

"تم ادھر کیوں بیٹھی ہو جاؤ اپنے کمرے میں۔ یا پھر جا کر رضا سے لڑو جھگڑو اب کیوں چپ کر کے بیٹھی ہوئی ہو۔ تمہیں میں نے کبھی بھتیجی نہ سمجھا' رضا سے بڑھ کر چاہت دی' محبت دی مگر سچ کہتے ہیں جب اپنا اپنا نہیں بن سکے تو پھر پرائے بھی نہیں بنتے۔ جاؤ چلی جاؤ تم بھی..... اور جا کر نویرہ کے بعد اب میری بربادی کی دعائیں کرو..... جاؤ۔" زبیدہ بیگم کا انداز بڑا جارحانہ تھا وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں جا کر بند ہوگئی تھی۔

رضا نے حد کر دی تھی اور عالم یہ تھا کہ اسے اپنے کیے پر ذرا بھی تاسف نہ تھا' نویرہ اس کے نام پر برباد ہوئی تھی اور وہ مطمئن تھا۔

سمعان احمد کے ساتھ گھر جاتے بالکل خاموش رہی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور کی موجودگی میں کوئی بات نہیں کی گئی تھی۔ علی وہیں سے واپس اپنے گھر چلا گیا تھا جبکہ سمعان اسے چھوڑنے گھر آیا تھا۔

ٹیکسی کے رکتے ہی وہ فوراً باہر نکلی تھی' چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا تھا۔ لان میں ماما ادھر سے اُدھر ٹہل رہی تھیں۔

"السلام علیکم ماما کیا ہوا؟ اِدھر کیوں کھڑی ہیں؟" وہ فوراً ماما کے پاس آئی تھی۔ کچھ پریشانی سے انہیں دیکھا۔ پاپا کی طرف سے تو ہر وقت اسے دھڑکا ہی لگا رہتا تھا اب بھی یہی حال ہوا تھا۔

"بہت دیر لگا دی تم نے آنے میں۔ میں پریشان ہو رہی تھی' علی کے نمبر پر کال بھی کی تھی مگر نمبر بزی تھا۔" وہ ابھی بات ہی کر رہی تھیں کہ ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کر کے سمعان بھی اندر آ گیا تھا۔

"ارے سمعان..... سمعان تمہارے ساتھ آیا ہے' بات روک کر انہوں نے پہلے سمعان کو دیکھا اور پھر سے سمعان ان کے قریب آ گیا تھا۔ زرش نے صرف سر ہی ہلایا تھا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے سمعان کے سر جھکانے پر ہاتھ پھیرا تھا۔ "تم تو اسلام آباد گئے ہوئے تھے نا؟"

"جی ابھی لوٹا ہوں؟" مگر شائستہ بیگم کی الجھن نہیں گئی تھی۔

"میں نے زرش کو رستے میں پک کیا تھا۔ آپ سنائیں کیسی ہیں اور چچا جان؟"

"اچھا میں بھی حیران ہو رہی تھی کہ زرش تمہارے ساتھ کیسے آئی ہے۔ میں ٹھیک ہوں' اور تمہارے چچا جان بھی۔ آؤ اندر چلو۔" اگلے ہی لمحے وہ مطمئن ہوگئی تھیں۔

سمعان لاؤنج کی طرف چلا گیا تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ چادر الماری میں رکھ کر سوٹ کے ہم رنگ لٹھا کندھوں پر پھیلائے سنہرے بالوں کو کیچر میں جکڑتی وہ کچن میں چلی آئی تھی۔ یاسمین کو شائستہ نے چائے بنانے کو ہی کچن میں بھیجا تھا۔

"تم رہنے دو میں بناتی ہوں۔" وہ لاؤنج میں جا کر بھی کیا کرتی اس نے خود کو کچن میں ہی مصروف کرنے کا سوچا تھا۔ اس نے چائے تیار کی تو یاسمین نے ٹرالی بھر لی تھی۔

"تم لے جاؤ..... ماما میرا پوچھیں تو کہہ دینا پڑھ رہی ہوں۔"

وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی اس کی غیر موجودگی میں ماما نے تصاویر والا البم اس کے سرہانے رکھ دیا تھا۔ البم اس نے بے دلی سے پرے کھسکاتے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگالی تھی۔

کورس کی کتاب لے کر اسٹڈی کرتے ہوئے بھی ذہن بار بار الجھ رہا تھا۔ شادی کے بعد وہ چاہنے کے باوجود بھی اپنے ذہن کو نارمل نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ اچھی خاصی ڈسٹرب ہو کر رہ گئی تھی۔ ایسے عالم میں کچھ بھی پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ دو دن سے کالج نہیں جا رہی تھی اس دن لڑکیوں کی گفتگو کے بعد اس نے کالج چھوڑ دینے کا سوچا تھا مگر ایگزمز دینے تھے۔ وہ اچھی خاصی تیاری کر چکی تھی۔ بے شک شادی کے دنوں میں حرج ہوا تھا مگر اس نے سوچا تھا کہ وہ سب کمپلیٹ کر لے گی۔ لیکن شادی کے دوران جو بھی واقعات رونما ہوئے تھے اس سب نے اسے ڈسٹرب کر کے رکھ دیا تھا اور اب رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی تھی۔ وہ کتاب ہاتھ میں پکڑے نجانے کن کن وسوسوں میں گم تھی کہ سمعان نے آہستگی سے دروازہ کھولتے اندر قدم رکھا تھا۔

وہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" سمعان نے مسکرا کر دریافت کیا تھا۔ زرش نے جواب نہیں دیا تھا۔ بستر سے اتر کے اسٹڈی ٹیبل کے پاس آ رکی تھی۔ اسے سمعان کا اپنے کمرے میں آنا اچھا نہیں لگا تھا مگر وہ کہہ نہیں سکی تھی۔

"ناراضگی اپنی جگہ مگر کسی کے سوال کا جواب دینا بھی اخلاقیات میں آتا ہے۔" سمعان نے مسکرا کر کہا تھا۔ زرش نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ سمعان کے ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ تھا جو اس نے بستر پر رکھ دیا تھا۔ زرش نے نظر انداز کر دیا۔ خوامخواہ کتابوں کی ترتیب درست کرنے لگی۔ سمعان بستر کے سرہانے اسی جگہ جا بیٹھا جہاں سے وہ اٹھی تھی۔

"اسٹڈی ہو رہی ہے؟" وہ چپ ہی رہی تھی۔ "کالج چھوڑنے سے متعلق کسی کو بتایا بھی ہے یا نہیں؟" زرش اب بھی نہیں بولی تھی۔ سمعان نے بڑے ضبط سے اسے دیکھا وہ اس کی طرف سے پشت کیے خوامخواہ کتابوں سے الجھی ہوئی تھی۔

سمعان نے ایک گہری سانس خارج کر کے تکیہ اٹھا کر گود میں رکھ لیا تھا۔ تکیے کے نیچے رکھا سرخ البم سامنے تھا۔ سمعان نے اٹھا لیا تھا۔ ایک نظر اسے دیکھا اور پھر البم کو۔

"یہ تصویریں علی دے کر گیا تھا؟" سمعان نے البم کھولتے پوچھا تو وہ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"ہوں۔" اسے افسوس ہوا کہ خوامخواہ البم پڑا رہنے دیا تھا۔ اٹھا کر سائیڈ پر رکھ دیتی۔ اب نا جانے سمعان کیا سوچے گا۔ وہ کون سا دیکھ رہی تھی۔

"بتا رہا تھا علی کہ تصویریں آ گئی ہیں کیسا ہے رزلٹ؟" سمعان نے اس کے ہوں پر سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ کچھ پزل سی ہو گئی تھی۔

"تصویریں تو اچھی ہیں۔" سمعان ایک ایک تصویر دیکھ رہا تھا۔ "میرا تو خیال تھا کہ رونا دھونا چہروں پر آئے گا مگر فوٹو گرافر کا کمال کہوں گا' اچھا خاصا رزلٹ ہے۔" سمعان اس کی ایک ایک تصویر دیکھ رہا تھا۔ مسکراہٹ کسی بھی تصویر پر نہ تھی۔ جھکے سر اور چھلکتی آنکھوں کے باوجود فوٹو گرافر کی مہارت نے ہر تصویر میں

موجود چہرے کے تاثر کو اس انداز میں نمایاں کیا تھا کہ سنجیدہ چہرے کا تاثر بڑا بھلا اور اٹریکٹو لگ رہا تھا۔

سمعان نے البم بند کر کے اسے دیکھا تو وہ چہرہ موڑ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"زرش....." اپنے عقب سے آتی آواز اور سانسوں کی تپش پر وہ بے انتہا نروس ہو چکی تھی۔

"زری....." اس پکار میں دل کی تمام شدتیں پنہاں تھیں' زرش کو اپنی دونوں ہتھیلیاں تک گیلی ہوتی محسوس ہوئیں۔ سمعان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ مزید کنفیوز ہو گئی۔ وہ سمعان احمد سے جی بھر کر نفرت کرنا چاہتی تھی بدتمیزی کی حد تک برا سلوک کرنا چاہتی تھی مگر سمعان کے انداز میں نا جانے ایسی کیا بات تھی کہ اس کے ہونٹ کچھ تلخ کہتے کہتے سل جاتے تھے' وہ جارحانہ انداز اپناتے اپناتے ساکن ہو جاتی تھی۔ ان دو تین دنوں میں اس نے اس رشتے اور سمعان احمد کی ذات کو اتنا سوچا تھا کہ اب سمعان کا خیال آنے سے ہی وہ گھبرا جاتی تھی۔

ان کے درمیان ایک اٹل حقیقی و شرعی رشتہ تھا۔ اتنا مضبوط کہ وہ لاکھ چاہنے کے باوجود اسے توڑ نہیں سکتی تھی۔ دل میں بے پناہ نفرت سہی مگر کبھی اس نے اس شخص کو چاہا تھا بڑا مان دیا تھا' عزت دی تھی اور.....!

سمعان کی پکار پر اس کی آنکھوں کی زمین گیلی ہوتی گئی تھی۔ اس کی ذات مجروح ہوئی تھی۔

بڑی آہستگی سے اس نے سمعان کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

اب نفرت کے بعد اس کے انداز میں بڑا عجیب سا گریز اور تلخی در آئی تھی۔ چیخنے چلانے سے وہ اپنی اندر کی بھڑاس نکال لیتی تھی جبکہ وہ اب.....

"زرش.....! سمعان کو اس کے اس انداز نے بڑی اذیت دی تھی۔ بازو پکڑ کر رخ پھیر کر اپنے سامنے کر لیا تھا۔

"جو بھی غصہ یا تلخی ہے وہ مجھ پر نکالو اس طرح رخ موڑ کر چپ چاپ کھڑے ہو جانا تمہاری عادت نہیں۔" سمعان نے مسکرا کر اسے اکسایا تھا وہ ایک لحظے کو ہی سمعان کے مسکراتے چہرے کو دیکھ پائی تھی۔ اگلے ہی پل سمعان کے مضبوط ہاتھ کی گرفت سے اپنا بازو نکال کر وہ اسٹڈی ٹیبل کے سامنے دھری چیئر پر جا بیٹھی تھی۔

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی اور نہ ہی سننی ہے آپ چلے جائیں۔" کی بورڈ پر انگلیاں مارتے اس نے کہا تو سمعان نے ایک گہری سانس خارج کرتے اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"کل کالج جا رہی ہو؟" کرسی کی پشت پر دونوں ہاتھ ٹکائے سمعان اس کی طرف جھکا تھا۔

گرم سانس کی تپش نے اس کے چہرے کو چھوا تو وہ گھبرا کر تھوڑا سا آگے کو ہو گئی تھی۔

"آپ جائیں پلیز۔" اس نے ان گزرے دنوں میں اس رشتے کو اتنا سوچا تھا کہ اب یہ تعلق ایک کھلی حقیقت لیے اس کے سامنے تھا وہ لاکھ انکار کرتی' رد کرتی' مگر حقیقت یہی تھی کہ اس کا سمعان احمد کے ساتھ بڑا گہرا اور مضبوط تعلق ہے۔ جسے وہ چاہ کر بھی جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ انکار کرنا تو ایک طرف۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔" سمعان احمد نے ریوالونگ چیئر کو اپنی طرف گھما کر بڑی سنجیدگی سے کرسی کے دونوں بازوؤں پر اپنی ہتھیلیاں دھر دی تھیں۔ زرش اس حملے کے لیے تیار نہ تھی۔ پزل سی ہو کر

سمعان کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خوف سا آ ٹھہرا تھا۔

"کل سے تم کالج جا رہی ہو۔ جب تک ڈیٹ شیٹ نہیں آ جاتی۔ اس طرح تم اپنا ہی حرج کر رہی ہو۔"

"مجھے نہیں جانا۔" اب کے اس نے بڑی تلخی سے کہا تھا۔

"زرش....." سمعان نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔

"نہیں جانا مجھے وہاں؟ آپ لوگ ایک الزام لے کر جی سکتے ہیں میں نہیں۔ نہیں سامنا کر سکتی میں گھٹیا لوگوں کا۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔

"اس سے کیا ہوگا' یہ تو فرار ہوا نا..... انہی لوگوں میں رہ کر ہی تو حقیقت منوانا اصل ضبط اور بہادری ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

"ہاں آپ کے لیے تو یہ کوئی بات نہیں' دوسرے چاہے ضبط کرتے جان سے گزر جائیں۔" چہرہ صاف کرتے اس نے تلخی سے جوابی کارروائی کی تھی۔

سمعان احمد صرف مسکرایا تھا۔ بہت دھیرے سے اس کے رخسار پر ٹھہرے آنسو اپنی پوروں پر چن لیے تھے۔

"آپ....." وہ کنفیوز سی کرسی کی پشت گاہ سے لگ گئی تھی۔ سمعان کی انگلیوں کے لمس نے اس کے اندر اک آگ سی بھر دی تھی۔

"یہ مسئلے کا حل نہیں۔"

"بس میں نے کہہ دیا ہے میں نہیں جا رہی۔" اپنے چہرے کو دوپٹے سے صاف کرتے اس نے نگاہیں چرا لی تھیں۔ سمعان کی قربت اس کے حواس کو جھنجوڑ رہی تھی۔ اب کے اس نے ہٹیلے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔ اندر کے اٹھتے خوف کو اس نے اس انداز میں چھپایا تھا۔

"چچی جان اور چچا جان کو کیا جواب دو گی.....؟" سمعان سیدھا ہو کر کھڑا ہوا تو وہ تیزی سے کرسی چھوڑ کر دیوار کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔

"یہ آپ کا دردِ سر نہیں' جب وہ پوچھیں گے تو بات کر لوں گی۔"

سمعان نے ایک دو پل اسے دیکھا تھا۔ سمعان کی نگاہوں کے ارتکاز سے وہ کنفیوز ہونے لگی تھی۔ سمعان کی مسلسل موجودگی اس کو متوحش کر رہی تھی۔ اس کا ذہن الجھ رہا تھا۔

"تمہیں علم ہے میں اسلام آباد کیوں گیا تھا؟" سمعان کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا' باہر کی طرف دیکھتے سوال کیا تھا۔ زرش نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

"کسی میٹنگ میں گئے ہوں گے۔"

"ہاں گیا تو میں آفیشل کام سے ہی تھا مگر ابو کی خصوصی ہدایت بھی تھی کہ وہاں عثمان بھائی کی رہائشی میں کنسٹرکشن کا کام بھی دیکھ لوں۔ اسی ماہ کے اندر اندر سارا کام کمپلیٹ ہو جائے تو پھر وہاں فرنیچر کا پروسیس بھی مکمل ہو جائے گا۔"

"آپ سب اسلام آباد شفٹ ہو رہے ہیں؟" زرش کے لیے یہ نئی ہی نہیں حیرت انگیز خبر تھی۔ چہرہ

دو نہم

ہو کر سمعان کو دیکھا۔

"ہم سب نہیں' صرف میں اور تم۔ وہ بھی تمہارے ایگزمز کے بعد ہاں اس سے پہلے مجھے وہاں کے آفس کا چارج سنبھالنا ہوگا۔" اس کے قریب آ کر سمعان نے یہ انکشاف کیا تھا وہ حیرت سے دیکھے گئی۔ سمعان آگاہ تو کر چکا تھا مگر وہ سمجھی تھی کہ بات آئی گئی ہو گئی ہے اور اب۔

"مطلب؟"

"تمہیں خبر تو ہے۔"

"آپ سے کہہ چکی تھی کہ مجھے کہیں نہیں جانا۔ اس سلسلے میں آپ سے تفصیلی بات ہو چکی ہے آپ میرے فیصلے سے آگاہ ہیں پھر بھی۔" وہ بڑی برہمی سے گویا تھی۔

"ضروری نہیں تمہارے ہر بیوقوفی پر مبنی فیصلے کو مانا بھی جائے۔" سمعان کی سنجیدگی میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔

"آپ مجھ پر زبردستی کریں گے؟" وہ اچھی خاصی تلخی سے گویا تھی۔

"اگر تم آرام سے نہ مانیں تو پھر شاید یہ بھی ناگزیر ہو جائے۔"

زرش نے لب بھینچ لیے تھے۔ سمعان کی ٹون ہی بدل گئی تھی انتہائی سنجیدہ انداز۔

"دیکھو زرش! جیسا تم چاہتی ہو ویسا کبھی نہیں ہونے والا۔ اول تو امی کبھی بھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کریں گی اور اگر کر بھی لیں تو بھی اقرار نہیں کریں گی۔

"تم آرام سے اپنے ایگزمز دو' یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ میں تمہیں کبھی مزید تعلیم سے نہیں روکوں گا۔ میری ہر ممکن کوشش ہوگی کہ تم ہر حال میں اپنی ایجوکیشن مکمل کرو۔ میرا ہر طرح کا تعاون تمہارے ساتھ رہے گا۔"

"مجھے نہ یہاں اور نہ ہی اسلام آباد کہیں نہیں جانا' کبھی نہیں۔" اب کے اس نے ہٹیلے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔

"زرش!" سمعان نے تادیبی نگاہوں سے گھورا۔

"زبردستی کی تو بات ہی رہنے دیں۔ میں کسی بھی زبردستی کو نہیں مانتی۔ زبردستی بھی وہاں مانی جاتی ہے جہاں کوئی کسی تعلق کسی حق کو مانے جب کہ میں....."

"گہرا تعلق ہے ہمارا تمہارا رد کرنے یا جھٹلانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔" سمعان نے ایکدم اس کی بات کاٹ دی تھی۔ "اور رہی حق کی بات تو تم میری بیوی ہو..... میرے نکاح میں ہو ہر طرح کا حق حاصل ہے مجھے زبردستی تو بہت عام سی بات ہے۔" زرش کو سمعان سے اس رویے کی امید نہ تھی جس طرح پچھلے (ان کے ہاں نہ جانے کے) فیصلے کو سب نے خاموشی سے قبول کر لیا تھا۔ وہ مطمئن تھی کہ اسے کوئی اب اس کے فیصلے سے نہیں ہٹائے گا مگر اب سمعان کا انداز و تیور۔

سمعان کی بات پر اس کے چہرے کا رنگ سرخی میں بدل گیا تھا۔

"مجھے آپ سے کسی بھی سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنی آپ پلیز چلے جائیں۔"

اپنی خجالت اس نے تلخی کے لبادے میں لپیٹی تھی۔ غصے سے کہہ کر اس کا ارادہ وہاں سے واک آؤٹ کرنے کا تھا جب ہی سمعان نے اس کا ہاتھ تھام کر ہلکا سا دباؤ ڈالتے اپنی طرف اسے کھینچ لیا تھا۔ وہ اس افتاد کے لیے قطعی تیار نہ تھی۔ سیدھی سمعان کے کشادہ سینے سے جا لگی تھی۔

"آپ....." اس نے بڑی سختی سے کچھ کہنا چاہا تھا مگر سمعان کے مضبوط بازو کے حصار نے اس کی بولتی بند کروا دی تھی۔

"کیا کرتے ہیں آپ..... چھوڑیں مجھے۔" اگلے ہی پل شدید مزاحمت کی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ میں کہتی ہوں چھوڑیں مجھے۔" سمعان احمد کا گرم تنفس اس کے رخسار سے کیا چھوا وہ مچل اٹھی تھی۔ سمعان کی گرفت میں بھرپور مزاحمت کی تھی۔

"زرش جان! ابھی تو میں نے اپنے حقوق کا ایک فیصد بھی استعمال نہیں کیا۔" زرش کی یہ گھبراہٹ شدید مزاحمت' مچلنا' سمعان نے بڑی شرارت سے اسے دیکھا۔

"آپ پلیز مجھے چھوڑیں۔" وہ رو دینے کو تھی۔ سمعان نے اپنے بازو کا حصار ہٹا لیا تھا مگر دوسرے ہاتھ کی گرفت اس کے بازو پر جوں کی توں تھی۔

"میں تمہارے لیے ایک گفٹ لایا ہوں۔ چاہے اسے رونمائی گفٹ کہہ لو یا پھر....." سمعان نے زرش کے کھلے سر کو بغور دیکھا اور پھر اسے اپنے ساتھ بستر پر لا بٹھایا بستر پر رکھے شاپنگ بیگ میں سے برنڈڈ مخملیں کیس نکال لیا تھا۔ کیس (ڈبا) کھولا تو اس کے اندر بڑے خوب صورت دو کنگن تھے سمعان نے کنگن نکال کر اس کے دائیں ہاتھ میں ڈال دیئے تھے۔

"کیسے ہیں؟"

"پتا نہیں۔" اس نے صرف ایک نظر کلائی میں جگمگاتے کنگنوں کو دیکھا تھا۔

"یہ تو تمہارا رونمائی کا گفٹ تھا جو مجھ پر ادھار تھا، مگر تمہارے لیے اسلام آباد سے میں یہ لے کر آیا ہوں۔"

سمعان نے کوٹ کی جیب سے موبائل نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔

"میرے لیے مگر کیوں؟ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے' اگر مجھے موبائل چاہئے ہوتا تو میں پاپا سے کہہ کر منگوا لیتی۔"

"تمہیں نہیں تو کیا ہوا مجھے تو ضرورت ہے۔ بھئی کبھی کبھار جی چاہتا ہے اپنی بیوی سے بات کرنے کو' اب تم میکے میں بیٹھی ہوئی ہو' جب تک تم میرے گھر نہیں چلی آتیں میں نہیں چاہتا کہ خوامخواہ پی ٹی سی ایل پر کال کر کر کے سب کو عاجز کر دوں۔ محترمہ یہ میں نے اپنی سہولت کے لیے لیا ہے۔"

سمعان کا انداز ایسا تھا گویا وہ کسی ناسمجھ بچے کو بریفنگ دے رہا ہو۔ غیر سنجیدہ انداز میں بھی بڑی سنجیدگی تھی۔ اور کچھ شرارت بھی۔

"مگر پھر بھی مجھے یہ نہیں چاہئے۔"

"سم وغیرہ میں ڈال چکا ہوں۔ یہ تمہارے پاس ہی ہر وقت رہے گا اس کو استعمال کرنا ہے' نمبر وغیرہ

میں نے فیڈ کر دیئے ہیں۔"

سمعان نے جیسے اس کا انکار سنا ہی نہیں تھا۔ زرش کا جی چاہا موبائل دیوار پر دے مارے' وہ اس شخص سے کچھ بھی نہیں لینا چاہتی تھی مگر سمعان کے آگے اس کی ایک بھی نہیں چلی تھی۔ سمعان کی گرفت اس کے ہاتھ پر کمزور ہوئی تو وہ ہاتھ کھینچ کر کنگن اتار کر بستر پر پٹختے ہوئے بغیر کچھ کہے کمرے سے نکل گئی تھی..... سمعان سے بچنے کے لیے اسے یہی ایک راہ دکھائی دی تھی۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ کسی سے کچھ بھی نہیں چھپائے گی۔ سب کچھ بتا دے گی۔ اماں بھابی اور نبیل بھائی کو سب کچھ' مگر اس گھر میں آ کر جیسے اس کی زبان پر قفل لگ گئے تھے۔

وہ گھر آئی تو پتا چلا کہ اماں رات سے ہی ساجدہ باجی کے ہاں گئی ہوئی ہیں۔

جس وقت وہ گھر پہنچی تھی' نبیل بھائی آفس جا چکے تھے اور بھابی گھر کی صفائی میں مصروف تھیں۔ نویرہ کو یوں صبح سویرے بریف کیس سمیت آتے دیکھ کر وہ الجھی تھیں۔ سلام' دعا اور حال چال کے بعد نویرہ تھوڑی دیر ان کے ساتھ باتیں کرتی رہی تھی۔ بظاہر تو نبیلہ بھابی کو کوئی خاص بات دکھائی نہ دی تھی مگر نویرہ کا بات کرتے ہوئے گم صم انداز اور ٹوٹا تسلسل انہیں نکالا گیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ نویرہ خود ذکر کرے گی مگر اس نے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ خود سے پوچھنا انہیں بھی اچھا نہ لگا۔ اماں گھر پر ہوتیں تو اور بات تھی۔ اماں کو آپا کے ہاں چار دن لگ گئے تھے۔ پانچویں دن گھر آئیں تو نویرہ کو یہاں دیکھ کر وہ بھی' اتنے دن سے سن کر حیران ہوئیں۔ نبیل بھائی نے بظاہر کچھ نہیں کہا' نہ پوچھا تھا نویرہ بھی ان کے سامنے کم ہی پڑتی تھی کہ خوامخواہ بات بڑھے گی۔ وہ بس اماں کے آنے کی منتظر تھی۔

"خیریت سے آئی ہو نا؟" نویرہ کے گم صم انداز انہیں بھی متوحش کر گئے تھے۔

وہ چپ رہی تھی۔

"شارق نے اتنے دن رہنے پر کوئی اعتراض تو نہیں کیا؟"

"ہوں....." وہ صرف یہی کہہ سکی تھی۔ وہ اماں کی آغوش میں سر رکھ کر اپنے اوپر ہونے والی قیامت کا ذکر کھل کر کرنا چاہتی تھی۔ ان پانچ دنوں میں زبیدہ چچی اور بڑی اماں کے کتنے ہی فون آ گئے تھے۔ حتیٰ کہ باہر سے رفعت باجی نے کال کر کے دکھ کا اظہار کیا تھا۔ یقیناً انہیں اماں نے یہ آگاہ کیا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد وہ نماز ادا کر کے جائے نماز لپیٹ رہی تھی۔ جب اماں کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"اماں آپ..... آئیں بیٹھیں....." چادر اتار کر ڈوپٹہ اوڑھتے ہوئے اس نے اماں کو بستر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بستر پر بیٹھ گئی تھیں۔

"خوشی سے آئی ہو نا؟" نبیلہ بھابی کی فراہم کی گئی معلومات اور نویرہ کے انداز دیکھ کر وہ خاصی پریشان ہو چکی تھیں۔ اس وقت ان کا ارادہ نویرہ سے تفصیلی بات کرنے کا تھا۔

نویرہ دکھ سے ان کے سامنے بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

"میں آئی نہیں مجھے نکالا گیا ہے اماں۔"

"نویرہ....." اماں ششدر رہ گئی تھیں۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو' اس نے تجھے بڑی مشکلوں سے حاصل کیا تھا' اتنی جلدی۔" اماں بے یقین تھیں۔

"اماں! مجھے بھی یہی دعویٰ تھا مگر....." وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر آنسو تو جیسے پہلے سے منتظر تھے' بہہ آہستہ سے گالوں پر لڑھکتے چلے آئے تھے' پھر اس نے دیر نہیں کی تھی۔ اتنے دنوں سے سہہ رہی تھی اب دل پھوڑا بن گیا تھا' دکھ رہا تھا۔ اس نے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا' ہر بات بتا دی تھی۔

"ہائے رضا..... یہ اس نے کیا کر دیا۔ ہائے' ہائے میری معصوم بچی رسوا کر دی۔" اماں کا دل ہی نہیں ٹھہر رہا تھا۔ بڑی شدت سے روئی تھیں۔

"لوگ بیٹیوں کے سکھ اور اچھے مقدر کی دعا مانگتے ہیں۔ نویرہ تو میرے ہاتھوں میں دعا بن کر آئی تھی کہاں غلطی ہو گئی ہم سے' جس کا بھگتان تجھے بھگتنا پڑ رہا ہے۔" اماں کی گریہ زاری نے نویرہ کو شدت سے رونے پر مجبور کر دیا تھا۔

"شارق نے تیرے ساتھ اتنا کچھ کر دیا میں نے صبر کر لیا' دل سخت کر لیا۔ تیرے بھائی بپھرے ہوئے تھے انتقام لینے کے لیے۔ میں نے سمجھایا تو ساجد سمجھ گیا تھا مگر نبیل' وہ تو اب یہ سن کر ہی ہتھے سے اکھڑ جائے گا۔ تجھ پر تو میں نے صبر کر لیا تھا مگر اب بیٹوں پر کیسے کروں۔ ہم تو رسوا ہو گئے۔ وہ شارق کو اب نہیں چھوڑنے والا۔ نویرہ سن لے وہ نہیں سنبھلنے والا۔" اماں کا دل شدتِ غم سے پھٹ پڑنے کو تھا۔ "تُو نے اچھا کیا کسی سے ابھی ذکر نہیں کیا۔ بڑی آپا سمجھ دار ہیں اور زبیدہ بھی۔ تُو بالکل چپ رہنا' نبیل کو ہوا بھی نہ لگنے دینا ورنہ مار ڈالے گا شارق اور رضا دونوں کو۔" اماں کو آنے والے وقت کے ہول اٹھنے لگے تھے۔

"اماں! میں کیسے جی لوں گی اتنا بڑا الزام لے کر' سیدھا سادا میرے کردار پر حملہ ہوا ہے۔ وہ شخص مجھے دیکھنے کا روادار نہیں رہا اور میں اب اس کے گھر نہیں جاؤں گی۔" وہ اماں کا بیان سن کر ہی اکھڑ گئی تھی۔

"تو کیا کرے گی..... رسوا ہو جائیں گے ہم' نواز بھاگ گیا ہم نے صبر کر لیا۔ شارق نے زبردستی کا میں نے بیٹوں کو سمجھا لیا اور اب یہ معاملہ' مرد اس معاملے پر بڑے غیرت مند ہوتے ہیں۔ نبیل کے غصے کو تو جانتی ہے' وہ شارق سے کسی طور پر کم نہیں وہ مار ڈالے گا تُو یہ بھی تو سمجھ۔"

نویرہ خاموشی سے اماں کو دیکھے گئی۔

"تو چپ رہے گی..... نبیلہ سے بھی ذکر نہیں کرے گی' میں سنبھال لوں گی' زبیدہ کے پاس جاؤں گی بات کروں گی' حمید سے کہ وہ بیٹے کو سمجھائے تینوں (ماں باپ اور رضا) کو لے کر جاؤں گی شارق کے پاس۔ ہمیشہ سے الٹی مت والا ہے۔ خدا عقل دے اب ایسی بھی کیا کم عقلی کہ کھرے کھوٹے کی پہچان نہ رہے۔" اماں کے اب حواس سنبھل رہے تھے' انہیں آنے والے وقت کی فکر ہو رہی تھی۔

"اماں میں اب اس شخص کے گھر نہیں جاؤں گی۔ وہ مجھے ایک دفعہ نکال چکا ہے' اس نے پہلے میرے ساتھ جو بھی کیا میں نے برداشت کر لیا۔ اک سمجھوتہ کرتے ہوئے خود کو اس کی بیوی بنا لیا۔ غصہ اپنی جگہ مگر کبھی بددیانتی کا سوچا بھی نہیں اور اب اس نے صاف میرے کردار پر چوٹ لگائی ہے۔ رضا سے مجھے کوئی

گلہ نہیں کہ وہ بہک گیا ہے مگر شارق اماں اس نے مجھے بدکردار تک کہا ہے اور میں یہ نہیں برداشت کر سکتی۔" نویرہ کے لہجے میں بڑی سختی تھی۔ اماں نے سنبھل کر اسے دیکھا۔

یعنی رسوائی و بربادی ان کے گھر پر آنے والی تھی۔

"نہیں نویرہ' تُو چپ رہے گی۔ یہ دیکھ میرے ہاتھوں کو' تُو نہیں بولے گی۔" نویرہ اماں کی آغوش میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

"جہاں اتنے دن صبر کیا ہے وہاں چند دن اور صبر کر لے' میں بات کروں گی' سمجھاؤں گی رضا اور شارق دونوں کو۔"

اماں کو اک موہوم سی امید تھی' نویرہ نے سسکتے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ وہ یوں ہی ٹوٹ کر نہیں بکھری تھی۔ اک موہوم سی آس ہوتی تو وہ گھر کبھی نہ چھوڑتی۔ شارق سے لاکھ اختلاف و بغض سہی مگر اس صورت میں تو کبھی بھی نہیں کہ یہ اس کے کردار کا سوال تھا مگر اماں کو کیسے سمجھاتی کہ اماں کو نجانے کون سی "موہوم آس" تھی لیکن وہ ہر آس توڑ کر یہاں تک پہنچی تھی۔

"تم اکیلی ذات ہوتیں تو شاید میں سوچتی بھی۔ اس بچے کے ہوتے ہوئے اب بہت سی باتوں کا خیال کرنا پڑے گا۔" نویرہ تم ابھی جذباتی ہو رہی ہو۔ ٹھنڈے دل سے سوچو' یہ بچے کی آئندہ زندگی پر اثر انداز ہونے والی بات ہے۔ لوگ کبھی حقیقت نہیں دیکھتے وہ بات کرتے ہیں چاہے اس الزام سے کسی کا خون ہو جائے۔"

"اماں! بہت مشکل ہے' اب نبھاہ کرنا۔ میں ساری کشتیاں جلا کر آئی ہوں' اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچا۔"

"تو پھر اس بچے کو کیا نام دو گی۔ اگر شارق نے اس بچے سے بھی انکار کر دیا تو۔"

"نہیں اماں! شارق بچے کی حقیقت کو مانتا ہے' شک تو میرے کردار پر ہوا ہے۔ مگر میں اسے اپنا بچہ نہیں دوں گی۔ بیٹا ہو یا بیٹی' میں اسے نہیں دوں گی' میں اس کے گھر نہیں جاؤں گی۔ بھلے وہ ساری عمر مجھے نہ چھوڑیں۔ آپ آزاد ہیں آپ کو جو کرنا ہے کر لیں اور اگر شارق نہ مانا تو پھر کوئی بھی مجھے اس کے گھر جانے پر مجبور نہیں کرے گا۔ میں نہیں جاؤں گی وہاں۔"

"میں کل ہی زبیدہ کے پاس جاؤں گی۔" اماں نے جیسے اس کے فیصلے کو کوئی اہمیت ہی نہ دی تھی۔

نویرہ نے خاموشی سے اپنے آنسو صاف کیے۔ وہ جانتی تھی' شارق زمان پتھر بن چکا ہے' پتھر کب پگھلتے ہیں بھلا؟ اور رضا۔ رضا کے تصور سے ہی اسے اپنا پورا وجود نفرت کی شدت سے نیل و نیل ہوتا محسوس ہوا۔

✿.....✿.....✿

پاپا نے سنبھلنے کے بعد اسے اپنے پاس بلوا کر اس کا آئندہ کا پروگرام پوچھا تھا۔ وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی اور اپنے فیصلے پر قائم بھی تھی۔ اس نے سعود احمد اور شائستہ کے سامنے بھی وہی باتیں دہرا دی تھیں جو وہ زوہار یہ بھابی اور سمعان احمد کے سامنے کہہ چکی تھی۔ شائستہ کو زرش کی یہ بے وقوفی لگ رہی تھی مگر سعود احمد

نے ان کو خاموش کروا کر زرش کو خوش رہنے کی تاکید کی تھی۔ اس یقین و بھروسے کے ساتھ کہ اس کے فیصلے کو اہمیت دی جائے گی۔ سمعان احمد سے متعلق اس پر کسی بھی قسم کی زبردستی نہیں کی جائے گی۔

کالج سے مسلسل غیر حاضر ہونے اور کالج چھوڑنے کا فیصلہ بھی اس نے ان کے سامنے رکھ دیا تھا۔ اس پر سعود احمد کو اعتراض ہوا تھا۔ اس میں انہیں زرش کی حماقت دکھائی دی تھی مگر زرش نے ان کو منا کر مان لیا تھا۔ اس نے کالج چھوڑ کر اکیڈمی جوائن کرنے کی فرمائش کی تھی۔ لاچار سعود احمد کو یہ بات بھی ماننا پڑی تھی۔ کہ ایک غلط فیصلے کے بعد وہ اب اپنی طرف سے زرش کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ سعد کے ساتھ رشتہ طے کرنے کے بعد وہ اب کوئی ایسی غلطی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ تین بیٹیاں ہی تو ان کی کل کائنات تھیں' سرمایۂ زندگی تھیں۔ زرش کے ساتھ اب تک جو بھی ہو چکا تھا اور اب جو اباً اس کا جو ردعمل تھا ان سب کو برداشت کرنا تھا۔

اس نے پاپا سے اجازت ملتے ہی سائرہ کو کال کی تھی۔ اس کے ریفرنس سے نواز فاروق سے بات کر کے اس نے اکیڈمی جوائن کرنے کی بات کی تھی۔ سائرہ اس کے بارے میں کسی حد تک باخبر تھی۔ زرش کو کالج چھوڑ کر ان دنوں اکیڈمی جوائن کر لینے پر اس نے زیادہ کریدا تھا ویسے بھی وہ اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی تھی۔ تاہم زرش نے اسے سر نواز یا اکیڈمی کے کسی اور فرد سے اس کی شادی کا ذکر کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اس نے مسکرا کر ہامی بھر لی تھی۔

ماما پاپا سے بات کرنے کے دو دن بعد ہی اس نے اکیڈمی جوائن کر لی تھی۔ سمعان احمد اور فرح کو پتا چلا تو دونوں ہی چپ ہو گئے تھے۔ فرح تو ایک طرف زرش نے سمعان سے ذکر تک کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یک طرفہ سارے فیصلے کر لینا۔ سمعان احمد کو دکھ ہوا تھا مگر وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اسے روک ٹوک کرتا۔ سو خاموشی سے اس کے فیصلے کو اہمیت دی تھی کہ اب زرش کو کچھ بھی سمجھانا اور منوا لینا ناممکن ہو چکا تھا۔ صبح اور دوپہر کا سارا وقت وہ گھر میں ہی گزارتی تھی یا سمین سے کوئی کام کروا لیا یا اپنی اسٹڈیز کر لی۔ آج کل پاپا آفس جا رہے تھے' نوشی یا ہادیہ کا فون آ گیا تو گپ شپ لگا لی۔ تین بجے کے قریب ڈرائیور اسے اکیڈمی چھوڑ آتا تھا شام تک واپسی ہوتی تھی۔

اس دن وہ اکیڈمی سے گھر آئی تو ماما نے اسے تیار ہونے کا کہا تھا۔

"کیوں خیریت؟" پنک ساڑھی' ہلکی پھلکی گولڈ کی جیولری میں ماما بڑی زبردست لگ رہی تھیں۔ ماما پر خاص اہتمام کبھی کبھار ہی کرتی تھی۔

"تمہیں بتایا تھا کہ زیدی صاحب کے صاحبزادے کی شادی ہے۔ آج دعوت ولیمہ ہے۔ پوری فیملی مدعو ہے کل تمہارے پاپا چلے گئے تھے مگر آج مجھے اور تمہیں بھی چلنے کو کہہ رہے تھے اور جانا بھی چاہئے خاندان کا معاملہ ہے' چھوٹ تو کہیں بھی نہیں۔"

"اچھا....." زیدی صاحب ددھیالی رشتہ دار بھی تھے اور یہ اس کے تایا لگتے تھے۔ کارڈ تو کافی دنوں سے آیا ہوا تھا۔ کل بھی ماما نے ذکر کیا تھا مگر اس نے دھیان نہیں دیا تھا اور اب۔

"لاؤ نہیں ہو رہا آپ لوگ چلے جائیں۔"

"بری بات زرش بیٹا! جانا تو سبھی کو ہے نا۔ اس وقت فیملی میں تین ہی تو افراد ہیں۔"

"ماما میرا جانا اتنا لازمی نہیں ہے۔ پلیز مجھے فورس نہ کریں۔ شائستہ نے اس کا چہرہ دیکھا وہ اکتاہٹ و بیزاری سے بھرپور تاثر لیے ہوئے تھی۔ وہ زندہ دل خوشی اور ہنگامے کے بہانے ڈھونڈنے والی زرش تو کہیں تھی ہی نہیں۔ ان کے اندر کا ملال گہرا ہوا۔ اک حادثے نے اسے کیا سے کیا بنا ڈالا تھا۔

"نہیں تم جا رہی ہو..... تیار ہو جاؤ..... میں دیکھتی ہوں تمہارے پاپا کو وہ تیار ہوئے ہیں کہ نہیں۔" ان کے اس حکمیہ انداز پر وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

یہ شادی پاپا کے کسی فرینڈ کے بیٹے کی ہوتی تو وہ انکار نہ کرتی مگر اب خاندان میں سے تقریباً ہر کوئی جاننے والا ہوگا۔ جتنے منہ اتنی باتیں' یقیناً پھپھو اور تایا کی فیملی بھی مدعو ہوگی اور شاید قیصرہ بیگم کی بھی اس کے اندر کا تناؤ بہت بڑھ گیا تھا۔ پتا نہیں کیا کیا سننا پڑے گا۔

ماما پاپا کے ساتھ وہ میرج ہال پہنچی تھی۔ آج ڈرائیور کی بجائے پاپا کے کہنے پر اس نے خود کار ڈرائیو کی تھی۔ ڈرائیونگ اس نے لاسٹ ائیر سیکھی تھی مگر خود سے کار ڈائیو کرنے کی پرمیشن ماما پاپا نے نہیں دی تھی۔ کبھی کبھار ہی وہ ڈرائیونگ کرنے کا موقع حاصل کر پاتی تھی۔ تو کافی محتاط اور دھیمی رفتار میں ڈرائیو کرتی تھی۔ آج بھی پاپا نے اس کا موڈ بحال کرنے کو اس شے خود ڈرائیو کرنے کو کہا تھا اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر اس کا دھیان بٹاتے ڈرائیونگ کے رولز بتاتے رہے تھے جب کہ ماما پچھلی سیٹ پر تھیں۔

اور جب وہ لوگ میرج ہال پہنچے اس کا موڈ بہت فریش ہو چکا تھا یہ پاپا کے اعتماد اور گفتگو کا نتیجہ تھا۔ وہ اندر ہی اندر معترف ہوئی تھی۔ وہاں پھپھو ہادیہ آپا اور جمال ماموں تھے جب کہ وقار بھائی نہیں آئے تھے۔ وہ لاشعوری طور پر تایا کی فیملی کے افراد کو تلاش کرتی رہی تھی۔ مزید پندرہ منٹ تک وہ لوگ دکھائی نہ دیئے تو وہ کچھ ریلیکس ہوئی تھی۔ میرج ہال میں خاصی گہما گہمی تھی۔ ماما اور پاپا دیگر لوگوں سے ملنے کو چلے گئے تو وہ ہادیہ آپا کے پاس بیٹھ کر یونہی باتیں کرنے لگی تھی۔

"زرش سعد کا فون آیا تھا۔" اچانک باتوں کے دوران آپا نے کہا تو وہ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"وہ اس گھر کا بیٹا ہے ایسا تعلق ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ ہر روز کال کر رہا ہے' معافیاں مانگ رہا ہے مگر پھپھو اور ماموں اس سے کوئی بات نہیں کرتے۔ بے شک تمہاری شادی سمعان سے ہو گئی مگر اس کے فراق سے ہم نے جو برداشت کیا ہے اس کو کیسے بھلا دیں۔" آپا کا لہجہ آزردہ تھا وہ لب بھینچ گئی۔

"اب کیا فائدہ ان باتوں کا' چھوڑیں۔" اپنے آپ کو بحال کرنے کے لیے اس نے کہا تھا۔

"وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے؟"

"مگر مجھے اس سے کوئی بات نہیں کرنی اور پلیز اب آپ ایسا کوئی ذکر نہیں کریں گی۔ خاص طور پر اس کا بالکل نہیں۔" زرش کا انداز دوٹوک تھا آپا چپ چاپ زرش کے چہرے کو دیکھے گئیں۔

تھوڑی دیر بعد تایا کی فیملی ہال میں داخل ہوئی تو زرش کے اندر فرح اور علی کے ہمراہ اندر آتی طاہرہ بیگم کو دیکھ کر اک آگ سی دہکنے لگی تھی۔ تایا ابو اور سمعان احمد ساتھ ساتھ تھے۔ زرش نے رُخ موڑ لیا تھا۔ اتنے عرصہ گزر جانے کے باوجود یہ سب اب بھی ناقابلِ برداشت تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کسی حد سے گزر جائے۔

"السلام علیکم....." فرح اور علی کی آواز پر اس کا جھکا سر اٹھا تھا۔ اس نے بڑی زخمی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔ گود میں دونوں ہاتھ رکھے اسی بے تاثر انداز میں بیٹھی رہی تو فرح کے اندر ملال کروٹیں لینے لگا۔ ہاتھ ملانا تو ایک طرف زرش نے ان کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔

"کیسی ہیں بھابی صاحبہ!" علی اس کے ساتھ والی چیئر پر آ بیٹھا تھا۔ اس نے اس کو صرف دیکھنے پر اکتفا کیا اور پھر اسٹیج پر براجمان دلہا دلہن پر نگاہیں جما دی تھیں۔

"اوہو..... بڑی سخت ناراضی لگ رہی ہے۔" اس نے کہا تو فرح نے اسے گھورا۔

"سنو..... سمعان بھائی بھی آئے ہیں۔ ادھر چچا جان کے پاس کھڑے ہیں دیکھو تو سہی۔"

"تم چپ نہیں بیٹھ سکتے۔" اس نے غصے سے علی کو دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

"نہیں..... اٹھو یہاں بیٹھ کر بور ہو رہی ہو۔ چلو آؤ تمہیں کسی سے ملواتا ہوں۔" ہنس کر کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

"زرش' ناں..... ناں....." کرتی رہ گئی تھی مگر وہ بغیر اس کے سخت احتجاج اور غصے کی پروا کیے اسے اپنے ساتھ گھسیٹ لایا تھا۔

"اچھا ان سے ملو یہ ہیں میرے پیارے سویٹ سے بھائی جان۔" علی کے انداز میں بلا کی شرارت تھی۔ اس کو بالکل سمعان احمد کے سامنے لا کر کھڑا کرتے ہوئے اس نے جس قدر شرارت سے کہا تھا اس کا جی چاہا علی کا حشر نشر کر کے رکھ دے۔

"السلام علیکم! سمعان نے علی کے انداز پر اسے گھور کر اور پھر زرش کو دیکھا' جو بڑی مشکل سے اپنے غصے پر قابو پا رہی تھی۔

"کیسی ہو.....؟" سلام کا جواب نہ پا کر اگلا سوال کیا تھا۔

"ٹھیک ہوں....." لٹھ مار انداز تھا۔ سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔ علی کے چہرے پر مسکراہٹ نمایاں ہو گئی۔ جھکے سر سمیت وہ اپنا غصہ پی رہی تھی۔ اس نے ایک نظر ڈال کر سمعان احمد کو دوبارہ نہیں دیکھا جب کہ سمعان احمد نے اس پر ذرا تفصیلی نگاہ ڈالی تھی۔ بلیک نگوں سے مرصع بڑا خوب صورت جگمگاتا سوٹ پہنے لائٹ سے میک اپ کھلے بالوں اور ہلکی پھلکی جیولری میں وہ خاصی چمک دمک رہی تھی۔ سمعان کی اندر آسودگی کی لہریں پھیلی تھیں۔ خاص طور پر اس کے ہاتھ میں موجود اپنے دیئے گئے کنگن دیکھ کر اسے خوش گوار حیرت ہوئی تھی۔ وہ لاکھ بے اعتنائی برتتی' مگر ایک بڑا گہرا اور واضح تعلق تھا وہ ناراض تھی' ضدی تھی مگر وہ ان کے دل میں بستی تھی' اپنے آداب و انداز لیے ان کی نگاہوں کو اچھی لگتی تھی۔ بڑا مضبوط رشتہ تھا' وہ کہاں تک انکار کرے گی۔

"جا رہی ہو اکیڈمی؟"

"ہوں....." سمعان کے استفسار پر اس نے سر اٹھا کر ارد گرد دیکھا تو علی وہاں سے کھسک چکا تھا۔ دونوں اس وقت ذرا ہٹ کر نسبتاً پرسکون گوشے میں کھڑے تھے' آمد و رفت تو تھی مگر رش کم تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تایا ابو' ماما' پاپا' پھپھو وغیرہ کی ٹیبل پر نظر آئے تھے جب کہ فرح اور طاہرہ قدرے

مہمانوں کے ساتھ براجمان تھیں۔ طاہرہ بیگم اسی جانب دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے نکلتی تپش زرش کے اندر کا اضطراب بڑھا گئی تھی۔

"کالج کا کیا رہا؟"

"پاپا نے پرنسپل سے بات کر لی تھی۔ اٹینڈنس کلیئر ہو جائے گی۔" تلخی سے بھرپور آواز میں زرش نے جواب دیا تھا۔

"اور ایگزیمنز؟"

"جب ڈیٹ شیٹ آئے گی تو پھر دوں گی بھی۔"

"چلو آؤ ادھر بیٹھتے ہیں؟" سمعان نے قریبی ٹیبل کی طرف اشارا کیا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں میں ماما پاپا کے پاس جا رہی ہوں۔"

"چلو میں بھی چلتا ہوں۔" سمعان نے اس کے ساتھ ہی قدم بڑھائے تھے۔ سمعان کے ہمراہ چلتے اسے کئی نگاہوں کا مسلسل اپنے اوپر ہونے کا احساس ہوا تھا۔

"السلام علیکم! تایا ابو۔" قریب آ کر اس نے سلام کیا تو تایا ابو نے اسے بڑی محبت و شفقت سے ساتھ لگا کر جواب دیا تھا۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو؟"

"جی بہتر ہوں۔" اس نے مختصر کہا تھا اور پھر ہادیہ کے پاس خالی چیئر پر جا بیٹھی تھی۔ ماما' پاپا' پھپھو' ماموں اور تایا کے درمیان خاندان کی باتیں زیر بحث تھیں۔

"خاندان کی تقریب میں ملنا ملانا تو رہتا ہی ہے نا۔ غصہ اپنی جگہ مگر منہ سے سلام دعا کا دستور تو پرانا ہے۔ طاہرہ اگر ملنا نہیں چاہتی تو پھر ایسی جگہوں پر آیا بھی نہ کرے۔ سگی بھابی ہے یوں غیروں کی طرح جب سلوک کرتی ہے تو پھر دل دکھتا ہے۔" نجانے کیا بات چل رہی تھی کہ اچانک پھپھو نے بات کی تھی۔ زرش چونک کر متوجہ ہوئی۔

"چھوڑیں آپا! اب تو یہ قصہ بڑا پرانا ہو چکا ہے' اگر اس کے اندر دنیا داری کا اتنا ہی احساس ہوتا تو حالات یہاں تک پہنچتے ہی کیوں۔" تایا ابو نے بڑی تلخی سے کہا تھا۔

"یہ تو ہم بھی مانتے ہیں۔ مگر سعود تم یہ بتاؤ زرش کب تک ادھر رہے گی' شادی کے بعد لڑکیاں اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔" پھپھو کے ایک دم کہنے پر زرش نے گھبرا کر پہلے سب کو دیکھا اور پھر سمعان کو' سمعان بھی ادھر ہی متوجہ ہوا تھا۔ زرش نے فوراً نظریں چرائیں۔

"ہماری طرف سے کوئی انکار نہیں' سمعان آپ کے سامنے ہیں پوچھ لیں اس سے' میں تو ہر طرح کا اختیار دے چکا ہوں۔ سعود سے بھی بات کر چکا ہوں۔ سمعان زرش کو اسلام آباد لے جائے۔ بے شک میری طرف سے کوئی دیر نہیں۔"

"یہ تو مسئلے کا کوئی حل نہ ہوا۔ اسلام آباد کیوں؟ یہاں اپنے گھر کیوں نہیں' تم ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں بیاہ کر لے کر گئے ہو۔ اصولی طور پر اب طاہرہ بیگم کو پچھلے حوالے بھلانے چاہئے تھے کہ

یہاں سب نے بھلا کر ہی زرش کو سمعان کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ اکیلا ہی گھر بسانا ہوتا تو ہم خاندان میں کہیں اور دیکھ لیتے۔"

زرش نے بڑی بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔ سب کی موجودگی میں پہلی دفعہ یہ موضوع چھڑا تھا وہ بھی ان دونوں کے سامنے۔

"تو پھر میں کیا کروں طاہرہ خود کبھی زرش کو لے جانے والی نہیں ہے اور نہ زرش اس گھر میں جانے پر آمادہ ہے پھر یہ درمیانی راہ ہی رہ جاتی ہے اور اس میں مضائقہ کوئی نہیں۔ ابھی مجھے فرح کی شادی کرنی ہے' میں لگا ہوا ہوں کوئی اچھا رشتہ دیکھنے۔ اِدھر سے فارغ ہو کر پھر میں سارے مسئلے کا حل دیکھوں گا۔"

"تب تک زرش کا کیا بنے گا۔" سعود احمد اور شائستہ مسلسل خاموش تھے' پھپھو نے ہی سوال اٹھایا تھا۔

"پھپھو! زرش پہلے ایگزیمز سے فارغ تو ہو لے پھر بعد میں دیکھا جائے گا۔" سمعان نے کہا تو چند پل کو سبھی خاموش ہو گئے تھے۔

"آپا! یہ کوئی مناسب جگہ نہیں اس قصے کو چھیڑنے کی۔ گھر جا کر بھی بات چیت ہو سکتی ہے۔" سعود احمد نے زرش کے بھینچے ہونٹوں کو دیکھا تو سرے سے قصہ ہی ختم کرنا چاہا۔

"ہوں....." پھپھو نے بھی بات بدل دی تھی۔

اس کے بعد ان کے درمیان کوئی اور موضوع شروع ہو گیا تھا مگر زرش اس موضوع گفتگو سے جس اذیت کا شکار ہوئی تھی پھر دوبارہ پرسکون نہ ہو سکی تھی۔

تایا ابو اٹھے تھے تو باقی بزرگ بھی اِدھر اُدھر ملنے ملانے کو چل دیئے۔ وہ اس ماحول سے سخت اذیت سے دوچار ہو رہی تھی۔

"آپا! میں آتی ہوں ذرا۔" آپا کسی جاننے والی سے مصروف گفتگو ہو چکی تھیں انہوں نے صرف سر ہلایا تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر ہال کی گلاس وال کی طرف چلی گئی۔ گلاس وال سے دوسری طرف بنے گارڈن کا منظر بڑا خوب صورت تھا۔

"کیا بنے گا اس سارے قصے کا۔ کیا ماما' پاپا مجھے سب کے کہنے پر واقعی سمعان کے گھر رخصت کر دیں گے۔" اس سوال نے اس کے اندر اُودھم مچا رکھا تھا۔

"دیکھو ذرا یہ سعود احمد کی بیٹی ہے نا؟" اپنی آنکھوں کی نمی کو انگلیوں سے چھوتے وہ چونکی تھی ذرا سا چھا ہو کر دیکھا۔ ذرا فاصلے پر ٹیبل کے گرد بیٹھی خواتین میں سے کسی کی آواز تھی۔

"ہاں وہی ہے۔" دوسری عورت نے تصدیق کی تھی۔ زرش کو یہ دیکھے بھالے چہرے لگے مگر زبان جانتی نہ تھی کہ کون خواتین ہیں۔

"وہی نا جو سعید احمد کے بیٹے سمعان کے ساتھ رخصت ہوئی ہے۔" زرش وہاں سے ہٹنے والی تھی کہ آواز نے قدم جکڑ لیے تھے۔

"ہاں وہی ہے۔ میں نے تو سنا تھا صرف رخصتی ہوئی ہے۔ ہمارے سامنے ہی شائستہ نے رخصت کیا تھا مگر بعد میں سسرال نہیں گئی۔"

"حالات بھی تو دیکھو۔ جن حالات میں رخصت ہوئی تھی نفیسہ آپا کے بیٹے نے جو کیا وہ کم تھا۔ وہ تو تایا اچھے تھے جو مرتے بھائی کی عزت کو سہارا دیا۔ فوراً بیٹے کو پیش کر دیا۔ پھر دونوں کی ماؤں میں ساری زندگی اختلاف رہا ہے' طاہرہ کے قصے کون نہیں جانتا جو شوہر کی نہ بنی وہ اولاد کو کیسے برداشت کرتی۔ بیٹے کی خواہش تھی مگر تم نے سنا نہیں تھا قیصرہ کی زبانی' کیا کیا نہ کہہ رہی تھی سمعان اور زرش دونوں کے بارے میں۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو سعید احمد کی گھر کی خرابی کی ساری ذمہ دار بھی یہی قیصرہ ہے۔ ایسے میں کون خوشیوں کے ساتھ اولاد کو رسوائیوں میں دھکیلے؟" زرش ساکت سی کھڑی سن رہی تھیں۔

"مگر جو قصے قیصرہ آپا سنا رہی تھیں' وہ بھی کسی نہ کسی حد تک سچے ہی ہوں گے۔ سعود احمد نے کبھی اپنی اولاد کو "ہلکا" نہیں پڑنے دیا۔ نفیسہ آپا کا بیٹا عین شادی کے وقت کیوں بھاگا؟ اور پھر سعود احمد کا اسپتال جانا' فوراً سمعان کے ساتھ رخصت کرنا؟ اب سارا قصور طاہرہ کا بھی نہیں ہو سکتا۔ ساری عمر ہی تو وہ غلط نہیں ہو سکتی۔ کوئی نہ کوئی بات تو دیکھی ہو گی جو اس نے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی۔ بھلا اپنی اولاد کو بھی کوئی رسواء کرتا ہے کوئی تو وجہ ہو گی نا۔" دوسری عورت کہہ رہی تھی۔

زرش کو لگا پورے قد سمیت وہ زمین میں دفنا دی گئی ہے۔

"واللہ اعلم..... ہم کیوں کسی کی بیٹی پر بحث کریں۔ مگر شائستہ کو جہاں تک جانتی ہوں اس کی اولاد بھی بڑی سلجھی ہوئی طبیعت کی مالک ہے' بالکل ماں کا پرتو۔ یہ لڑکی کچھ لاڈلی اور کم عمر ہے' ہو سکتا ہے باتوں میں آ گئی ہو۔ مگر جو قصے قیصرہ سناتی ہے اس پر یقین نہیں آتا۔" دوسری خاتون انکاری تھیں۔

"ہمیں کیا؟ خیر قیصرہ کی اپنی اولاد کون سا کم ہے۔ سنا ہے اپنی جس بیٹی کا رشتہ وہ سمعان سے کرنا چاہ رہی تھی' وہ اپنے کسی کلاس فیلو کے لیے راضی ہے اور بیٹے کی تو ماں کے ساتھ کبھی بنی ہی نہیں۔" وہ اب قیصرہ کی ذات کو ڈسکس کرنا شروع ہو گئی تھیں' زرش نے آنکھوں میں آئی نمی کو جھٹکا مگر اندر جو جوار بھاٹا اٹھا تھا اس پر اختیار ختم ہو رہا تھا۔ اسے اپنا پورا وجود کسی طوفان کی زد میں گھرا محسوس ہو رہا تھا۔

"زرش....." بڑی محبت و توجہ سے دی جانے والی پکار پر اس نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا۔ نجانے سمعان کب سے عقب میں آ کھڑا ہوا تھا۔ موتیوں سے بھری آنکھیں سمعان کو لگا دل میں بوجھ سا بڑھ گیا ہو۔ بڑی تلخ سی نگاہ ان خواتین پر ڈالی تھی جو ہر طرف سے بے نیاز بڑی دلجمعی سے اس قصے کو چھیڑ بیٹھی تھیں۔

سمعان کے دل کا موسم عجب خلفشار کا شکار ہوا تھا اوپر سے زرش کی شکوہ کناں سرد تلخ نگاہیں وہ سرعت سے پلٹی تھی' وہاں سے بڑی تیزی سے چلی گئی تھی۔

"آپا! میں گھر جا رہی ہوں۔" وہ اس وقت سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے نابلد ہو چکی تھی۔ آپا نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

جھل تھل آنکھیں لیے وہ بڑی شکست خوردہ سی لگ رہی تھی۔

"کیوں خیریت؟"

"میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے' ماما پاپا کو کہہ دیجئے گا۔ میں گھر جا رہی ہوں۔" اس نے اپنا بیگ اٹھایا' گاڑی کی چابی اس کے پاس ہی تھی۔ اس نے بیگ سے گاڑی کی چابی نکالی تھی۔ وہ اس وقت

بغاوت پر آمادہ تھی۔

''اس وقت کیسے؟'' ''ٹھہرو میں ماما پاپا کو بلواتی ہوں۔'' انہوں نے اٹھنا چاہا تو اس نے منع کر دیا۔

''میں گاڑی ڈرائیو کرلوں گی۔ رہنے دیں۔'' وہ تیزی سے کہہ کر پلٹ گئی تھی۔

''زرش ٹھہرو..... رکو تو.....'' وہ آوازیں ہی دیتی رہ گئی تھیں مگر اس پر تو اس وقت جذباتیت کا دورہ پڑا تھا۔ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے نابلد ہو چکی تھی۔

''یا خدا!..... اس کو تو گاڑی بھی احتیاط سے چلانا نہیں آتی' کیسے کنٹرول کرے گی۔'' وہ پریشان ہو گئی تھی۔

شام کے قریب خالدہ بیگم حمید صاحب کے ہاں آئی تھیں۔ زبیدہ بیگم ان کی آمد سے خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ حمید صاحب گھر آئے تو خالدہ بیگم نے ساری بات ان کے سامنے رکھ دی تھی۔ حمید صاحب پہلے تو سن کر ششدر رہ گئے تھے اور پھر ان کے اندر کا اشتعال اتنا بڑھا تھا کہ انہوں نے فوراً رضا کو فون کر کے گھر آنے کا کہا تھا۔ رضا گھر پر نہیں تھا۔ شام کے قریب وہ دوستوں کا کہہ کر نکلا تھا۔

زبیدہ بیگم شوہر کے تیور دیکھ کر ہراساں ہو گئی تھیں۔ وہ پہلے ہی رضا کی طرف سے ان سے سب چھپائے ہوئے تھیں۔ حمید صاحب نے سب سن کر انہیں کچھ نہیں کہا تھا مگر ان کے انداز و تیور ایسے تھے کہ وہ دل میں سب خیریت رہے کی' دعائیں کرتی جا رہی تھیں۔ رضا گھر آیا تو سامنے خالدہ بیگم کو دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔ زبیدہ کا رویا' سرخ چہرہ' باپ کے تیور اور رمشاء کی غیر موجودگی اسے معاملے کی نوعیت سمجھا دینے کو کافی تھی۔

''السلام علیکم! آپ نے بلوایا۔'' مشترکہ سلام کے بعد اس نے باپ کو دیکھا۔ انہوں نے غصے سے ٹیبل سے ڈائری اور تصویریں اٹھا کر اسے دکھائیں۔

''یہ سب کیا ہے؟''

رضا خاموش رہا۔ ماں کے سامنے دل کی خواہش بیان کرنا' نویرہ اور شارق کے سامنے حقیقت لانا ایک طرف اب باپ کے سامنے وہ جھجک گیا تھا۔ برملا کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔

''آپا! اچھا کیا آپ نے' کسی سے ذکر نہیں کیا۔ آپ بے فکر رہیں اب میں سب سنبھال لوں گا۔ رہ گئی شارق کی بات یہ رضا اس سے سارا معاملہ کلیئر کرے گا۔ نویرہ کوئی غیر نہیں میری اپنی بیٹی ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔'' رضا کی خاموشی پر انہوں نے اسے قہر آلود نگاہوں سے گھورتے ہوئے خالدہ بیگم کو ریلیکس کیا تھا۔

''حمید! میری بیٹی کی عزت کا سوال ہے۔ ہم تو ابھی تک نواز کے گھاؤ نہیں بھولے' یہ نئی تکلیف کیسے سہ لیں۔؟ نبیل تو سن کر ہتھے سے اکھڑ جائے گا۔ میں نے ابھی چھپا لیا ہے مگر خیال رکھنا میری بیٹی جیتے جی مر جائے گی۔ وہ بے چاری تو بے قصور ہے۔'' خالدہ بیگم رو دی تھیں' جب کہ رضا خاموشی سے کھڑا تھا۔ زبیدہ بیگم نے ہاتھ تھام کر انہیں دلاسہ دیا تھا۔

''میں شارق سے بھی بات کروں گا۔ گھر ایسے تو بکھر جاتے ہیں۔ یہ جذباتی فیصلے سوائے نقصان کے کچھ نہیں دیتے۔ رضا کی غلطی ہے وہ قصوروار ہے تو پھر سزا بھی بھگتے گا مگر نویرہ نہیں۔'' رضا کو غصے سے

دیکھتے انہوں نے قریب بیٹھ کر انہیں دلاسا دیا تھا۔ خالدہ بیگم کے چلے جانے کے بعد انہوں نے رضا کو اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔

''ہاں برخوردار اب بتاؤ۔ کیا قصہ ہے یہ۔'' زبیدہ بیگم ان کے غصے سے جتنی خوف زدہ تھیں وہ اتنے ہی پرسکون ہو کر پوچھ رہے تھے۔

''آپ کے سامنے ہی تو ساری بات ہے۔'' دوسری دفعہ سوال دہرائے جانے پر اس نے کہا تھا۔

''تمہیں یہ سب سوچتے شرم نہ آئی۔'' اگلے ہی لمحے وہ اپنا ضبط کھو بیٹھے تھے۔

''میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔'' انتہائی بے خوفی سے کہا تھا۔

''دیکھ رہی ہو تم۔ اتنا کچھ ہو چکا ہے اس گھر میں اور تم نے مجھے ہوا تک نہ لگنے دی۔'' انہوں نے تلملا کر زبیدہ بیگم پر توپ داغ دی تھی۔

''اللہ نے ایک اولاد دی وہ بھی ایسی۔ اس سے بہتر تھا کہ اللہ بے اولاد رکھتا' کم از کم آج اس شرمندگی سے تو بچ گیا ہوتا۔'' ان کا طیش سے برا حال تھا۔

''تم نے شارق سے کیا کہا تھا۔''

''یہی کہ میں نویرہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' جھکے سر سے اعتراف جرم ہوا تھا۔ حمید صاحب غم و غصے سے گنگ سے ہو گئے تھے۔

یہ اتنی چھوٹی بات نہ تھی' کوئی بھی آدمی کسی بھی شخص کے پاس جا کر کہے کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے' وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس مرد کی غیرت کا کیا حال ہوگا اور اگر مرد شارق جیسے ہوں تو گھر تباہ ہو جاتے ہیں۔ حمید صاحب کے اندر آتش فشانی کی کیفیت ابھر آئی تھی۔ ''شرم نہ آئی تمہیں' یہ سب کرتے' بے غیرت' بے حیا۔'' ان کے بھاری ہاتھ کا تھپڑ رضا کے چودہ طبق روشن کر گیا تھا۔

''تم نے یہ سوچا بھی کیسے؟ میں جان نکال دوں گا تمہاری۔'' حمید صاحب نے رضا کا گریبان پکڑے اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ زبیدہ بیگم دہل کر رہ گئی تھی۔ حمید صاحب کی اونچی آواز پر مسلسل اپنے کمرے میں بند رمشاء بھی ڈر کر کر باہر نکل آئی تھی۔

''میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ شادی کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔''

حمید صاحب نے کینہ توز نظروں سے رضا کو گھورا۔ جی چاہ رہا تھا کہ بس سب کچھ تہس نہس کر دیں۔

''خبردار.....'' انہوں نے بڑے زور کا دھکا دیا تھا وہ دیوار کے ساتھ لڑکھڑاتا جا لگا تھا۔ ''شادی تمہاری صرف رمشاء سے ہوگی کان کھول کر سن لو۔''

''نہیں ایسا نہیں ہوگا۔'' باپ کے تیوروں پر وہ بھی غصے میں آ گیا تھا۔

''اسی ہفتے میں تمہاری شادی رمشاء سے کر رہا ہوں۔'' انہوں نے ایک دم غصے سے فیصلہ سنایا تھا۔

''ہرگز نہیں..... میں ایسے کسی فیصلے کو نہیں مانوں گا۔'' بڑے بپھرے انداز میں اس نے انکار کیا تھا۔

''میں فیصلہ کر چکا ہوں مجھے نویرہ کا گھر بچانا ہے اور اس سے پہلے تمہاری شادی کروں گا اور تمہیں یہ بات ماننا ہوگی۔''

"میں گھر چھوڑ دوں گا۔"

"ہاں ضرور....." انہوں نے تمسخر سے اسے دیکھا وہ غصے سے بے قابو ہوتا ان کے کمرے سے نکل گیا تھا۔

"مگر جانے سے پہلے اپنی ماں کو بھی ساتھ لیتے جانا۔" رضا حمید کے قدموں میں گویا زنجیر سی پڑ گئی تھی وہیں زبیدہ بیگم نے تڑپ کر بے تاثر چہرہ لیے کھڑے شوہر کو دیکھا۔ رمشاء بھی خوف زدہ ہو گئی تھی۔

"میرا کیا قصور ہے۔ مجھے کیوں نکال رہے ہیں۔" وہ تڑپ کر ان کے سامنے آئی تھیں انہیں اسی بات کا ڈر تھا اور یہ ہو گئی تھی۔

"میں صرف نکالوں گا ہی نہیں اپنے بیٹے کو کہہ دو اس گھر سے نکلنے کے عوض میں ہر تعلق ہی توڑ دوں گا۔ نویرہ برباد ہو گئی تو تمہیں بھی طلاق ہو گی۔"

زبیدہ بیگم کو لگا وہ لہرا کر ابھی گر جائیں گی۔ انہوں نے بے یقینی سے دیوار کا سہارا لیا تھا۔ رضا نے لب بھینچ کر رخ بدل کر باپ کو دیکھا۔

"اس میں امی کا کوئی قصور نہیں۔"

"تو نویرہ کا بھی کوئی قصور نہیں۔" زبیدہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

"ٹھیک ہے میں نویرہ کا خیال دل سے نکال دیتا ہوں مگر میں رمشاء کو کسی صورت بھی نہیں اپناؤں گا۔" باپ کی بلیک میلنگ پر وہ اپنے غصے و جذبات کے بپھرے طوفان کو روکتے گویا ہوا تھا۔

"تمہیں میری دونوں باتیں ماننا ہوں گی؟" ان کے لہجے اور انداز میں ذرا رعایت نہ آئی تھی۔

"ہرگز نہیں....." وہ پھر بپھر اٹھا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں حمید حسین اپنے پورے ہوش و حواس میں تمہاری ماں زبیدہ کو طلاق....."

"انکل پلیز....." رمشاء تیزی سے ان کے قریب آ کر ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر سسک اٹھی تھی۔ حمید صاحب کے باقی الفاظ ان کے منہ میں ہی رہ گئے تھے۔

"نہیں پھوپھا جان نہیں....." وہ بری طرح رو پڑی تھی۔

زبیدہ بیگم کا وجود گویا پتھر کا بن گیا تھا۔ رضا حمید بے حواس ہوا تھا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ حمید صاحب صرف دھمکی دے رہے ہیں جب کہ.....

"انکل! مجھے رضا سے شادی نہیں کرنی..... میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ پھپھو کو کچھ نہ کہیں..... پلیز انکل..... پلیز۔" وہ روتے روتے ان کے قدموں میں گر گئی تھی۔ زبیدہ بیگم کے پتھر وجود نے بھی حرکت کی تو وہ زمین پر گرتی چلی گئی تھی۔

"پھپھو....."

"امی....." زبیدہ بیگم کو یوں حواس کھوتے دیکھ کر وہ دونوں ہی چیختے ہوئے ان کی طرف بڑھے۔ حمید صاحب بھی ہارے ہوئے جواری کی طرح بستر کے کنارے ٹک گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

ہادیہ نے سمعان کو بلوا کر بتایا کہ زرش گھر چلی گئی ہے رات کے اس پہر اس کا یوں گاڑی لے کر جانا

سمعان کو بھی تشویش لاحق ہوئی تھی۔

"گاڑی کی چابی اسے کیوں دی تھی؟" سمعان نے برہمی سے کہا تھا۔

"آج گاڑی وہی ڈرائیو کر کے ماما پاپا کے ساتھ آئی تھی۔"

سمعان کو رہ رہ کر اس کی آنسوؤں سے بھری شکوہ کناں نظریں یاد آتی رہیں۔ سمعان نے اس کے نمبر پر کال کی مگر اس نے ریسیو نہیں کی تھی۔ اس وقت وہ ٹیبل پر ہی بیٹھا تھا۔ کھانے کا دور چل رہا تھا۔ سعود احمد ہینڈ واش کرنے اٹھے تو ان کا موبائل بجنے لگا جو ٹیبل پر ہی تھا۔ سمعان نے اسکرین دیکھی تو زرش کا نام دیکھ کر فوراً کال ریسیو کی تھی۔

"پاپا!..... مجھ سے ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے' پلیز جلدی سے آ جائیں۔" گھبراتی' روتی آواز سے سمعان ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ باقی لوگ بھی متوجہ ہوئے تھے۔ سمعان کو احساس ہوا تو مسکرا کر سب کو تسلی دیتے وہاں سے نکل آیا تھا۔

"کہاں ہو تم؟ اور کیسی ہو؟"

"گاڑی کی اسپیڈ زیادہ ہو گئی تھی مجھے پتا نہیں چلا' پلیز پاپا آ جائیں۔ یہ لوگ بہت بدتمیز ہیں پلیز پاپا۔ ورنہ یہ لوگ پولیس کو بلوا لیں گے۔" سمعان کو بری طرح روتی زرش کے علاوہ اور بہت سی آوازیں بھی سنائی دی تھیں' یعنی صورت حال شدید نوعیت کی تھی۔

"تم ٹھیک ہو نا؟"

"آپ آ جائیں بس۔" وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"تم جائے وقوعہ بتاؤ میں بس آ رہا ہوں۔"

اس نے علاقے کا بتایا تو سمعان فوراً پلٹا تھا۔ چچا کو موبائل پکڑا دیا۔ صورت حال سمجھانے کا وقت نہیں تھا وہ تیزی سے باہر نکلا تھا۔ نجانے وہ احمق لڑکی کیا کر چکی تھی۔ سمعان نے بڑی رش ڈرائیونگ کی تھی۔ وہ دس منٹ میں جائے وقوعہ پر پہنچا تھا۔ اردگرد بے پناہ ہجوم اکٹھا تھا۔ سمعان گاڑی کھڑی کرتے ہجوم کو چیرتے فوراً آگے بڑھا تھا۔

"امیر ہو گی تو اپنے گھر میں ہو گی۔ ایک گاڑی میں کیا بیٹھ جاتے ہیں دنیا کو روندنا حق سمجھ لیتے ہیں۔" وہ جو کوئی بھی تھا' انتہائی بدتمیزی سے مخاطب تھا۔ ڈری سہمی مسلسل روتی زرش گاڑی کے دروازوں کو لاک کیے شیشے چڑھائے اندر خوف زدہ بیٹھی ہوئی تھی۔

"زرش....." شیشے بجانے پر اس نے سمعان کو دیکھا' وہ جیسے نئے سرے سے جی اٹھی تھی۔ ایک دم لاک کھول کر باہر نکلی تھی۔

"آپ..... پلیز مجھے بچا لیں یہ لوگ پولیس کے پاس لے جا رہے ہیں۔" اس نے روتے ہوئے سمعان کا بازو تھام لیا تھا۔ سمعان کا غصہ اس کی کنڈیشن دیکھ کر قدرے کم ہوا تھا۔

"ہم ایسے ہی نہیں چھوڑنے والے اس کو۔ امیر ہو گی تو اپنے گھر میں ہو گی' ایک تو اندھوں کی طرح گاڑی کے نیچے دے دیا اوپر سے کوئی پروا بھی نہیں' کال کی ہے میں نے پولیس کو۔ آ رہی ہے بس۔"

"شٹ اپ....." اتنے بدتمیز انداز پر سمعان نے غصے سے اس آدمی کو دیکھا۔ 35 سال کے لگ بھگ کا آدمی تھا۔ جس کے سر سے خون بہہ رہا تھا جب کہ اردگرد کسی شدید نقصان کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ سمعان سمجھا کہ ایکسیڈنٹ زیادہ شدید ہے۔ ہاں زمین پر پڑی بائیک اچھی خاصی متاثر ہوئی تھی اور شاید گاڑی بھی۔

"آپ کو خواتین سے بات کرنے تمیز نہیں۔"

"تم کون ہوتے ہو خدائی فوجدار۔" وہ مزید بدتمیزی سے بولا تھا۔ "کیا لگتی ہے تمہاری؟ بڑے آئے تمیز سکھانے والے۔"

"بکواس بند کرو۔ بیوی ہے میری۔ جو بھی ہرجانہ ہے میں ادا کرنے کو تیار ہوں مگر بات تمیز سے کرو۔" سمعان کے ایک دم غصے سے کہنے پر زرش مزید ڈر گئی تھی۔

"بیوی ہے تو گھر میں لگام ڈال کر رکھو۔" وہ کوئی سر پھرا شخص تھا۔

"اوہ..... یو....." سمعان غصے سے آگے بڑھا تھا۔ زرش نے دہل کر سمعان کا بازو دبوچا۔

"نہیں پلیز..... نہیں....." اتنے ہجوم میں وہ بے حواس سمعان سے چپکی ہوئی تھی۔

"تم چل کر گاڑی میں بیٹھو میں دیکھ لیتا ہوں۔" سمعان نے اسے جھٹکا۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔

"پولیس کے آنے سے پہلے تم ملزمہ کو کہیں نہیں بھگا سکتے۔" وہ شخص بپھرا ہوا تھا۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا' اس کی سفید قمیض سرخ رنگ ہو چکی تھی۔ سمعان نے اپنے اوپر قابو پایا۔

"میں ہرجانہ ادا کرنے کو تیار ہوں۔ اس کے باوجود اگر تم پولیس تک بات لے جانا چاہتے ہو تو تو ایز یو وش۔" سمعان نے اپنی جیب سے اپنا والٹ نکالا تھا۔ اس شخص کا نقصان ہوا تھا مگر اس کے بات کرنے کے انداز نے سمعان کو غصہ دلا دیا تھا۔

"پچاس ہزار کی گاڑی تھی میری۔" اس شخص نے کہا تو سمعان ہاتھ میں پکڑی اپنی گاڑی کی "چابی" اس کی طرف بڑھائی اور ساتھ ہی اپنا وزیٹنگ کارڈ بھی اور چند نوٹ بھی۔ "وہ میری گاڑی کھڑی ہے' نیا ماڈل ہے۔ کل اس ایڈریس پر آ جانا تمہیں بائیک مل جائے گی۔ تب تک ضمانت کے طور پہ گاڑی اپنے پاس رکھو اور یہ چند ہزار بھی ڈاکٹر کو دکھا دینا بلکہ میرے ساتھ چلو میں اسپتال لے چلتا ہوں۔" دھیمے انداز میں کہنے پر اس شخص نے غصے سے ہٹ کر سمعان کو دیکھا۔ وہ شاید حالات کا ستایا ہوا تھا' اپنی بائیک کے نقصان پر کچھ زیادہ ہی فرسٹریشن کا شکار ہو گیا تھا۔ سمعان کی بات اور آفر نے اسے اپنے اوپر قابو پانے پر مجبور کر دیا تھا۔ چند منٹ بحث مباحثے اور گفتگو کے بعد اردگرد موجود لوگ اس شخص کے دھیما پڑنے پر وہاں سے ہٹنا شروع ہو گئے تھے۔

"نہیں میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ مجھے بائیک کا دکھ ہو رہا ہے' قرضہ لے کر خریدی تھی۔" وہ شخص اب اپنی گاڑی کو سیدھا کرتے ایک طرف کر رہا تھا۔ سمعان نے اس شخص سے ہٹ کر زرش کو دیکھا تو چونکا زرش کی کلائی سے خون بہہ رہا تھا' بلکہ دایاں بازو بھی زخمی تھا۔ آستین پھٹی ہوئی تھی۔

"تم زخمی ہو؟" وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی تھی۔ سمعان نے تاسف سے اسے دیکھا۔

سہارا دے کر اسے گاڑی تک لایا۔ کھڑی تو وہ تھی مگر چلنا محال تھا' شاید پاؤں میں بھی چوٹ آ گئی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر اس آدمی کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کرتے وہ زرش کی گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔ اس کا بیگ اور موبائل ویسے ہی پڑا تھا۔ ان دونوں چیزوں کو اٹھاتے سمعان کی نگاہ ڈیکس بورڈ کی طرف اٹھی تو ٹھٹک گیا۔ سمعان کے دیے گئے دونوں کنگن اور "Z.S" کے الفاظ سے مزین لاکٹ بڑی بے دردی سے پھینکے گئے تھے۔ سمعان نے اٹھا کر بیگ میں ڈالا۔ گاڑی ایک طرف پارک کر کے لاک کی اور پھر گاڑی میں آ بیٹھا۔

راستے میں ظفر کو فون کر کے اس کی کلینک میں موجودگی کنفرم کی تھی۔ باقی سارا راستہ وہ شخص خاموش رہا تھا۔ سمعان نے ہی اس سے چند سوال کیے تھے۔ ظفر اس کا منتظر تھا۔ سمعان نے ایکسیڈنٹ کا بتا کر ٹریٹمنٹ دینے کو کہا تھا۔ گاڑی کو جھٹکے لگنے سے گھبراہٹ میں ایکسیلیٹر دباتے زرش کے پاؤں میں موچ آ گئی تھی جب کہ چوڑیوں کی وجہ سے کلائی زخمی ہوئی تھی اور دایاں بازو دروازے کے ساتھ لگنے سے کمر میں بھی درد فیل کر رہی تھی۔ مگر ڈاکٹر کو بتا نہ سکی۔ سر پھٹنے کے علاوہ اس شخص کو بھی اچھی خاصی اندرونی چوٹیں اور خراشیں آئی تھیں۔ جب تک اس شخص کی مرہم پٹی ہوئی تھی۔ سمعان نے فیکٹری کی گاڑی اور ڈرائیور کو بلوا لیا تھا۔

"سر کو گھر ڈراپ کر کے آنا ہے اور تم یہ کچھ روپے رکھ لو۔ میں کل تمہارے ہاں ضرور چکر لگاؤں گا۔ تمہارا جو بھی نقصان ہوا ہے اسے ان شاء اللہ پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔" سمعان کے اس قدر خلوص پر وہ شخص شرمندہ سا ہو گیا تھا۔ سمعان کے بار بار کہنے پر اس نے وہ ہزار ہزار کے چند نوٹ رکھ لیے تھے۔

"تم صاحب کو چھوڑ کر گاڑی اور اسے ورکشاپ پہنچا دینا۔" ساتھ ڈرائیور کو ہدایت کی تھی۔ اس شخص کے جانے کے بعد سمعان بھی زرش کو لیے وہاں سے نکل آیا تھا۔

"کیسے ہوا ایکسیڈنٹ؟" سمعان نے پہلی بار اس سے دریافت کیا تھا۔ اس نے خوف زدہ سی نگاہوں سے سمعان کو دیکھا۔ وہ ابھی تک اس حادثے کے زیر اثر تھی۔ خوف زدہ' ڈری سہمی سی۔

"اگر نقصان زیادہ ہو جاتا تو۔"

"پتا نہیں کیسے گاڑی کی رفتار کنٹرول نہیں ہوئی تھی۔ یہ شخص دوسری سڑک مڑنے پر عین سامنے آ گیا تھا۔ میں نے بڑی کوشش کی تھی' بریک لگانے کی مگر....." آواز میں اب بھی آنسوؤں کی نمی تھی۔ بلکہ وہ اب بھی رو رہی تھی۔ دھیمے دھیمے سسکاریاں بھرتی' آنسو پونچھتی۔ فوری طور پر تو نہیں مگر اب اندرونی طور پر جسم میں کئی درد جاگے تھے۔ کچھ تکلیف کا اثر تھا اور کچھ خوف کا۔ باقی سارا راستہ سمعان نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ گھر پہنچ کر گاڑی اندر لا کر سمعان نے اسے گاڑی سے سہارا دے کر نکالا تھا۔ زرش کے پاؤں میں اب سوجن آ چکی تھی۔ جوتے سمیت چلنا اس کے لیے چلنا بڑا مشکل تھا۔ اندر آ کر سمعان اسے سیدھا اس کے روم میں لایا تھا۔

"لیٹ جاؤ....." سمعان کے سامنے جھجک سی گئی۔ بس وہ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔

"دکھاؤ پاؤں....." سمعان نے اس کے قریب بیٹھ کر کہا تو اس نے ایک دم پاؤں پیچھے کیا تھا۔ عجیب

سی شرم نے گھیر لیا تھا اس لمحے۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" ڈاکٹر نے کریم لگا دی تھی۔

"خاک ٹھیک ہو' چلا تو تم سے جا نہیں رہا۔" سمعان نے برہمی سے کہا تو زرش کی آنکھوں میں نمی آ ٹھہری۔ گزرے لمحے پھر یاد آ گئے۔ کلائی پر بینڈیج کی گئی تھی۔ سمعان نے ہاتھ بڑھا کر اس کا لرزاں بازو تھام لیا تھا۔ زرش کے پورے وجود میں گویا کرنٹ سا دوڑ گیا تھا۔

"کچھ نہیں' ہوا ٹھیک ہوں۔" مگر سمعان نے دھیان ہی نہیں دیا۔ آستین ہٹا کر دیکھا تو کہنی سے اوپر کندھے تک اچھے خاصے گہرے نیل پڑے ہوئے تھے۔

"سی....." سمعان نے انگلی پھیری تو تکلیف سے رو دی۔

"بہت درد ہو رہا ہے؟" گمبھیر لہجے میں پوچھتے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"ہوں....." وہ اس وقت بے بس تھی۔

"مرہم لگا دوں؟" اس کے رونے نے سمعان پر بڑے عجیب سے انداز میں اثر کیا تھا۔ لہجے میں خود بہ خود جذبے گھل گئے تھے۔

"ہوں....." اس نے درد میں سر ہلایا تھا۔ "لگتا ہے مر جاؤں گی۔"

"ایسے کیسے مرنے دوں گا۔ تمہیں تو ہزاروں سال جینا ہے میرے لیے۔" سمعان کے جذبوں کا عجب عالم تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اندر کے غبار کو نکالنے کو اس نے سمعان کے سینے پر سر رکھ دیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے گریبان کو مٹھی میں جکڑے وہ سارا اعتماد کھو بیٹھی تھی۔ اس وقت تو اس کے ضبط کا یہ عالم تھا کہ اسے اردگرد کے ماحول کا کوئی ادراک نہ رہا تھا۔ شدت سے گریہ وزاری کرتے سمعان کے کشادہ سینے پہ سر رکھے اس کی شرٹ بھگوتے وہ دل کھول کر رو رہی تھی۔ بلکہ اندر کا غبار نکال رہی تھی۔ دکھ کی لپٹوں میں لپٹے دل کو بہلا رہی تھی۔

اگر سمعان بروقت نہ پہنچتا تو نجانے وہ اس وقت کس صورت حال سے دوچار ہوتی۔ کچھ دیر بعد اندر کا غبار نکلا' دل ہلکا ہوا تو زرش کو احساس ہوا کہ وہ قربت کے کن قیامت خیز لمحوں میں جکڑی گئی ہے۔

"پلیز! میرا سانس بند ہو رہا ہے؟" رخساروں سے آنسو پونچھتے ہاتھ ٹھٹکے۔ اس التجا پر سمعان نے بغور اسے دیکھا وہ نظریں جراتی بازوؤں کا حصار توڑتے پیچھے ہٹی تھی۔

سمعان نے مسکرا کر شاپر سے اینٹی سپٹنگ کریم نکال کر اس کا بازو تھاما تھا۔

"میں لگا لوں گی۔" کمزور لڑکھڑاتی آواز میں نظریں جھکائے گویا تھی' سمعان کی قربت کے یہ لمحات اس پر بڑے بھاری تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان قیامت خیز گھڑیوں سے کیسے نکلے۔

اس کے بازو پر کریم لگاتے سمعان نے اسے دیکھا۔ سرخ چہرے پر لرزتی پلکوں کا رقص بڑا ساحر کن تھا۔

"آپ کو پاپا نے بھیجا تھا؟" وہ ان کمزور لمحوں سے نکلنا چاہتی تھی۔ سمعان کی موجودگی کو یکسر غیر اہم قرار دے دینا چاہتی تھی۔ خود پر بمشکل قابو پاتے سمعان کو دیکھا۔ بلکہ سمعان احمد کے مچلتے جذبوں کے

آگے حد بندی کرنا چاہی تھی۔

"نہیں..... بلکہ چچا جان کا موبائل میں نے ریسیو کیا تھا۔ سمعان نے فوراً اس کا گریز پڑھا تھا' بڑی خوب صورت مسکان آئی تھی ہونٹوں پر۔

"آپ ڈرائیور کو بھیج دیں وہ ان کو لے آئیں۔" وہ مزید کنفیوژ ہو گئی۔ سمعان کو ہٹانے کا فوراً بہانہ سوجھا۔

"میں ابو کو فون کر دیتا ہوں وہ چھوڑ دیں گے۔" سمعان کو بھی خیال آیا۔ سمعان نے اپنا موبائل نکال کر ان سے بات کی تھی۔ سعید احمد سے کہہ کر سعود اور شائستہ بیگم کو گھر چھوڑنے کی بات کی تھی۔

"میرے بارے میں مت بتائیے گا۔" کال کے دوران زرش نے کہا۔ ان دو تین لمحوں میں اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

"میں یاسمین کو کہتا ہوں۔ وہ کچھ کھانے پینے کو دے پھر میڈیسن لے لینا۔" وہ خاموش رہی تو سمعان نے یاسمین کو آواز دی۔

"اس کے علاوہ اور کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔" سمعان نے یاسمین کو پکارتے اس کو بھی پلٹ کر دیکھا۔ سمعان کے انداز میں اس کے لیے بڑی فکر تھی۔ زرش کا جی چاہا کمر میں دم بدم بڑھتے درد کا ذکر کر دے مگر وہ پھر جھجک گئی تھی۔ نفی میں سر ہلانے پر سمعان کمرے سے نکل گیا تھا۔

سمعان کے کمرے سے نکلنے کے بعد اس نے تکیے کے سہارے اپنی کمر سیدھی کی' اک ٹیس سی رگ و پے میں اترتی چلی گئی تھی۔

ماما پاپا فنکشن کے اختتام کے بعد پہنچنے والے تھے یوں اکیلے آنے پر باتیں سننے کو ملیں گی وہ ایک طرف' اس حادثے کا سن کر وہ دونوں یقیناً بڑا ناراض ہوں گے۔

تکیے پر سر رکھتے اس کو تفکر نے آ لیا تھا۔

✡.....✡.....✡

حمید صاحب نے اپنے تئیں پوری کوشش کر ڈالی تھی کہ شارق زمان کے دماغ میں اصل حقیقت ڈال سکیں مگر شارق تو کچھ سننے پر آمادہ ہی نہ ہوا تھا۔ وہ بارہا اس کے آفس' گھر کے چکر لگا چکے تھے' موبائل پر بات کر چکے تھے مگر جیسے ہی نوریہ کا نام آتا تھا' وہ ہر لحاظ بھول جاتا' پچھلے دو دن سے وہ اپنا ہر کام بھلائے اسی بات کے پیچھے لگے ہوئے تھے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا تھا۔ ان کی دھمکی پر رضا بالکل خاموش ہو گیا تھا شارق سے ملنے پر وہ ابھی آمادہ نہ ہوا تھا' وہ یہ بھی ماننے پر آمادہ نہیں تھا کہ اس نے کوئی غلط کام کیا ہے بلکہ اس کا ابھی تک یہی موقف تھا کہ اس نے شارق کو اپنے جذبات سے متعلق آگاہ کیا تھا' نوریہ سے متعلق بدظن نہیں کیا تھا' یہ شارق کے اپنے ذہن کا فتور تھا اور یہ فتور کیوں برپا ہوا تھا وہ یہ ماننے پر آمادہ ہی نہ تھا' وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہ تھا کہ اس نے کوئی غلط قدم اٹھایا ہے۔

وہ اس وقت بھی واجدہ بیگم کے ہاں آئے ہوئے تھے۔

"ابا آپ میرے ساتھ چلیں' ہم نوریہ کو لے آتے ہیں۔ شارق آہستہ آہستہ ساری سچائی جان لے

گا۔ اب اسے کچھ بھی سمجھانا بے سود ہے۔ رہ گیا رضا تو' میں نے فیصلہ کرلیا ہے اسی ماہ رمشاء کا رضا سے نکاح کردوں گا جب یہ قصہ ہی ختم ہوجائے گا تو شارق کے شکوک وشبہات بھی دم توڑ جائیں گے۔"

"نویرہ نہیں مانے گی۔ بڑا بُرا کیا ہے اس کے ساتھ رضا اور شارق دونوں نے مل کر۔" حمید صاحب کی بات سن کر اماں آبدیدہ ہوگئی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ ماننا پڑے گی اسے یہ بات بھی۔ میں خالدہ آپا سے بات کروں گا وہ سمجھائیں گی۔ نبیل تک سے بات چھپانا چاہتی ہیں اور یہ اس طور ممکن ہے ورنہ کچھ بھی بعید نہیں۔ آپ آج ہی میرے ساتھ چلیں۔ نبیل آفس میں ہوگا اس کے آنے سے پہلے ہم جا کر نویرہ کو لے آتے ہیں۔"

"اور شارق....."

"آپ ماں بن کر اسے سمجھائیں۔ یوں ایک دم نویرہ کے خلاف ہوجانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ چلو مان لیتا ہوں سارا قصور رضا کا ہے مگر کیا شارق کو نویرہ کی پچھلی زندگی کچھ بھی یاد نہیں۔ دماغ خراب ہے اس کا اور کچھ نہیں۔"

"جب مرد کا دماغ خراب ہونا ہو تو صرف ایک پل لگتا ہے۔ شارق کے سامنے تو پھر اپنی ماں بہن کی پوری زندگی ہے' نویرہ کے ساتھ ناحق ظلم ہو رہا ہے۔"

"آپ ماں بن کر شارق کو مجبور کریں اور خود جا کر لے آئیں اپنے ماں ہونے کا رعب رکھیں بیوی کم میں ہوگی تو وہ بھی دھیما پڑ جائے گا۔"

"چلو یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔" انہوں نے ایک گہری سانس خارج کی۔

"تم خالدہ سے جا کر بات کرلو میں بھی رات کو شارق سے بات کروں گی کوشش کرتی ہوں وہ ہمارے ساتھ چلے' اگر نہیں مانتا تو پھر کل تمہارے ساتھ جا کر لے آؤں گی۔ ناحق بچی کو برباد نہیں ہونے دوں گی۔"

"چلیں ٹھیک ہے آپ شارق سے بات کر کے مجھے آگاہ کردیجیے گا۔" حمید صاحب اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"ان شاء اللہ کل جا کر نویرہ کو لے آئیں گے۔" انداز حتمی تھا۔

✿.....✿.....✿

"سمعان کل سے اسلام آباد والے آفس کا چارج سنبھال رہا ہے۔" میٹنگ کے دوران سعید احمد نے سعود احمد سے ذکر کیا تھا اور ان کا ذہن باقی تمام باتوں کو بھول کر اسی نقطے پر اٹک گیا تھا۔ سمعان کے اسلام آباد جانے کا مطلب تھا زرش کا وہاں سیٹل ہونا۔

ایک انتشار پر مبنی بٹا ہوا خاندان اپنی سب سے لاڈلی چہیتی بیٹی کو دینے کا انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ ان کے دل میں دکھ و درد کی اک لہر سی اتری تھی۔ ایک بٹا ہوا خاندان ایک اور بٹے ہوئے خاندان کی بنیاد بنے گا۔

شکست وریخت کا یہ سلسلہ مزید آگے چلے گا۔

"کیا زرش ایک الزام لے کر ساری زندگی سمعان کے ساتھ خوش رہ سکے گی۔"

نہیں لگا اس سوال نے ان کے اندر اک طوفان اٹھا دیا ہے۔

"آج نہیں تو کل زرش کو سمعان کے ساتھ جانا ہی ہے تو کیا طاہرہ بیگم زرش کو قبول کریں گی۔" وہ اپنی ہی الجھی پریشان کن سوچیں لیے میٹنگ روم سے نکل کر اپنے کمرے میں چلے آئے تھے۔

سمعان پر انہیں ہر حال میں اعتبار تھا مگر زرش۔ زرش کی جذباتی طبیعت بھی کسی طور چھپی نہ تھی اور اب زرش کا وہاں کبھی نہ جانے کا حتمی انداز بلکہ فیصلہ۔ کیا زرش ان کے مجبور کرنے پر اسلام آباد جانے پر آمادہ ہوجائے گی۔ مگر وہ خوش کبھی نہ رہ پائے گی۔

نہیں لگا اس نقطے پر سوچتے سوچتے ان کے دل کا درد بڑھ جائے گا۔ یا دماغ کی کوئی نس پھٹ جائے گی۔

"السلام علیکم چچا جان۔" انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا سمعان بڑی پُرتشویش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔

"کیا بات ہے؟ پریشان لگ رہے ہیں۔" سمعان نے کچھ پریشانی سے پوچھا تھا۔ انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"بیٹھو....." وہ سیدھے ہوگئے تھے۔

"میں دو تین چکر لگا چکا ہوں۔ آپ نے کسی کو بھی ڈسٹرب نہ کرنے کا کہہ رکھا تھا مجھے تشویش ہو رہی تھی۔ خیریت ہے نا؟" وہ سامنے ہی ٹک گئے تھے۔

"ہوں طبیعت کچھ بوجھل بوجھل سی ہو رہی تھی۔"

"ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں؟" ان کے بجھے بجھے انداز پر وہ مزید متفکر ہوا تھا۔

"نہیں اب ایسی بھی بات نہیں۔ یہ کیا ہے؟" انہوں نے سمعان کے ہاتھ میں موجود فائل کی طرف اشارہ کیا تو سمعان نے فائل ان کے سامنے رکھ دی۔

"یہ اسلام آباد آفس کی اسٹیبلشمنٹ کے کاغذات ہیں' ایک کاپی ابو کے پاس ہے اور ایک آپ کے لیے۔ ان پر آپ کے دستخط چاہئے تھے' پھر کچھ ڈسکشن بھی کرنا تھا۔"

"ہوں.....؟ انہوں نے بے توجہی سے کاغذات الٹ پلٹ کیے۔

"کل اسلام آباد آفس کا چارج سنبھال رہے ہو۔" کاغذات پر بے دلی سے دستخط کرتے انہوں نے بظاہر سرسری انداز ہی اپنایا تھا۔

"جی....." سمعان نے بغور انہیں دیکھا۔ انہوں نے پیپر اسٹڈی کیے بغیر ہی دستخط کردیئے تھے جب کہ بعض پوائنٹس بہت غور طلب تھے اور سمعان انہی پوائنٹس پر ان کی رائے لینا چاہتا تھا مگر ان کی بے توجہی دیکھ کر ٹال گیا۔

"رہائش عثمان کے ساتھ ہی ہوگی۔"

"جی....." سمعان کو اندازہ ہو رہا تھا انہیں کیا بات تکلیف دے رہی ہے۔

"زرش کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" انہوں نے سمعان کو دیکھا' سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ لیا پوچھ رہے تھے سمعان سمجھ رہا تھا۔

"ہماری طرف سے اتنا کچھ ہو چکا ہے چچا جان کہ اب ہمارا کوئی بھی فیصلہ زرش کی فیملی کو مجروح کرنے والا معاملہ ہوگا۔ سوچنا زرش کو ہے یا آپ لوگوں کو۔" سمعان کا انداز بڑا سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔ سعود احمد نے اپنی کنپٹیاں سہلائیں۔ ان کے روبرو اس موضوع پر پہلی بار گفتگو ہو رہی تھی' سو دونوں ہی محتاط تھے۔ سوچ سوچ کر بول رہے تھے۔

"میں خود بھی مجبور ہوں۔ پہلے ہی میرے ایک غلط اور قبل از وقت فیصلے نے کئی زندگیوں کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ اب میں نہیں چاہتا کہ زرش ہمارے کسی فیصلے کو بہ حالتِ مجبوری قبول کرے۔ میں چاہتا ہوں تم زرش سے بات کرو' اسے قائل کرو۔ پیار و محبت سے جیسے بھی۔ تمہارا اس سے ایک واضح رشتہ ہے۔ جذباتیت سے گھر بنتے نہیں بگڑتے ہیں۔ بھابی بیگم کسی بھی طرح مفاہمت کی راہ نہیں اپنائیں گی اور میں زرش کو ساری عمر اپنے گھر بٹھانے والا نہیں اگرچہ زرش کی انتہا پر مبنی سوچ اس بات کی ترجمانی کر رہی ہے کہ وہ کبھی خوش نہیں رہ پائے گی مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ فیصلہ زرش خود کرے اور جذباتیت سے ہٹ کر کرے۔ حقیقت کو فیس کرتے ہوئے فیصلہ کرے۔ پیپر ویٹ کو انگلیوں سے گھماتے انہوں نے کہا تھا۔

"چچا جان! زرش کا مؤقف غلط نہیں۔ اب تک جو کچھ بھی ہو چکا ہے اس کی روشنی میں بڑی سے بڑی زیادتی بھی عام سی بات ہے کہ وہ اس وقت حق پر ہے۔ رہی رشتے کی بات تو' رشتے ماننے سے ہوتے ہیں وہ ہمارے گھر جانا نہیں چاہتی اور امی کبھی مفاہمت پر راضی نہیں ہوں گی۔ اسلام آباد سیٹل ہونے کا آپشن بھی ابو کی طرف سے ہے۔ مگر جس طرح حالات بدلے ہیں اس میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ابو کا یہ فیصلہ کیا اثرات مرتب کرتا ہے کہ بہر حال شادی دو انسانوں کے ملاپ کا نام نہیں۔ یہ تعلق خاندانوں کی بقاء کا ضامن ہے۔ میں پھر بھی کوشش کروں گا' زرش سے بات کروں گا مگر مجبور نہیں۔"

سمعان نے بھی کھل کر ان سے براہِ راست بات کر لینا چاہی تھی۔ سعود احمد خاموشی سے سمعان کو دیکھے گئے۔

سمعان چند پل مزید وہاں ٹھہرا تھا اور پھر اس کے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک الجھے رہے تھے۔

"اس مسئلے کا کیا حل ہوگا؟"

بارہ بجے کے قریب ان کی ڈاکٹر سے اپائنمنٹ تھی۔ دوبارہ آفس جوائن کرنے کے بعد وہ دوسرے تیسرے دن چیک اپ ضرور کروا رہے تھے۔ وہ وہاں سے نکلے تو سمعان راستے میں مل گیا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟" پارکنگ میں ہی آمنا سامنا ہوا تھا سو سمعان رک کر پوچھنے لگا۔

"ڈاکٹر کی طرف جانا ہے آج اپائنمنٹ ہے اور تم؟"

"اچھا! ہاں آپ نے ذکر تو کیا تھا' اکیلے جا رہے ہیں؟"

"ہوں....."

"میں گھر جا رہا تھا' کل اسلام آباد جانا تھا سو چا ضروری تیار کر لوں گا۔ چلیں میں آپ کے ساتھ ہی چلتا ہوں۔" سعود احمد نے انکار کرنا چاہا پھر چپ ہو گئے۔

سمعان ان کے ساتھ ہی ڈاکٹر کے پاس آیا تھا۔ چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے میڈیسن میں ترمیم کر دی

تھی۔ چند ہدایات اور وہی روٹین کی باتیں تھیں۔ سمعان ان کے ساتھ ہی گھر آیا تھا کہ سعود احمد دوبارہ آفس جانا چاہتے تھے۔ وہ آرام سے سارے مسئلے کو سوچنا چاہتے تھے' کوئی حل نکالنا چاہتے تھے۔ وہ جب گھر آئے تو شائستہ بیگم گھر پر نہیں تھیں۔

"شائستہ کہاں ہیں؟" انہوں نے یاسمین سے پوچھا۔

"نوشی باجی آئی تھی' ان کے ساتھ بازار گئی ہیں۔"

"اور زرش.....؟"

"وہ کچن میں ہیں۔"

ایک ہاتھ میں سالن والا چمچ پکڑے بغیر ڈوپٹے کے وہ سیدھی لاؤنج میں آئی تھی۔

"ارے پاپا' آپ....." پاپا اور سمعان کو دیکھ کر سٹپٹائی تھی۔ پاپا وہیں لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئے' جب کہ سمعان نے ان کی میڈیسن والا شاپر ٹیبل پر رکھا تھا۔

"آپ آج جلدی آ گئے ہیں۔ خیریت ہے نا؟" سٹپٹاتے انداز میں ہی اس نے سعود احمد سے پوچھا تھا۔

"ہوں....." زرش نے کچھ تشویش سے سمعان کو دیکھا۔ پاپا کا انداز بظاہر نارمل ہی تھا مگر سمعان کا پاپا کے ساتھ آنا۔

"چچا جان بالکل ٹھیک ہیں۔ ڈاکٹر کے ساتھ اپائنمنٹ تھا اسی لیے جلدی آ گئے ہیں۔"

"اوہ....." وہ کچھ ریلیکس ہوئی۔ وہ فوراً کچن کی طرف آئی تھی۔ کرسی پر پڑا ڈوپٹہ اس نے کندھوں پر پھیلا لیا تھا۔

"کیا کر رہی ہو؟" سمعان کی آواز پر وہ اچھل ہی پڑی تھی۔ پلٹ کر سمعان کو غصے سے دیکھا۔

"کچھ نہیں....." بڑی رکھائی سے جواب ملا تو سمعان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ آئی۔

"آئیمل تو بڑی اچھی آ رہی ہے۔ کوکنگ وکنگ کا شوق ہو رہا ہے آج کل کیا؟" بڑی احتیاط سے پیڑا بنا کر روٹی بیل رہی تھی۔ کچن کے معاملے میں اس کی کارکردگی کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ مسکرا کر پوچھا۔

"آپ سے مطلب.....؟" اسے تین دن پہلے والی بے عزتی یاد آ گئی تھی۔ ایکسیڈنٹ والی رات جب ماما پاپا گھر آئے تھے اور اس کی حالت اور کارکردگی کا سن کر جو کچھ ماما نے اسے سنایا تھا وہ تو ایک طرف سمعان کے سامنے یوں بُری طرح بے عزت ہونا۔ وہ سخت ناراض تھی۔ کیا ضرورت تھی ماما پاپا سے ذکر کرنے کی۔ سمعان کوئی بہانہ بھی تو کر سکتا تھا مگر۔

بازو کے زخم کچھ ٹھیک ہو چکے تھے۔ پاؤں کی موچ بھی اب نکل گئی تھی' ہاں کمر کی تکلیف برقرار تھی۔

"کیا پکایا ہے؟" سمعان اس کی خفگی کو کسی طور خاطر میں نہیں لایا تھا۔ ڈھکن اٹھا کر دیکھا۔ قیمے کی خوشبو بڑی اچھی تھی۔

"واہ قیمہ..... تمہیں کیسے پتا ہے میں آ رہا تھا؟" زرش نے روٹی توے پر ڈال کر سمعان کو گھورا۔

"یاسمین....." ساتھ ہی اس نے یاسمین کو بھی آواز لگائی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ چراغ کے جن کی طرح آ گئی۔ "یہ روٹی دیکھو..... میں پاپا کو دیکھ لوں اور ہاں ایک دو روٹیاں اور بنا لو شاید پاپا بھی کھائیں۔"

اسے کہہ کر وہ کچن سے لاؤنج میں چلی آئی۔

''پاپا..... کیا ہوا ہے؟'' سعود احمد ابھی تک صوفے پر آرام دہ حالت میں بیٹھے ہوئے تھے' آنکھیں موندے وہ ان کے پاس بیٹھی تو انہوں نے آنکھیں وا کر کے اسے دیکھا۔

''کچھ نہیں بیٹا.....'' انہوں نے مسکرا کر زرش کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''کھانا کھائیں گے.....''

''نہیں..... ایک گلاس جوس کا پلا دو میں بس کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں' میں کمرے میں جا رہا ہوں' سمعان کو کھانا کھائے بغیر نہ جانے دینا۔ لنچ ٹائم ہے اچھا نہیں لگتا۔'' انہوں نے اسے کہہ کر ہدایت کرتے اپنے کمرے کی راہ لی تھی۔

وہ جب کچن میں لوٹی تو سمعان کوک سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ شاید یاسمین نے دی تھی۔

وہ فریج سے جوس نکال کر گلاس میں انڈیل کر پاپا کے پاس چلی آئی تھی۔ وہ پاپا سے چند باتیں کرنے لگ گئی تھی۔ جوس پی کر انہوں نے میڈیسن لی تھی۔ احتیاط سے انہیں میڈیسن دے کر کمرے کی لائٹ آف کرتے خالی گلاس لیے جب کچن میں لوٹی تو یاسمین نہ صرف روٹیاں بنا چکی تھی بلکہ کھانا بھی ٹیبل پر لگا چکی تھی۔

''پاپا! کھانا نہیں کھائیں گے۔'' ٹیبل ریڈی دیکھ کر اس نے یاسمین کو کہا تو وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ..... ہم دونوں کھا رہے ہیں۔'' سمعان کے کہنے پر زرش نے گھورا۔ یاسمین کچن سے چلی گئی تھی۔ زرش شش و پنج میں پڑ گئی۔ سمعان ہاتھ دھو کر ٹیبل کے گرد کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔ وہ کھڑی کر رہ گئی۔

''آؤ بھئی' کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

''آپ کھائیں۔ مجھے بھوک نہیں۔'' اتنی تگ و دو کے بعد اسے لگا جیسے اس کی بھوک مر گئی ہے۔

''انسانوں سے ناراضی جچتی ہے' کھانے سے نہیں' آ جاؤ.....'' سمعان نے اٹھ کر اس کے پاس آ کر نہ صرف کہا تھا بلکہ پکڑ کر اسے کرسی پر بٹھا بھی دیا تھا۔

''میں نے کہا نا مجھے بھوک نہیں۔'' وہ چیخی تھی' سمعان واپس اپنی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔

''کھانے سے پتا چلتا ہے کہ بھوک ہے یا نہیں' کھا کر دیکھو تو سہی؟'' سمعان نے ایک پلیٹ میں نہاری کا سالن نکال کر اس کے سامنے رکھا تھا۔

''آپ؟'' وہ کچھ سخت کہنا چاہتی تھی مگر ضبط کر گئی۔ بھوک اسے لگی ہوئی تھی یہ اور بات تھی کہ سمعان کی موجودگی میں کھاتے ہوئے غصہ آ رہا تھا۔ اگر پاپا کی ہدایت نہ ہوتی تو وہ سمعان کو کھانے پر بھی نہ بیٹھنے دیتی۔

''آپ کھائیں..... میں بھی کھا لوں گی.....'' پاپا کا خیال آتے ہی وہ کچھ دھیمی پڑ گئی تھی۔

''نوشی کیسی ہے؟'' کھانا کھاتے ہوئے سمعان نے اسے دیکھا جو سر جھکائے کھانے سے زیادہ غور و خوض

میں غرق تھی۔

''ٹھیک ہے۔''

''جاؤں گا میں آج ان کی طرف بھی..... کافی دن ہو گئے ہیں ملے ہوئے۔'' سمعان نے کہا تو وہ چپ رہی۔ پھر دونوں نے کھانا خاموشی سے کھایا تھا۔

''چائے پئیں گے۔'' کھانے کے بعد برتن سمیٹتے اس نے پوچھا۔

اسے یہ سب بڑا عجیب لگ رہا تھا مگر وہ مجبور تھی۔

''ہوں.....'' سمعان نے اسے بغور دیکھا گھریلو سادہ سوٹ اور حلیے میں وہ خاصی کم عمر لگ رہی تھی۔ ان کے مقابلے میں تو وہ خاصی ان میچور سی تھی۔

''آپ لاؤنج میں چل کر بیٹھیے میں بنا لاتی ہوں۔'' سمعان کی نگاہوں سے وہ اگلے ہی پل پزل سی ہو گئی تھی۔ سمعان کی نگاہوں میں عجیب سی لپک تھی۔

''میں تمہارے روم میں جا رہا ہوں ادھر ہی آ جانا۔'' اپنے روم کا سن کر وہ پلٹی تھی مگر سمعان کچن سے نکل گیا تھا۔ اس نے لب بھینچ لیے۔ یاسمین کو بلا کر اس نے برتن دھونے اور چیزیں سمیٹنے کو کہا تھا۔ جب تک چائے بنی تھی وہ خود سے ہی الجھتی رہی تھی۔ اب وہ چائے لے کر خود جائے یا یاسمین کو بھیج دے۔'' وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ بڑی ہمت کر کے وہ اپنے کمرے کی طرف آئی تھی۔ دروازہ دھکیلا تو کمرے میں موجود تاریکی نے استقبال کیا۔

''لائٹس آف ہی رہنے دو۔'' آگے بڑھ کر اس نے لائٹس آن کرنا چاہی تھیں مگر ہاتھ سمعان کی پکار پر رک گیا تھا۔ وہ بڑے مرے قدموں سے پلٹی تھی۔ سمعان بستر کے دائیں جانب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''بیٹھو.....'' سمعان نے اسے دیکھا وہ نظریں چراتی پلٹی تھی۔ آگے بڑھ کر کھڑکی کھول کر پردے ہٹا دیئے تھے۔ اسے اندھیرے سے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ وہ کھڑکی کی طرف رُخ کیے کھڑی ہو گئی تھی۔

''زرش! ادھر آؤ' مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔'' سمعان کے بلانے پر وہ الجھی تھی۔

''آپ کہیے' میں سن رہی ہوں۔'' اس نے پلٹ کر دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھی اگر دیکھ لیتی تو کنفیوژ ہو جاتی کہ سمعان کے ہونٹوں پر اس کے گریز بڑی جان دار سی مسکراہٹ آ ٹھہری تھی۔

''میں کل اسلام آباد جا رہا ہوں۔'' سمعان چائے کا کپ لیے اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ چونکی۔ اس اطلاع کا کیا مطلب بھلا؟ مگر وہ پلٹی نہیں تھی۔

''چلو گی میرے ساتھ؟'' اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سمعان نے اس کا رخ اپنی طرف کر لیا تھا۔ سمعان کے لمس نے اس پر برقی رو کا کام کیا تھا۔

''میں..... میں کیوں بھلا؟'' وہ سمعان کی اس حرکت پر سارا اعتماد بھول بیٹھی تھی۔ آنکھوں میں ہراس اُمڈ آیا تھا۔ گھر کی تنہائی میں کمرے کی تاریکی نے اس کا سارا کانفیڈنس اُڑا دیا تھا۔

''ہنی مون ٹرپ ہو جائے گا۔ اگر اسلام آباد پسند نہیں تو کہیں اور چلے چلتے ہیں۔'' سمعان کو ان لمحوں

میں گویا شرارت سوجھی تھی۔ وہ تو سر سے پیر تک کانپ اٹھی۔ ایسے بدک کر پیچھے ہٹی گویا سمعان ا
زبردستی لے جائے گا۔ سمعان ہنس دیا' آنکھیں چراتے کندھوں پر پھسلتا دوپٹہ درست کیا۔

''مجھے کہیں نہیں جانا۔''

''ہنی مون پر بھی نہیں۔'' چائے کی چسکیاں لیتے سمعان اس کی طرف جھکا تھا۔

''پلیز.....'' زرش ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسک اٹھی۔ اس کی برداشت بس یہیں تک تھی۔ سم
نے چند پل اسے رونے دیا تھا۔ چائے کا کپ خالی کر کے ٹیبل پر رکھ کر اپنی مکمل توجہ اس کی طرف کی۔

''زرش ادھر دیکھو میری طرف۔'' اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹا کر کہا تو اس نے بھیگی پلکوں سے
سمعان کے دراز سراپا کو دیکھا۔

''آپ مجھ سے اس طرح کی گفتگو مت کریں۔'' سمعان نے کچھ کہنا چاہا تھا اس نے پہلے ہی ٹوک
تھا۔ سمعان کھل کر ہنس دیا۔

''مثلاً کیسی کروں؟'' سمعان نے اس کے رخسار پر لہراتی لٹ کو ہلکے سے جھٹکا تو وہ مزید کنفیوژ ہو گ
ایک دم پیچھے سرکی' سمعان بڑا محظوظ ہوا تھا۔

''یار بیوی ہو میری..... اتنی ناسمجھ نہیں ہو کم عمر سہی مگر میاں بیوی کے ایڈجسٹمنٹ کے تقاضے تو سمجھتی ہو
نا۔'' سمعان کے گمبھیر انداز نے اس کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ وہ تو کاٹو تو بدن میں خون نہیں والی کیفیت
میں تھی۔

''اور اس وقت لگ بھی بڑی پیاری رہی ہو۔'' اس کے کندھے سے پھسلتے ڈوپٹے کو دیکھتے سمعان
اس کی گردن کے گرد لپٹے لاکٹ پر اپنی انگلی رکھی تھی۔ ایک دفعہ پھر لاکٹ اس کی گردن کے گرد لپٹ
کر اک سرور سا جاگا تھا۔

''آپ جائیں پلیز۔'' اس نے ہاتھ جھٹک دینا چاہا تھا۔

''یہ لاکٹ اور کنگن تو تم نے بڑی بے دردی سے پھینک دیئے تھے۔ اس رات تمہاری گاڑی میں
شاید۔'' سمعان نے چین کو انگلی پر لپیٹا تھا۔

''بتایا نہیں تم نے' چلو گی اسلام آباد؟'' اس کے چپ رہنے پر پھر اسے ٹوکا۔

''نہیں.....'' اس نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔

''ہنی مون پر بھی نہیں؟''

زرش کو لگا بس اس کا ضبط جواب دینے والا ہے۔ اس نے سمعان کی طرف دیکھا۔ سمعان کی آنکھ
سے نکلتی تپش اور جذبوں کی گرمی اس کے اندر طوفان برپا کر گئی تھی۔

''آپ مجھے تنگ کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔'' بڑی بے اعتبار' خفا نگاہوں سے شکوہ کیا
سمعان ہنس دیا۔

''نہیں..... آیا تو تھا میں چچا جان کو چھوڑنے مگر جانتی ہو چچا جان کی ہارٹ کنڈیشن آج اچھی نہ
برڈن میں ہے۔ ان کے اعصاب نارمل ری ایکٹ نہیں کر رہے۔ وہ سخت ڈپریشن کا شکار ہو رہے ہیں

اگلے ہی لمحے سمعان احمد نے سنجیدگی سے اسے بتایا تھا۔

''تو؟'' وہ سن کر ایک دم ہراساں ہوئی تھی۔

''آج کل ان کے ڈپریشن کی سب سے بڑی وجہ ہماری ذات ہے۔ یعنی ہم دونوں کی۔'' سمعان نے
ٹھہر کر اسے دیکھا' وہ نظریں چرا گئی تھی۔ ''تمہارے فیصلے سے وہ سخت پریشان ہیں زرش۔'' سمعان نے
اسے بتایا تھا۔

''پاپا کو درمیان میں مت لائیں' آپ اپنی بات کریں۔'' اگلے ہی پل اس نے پھر خاصی تلخی سے کہا
تھا۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں میرے ساتھ کل اسلام آباد چلنا چاہئے۔''

''میں اس موضوع پر آپ سے تفصیل سے بات کر چکی ہوں بلکہ فیصلہ کر چکی ہوں۔ آپ مجھے بور مت
کریں۔''

سمعان نے چند پل اس کے تلخ تیوروں کو دیکھا تھا۔

''اور اگر میں تمہیں فورس کروں۔ کہ بہر حال تم میری بیوی ہو۔ میرے نکاح میں ہو' زبردستی کا حق رکھتا
ہوں میں۔'' زرش نے جھٹکے سے سر اٹھا کر بڑی برہمی سے سمعان احمد کو دیکھا تھا۔ سمعان کے ان الفاظ
نے اس کو آگ کی لپٹوں میں دھکیل دیا تھا۔

''تب نقصان سراسر آپ کا ہوگا۔ نکاح ہو جانے اور دل سے مان لینے میں بہت فرق ہوتا ہے۔''
زرش کے لہجے سے گویا چنگاریاں سی اُڑ گئی تھیں۔ ''مجھے بار بار یہ مت جتائیں کہ ہمارا کیا رشتہ ہے۔ جب
سرے سے میں کسی تعلق کو مانتی ہی نہیں تو میں کسی کو زبردستی کا حق بھی نہیں دیتی۔'' اس نے بڑے سخت
انداز میں سرے سے اس تعلق کو ہی رد کر دیا تھا۔

''میں اسلام آباد تو کیا دنیا کے کسی بھی کونے میں نہیں جاؤں گی' آپ کے ساتھ نہیں۔ بات اصول کی
ہے۔ یہ لڑائی آپ کی والدہ نے شروع کی تھی اور ان کے الزام نے میری شخصیت میرے کردار کو داغ دار
کیا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس نام نہاد تعلق سے آپ کا مجھ سے کوئی رشتہ بن گیا ہے تو خام خیالی ہے
آپ کی۔ لوگ ہماری ذات کو کس طرح ڈسکس کرتے ہیں آپ بے خبر نہیں اور میں ایک الزام لے کر
ساری زندگی نہیں جیوں گی۔'' اس نے بڑی تلخی و کڑواہٹ سے یہ دہرایا تھا۔

''غلط میں نہیں آپ کی والدہ ہیں۔ انہیں اپنی غلطی ماننا ہوگی۔ ہزاروں لوگوں میں انہوں نے مجھے تماشا
بنایا تھا اور انہی لوگوں میں وہ اپنا جرم قبول کریں گی تو شاید میں ہر بات بھول جاؤں گی مگر اب نہیں۔ مجھے
بار بار مجبور مت کریں۔ میرے سامنے بار بار آ کر اس نام نہاد رشتے کو میری مجبوری مت بنائیں۔''
زرش کے لہجے و انداز میں کسی بھی قسم کی غلطی کوئی لچک نہ تھی۔ سمعان نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

شارق کے سامنے واجدہ بیگم نے بات کی تو اس نے دوٹوک کہہ دیا تھا۔

"میں اس چیپٹر کو کلوز کر چکا ہوں آپ بھی بھول جائیے کہ میری زندگی میں نویرہ نامی کوئی لڑکی بھی آئی تھی۔" قطعی انداز تھا۔

"ایسے کیسے بھول جاؤں' ابھی تو عرصہ ہی کتنا ہوا تھا پھر شارق بچے جذباتی ہو کر مت سوچو' شادی شدہ زندگی میں بہت سی باتوں پر سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ رضا کے معاملے میں نویرہ قطعی بے قصور ہے۔ اس کا کردار' اٹھنا بیٹھنا سب سامنے کی بات تھی۔ رضا نے بکواس کی اور تم نے سچ مان لی۔ یہ تو کوئی انصاف نہ ہوا۔"

"رضا نے جو بھی بکواس کی۔ وہ سب کسی کی شہہ پر کی۔" یقیناً نویرہ کی ہی اور نویرہ اتنی کم عمر بچی نہ تھی کہ وہ رضا کو نہ سمجھ سکی تھی۔ اماں اس سلسلے میں آپ بے شک لاکھ نصیحتیں دیں مگر میرا دل نہیں مانتا۔ میری بے لوث محبت اور توجہ بھی اس کے دماغ کی گرہ نہ کھول سکی۔ اس نے مجھے قبول ہی نہیں کیا۔ اس کی وجہ رضا بھی تو ہو سکتا ہے اور رضا کم عمر تھا ان میچور تھا وہ کیونکر نویرہ سے محبت کرنے لگا؟ اماں آپ مجھے تنگ نہیں کریں' نویرہ جا چکی ہے' اگر وہ کہے گی تو میں اسے حتمی فیصلہ بھی پہنچا دوں گا مگر میری اولاد مجھے دینے کے بعد۔ واپسی کی اب کوئی راہ نہیں بچی۔ اگر وہ اتنی ہی سچی تھی تو یہ گھر چھوڑ کر ہی کیوں گئی۔ وہ اس وقت تنہا نہیں تھی رکنے کو اپنی آنے والی اولاد کا بہانہ کر سکتی تھی مگر اماں وہ خود بھی یہی چاہتی ہے۔ وہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔" شارق کے بے لچک لہجے پر اماں نے اسے دیکھا۔

"میں اور حمید کل اسے لینے جا رہے ہیں۔" اماں کی بات پر اس نے غصے سے انہیں دیکھا تھا۔

"آپ کو میں ایک دفعہ کہہ چکا ہوں کہ میرا اب اس سے کوئی تعلق نہیں تو آپ کو میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔ نہیں رکھوں گا میں اسے۔"

"تم بالکل اپنے باپ پر گئے ہو۔ اسی کی طرح جذباتی اس نے بھی ساری عمر جذباتی فیصلے کیے اور ساری عمر پچھتاؤوں کی نذر کر دی۔ تم بھی وہی روش اپنائے ہوئے ہو۔ اگر نویرہ کے ساتھ ہی سب کرنا تھا تو اسے اپنایا ہی کیوں۔ اس حد تک آئے ہی کیوں' وہ گھر چھوڑ کر نہیں گئی تھی۔ تمہاری جذباتی اور مشکوک فطرت نے اسے یہ گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس جیسی لڑکی تو ساری عمر بھی گزار دو تو نہیں ملنے والی۔ تم جذباتیت کا شکار ہو رہے ہو میں نہیں۔ میں کل ہر حال میں جا کر اسے لے آؤں گی۔ ابھی بات خالدہ اور حمید کے درمیان ہے یہ رشتہ صرف تم دونوں کے درمیان طے نہیں ہوا کہ تم نے فیصلہ کر دیا اور سب نے

مان لیا..... یہ خاندان کی عزت کا سوال ہے اور میں تمہیں کبھی اجازت نہیں دوں گی کہ تم اس کے ساتھ ایسا سلوک کرو۔ رضا کی پسندیدگی اس کا ذاتی فعل تھا نویرہ کو کوئی بھی الزام نہیں دے سکتا۔" واجدہ بیگم نے اسے غصے سے یہ سب کہا تھا۔

"تو پھر آپ اس کی اس گھر میں حیثیت کا تعین بھی کر لیجئے گا۔ ٹھیک ہے آپ کی ضد ہے تو ایسے ہی سہی۔ اس کی حیثیت اب اس گھر میں پڑے اس ناکارہ ساز و سامان سے زیادہ نہ ہو گی۔"

اماں نے دہل کر شارق زمان کے سپاٹ چہرے کو دیکھا۔

"خدا نہ کرے۔ وہ مظلوم بچی ہے خدا کو مانو شارق۔ اپنی ہی عقل استعمال کرو۔ دماغ کو شکوک و شبہات سے پاک صاف کرو ورنہ یہ رشتہ کھو دو گے۔" بڑے دکھ سے کہا تھا۔

"ستیر ہی کب ہوا تھا۔ زور و زبردستی سے حاصل کی گئی چیز رشتے نہیں بن جاتی۔ خیر دیر سے ہی یہ نکتہ تو سمجھ میں آ گیا ہے۔ آپ بھی سمجھ جائیں' بھول جائیں اب وہ اس گھر میں نہیں آنے والی۔"

"ہرگز نہیں۔ میں اپنا گھر تباہ نہیں ہونے دوں گی۔ میں نے تم سے کبھی زندگی میں کچھ نہیں منوایا۔ یہ ایک التجا سمجھ لو میری کل میرے ساتھ چلنا اور ہم نویرہ کو لے آئیں گے۔"

"اماں..... یہ ممکن نہیں۔ کہہ چکا ہوں آپ کو۔" وہ زچ ہوا تھا۔

"سوتیلی ہی سہی تم مجھے ماں کہتے ہو نا۔" ان کا انداز اپنی منوانے والا تھا۔

"اماں میں نے ہمیشہ آپ کو ہی ماں سمجھا ہے سوتیلی کے لفظ کو تو رہنے ہی دیں۔ آپ میرے لیے حقیقی ماں سے بڑھ کر ہیں۔"

"تو پھر چپ رہنا اب کچھ نہیں بولنا' میں کل نویرہ کو لے کر آؤں گی۔ حمید کے ساتھ جا کر۔" فیصلہ کن حتمی انداز تھا۔

✿.....❁.....✿

زبیدہ بیگم کی طبیعت سخت خراب تھی۔ دو دن سے وہ مسلسل بستر پر ہی تھیں۔ رمشاء نے ان کے کمرے میں جھانکا تو وہ گم صم چھت کو گھور رہی تھیں۔ کچھ دیر قبل وہ ان کو میڈیسن کھلا کر اپنے کمرے میں گئی تھی۔

"اب طبیعت کیسی ہے پھپھو؟"

انہوں نے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا وہ ان کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے پھر نگاہیں ہٹا لی تھیں۔ ان کے اس مسلسل سرد انداز پر رمشاء کی ساری اکڑ مٹی کا ڈھیر بنتی چلی گئی تھی۔

ان چند دنوں میں جو کچھ بھی ہو چکا تھا۔ جواباً رضا کا ردِعمل اور نویرہ کا گھر خراب ہونا۔ حمید صاحب کا ایک انتہائی فیصلہ کرنا' وہ تو منہ کے بل گری تھی۔ اسے صرف رضا سے ضد تھی' وہ صرف رضا کو جتانے کو وہ سب کہتی تھی مگر عملی طور پر کرنے کی کبھی ہمت ہی نہ ہوئی تھی اور اب۔

حمید صاحب نے رضا کے سارے قصور جس طرح زبیدہ بیگم کے کھاتے میں ڈالتے ہوئے ایک فیصلہ سنایا تھا وہ اپنی ہی نظروں میں گر گئی تھی۔ اسے رہ رہ کر رضا سے نفرت سی ہو رہی تھی۔ اس نے تو صرف نفرت سے سوچا تھا مگر رضا نے جو کچھ کر ڈالا تھا اب بڑی مشکل تھا کہ شارق نویرہ کو اپنے گھر میں بسائے۔

شارق جیسے مرد ہمیشہ اپنی ضد وانا اور غرور کے حصار میں زندہ رہتے ہیں' جیسے حمید صاحب تھے۔

''پھپھو معاف کر دیں مجھے۔ میں نے صرف سوچا تھا ایسا کرنے کا کبھی خیال نہیں آیا۔ میں تو مرزا رضا کو احساس دلانا چاہتی تھی کہ وہ غلط ہے۔'' ان کے ہاتھ تھام کر وہ سسک اٹھی تھی۔

انہوں نے آہستگی سے اپنا ہاتھ کھینچ کر آنکھیں موند لیں۔

ان کے گھر کو جو نا قابل تلافی نقصان پہنچا تھا کیا رمشاء کے آنسو اس نقصان کی تلافی کر سکیں گے۔ ان کو اپنی آنکھیں بھیگتی محسوس ہوئیں۔ رمشاء اگر بے صبرا پن نہ دکھاتی تو رضا کچھ عرصہ بعد سنبھل ہی جاتا۔ رمشاء کو مجبوراً برداشت کر ہی لیتا اور اب شاید وہ کچھ بھی کرنے والا نہ تھا۔ حمید صاحب کی دھمکی کے باوجود۔

رمشاء بڑے مڑے تڑے قدموں سے چلتی باہر نکل آئی تھی۔ حمید صاحب کی دھمکی سن کر زبیدہ بیگم حواس چھوڑ چکی تھی اور پھر اس کے بعد وہ مسلسل بستر پر تھیں۔ ذہنی خلفشار اور بخار نے مل کر انہیں زبردست شکست و ریخت سے دوچار کر دیا تھا۔

حمید صاحب اور رضا کی بارہا بات چیت ہوتی رہی تھی مگر کوئی فیصلہ کن انداز سامنے نہیں آیا تھا۔

وہ لاؤنج میں بیٹھی اپنی ہی سوچوں میں الجھی تھی کہ اچانک ذہن میں اک خیال آیا تھا۔ اس نے فوراً شارق زمان کے نمبرز ملائے تھے۔

''ہیلو.....'' کئی بیلز کے بعد کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس نے تھوک نگلا۔ دوسری طرف شارق زمان تھا۔

''کون رمشاء.....'' تصدیق چاہی تھی۔

''جی.....''

''خیریت.....؟'' بڑی تلخی سے استفسار ہوا تھا۔ رمشاء نے لب بھینچ لیے۔

''شارق بھائی..... مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے؟''

''کیسی بات.....؟''

''نویرہ آپی کے سلسلے میں۔''

''مگر مجھے اس سلسلے میں کوئی بات.....''

''پلیز شارق بھائی' آپ میری بات سن لیں۔ نویرہ آپی قطعی بے قصور ہیں۔ یہ صرف رضا کی ضد تھی۔ وہ میری ضد میں یہ سب کر رہا ہے۔ پلیز یقین کریں نویرہ آپی کو خبر ہی نہیں تھی کہ رضا ایسا ویسا کچھ سوچ رہا ہے۔ یہ بہت پہلے کی بات ہے۔ مجھے صرف رضا پر غصہ تھا اور غصے میں میں نے نویرہ آپی کو بھی انوالو کرنا چاہا تو رضا نے صرف مجھے نیچا دکھانے کو یہ سب کر دکھایا۔ وہ مجھ سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتا اور اسی ضد میں اس نے آپ کو وہ کہا ہے۔'' وہ کہتے کہتے آخر میں رو ہی دی تھی۔

''تمہیں کچھ اور بھی کہنا ہے یا بس۔'' سپاٹ بے لچک انداز تھا۔

''پلیز شارق بھائی۔ ایسا نہ کریں آپ کو نہیں پتا اگر آپ نے کچھ ایسا ویسا کیا تو انکل پھپھو کو چھوڑ دیں

گے۔'' بس اسی نکتے نے اس کی ساری اکڑ نکال دی تھی۔

''کیا مطلب.....؟'' دوسری طرف شارق واضح طور پر چونکا تھا۔ شارق کے چونکنے پر رمشاء نے وہ ساری بات کہہ سنائی کہ کیسے حمید صاحب زبیدہ بیگم کو طلاق دیتے دیتے رُکے تھے۔

''یقین مانیں شارق بھائی' رضا صرف ضد میں یہ سب کر رہا ہے ورنہ شاید نویرہ آپی کا گھر تباہ ہو وہ بھی ایسا کبھی نہ سوچتا۔ اگر آپ نے کوئی اسٹینڈ نہ لیا تو انکل پھپھو کو چھوڑ دیں گے۔ انہوں نے رضا کو بھی دھمکی دی کہ اگر نویرہ آپی آپ کے گھر میں دوبارہ نہ گئیں تو وہ نہ صرف پھپھو کو طلاق دیں گے بلکہ اپنی زندگی بھی ختم کر لیں گے۔ وہ ان دنوں بہت غصے میں ہیں' پلیز آپ کچھ کریں۔ پھپھو کی طبیعت بہت خراب ہے وہ تو شاید مر ہی جائیں۔''

اب کے وہ شدت سے رو رہی تھی

دوسری طرف سے شارق زمان نے کال بند کر دی تھی۔

❁.....❁.....❁

نواز فاروق کلاس سے فارغ ہو کر اپنے کیبن سے نکلا تو گلاس وال سے سیدھی نگاہ کمپیوٹر لیب کی طرف اٹھی تھی۔ سائرہ کے ساتھ بیٹھی وہ نجانے کس بات پر مسکرائی تھی۔ اس کے افسردہ چہرے پر یہ مسکراہٹ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ یوں جیسے سورج کی کرنوں سے روشنی چھن کر نکلی ہو۔

نواز نے دانستہ کمپیوٹر لیب کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

''السلام علیکم!'' قریب پہنچ کر سلام کیا تھا۔ زرش نے چہرہ موڑ کر انہیں دیکھا۔ وہ جب سے اکیڈمی آ رہی تھی صرف ایک دو بار ہی سلام دعا ہوئی تھی جب کہ نواز فاروق دکھائی روزانہ ہی دیتے تھے۔ دراصل وہ خاصے ذمہ دار اور فعال قسم کے انسان تھے' ہر وقت مصروف متحرک دکھائی دینے پر بھی اس قدر عجلت میں ہوتے تھے کہ سلام دعا کی مہلت ہی نہ ملتی تھی۔

''وعلیکم السلام۔'' دونوں نے مشترکہ سلام کیا تھا۔

''کیسی چل رہی ہے آپ کی اسٹڈی مس زرش۔''

''اللہ کا شکر ہے۔''

''آپ نے کالج چھوڑ کر اکیڈمی کیوں جوائن کر لی؟ اچھی خاصی ذہین ہیں آپ تو۔ آپ کو تو اس اکیڈمی کی بھی شاید ضرورت نہ تھی۔''

''بس ویسے ہی' کالج چھوڑا تھوڑی ہے کبھی کبھار چکر لگا لیتی ہوں۔ کلیریکل آفس سے رابطہ تو رہتا ہے ہاں باقاعدہ کلاسز نہیں لے رہی' ویسے بھی بہت سے اسٹوڈنٹس امتحانات کے قریب کالج کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ گھر میں ٹائم ٹیبل میچ کرنا پڑتا تھا سو اکیڈمی جوائن کر لی۔''

''ہوں' اچھی بات ہے۔ یہاں کسی قسم کی کوئی دقت تو نہیں ہو رہی اسٹڈی کے معاملے میں۔''

زرش نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

نواز فاروق نے بغور دیکھا۔ براؤن اسکارف لیے کندھوں پر سوٹ کے ہم رنگ ڈوپٹہ ڈالے وہ خاصی

منفرد لگ رہی تھی۔

جب بھی نگاہ زرش کے چہرے پر ڈالی تھی نویرہ کا چہرہ نگاہوں میں آ جاتا تھا۔ اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ دل و ذہن میں اک ملال سا جاگا تھا۔ کتنا عرصہ ہو گیا تھا نویرہ کی کوئی خیر خبر معلوم کیے ہوئے۔ گھر والوں سے بات کیے ہوئے۔ حمیرا کی یاد شدت سے آتی۔ اب تو لاہور چکر لگانے کا بھی اتفاق نہیں ہو رہا تھا۔ پتا نہیں کیسی تھی وہ۔ اس کے گھر چھوڑ آنے کے بعد ابو خاصے اکیلے اور بیمار رہنے لگے تھے۔ وہ اپنی ضد پر قائم تھے اس سے کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا مگر اکلوتی اولاد کے لیے ان کا دل بھی دکھتا تھا

زرش کے چہرے کو دیکھتے نجانے کیا کہا کچھ یاد نہ آیا تھا۔

"کسی بھی قسم کی پرابلم درپیش ہو تو براہِ راست مجھ سے رابطہ کر سکتی ہیں۔"

"ضرور سر۔" نواز فاروق کی آفر پر اس نے سر ہلایا تھا۔

"نواز بھائی۔ آپ جب فارغ ہوں تو مجھے اپنے ساتھ گھر لیتے جایئے گا۔" سائرہ کے کہنے پر نواز سر ہلاتا چلا گیا تھا۔

"وہ دونوں کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔ سائرہ اس کے متعلق بہت سی باتوں سے باخبر تھی مگر فطرتاً اچھی تھی سو اس نے کبھی کسی بات میں کریدا نہ تھا اور پھر زرش کی یہ ہدایت بھی تھی کہ اس کے متعلق نہ خود کچھ ڈسکس کرے گی اور نہ ہی کسی اور فرد کو بتائے گی سو دونوں کے درمیان اچھی دوستانہ فضا قائم ہو چکی تھی۔

دونوں کو فارغ ہوتے ہوتے آج کچھ دیر ہو گئی تھی پھر آج ابھی تک ڈرائیور بھی نہیں لینے آیا تھا۔

"چلیں سائرہ!" نواز فاروق سائرہ کے ہاں ہی رہتا تھا سو اکثر وہ نواز کے ساتھ ہی گھر چلی جاتی تھی۔

"آپ کا ڈرائیور آ گیا؟" زرش کو موجود پا کر چونک کر پوچھا ورنہ اس وقت تک وہ چلی جاتی تھی۔

"نہیں سر۔ میں کال کر کے پتا کرتی ہوں پتا نہیں آج کیوں لیٹ ہو گیا ہے اب تک تو آ جانا چاہیے تھا۔" اس نے بیگ سے موبائل نکالا تھا۔

"السلام علیکم ماما۔ ماما ڈرائیور کیوں نہیں پہنچا ابھی تک؟"

"گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا ہے تم وہیں انتظار کرو کچھ دیر میں آ جاتا ہے میں نے دوسری گاڑی لے جانے کو کہا ہے۔"

"جی اچھا....."

"سر تھوڑی دیر میں آ جاتا ہے۔"

"ہمارے ساتھ چلو ہم ڈراپ کر دیں گے۔" نواز کے اشارہ کرنے پر سائرہ نے اسے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں..... ڈرائیور آ جاتا ہے پھر مجھے گھر سے ایسی کوئی پرمیشن نہیں۔ ماما پاپا کو بتائے بغیر کسی کے ساتھ نہیں آتی جاتی۔" اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

نواز فاروق کے اشارے کو وہ بھی دیکھ چکی تھی فوراً واضح کر دیا تھا۔

"تم پھر کچھ دیر زرش کے پاس بیٹھ کر ویٹ کر لو۔ جب تک ان کا ڈرائیور آتا ہے۔"

"زرش بی بی! آپ کا ڈرائیور آ گیا ہے۔" چوکیدار نے اطلاع دی تو اس نے فوراً اپنی چیزیں سمیٹی تھیں۔

✿.....✿.....✿

خالدہ بیگم کو واجدہ آپا نے رات ہی کال کر کے اپنے اور حمید صاحب کے آنے کی اطلاع دے دی تھی انہوں نے مصلحتاً نویرہ سے ذکر نہیں کیا تھا۔ صبح نبیل بھائی آفس جانے کو نکلنے لگے تو انہوں نے نبیلہ بھابی کو آج کے دن میکے چلے جانے کا کہا تھا۔

"نویرہ میرے پاس ہی ہے۔ رات کو نبیل آتے ہوئے لے آئے گا۔ ہو آؤ سبھی پوچھ رہے تھے۔"

نبیلہ بھابی اس اجازت نامے پر فوراً جانے کو تیار ہوئی تھیں۔

ان میاں بیوی کے رخصت ہونے کے بعد نویرہ نے سارے گھر کی صفائی ستھرائی کی تھی۔ گھر کے کاموں سے فارغ ہوئی تو کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گئی۔ نہا کر لاؤنج میں آئی تو وہاں اماں کے ساتھ بڑی اماں اور حمید چچا کو دیکھ کر چونکی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام....." چچا نے سر پر پیار کیا تو اماں نے اٹھ کر گلے لگا لیا تھا۔

"کیسی ہو؟" فون تو وہ روز ہی کر رہی تھی تین تین چار چار بار۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"نویرہ بیٹا پہلے کچھ کھانے پینے کو لے آؤ پھر آرام سے بیٹھنا۔" اماں نے کہا تو اسے بھی خیال آیا۔ وہ فوراً اٹھ گئی تھی۔

مشروبات نمکو بسکٹ اور کباب لے کر وہ لاؤنج میں آئی تو اماں اسی کا قصہ چھیڑے بیٹھی تھی۔

"کس کا دل کرتا ہے۔ اپنا گھر برباد کرنے کا۔ نبیل سے ذکر نہیں کر سکتی۔ نبیلہ کو بھی بھیج دیا کہ خوامخواہ بات نہ نکلے۔" اندر قدم رکھتے وہ ٹھٹکی تھی۔ "تو کیا اماں ان کی آمد سے پہلے ہی باخبر تھی؟"

اماں اسے دیکھ کر چپ ہو گئی تھیں۔ بڑے خاموش ماحول میں مشروبات پی گئی تھیں۔

"نویرہ! بیٹا تیار ہو جاؤ ہم تمہیں لے جانے آئے ہیں۔" کچھ توقف کے بعد حمید چچا نے لب کشائی کی تھی۔

"کیوں.....؟" اس نے سب کو دیکھا۔

"تمہارا گھر ہے بیٹا یوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھر برباد نہیں ہوتے۔" بڑی اماں نے جواب دیا تھا۔

"یہ چھوٹی بات نہیں تھی بڑی اماں....." وہ دکھ سے گویا تھی۔

"ہم شارق سے بات کر کے ہی ادھر آئے ہیں۔"

حمید چچا نے بھی کہا تھا۔ وہ الجھ گئی۔

"اگر آپ شارق سے بات کر کے ہی ادھر آئے ہیں تو پھر آپ کے ہمراہ وہ کیوں نہیں کہ بہر حال مجھے اپنے گھر سے نکل جانے کا حکم دینے والا وہی شخص ہے۔ مجھے بدکرداری کا سرٹیفکیٹ دینے والا وہی ہے اس طرح تو میں کبھی نہیں جاؤں گی۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے اماں اور چچا کو دیکھا تھا۔

"وہ ضرور آتا مگر اسے کام تھا۔" بڑی اماں نے پست آواز میں کہا تو نوریہ طنزیہ ہنس دی۔

"کام تھا! اماں مجھے بہلائیں نہیں۔ یوں کہیں..... ایک حاکم، شکی مزاج مرد اپنی فطرت سے نہیں ہلا اور میرا دماغ خراب نہیں کہ بار بار ڈسنے کے لیے ایک ہی بل میں ہاتھ دوں۔ میں جان گئی ہوں اس شخص کو کہ کس سوچ اور مزاج کا مالک ہے۔ ایسے کانوں کے کچے شخص کے ساتھ میرا گزارہ نہیں بس۔" وہ سچ کہہ رہی تھی وہ برحق تھی، سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"دیکھو بیٹا! عورت کو گھر بنانے کے لیے بڑا کچھ سہنا پڑتا ہے۔ بڑی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ مرد اپنی من مانی کرتا ہے۔ وہ جذباتی انسان ہے، ابھی طوفان سر چڑھا ہوا ہے۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کچھ نہیں ٹھیک ہوگا۔، وہ مجھے خود اپنے گھر سے نکال چکا ہے۔ اتنا بڑا الزام لگا کر، میری پوری زندگی داؤ پر لگا دی ہے۔ بدکرداری کا عذاب سہنا، اس شخص نے مجھے جیتے جی میری اپنی نگاہوں سے مار گرایا ہے۔ آنے والی نسلوں تک بات جائے گی۔" نوریہ دکھ سے ایک دم چپ ہوگئی۔

"یہ سب رضا کا کیا دھرا ہے۔ نوریہ! بچے فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ رضا کو بھی کہہ چکا ہوں اور آج شارق کو بھی فون کر کے بتا دیا ہے، اسی ماہ کے اندر اندر رمشاء اور رضا دونوں کی شادی کر رہا ہوں۔ اگر رضا انکار کرتا ہے تو بخوشی کرے مگر پھر رمشاء سمیت دونوں ماں بیٹے کی میرے گھر میں کوئی جگہ نہ ہوگی۔ رضا کو ساری عمر احساس دلاؤں گا کہ کسی کی زندگی برباد کیسے کی جاتی ہے۔ جب اپنی ماں کو اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتا دیکھے گا تو۔" ان کے لہجے میں بڑی حد تک سختی و سفاکیت تھی۔

"چچا جان....." جہاں نوریہ دہل کر پکاری تھی، وہاں دونوں خواتین بھی چونک گئی تھیں۔

"ہائے حمید یہ کیسا فیصلہ ہے تمہارا؟" وہ دونوں تڑپ ہی تو اٹھی تھیں۔

"بالکل برحق فیصلہ ہے اور بروقت۔ آپا میں مانتا ہوں زبیدہ کا کوئی قصور نہیں، بالکل اسی طرح نوریہ کا بھی کوئی قصور نہیں۔ ہم پر بھی جوانی آئی تھی، ہمیں بھی جذبات نے پاگل کیا تھا مگر کسی کی عزت، کسی کے کردار سے نہیں کھیلے تھے۔ رضا نے کم عقلی کی اور شارق نے حد ہی کر دی۔ ان دونوں کو اسی طرح سزا دوں گا اگر نوریہ نہیں مانے گی۔" انہوں نے اب کے نوریہ کو دیکھا تھا۔

"پلیز چچا جان..... یہ تو ناانصافی ہوئی۔ وہ شخص مجھے اپنے گھر میں رکھنا نہیں چاہتا اور نہ میں اس کے گھر میں رہنا، تو پھر زبیدہ چچی کا قصور کہاں سے نکل آیا۔ سزا دینی ہے تو رضا کو دیں جو سارے معاملے کو بگاڑنے کا موجب ہے۔" وہ بڑی تلخی سے گویا تھی۔

"یہ سزا رضا کو ہی تو دوں گا۔ ساری عمر اپنی ماں کو روتے سسکتے دیکھے گا تو احساس ہوگا اپنی جذباتیت کی ضد میں کس باکردار عورت کو داغ دار کر چکا ہے۔" ان کے لہجے کی سختی میں ذرا فرق نہ آیا تھا، اٹل لہجہ تھا۔

"تم چلنے کی تیاری کرو۔ شارق کو ہم خود سمجھا لیں گے۔ نہ سمجھا تو نپٹ لیں گے اس سے، تم پر اٹھنے دوں گا چاہے پھر مجھے اپنا گھر برباد ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔"

ان کا فیصلہ کن انداز تھا۔ اس نے اماں کو دیکھا انہوں نے نگاہیں پھیر لیں۔ نوریہ کو بڑا دکھ ہوا۔ یعنی اماں خود چاہتی تھیں کہ وہ ان حالات میں اک الزام لیے اس شخص کے ساتھ زندگی گزار دے۔

"سوری چچا جان اب یہ ممکن نہیں۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ دکھ سے سینہ پھٹ پڑنے کو تھا۔

"وہ کیوں جاتی اگر ذرا سی بھی گنجائش ہوتی تو وہ وہاں سے قدم ہی کیوں نکالتی۔ لاکھ بیزار سہی مگر سمجھوتہ کرنے کو تو وہ تیار ہی تھی۔" اسے بری طرح رونا آ رہا تھا مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ اماں کے سامنے آنسو بہانے کے بعد اس نے دوبارہ آنسو نہیں بہائے تھے۔

دو تین منٹ بعد اماں آ گئی تھیں۔ اسے چپ چاپ بستر پر بیٹھے دیکھا تو اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"دیکھو نوریہ! تم سمجھ دار ہو۔ تمہیں مجبور نہیں کر رہی مگر اپنی ماں کی بھی مجبوری سمجھو۔ ابھی حمید نے ساری ذمہ داری لی ہے، شارق کو سمجھانے کی، اس کے شک کو رفع کرنے کی، تو وہ اپنی ذمہ داری نبھائے گا بھی۔ رضا کو جیسے بھی قائل کرے، جیسے بھی سمجھائے ان کا معاملہ ہے۔ نبیل بے خبر ہے، نبیلہ کو صبح میں نے اسی لیے بھیج دیا تھا کہ بات زیادہ نہ پھیلے۔ نبیل اب تک برداشت کیے ہوئے ہے مگر وہ یہ سب سن کر شاید ضبط نہ کر سکے۔ ساجد باہر ہے اور نبیل ہی میرے پاس ہے۔ اپنے بھائیوں کے لیے ہی سہی برداشت کر لو۔"

نوریہ نے بڑے دکھ سے اماں کو دیکھا۔ اماں کو بیٹوں کی اتنی پروا تھی اور بیٹی۔ بیٹی کے کردار کی بات تھی شوہر رکھنے پر آمادہ نہ تھا اور وہ بے غیرتوں کی طرح منہ اٹھائے اسی کے پاس چلی جائے۔ یا پھانسی پر چڑھ جائے۔ اس کے دل میں اماں کی طرف سے بال آ گیا تھا۔ کوئی بھی اس کے احساسات کو سمجھنے کو تیار نہ تھا۔ وہ کس سے کہتی؟ کس سے انصاف مانگتی؟

"اور شارق زمان؟" اس نے سپاٹ انداز میں اماں سے سوال کیا تھا۔

"مرد ہے، مرد عورت کی عزتِ نفس کو ایسے ہی رولتے ہیں۔ ہم نے بھی اک زندگی گزاری ہے پتا نہیں کس کس مقام پر اپنی انا، اپنی ضد، اپنی عزت کی قربانی دینی پڑی محض گھر بنانے کو۔ کم عقلی ہے آہستہ آہستہ حالات کا درست تجزیہ کرے گا تو سب کچھ سمجھ جائے گا۔ پھر جب رضا اور رمشاء کی شادی ہو جائے گی تو بات ہی ختم ہو جائے گی۔"

اماں پر امید تھیں اور وہ؟ نوریہ نے خاموشی سے ان کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"تم اٹھو، کپڑے سمیٹو۔ نبیل کے آنے سے پہلے تم لوگ چلے جانا۔"

وہ پھر بھی مہر بہ لب رہی تھی۔

اس کی آنکھ کی تحریر پڑھ لینے والی اس کی ماں اب محض بیٹوں کی ماں تھی۔ اس کی ماں کو اس کے جذبات و احساسات سے کوئی واسطہ نہ رہا تھا، وہ اسے محض شارق زمان کی بیوی اور اس کے بچے کی ماں کے تناظر میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے اس کے اندر کا حال جان لینے والی اس کی ماں کہاں گئی تھی؟

نوریہ کو لگا شدتِ غم سے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

اماں کے گھر میں اب اس کے لیے قطعی گنجائش نہ رہی تھی۔
شوہر کے گھر میں وہ پہلے ہی بدکردار ٹھہرادی گئی تھی۔
نویرہ کے دل کا بوجھ اس قدر بڑھا کہ وہ بغیر کچھ کہے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اماں نے اسے دیکھ کر لب بھینچ لیے۔ اس کی حالت بڑی آزردہ سی لگی تھی۔
''تم کپڑے سمیٹ لو' میں آپا سے کچھ بات کرلوں۔'' اماں نے الماری سے سوٹ کیس نکال کر اس کے سامنے رکھا تو وہ خالی خالی نظروں سے دیکھے گئی۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی' وہ اماں کو اپنا فیصلہ دے چکی تھی اس کے باوجود اماں اسے بھیجنے پر بضد تھیں۔ ''کیوں؟''
نویرہ نے خاموشی سے خالی سوٹ کیس کو دیکھا جسے بھرنا تھا یا پھر.....

وہ کالج سے گھر آئی تو طبیعت بوجھل بوجھل سی تھی۔
اب کالج جانے کو جی نہیں کرتا تھا۔ زرش کی غیر موجودگی میں کالج اب کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ سمعان بھائی اسلام آباد چلے گئے تھے۔ علی کالج سے گھر آنے کے بعد اکیڈمی چلا جاتا تھا اور ابو شام کے بعد گھر لوٹتے تھے ایسے میں خالی گھر اسے وحشت زدہ کر جاتا تھا۔
طاہرہ بیگم اپنی جگہ گم صم اور خاموش رہتی تھیں اور وہ اپنی جگہ دونوں میں ماں بیٹی کا رشتہ ہونے کے باوجود اک اجنبیت سی تھی۔ نہ انہوں نے اسے کبھی بلانے کی کوشش کی تھی اور وہ تو پہلے ہی ان سے کتراتی پھرتی تھی۔ سمعان بھائی کی شادی بھی اک حادثہ ٹھہری اور اب سمعان کا اسلام آباد چلے جانا اس سے بڑا حادثہ تھا۔
کھانا کھا کر وہ لیٹ گئی تھی مگر نیند بھی اب کہاں میسّر تھی۔ وہ خاصی دیر تک بے سکون رہی تھی اور پھر اٹھ بیٹھی۔ دل کے بہلانے کو اس نے سمعان کی شادی کی مووی لگالی تھی۔ طاہرہ بیگم اب اپنا زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزارتی تھیں یا پھر روز اپنے کسی نہ کسی بھائی یا بہن کے گھر کا چکر لگالیا کرتی تھی۔
''بند کرو اس کو..... جب دیکھو یہی تماشا ہو رہا ہے۔'' ابھی مووی اسٹارٹ ہی ہوئی تھی کہ طاہرہ بیگم اپنے کمرے سے نکل آئیں۔
فرح نے خاموشی سے انہیں دیکھا۔ سخت خفا انداز لیے کھڑی تھی۔
''عاجز آچکی ہوں میں اس تماشے سے۔'' اپنی کنپٹیاں سہلاتی وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔
فرح نے آواز دھیمی کردی تھی۔ شاید ان کی طبیعت خراب تھی۔ اب تو یہ عالم تھا کہ خیر خیریت پوچھنا بھی گوارا نہ تھا۔ فرح نے کن انکھیوں سے انہیں دیکھا اور پھر مووی بند کرتے اس نے ٹی وی ہی آف کردیا تھا۔
''ماجدہ.....'' انہوں نے ماجدہ کو آواز دی تھی۔ ''ایک کپ چائے بنادو۔'' ماجدہ کے آنے پر انہوں نے کہا تو فرح نے ایک گہری سانس خارج کی۔ یہی کام وہ اسے بھی کہہ سکتی تھیں۔ اس کا دل چاہا کہ وہ خود جا کر چائے بنائے مگر پھر رک گئی' نجانے کیا ردِعمل ہو۔ شاید پیئے ہی نہیں۔ چائے پی کر وہ کچھ دیر بیٹھی

اور پھر اپنے کمرے میں جا کر بند ہوگئی تھیں۔
ان کے قریب آکر اس نے ان کی پیشانی چھوئی تو ہلکی سی حرارت محسوس ہوئی تھی۔ فرح کا دل بھر آیا۔ اب سے پہلے ان کے رویوں میں ایسی اجنبیت کبھی نہیں آئی تھی۔ جیسی کہ اب تھی۔ اس کا جی چاہا کہ ان کے سرہانے بیٹھ کر ان کا سر دبائے مگر وہ لب بھینچ کر کچھ دیر کھڑی ان کو دیکھتی رہی پھر کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔
ٹی وی لاؤنج سے فون کی تیز آواز نے اسے متوجہ کیا تو وہ چونکی۔ سوائے سمعان یا عثمان کے فون کے اب کبھی گھنٹی نہ بجتی تھی۔
اس سناٹے میں گونجتی فون کی گھنٹی اسے بڑی غنیمت لگی۔ طاہرہ بیگم ڈسٹرب نہ ہوں اس نے فوراً ریسیور اٹھالیا تھا۔
''السلام علیکم.....''
''فرح.....'' دوسری طرف سے آنے والی آواز نے اسے منجمد کردیا تھا۔
''آپ.....'' وہ ششدر رہ گئی تھی۔
''سعد بول رہا ہوں۔''
''کیوں کال کی آپ نے؟'' وہ تو ابھی تک پہنچے والے نقصان کو نہیں بھولی تھی کہ ایک دفعہ پھر یہ شخص گزند لگانے کو موجود تھا۔
''کیسی ہو.....؟'' اس کا وہی انداز تھا' فرح نے لب بھینچ لیے۔
''زندہ ہیں.....''
''میں یہاں سب کو بہت مس کرتا ہوں۔'' اس نے اپنے دل کا حال سنایا تھا۔
''کیوں کیا آپ نے ایسا.....؟'' شکوہ سسکی کی صورت اس کے لبوں سے پھسل گیا تھا۔
''زرش اب سمعان کی بیوی ہے اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ کبھی نہ ہو پاتا جو آج ہے۔'' سعد نے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔
''زرش مجھ سے بدظن ہے۔ وہ سمجھتی ہے یہ سب کچھ میرا پلان ہے اور اس کی سراسر ذمہ دار میں ہوں۔ میں نے سمعان بھائی کو اپنے ساتھ ملا کر آپ کو ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔''
''تم خوش نہیں.....؟'' زرش میرے ساتھ رخصت ہوتی تو کبھی خوش نہ رہ پاتی۔

''وہ اب بھی خوش نہیں ہے۔ سمعان بھائی اسلام آباد چلے گئے ہیں زرش ہمارے گھر آنا نہیں چاہتی؟ امی ابو کے درمیان تعلقات اب اس مقام پر ہیں کہ اگر انہیں اپنی جوان اولاد کا احساس نہ ہوتا تو شاید کب کا ایک فیصلہ کر چکے ہوتے۔'' وہ رو دی تھی۔
''ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ پُر امید تھا۔ فرح کو حیرت ہوئی۔ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی کیسے امید کی جاسکتی تھی کہ سب ٹھیک ہو سکتا ہے۔

"اب کچھ بھی ٹھیک ہونے والا نہیں۔" وہ ناامیدی کی انتہا پر تھی۔

"سائرہ سے سب کے حالات کی خبر ملتی رہتی ہے۔ میں لگا ہوا ہوں امی ابو کو قائل کرنے میں' بس دعا کرو وہ کسی طور میرے مؤقف کو درست مان لیں۔ میں نہ کل شرمندہ تھا نہ آج شرمندہ ہوں۔ بلکہ اب ایک اطمینان ہے کہ بڑوں کے ایک غلط جذباتی اور قبل از وقت فیصلے سے کئی زندگیاں برباد ہونے سے بچ گئی ہیں۔ رہ گئی زرش تو یہ احتجاج اس کا حق ہے' مگر وقت کے ساتھ ساتھ سنبھل جائے گی۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ سمعان سے اس کا تعلق مسلم ہے آہستہ آہستہ قبول کرلے گی۔"

"ان شاء اللہ۔"

فرح کو لگا سعد کی باتوں سے اس کے اندر ناامیدی کی دھند چھٹنے کو ہے۔

"تم خوش رہا کرو فرح' حالات تو بدلتے رہتے ہیں۔ موسم آتے جاتے ہیں۔ مجھے تمہاری بہت فکر رہتی ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ جب تک امی ابو کو منا نہ لوں تم سے بات نہیں کروں گا' مگر دل کے مقابلے میں کبھی انسان کا اختیار چلا ہے' بے بس ہو کر تم سے بات کر رہا ہوں۔ فرح یاد رکھنا مجھے ہر حال میں تم تک پہنچنا ہے۔ تم سے میں کوئی وعدہ نہیں مانگ رہا' مگر ایک بات یاد رکھنا میں جلد لوٹوں گا تمہارے لیے' اپنے ذہن میں رکھنا۔ اپنا خیال رکھا کرو۔ خوش رہو' اللہ حافظ۔"

کال بند ہو چکی تھی' مگر فرح کو لگا فون کی بے جان تاروں میں امید کی کرن ابھی بھی جگمگا رہی ہے۔ وہ جو کچھ دیر قبل بڑی اَپ سیٹ تھی ایک دم پُرسکون ہو کر صوفے کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر ریلیکس ہوئی تھی۔

وہ روزانہ اکیڈمی آرہی تھی۔ اب تو یہاں موجود اسٹوڈنٹس سے اس کی اچھی خاصی جان پہچان ہو چکی تھی۔ چند دن سے وہ ایک بات بڑی شدت سے محسوس کر رہی تھی' مگر اپنے محسوسات کو وہ کوئی نام دینے سے قاصر تھی' اگر وہ واقعہ رومانہ ہو جاتا' اس دن سائرہ نہیں آئی تھی۔ دونوں کی اب اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی۔ فرح کے بعد یہ پہلی لڑکی تھی جس سے زرش نے دوستی کی تھی۔ اس دن اسے سائرہ کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

ولید فرسٹ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا۔ وہ جونیئر تھا سو اکثر وہ سائرہ اور اس سے نوٹس یا اسائنمنٹس کے سلسلے میں ہیلپ لے لیا کرتا تھا۔ اس دن بھی وہ اپنے میتھ کے اسائنمنٹ میں زرش سے ہیلپ لے رہا تھا کہ اچانک اسائنمنٹ سے ہٹ کر اس نے زرش سے پوچھا تھا۔

"آپ سرنواز فاروق کی کوئی رشتے دار ہیں؟"

"نہیں کیوں؟"

"جس طرح وہ آپ کی کیئر کرتے ہیں بات بات پر آپ کا خیال رکھتے ہیں میں سمجھا کہ شاید آپ کی کوئی ریلیٹو ہیں۔" اس نے صاف گوئی سے کہا تھا۔ زرش نے چونک کر اسے دیکھا۔

"نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں دراصل سائرہ ان کی کزن ہیں ماموں زاد وہ اس کا خیال رکھتے ہیں چونکہ میں ساتھ ہوتی ہوں تو مجھے بھی پوچھ لیتے ہیں۔"

"اچھا۔" ولید نے مسکرا کر بڑی حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ اس کی مسکراہٹ زرش کو ذرا بھی اچھی نہ لگی تھی۔ اسے لگا کہ جیسے اس نے اس پر طنز کیا ہو۔

"مگر یہاں تو سب کچھ اور ہی محسوس کر رہے ہیں۔"

"کیا محسوس کر رہے ہیں؟" اس نے کچھ غصے سے پوچھا تو ولید کو احساس ہوا کہ وہ ناراض بھی ہو سکتی ہے۔ سو فوراً بات بدل گیا۔

"کچھ خاص نہیں۔ میں مذاق کر رہا تھا۔"

"میرا تم سے مذاق کا کوئی رشتا نہیں۔" اس نے تلخی سے اسے جتایا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔ زرش کو مزید غصہ آیا۔

"تم کچھ زیادہ اوور کانفیڈنٹ نہیں ہو رہے؟ تمہاری میں ہیلپ کر دیا کرتی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہیں خود سے فری ہونے کا موقع دے دوں آئندہ حد میں رہنا۔" خاصی تلخی و تندہی سے اس نے جتایا تو اس نے زرش کو بغور دیکھا۔

"شاید آپ کا یہی لیا دیا سا انداز سرنواز فاروق کو اٹریکٹ کر گیا ہے۔ آپ پر کچھ خصوصی توجہ دے رہے ہیں۔"

"ولید!" اب کے اس نے اس قدر سختی سے ٹوکا کہ وہ فوراً چپ ہو گیا تھا۔

"سوری۔" اگلے ہی پل اس نے معذرت کر لی تھی۔

"آئندہ مجھے تمہاری ہیلپ کرنے سے پہلے سو بار سوچنا ہوگا۔" وہ غصے سے کہہ کر اس کے کیبن سے نکل آئی تھی۔

باقی سارا وقت اسے یہ بات بری طرح پن کرتی رہی تھی اور لاشعوری طور پر وہ سرنواز فاروق کا جائزہ لیتی رہی تھی اور سارے دن کے تجزیے کے بعد اس پر جو انکشاف ہوا تھا اس نے اسے اگلے دن اکیڈمی جانے نہیں دیا تھا۔

سرنواز فاروق ایک اچھے خاصے مہذب' سلجھے ہوئے' ایجوکیٹڈ پرسن تھے۔ وہ ان سے کسی بھی قسم کے اوچھے پن کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔ بلکہ ان کا مزاج اور عادت ایسی تھی ہی نہیں۔ تو پھر دوسرا امکان بھی سوچنے کا تھا مگر میں مبتلا کر دینے والا تھا۔ یعنی وہ اگر سنجیدہ تھے تو ان کے لیے یہ خاصے نقصان کا باعث تھا۔ محض اپنے خوابوں میں رکھنا' چھوٹی چھوٹی بات کی کیئر کرنا' آتے جاتے حال احوال دریافت کرنا' اسٹڈی کے متعلق مشورے دینا۔ یہ سب غیر معمولی ہی تو تھا جسے تقریباً سب نے ہی نوٹ کیا تھا۔ جبھی تو ولید نے یہ بات زرش کو بتا دی تھی وہ جونیئر تھا اسے ابھی بات کرنے یا موقع محل کا احساس کرنے کا خیال نہیں تھا جبھی جو چیز سامنے نظر آئی بر ملا کہہ دی' مگر اور لوگ نجانے کیا کچھ سوچتے ہوں گے۔ اگلے دو دن اس نے سوچتے' خود کو سمجھاتے گزارے تھے۔

اگلے دن بھی وہ بڑی مشکل سے اپنا ذہن بنا کر پڑھنے بیٹھی تھی کہ سائرہ کی کال آگئی۔

"تم اکیڈمی کیوں نہیں آرہیں؟" سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا تھا۔

"بس موڈ نہیں ہو رہا تھا۔"

"نواز بھائی بھی پوچھ رہے تھے۔ آج بھی بھائی کہہ رہے تھے کہ تم اس کو کال کر کے پتا کرو۔" اس کا اشارہ نواز فاروق کی طرف تھا۔ زرش خاموش ہو گئی تھی۔

"کل آ رہی ہو نا؟"

"ہوں۔"

"ضرور آنا' مجھے تم سے چند پوائنٹس ڈسکس کرنے ہیں۔" چند باتوں کے بعد اس نے کال بند کر دی تھی مگر اس کا تفکر مزید بڑھا تھا۔ سر نواز کے کہنے پر اس کا کال کرنا کیا سائرہ نے فیل نہیں کیا ہو گا۔ وہ اپنی فیملی کے علاوہ باہر ہر کسی کے ساتھ لیے دیے انداز میں ہی پیش آتی تھی۔ سر نواز سے اسٹڈی کے علاوہ کوئی اور بات نہیں ہوتی تھی پھر وہ کیسے مان لیتی کہ سر نواز اس پر خصوصی توجہ دے رہے ہیں۔ مگر یہ بات وہ نوٹ کر چکی تھی اور اب اس سے مفر ممکن نہیں رہا تھا۔

اگلے دن وہ اکیڈمی ضرور آئی تھی' مگر اس قدر لیے دیے انداز میں رہی کہ سائرہ سے بھی اس نے ضرورتاً گفتگو کرنے کے علاوہ کوئی بات نہیں کی تھی۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" سائرہ اُٹھ کر ساتھ والے کیبن میں گئی تھی جب اچانک آ کر سر نواز نے سوال کیا تھا۔ زرش نے سر اٹھا کر بڑی سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔ آنکھوں میں تفکر لیے وہ خاصے سنجیدہ تھے ان کے کسی بھی انداز سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ محض وقت گزاری کو یہ سب کر رہے ہیں۔

"جی اللہ کا شکر ہے۔" زرش کو اپنی ہی آواز میں نیم کے پتوں کی مہک محسوس ہوئی تھی۔

نواز فاروق نے چونک کر اس کو دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں کوئی ایسا تاثر ضرور تھا کہ وہ ایک پل کو گھبرا گئے تھے۔

"میرا مطلب تھا کہ آپ دو دن غیر حاضر رہیں کہیں کوئی مسئلہ تو نہیں تھا۔" انہوں نے وضاحت دی تھی۔

"طبیعت کی خرابی وغیرہ.....؟"

"سائرہ نے آپ کو کال کرنے کا بتایا نہیں۔" اس کے لہجے میں تلخی پہلے سے بڑھ گئی تھی' گویا اس جتا دیا تھا کہ وہ بہت کچھ جان اور سمجھ گئی ہے۔

نواز فاروق نے بھی اس کے اس لب و لہجے پر اسے بغور دیکھا تھا۔

"آپ خفا ہیں مجھ سے؟" اب کے انہوں نے کچھ ریلیکس انداز میں دریافت کیا تھا۔

"سر! میں یہاں صرف پڑھنے آتی ہوں۔ میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں۔ استاد ہیں آپ ہمارے کیا آپ کو لگتا ہے آپ مجھے خفا کر رہے ہیں۔ وہ بھی اپنی ایک جونیئر کم عمر سی اسٹوڈنٹ کو۔" اب کے لہجے میں واضح جتاتی ہوئی تلخی تھی۔ اپنی اور ان کی عمر کی طرف واضح اشارہ تھا۔

"زرش! آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ آپ کی میں بھی بڑی عزت کرتا ہوں۔" انہوں نے فوراً وضاحت دی تھی۔

چند پل زرش خاموش رہی تھی پھر براہ راست انہیں دیکھا تھا۔

"ہو سکتا ہے اب میں اکیڈمی نہ آؤں۔" زرش نے ابھی سے کلئیر کر دینا چاہا تھا۔

"سر! میں موضوع سخن نہیں بننا چاہتی ابھی چند لوگوں نے بات کی ہے' کل کو ساری اکیڈمی کے اسٹوڈنٹ کچھ نہ کچھ کہیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ میں ابھی سے یہ جگہ چھوڑ دوں۔"

سر نواز نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ اپنی نگاہ کے بدلنے سے ابھی وہ خود بھی آگاہ نہیں ہو پائے تھے ان کی سوچ تو نویرہ اور زرش کے کردار کا موازنہ کرتے ابھی خلا میں معلق ہی تھی کہ لوگوں نے اس سوچ تک رسائی پا لی تھی۔

کیا ان کی نگاہ' ان کی سوچ اور جذبے اتنے بے لگام ہو چکے تھے کہ بات لوگوں اور پھر زرش تک پہنچ گئی تھی۔ انہوں نے تو اس وجود کو ہمیشہ احترام کی نگاہ سے دیکھا تھا پھر کہاں لغزش ہو گئی تھی کہ بات اس طرح پھیلی تھی۔

وہ سر جھکائے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

سر پر اسکارف اوڑھے کندھوں پر دوپٹا پھیلائے اپنی اوّل روز والی کنڈیشن میں ہی تھی۔

"نواز بھائی آپ کو سر تیمور ڈھونڈ رہے تھے۔" زرش کے جواب میں نواز فاروق نے لب کشائی کرنا چاہی تھی کہ سائرہ نے اندر آ کر نیا پیغام دیتے ہوئے ان کو چپ ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ انہوں نے ایک نظر جھکے ہوئے سر پر ڈالی۔ وہ بے تاثر چہرہ لیے نوٹ بک میں آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔

انہوں نے لمحوں میں ایک فیصلہ کر لیا تھا۔

نویرہ کو وہ کھو چکے تھے اور زرش کیا وہ زرش کو بھی کھو دیں گے۔

ان کے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگا تھا۔

"زرش آپ واپسی پر مجھ سے مل کر جائیں گی۔ بہت ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔" انہوں نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا تھا سر اٹھا کر زرش نے انہیں دیکھا وہ باہر نکل گئے تھے۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" سائرہ نے اسے لب بھینچتے دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ پھر اپنی فائل کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

رات گئے شارق زمان کی واپسی ہوئی تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔ شارق اندر آیا تو شاکرہ شاید اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔

"کھانا کھائیں گے آپ؟"

"نہیں۔" شارق نے اطراف میں نگاہ ڈالی۔ سارے گھر کی لائٹس آف تھیں۔ صرف راہ داری کی لائٹ آن تھی۔ وہ بھی شاید اس کی آمد پر آن ہوئی تھی۔

"اماں سو گئی ہیں۔"

"جی۔" شاکرہ اس کے اگلے حکم کی منتظر تھی وہ نیند سے اُٹھ کر آئی تھی۔ اب فوراً سونا چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ دروازہ لاک کر لو۔ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔"

وہ حکم پا کر فوراً داخلی دروازہ لاک کرتے اماں کے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

شارق کمرے میں داخل ہوا تو لاشعوری طور پر اس نے خالی بیڈ کی طرف دیکھا تھا۔ نویرہ کمرے میں نہیں تھی۔ دوپہر کو اماں نے فون کر کے اطلاع دی تھی کہ وہ حمید چچا کے ساتھ جا کر نویرہ کو لا رہی ہیں اور پھر گھر آ کر بھی فون کیا تھا کہ وہ نویرہ کو اپنے ساتھ گھر میں لا چکی ہیں۔ اسی لیے وہ آج گھر نہیں آنا چاہتا تھا مگر طبیعت کچھ بوجھل بوجھل سی ہو رہی تھی۔ باہر کہاں خوار ہوتا مجبوراً رات گئے لوٹا تھا اور اب خالی کمرے نے شارق زمان کے اعصاب پر زبردست دباؤ ڈالا تھا۔ کوٹ بستر پر پھینکتے بریف کیس صوفے پر اچھالتے وہ بستر پر ٹک گیا تھا۔ وہ اپنے پاؤں کو جوتوں سے آزاد کرا رہا تھا کہ فون کی بیپ نے متوجہ کر لیا تھا۔

"ہیلو....."

"کیسے ہو ڈیئر۔" کھنکتی پُر جوش آواز شارق زمان کو لگا اس کے اعصاب کا تناؤ اس آواز نے کم کر دیا ہے یا پھر شاید مزید بڑھا دیا تھا۔

"ٹھیک ہوں خیریت اب کیسے کال کر لی ہے تمہارے پاس سے ہی تو اُٹھ کر آ رہا ہوں۔" پاؤں آزاد کرتے اس نے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا لی تھی۔

"تمہارے بن اب چین نہیں آتا' ہر لمحہ تمہارے قریب رہنے کو دل مچلتا ہے۔" شارق زمان نے ایک گہری سانس لی تھی۔

"بہت تھکن ہو رہی ہے یار' کام کی بات کرو۔" وہ بستر پر دراز ہوا تھا۔

"مجھ سے شادی کرو گے؟" وہ فوراً مطلب پر آئی تھی۔ شارق کے لبوں پر استہزائیہ تبسم رینگ گیا تھا۔ زیبا کیانی نے ان چند دنوں میں اسے جو ذہنی سہارا دیا تھا ایسے میں وہ سمجھ بیٹھی تھی کہ شارق زمان اس کی مٹھی میں آ گیا ہے۔ نویرہ کی طرف سے ملنے والے دھچکے نے اسے اتنا متنفر کر دیا تھا کہ وہ ایک رات کلب جانے پر اب پھر سے زیبا کیانی سے وہی پرانے مراسم استوار کر بیٹھا تھا۔

"ایک شادی شدہ سے شادی کی اجازت تمہارا کروڑ پتی باپ دے دے گا۔ ویسے بھی اسے اپنی دولت کا اتنا گھمنڈ ہے کہ دوسروں کو اپنے سامنے حقیر سمجھتا ہے۔ اپنے اعلیٰ حسب و نسب والے باپ سے پہلے اجازت تو لے لو۔" ایک دم شارق زمان کے استہزائیہ لہجے نے دوسری طرف زیبا کیانی پر خاصی چوٹ لگائی تھی۔

"شارق! تم کبھی کبھار بڑی زیادتی کر جاتے ہو۔" بڑے ناز و انداز سے شکوہ کیا گیا تھا۔

"ایڈیٹ۔" شارق زمان نے زیر لب اسے نوازا تھا۔ ایک دم اس کا دل اس سے اچاٹ ہوا تھا۔

"کیسی زیادتی زیبا جی! سچ کا سامنا کرنے کی خود میں ہمت پیدا کریں اور پھر میں شادی کیوں کروں گا۔ اگر شادی ہی کرنا ہوتی تو تم سے پہلے ہی کرتا مگر کیا کروں شادی کے لیے میری جو ڈیمانڈز ہیں ان پر پورا نہیں اتریں۔"

"تمہاری بیوی اُتر گئی تھی پورا یا پھر خانہ پری ہی کی تھی۔ میرے خیال میں وہ تمہاری کزن.....؟"

شارق کو لگا جیسے اس نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہو۔ وہ تنفر سے لب دانتوں تلے دبا گیا تھا۔

"چھوڑو شادی میں کیا رکھا ہے' میرے لیے تو فی الحال اتنا ہی کافی ہے کہ تم مجھے بھولے نہیں۔ پرانی تمہاری۔ تم میری طرف پلٹ آئے ہو۔" شارق زمان کی خاموشی پر وہ یہی سمجھی تھی کہ بیوی کی بات پر وہ ناراض ہو گیا ہے سو فوراً بات بدل دی تھی' مگر اب شارق کا موڈ ایک دم خراب ہو چکا تھا۔

"زیبا! میں بہت تھک گیا ہوں فی الحال ایک لمبی نیند لینا چاہتا ہوں۔ او کے بائے۔"

"او کے بائے۔" زیبا کی آواز نے اس کے حواسوں پر بڑی بری طرح اثر کیا تھا۔

"نونسنس' نان سینس۔" غصے سے اس نے موبائل بیڈ کے سرہانے پٹخ دیا تھا۔

"نویرہ آ چکی ہے تو پھر کہاں ہے؟" اس سوال نے اس کے اعصاب پر خاصا اثر ڈالا تھا۔ قمیص اتار کر صوفے کی پشت پر ڈالتے ہوئے وہ الماری کی طرف بڑھا تھا۔ الماری کے پٹ کھولے تو عجیب سا احساس ہوا۔ ہر چیز جوں کی توں تھی۔ کوئی فرق نہیں آیا تھا جب کہ نویرہ کی موجودگی میں ہر چیز سنور جاتی تھی۔ خالی الذہنی کیفیت میں اس نے بغیر کپڑے لیے دوبارہ الماری بند کر دی تھی۔ قمیص دوبارہ پہن کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل آیا تھا۔ اماں کے کمرے کا دروازہ ہلکا سا دھکیلنے پر کھل گیا تھا۔ بیڈ پر اماں سو رہی تھیں جب کہ صوفے پر شاکرہ تھی۔

شارق زمان کی اُلجھن مزید بڑھی تھی۔ دروازہ بند کر کے وہ پلٹ آیا تھا۔ لاؤنج بھی خالی تھا۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے وہ ایک پل ٹھٹکا تھا۔ لاؤنج سے متصل کمرے کے دروازے کا ہینڈل گھمانے پر دروازہ کھلتا گیا تھا یہ گیسٹ روم تھا کمرے میں نائٹ بلب کی روشنی بکھری ہوئی تھی۔

❁.....❁.....❁

نواز فاروق کے کہنے کے باوجود وہ پھر وہاں نہیں رُکی تھی ڈرائیور کے آنے پر وہ فوراً گھر آ گئی تھی۔ اس کا ذہن سوچ سوچ کر پھٹ پڑنے کو تھا۔ سر نواز فاروق کا انداز فیصلہ کن تھا۔ وہ کیا کہنے والے تھے؟ اندازہ نہیں تھا' مگر وہ الجھ چکی تھی۔

اگلے دن وہ اکیڈمی نہیں گئی تھی۔

پھر اس سے اگلے دو دن بھی وہ نہیں جا سکی تھی۔ ایک دن تو وہ ماما کے ہمراہ نوشی کے ہاں چلی گئی تھی اور شام گئے واپسی ہوئی تھی جب کہ دوسرے دن اس نے خود وہاں نہ جانے کی ٹھانی تھی۔ اگلی شام ہادیہ آپا رہنے آ گئیں تو انہوں نے فون کر کے نوشی اور عفان بھائی کو بھی بلوا لیا تھا۔ مغرب کے بعد وقار بھائی بھی سیدھا آفس سے اِدھر ہی آ گئے تھے۔ گھر میں خاصی رونق ہو گئی تھی۔

ماما نے فون کر کے سعود احمد کو جلد گھر آنے کا کہا تھا عموماً وہ جلد ہی آ جاتے تھے' مگر جب سے سمعان اسلام آباد گیا تھا وہ اکثر لیٹ ہو جاتے تھے۔ سمعان احمد کے بعد اکثر میٹنگز انہیں ہی اٹینڈ کرنا پڑتی تھی۔

موسم ابر آلود تھا ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ٹیرس پر وہ سب بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے بلکہ موسم انجوائے کر رہے تھے۔ جب یاسمین اس کا فون ہے کا پیغام لیے چلی آئی تھی۔

"سمعان بھائی کی کال ہے' وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"موبائل کہاں ہے تمہارا؟" کال پی ٹی سی ایل پر آئی تھی اور کال سمعان کی تھی جبھی ماما نے فوراً اسے

دیکھا وہ تو پہلے ہی سمعان کے نام پر سرخ ہوتی تھی اوپر سے ماما کا پوچھنا۔

''چار جنگ پر لگایا تھا۔ کمرے میں ہے۔''

''جاؤ جا کر بات کرو۔'' وہ فوراً وہاں سے نکل آئی تھی' سب کی موجودگی میں اطلاع ملی تھی کچھ بعید نہیں تھا کہ اس کا ریکارڈ عفان بھائی لگانا شروع کر دیتے وہ لاؤنج میں چلی آئی تھی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام۔''

''کیسی ہو؟'' بہت خاص توجہ سے دریافت کیا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ بے زاری سے صوفے پر ٹک گئی۔

''میں کافی دیر سے کال کر رہا تھا نمبر کیوں بند ہے؟''

''بیٹری آف ہو گئی تھی۔''

''آج اکیڈمی نہیں گئیں۔''

''نہیں۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''کیوں؟''

''آپا اور نوشی آ گئی تھیں تو پھر جانے کو دل نہیں چاہا۔''

''ہیں اچھا چچا جان سے پتا چلا ہے عفان اور وقار بھی ہیں؟'' وہ حیران ہوئی ہو سکتا ہے پاپا نے فون بتایا ہو۔''

''جی۔''

''چلو ٹھیک ہے میں بھی آ جاتا ہوں کیا خیال ہے؟'' استفسار کیا تھا۔

''پتا نہیں۔'' وہ کنفیوژ ہو گئی تھی۔ سمعان احمد کا سامنا کرنے کے خیال سے ہی ایک دم گھبراہٹ ہو لگی تھی۔

''ڈیٹ شیٹ آ گئی ہے یا نہیں؟''

''ایک دو دن میں آنے والی ہے۔''

''چچی جان سے مجھے پتا چلا تھا کہ تم پچھلے دو دن سے اکیڈمی نہیں جا رہی ہو۔'' بڑی سنجیدگی سے استفسار ہوا تھا۔

''یونہی موڈ نہیں ہو رہا۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں۔'' وہ ایک دم تلخ ہو گئی تھی۔

وہ اب اس موضوع سے اُکتانے' الجھنے لگی تھی۔

''تم اپنے موڈ کی کچھ زیادہ نہیں مان رہیں۔ اپنی اسٹڈی کا حرج کر رہی ہو۔ میں سوچ رہا تھا کہ پہلے کی طرح اس دفعہ بھی تمہاری پوزیشن ہو گی' مگر میرا نہیں خیال کہ تمہارا ایسا کوئی ارادہ ہے۔''

''ارادہ تیاری بہت اچھی ہے۔ مجھے کسی اکیڈمی یا ٹیوشن کی ضرورت نہیں ویسے بھی اکیڈمی میں نے کالج چھوڑنے کی وجہ سے جوائن کی تھی اب اس کی ضرورت نہیں سمجھتی میں۔''

''یعنی کہ تم اکیڈمی بھی چھوڑ چکی ہو۔'' سمعان کا انداز بحث کرنے والا تھا۔ زرش نے اُلجھ کر ریسیور کو دیکھا۔

''ایسا کچھ بھی نہیں کیا میں نے' ہاں کبھی کبھار ضرورت پڑی تو چکر لگا لوں گی۔'' اس نے بڑے ضبط سے جواب دیا تھا ورنہ سمعان کے جرح کرنے والے انداز نے کچھ الجھا کر رکھ دیا تھا۔

''اوکے میں چکر لگاتا ہوں تو اس موضوع پر تفصیلی بات کروں گا۔ کالج کے بعد اکیڈمی بھی چھوڑ دینا کوئی عقل مندی نہیں۔ چند لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے سے ذہن فریش رہتا ہے جب کہ تم.....''

''میں نے کہا نا میں نے اکیڈمی نہیں چھوڑی' اگر چھوڑ بھی دوں تو آپ کو اس موضوع کو ایشو بنانے کا کوئی حق نہیں۔ میں اپنے قول و فعل کی خود ذمہ دار ہوں۔ اگر کچھ حرج ہوا بھی تو نقصان بھی میرا ہی ہو گا آپ کا کوئی نقصان نہیں ہو گا۔'' بڑی تلخی سے اس نے جوابی کارروائی کی تھی۔

''زرش۔'' سمعان نے ایک دم ٹوکا۔

''میں اب کوئی بات نہیں کروں گی۔ اس موضوع پر قطعی نہیں۔ اللہ حافظ۔''

اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

''کیا ہوا؟ سمعان بھائی سے لڑائی ہو گئی ہے؟'' وہ پلٹی تو نوشی نے سوال کیا تھا جو نجانے کب کی آ کھڑی ہوئی تھی۔

''صلح ہی کب تھی جو امکان ہوتا۔'' زرش کا وہی بے لچک انداز تھا نوشی نے بغور دیکھا۔

زرش کے انداز میں کسی بھی قسم کی مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں تھی اس طرح تو وہ اپنا نقصان کر لے گی۔ نوشی کے اندر تشویش کی لہر اٹھی تھی۔ ماما' پاپا ہر لمحہ اس سلسلے میں پریشان رہتے تھے' مگر اسے کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ وہ دونوں چاہتے تھے کہ زرش خود سے حالات کا درست سمت تجزیہ کرے اور کوئی سعید فیصلہ کرے جب کہ زرش کے تیور کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔

''زرش اس طرح زندگی کیسے گزرے گی؟'' اس کے انداز میں تشویش تھی۔

''چھوڑو! گزر ہی جائے گی نہ بھی گزری تو کم از کم کیا ہو گا؟'' بڑی تلخی سے اس نے نوشی کو دیکھا۔

''تماشا تو میں بن ہی چکی ہوں۔ مزید کیا تماشا بنوں گی۔ بلکہ تماشا تو تانی بیگم کو بناؤں گی۔ انہیں اپنی غلطی کا اعتراف کرنا ہی ہو گا۔ اپنے سب الزام قبول کرنے ہوں گے تبھی میں سر اٹھا کر جینے کا سوچوں گی ورنہ زندگی ایسے ہی گزرے گی۔''

اس کا انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا۔ نوشی نے گہرا سانس لیا۔

''ماما نے پاپا کو فون بھی کیا تھا مگر وہ ابھی تک نہیں آئے ہیں۔ فون کرنے آئی تھی کہ کب تک وہ گھر پہنچ رہے ہیں۔ شام گہری ہو رہی ہے اب تک تو آ جانا چاہیے تھا۔'' نوشی نے موضوع ہی بدل دیا تھا۔

پاپا نے آدھے گھنٹہ میں گھر پہنچنے کا کہا تھا۔ تھوڑی دیر میں بارش کی رفتار میں بھی اضافہ ہی ہوا تھا۔ ماما

اور آپا کچن کی طرف چلی گئیں تو عفان بھائی وقار بھائی کے ساتھ لاؤنج میں آ بیٹھے تھے وہ نوشی کے لان کا چکر لگانے باہر چلی آئی تھی۔ کاریڈور کے شیڈ کے نیچے دونوں چکر لگاتے باتوں کے ساتھ بارش کی پھوار سے بھی لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

"پاپا آ گئے ہیں۔" گاڑی کے ہارن پر دونوں نے گیٹ کی طرف دیکھا۔ اندھیرے میں چوکیدار گیٹ کھول دیا تھا گاڑی پورچ میں جا کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے سمعان بھائی۔" پاپا کے ساتھ گاڑی سے برآمد ہونے والی دوسری شخصیت کو دیکھ کر جہاں چہکی تھی وہیں وہ بھی حیران کھڑی رہ گئی تھی۔

"یہ اسلام آباد سے کب لوٹے؟" وہ صرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"السلام علیکم پاپا!" تیز بارش میں بچتے بچاتے وہ دونوں ان کے قریب چلے آئے تھے۔ نوشی نے آگے بڑھ کر سلام کیا تھا۔ انہوں نے ساتھ لگا کر اسے پیار کیا تھا۔

"کیسی ہو؟"

"السلام علیکم!" سمعان کے سلام پر وہ نگاہ پھیرتے صرف سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

"آپ کیسے ہیں سمعان بھائی؟" نوشی نے سلام دعا کے بعد سمعان کی طرف توجہ دی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے تم سناؤ خوش ہو؟" بڑے بھائیوں والا انداز تھا۔ نوشی ہنس دی۔

"الحمدللہ۔"

"آئیں اندر چلتے ہیں۔ سب کے لیے آپ کی آمد سرپرائز ہوگی' ویسے آپ تو اسلام آباد میں تھے پھر ایک دم اچانک کیسے؟ خاموش زرش نے بھی اس سوال پر سمعان کی طرف دیکھا۔

"آج ہی میٹنگ کے سلسلے میں آیا ہوں۔ سیدھا آفس گیا تھا۔ تم لوگوں کی آمد کا سن کر سوچا گھر کا چکر لگاتا جاؤں۔ سنا ہے یہ وقار اور عفان بھی یہاں تشریف فرما ہیں۔"

"جی۔"

"تم نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے کیا؟" سعود احمد اندر چلے گئے تھے۔ جب کہ سمعان ان کے پاس ہی ٹھہر گیا تھا۔ نوشی سے ہٹ کر زرش کو دیکھا۔

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" سمعان کے سوال پر نوشی کھلکھلا کر جہاں ہنسی تھی وہیں وہ تلخی سے جواب دے کر پاؤں پٹختی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔

"زرش رکو تو۔" نوشی آوازیں دیتی رہ گئی تھی مگر وہ پھر وہاں ٹھہری نہیں تھی۔ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ سیدھا اوپر ٹیرس پر چلی آئی تھی۔ ماما اور باقی سب کے لیے سمعان احمد کی آمد خاصی سرپرائزنگ تھی۔ شائستہ بیگم تو نہال ہو گئی تھیں۔ ان کی تینوں بیٹیاں' تینوں داماد ہنستے مسکراتے چہرے ایک رونق سی آ گئی تھی ان کے خاموش آنگن میں آج رات کھانے کی ٹیبل پر اسپیشل اہتمام تھا۔

ماما کے ٹوکنے پر وہ سب میں آ کر بیٹھ تو گئی تھی' مگر سمعان کی آمد سے وہ اپنے خول میں بند ہو گئی تھی۔ کھانے کی ٹیبل پر بھی وہ زیادہ دیر نہ ٹھہر پائی تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے طیب' ہادیہ آپا کو مسلسل تنگ کر رہا تھا۔

"لائیں اسے مجھے دیں میں کھانا کھلاتی ہوں۔"

"تم کھانا تو کھا لو۔ یہ ایسے ہی کرتا ہے۔"

"بس میں نے کھا لیا ہے۔ لائیں دیں مجھے۔"

سمعان نے ایک پل اس دیکھا تھا شائستہ بیگم بھی متوجہ تھیں' مگر ٹوکا نہیں کہ اب ہر بات پر اسے کیا ٹوکتیں۔

"یاسمین پلیٹ میں چاول ڈال کر ادھر دے جاؤ میں لاؤنج میں ہوں۔ اسے کھلاتی ہوں۔" وہ لاؤنج میں چلی گئی تھی۔ سب کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو وہ یاسمین کے ساتھ کچن سمیٹنے میں لگ گئی تھی۔

زرش! سب چائے کا کہہ رہے ہیں خود بنا کر لانا۔" ہادیہ آپا چائے کا پیغام دے گئی تھیں لاؤنج میں خوب گپ شپ ہو رہی تھی آواز کچن تک آ رہی تھی۔ چائے بنا کر اس نے ٹیبل سیٹ کر دی تھی۔

"یہ تم لے جاؤ۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو لے جانا۔ میں اُوپر جا رہی ہوں۔"

"چائے تو پی لیں۔" یاسمین نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلاتی اوپر چلی گئی تھی۔

"زرش کہاں ہے؟" زرش کے بجائے یاسمین کو چائے لاتے دیکھ کر شائستہ بیگم نے پوچھا تھا۔

"وہ اوپر چلی گئی ہیں"

"چائے تو پی لیتی۔"

"رہنے دو موڈ نہیں ہو رہا ہوگا۔" سعود احمد نے دھیمے انداز میں کہا تھا۔

"ایک تو مجھے سمجھ نہیں آ رہی اس کی ضد کی' انسانوں میں بیٹھنا تک چھوڑ دیا ہے' ایسی بھی کیا ضد ہے اب اوپر بارش میں بھیگ رہی ہوگی۔" دھیمے لب و لہجے میں کہا تو سعود احمد نے ایک خاموش نگاہ وقار اور عفان کے ساتھ باتوں میں مصروف وجود پر ڈالی۔ سمعان کا انداز کتنا مطمئن اور پُرسکون تھا جب کہ زرش ہر وقت انسانوں' ہلا گلا میں رہنے والا وجود یوں اب الگ تھلگ رہنے لگا تھا۔ ہر وقت اپنے آپ سے نالاں یہ صورت حال تشویش ناک تھی۔ مگر مداوے کی کوئی راہ نہ تھی کہ اصلاح کیسے کی جاتی۔؟ ان کا دکھ بڑھا تھا۔

"بچی ہے سنبھل جائے گی۔" انہوں نے اسی دھیمی آواز میں کہہ کر انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

باتوں کے دوران سمعان نے ٹائم دیکھا رات کے دس بج رہے تھے۔ اب چلنا چاہیے تھا۔ انہوں نے ہر بار کی طرح اطراف میں نگاہ ڈالی' مگر وہ یہاں ہوتی تو دکھائی دیتی نجانے کہاں تھی؟

"اب تو چلنا چاہیے کافی وقت ہو گیا ہے۔"

"رک جاؤ آج رات یہیں باہر مسلسل بارش ہو رہی ہے ایسے میں کہاں جاؤ گے۔ ہم دونوں بھی ادھر ہی ہیں۔ رات ٹھہریں گے تم بھی ٹھہر جاؤ۔" وقار بھائی نے کہا تو سمعان نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں' چلتا ہوں گھر میں میری آمد کی اطلاع مل گئی ہوگی سب انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"آج رات یہیں ٹھہر جاؤ سمعان بیٹا۔ گھر فون کر کے اطلاع دے دو موسم خراب ہے صبح صبح چلے جانا۔" شائستہ بیگم نے بھی کہا اور باقی لوگ بھی اصرار کرنے لگے۔ مجبوراً سمعان کو ماننا ہی پڑی۔

"اوکے میں دیکھتا ہوں۔ گھر ابو کو فون کر دوں اور تو کوئی نہیں مگر وہ میری آمد سے باخبر ہیں پریشان ہو

رہے ہوں گے۔" سمعان موبائل لیے باہر نکل آیا تھا۔ ابو کے نمبر پر کال کر کے اپنی یہاں موجودگی اور رات ٹھہرنے کا بتایا تھا۔

"زرش کہاں ہے یاسمین؟" یاسمین پر نگاہ پڑی تو پوچھا۔

"وہ اُدھر ہیں۔" اس نے ٹیرس کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"اس بارش میں وہ اوپر کیا کر رہی ہے؟" سمعان خاموشی سے سیڑھیاں پھلانگتا اوپر چلا آرہا تھا۔ ریلنگ پر جھکی وہ بارش کی پھوار میں مکمل طور پر بھیگی ہوئی تھی۔ بارش کی پھوار کا رخ اسی طرف تھا۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز بھیگ رہی تھی۔

"زرش۔" وہ اپنی سوچوں میں اس قدر غرق تھی کہ اس آواز پر بھی پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔

"زرش۔" اس پکار پر اس نے ایک دم چونک کر سمعان کو دیکھا۔ سمعان اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" سمعان نے تاحدِ نگاہ پھیلے اندھیرے کو دیکھتے مسکرا کر پوچھا۔ تو وہ خاموشی سے رُخ موڑ گئی؟ سینے پر بازو لپیٹے اب کے وہ سیدھی کھڑی ہو کر سامنے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"کیا تمہیں میرا آنا بالکل بھی اچھا نہیں لگا؟" بارش کی تیز پھوار نے سمعان کے وجود کو چھوا تو ٹھنڈک کا احساس ہوا تھا۔

"آپ گئے نہیں؟" اس نے بہت سنجیدگی سے سمعان کو دیکھا تھا۔

"کیا تم میرے جانے کا انتظار کر رہی ہو؟" اسی سنجیدگی سے سمعان نے پوچھا تھا۔

"آپ چلے جائیں۔ نہ آیا کریں یہاں؟"

"شکریہ۔" سمعان نے مسکرا کر ہاتھ اٹھا کر اس کے چہرے پر چپکی گیلی لٹ کو انگلی کی مدد سے پیچھے کیا تو زرش ایک دم پیچھے کھسک گئی تھی۔

"زرش! ایسا کب تک چلے گا؟"

اس نے پیچھے کھسک کر ایک دم رخ بدل لیا تھا۔ سمعان کو اس کے انداز نے بڑا ہرٹ کیا تھا۔

"آپ کو میں نے مجبور نہیں کیا۔ آپ فیصلے کا اختیار رکھتے ہیں۔" لڑکھڑاتی آواز میں اس نے کہا تو سمعان نے ایک دم بازو سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا۔

"جو کہنا ہے میری طرف دیکھ کر کہو۔"

"کیا بدتمیزی ہے۔ چھوڑیں بازو میرا۔" سمعان کی جسارت پر وہ آتش فشاں بنی تھی۔ سختی سے اپنا بازو سمعان کی گرفت سے نکالا تھا۔

"میں اس سے زیادہ بدتمیزی کا اختیار رکھتا ہوں۔ تجربہ شرط ہے۔" سمعان کی چمکتی نگاہوں نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا تھا۔

"آپ مجھے دھمکیاں دے رہے ہیں؟" سمعان کی آواز اور مسکراہٹ پر وہ خفت سے دوچار ہوتی تلخ کر بولی تھی۔

"نہیں، اپنے اختیارات کی درست سمت کی طرف نشاندہی کر رہا ہوں۔"

"آپ چلے جائیں یہاں سے۔" سمعان کی آنکھوں کے تاثر نے ایک دم پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

آواز میں کہا تو سمعان ہنس دیا۔

"میں چلا بھی جاؤں گا تو کیا فائدہ ہوگا؟"

"کم از کم میرے لیے اس فضا میں سانس لینا آسان ہو جائے گا۔ جو آپ نے اور آپ کے خاندان نے مشکل بنا دی ہے۔" وہ ایک پل میں انگاروں پر لوٹ گئی تھی۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے ورنہ میری ہر ممکن کوشش ہے کہ بگڑے حالات سنواروں کم از کم اب میری ذات سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔ جہاں تک ممکن ہو رہا ہے مجھ سے میں تعاون کر رہا ہوں پھر بھی یہ گلہ۔" سمعان کے لہجے میں دکھ سمٹ آیا تھا۔۔ زرش جھنجلا اٹھی۔

"میں کچھ نہیں مانتی، میری ذات کو جو دھبا لگ چکا ہے اس کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ میں الزام بن کر یہ زندگی نہیں گزار سکتی۔ آپ کی آمد کے بعد میں کسی کے سامنے آنکھ اٹھا کر بات نہیں کر سکتی۔ جتنا میں خود کو سمیٹتی ہوں۔ کرچی کرچی جوڑتی ہوں مگر آپ ایک پل میں مجھے بکھیر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ میں ماما سے نظریں چراتی پھرتی ہوں۔" دکھ سے کہتے اس نے ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا تھا۔ ہچکیوں سے روتے لرزتے وجود سمیت سمعان کے سامنے کھڑی تھی۔ بھیگا سراپا۔ اس سے رات اندھیرے میں اطراف بارش کے پر شور سناٹے میں بڑا پراسرار لگا تھا۔

"زرش! یہ میرے لیے بڑے دکھ کی بات ہے۔ میں تمہیں اپنی ذات سے ہر ممکن تعاون فراہم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، تم اب میری ذات سے منسلک ہو۔ میرے وجود کا حصہ، دلی تعلق تو ایک طرف چچازاد کا تعلق بھی بہت گہرا ہے تم نے ایسی بات سوچی بھی کیسی؟ اعتماد کرنا سیکھو، رشتوں پر اپنے آپ پر، اپنی ذات پر۔"

"کیسے کروں اعتماد بولیں کیسے کروں؟" روتے روتے اس نے سر اٹھا کر سمعان کو دیکھا تھا۔ بھیگی پلکوں اور آنکھوں سے بہتا دُرِ آب، سمعان کو لگا دل پر شعلہ سا لپکا ہے۔ ایک دم درمیانی فاصلہ عبور کرتے لرزتے بھیگے کمزور وجود کو اپنے مضبوط ہاتھوں کا تحفظ فراہم کیا تھا۔

"مجھ پر اعتماد کرو میرا وعدہ ہے میں تمہاری ہر راہ کو آسان بنا دوں گا۔ ایک دفعہ اعتماد کر کے تو دیکھو۔ اس رشتے کو قبول کر کے تو دیکھو زندگی میں کبھی کمزور پڑنے نہیں دوں گا تمہیں۔"

ایک، دو پل وہ سمعان کے مضبوط لہجے اور اس کی سچائی کو پرکھتی رہی تھی پھر سمعان کے ہاتھ جھٹکتے وہ پلٹی تھی۔

"اب آپ کا یقین نہیں آتا۔ وہ زرش مر گئی جو آپ کی ہر بات پر آنکھیں بند کیے یقین کر لیتی تھی۔ پہلے میری ذات کو ہر الزام سے بالاتر کیجیے پھر میرے سامنے آیئے گا۔ ہو سکتا ہے تب مجھے یقین آ ہی جائے۔" وہ کہہ کر سیڑھیاں اتر گئی تھی۔ سمعان نے ایک گہرا سانس لیتے ریلنگ سے پشت ٹکائی تو بارش کی تیز پھوار نے ان کے وجود کو چھوا تھا۔

"کون ہو تم؟" دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے پر نویرہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔ نائٹ بلب کی روشنی میں وہ آنے والے کو واضح طور پر نہیں دیکھ پائی تھی۔

"میں پوچھتی ہوں کون ہو تم؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟" آنے والا ابھی تک دروازے کی دہلیز پر ہی تھا۔ جہاں تک نائٹ بلب کی روشنی بہت کم تھی کہ خدوخال واضح نہیں ہو پائے تھے۔ وہ فوراً بستر سے اتر آئی تھی۔ آگے بڑھ کر لائٹ روشن کی تو شارق زمان کو دروازے کے قریب کھڑے دیکھ کر ٹھٹکی۔

"اوہ تو آپ ہیں محترم شارق زمان صاحب۔" شارق زمان کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ قیامت کا درد سہہ گئی تھی۔ یہ شخص اس کے عظیم نقصان کا سبب بنا تھا اس کا روم روم نفرت سے نیلا ہوا تھا۔

"فرمایئے کیسے زحمت کی آپ نے؟" بے ترتیب چادر اپنے وجود کے گرد لاشعوری طور پر درست کرتی وہ مقابل تھی۔

"کیوں آئی ہو تم یہاں؟"

"یہ تو آپ والدہ محترمہ اور چچا سے پوچھیے کیوں وہ مجھ جیسی لڑکی کو آپ جیسے باعزت لوگوں میں دوبارہ لے کر آئے ہیں۔"

"شٹ اپ۔" تنگڑا توڑ تھا' وہ فوراً ٹمپرامنٹ لوز کر گیا تھا۔

"ہونہہ' آپ کب تک دوسروں کو بے بنیاد الزامات میں گیدتے چپ کرواتے رہیں گے اپنے اندر کی غلاظت دوسروں کے سر تھوپتے خود ہر طرح عیاشیاں کرتے عورت کو اپنے پیر کی جوتی سمجھتے رہیں گے۔"

"بکواس نہیں کرو' جو میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دو۔ کیوں آئی ہو تم یہاں؟" وہ پھنکارا تھا۔ نویرہ نے بڑی سلگتی نظروں سے شارق زمان کے حلیے پر نگاہ ڈالی تھی۔

اس کے اندر کا اشتعال اور بڑھا تھا۔

"آپ کا مجھ پر کوئی اختیار نہیں اور نہ ہی میں آپ کو جواب دینے کی پابند ہوں۔ مجھے یہاں لانے والے جو لوگ ہیں ان سے جا کر یہ سوال کریں' میرا آپ سے کوئی لینا دینا نہیں۔"

"تم.....!" شارق زمان غصے سے آگے بڑھا تھا' نویرہ ایک دم پیچھے ہٹی تھی۔

"شارق زمان خبردار آگے بڑھے تو۔ آرام سے یہاں سے چلے جاؤ میں تمہارے گھر میں یوں ذلیل و رسوا ہونے کے بعد واپس چلی آئی ہوں تو یہ میری مجبوری تھی۔ تم جیسے مردوں کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ عورت کو ذلیل کر کے مطلب پورا کرنے والی مگر مجھے گھن آتی ہے ایسے مردوں سے۔ تمہارے گھر سے نکلنے کے بعد میرا تم سے ہر رشتہ ختم۔ دنیا داری کو میں یہاں ہوں' بھلے تو لمحوں میں تین بار کہہ

دو یہ میرے لیے کہیں مسرت و خوشی کا مقام ہوگا کہ تم جیسے گندی ذہنیت اور بیمار سوچ کے حامل ان سے جان چھوٹی' اگر تم کسی بھول میں اس کمرے تک آئے ہو تو اپنے پاؤں کو لگام دے لو وہ نویرہ تھی جو ذلیل ہونے کے باوجود تمہاری خلوت گاہ کی زینت بنی تھی' مگر اب کچھ نہیں' میں کیوں آئی ہوں یہ سوال اپنے بڑوں سے کرو اور بہتر ہے یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ....."

"ورنہ....." نویرہ کی ایسی تلخ باتوں نے اس کا دماغ گھما دیا تھا۔ "ورنہ کیا کر لو گی تم کوئی الزام نہیں لگایا میں نے تم جیسی عورت صرف دھوکا دیتی ہے اور تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ تم سے میں نے صرف ایک وعدہ چاہا تھا کہ میں ہر بات برداشت کر لوں گا' مگر تم ہر حال میں میری وفادار رہنا اور تم..... تم نے نویرہ بیگم دھوکا دیا ہے مجھے۔" وہ حلق کے بل چیخا تھا۔ نویرہ نے انتہائی تنفر و بے زاری سے اسے دیکھا۔

"تو پھر تم یہاں اس پہر کیا کرنے آئے ہو؟ کسی پاک دامن باوفا عورت کے کمرے میں جاؤ شاید تمہاری کوئی مراد بر آئے۔"

"نویرہ تم حد سے گزر رہی ہو۔"

"ہونہہ' کیسی حد؟ کہاں کی حد؟ تمہارے نام پر دوبارہ اس گھر میں آنا میری مجبوری ٹھہری' مگر مجھے کمزور مت سمجھنا۔ تمہاری نظروں میں کچھ بھی سہی مگر میں اپنی نظروں میں سرخرو ہوں۔ مجھے کوئی پروا نہیں تم اب کچھ بھی کہتے پھرو مجھے اب کچھ بھی فرق نہیں پڑتا۔"

"تو پھر کیوں آئی ہو؟"

"بتایا تو ہے اس کا جواب اپنی ماں سے حاصل کرو۔"

"گئی تو تم بڑے دعوے کے ساتھ تھیں اب کچھ بھی ثابت کیے بغیر ایسے ہی چلی آئیں حیرت ہے۔" شارق زمان نے طنز کیا تھا۔ نویرہ کو لگا جیسے اس نے سخت اُبلتا پانی اس پر انڈیل دیا ہو۔

"میری مجبوری..... ثابت تو میں ایسا کرواتی کہ تم بھی ساری عمر یاد رکھتے۔" نفرت سے وہ پھنکاری تھی۔ وہ ہنس دیا۔

"پھر بھی ثابت نہ کروا سکی؟" نویرہ چپ رہی تھی۔

"جب آ ہی گئی ہو تو پھر اب یہ خالی طعنہ اور انا کیسی؟ اس طرح الگ تھلگ گوشہ نشین ہو کر تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تم بڑی اعلیٰ و ارفع شے ہو۔"

"میں کچھ بھی ثابت نہیں کرنا چاہتی۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ اس گھر میں آنا میری مجبوری سہی' مگر میں تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔ پر یہ تم پر منحصر ہے کہ تم مجھے کب تک لٹکاتے ہو۔ بے شک مہینوں عمر لٹکائے رکھو مگر ایک دفعہ بدکرداری کا طعنہ سننے کے بعد دوبارہ تم سے تعلق رکھنا مجھے گوارا نہیں۔" بڑے صاف' واضح اور دوٹوک انداز میں شارق زمان کی پوری ذات کی نفی کی گئی تھی۔ یعنی وہ سب کچھ کرنے کے باوجود خود کو حق پر سمجھ رہی تھی اور وہ..... اور نویرہ کا یہی اعتماد شارق زمان کے اندر شعلوں کو بھڑکا گیا تھا۔

"تم شاید بھول رہی ہو' تم اب بھی میرے نکاح میں ہو۔" شارق زمان نہایت تنفر سے کہتا آگے

بڑھا تھا۔

"خبردار شارق زمان اب مجھے زیر کرنے کی غلطی نہ کرنا۔ تم مجھے کمزور مت سمجھو۔ میں اگر اس گھر میں آئی ہوں تو اپنا دفاع کرنا بھی جانتی ہوں۔"

مگر شارق زمان کو اپنی ذات کی نفی کر دینا بری طرح جھنجوڑ گیا تھا۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں اس وقت مفلوج ہوئی تھیں۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس نے نویرہ کو خود اپنی زندگی سے نکال دینا چاہا تھا۔ اس نے نویرہ کا بازو پکڑا تھا۔

"چھوڑو شارق زمان! ورنہ نقصان اٹھاؤ گے مجھے اتنا کمزور مت سمجھو۔" وہ جواباً بڑی سختی سے بازو چھڑوانے کو مچلتی رہی تھی' مگر شارق زمان کی مضبوط گرفت نے اس کے وجود کو اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا۔

"اب کیسا نقصان؟ کس کا نقصان؟ اب تو صرف ضد کی بات آ گئی ہے تم نے میرے حق کی نفی کی ہے تم بھول رہی ہو تم اب بھی میری بیوی ہو تم پر لگا الزام اسی طرح مگر میرے حقوق اسی طرح واجب ہیں تم پر۔" وہ اس وقت کوئی اور ہی شارق زمان تھا۔ وہ اس وقت صرف ایک مرد تھا۔ وہ قطعی بھول چکا تھا کہ نویرہ کون ہے؟ وہ اس وقت کس کنڈیشن میں ہے زور زبردستی اس کے لیے کسی نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔

اور نویرہ' اس کا تو وہ حال تھا کہ شارق زمان کے لمس نے اسے پاگل کر ڈالا تھا۔ وہ ایک پل میں اپنے ہر نفع و نقصان سے بے نیاز ہو گئی تھی۔ شارق زمان نے اسے دھکیلنا چاہا تھا اور جیسے ہی اس کی گرفت نرم ہوئی تھی نویرہ سرعت سے اس کی گرفت سے نکلی تھی۔ بک ریک پر پڑا چاقو اس نے ایک ہی جست میں اپنی گرفت میں لیا تھا۔

"شارق زمان! میں تمہیں کہہ چکی تھی مجھے کمزور مت سمجھو' نقصان تمہارا ہو یا میرا اب یہ نقصان طے ہے' بیٹھ کر روتے رہنا ساری عمر اپنی اولاد کو میں تو مروں گی مگر تمہاری اولاد بھی زندہ نہیں رہے گی۔" مضبوط لب و لہجے پر شارق زمان ٹھٹک گیا تھا۔

"بکواس نہیں کرو۔ مجھے روکنے والی تم کون ہوتی ہو۔ تم اب بھی میری بیوی ہو۔" غصہ سے وہ گویا تھا۔

"ہاں بیوی تھی اب نہیں تم اپنے گندے ذہن میں میری ضد توڑنے کا جو بھی خیال لائے ہو۔ اس سمیت یہاں سے نکل جاؤ ورنہ میں تمہیں بتا چکی ہوں میں کس حد تک جا سکتی ہوں۔"

"کیا کر لو گی تم؟"

"عمل کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گی۔"

"اچھا۔" وہ استہزائیہ ہنسا تھا۔ نویرہ گرفت میں چاقو پکڑے بغیر لحاظ و مروت لیے کھڑی تھی۔

"میں کوئی جرم نہیں کر رہا جو تم یوں چراغ پا ہو رہی ہو۔"

"تمہاری نظروں میں کردار کچھ بھی سہی' مجھے اب کوئی پروا نہیں مگر یہ طے ہے تم سے میرا صرف ایک نام نہاد تعلق ہے اور بس چاہو تو ابھی ختم کر دو۔ مجھے دکھ نہیں ہوگا۔"

"اوف۔" شارق زمان کے پاؤں کو کوئی چیز بڑی بری طرح چبھی تھی وہ کراہ کر فوراً اپنے پاؤں کی

طرف جھکا تھا۔ نویرہ نے تعجب سے اسے دیکھا جو اپنا پاؤں تھامے اس کے قریبی صوفے پر بیٹھ رہا تھا وہیں سے اس کی نگاہ بھٹکی تھی۔ شارق زمان نے ایک ہی لمحے میں اس کا وہ ہاتھ جو چاقو پر گرفت کیے ہوئے تھا اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا۔

"اب بولو کس کا نقصان؟ کیسا نقصان؟" اس کے ہاتھ کی گرفت سے چاقو نکالنے کی کوشش میں وہ پھنکارا تھا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ پچھتاؤ گے تم دھوکے باز مطلبی انسان۔" نویرہ نے چاقو پر گرفت مزید سخت کی تھی۔ شارق نے اس کا ہاتھ کھولنا چاہا مگر ایک پل میں نویرہ نے چاقو کی نوک شارق زمان کے دائیں بازو میں کھبو دی تھی۔

"اوف!" ایک چیخ کے ساتھ شارق زمان کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی۔ نویرہ سرعت سے پیچھے ہٹی تھی۔ چاقو شارق کے بازو میں تھا۔

نویرہ کو اپنا پورا وجود لرزتا محسوس ہوا۔ یہ سارا عمل لمحہ بھر کا تھا۔

شارق کے بازو سے خون کا ایک فوارا پھوٹ بہا تھا۔ نویرہ حق دق سی کھڑی تھی وہ تو یہ سب اپنے لیے سوچے ہوئے تھی کہ اپنی کلائی کاٹ لے گی یا پیٹ میں مار لے گی۔ اس شخص کے لیے تو اس نے نہیں سوچا تھا۔ شارق نے بڑے ضبط سے اپنے بازو سے چاقو نکال کر اس کے قدموں میں پھینکا تھا۔ خون دیکھ کر نویرہ کے سارے حواس گم ہو گئے تھے وہ بھاگ کر شارق کے قریب آئی تھی۔

"میں نے جان بوجھ کر نہیں مارا۔" خون دیکھ کر وہ سارے عزائم بھول بھال گئی تھی حتیٰ کہ ساری عداوت بھی پس منظر میں چلی گئی تھی۔

شارق کا درد سے برا حال تھا..... نویرہ نے ارد گرد دیکھا سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اپنی چادر کا پلو اس کے بازو پر رکھ دیا لمحوں میں کپڑا خون سے تر ہوا تھا۔

"یہ تو بہت بلیڈنگ ہو رہی ہے۔ یہ تو رک نہیں رہا۔" نویرہ کو اپنا وجود کسی بھی لمحے میں زمین بوس ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

"کوئی کپڑا باندھو اس کے اوپر۔" درد سے بے حال قالین پر بیٹھے وہ گویا تھا۔

نویرہ نے بھاگ کر اپنے سرہانے پڑا اپنا دوپٹا پھاڑ کر اس کے بازو پر باندھا تھا۔

"ڈاکٹر کے پاس چلے جاؤ۔ یہ خون نہیں رکنے والا' بہت بہہ رہا ہے۔"

شارق نے ایک نظر اس کے وجود پر ڈالی چادر سے بے نیاز وجود لیے وہ بڑی خوف زدہ کھڑی تھی کچھ لمحے پہلے والی تیزی و طراری بھاگ چکی تھی۔

"بازو میں چاقو اتارنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ تمہیں تو چاہیے تھا سیدھا حلق میں اتار دیتیں۔" زہر خندہ لہجہ تھا۔

"میری تمہارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے میں نے منع کیا تھا بہر حال تم ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔" یہ عمل میں نے اپنے لیے رکھا تھا تمہارے لیے نہیں۔" اس نے چاقو اٹھا کر بستر پر ڈال دیا تھا۔

شارق نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ وہ نگاہ پھیر گئی تھی۔

''میں چوکیدار کو کہتی ہوں اس کو ساتھ لے جانا اسپتال۔''

''رہنے دو' اپنی یہ عنایتیں اپنے پاس رکھو۔ کرلوں گا میں کوئی نہ کوئی بندوبست اور تم یہ مت سمجھ لینا کہ میں اپنا ارادہ بدل چکا ہوں' جا رہا ہوں میں۔'' غصے سے کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

نویرہ کچھ پل تو یونہی کھڑی رہی تھی پھر ایک دم خوف زدہ ہوتے اس نے تیزی سے دروازہ لاک کیا تھا۔ وہ کیا کر چکی تھی وہ خود بھی حیران تھی۔

❁.....❁.....❁

زرش کو یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی تھی کہ آج رات سمعان اِدھر ہی رکے گا اور پھر کچھ دیر سب کے درمیان بیٹھ کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ نیند سے برا حال تھا۔ لائٹ آف کیے وہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔

پتا نہیں وہ کتنی دیر سوئی تھی عجیب سے احساس سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اپنے وجود کے گرد کسی کے بازو کا حصار محسوس ہو رہا تھا۔

نائٹ بلب کی روشنی میں سمعان احمد کو دیکھ کر وہ پتھر بن گئی تھی۔ سمعان احمد آج رات رک رہا تھا مگر قیام اس کے کمرے میں ہوگا اسے گمان بھی نہ تھا۔

کیا ماما' پاپا اور دیگر لوگوں کو علم ہے کہ سمعان اس کے پاس روم میں ہے۔ اس کی سوچیں نجانے کہاں کہاں محوِ پرواز ہوئی تھیں۔ اس کی نگاہیں سمعان احمد کے خوب صورت مردانہ خدوخال پر تھیں۔

وہ پورے ہوش وحواس میں پہلی بار رات کے اس پہر جس مرد کی قربت میں تھی' جس سے اس کا بڑا جائز اور شرعی رشتا تھا' مگر پھر یہ گھبراہٹ اور خوف کیوں؟ زرش کو لگا جیسے اس کے ہر مسام سے پسینہ بہہ نکلا ہو۔

سمعان گہری نیند میں تھا۔

سمعان احمد کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بالکل ساکت و جامد پوزیشن میں تھی۔ وہ اس خوف میں حرکت نہیں کر رہی تھی کہ کہیں اس کی حرکت سے سمعان کی آنکھ نہ کھل جائے اور اگر سمعان واقعی اُٹھ گیا تو.....؟

اس ''تو'' کے بعد ایک بڑا واضح سوالیہ نشان تھا۔

اٹک اٹک کر سانس لیتے ہوئے اس نے خوف زدہ نظروں سے سمعان احمد کو دیکھا چوڑا مضبوط سراپا۔ وہ تو مقابل کچھ بھی نہ تھی۔ اس کے اندر اتنی ہمت نہ تھی کہ اپنے گرد لپٹا بازو ہٹا کر تھوڑا سا پیچھے ہو جائے۔ یا درمیان میں فاصلہ حائل کر لے۔

کچھ پل اسی طرح پڑے رہنے کے بعد اس آہستگی سے سمعان کا بازو اپنے گرد سے ہٹایا تھا۔ کھسک کر پیچھے ہوئی تو گلے میں جھولتے لاکٹ کی زنجیر سمعان احمد کی شرٹ کے بٹن میں الجھ گئی تھی۔ کھنچاؤ لگنے سے وہ اپنی جگہ ساکت ہوئی تھی۔ نہایت خوف زدہ نظروں سے سمعان کو دیکھا۔ اور پھر گلے میں پڑی چین کو چین کا لاک کھلا ہوا تھا۔ شاید اسی لیے گلے سے اتر کر الجھ گئی تھی۔

''اُف۔'' وہ اب کے جھنجلائی تھی۔ یہ لاک کیسے کھل گیا تھا؟ کیا سمعان نے کھولا تھا؟

اس کے سامنے ایک سوالیہ نشان تھا۔

پتا نہیں نیند کے عالم میں قربت کا کیا عالم تھا۔ اسے اپنا وجود لرزتا محسوس ہوا۔ ایک عجیب سا احساس دل میں اتر گیا تھا۔

وہ لاکٹ اسی طرح چھوڑے بستر سے اتر گئی تھی۔ حلق خشک ہو رہا تھا اس نے پہلے کچن میں جا کر پیا اور پھر صوفے پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ کمرے میں ون اسٹینڈ صوفہ تھا۔ وہ اب کیا کرتی دوبارہ بیڈ پر جانے کی ہمت نہیں تھی۔

اس نے اُٹھ کر الماری سے چادر نکال کر اپنے وجود کے گرد لپیٹی تھی۔ دوبارہ صوفے پر آ کر بیٹھتے ہوئے خوف زدہ نظروں سے سمعان احمد کو دیکھا تھا۔ اب نیند کیسے آنی تھی' مگر رات یوں بیٹھ کر بھی کٹنے والی نہیں تھی۔ ابھی رات ڈھلنے میں دو ڈھائی گھنٹے باقی تھے۔

موبائل پر میسج کی بار بار بج اٹھنے والی بیپ نے سمعان احمد کو گہری نیند سے جگا دیا تھا۔

سمعان نے ذرا سا اٹھ کر سرہانے سے موبائل لیا تھا۔

اکثر ظفر کے میسج تھے وہ اکثر جب نائٹ ڈیوٹی پر ہوتا تھا تو میسج کرتا رہتا تھا۔ موبائل واپس رکھتے ہوئے سمعان کو کچھ احساس ہوا تھا۔ ایک دم اپنے پہلو میں دیکھا زرش نہیں تھی۔

سمعان فوراً اٹھ بیٹھا تھا۔ زرش کو صوفے پر بیٹھے دیکھا تو بستر سے اتر آیا۔ زرش سمعان کو بستر سے اترتے دیکھ کر ایک دم سیدھی ہوئی تھی۔

''زرش! ادھر کیوں بیٹھی ہو؟''

اس نے خوف زدہ نظروں سے سمعان کو دیکھا۔

''آپ۔'' وہ اس وقت جس خوف کے زیر اثر تھی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس قسم کا ری ایکشن دے۔

''کیا بات ہے پریشان ہو؟'' سمعان صوفے کے بازو پر بیٹھا تھا۔ نگاہ میں خاصی تشویش تھی۔ زرش نے سمعان کے چہرے سے پھسلتی گریبان کے کھلے دو بٹنوں اور پھر اوپر والے بٹن میں الجھی زنجیر پر نگاہ ڈالی۔

''کیا ہوا ہے؟ کیا دیکھ رہی ہو؟'' سمعان نے اس کی نگاہ کے تعاقب میں اپنی شرٹ کی طرف دیکھا۔

''اوہ۔'' سمعان نے ایک نظر زرش کے جھکے سر پر ڈالتے ہوئے بڑی احتیاط سے وہ زنجیر بٹن سے نکالی۔ ''کیا بات ہے؟''

''ماما' پاپا کو پتا ہے آپ ادھر کمرے میں ہیں؟'' جھکے سر سے اس نے سوال کیا تھا۔ سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔ سمعان کی موجودگی سے وہ ڈسٹرب ہو چکی تھی۔ سمعان کے ہونٹوں پر بڑی خوب صورت سی مسکراہٹ مچلی تھی۔

''چچی امی نے ہی مجھے کمرے میں رات گزارنے کو کہا تھا۔'' سمعان نے مسکرا کر جواب دیا تو
''زرش۔'' چند پل سرکنے کے بعد سمعان نے اس کا ہاتھ تھاما تو زرش کو لگا سانس اس کے سینے میں اٹک
گئی ہے۔

''خوف زدہ ہو؟'' سمعان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا زرش کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر رونا
شروع کر دے یا پھر کمرے سے باہر بھاگ جائے۔

''کیوں خوف زدہ ہو؟'' اس سوال کا جواب وہ دینے سے قاصر تھی۔ ''اٹھو ادھر آؤ۔ ایزی ہو کر
یہاں بیٹھو پھر بات کرتے ہیں۔'' سمعان نے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو وہ بغیر کوئی اعتراض کیے بستر پر جا بیٹھی
تھی۔ اس کی مزاحمت کی ساری حسیں اس پہر مردہ ہو چکی تھی شاید۔

سمعان نے بھی اس کے پاس قریب ہی جگہ بنائی تھی۔ بازو کے حلقے میں لے کر اپنے مضبوط تحفظ کا
احساس دلایا تھا۔

''لیٹ جاؤ۔'' سمعان کے کہنے پر بھی بیٹھی رہی تھی۔ سمعان نے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام
کر دبایا تو زرش کے ہاتھ کی لرزش بڑی شدت سے محسوس ہوئی۔ اس کی معصوم لرزش اندر کے سارے
بھید کھول رہی تھی۔

''دیکھو زرش! خوف زدہ ہو کر مجھ پر بے اعتباری مت دکھاؤ۔ میں نے تم سے بڑی پاکیزہ محبت کی
ہے اور اس سے پہلے دل کی گہرائیوں سے تمہارا احترام کیا ہے۔ میں نے تمہاری نیند سے کوئی فائدہ نہیں
اٹھایا۔ تم میرے سامنے تھیں میں چاہتا تو تمہیں نیند سے اٹھا لیتا مگر زرش جن سے محبت کی جاتی ہے
ان کا ہر حال میں احترام کیا جاتا ہے۔ تمہارا گریز میرے سامنے ہے اور میں کوئی کم عمر نوجوان نہیں ہوں
جو اس گریز کا مطلب سمجھ نہ پاؤں۔ تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ کھل کر مجھ پر اعتماد کرو۔
تمہاری اجازت کے بغیر میں اپنا کوئی حق استعمال نہیں کروں گا۔ کم از کم جب تک تم ایگزیمز دے کر
فارغ نہیں ہو جاتیں' ایگزیمز کے بعد تمہاری رخصتی کنفرم ہے۔ ابو اور چچا کے درمیان اس موضوع پر
بات ہو چکی ہے۔ ایگزیمز کے بعد تمہیں میرے ساتھ اسلام آباد چلنا ہوگا اور رہی مجھ سے خوف زدہ
ہونے کی بات تو میں بھی انسان ہوں بندہ بشر ہوں۔ مگر اپنے جذبات پر کنٹرول رکھنا ہی اصل انسانیت
ہے۔ جب تک تمہارا ذہن اس رشتے کو خود سے قبول نہیں کرے گا' میں بھی کوئی پیش قدمی نہیں کروں گا۔
بے شک تم میرے ساتھ رخصت ہو کر اسلام آباد چلی چلو۔ کچھ سمجھ رہی ہو نا میری بات؟''

سمعان نے تھوڑا سا جھک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ آنسو بہاتی دکھائی دی۔

سمعان سے براہ راست گفتگو نے اسے شرم سے نڈھال کر دیا تھا۔

''رات انگلی پر لپیٹنے سے لاک کھل گیا تھا۔ تمہاری نیند خراب نہ ہو میں نے لاک بند نہیں کیا تھا۔ لاؤ
پہنا دوں؟'' سمعان نے مٹھی میں تھاما لاکٹ اور زنجیر اس کے سامنے کی تھی۔

''میں..... میں خود ہی پہن لوں گی۔'' بڑی دقت سے یہ جملہ ادا کیا تھا۔

''میں پہنا دوں گا۔ اتنا تو حق دو نا۔'' اس نے سمعان کو دیکھ کر سر جھکا لیا تھا۔ اس وقت اسے لگ رہا

کہ وہ انکار کرنے کی بھی ہمت کھو چکی ہے۔ ان لمحوں میں سمعان کی موجودگی' اس کی قربت' ہاتھ کا
آواز کا ردھم سب ایسا تھا کہ وہ حواس کھو رہی تھی۔ وہ مکمل طور پر سمعان کے سحر میں جکڑی گئی تھی۔
سمعان احمد نے لاکٹ اس کی گردن میں پہنا دیا تھا۔

''اسے بے اعتمادی مت سمجھ لینا' اسے میری محبت بھی کہہ سکتی ہو۔
تم اگر میری محبت کی انتہا دیکھو تو شاید اپنے ہونے پر فخر کرو۔'' سمعان احمد کا خمار آلود لہجہ وہ تو پانی
ہو رہی تھی۔ پتھر پگھل رہا تھا۔ چوٹ سیدھی دل پر لگ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ.....

''دل میں جتنے بھی گلے ہیں' شکوے ہیں' آج رات قدرت نے تمہیں موقع دیا ہے کہہ دو سب
بہا دو میرا سینہ اتنا کشادہ ہے کہ جو صرف تمہارے گلے شکوؤں کو اپنے اندر ہی نہیں اتارے گا بلکہ
ارے ان قیمتی آنسوؤں کو بھی سمیٹ لے گا۔'' سمعان کے اس محبت بھرے لہجے پر وہ رو دی تو سمعان
دھیمے لب و لہجے میں کہتے اس کے وجود کو بلور (کانچ) کی مانند اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا اور
اس پر تو یہ رات اور سمعان کی قربت' اس کا دھیما لہجہ آواز کے زیر و بم نے ایسا اثر کیا تھا کہ وہ
ان احمد کے کشادہ سینے میں منہ چھپائے ہر درد کہتی چلی گئی تھی۔
وہ روتی رہی' شکوے گنواتی رہی' شکایتیں کرتی گئی اور سمعان احمد کا سینہ اس کے آنسوؤں سے بھیگتا
تھا۔

سو تو وہ ساری رات ہی نہیں پائی تھی۔ دل کا درد بہا کر وہ بظاہر ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔ صبح فجر کے
ب اٹھ کر نماز ادا کر کے کچھ دیر بستر پر پڑے رہنے کے بعد وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔ ماما قرآن
کی تلاوت کر رہی تھیں۔ وہ کچن میں آئی تو ہادیہ آپا اور نوشی ناشتے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔
نے جھجکتے ہوئے کچن میں قدم رکھا تھا۔
نوشی نے اسے دیکھا تو شرارت سے مسکرا دی۔ اس کے تبسم نے اسے نروس کر دیا تھا۔

''تو لاکھ چلے رے گوری تھم تھم کے۔'' اس نے گلاس میں دودھ ڈالا تو نوشی کی شرارتی آواز نے
ہشا کڈ کر دیا تھا۔ نجانے یہ لوگ کیا سمجھ رہی تھیں۔ ہادیہ آپا بھی نوشی کی شرارت پر مسکرا دی تھیں۔
تو پیا سے مل کے آئی رے
تب سے نیند پرائی رے
تو دیکھے سپنے بالم کے

''نوشی۔'' وہ بری طرح کنفیوژ ہو چکی تھی۔ بڑے شکایتی انداز میں اسے ٹوکا تھا۔ ہادیہ اور نوشی دونوں
ادیں۔

''کیسی گزری رات؟'' ہادیہ آپا نے استفسار کیا تھا۔ لہجے میں بڑی شرماہٹ بسی تھی۔ وہ سر سے
مانک سرخ ہوئی تھی۔

''پتا نہیں۔'' وہ بری طرح ان دونوں سے خفا ہوئی یہ بھلا ایسی باتیں کیوں کر رہی تھیں کیا دونوں
سمجھتی نہیں تھیں۔

"سمعان بھائی جاگ گئے ہیں یا ہنوز سو رہے ہیں؟" نوشی نے اس کا بلش چہرہ دیکھا تھا۔

"مجھے کیا پتا جا کے دیکھ لو۔"

"رات تمہارے ساتھ گزاری محترم نے ہم کیسے دیکھ لیں۔"

"آپا!" وہ روہانسی ہو گئی تھی' اگر علم ہوتا کہ یہ لوگ ایسی شرارت پر آمادہ ہیں تو کمرے سے نکلتی۔ ابھی تو دیگر لوگوں کا بھی سامنا کرنا تھا۔ نجانے ماما' پاپا نے کیا سوچا ہوگا۔

"لگتا ہے سمعان بھائی کا رات ٹھہرنا بے کار گیا ہے؟" نوشی نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔ انداز سراسر طیش دلانے والا تھا۔

"لگ تو یہی رہا ہے۔" اس نے ہادیہ آپا کی شکل دیکھی۔ بڑی بے چارگی کا عالم تھا یہ۔

"مجھے رات کا سوچ سوچ کر ہنسی آ رہی ہے۔ یہ محترمہ تو کچھ پل بیٹھ کر جا کر سو چکی تھیں۔ بے چارے سمعان بھائی باہر ہی تھے۔ آخر میں ہم لوگ یعنی میں اور عفان ہی اپنے کمرے میں گئے تھے۔ ماما' پاپا تو پہلے ہی جا چکے تھے' مجبوراً مجھے اپنے کمرے میں جانے سے پہلے ماما کو بلوانا پڑا تھا کہ موصوف کو رات بسر کرنے کے لیے کمرے میں بھیج دیں ورنہ تو سمعان بھائی مروّت میں ساری رات وہیں لاؤنج میں ہی گزار دیتے۔"

اس نے بڑی غیظ بھری نظروں سے نوشی کو دیکھا تھا۔

"سمعان بھائی سے پوچھ لو۔ ناشتے میں کیا لیں گے۔ تاکہ ان کی پسند کا ناشتا تیار کر دوں۔" ہادیہ آپا نے کہا تو وہ دودھ کا گلاس ختم کر کے کچن سے نکل آئی تھی۔ لان میں آ کر اس نے کچھ پھول اکٹھے کیے تھے۔ رات سے اس کی عجیب سی کیفیت تھی۔ سمعان کا محبت بھرا کیئرنگ انداز' محبت کے خوب صورت مظاہرے' پیار بھری یقین دہانیاں' فرصت کے وہ پل' وہ تو ابھی تک انہی لمحوں میں جی رہی تھی۔ پھول لے کر کمرے میں لوٹی تو بستر خالی تھا۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے پھول گلدان میں سجا دیے تھے۔ بستر کی چادر درست کرتے بکھری چیزیں سمیٹتے اس کے ہاتھ تھمے تھے۔ سمعان احمد کا موبائل مسلسل بیپ دے رہا تھا۔ اس نے ایک نظر بند دروازے کو دیکھا اور پھر موبائل اٹھا لیا۔

"السلام علیکم!" نمبر دیکھے بغیر اس نے کال ریسو کی تھی۔

"وعلیکم السلام! کون ہو تم؟" دوسری طرف سے نسوانی آواز پر زرش چونکی۔

"میں جو بھی ہوں آپ کون ہیں؟"

"سمعان کہاں ہیں؟" اب کی بار زرش نے اسکرین دیکھی تھی۔ نمبر تایا کے گھر کا تھا۔ فرح کی آواز تو نہیں تھی اور شاید طاہرہ بیگم تھیں۔

"وہ جہاں بھی ہیں آپ سے مطلب؟" اس کے لہجے میں خود بخود تلخی اتری تھی۔

"کون ہو تم؟ ذرا تمیز نہیں ہے بات کرنے کی۔ موبائل دو سمعان کو ماں ہوں میں اس کی۔"

"وہ اس وقت واش روم میں ہیں۔ انتظار کر لیں یا پھر نکلتے ہیں تو بات کر لیں۔" زرش کوئی سخت جوابی کارروائی کرنا چاہتی تھی مگر اپنے اوپر کنٹرول کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"تم کون ہو؟ سمعان تمہارے پاس کیا کر رہا ہے؟" ان کا لہجہ شکی تھا۔ زرش کہاں ان لہجوں کی عادی تھی بڑا عجیب سا لگا۔

"میں زرش ہوں۔ وہ رات سے یہیں ہیں کیوں ہیں؟ ان سے پوچھ لیجیے گا۔"

"کیا؟" دوسری طرف حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا شاید زرش کو بڑی خوشی ہوئی انہیں حیران کر کے۔

"سمعان تمہارے پاس ہے رات سے تمہیں ہمت کیسے ہوئی سمعان کو روکنے کی۔ سمعان سے شادی کروا کر دل نہیں بھرا تھا جو اب مجھ سے میرا بیٹا چھین رہی ہو۔ اپنی ماں کی طرح اداد کھانا آئی ہیں تمہیں بھی۔ میری اولاد برباد کر دی ہے تم نے۔" وہ تو ایک پل میں شروع ہوئی تھیں۔ سارے لحاظ و مروّت بھلائے گویا تھیں۔ ان کا ایسا گھٹیا لب و لہجہ سن کر زرش منٹوں میں آؤٹ ہو گئی تھی۔

"شٹ اپ' بہت کہہ لیا آپ نے میں لحاظ کر رہی ہوں میں نے نہیں روکا آپ کے بیٹے کو وہ کوئی چھوٹے بچے نہیں ہیں جن کی انگلی تھام کر میں اپنے پیچھے لگا لوں۔ سوچ سمجھ کر بات کریں۔"

"تم کیا کچھ کر سکتی ہو مجھ سے بہتر کون جانتا ہے۔ میرے گھر میں تم جو گھل کھلا کر جا چکی ہو بھولی نہیں ہوں میں، سارا خاندان جانتا ہے تمہیں۔ سب کو علم ہے تم کتنے پانی میں ہو۔" وہ ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔ صاف اس کے کردار پر کیچڑ اچھالا جا رہا تھا۔ رات بھر سمعان کی قربت میں رہتے اس کے اندر اپنی ذات پر اعتماد کرنے کا احساس پیدا ہوا تھا اور اب وہ اسی مقام پر تھی۔ ایک دھچکا لگا تھا اس کے احساسات کو۔

"بکواس نہیں' ایک لفظ بھی مت کہیے گا میرے بارے میں ورنہ میں کوئی لحاظ نہیں رکھوں گی۔" وہ تو لحاظ میں آؤٹ ہوئی تھی۔ سب لحاظ بھلا دیے تھے۔

سمعان احمد جو نہا کر واش روم سے نکلا تھا اسے یوں بُری طرح چیختے دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔ "زرش۔"

"یہ سب آپ کا ڈرامہ تھا الزام تھا مجھ پر خبردار مجھے ایک لفظ بھی کہا تو۔" وہ رو دی تھی۔

"کیا ہوا ہے زرش؟" اس کے قریب آ کر سمعان نے اس کا رخ اپنی طرف کیا تو وہ سمعان کو دیکھ کر پھٹ پڑی۔

"کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟ کیوں رات ٹھہرے آپ یہاں۔ آپ کی ماں کو مجھ پر الزام تراشی کا ایک اور بہانہ مل گیا ہے۔ میرے کردار پر وہ عوت کیچڑ اچھال رہی ہے اور آپ کہتے ہیں میں اعتماد کروں آپ پر' آپ کی ذات پر' اس رشتے کو قبول کروں۔ نہیں کروں گی میں قبول یہ رشتا گالی ہے میرے لیے صرف ایک گالی۔" غصے سے موبائل بستر پر پھینکتے اس نے اپنے اندر کا سارا اُبال سمعان پر نکالا تھا۔

طاہرہ بیگم کی ایک کال نے ان کی ساری رات کی محنت پر پانی پھیر دیا تھا وہ پھر اسی مقام پر تھی یا پھر شاید اس سے بھی نیچے تھی۔ سمعان نے موبائل تھاما تو دوسری طرف گھر کا نمبر تھا۔ کال ابھی تک جاری تھی ڈراپ نہیں ہوئی تھی۔

"ہیلو کون؟" زرش پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی سمعان نے اس کا بازو تھام کر اسے باہر کی طرف قدم بڑھانے سے روکا تھا۔ نظریں اس کے پھسلتے آنسوؤں پر تھیں۔

"سمعان! کہاں ہو تم؟" دوسری طرف سے طاہرہ بیگم نے خاصی برہمی و بے قراری سے استفسار کیا تھا۔ سمعان احمد نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ پل میں ساری بات سمجھ میں آئی تھی۔ زرش کا ایک دم ایوری ایکٹ کرنا سمعان احمد کے احساسات پر اوس سی گری تھی۔

"آپ؟"

"تم فوراً گھر پہنچو' تم اسلام آباد سے کب آئے تھے اور اِدھر کیوں ہو۔ گھر کیوں نہیں آئے؟ وہ کل کی لڑکی تمہارے لیے اپنے گھر سے زیادہ اہم ہوگئی ہے۔" طاہرہ بیگم نے سمعان کی بات کاٹ کر بڑی درشتی سے کہا تھا۔ سمعان نے کچھ سخت کہنے کو ہونٹ وا کیے مگر پھر لب بھینچ کر کال ڈراپ کردی۔

جب سے یہ قصہ ہوا تھا سمعان نے پوری کوشش کی تھی کہ ان کی بڑی سے بڑی زیادتی پر بھی کچھ نہ کہے انہیں خود احساس ہو۔ وہ ماں تھیں بلند مرتبے پر فائز' قابلِ عزت و احترام وہ ہر حال ان کا لحاظ کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس سے ان کے حق میں کوئی گستاخی ہو جائے اور اب ان کا رویہ.....

"آپ چلے جائیں یہاں سے۔" زرش نے تنفر سے اپنا بازو چھڑایا تھا

"زرش! سمعان نے پکارا تو وہ پھٹ پڑی تھی۔

"نام نہ لیں میرا' کوئی تعلق نہیں ہے میرا آپ سے۔ آپ میرے لیے صرف ایک الزام ہیں صرف اور صرف ایک الزام۔ آپ کے سب دعوے جھوٹے ہیں۔ صرف دھوکا ہیں آپ' نہیں دے سکتے آپ مجھے عزت کی زندگی۔ آپ تو اپنی ماں کو ان کی غلطی باور نہیں کروا سکتے آپ سے میں کیا امید رکھوں؟ رات میں سمجھی تھی کہ آپ پر اعتماد کر کے میں پھر سے سر اٹھا کر جی سکتی ہوں۔ مگر اب نہیں میں آپ کے کسی جھوٹ پر یقین نہیں کروں گی۔ جائیں چلے جائیں آپ اپنی ماں کے پاس میں آپ سے منسلک ہر رشتے ہر تعلق کو رد کرتی ہوں۔ سنا ہے آپ نے۔"

❁.....❁.....❁

حمید چچا نے نویرہ کی بہتری کے لیے جو اقدامات کیے تھے ان میں آنے والے دنوں میں رضا اور رمشا کی باقاعدہ منگنی تھی۔ رضا مسلسل انکاری تھا' مگر انہوں نے اس کی کوئی بات ہی نہیں سنی تھی۔ منگنی خاصے وسیع پیمانے پر کی گئی تھی۔ دوست احباب کے علاوہ سب رشتے دار مدعو تھے۔ منگنی والے دن نویرہ نہیں گئی تھی شارق تو پہلے ہی نہیں جانے والا تھا۔ صرف واجدہ بیگم ہی گئی تھیں۔

اس کے بعد دن بڑی تیزی سے گزرنے لگے تھے۔

نویرہ تو دوبارہ اس گھر میں آچکی تھی مگر اس کے اور شارق زمان کے درمیان حائل خلیج کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی چلی گئی تھی۔ اس رات کے بعد شارق زمان اگر اس کی طرف نہیں بڑھا تھا۔ تو اس نے بھی پروا نہیں کی تھی اگر اماں کی طرف سے اس کے دل میں بال نہ آچکا ہوتا تو وہ شاید اس گھر میں اب کبھی نہ ٹھہرتی مگر اس تجربے نے بھی یہ سبق سکھایا تھا کہ حق پر ہونے کے باوجود کیا کچھ نہیں سہنا پڑتا اور اگر مقابل مرد ہو تو عورت کو اپنی ہستی تک کی قربانی دینا پڑ جاتی ہے۔

اپنا آپ مار کر اپنی انا کو سرنگوں کرنا پڑتا ہے۔

نویرہ نے سوچ لیا تھا وہ سب کچھ اب برداشت کرے گی مگر اس مرد کے سامنے اپنی انا کو گروی نہیں رکھے گی۔ وہ شارق زمان کو احساس دلائے گی کہ وہ غلط تھا اور جو کچھ بھی کر چکا ہے' سراسر زیادتی تھی' ایک ظلم تھا۔ چاہے اس عمل میں اسے اپنی سطح سے نیچے آنا پڑے اس ایک مرد کو سبق سکھانے کو وہ سب کچھ طے کیے ہوئے تھی۔

واجدہ بیگم کے سامنے ساری بات تھی۔

انہوں نے نویرہ کو سمجھانا چاہا تو نویرہ نے دوٹوک انداز میں ان کی بات کاٹ دی تھی۔

"اماں! مجھے کسی بات کے لیے مجبور نہ کریں۔ ظالم کو اس کے ظلم کا احساس نہ دلانے والا بھی ظالم ہوتا ہے۔ آپ اگر یہ چاہتی ہیں کہ میں اس گھر میں رہوں تو مجھے مجبور مت کریں۔ میں بدکردار نہیں تھی۔ میرا رضا سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا سوائے رشتے داری کے' مگر اس شخص نے مجھے میری اپنی نظروں میں گرا دیا ہے۔ مگر مجھ سے کوئی بھی امید مت رکھیں۔"

اور اس کے بعد اماں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں اس گھر میں دوبارہ آنا نویرہ کے لیے کس قدر اذیت ناک عمل تھا۔ اپنے آپ کو بے عزت کرنے والی بات تھی۔ نویرہ دوبارہ اس گھر میں پہلے کی ہی طرح سیٹ ہو چکی تھی مگر شارق زمان کی زندگی جو نویرہ سے شادی کے بعد کچھ ترتیب و تنظیم کی لڑی میں منسلک ہو رہی تھی۔ ایک دفعہ پھر انتشار کا شکار ہوتی چلی گئی تھی۔ نویرہ کو اس کی پروا نہیں تھی اور اسے نویرہ کی اماں دیکھ دیکھ کر کڑھ رہی تھیں۔ ایسے میں رضا اور رمشاء کی منگنی کی تقریب نے بھی کوئی مثبت اثر نہ ڈالا تھا۔

رضا جو کر چکا تھا اور شارق نے ردِعمل دیا تھا۔ اب نویرہ دوبارہ اعتماد کرنے والی نہیں تھی اور اماں مجبور و بے بس تھیں۔

دن اپنی رفتار سے گزر رہے تھے۔ کبھی تیز رفتاری سے اور کبھی سبک انداز میں۔

نویرہ نے چیک اپ کے لیے ڈاکٹر فیروزہ سے ٹائم لیا تھا۔ ڈاکٹر فیروزہ نے کلینک میں آنے کا کہا تھا۔ اس نے اماں سے چلنے کا کہا تو شش و پنج میں پڑ گئیں۔ وہ خاندان وغیرہ میں اب جانے لگی تھیں مگر باہر نکلتے ہوئے وہ اب بھی ہچکچاتی تھیں۔ ان کی مصنوعی ٹانگ سے چال میں لڑکھڑاہٹ سے انہیں تکلیف کا احساس ہوتا تھا۔ چلنے پھرنے کا کام وہ صرف اتنا کر لیتی تھیں کہ ایک کمرے سے اٹھ کر دوسرے میں چلی گئیں' اپنے گھر میں گھوم پھر لیا یا کسی عزیز کے ہاں انتہائی ضرورت کے تحت ہو آئیں۔

"تم شارق کے ساتھ جاؤ۔"

"اماں! کوئی اور بات کریں۔" نویرہ نے ناگواری سے کہا تو اماں نے صرف دیکھا' اسے مجبور نہیں کر سکتی تھیں مگر۔

"رضیہ کو فون کر کے بلوا لو۔ باہر آتے جاتے تکلیف سی ہوتی ہے مجھے' رشتے داری میں کہیں آنا جانا مجبوری ٹھہرا۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے فون کر کے رضیہ چچی کو صورتِ حال بتا کر آنے کا کہا تو انہوں نے آدھے

گھنٹے میں پہنچنے کی ہامی بھرلی تھی۔

رضیہ چچی آئیں تو وہ تیار بیٹھی تھی۔

"میں بیگ لے آؤں پھر چلتے ہیں۔" وہ سلام دعا کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ شاکرہ کو انہیں کولڈرنک سرو کرنے کا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ الماری کھول کر بیگ نکال کر دیکھا تو وہاں صرف چند نوٹ تھے۔ ان چند روپوں سے کب تک زندگی کی گاڑی چلے گی۔

وہ گم صم سی کھڑی رہی۔

اس نے اس گھر میں آنے کے بعد شارق زمان کو صرف انکار ہی نہیں کیا تھا بلکہ اس نے اس شخص سے متعلق ہر شے سے دستبرداری اختیار کی تھی۔ کھانے پینے کی وہ چور تھی مگر اس نے طے کیا تھا کہ اب اس شخص سے کوئی تعلق رکھنا کوئی احسان نہیں لینا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ کپڑوں کا اسے مسئلہ نہیں تھا کہ جہیز کے بہت سے سوٹ ایسے ہی پڑے ہوئے تھے۔ کھانے پینے میں مجبور تھی مگر یہ چند روپے کب تک سہارا بن سکتے ہیں۔ ایسے عالم میں کہ وہ اس شخص سے کچھ بھی لینے کی روادار نہیں تھی۔

گم صم انداز میں کھڑی سوچ رہی تھی کہ اچانک خیال آیا تو وہ بیگ اور چادر لیے گیسٹ روم سے نکل آئی۔ شارق زمان کے کمرے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر اس نے ایک پل کو سوچا تھا مگر پھر سر جھٹک کر اندر داخل ہو گئی۔ سارے کمرے میں بدنظمی سی پھیلی ہوئی تھی۔ نوریہ نے ناگواری سے کمرے کو دیکھا۔ یہاں دوبارہ آنے کے بعد وہ پہلی بار اس کمرے میں آئی تھی۔ یہ کمرہ اس نے اپنے لیے شجر ممنوعہ بنا رکھا تھا۔ اور اب ناگواری سے چاروں طرف دیکھتے وہ الماری کی طرف بڑھی چند درازیں کھولتے اور اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے پر اسے گرین کلر کی چیک بک مل گئی تھی۔ اس نے سکون کا سانس لیا۔ شادی کے بعد اماں نے اسے یہ چیک بک دی تھی۔ ابا نے اپنی زندگی میں ہی اپنی سب اولادوں کا اپنی جائیداد میں حصہ نکال دیا تھا۔ جو اماں نے ایک خاص وقت میں ایک ایک کر کے سب کو سونپ دیا تھا۔ اس کے حصے کی رقم اماں نے بینک میں رکھوا دی تھی وقتاً فوقتاً اماں اس میں رقم جمع کرواتی رہتی تھیں۔ اب تو یہ رقم لاکھوں تک تھی۔ اس نے چیک بک اپنے بیگ میں رکھ لی۔

اس کا ارادہ چیک اپ کے بعد بینک کا چکر لگانے کا تھا۔

"نواز تو آنے پر زور دے رہا ہے مگر فاروق کی ناراضگی ہی نہیں ختم ہوئی۔ سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں کہ سگا خون ہے ایک ہی بیٹا ہے اب ناراضی ختم کر دیں مگر اپنی ضد کے بڑے پکے ہیں۔"

رضیہ چچی کی گلوگیر آواز پر نوریہ تھم سی گئی تھی۔

"اللہ بہتر کرے گا۔ اپنے بھائیوں کو کہو شادی وادی کا سوچیں گھر سے دور رہے سو لوگ ہوتے ہیں اپنی راہ پر چلانے والے ماشاء اللہ نیک سلجھا ہوا ہے۔ تمہاری بھتیجی بھی تو ہے۔"

"ہوں بھائی تو کتنی دفعہ کہہ چکے ہیں روسیہ کے لیے۔ ظفر کی شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔ چاہتے ہیں دونوں کو ہی نپٹا دیں۔ کتنی دفعہ فون پر سمجھا چکی ہوں کہتا ہے امی دل نہیں مانتا۔" نواز کا ذکر کبھی کسی نے اس کے سامنے نہیں کیا تھا۔ نوریہ سے فیصلہ نہ ہوا کہ اب کیا کرے چند پل یہیں کھڑی رہے یا اندر جائے۔

"فون کیا تو کہنے لگا امی میں نے ایک لڑکی دیکھی ہے بہت اچھی ہے۔ بس کم عمر ہے پڑھ رہی ہے۔ ابھی ایگزیمز ہونے والے ہیں اس کے میں کراچی آؤں تو اس لڑکی کی فیملی سے ملوں لڑکی دیکھ لوں۔ آپ کو تو پتا ہے فاروق اب کراچی جانے نہیں دیتے مگر میں سوچ رہی ہوں کہ چکر لگاؤں نواز تو بس آ کر مل جاتا ہے اس کی طرف سے دل کو تسلی رہتی ہے مگر کب تک؟"

"ہوں! نواز کی شادی کی عمر ہے اور کتنا لیٹ کیا جائے جو ہونا تھا ہو گیا میں جب بھی ملتی ہوں فاروق کو سمجھاتی تو ہوں اب بھی ملاقات ہوئی تو بات کروں گی۔ جوان اولاد دوسروں کے گھر بھلے لگتے ہیں کب تک رہے گی واپس تو اسے یہیں آنا ہے۔ بھلا گوشت بھی ناخنوں سے جدا ہوا ہے۔"

"آپا! دل بڑا دکھتا ہے نواز اب کسی بھی لڑکی کا نام لے میں اجازت دے دوں گی کہ بیاہ لائے' اگر فاروق نے اجازت دی تو اپنے ہاتھوں سے سب کروں گی۔ نواز نے منع کر رکھا ہے مجھے' ورنہ کیا میں نہیں جانتی کہ میرا بیٹا بلاوجہ کی سزا کاٹ رہا ہے۔" وہ نم آواز میں بولی تھیں۔

نوریہ چونک اٹھی تھی۔

"تم جانتی ہو؟"

چونک تو واجدہ بیگم بھی گئی تھیں۔

"ہوں میں کیسے مان لیتی کہ نواز نوریہ کو چھوڑ سکتا ہے اس کی تو اپنی خواہش تھی۔ دل سے چاہتا تھا ہے مگر شارق کی وجہ سے....." باقی کے الفاظ ان کی سسکیوں میں دب گئے تھے اور نوریہ کو لگا اس کے قدم زمین نے جکڑ لیے ہیں۔

"شارق نے کہا تھا کہ نوریہ کے لیے انکار کر دے میرے نواز نے سب کچھ سہہ لیا خود بخود وہ تو اب گھر آتا ہے جب ملتا ہے پہلا سوال یہ کرتا ہے کہ نوریہ کیسی ہے؟ خوش ہے؟ اور میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ مجھے اس نے قسم دے رکھی ہے کہ میں فاروق سے ذکر نہ کرو اپنے تک اس بات کو محدود رکھوں ورنہ فاروق کی ضد تو کب کی ٹوٹ چکی ہوتی۔"

اپنے آنسو دوپٹے کی پلو سے صاف کرتے انہوں نے واجدہ بیگم کو دیکھا ان کے سینے سے ایک گہری سانس خارج ہو گئی۔ سانس تو نوریہ کے حلق سے بھی خارج ہوئی تھی مگر وہ اندازہ نہ کر سکی کہ اس میں دکھ ہے یا گہری اذیت ہے یا پھر تلخی کا زہر ہے۔

"شارق زمان تمہیں خدا سمجھے' تمہارے جنون نے کتنی زندگیاں تباہ کی ہیں۔" بڑی تلخی سے اس نے بات کاٹ لیے۔

"چلیں چچا جان!" اس نے قدم آگے بڑھاتے انہیں پکارا تھا۔

چادر درست کرتے نوریہ کے چہرے کو دیکھتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ نوریہ کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ان کے دل سے ایک ہوک سی نکلی تھی۔ یہ لڑکی ان کے بیٹے کی خواہش تھی۔ ان کا بیٹا اس لڑکی کی محبت سے لاچار تھا

اور اب.....

نویرہ کا بھرا بھرا چادر میں لپٹا سراپا ان کے اندر ایک اور ملال جگا گیا تھا۔

✿.....✿.....✿

سامنے نظر آنے والے منظر نے نواز فاروق کے دل کے اندر بھی ملال جگا دیا تھا۔ پورے چھ دن بعد انہیں یہ چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی کتاب کاؤنٹر پر رکھ دی تھی۔ زرش تنہا نہیں تھی اس کے ساتھ اسی دن والا لڑکا تھا جسے وہ سمندر کے کنارے زرش کے ساتھ دیکھ چکے تھے۔ جسے زرش نے اپنا بھائی کہا تھا۔ وہ دونوں باتیں کرتے اِدھر اُدھر دیکھتے آگے بڑھ گئے تھے۔

انہوں نے اس دن زرش کو روکا بھی تھا' اسے کہا بھی تھا کہ وہ ان کی بات سن کر جائے گو وہ نہیں رکی تھی۔ فوراً چلی گئی تھی اور اس کے بعد انہوں نے سائرہ کے ذریعے اس کے سیل نمبر پر کتنی دفعہ رابطہ کیا تھا اور ہر بار اس کا وہی جواب تھا کہ وہ اب اکیڈمی نہیں آ رہی۔

زرش ایسا کیوں کر رہی تھی۔ انہیں اندازہ تھا مگر نہیں تھا کہ وہ ان کو یوں بری طرح رد کرے گی۔ نویرہ کے بعد اگر کسی کی طرف ان کا دل پسندیدگی کے جذبے سے دوچار ہوا تھا تو وہ بلاشبہ زرش ہی تھی' مگر اس کا ردِعمل بہت شدید تھا۔

''یہ کتاب پیک کر دیں۔'' وہ دونوں ریک میں رکھی کتابیں دیکھ رہے تھے۔

علی بکس دیکھتے ریک کی دوسری جانب چلا گیا تھا۔ نواز نے کاؤنٹر بوائے کو کتاب پکڑا کر زرش کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

''السلام علیکم!'' زرش فوراً چونکی تھی۔ سر اٹھا کر نواز فاروق کو دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

''وعلیکم السلام آپ.....!''

''کچھ بکس خریدنی تھیں۔ آپ سنائیں کیسی ہیں آپ؟'' انہوں نے اپنی یہاں موجودگی کا سبب بتایا تھا۔

''الحمدللہ۔'' اس نے علی کو دیکھا وہ موجود نہیں تھا شاید دوسری طرف نکل گیا تھا۔ آج علی کے ساتھ وہ نوشی کے ہاں گئی تھی۔ واپسی پر علی کو کچھ بکس اور جرنلز خریدنے تھے سو وہ یہاں آئے تھے۔

''اکیڈمی کیوں نہیں آ رہیں؟'' جس کی اسے توقع تھی وہی سوال کیا گیا تھا۔

''میں ضرورت نہیں سمجھتی میں گھر رہ کر بہت اچھی تیاری کر رہی ہوں۔'' زرش کے انداز میں بلا کا اعتماد تھا۔ پراعتماد انداز میں نواز فاروق کو دیکھتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا۔

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔ اس دن بھی آپ میری کوئی بات سنے بغیر چلی گئی تھیں۔ اس وقت اگر آپ مجھے کچھ وقت دیں تو.....!''

''سوری مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی۔'' وہ کچھ تلخی سے گویا ہوئی تھی۔

''کیوں؟'' نواز نے فوراً اس کو دیکھا۔

''کیوں کا جواب آپ بہتر جانتے ہوں گے' ایکسیوزمی۔'' اس نے وہاں سے نکلنا چاہا تھا۔ اسے علی ریک کے دوسرے طرف نظر آ گیا تھا وہ فوراً یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔

''زرش پلیز۔'' انہوں نے اس کا راستا روکا تھا۔ زرش نے بڑی ناگواری و برہمی سے انہیں دیکھا۔

''سوری مگر میری بات سن لیں کہنے کو میں یہ بات سائرہ کے ذریعے بھی آپ تک پہنچا سکتا ہوں اور آپ کا سیل نمبر سائرہ سے لینا میرے لیے کوئی مشکل بات نہیں۔'' انہوں نے فوراً معذرت کرتے اسے کہا تھا۔ زرش ناگواری سے دیکھے گئی۔

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے بہت سیریس بات ہے مگر مجھے لگتا ہے آپ مجھے کبھی موقع نہیں دیں گی اس لیے میں آپ کو ڈائریکٹ پروپوز کرتا ہوں۔ شادی کریں گی مجھ سے.....؟''

زرش کو لگا بک شاپ کی چھت اس کے سر پر آ گری ہے۔

اس کو نواز فاروق کے بارے میں گمان تو تھا مگر اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات نہیں تھی کہ شادی کی بات کریں گے۔

''کیا.....!''

✿.....✿.....✿

''آپ ہوش میں تو ہیں سر! آپ کو علم ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' انکشاف ایسا تھا کہ وہ ششدر رہ گئی تھی اور پھر جب سنبھلی تو سر نواز فاروق پر الٹ پڑی تھی۔

''میں نے اتنی نازیبا بات نہیں کی۔ بجائے اس کے کہ میں اپنا اور آپ کا قیمتی وقت ضائع کروں سیدھے سبھاؤ اپنا پروپوزل دے رہا ہوں۔ اگر آپ کی رضامندی ہوئی تو بات آپ کے بڑوں تک پہنچا دوں گا۔'' وہی ٹھہرا پرسکون لہجہ جو نواز فاروق کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ زرش کے اندر اُبال اتر آیا۔

''آئی ایم سوری سر مگر آپ کو بتا دینا میں ضروری سمجھتی ہوں کہ میں شادی شدہ ہوں۔ غیر شادی شدہ نہیں۔''

اب کے زلزلوں کے زد میں آنے والی ذات نواز فاروق کی تھی۔ تحیر سے زرش کے طنزیہ چہرے کے تاثرات دیکھے۔ ایک پل کو یوں لگا ان کے اعصاب پر کوئی بم سا پھٹا ہے۔

''کیا.....؟ یہ کیسے ممکن ہے؟'' زرش کی جسمانی فزیک اور پھر کم عمری' انہیں یقین کرنے میں حائل ہوا۔

''زرش کیا بات ہے؟'' علی کے آ جانے پر وہ فوراً پلٹی۔

''کچھ نہیں یہ ہمارے اکیڈمی کے سر ہیں' سر نواز۔''

''السلام علیکم!'' علی نے فوراً ہاتھ ملایا تھا۔ علی سے ہاتھ ملاتے وہ بری طرح ڈسٹرب تھی۔ زرش نے بڑی ترحم بھری نگاہوں سے ان کے چہرے کو دیکھا وہ مکمل طور پر متوجہ تھے۔ وہ نظریں جھکا گئی۔

''سائرہ میری کلاس فیلو ہے۔ وہ بہت زیادہ تو نہیں مگر کچھ حد تک وہ باخبر ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ ایسا سوچ سکتے ہیں۔ تاہم سائرہ سے پوچھ لیجیے گا۔ اگر اس کی فراہم کردہ معلومات ناکافی ہوں تو ڈاکٹر ظفر سے رابطہ کر لیجیے گا۔ وہ میرے ہسبینڈ کے بڑے قریبی دوست ہیں۔ سمعان احمد نام ہے میرے ہسبینڈ کا۔''

ڈاکٹر ظفر کے نام پر نواز پھر چونکا تھا اور سمعان کے نام پر تو بڑی حیرانی سے اسے دیکھا۔ ڈاکٹر ظفر کی بدولت سمعان احمد کے نام سے آگاہی تو تھی ہی' مگر ملاقات صرف ایک دفعہ ہی ہوئی تھی۔ نواز فاروق کی نگاہوں میں سمعان احمد کا دراز بلند قامت خوب صورت سراپا در آیا تو نگاہیں خود بخود جھک گئیں۔

"میں چلتی ہوں سر! اللہ حافظ۔" وہ علی کے ساتھ واپس چلی گئی تھی اور نواز فاروق کو لگا نویرہ کے بعد وہ اب سب کچھ کھو چکا ہے۔ یہ لڑکی انہیں نویرہ کا ہی پرتو لگی تھی۔ اس کی ذات میں انہیں نویرہ کی شبیہ دکھائی دی تھی مگر اس ہونے والے انکشاف نے ان کی ذات کے پرخچے اڑا دیے تھے۔

"شاکرہ' شاکرہ۔"

وہ اماں کی ٹانگ کی مالش کر رہی تھی۔ جب سارے گھر میں گونجتی "شاکرہ" کی پکار سنائی دی۔

"شارق کیوں بول رہا ہے۔" اماں نے نویرہ کو دیکھا۔ وہ بھلا کیا کہتی آج موصوف گھر پر ہی تھے۔ تین چار دن سے اماں کی ٹانگ میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے آج سوچا تھا کہ مالش کر دے گی مگر اب لگتا ہے کہ سکون سے یہ کام ہونے والا نہیں تھا۔

"اماں' شاکرہ کہاں ہے؟ کتنی دیر سے بلا رہا ہوں۔" اس نے اماں کے کمرے میں جھانکا وہاں نویرہ کو دیکھ کر اس کے تیور اور بگڑے تھے۔

"صبح اس کی ماں آئی تھی۔ چھٹی لے کر گئی ہے کہہ رہی تھی کل آجائے گی۔"

"اوف کیا مصیبت ہے؟" اماں کے جواب پر وہ سخت کوفت سے دوچار ہوا تھا۔ اندر کی تلخی اور بڑھی تھی۔ خاص طور پر اماں کے کمرے میں اس کے وجود سے یکسر لاتعلقی کا مظاہرہ کرنے نویرہ کو دیکھتے ہی ایک پل کو خون کھول اٹھا تھا۔

"کوئی کام تھا؟" ایک تو وہ بے وقت دوپہر گھر آیا تھا دوسرے عجلت بھرا انداز نویرہ تو اسی انداز میں تھی مگر انہوں نے پوچھا تھا۔

"کیا کرتیں ماں تمہیں نویرہ کی طرح ہر تعلق توڑنے کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھیں۔"

"کل میں نے شاکرہ کو کہا تھا کہ میرے کپڑے دھلنے چاہئیں۔ مجھے کسی سے ضروری ملنا ہے' مگر مجال ہے کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر مل رہی ہو۔" کوفت و بے زاری سے برا حال تھا۔

"دھو تو دیے تھے اس نے اِدھر کمرے میں ہیں دیکھو ہو سکتا ہے کہیں رکھ دیے ہوں۔"

"نہیں مل رہے ہر جگہ دیکھ لیے ہیں۔"

"الماری....."

"دیکھ چکا ہوں۔"

اماں نے اب کے نویرہ کو دیکھا جو زیتون کے تیل کی شیشی کا ڈھکن کھولتی بند کرتی ان کے سر پر شارق کی طرف پشت کیے یکسر لاتعلق بیٹھی ہوئی تھی۔ جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"اچھا تم چلو میں دیکھتی ہوں۔" نویرہ کو کہتیں تو اس نے قطعی نہیں جانا تھا' سو انہوں نے فوراً ہی اٹھنا

مناسب سمجھا۔ شارق واپس پلٹ گیا تھا۔

"آپ کیوں جا رہی ہیں؟ ٹانگ میں اتنا درد ہے آپ کی' آپ سے چلا نہیں جا رہا کوئی ضرورت نہیں جانے کی۔ جب اپنی چیزیں سارے کمرے میں پھیلائی جا سکتی ہیں تو ڈھونڈی بھی جا سکتی ہیں۔" نویرہ نے انہیں بستر سے اُترتے دیکھ کر ناگواری سے کہا تھا۔

"کیا کروں شاکرہ تو ہے نہیں اور خود سے اسے کوئی چیز ملنے والی نہیں۔ چاہے وہ آنکھوں کے سامنے ہی کیوں نہ پڑی ہو۔" مصنوعی ٹانگ کا سہارا لے کر وہ اٹھی تھیں۔ دوسری ٹانگ میں درد کی شدید لہر اٹھی تھی۔ ان کے لبوں سے ایک کراہ نکل گئی۔

"اماں! رہنے دیں آپ ادھر لیٹیں' اتنی تکلیف ہے آپ کو۔ بجائے اس کے کہ آپ کی خیریت دریافت کی جاتی بستر پر کیوں لیٹی ہیں پوچھتے۔ الٹا حکم دے کر چلے گئے ہیں۔ آپ بس بیٹھیں یہاں کوئی ضرورت نہیں جانے کی خوامخواہ سر پر چڑھانے کی۔" نویرہ نے بڑے غصے سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے نہیں جا رہی تم جا کر ذرا دیکھ دو۔ خوامخواہ سارا کمرہ خراب کر دے گا۔ چیزیں توڑے گا۔" "ٹھاہ" کی آواز آئی تو انہوں نے اسے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ آپ مجھے دوبارہ ایسا مت کہیے گا۔" اس نے بڑی ناگواری سے کہا تھا۔

"زبردستی تو نہیں میں خود ہی جاتی ہوں۔" وہ پھر اٹھی تھیں۔ مگر اب کی بار اٹھنے سے ٹانگ کا درد اتنا شدید تھا کہ وہ کراہ کر دوبارہ بستر پر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے جن نظروں سے نویرہ کو دیکھا وہ کوفت کا شکار ہوئی۔

"آپ بیٹھیں میں دیکھتی ہوں' مگر اماں آپ اسے اچھی طرح سمجھا دیں اپنا کمرہ صاف ستھرا اور سنبھال کر رکھا کرے' شاکرہ روز شکایت کرتی ہے۔ کمرہ صاف ہوگا تو چیزیں بھی ملیں گی نا۔" وہ کہتی ہوئی اُٹھ گئی۔

نویرہ کا یوں مان جانا اماں کے لیے بڑی خوش آئند بات تھی۔ انہوں نے بڑی مسرت سے اسے دیکھا۔ وہ جوتا پہنتی چادر درست کرتی کمرے سے نکل گئی تھی۔ شارق زمان کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کی انا چیخی تھی۔ اندر کرب و اذیت کے ناگ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اس شخص کے گھر میں اس کے نام پر رہنا اس کی مجبوری تھی' مگر فی الحال وہ اس شخص کو آخری حد تک باور کرانا چاہتی تھی کہ وہ اس میں کیا ہے۔ اس کا اصل چہرہ اس کے روبرو لانا چاہتی تھی۔ مگر اماں کی یہ تکلیف۔

اس نے لب بھینچ کر دروازہ دھکیلا تھا۔ جو پہلے ہی ادھ کھلا تھا۔ کھلے دروازے سے اندر کا سارا منظر نگاہوں میں تھا۔ سارا کمرہ بکھرا پڑا تھا۔ جا بجا قالین پر بکھرے پڑے کشنز' سرہانے بستر پر الماری کی تمام اشیاء ڈھیر تھیں۔ نویرہ نے بڑے تاسف سے اطراف کا جائزہ لیا تھا۔

"کیا مصیبت ہے کوئی چیز ٹھکانے پر نہیں ہے۔ یہ شاکرہ کس مرض کی دوا ہے آجائے ذرا حشر نشر کروں گا اس کا۔"

قالین پر ٹوٹے کانچ کے بکھرے ٹکڑے دیکھے نویرہ نے ایک دم قدم اندر کی طرف بڑھاتے ہوئے

الماری میں سر گھسیڑے گھسے وجود کو دیکھا۔

وہ نجانے کیا ڈھونڈ رہا تھا ایک ایک کرتا بغیر پیچھے دیکھے وہ ہر چیز بستر پر اچھال رہا تھا۔ اپنے ہاتھ میں ایک فائل لیے شارق زماں پلٹا تو سیدھی نگاہ کمرے کی دہلیز پر کھڑے وجود پر پڑی تھی۔ ایک لمحے کو حیرت سے دوچار ہوا تھا۔ نویرہ کا رویہ سب کے سامنے تھا۔ اس رات کے بعد اس نے اس کی جانب کوئی پیش قدمی نہیں تھی۔ نویرہ بھی اسے جہاں دیکھتی تھی آنکھوں میں ڈھیر ساری نفرت لیے وہاں سے ہٹ جاتی تھی۔ نویرہ نے اسے بری طرح انکار کیا تھا اور اب.....

شارق زمان کے چہرے کے زاویے ایک دم بگڑے تھے۔ ایک دم بپھرے انداز میں ہاتھ میں پکڑی فائل بستر پر اچھالی تھی۔ شارق زمان کو اپنی توہین نئے سرے سے ازبر ہوئی تھی۔ وہ پلٹ کر ڈریسنگ روم میں گھس گیا تھا۔

نویرہ نے اپنے اعصاب پر کنٹرول کرتے ہوئے قدم مزید بڑھائے تھے۔ کمرے کی حالت انتہائی بری ہو رہی تھی۔ خود سے اس نے اس کمرے میں قدم نہیں رکھا تھا۔ ہاں شاکرہ اماں کے کہنے پر اس کے کمرے کی صفائی وغیرہ کرتی تھی مگر اب' نویرہ کی صاف ستھری طبیعت پر یہ ابتری بڑی گراں گزری تھی۔ جی چاہا کہ شارق زمان کا حشر نشر کر دے۔ اگر اماں کی تکلیف کا احساس نہ ہوتا تو کبھی اس کمرے میں نہ آتی۔ اس شخص سے اسے اتنی نفرت ہو چکی تھی کہ وہ اس کی کسی چیز کو بھی ہاتھ لگانے کی روادار نہ تھی۔ جی تو چاہا کہ بغیر ایک منٹ ضائع کیے واپس پلٹ جائے مگر پھر اماں کی نظروں کی عاجزی یاد آ گئی۔ اماں اسے مجبور نہیں کرتی تھیں مگر وہ اماں کی تکلیف کا احساس کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

شارق زمان کمرے میں لوٹا تو وہ کمرے کے عین وسط میں ہر چیز کو بڑی ناگواری سے دیکھ رہی تھی۔

''اماں نے مجھے بھیجا ہے۔ کیا چاہیے تھا۔'' وہ بولی تو لگا انگارے چبا رکھے تھے۔

شارق نے اسے استہزائیہ نظروں سے دیکھا۔

''اماں کا نام تو یونہی بدنام کر رہی ہو' پہلے اس گھر میں دوبارہ آنے پر اور اب کمرے میں.....؟'' انداز ایسا تضحیک آمیز تھا اوپر سے شارق زمان کی بے باک چبھتی نگاہیں، نویرہ تو پورے وجود سمیت سلگ اٹھی۔

''شٹ اپ۔''

''یو شٹ اپ۔'' شارق زمان اس سے زیادہ غصے میں دہاڑا تھا۔ ''تمہارا خیال ہے میں تمہارے لیے مر رہا ہوں۔ تم نے جتنا مجھے ذلیل کرنا تھا کر چکی ہو۔ تم جیسی عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ نیک نامی کا چولا پہن کر دوسروں کو ورغلانے والی' بظاہر پاک باز مومنہ کا روپ دھارے۔''

''شٹ اپ۔ آئی سے شٹ اپ۔''

شارق زمان کی اس درجہ گھٹیا جملوں پر وہ ایک دم اشتعال میں آ گئی تھی۔ ''میں جو بھی ہوں تم سے بہتر ہوں۔ تم جیسے گھٹیا بے حس انسان سے بہتر ہوں۔ جس کے دل میں کھوٹ ہو اسے خوف محسوس ہوتا ہے باز پرس کا۔ مجھے کوئی خوف نہیں۔ تم دس لوگوں کو اکٹھا کر لو۔ مجھے تب بھی خوف نہیں۔ تمہارے گھر میں واپس آنا میری مجبوری ہے' مگر تم سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ تم مجھے بھلے کچھ بھی سمجھو۔ آوارہ' بدکردار'

جو بھی۔ میری بلا سے۔ یہ تمہارے گھٹیا ذہن کا صرف گھٹیا پن ہے۔ جو اندر سے کھوکھلے بے نام و نشان ہوں وہ یوں ہی اوروں پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔''

''بکواس نہیں کرو۔'' شارق زمان کی چنگھاڑ نے نویرہ کو خاموش کر دیا تھا۔

''خبردار تم نے مجھے ایسا کوئی طعنہ دیا تو۔'' اس نے بپھرے انداز میں اس کی طرف قدم بڑھائے۔

''دوں گی طعنہ' ہزار بار دوں گی۔ مجھے کوئی مصلحت نہیں روکے گی اب۔ تم بے نام و نشان انسان جس کی اپنی ماں کی کوئی اصلیت نہیں وہ کیسے مجھے بدکردار ثابت کر سکتا ہے۔ تم ثابت کرو شارق زمان۔ میری بدکرداری کا ثبوت دنیا کے سامنے لاؤ میں مانوں گی۔''

''اوہ یو۔'' شارق زمان نے انتہائی بپھرے انداز میں اپنا بھاری بھرکم ہاتھ اس کے منہ پر جڑ دیا تھا۔

''چٹاخ۔'' غصہ و اشتعال سے بھری نویرہ لہرا کر بستر پر گری تھی۔ بھاری بھرم کم فولادی ہاتھ کے طمانچے سے نویرہ کو اپنے اطراف میں تارے ناچتے محسوس ہوئے۔ وہ بلک بلک کر روئی۔

''ثابت ہو چکا ہے اگر رضا حمید چھوٹا ہوتا تو یہ منگنی قطعی نہ ہوتی۔ اور تم جیسی عورتوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ دھوکے باز' فریبی تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ میرے صاف سچے جذبوں کی توہین کی ہے۔ میں نے تم سے صرف اتنی توقع کی تھی کہ تم میری بن کر رہنا اور تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ میں ہر چیز برداشت کر سکتا ہوں مگر دھوکا نہیں۔''

''ہاں دھوکا دیا ہے میں نے' پھر کیا کر لو گے تم۔'' روتے روتے وہ ایک دم سیدھی ہو کر پھنکاری تھی۔ صاف شفاف چہرے پر پھسلتے آنسو اور لڑکھڑاتی آواز۔

''تم میرے گھر سے چلی جاؤ۔''

''ہاں چلی جاؤں گی ایسی جاؤں گی کہ تم سب لوگ یاد رکھو گے۔ پچھتاؤ گے۔ نویرہ احسان کوئی بدکردار نہیں تھی اور تم نے مجھے اب باور کروا دیا ہے اور میں تمہیں شارق زمان دکھاؤں گی کہ بدکرداری کسے کہتے ہیں۔ جو تمہاری ماں اور بہن کر رہی ہیں۔ وہ بدکرداری ہے یا جو میں کروں گی وہ بدکرداری ہے۔ تم اپنے زخم نہ چاٹو تو مجھے کہنا۔ تم نے میری مصلحت آمیزی کو غلط رنگ دیا۔ میری طبیعت میں تم نے نفرت کے شرارے بھر دیے ہیں اور ان شراروں سے میں نے اگر تمہارے وجود کو خاکستر نہ کیا تو کہنا۔''

بستر پر سیدھے ہو کر اپنے آنسو صاف کر کے اس نے کہا تو شارق کا دل چاہا ایک منٹ ضائع کیے بغیر اسے شوٹ کر دیے۔

''دفع ہو جاؤ۔'' وہ غصے سے پھٹا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ایک پل میں کوئی انتہائی قدم اٹھا جائے گا اگر نویرہ اس کے سامنے سے نہ ہٹی تو۔

''دفع تو میں ایسی ہوں گی کہ ساری عمر یاد رکھو گے۔'' وہ طنز سے ہنسی۔ آنسوؤں کے درمیان یہ طنزیہ مسکراہٹ میں بڑا عجیب سا ارتعاش پیدا ہوا تھا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں تمہاری مکروہ صورت دیکھنے کا۔ میں صرف وقت کا انتظار کر رہی ہوں۔ اور جو کروں گی ڈنکے کی چوٹ پر کروں گی۔ میں اپنے بھائیوں کی نظروں سے گری ہوں۔ میری ماں

مجھے اس گھر میں رہنے پر مجبور کر رہی ہے۔ میرے اپنے مجھ سے چھین گئے صرف اور صرف تمہاری وجہ سے۔ تم دیکھنا میں تم سب کو بتاؤں گی میں کیا ہوں۔"

نویرہ کے اندر طوفان سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ جو جی میں آیا کہہ رہی تھی۔

"بڑا شوق ہے تمہیں اپنی اولاد کا۔ بیٹھ کر رونا ساری عمر شارق زمان مجھے بھی اور اپنی اولاد کو بھی تم جیسے بے نام ونشان کی اولاد بھی بے نام ونشان نہ رہ گئی تو مجھے کہنا؟"

وہ غصے سے اپنے اندر کا اُبال نکال رہی تھی۔ شارق زمان چونک کر متوجہ ہوا۔ غصے سے ہٹ کر نویرہ کو دیکھا۔ اس کے الفاظ کچھ ناقابل فہم تو نہ تھے۔

بڑی سختی سے رخساروں کو صاف کرتے وہ بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ جذباتیت میں یہ سب کہہ گئی تھی۔ یا سنجیدگی میں وہ اندازہ نہیں کر پایا تھا۔

"کیا کرو گی تم میرے بچے کے ساتھ؟" نویرہ کا بازو پکڑ کر اس نے بڑے غصے سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ تمہارا بچہ نہیں ہے وہ صرف میرا ہے۔ تمہارا تو تب ہوگا جب تم ثابت کرو گے۔" بڑی بے خوفی سے اس نے شارق زمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔

شارق زمان کو اپنے وجود میں فولاد اترتا محسوس ہوا۔

"ہے ہمت تم میں ثابت کرنے کی' اگر ہے ہمت تو پھر یہ بھی ثابت کرنا کہ تمہارے بچے کو جنم دینے والی عورت بھی بدکردار ہے۔ ورنہ بھول جاؤ۔ تمہاری کوئی اولاد نہیں ہوگی۔ ایسے ہی بے نام ونشان رہو گے تم۔ ان شاء اللہ۔"

شارق زمان کے گرفت سے ہاتھ چھڑاتے وہ پھنکاری تھی۔

نویرہ کے الفاظ نے شارق زمان کو اتنا الجھا دیا کہ وہ صرف اسے دیکھے گیا تھا۔

"یہ میری تمہارے لیے بد دعا ہے۔ مجھے تم سے کوئی لینا دینا نہیں۔ اس کمرے تک آنا بھی میری مجبوری تھی اب تم جو مرضی وہ ثابت کرو یا مہر ثبت کرو۔ میری بلا سے' مگر میری نفرت کو مت آواز دو۔ شارق زمان میں تو بدنام ہوگئی تمہاری نیک نامی بھی جائے گی۔ یاد رکھنا۔"

بساط جاں پہ عذاب اترتے ہیں کس طرح
شب و روز یہ عقاب اترتے ہیں کس طرح
کبھی عشق ہو تو پتا چلے
یہ جو روگ ہیں چھپے ہوئے ہیں جسم و جاں میں
تو یہ کس لیے
یہ جو اضطراب رچا ہوا ہے وجود میں
تو یہ کیوں بھلا
یہ جو سنگ سا آ گرا ہے وجود میں

تو یہ کس لیے
یہ جو دل میں درد چھڑا ہے لطیف سا
تو یہ کب سے ہے
یہ جو پتلیوں میں عکس ہے کوئی خفیف سا
تو یہ کب سے ہے
یہ جو لوگ پیچھے پڑے ہوئے ہیں فضول میں
انہیں کیا پتا انہیں کیا خبر
کسی راہ کے کسی موڑ پر خود انہیں ذرا
کبھی عشق ہو تو پتا چلے

یونہی بیٹھے خود فراموشی کے عالم میں نجانے کتنے زمانے بیت گئے تھے۔ اپنے آپ سے لڑتے۔ اپنے رویوں کو بہلاتے اپنی لغزشوں پر پشیمان ہوتے نجانے کتنے لمحے فریب خوردہ ٹھہرے تھے۔

طوفان ہستی میں آئے یا بستی میں تباہی تو دونوں طرف ہوتی ہے۔ بس فرق یہ ہوتا ہے کہ بستی کی تباہی انسانوں کی نظر میں آتی ہے اور ہستی کی تباہی صرف اندرونِ جسم تک محدود رہ جاتی ہے۔ جذبے و جذبوں میں موج خیز ہو تو طوفان بھی سنگین ہوتے ہیں۔ ایسے طوفانوں کا مداوا شاید وقت بھی نہیں کر پاتا۔ جو زخم حالات نے دیے تھے وہ تو شاید بھر جاتے مگر جو زخم اپنی لغزشوں سے انسان سہتا ہے وہ شاید ہی بھر پاتے ہیں۔ عمر بھر کا روگ ضرور بن جاتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی کبھی عشق ہو تو پتا چلے۔

"نواز۔" بڑے دھیمے سروں میں کوئی پکارا تھا۔

نورینی محبت کی گہرائی میں ڈوبی بڑی جذب سے آمیز آواز تھی۔ نواز فاروق نے اپنی ذات کی تنہائیوں سے نکل کر اپنے سامنے کھڑے مجسم پیکر کو دیکھا۔

رومینہ علی' اپنی تمام تر شدتوں سمیت کھڑی تھی۔ بعض اوقات شدتیں بھی بہت بڑا امتحان بن جاتی ہیں۔ اس وقت بھی رومینہ کی آنکھوں کا لودینا تاثر۔ نواز نے ہمیشہ کی طرح نگاہیں چرا لی تھیں۔

"رومینہ تم..... آؤ پلیز.....! اپنے بکھرے سراپے کو سمیٹے خوش دلی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

رومینہ جھجکتے قدم اٹھاتی اندر بڑھ آ گئی تھی۔

نواز فاروق نے اٹھ کر کمرے کی لائٹس آن کر دی تھیں' کھڑکیوں کے پردے ہٹاتے کھڑکیاں کھول دی تھیں۔

رومینہ نے بغور اونچے لانبے متناسب سراپے کو دیکھا۔ آنکھوں میں جذبے سے سر اٹھانے لگے تھے۔

"آپ کیسے ہیں؟" کمرے کی بوجھل فضا کو رومینہ کی آواز نے منتشر کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" نواز نے باہر دیکھا ڈھلتی شام کا منظر بھرپور تھا۔

"کچھ ڈسٹرب لگ رہے ہیں؟"

نواز نے چونک کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں جذبوں کا ایک جہاں آباد کیے دیکھ رہی تھی' نواز کے

دیکھنے پر سر جھکا کر انگلیاں مسلنے لگی تھی۔ بڑی اضطراری حرکت تھی یہ اس کی۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"میں کل بھی آئی تھی اور پرسوں بھی مگر آپ پچھلے تین دنوں سے صرف اپنے کمرے تک محدود ہیں۔ کیا بات ہے پلیز بتائیں۔" اپنے لہجے کے مکمل خلوص سے گویا تھی۔

نواز نے لب بھینچ لیے۔

"اوکے! آپ نہیں بتانا چاہتے تو رہنے دیں مگر اتنا تو بتا دیں میرا کیا قصور ہے۔ میں نے کل سے لے کر اب تک کئی کالز کی ہیں' مگر آپ نے ایک بھی ریسیو نہیں کی۔" شکوہ لبوں سے پھسلا تھا۔

نواز فاروق کو ندامت سی ہوئی۔

یہ لڑکی ان کے رویہ سے ہمیشہ ہرٹ ہو جاتی تھی۔ ہر بار وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ہرٹ کر جاتے تھے۔ جب کہ یہ محض پر خلوص سی لڑکی ان کے لیے کتنا محبت بھرا دل رکھتی تھی۔ کیا ہو نہیں جانے تھے؟ مگر وہ نظر انداز کرنے پر مجبور تھے کہ ان کا دل ان کے بس میں نہیں تھا اور اب رویہ کا یہ شکوہ انہیں شرمندہ کر گیا تھا۔

"سوری۔" ہمیشہ کی طرح نواز نے اب بھی اس سے اپنے رویے کی معذرت کر لی تھی۔ رویہ کے اندر چھن سے کوئی چیز ٹوٹی تھی۔ وہ اس شخص سے جی بھر کر لڑنا چاہتی تھی۔ اپنا حق جتانا چاہتی تھی۔ محبت اور مان کے مظاہرے کرنا چاہتی تھی مگر' نواز فاروق کے اس عام سے رویے نے اسے ہمیشہ دکھی کیا تھا۔

"کسی ایک نقطے پر ٹھہر جانا موت ہوتی ہے۔ ہر چیز کی نو یرہ آخری حد تو نہیں تھی نواز۔" بڑے کرب سے وہ بولی تھی اور نواز نے لب بھینچ لیے تھے۔

"آپ مجھے اس طرح اگنور کرتے ہیں تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی کوئی نس کاٹ لوں۔ کیا میں بہت بری ہوں نواز اتنی بری کہ میں آپ کے رستے میں کہیں بھی نہیں ہوں۔" وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔ نواز نے دیکھا چھلکتی ساغر آنکھیں یاقوتی مرمریں لب اور ساحر مکھڑا۔ ایک مرد کا طلب اس قیامت خیز حسن سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔

"میں محبتوں سے آپ کو جیتنا چاہتی ہوں نواز' آج بتائیں میرے وجود میں ایسی کوئی بھی بات نہیں جو آپ کو متاثر کر جائے۔ کہتے ہیں جہاں محبتیں بے اثر ہوں وہاں وجود جل جاتے ہیں۔ کیا میرا وجود بھی آپ کی ٹھہری زندگی میں کوئی ہلچل لانے' کوئی رونق پیدا کرنے سے قاصر ہے۔" رخساروں پر بکھرے آنسو۔ وہ تو پوری قیامت تھی ایک جیتی جاگتی قیامت مگر نواز کو تو محبت نے لوٹا تھا۔ دل بنجر تھا اور بنجر زمینیں ایسی زرخیز فصلوں کے قابل کہاں رہتی ہیں۔

"کیا میرے اندر کوئی کشش نہیں' لوگ کہتے ہیں میں بہت خوب صورت ہوں۔ کیا میری خوب صورتی کچھ بھی نہیں۔ آپ کیوں ڈسٹرب ہیں مجھے علم نہیں' مگر مجھے لگ رہا ہے کہ جیسے میرا وجود آگ میں جل رہا ہے۔ محبت بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ آپ تو خود محبت کر چکے ہیں۔ پھر دوسروں کو کیوں آزمائش میں ڈالے ہوئے ہیں بولیں۔ جواب تو دیں۔"

نواز کو اپنا وجود سناٹوں کی زد میں آتا محسوس ہوا تھا۔ وہ یوں براہِ راست کٹہرے میں گھسیٹ لے گی اندازہ نہ تھا۔ ان کی ذات تو پہلے ہی عذاب میں تھی اور اب نئی اور آزمائش؟

"رویہ!" انہوں نے اس کے شکوے پر ٹوکا تھا۔

"نواز پلیز' مجھے اس انتظار سے نکال دیں۔ مر رہی ہوں میں۔ بھلے محبت نہ دیں مگر میری محبت کو تو قبول کریں' مجھے یوں مت دھتکاریں میں اپنی نظروں میں ہی گرنے لگی ہوں۔"

نواز کو اپنا آپ مجرم محسوس ہوا۔ آج سے پہلے رویہ کی صرف آنکھیں بولتی تھیں اور آج اس کی زبان بے کلام تھی اور نواز کو اپنا آپ گہرے طوفان کی زد میں آتا محسوس ہو رہا تھا۔

"تمہیں علم تو ہے۔ تم ہی وہ واحد ہستی ہو جس سے امی کے بعد میں نے اپنی دل کی کیفیت بتائی ہے۔ رویہ میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں بہت زیادہ۔ میں تمہاری محبت کے قابل نہیں ہوں۔ مجھ پر اپنے جذبات کا اتنا بوجھ مت ڈالو۔ میں پہلے ہی بہت خستہ حال ہوں۔ میں کبھی بھی تمہارے ساتھ انصاف نہیں کر پاؤں گا۔" وہ آخر رویہ کے جذبوں کے سامنے ہار ماننے پر مجبور ہو گئے تھے۔ بڑی بے چارگی تھی لہجے میں۔ بڑا اضطراب تھا آواز میں۔

"مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے نواز۔ آپ میرے سگے پھوپھی زاد ہیں۔ بڑا گہرا تعلق ہے ہمارا' مگر یہ دل صرف اس تعلق پر انکساری کا اظہار نہیں کر پا رہا ہے۔ آپ کو کسی سے تو شادی کرنا ہی ہے نا تو پھر اس کسی میں "میں" کیوں نہیں ہو سکتی؟"

"رویہ؟" انہوں نے بڑے کرب سے اس کی ساحر آنکھوں میں جھانکا تھا۔ وہ تو ابھی تک زرش کی طرف سے ہونے والے انکشاف پر ششدر تھے اور یہ نیا طوفان اُٹھ آیا تھا۔

"پلیز سوچیے گا ضرور۔ ماما' پاپا آج کل بہت پرشوق ہو رہے ہیں۔ میں کہیں اور نہیں جانا چاہتی۔ مجھے آپ سے یہی بات کرنی تھی۔ میں بہت پہلے کر لیتی' مگر پرسوں میرے لیے آنے والے پرپوزل نے مجھے یہ قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا ہے۔ مجھے غلط نہیں سمجھیے گا۔ پلیز پھپھو سے ضرور بات کیجیے گا۔"

نواز نے لب بھینچ لیے۔

"میں بہت ڈسٹرب ہو کر آپ سے یہ کہہ رہی ہوں۔ ورنہ کبھی یہ قدم نہ اٹھاتی۔ مجھے غلط نہیں سمجھیے گا کہ ایک بات کہوں گی سیانے کہتے ہیں اگر محبت آپ سے چھن جائے تو اسے اپنا لو جو آپ سے محبت کرتا ہے۔ آپ کو زندگی سے محبت ہو جائے گی اور اگر ایک بار زندگی سے محبت ہو جائے تو پھر محبت دل میں گھر کر لیتی ہے۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے آہستگی سے کمرے سے نکل گئی تھی اور نواز فاروق ششدر کھڑا رہ گیا تھا۔

✿.....✿.....✿

لڑکی کی طبیعت خراب تھی۔

ماما کو پتا چلا تو زرش کو ہمراہ لیے اس کی عیادت کو گئی تھیں اور وہاں جا کر جو خوش خبری سننے کو ملی وہ لکھا نہیں تھی کہ شائستہ تو ایک طرف زرش کی آنکھوں میں بھی خوشی تشکر کے آنسو سمٹ آئے تھے۔

وہ سارا دن نوشی کے ہاں بزی تھی۔ اسے مختلف جملوں سے چھیڑتی رہی تھی۔ شرمائی لجائی نوشی کے چہرے پر جو روشنی تھی ایسی دل نشیں اور روح پرور تھی کہ زرش کو آنکھیں جھکانا مشکل لگ رہا تھا۔

شام کو واپس پر زرش اصرار کر کے نوشی کو ہمراہ لے آئی تھی۔ وہ کل شام سے ادھر ہی تھی اور زرش کی شرارت بھری نگاہوں کے حصار اور جملوں سے سرخ انار بنی ہوئی تھی۔

''ہائے نوشی کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ میں جب بھی تصور کرتی ہوں کہ میں خالہ بننے والی ہوں تو دل چاہتا ہے کہ تمہیں بازوؤں میں لے کر جھوموں عفان بھائی اور آنٹی کتنے خوش ہیں۔ ہیں ناں۔''

وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھی تھیں زرش کی بات پر وہ ہنس دی۔

''پہلی دفعہ تو خالہ نہیں بن رہی ہو تم۔'' اس کے والہانہ پن پر اسے کہا تو وہ ہنس دی۔

''ہاں مگر تم تو اماں جان کے عہدے پر پہلی دفعہ جلوہ افروز ہو رہی ہو۔ آج عفان بھائی سے ٹریٹ پکی ہے۔ مگر تم کو کہنا ہے خود سے۔''

''میں نہیں کہوں گی خوامخواہ شرم آئے گی۔ تم کہنا باہر کسی ہوٹل سے رات کا ڈنر کریں گے۔''

''اچھا کہہ دوں گی۔ تم اب اس ٹاپک کو چھوڑو اپنی تیاری کرو۔ ڈیٹ شیٹ تو آ گئی ہے نا۔'' اس نے زرش کی توجہ ارد گرد بکھری کتابوں اور نوٹس پر دلائی۔ زرش نے منہ بسورا۔

''تیاری میری اے ون ہے۔ بڑی زبردست۔ تم اپنا وعدہ یاد رکھو۔ آج عفان بھائی جب لینے آئیں گے تو ضرور کہنا ہے۔ بھولنا نہیں۔''

''او کے بابا کہہ دوں گی۔'' وہ زچ ہو کر ہنس دی۔ بڑی پیار بھری نگاہ زرش کے چمکتے دمکتے چہرے پر ڈالی۔ خوشی سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔

''زرش بی بی یہ آپ کے لیے آیا ہے۔'' اسی دم چوکیدار ہاتھ میں ایک گفٹ پیک اٹھائے چلا آیا تھا۔

''میرے لیے؟'' وہ حیران ہوئی نوشی کو دیکھا۔ ''کون لے کر آیا ہے؟'' پیکٹ پر اسلام آباد کا ایڈریس تھا۔ زرش نے لب بھینچ لیے۔

''کوئی ٹی، سی، ایس کا آدمی ہے۔ کہہ رہا تھا کہ یہاں سائن کر دیں۔'' زرش نے خاموشی سے سائن کر کے چٹ انہیں تھما کر گفٹ تھام لیا تھا۔

''سمعان بھائی نے بھیجا ہے۔'' زرش کے چہرے کے تاثرات سے نوشی نے فوراً اندازہ لگایا تھا۔

''ہوں۔'' اس نے بے دلی سے گفٹ قالین پر ڈال دیا۔

اس رات سمعان کے اس کے پاس ٹھہرنے کے بعد اگلی صبح ہونے والی طاہرہ بیگم سے بدکلامی نے اس کے دل سے ساری خوشی کو نوچ کر نکال پھینکا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ شادی کے بعد اس رشتے کے حوالے سے خاصی جذباتی تھی۔ سمعان احمد اور اپنے درمیان تعلق کو اتنا سوچا کہ دل میں ایک جگہ بننے لگی تھی اور اس صبح طاہرہ بیگم کی کال نے سمعان احمد کی ساری محنت نہ صرف ضائع کی تھی بلکہ زرش اس کے دل و دماغ کو سمعان سے اتنا متنفر کر دیا تھا کہ وہ اس دن کے بعد سمعان کے تصور سے بھی بچنے لگی تھی۔

وہ سمعان احمد سے سخت خفا تھی۔ سمعان نے اس کے بعد کئی کالز کی تھیں، مگر اس نے گو اقسم کھالی

تھی کہ اب سمعان احمد سے بات نہیں کرنی۔ کبھی کوئی خوش فہمی نہیں پالنی سمعان کی کسی بات پر دھیان نہیں دینا۔

اور اب سمعان احمد کی طرف سے موصول ہونے والے اس پیکٹ نے اسے پھر متنفر کر دیا تھا۔

نوشی نے زرش کے تیور بغور ملاحظہ کیے تھے۔

''دیکھو تو سہی کیا بھیجا ہے سمعان بھائی نے۔'' وہ صوفے سے اٹھ کر اس کے برابر ہی قالین پر آ بیٹھی تھی۔

''مجھے نہیں دیکھنا۔ مجھے جب ان سے کوئی تعلق نہیں رکھنا تو پھر وہ ایسی چیپ حرکتیں بھی کیوں کرتے ہیں۔'' وہ غصے سے بولی تو نوشی نے خاموشی سے اس کے غصیلے انداز کو دیکھا۔

''سمعان بھائی کے جذبے جھوٹے نہیں ہے زرش۔ وہ تمہارے لیے ایک مضبوط پناہ اور باوقار سہارا ہیں۔ اپنے دل میں تھوڑی سی گنجائش تو پیدا کرو۔'' اس نے زرش کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''نفرت ہے مجھے ان کے جذبوں سے جنہوں نے مجھے رسوا کر کے رکھ دیا ہے۔ وہ مجھے کوئی سہارا کوئی پناہ نہیں دے سکتے۔ جو اپنی ماں کے الزام کو غلط نہیں باور کروا سکتا وہ مجھے کیسے ایک باعزت باوقار زندگی دے سکتا ہے۔ مجھے ان سے کوئی امید کوئی توقع نہیں ہے۔ کچھ نہیں لینا دینا مجھے ان سے۔'' زرش کا انداز بے لچک اور ہٹیلا تھا۔ نوشی نے خاموشی سے پیکٹ تھام لیا۔

''دیکھیں تو سہی کیا بھیجا ہے سمعان بھائی نے اپنی زوجہ محترمہ کے لیے۔'' زرش کی نظروں کو نظر انداز کر کے اس نے مسکرا کر پیکنگ ہٹائی تھی۔

اندر کوئی گفٹ پیک تھا خوب صورت ریپر میں لپٹا ہوا، اس کے اوپر کارڈ رکھا ہوا تھا۔ نوشی نے اسے دیکھتے ہوئے کارڈ اٹھا لیا تھا۔ زرش لب بھینچے دیکھ رہی تھی۔

''لو کھولو۔'' اس نے بند کارڈ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے گردن نفی میں ہلا دی۔

''زرش پلیز کھولو تو سہی۔''

''تم کھول لو۔''

''اجازت ہے نا۔ تمہارے میاں کا بھیجا کارڈ ہے پرسنل بھی ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے اندر سے خوشبوؤں سے بھرا کوئی خط وغیرہ نکلے۔ آخر کو تم جیسی ظالم محبوبہ کے شوہر ہیں تمہارے تیوروں سے ڈرتے ہوئے انہوں نے شاید کارڈ کی صورت میں اظہار محبت کیا ہو۔'' نوشی کی شرارت بھری چھیڑ چھاڑ پر بھی وہ ٹھس بنی بیٹھی رہی۔

''ہائے حسرت ان غنچوں پر۔'' ایک مصنوعی سانس کھینچتے نوشی نے کارڈ کا ریپر پھاڑ دیا تھا۔ اندر سے بڑا پیارا کارڈ نکلا تھا۔ سرخ گلابوں سے سجا ''آئی مس یو'' کا بڑا زبردست کارڈ تھا۔ زرش کی نگاہیں بھی کارڈ پر ہی تھیں۔ نوشی نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا اور زیر لب مسکرا دی۔ کارڈ کھولا تو اندر گلابی صفحہ برآمد ہوا تھا۔

''ہوں..... ہوں۔'' نوشی نے بڑی معنی خیز نظروں سے زرش کو دیکھا۔ پہلی دفعہ زرش کے چہرے پر

سرخی کی لہر سرائیت کرتی گئی تھی۔ تاہم وہ خود کو ٹھس ثابت کیے بیٹھی رہی تھی۔

"دیکھ لو کچھ پرسنل بھی ہو سکتا ہے۔" اس نے گلابی صفحہ اس کی طرف بڑھایا۔

"میرے لیے اس میں کچھ بھی پرسنل نہیں ہے۔ تم پڑھ لو اور بے شک ساری دنیا کو پڑھا دو۔" وہ تلخی سے گویا تھی۔

نوشی نے ناچار گلابی کاغذ کی تہیں کھولی تھیں۔

"بڑے برے پھنسے ہیں سمعان بھائی۔" وہ ہنسی تھی۔

کہیں چاند راتوں میں کھو گیا کہیں چاندنی بھی بھٹک گئی
میں چراغ وہ بھی بجھا ہوا میری رات کیسے چمک گئی

اشعار کی صورت میں بڑا خوب صورت اظہار تھا۔

نوشی نے با آوازِ بلند دُہرایا تو زرش کا دل بڑے عجیب سے انداز میں ڈھرکا تھا۔

مری داستان کا عروج تھا تری نرم پلکوں کی چھاؤں میں
مرے ساتھ تھا تجھے جاگنا تری آنکھ کیسے چھلک گئی

نوشی کا اشعار پڑھنے کا سلیقہ و انداز اتنا خوب صورت تھا کہ زرش نہ چاہتے ہوئے بھی متوجہ تھی۔

کبھی ہم ملے بھی تو کیا ملے وہی دوریاں وہی فاصلے
نہ کبھی ہمارے قدم بڑھے، نہ کبھی تمہاری جھجک گئی

اوئے ہوئے۔" زرش تو ایسی سرخ ہوئی کہ گویا قندھاری انار ہو۔ اوپر سے نوشی کی والہانہ معنی خیز نگاہوں کا تاثر۔

کبھی اُجلا اُجلا سا نام ہوں کبھی کھویا کھویا کلام ہوں
مجھے صبح کرنوں سے بھر گئی مجھے شام پھولوں سے ڈھک گئی
تجھے بھول جانے کی کوششیں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں
تری یاد شاخِ گلاب ہے جو ہَوا چلی تو لچک گئی

"سمعان بھائی نے گویا پوری داستانِ محبت سنا ڈالی ہے بہ زبان شاعری، اپنی ساری کیفیت بیان کر ڈالی ہے۔ ظالم لڑکی کچھ تو ترس کھاؤ ان بیچاروں پر۔ اب وہ اتنے بھی خطاوار نہیں۔ جتنی تم بے قصور ہو۔ وہ بھی اتنے ہی بے قصور ہیں۔ کچھ تو اپنے رویوں پر نظر ثانی کرو۔ سوچو، سمجھو اس طرح تو تعلق ٹوٹ جاتے ہیں زری! کشیدگیاں سمٹ آتی ہے، قربت محبت کو جلا بخشتی ہے، غور تو کرو۔ ان کا قصور صرف محبت کرنا ٹھہرا ہے کیا؟" زرش کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ہاتھ میں کارڈ اور کاغذ دونوں رکھتے ہوئے اس نے کچھ شرارت اور پھر سنجیدگی سے کہا تھا۔

"تم کچھ نہیں جانتی۔ تم مت بولو، انہوں نے مجھے ہرٹ کیا ہے۔ میں الزام بن کر نہیں جی سکتی قطعی نہیں۔"

سمعان کے جذبوں سے تو وہ بھی گھائل ہو گئی تھی۔ اور وہ "رات"۔ جیسے اس کے دل میں ٹھہر گئی

تھی۔ چوٹ آہستہ آہستہ دل پر لگ رہی تھی۔ بلکہ وہ پگھل رہی تھی۔ ایسی محبت ہو تو پتھر بھی پگھل جاتے ہیں۔ وہ تو ایک حساس سی نرم و نازک جذبات کی مالک لڑکی تھی۔ فوراً چٹخی تھی۔

"زرش پلیز۔" نوشی نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی ہتھیلیوں میں جکڑ لیے تھے۔

"اپنے اندر لچک پیدا کرو۔ میری طرف ہی دیکھو۔ ہم دونوں کی شادی ایک ساتھ ہی ہونی ہے، میں ایکسیپٹ کر رہی ہوں اور تم زرش اس طرح اپنی زندگی ضائع مت کرو۔"

نوشی کے الفاظ پر اس نے اپنا چہرہ جھکاتے ہوئے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

"اچھا یہ پیکٹ تو کھول اس میں دیکھو کیا ہے۔ سمعان بھائی جیسے نفیس شخص سے خاصی اچھے سے گفٹ کی ہی توقع ہو سکتی ہے۔ یہ تم کھولو تو۔" اس نے زبردستی زرش کے ہاتھ میں ریپر میں لپٹا پیکٹ تھما دیا تھا۔ زرش نے خاموشی سے ریپر اتار دیا تھا۔ اندر سے سرخ مخملیں کیس دیکھ کر اس نے بے اختیار نوشی کو دیکھا۔

"لگتا ہے سمعان بھائی نے کوئی جیولری بھیجی ہے۔" اس نے قیاس آرائی کی تھی۔

زرش نے آہستگی سے کیس کھولا تھا۔ اندر سے بہت پیاری جگمگ جگمگ کرتے ٹاپس کی جوڑی نظر آئی تھی۔

"واہ، زبردست۔" نوشی نے فوراً کیس تھاما تھا۔ "ہائے اللہ کتنے پیارے ہیں۔ سمعان بھائی کی چوائس ہمیشہ زبردست ہوتی ہے۔" ٹاپس دیکھتے ہوئے اس نے کہا تو زرش کو اپنے دل میں عجیب سے احساسات پیدا ہوتے محسوس ہوئے اتنی دور بیٹھے بھی وہ شخص جذبوں سے مالا مال اور وہ....."

"لاؤ پہناؤں؟" نوشی نے فوراً ٹاپس انگلیوں میں تھامے تھے۔

"نہیں رہنے دو۔ وہ جھینپ گئی تھی۔ فوراً پیچھے ہٹی تھی۔

"زرش! ہر بات میں انکار اچھا نہیں ہوتا۔ آرام سے پہنا نے دو ورنہ میں مار دوں گی۔ سمعان بھائی نے نجانے کتنی محبت سے بھیجے ہوں گے۔ ان کی چوائس تو اتنی زبردست اور پرفیکٹ ہوتی ہے کہ رشک آتا ہے۔"

زرش خاموش ہو گئی تھی۔ نوشی نے اس کے کانوں میں ٹاپس پہنا دیے تھے۔ ان ٹاپس نے زرش کے چہرے کو بڑی پیاری لُک دی تھی۔

"زرش! ایمان سے بڑے پیارے لگ رہے ہیں۔ کتنے سج رہے ہیں تمہارے کانوں میں لگتا ہے سمعان بھائی نے اسپیشل تمہارے لیے ہی بنوائے ہیں۔"

زرش کو اپنے رخسار آگ کی مانند دہکتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ جتنی بھی نفرت کا اظہار کرتی مگر یہ رشتے اسے ہر بار پسپا ہونے پر مجبور کر دیتے تھے۔ خاص طور پر سمعان احمد کے حوالے سے مگر وہ ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ اپنے قدموں میں مضبوط اپنی انا کے حصار میں قید رہنا چاہتی تھی۔

"زرش! ماما، پاپا کا خیال ہے کہ تمہارے ایگزیمز کے بعد تمہیں سمعان بھائی کے ساتھ ہی اسلام آباد بھیج دیں گے۔ یار! اپنے رویے میں تھوڑی بہت لچک پیدا کرو۔ اس طرح تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔ اب سمعان بھائی کا حوالہ ہی تمہاری اصل پہچان ہے۔"

"مگر نوشی میں ایسا نہیں چاہتی۔ میں کہیں بھی نہیں جاؤں گی۔ تائی خود آکر اپنے رویوں کی وضاحت کریں گی اپنے الزامات واپس لیں گی تو تب شاید کچھ ممکن ہو' مگر ایسے قطعی نہیں۔ تم نے نہیں سنا مگر میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے یہ لوگ' رشتے دار میرے بارے میں کیا کیا گمان کرتے ہیں۔ کس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔ یہ رشتا میرے لیے صرف ایک الزام ہے اور کچھ نہیں میری روح زخمی ہوئی ہے۔ میرے احساسات میرے جذبات کا خون ہوا ہے۔ میں کیسے یہ سب سہہ لوں۔ برداشت کرلوں تمہیں نہیں پتا سمعان احمد کا صرف ایک رات ہمارے ہاں رکنا ان کی ماں کو مجھ پر کیچڑ اچھالنے کا کیا نادر موقع فراہم کر گیا تھا اور انہوں نے اپنی ماں کے غلط رویے پر انہیں ایک لفظ بھی نہ کہا تھا۔"

"تمہیں کس نے کہا ہے یہ سب؟" نوشی کے لیے یہ بات نئی تھی۔ اس نے حیران ہو کر زرش کو دیکھا۔

"اسی صبح ان کی والدہ کا فون آیا تھا۔ ان کے موبائل پر وہ باتھ روم میں تھے میں نے کال ریسیو کی تھی اور پھر....."

نوشی بے یقینی سے دیکھنے لگی۔

"سمعان بھائی کو پتا ہے ان کی امی نے کال کی تھی؟"

"ہوں' انہوں نے سب سنا تھا' بجائے اپنی ماں کو غلط کہنے کے انہوں نے خاموشی اختیار کی تھی۔ وہ مجھے عزت دینے کی بات کرتے ہیں' مگر اپنی ماں کے لیے ایک بھی غلط لفظ کو "غلط" ثابت نہیں کر سکتے۔ ثابت کرنا تو ایک طرف انہوں نے شکوہ تک نہ کیا۔ کہ انہوں نے ایسا رویہ کیوں اختیار کیا ہے؟ تم کیسے کہہ سکتی ہو ان کے ہمراہ اسلام آباد جا کر میں کسی الزام کی زد میں نہ آؤں گی۔ بلکہ ان کا حوالہ یہ رشتہ ہی میرے لیے ایک الزام ہے' اگر میرے اختیار میں ہو تو میں ایک جھٹکے میں اس رشتے کو توڑ دوں....."

"زرش.....!" نوشی نے دہل کر اسے دیکھا۔ وہ اس قدر بھری بیٹھی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"پلیز مجھ سے اس سلسلے میں بات مت کیا کرو۔ میرے زخم نئے سرے سے تکلیف دینے لگتے ہیں۔ بڑی مشکل سے خود کو جوڑ پائی ہوں۔ کرچی کرچی خود کو جا کر سنبھالا ہے۔ ایسے میں تم لوگ یہ موضوع چھیڑ کر میرے زخموں کو ہوا دیتے ہو۔ کوئی تو ایسا ہو جو مجھے بھی سمجھے۔ میرے موقف کی حمایت کرے۔ میں اس رشتے کو ایسے ہی رہنے دینا چاہتی ہوں۔ بھول نہیں سکتے تم لوگ کہ ہم میں کوئی رشتا نہیں۔ عام لوگوں کی طرح بھی تو زندگی گزر سکتی ہے نا۔"

نوشی بس خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔ زرش غلط نہیں تھی' مگر اب وہ سمجھوتے کی راہ اپنانے کے بجائے ایک ضد پر ڈٹ گئی تھی۔ زرش کے ساتھ جو ہو چکا تھا وہ حق بہ جانب تھی' مگر سمعان بھائی کو ناحق سزا ملے یہ بھی تو ان کا دل گوارہ نہیں کر رہا تھا۔ زرش کی طرف دیکھتے ہوئے نوشی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے کیسے سمجھائے کہ وہ حالات کا ادراک کر سکے۔ جو ہونا وہ تو ہو چکا یہ بچے کھچے رشتے کیسے بچانے تھے یہ زرش سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

سعید احمد فرح کے لیے کوئی مناسب رشتہ دیکھ رہے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے پرانے دیرینہ دوست جلال الدین سے بات کی تھی۔ جلال الدین گزشتہ کئی برسوں سے اپنی فیملی سمیت بیرون ملک مقیم تھے پچھلے سال وہ دو بار پاکستان سیٹل ہوئے تھے۔ ان کے تین بچے (دو بیٹیاں اور ایک بیٹا) تھے۔ سمعان کی شادی پر انہوں نے ان کو انوائٹ کیا تھا۔ تب صرف جلال الدین اور ان کی مسز ہی آسکے تھے۔ سعید احمد نے جب جلال الدین صاحب سے کوئی اچھا اور مناسب رشتہ فرح لیے دکھانے کو کہا تو انہوں نے ہامی بھر لی تھی۔

گھر جا کر انہوں نے اپنی مسز سے بات کی تھی۔ ان کا بیٹا ولید انٹیلی جنس میں چند ماہ پہلے ہی جاب حاصل کر پایا تھا۔ وہ دونوں بیٹیوں کی شادی کے بعد اب بیٹے کے لیے اچھے سے رشتے کی تلاش میں تھی۔ جلال الدین کی بات سن کر انہوں نے فرح کو دیکھ لینے کا مشورہ کیا تھا۔ جلال الدین صاحب کو بھی یہ بات اچھی لگی تھی۔

دو دن پہلے وہ دونوں میاں بیوی باقاعدہ رشتہ لے کر آئے تھے۔

سعید احمد' ولید سے مل چکے تھے۔ بڑا سلجھا ہوا ذہین نوجوان تھا۔ وہ خاصے متاثر ہوئے تھے اور اب جب ولید کے لیے فرح کی بات چلی تو وہ خاصے خوش ہوئے تھے۔ جلال الدین کی فیملی کو وہ بہت اچھی طرح اور گہرائی سے جانتے تھے۔ بے شک بہت سارا وقت ان لوگوں کا باہر گزرا تھا مگر سعید احمد کے رابطے میں یہ لوگ مسلسل تھے۔

سعید احمد نے دونوں میاں بیوی کو سوچ سمجھ کر جواب دینے کو کہا تھا۔

فرح کے لیے آنے والا یہ پہلا رشتہ نہیں تھا۔ سب سے پہلے نفیسہ آپا نے سعد کے لیے بات کی تھی۔ وہ دل سے اس رشتے پر راضی بھی تھے' مگر بعد میں جو بھی حالات ہوئے تھے ان کی سوچ یکسر بدلی تھی۔ نفیسہ بیگم نے طاہرہ سے اپنے بیٹے امجد کے لیے بھی بارہا کہا تھا' مگر وہ انکاری تھے۔ خاندان میں ایک دو جگہوں سے اور بھی وقتاً فوقتاً انہیں پوچھا گیا تھا' مگر اب انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ فرح کی شادی خاندان میں نہیں کریں گے۔ اسی سوچ پر کاربند انہوں نے جلال الدین کو کوئی رشتہ دکھانے کو کہا تھا۔ وہ جتنی جلدی ممکن تھا فرح کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ ان کے اور طاہرہ بیگم کے نجی (ازدواجی) حالات جس نہج پر تھے وہ ان حالات میں فرح کی طرف سے اب تاخیر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ خاندان میں رشتہ طے کر لینا اب قطعی ممکن نہ تھا۔ سعد کا زرش کے لیے انکار کرنا اور پھر پیش منظر سے فرار اختیار کرنا سعد کی فرح کے لیے پسندیدگی کا علم ہونا (بے شک یہ بات آپا اور ان کی فیملی نے ہر لحاظ سے چھپانے کی کوشش کی تھی مگر ایک ہی خاندان میں رہتے ہوئے انہیں بھی علم ہو ہی گیا تھا یہ کیسے علم ہوا؟ علیحدہ بات تھی)۔ وہ اب خاندان میں کسی جانب دیکھنے پر تیار نہ تھے۔ طاہرہ بیگم خود بھی الجھ چکی تھیں۔ بے شک جلال الدین صاحب نے رشتے کا ذکر صرف ان دونوں میاں بیوی کے سامنے ہی کیا تھا اور سعید احمد نے سوچ سمجھ کر جواب دینے کا کہا تھا' مگر وہ پریشان ہو گئی تھیں۔ ان حالات میں نفیسہ آپا کو امجد کے لیے ہامی بھرنا اپنے آپ کو تباہ کرنے والا حال تھا۔

آپا نے جس طرح خاموشی اختیار کی تھی وہ بھی دھیمی پڑ گئی تھیں' مگر معراج بھائی بھی اپنے بیٹے فیصل کے لیے کہہ چکے تھے۔ براہِ راست سعید احمد سے بات کی تھی مگر اب سعید احمد کا یوں باہر رشتہ دیکھنا انہیں الجھا گیا تھا۔ تاہم وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہ تھیں۔ سمعان کے بعد اب ایسا کوئی اختیار ان کے ہاتھ میں رہا بھی نہیں تھا۔

فرح بے خبر تھی اور انہوں نے اس کے علم میں بات لانا مناسب نہ سمجھا تھا۔ ابھی تو صرف رشتہ ڈالا گیا تھا بات طے ہونے اور باقی معاملات نبٹانے میں کچھ وقت درکار تھا۔ اچھا تھا فرح آرام و سکون سے ایگزیمز دے لے۔ انہوں نے اسلام آباد عثمان کو فون کر کے رائے مانگی تھی۔ عثمان کو رشتہ مناسب لگا تھا۔ مگر وہ عجلت کے حق میں نہ تھے۔ ان کے خیال میں "خاندان وغیرہ میں بھی دیکھ لیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔" سعید احمد نے زیادہ اہمیت نہ دی تھی مگر جب سمعان احمد سے فون پر بات کی تو سمعان کی بھی یہی رائے تھی۔

"ابو جان! ابھی اتنی جلدی کیا ہے؟ آرام سے فرح کو اسٹڈی کمپلیٹ کرنے دیں ایک دو سال بعد دیکھ لیں گے اور میرا خیال ہے خاندان سے باہر رشتہ دیکھنا کچھ ضروری تو نہیں۔" سمعان کا اشارہ جس جانب تھا انہیں سمجھنے میں ایک پل بھی نہ لگا تھا۔

"میں خاندان میں رشتہ کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔" انہوں نے دوٹوک کہا تھا۔

"کیوں.....؟"

"ہمارے خاندانی حالات جس نہج پر ہیں میں نہیں چاہتا کہ میری اکلوتی بیٹی کسی بھی خاندانی رنجش کی بھینٹ چڑھ جائے۔"

"پھوپھو نے آپ سے سعد کے سلسلے میں بات تو کی تھی نا؟" سمعان نے اصل بات کہہ دینا ضروری سمجھا تھا۔

"ہاں مگر یہ تب کی بات ہے جب زرش کا رشتہ اس سے طے نہیں ہوا تھا۔ وہ ایک نالائق' مفاد پرست اور بے اعتبار نوجوان ہے۔ جس کے نزدیک اپنے بزرگوں کی عزت بڑوں کے فیصلوں کی کوئی وقعت نہیں' وہ پلٹ بھی آئے تو میں کبھی اس سے اپنی بیٹی کا نصیب نہیں جوڑوں گا۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ سمعان احمد خاموش ہو گیا تھا۔

سعد یہ سب کچھ فرح اور اس کے لیے چھوڑ کر گیا تھا' مگر اب اس کی اپنی پوزیشن خراب ہو چکی تھی۔ سمعان احمد کو سمجھ نہ آئی کہ باپ کے سامنے بات کیسے کلیئر کرے' اگر ساری بات کھولتا تو فرح کی ذات بھی ڈسکس ہوتی تھی اور سمعان احمد ایسا قطعی نہیں چاہتا تھا۔

"پلیز ابو جی۔ ابھی رہنے دیں۔ فرح بھی شاید ابھی ذہنی طور پر تیار نہ وہ۔ کچھ عرصہ ویٹ کر لیں۔"

"میں اتنا اچھا رشتہ گنوانا نہیں چاہتا۔ تم ولید سے شاید ملے بھی ہو وہ بہت اچھا نوجوان ہے۔ اچھی جاب پر فائز ہے۔ جلال الدین بنک بیلنس والا خاصا اسٹیبلش انسان ہے۔ اقتصادی و اخلاقی دونوں لحاظ سے مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ رکھتا ہے۔ پھر وہ لوگ بڑی چاہ سے مانگ رہے ہیں۔ تم ایک دو دن

میں چکر تو لگاؤ پھر تفصیلی بات کرتے ہیں۔"

سعید احمد کے انداز سے واضح اظہار ہو رہا تھا کہ وہ مکمل طور پر اس رشتے پر آمادہ ہیں۔

سعید احمد سے بات کر کے سمعان پریشان ہو گیا تھا۔

سمعان احمد کے ذہن کی اسکرین پر فرح اور سعد کے چہرے گردش کرتے رہے تھے۔ سعد نے اگر آج موردِ الزام ٹھہرایا تھا تو کہیں نہ کہیں وجہ وہ دونوں بھی تو تھے۔ آج زرش ان کا نصیب تھی۔ ان کے معتبر نام سے منسلک ان کی زندگی کا حصہ تھی' اگر سعد یہ قدم نہ اٹھاتا تو زرش آج کہاں ہوتی۔ سعد نے اپنے مستقبل کا بھی خیال نہ کیا تھا اور اب سمعان احمد ایسا احسان فراموش بھی نہ تھا کہ سعد کی اس عنایت و احسان کو بھلا دیتا۔

سعید احمد محض جذباتی ہو رہے تھے مگر انہیں اتنے بڑے فیصلے سے کیسے روکنا تھا۔ سمعان احمد کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

سمعان کا دل چاہ رہا تھا کہ وقت ضائع کیے بغیر وہ امریکا سعد کو کال کریں اس سے رابطہ کریں اور پوچھیں اس کے ذہن میں اب کیا ہے۔ کیا وہ اب بھی فرح کے لیے وہی جذبات رکھتا ہے یا بدل چکا ہے؟"

چند دن پہلے سعد نے کال کی تھی اپنا کونٹیکٹ نمبر لکھوایا تھا۔ بہت سوچ و بچار کے بعد سمعان نے سعد کے نئے نمبر پر رابطہ کیا تھا۔

دوسری طرف سعد تھا۔ سلام دعا اور حال چال دریافت کرنے کے بعد سمعان نے براہِ راست پوچھا تھا۔ "سعد تمہارا اب فرح کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"بہت واضح' فرح کے لیے آج کل ایک پروپوزل آیا ہوا ہے۔ ابو مکمل طور پر سنجیدہ ہیں تمہارا مجھ پر ایک بہت احسان ہے شاید اسی لیے تم سے رابطہ کر سکا ہوں۔ تم مجھے اپنی فیلنگز کا واضح اظہار دو تاکہ میں ابو کے سامنے اسٹینڈ لے سکوں۔ میں فرح کو ہر طرح کی خوشیاں دینا چاہتا ہوں۔ وہ ساری خوشیاں جو ہمیں نہ مل سکیں مگر میں اپنی بہن کو ایک مکمل بھرپور آسودہ حال زندگی گزارتے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"سمعان! میں کل بھی فرح کے ساتھ مخلص تھا اور آج بھی' میرے سارے جذبے فرح کے لیے ہی تھے۔ جہاں اتنا بڑا قدم میں نے تمہاری اور زرش کی بھلائی کے لیے اٹھایا تھا۔ وہاں فرح کا وجود بھی بڑا معاون ثابت ہوا تھا۔ یہ فیصلہ کروانے میں۔ پلیز تم ماموں جان سے بات کرو۔ میں گھر بات کرتا ہوں۔ بے شک سب دل سے تمہاری اور زرش کی شادی کو قبول کر چکے ہیں مگر میرے اٹھائے گئے ایک قدم نے اب کو مجھ سے نالاں کر دیا ہے۔ امی' ابو ان شاء اللہ مان جائیں گے مگر پلیز مجھے کچھ وقت دو۔"

"وقت نہیں ہے سعد۔"

"میں پاکستان آ جاتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے مگر مجھے نہیں لگتا ابو اب تمہارے لیے راضی ہوں۔"

"تم ماموں سے بات تو کرو۔ یا پھر میں انہیں فون کر لوں۔" وہ حقیقتاً پریشان ہو چکا تھا۔

"نہیں، تم رہنے دو۔ میں کوشش کرتا ہوں۔ ابو کہہ رہے تھے کہ ایک دو دن میں کراچی آؤں گا سنڈے ہے سوچ رہا ہوں آج کی ہی ٹکٹ کروا لاؤں گھر جا کر براہِ راست ابو سے اچھی طرح بات ہو جائے گی۔ ویسے بھی مجھے یہاں آئے ہفتہ ہو گیا ہے۔" سمعان احمد کے تصور میں ناراض، خفا سی زرش کا سراپا در آیا۔ وہ ان سے اس قدر ناراض تھی کہ ان کی کالز تک ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ اس کی ناراضگی ختم کرنے کو انہوں نے کارڈ اور تحفہ بھی بھیج دیا تھا۔ مگر ہنوز وہی تاریکی تھی۔

"اسلام آباد ہوتے ہو۔"

"ہوں۔"

"ستارہ سے پتا چلا تھا زرش جذباتی ہو رہی ہے، تم کوئی اسٹینڈ کیوں نہیں لیتے۔"

اس کے مشورے پر سمعان ہنس دیا۔

"بھائی میرے! یہ محبتوں کی بات ہے۔ دوسری طرف وہ کسی جذبے کا اظہار تو کرے مجھے اندازہ تو ہو کہ میرا کوئی اسٹینڈ لینا اس کے خود ساختہ نفرت بھرے احساسات کو مجروح نہیں کراتا تو میں کوئی قدم بھی اٹھاؤں۔ محبت میں دل زبردستی تو نہیں ملتا اس طرح تو زندگی بہت مشکل ہو جائے گی سمعان! مجھ سے جو بن پڑا میں نے کیا اس جذباتی لڑکی کو سمجھانا اب تمہارا کام ہے، لڑکیاں تو ڈال کی طرح نازک ہوتی ہیں۔ جذبات کی ذرا سی آنچ سے پگھل جاتی ہیں تم دونوں کے درمیان تو پھر ایک خوب صورت سا تعلق ہے۔ اپنے تعلق کا استحقاق جماؤ ورنہ یوں ضد و انا کے جھگڑوں میں لائف برباد ہو جائے گی کیا ماموں اور ممانی جان کی لائف سے تم نے کچھ نہیں سیکھا۔"

سعد کو سخت تشویش ہو رہی تھی۔

"سعد! یہی تو مسئلہ ہے میں اسے اپنی محبت کی شدت سے جیتنا چاہتا ہوں ایسے کہ اسے خود یقین آئے میری چاہتوں کا وہ خود اقرار کرے میرے ہونے کا، محبت زبردستی کروانے کا نام کب ہے یار! اگر ایسا ہوتا تو شاید امی ابو کی لائف اتنی ڈسٹرب نہ ہوتی۔" یہ ٹاپک تو ان کی زندگی کا ناسور بن چکا ہے۔ سمعان کے لہجے میں آخر میں تلخی سی اُتر آئی تھی۔ سعد کو افسوس ہوا۔ اس نے ایسی بات ہی کیوں کی۔

"سوری یار! میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔"

"اٹس او کے یار، میں آج ہی کراچی جا رہا ہوں ان شاء اللہ ابو سے فیصلہ کن بات کروں گا۔ تم بس دعا کرنا۔"

"تھینک یو سو مچ، مجھے آگاہ کرتے رہنا پلیز۔"

"ان شاء اللہ۔ او کے ٹیک کیئر۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔"

کچھ پل سوچنے کے بعد سمعان نے اپنے سیکریٹری کو فون کر کے آج شام کی ٹکٹ بک کروانے کو کہا تھا۔

زرش کی ذات کے حوالے سے ہونے والے انکشاف اور پھر سائرہ کی حکایت کردہ باتیں نواز فاروق کو لگا وہ اپنی ہی نگاہوں میں گر گئے ہیں۔ زرش ان کی نگاہ کو اچھی لگی تھی۔ ان کے دل کو متاثر کر گئی تھی۔ اور انہوں نے برسوں کی سوچ لمحوں میں طے تھی۔

چند پل لگے تھے ایک فیصلہ کرنے میں اور وہ مطمئن بھی تھے۔ اپنے فیصلے پر۔ وہ کوئی وقت پاس نہیں کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی کوئی رسک لینا چاہتے تھے اور شاید اسی لیے آناً فاناً دل کی بات زرش کے گوش گزار کر دی تھی جواباً زرش کے انکشاف نے ان کے اندر ندامت کا صحرا اُگا دیا تھا۔

گزشتہ چار دنوں سے ان کی ذات دوہرے عذاب سے دوچار تھی۔ پہلے زرش کی ذات سے متعلق ہونے والے انکشاف پر سائرہ کے بیان کیے گئے حقائق اور زرش کے ساتھ ہونے والے سانحے کا غم تو ایک طرف تھا۔ ان کے دل پر منوں کے حساب سے بوجھ بڑھانے والی ذات "روبینہ" کی تھی۔ وہ ان کی ذات کو طوفان سے روشناس کروا کے خود ایک طرف ہو گئی تھی اور وہ لمحہ بہ لمحہ اپنے ضمیر کی عدالت کے سامنے جواب دہ تھے۔

نویرہ سے لے کر زرش اور پھر روبینہ تک آنا۔ شادی تو انہیں کہیں نہ کہیں کرنا ہی تھی روبینہ ان کی امی کی بھی کبھی خواہش تھی، ماموں بھی یہ چاہتے تھے مگر نویرہ سے منگنی کے بعد تو وہ اس ٹاپک کو بھول بھال گئے تھے اور نویرہ سے ہر تعلق توڑنے کے بعد تو انہوں نے خود بخود سوچ لیا تھا کہ ان کا شکست خوردہ وجود بھلا روبینہ کے قابل ہی کہاں ہے۔ درمیان میں زرش کی ذات نے انہیں روبینہ کے وجود سے بھی غافل کر دیا تھا مگر اب گویا ہر منظر روشن ہو چکا تھا۔

"نجانے زرش ان کے بارے میں کیا سوچتی ہو گی؟"

"پتا نہیں وہ انہیں کس نیچر اور فطرت کا انسان گردانتی ہو گی؟"

وہ بڑی اذیت میں کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ ذہن کبھی روبینہ کے الفاظ میں کھو جاتا تو کبھی سائرہ کے حقائق میں الجھ جاتا آخر میں اپنی جلد بازی رہ رہ کر یاد آ رہی تھی۔

"مجھے زرش سے معافی ضرور مانگنی چاہیے۔ جو کچھ بھی ہوا وہ لاعلمی میں ہوا۔ اگر مجھے علم ہوتا تو کیا میں ایسا کوئی گھٹیا قدم اٹھاتا۔ مجھے اس سے بات کر کے معذرت کر لینا چاہیے شاید اسی طرح میرا گلٹ ختم ہو جائے۔" پچھلی چار راتوں سے مسلسل سوچتے، جاگتے یہ فیصلہ کیا تھا زرش کا موبائل نمبر انہوں نے

سائرہ سے لیا تھا۔

رات کے نو بج رہے تھے کسی کے ذاتی نمبر پر اس وقت کال کرنا مناسب تو نہ تھا مگر وہ مجبور ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے سیل سے زرش۔ کا سیل نمبر ملایا تھا۔

"السلام علیکم!" نمبر ملنے پر انہیں زرش کی آواز سنائی دی تھی۔

"وعلیکم السلام! کیا زرش سے بات ہو سکتی ہے۔"

"جی بول رہی ہوں' مگر آپ کون؟"

"زرش میں نواز فاروق ہوں۔"

"سر آپ؟" دوسری طرف سے وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"زرش' مجھے آپ سے معذرت کرنا تھا' پلیز مائنڈ نہ کیجیے گا میری بات ضرور سن لیجیے گا۔" دوسری طرف سے بڑی عاجزی سے کہا گیا تھا۔

"کہیے سر میں سن رہی ہوں۔" زرش نے بات کرنے کی ہامی بھر لی تو ان کو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

کراچی ائر پورٹ سے ٹیکسی لیتے ہوئے سمعان احمد کے ذہن میں کئی تفکرات نے ڈیرے جما رکھے تھے۔ سعد اور فرح کا معاملہ خاصا سنگین تھا مگر وہ اپنے بعد اپنی بہن وہ بھی چہیتی عزیز از جان بہن کے جذبات کو کوئی ٹھیس پہنچنے نہیں دینا چاہیے تھے۔

زرش اس صبح سے ان سے ناراض تھی اس کے بعد اس سے ملاقات تو نہ ہو سکی تھی ہاں سمعان نے بارہا فون کیے تھے۔ ذاتی نمبر پر بھی اور پی ٹی سی ایل پر بھی مگر وہ اس قدر متنفر ہو چکی تھی کہ ان سے سلام دعا کی بھی روادار نہ تھی زرش کی ناراضگی وہ بھی بھرپور قسم کی اس کے دل میں رہ رہ کر ضربیں لگا رہی تھی۔

گاڑی سے باہر دیکھتے سمعان احمد نے سوچا کیوں نہ چچا کے گھر کا بھی ایک چکر لگا لے۔ کچھ نہیں تو زرش کی ناراضگی و خفگی کی نوعیت و شدت کا ہی اندازہ ہو جائے گا۔

راستے میں فلاور شاپ دیکھ کر سمعان نے گاڑی رکوائی تھی۔ ناراض محبوبہ کو منانے کے لیے پھولوں سے بہتر کوئی تحفہ نہیں ہوتا۔ تھی تو وہ خاصی پتھر دل اور بے حس۔ ان کے یہ چھوٹے چھوٹے التفاقات بھی اب اس پر کوئی اثر نہیں چھوڑ رہے تھے مگر اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے انہوں نے ریڈ روز کا ایک خوب صورت بکے خریدا تھا۔ جب تک شاپ کیپر نے بکے تیار کرنا تھا سمعان نے شاپ کے دوسری جانب رکھے خوب صورت اور امپورٹڈ گفٹس دیکھنے شروع کر دیے تھے۔

شیشے سے بنا وہ خوب صورت سا تاج محل سمعان احمد کو اپنی نگاہیں اس پر ٹھہرتی محسوس ہوئی تھیں۔

"سر دکھاؤں؟" شاپ کیپر شاید سمعان احمد کی دلچسپی محسوس کر چکا تھا۔ فوراً قریب آیا تھا۔ سمعان نے گردن ہلا دی تو اس نے ریک سے وہ نازک سا تاج محل نکال کر سمعان کے ہاتھوں میں دیا تھا۔

"سر اگر آپ کسی لڑکی کو گفٹ دینا چاہتے ہیں تو بہت موزوں چیز ہے۔ مکمل کانچ سے بنا ہے۔ اتنی نازک اور قیمتی بھی۔" کسٹمر کو قائل کرنے کا وہی پرانا انداز تھا سمعان احمد مسکرا دیا۔ "سر لینا ہے یا کوئی اور چیز دکھاؤں؟"

"اسے پیک کر دیں۔" سمعان نے وہ نازک سا پیس لڑکے کو تھما دیا تھا۔ دونوں چیزیں لیے سمعان واپس گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔

گاڑی جب چچا کے گھر کے سامنے رکی تو رات کے نو بج رہے تھے۔ سمعان کا زیادہ دیر ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور سے بات کر کے اسے آدھ گھنٹہ ٹھہرنے کا کہہ کر سمعان باہر نکل آیا تھا۔ چوکیدار باہر ہی تھا سمعان کو دیکھ کر دروازہ کھولا تھا۔

"السلام علیکم صاحب!" یاسمین اسے لاؤنج میں ہی مل گئی تھی۔ باقی سارے گھر میں خاصی خاموشی تھی۔ سمعان کو تعجب ہوا۔

"وعلیکم السلام بھئی کدھر ہیں سب لوگ؟" سمعان کو کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔

"صاحب اور بیگم صاحبہ تو نوشی بی بی کے ہاں گئے ہیں۔ بس آنے ہی والے ہیں اور زرش بی بی اپنے کمرے میں ہیں۔"

"نوشی کے ہاں خیریت سے گئے ہیں؟" سمعان کے پوچھنے پر وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔ نوشی اور زرش کی چھیڑ چھاڑ سے اسے بھی علم ہو گیا تھا۔ نوشی ایک رات رہ کر کل واپس گئی تھی اور آج شائستہ اور سعود محض اس کی خیریت ہی دریافت کرنے گئے تھے۔

"زرش بی بی کو بلاؤں؟"

"رہنے دو میں خود ہی دیکھ لیتا ہوں۔" سمعان منع کر کے اس کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ اُدھ کھلے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ سمعان نے قدم اندر بڑھانا چاہے تھے مگر زرش کے الفاظ نے گویا قدم زمین میں ہی جکڑ لیے تھے۔

"سر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یقین کریں میں نے برا نہیں مانا تھا۔ ہاں شروع میں مجھے برا لگا تھا مگر آپ بھی غلط نہ تھے مجھے جسٹی فائی کرنا چاہیے تھا۔" نجانے وہ کس سے بات کر رہی تھی۔ موضوع کیا تھا۔ سمعان الجھا تھا۔ وہ اسٹڈی ٹیبل کے گرد کرسی پر بیٹھی بڑے اطمینان سے بات کر رہی تھی۔ کھلے بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ سبز اور بلو سوٹ میں وہ خاصی دل کش لگ رہی تھی۔ سمعان کی نگاہ اس کے چہرہ پر بھٹکی تھی۔ مگر وہ سمعان کی موجودگی سے بے خبر موبائل پر بزی تھی۔

"سر! میرے ساتھ جو بھی ہوا آپ کے سامنے ہے۔ سر میں اس شادی' اس رشتے کو کبھی قبول نہیں کر پاؤں گی۔ نو سر! میری ذات میرے کردار پر انگلی اٹھی تھی میں بھلا کیسے برداشت کر لیتی۔ سوری سر! مما کچھ ہارش (سخت) ہو گئی تھی۔ کسی کو پروپوزل دینا اتنا بھی معیوب نہیں۔ آپ نے پروپوزل دیا اور مما نے اپنی شادی کا بتا دیا۔ ورنہ یہ تعلق میرے لیے اتنا باعث ذلت ہے کہ میں کسی سے ذکر بھی نہیں کر سکتی۔" وہ سخت رنجیدہ تھی اور اس کے الفاظ سمعان احمد پر کس طرح اثر انداز ہو رہے تھے وہ قطعی

بے خبر تھی۔

"سر! میں آپ کو کبھی ناپسند نہیں کر سکتی۔ میں آپ کو بہت لائیک کرتی ہوں سر! بڑی عزت کرتی ہوں آپ کی' میری ذات آپ کے لیے دکھ کا باعث بنے مجھے یہ گوارا ہی نہیں۔" وہ اب کچھ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"سر! آپ جب چاہیں رابطہ کر سکتے ہیں۔ پروپوزل والی بات دل پر مت لیں۔" وہ اب کے کھل کر ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کی ہنسی کی کھنک نے سمعان احمد کے دل کو بڑے عجیب سے انداز میں چھولیا تھا۔

"بہت کم دنوں میں آپ نے میرے دل و دماغ میں ایسا مقام بنایا ہے' سر آپ ویسے اتنے برے بھی نہ تھے' اگر دوسرا مسئلہ نہ ہوتا تو میں ضرور سوچتی۔" اس کی آواز کی کھنک لہجے کا اتار چڑھاؤ ایسا تھا کہ سمعان احمد سے اب مزید ضبط نہ ہو سکا تھا۔

"زرش!" سمعان کو خود بھی محسوس ہوا کہ اچانک اس کی آواز میں تلخی و سرد مہری در آئی ہے۔

زرش تو یوں اچھلی گویا اسپرنگ نے اچھال دیا ہو۔ اپنے سامنے سمعان کو دیکھ کر پزل ہو گئی تھی۔

آپ؟" سمعان احمد کی پکار اور لہجے کے تاثر نے اسے کنفیوژ کر دیا تھا۔

"سر! میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں' نہیں سر۔ او کے اللہ حافظ۔" اس نے فوراً کال ڈراپ کی تھی۔

"کون تھا؟" سمعان احمد کے انداز میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ زرش نے جھٹکے سے سر اٹھا کر سمعان احمد کو دیکھا۔ بڑے سنجیدہ اثرات میں جس میں سرد مہری کا عنصر غالب تھا مکمل طور پر متوجہ تھا۔

"آپ سے مطلب؟" زرش کو گزشتہ ملاقات اور اپنی ناراضگی یاد آئی تو فوراً کہا تھا' مگر سمعان خوش گوار تاثرات لیے متوجہ کب تھا۔ زرش کے جواب نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

"شٹ اپ۔" سمعان نے ہاتھ میں پکڑا بیگ اور گفٹ دونوں اسٹڈی ٹیبل پر پٹخ دیے تھے۔ اس افتادہ پر زرش حیران رہ گئی۔

"جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔ کس سے بات کر رہی تھیں؟"

"میں آپ کے سامنے کسی بھی عمل کی جواب دہ نہیں ہوں۔ کوئی بھی ہو' آپ سے مطلب؟" وہ بغیر کوئی لحاظ کیے مخاطب تھی۔

"زرش۔" سمعان نے بمشکل خود پر ضبط کیا تھا۔ "تم میری بیوی ہو تم اپنے ہر عمل' ہر بات کے لیے میرے سامنے جواب دہ ہو۔" سمعان احمد کا تحمل ایک دم رخصت ہوا تھا۔ خاصے غصے میں باور کروایا تھا۔ زرش کے لیے ایک تو سمعان احمد سے فوری سامنا اور پھر یہ باز پرس دونوں حیران کن تھے۔ خاص طور پر سمعان کا مشکوک انداز۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ صاف اور واضح الفاظ میں کہیں۔" وہ بھی منٹوں میں آؤٹ آف کنٹرول ہوئی تھی۔

"صاف اور واضح بات تو یہی کہ کون ہے وہ شخص جس سے اس قدر بے تکلفی ہے کہ بات پروپوزل تک آ پہنچی ہے۔ سمعان احمد کے انداز اور الفظ نے زرش کو اس قدر حواس باختہ کیا تھا کہ وہ چند پل گم صم کھڑی سمعان احمد کو دیکھے گئی تھی۔

"آپ' آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔" زرش کا اپنی ہی آواز لرزش کا شکار محسوس ہوئی۔

"فی الحال تو نہیں مگر وضاحت ضروری ہے۔" سمعان کا وہی بے لچک انداز تھا۔

زرش کو لگا اس کے اعصاب پر کوئی بم پھٹا ہو۔ وضاحت کی ضرورت تو وہاں پڑتی ہے جہاں اعتبار و یقین کا رشتہ نہ ہو۔ کیا سمعان احمد اسے نہیں جانتا تھا؟ کیا سمعان احمد اس کی فطرت اس کے مزاج کے رویوں سے یکسر بے خبر تھا؟ اگر ایسا نہیں تھا تو سمعان احمد نے اسے "بے تکلفی" کا یہ طعنہ کیوں دیا تھا۔ وہ ششدر سی کھڑی تھی۔

مگر اگلے ہی لمحے وہ الٹ پڑی تھی۔

"میں کیوں دوں آپ کو کوئی وضاحت؟ کیا تعلق ہے میرا آپ سے؟"

"بہت گہرا تعلق ہے میرا تم سے تمہارے رد کرنے یا جھٹلانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ تم میرے نکاح میں ہو۔ میں چاہوں تو تمہاری یہ نام نہاد ضد کو پل میں توڑ کر اپنا استحقاق ثابت کر سکتا ہوں۔ کیا تم روک سکتی ہو مجھے میرے کسی عمل سے۔ آخر بیوی ہو میری۔ زور زبردستی سب اختیار میرے پاس ہیں۔" سمعان احمد کے اندر ایک دم اشتعال بڑھا تھا۔ چند قدم بڑھائے زرش کا بازو تھام کر انتہائی تلخی سے کہا تھا۔

زرش تو ہکا بکا رہ گئی۔

آج تو سمعان اس کے سارے خیالات کو باطل ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔ خاص طور پر سمعان احمد کا جنونی اور مشتعل رویہ دیکھ کر وہ سُدھ بُدھ کھو بیٹھی تھی۔

"آپ نے ایسا کچھ کیا تو میں جان دے دوں گی۔" آنکھوں میں خوف لیے بے حد گھبرا کر اس نے سمعان کی سخت فولادی گرفت سے اپنا بازو چھڑوانا چاہا تھا مگر سمعان سختی سے اور دوسرے ہاتھ سے اس کے کندھے پر گرفت مضبوط کی تھی۔

"بتاؤ کون ہے وہ؟" اپنے بے حد نزدیک کر کے سمعان نے پوچھا تو وہ رو دی۔

"کوئی بھی ہو۔ آپ ایسی گھٹیا سوچ بھی رکھتے ہیں میرے بارے میں' میں نہیں بتاؤں گی۔ کم از کم آپ جیسے دوغلے انسان تو نہیں۔ ظاہر کچھ باطن میں کچھ۔ چھوڑیں مجھے۔ ورنہ میں چیخ کر شور مچا دوں گی۔ میں حق نہیں مانتی میں۔ کوئی زبردستی نہیں۔"

"زرش!" سمعان نے نہایت کرختگی سے اسے کندھوں سے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ "یہ تعلق تمہارے لیے ذلت ہے۔ تم کسی سے بھی ذکر نہیں کر سکتی۔ کسی کا پروپوزل دینا تمہارے لیے کوئی معیوب بات ہے تم کسی کو پسند کرتی ہو۔ کسی کے لیے تمہاری ذات دکھ کا باعث بنے تمہیں گوارا نہیں۔ یہی کہہ رہی ہو نا؟ اگر درمیان میں میری ذات نہ ہو تو تم ضرور سوچتی اس پروپوزل کے متعلق ہے نا یہی تھے

تمہارے الفاظ۔" سمعان نے ایک دم غصے سے کہتے اسے پیچھے دھکیلا تو وہ دیوار سے جا لگی۔ آنکھوں میں کرب سمیٹے بے حد حیرانی لیے سمعان احمد کے اس روپ کو دیکھ رہی تھی۔ جو نا قابلِ یقین ہی نہیں نا قابل فہم بھی تھا۔

"آپ چلے جائیں میرے سامنے سے۔ آپ ایسے بھی ہو سکتے ہیں میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"ہاں یہ سب میں نے کہا ہے۔ کرتی ہوں میں کسی اور کو پسند آپ کو جو کرنا ہے کر لیں۔ آپ اور آپ سے منسلک ہر تعلق میرے لیے صرف باعث ذلت ہے۔ چھٹکارا چاہتی ہوں میں اس تعلق سے۔ آپ سے منسلک ہر تعلق سے۔"

سمعان کے ردِ عمل نے اس کے اندر آگ بھر دی تھی۔ غم و غصے سے جو منہ میں آیا کہہ دیا۔

"زرش۔" سمعان ششدر سا پکار کر رہ گیا۔

"خبر دار میرا نام بھی لیا۔ بس ابھی فیصلہ کریں۔ نہیں رکھنا مجھے آپ سے کوئی نام نہاد تعلق۔ جان چھوڑیں میری۔ ختم کریں میری یہ اذیت و ذلت۔" پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سمعان نہایت بپھر کر اس کی طرف بڑھا تھا۔

"شٹ اپ۔" سمعان احمد کا بھاری ہاتھ زرش کے چہرے پر اپنے رنگ چھوڑ گیا تھا۔ زرش کے بہتے آنسو ٹھہر گئے۔

بے یقینی سے سمعان کو دیکھا۔

یہ دوسرا جھٹکا تھا جو آج سمعان کی طرف سے اس کو لگا تھا۔

اس پر یقین کی حد تک اعتماد کرنے والا سب سے پہلے اس پر انگلی اٹھائے کھڑا تھا۔

اس کے ہر ناز و انداز برداشت کرنے والا اس پر سب سے پہلے ہاتھ اٹھانے والا تھا۔

وہ چہرے پر ہاتھ رکھے ششدر تھی۔

یہ اس کے گمان کی غلطی نہ تھی نہایت سفاک حقیقت تھی۔

"آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔" وہ ابھی بھی بے یقین تھی بلکہ یقین کرنے میں تامل ہوا تھا کہ خواب ہے یا حقیقت۔

"تم نے بات ہی ایسی کی ہے۔ آئندہ ایسی بات کی تو میں تمہاری جان بھی لے لوں گا۔" سمعان کے انداز میں ذرا نرمی و ملائمت نہ تھی۔

"آپ چلے جائیں یہاں سے آئی ہیٹ یو۔ چلے جائیں یہاں سے۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ اس کے سمعان احمد سے متعلق سارے گمان بھربھری ریت کی مانند ثابت ہوئے تھے۔ سمعان نے لب بھینچے ایک دو پل کھڑے اسے دیکھا اور پھر طوفانی رفتار سے باہر نکلا تھا۔

زرش ٹوٹے ہوئے شہتیر کی طرح قالین پر گر کے بلک اٹھی تھی۔

شائستہ بیگم اور سعود احمد کی واپسی تک نجانے کیسے اس نے خود کو سنبھال لیا تھا ورنہ جھٹکا ایسا تھا کہ لگ رہا تھا آج زندگی کی آخری رات ہے۔

دکھ اذیت سے بھری طویل رات۔

ایسی اذیت۔

ایسی ذلت۔

ایسی بے اعتباری۔

اس کا مر جانے کو جی چاہ رہا تھا۔

اس کا دماغ پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔

وہ ساری رات نہیں سو پائی تھی۔

سمعان احمد نے اسے چوٹ ہی ایسی لگائی تھی کہ اسے رہ رہ کر درد اٹھ رہا تھا۔

ظہر کا وقت تھا۔ وہ قالین پر بیٹھے بیٹھے نیر بہاتے تھک گئی تھی' مگر ذہنی کنڈیشن اس نکتے پر تھی جہاں انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں زنگ آلود ہو جاتی ہیں۔ رہ رہ کر سمعان احمد کا رویہ یاد آ رہا تھا۔

اس کی نظر اسٹڈی ٹیبل پر پڑے بکے اور گفٹ پر پڑی تو اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ کتنی چھوٹی سی بات تھی بظاہر کچھ بھی نہ تھا۔ سرنواز نے اس سے معافی مانگ کر اپنے رویوں کی صرف وضاحت کی تھی اور اس کی شادی کے حالات کو ڈسکس کیا تھا۔ آخری الفاظ تو اس نے ان کی شرمندگی کم کرنے کو مذاق میں کہے تھے اور سمعان احمد ان کو اپنے انداز میں لے گا اس کے تصور میں بھی یہ سچویشن نہیں تھی۔

بکے میں سجے ریڈ روز بظاہرہ جذبات کی عکاسی کر رہے تھے مگر زرش کو لگ رہا تھا کہ وہ بھی سمعان احمد کے ساتھ مل کر اس کی بے بسی پر ہنس رہے ہیں۔ زرش نے نہایت اشتعال میں سارے پھول مسل ڈالے تھے۔ پتی پتی بکھیر دی تھی۔ اس پر تو جنون سوار تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے آج رات ہی طاہرہ بیگم نے اس کی ذات کو سنگسار کیا ہے۔

سعد جمال چند لمحے پہلے اس کی ذات کو تماشا بنا کر گیا ہے۔

ساری دنیا اس پر ہنس رہی ہے تضحیک بھرے جملے اچھال رہی ہے۔ پتھر اٹھائے کھڑی یہ دنیا اسے سنگسار کرنے کو تھی۔

بڑے برے انداز میں اس نے گفٹ کا ریپر پھاڑا تھا۔

اندر سے نکلنے والا نہایت خوب صورت کرسٹل کا "تاج محل" دیکھ کر اس کے جذبات نے عجب سا ردعمل کا روپ دھارا تھا۔

اس نے بلوریں (کانچ) نازک محبت کی نشانی کھینچ کر دیوار پر دے مارا تھا۔

"چھن" کی آواز کے ساتھ کانچ کے ٹکڑے قالین پر بکھرتے چلے گئے تھے۔

"آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔" رات کی خاموشی میں اسے اپنی سرگوشی سنائی دی تو اپنے رخسار پر بے اختیار ہاتھ رکھ لیا۔

ہر طرف سسکیاں بکھر گئی تھیں۔

"تم نے بات ہی ایسی کی ہے۔ آئندہ ایسی بات کی تو میں تمہاری جان بھی لے لوں گا۔" کیسی بے رحم جذبات سے عاری آواز تھی۔ وہ بلک بلک کر سسک اٹھی۔ سمعان کا یہ روپ کتنا اذیت ناک تھا۔ یہ وہ سمعان احمد تو نہ تھا۔ جس سے برسوں کی شناسائی تھی۔

"آپ میری جان کیا لیں گے۔ میں ایسی ذلت بھری زندگی خود بھی نہیں جینا چاہتی۔ آج آپ الزام لگا رہے ہیں کل کو آپ اور نجانے کیا کریں گے۔ نہیں رکھنا سمعان احمد مجھے آپ سے کوئی تعلق۔"

ارد گرد بکھرے کانچ کے ٹکڑے دیکھتے وہ انتہائی جذباتی ہو رہی تھی۔ نجانے ذہن کس خیال میں تھا کہ اس نے انتہائی باریک کانچ کا ایک بڑا سا ٹکڑا تھام لیا تھا۔

"میں ساری دنیا کا الزام سہہ سکتی ہوں مگر سمعان آپ کا نہیں۔ مجھے واقعی مر جانا چاہیے۔"

تیز دھار اپنی بائیں کلائی پر چبھونے اس کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخیں نکلی تھیں مگر وہ دانت تلے ہونٹ جمائے ضبط کی آخری منزل پر کھڑی تھی۔ اس کی کلائی سے خون کی پھوار پھوٹ پڑی تھی اور وہ بے حس و حرکت بیٹھی بھل بھل بہتے خون کو دیکھ رہی تھی۔

✿.....✿.....✿

آج بہت دنوں بعد وہ رات کے اس پہر اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی۔ ورنہ وہ تو اپنے اندر سے اس قدر خوف زدہ تھی کہ کمرے کی چار دیواری میں خود کو مقید کر بیٹھی تھی۔ دل ہی نہیں چاہتا تھا کچھ کرنے کو۔ کسی سمت رخ کرنے کو۔

جب سے اس ایک شخص سے ناتا جڑا تھا لگتا تھا کہ زندگی قیامت بن گئی ہے۔ ہر لمحہ اذیت سے پر تھا۔ ہر آن قیامت کی گھڑی تھی اسے تو اب رضا حمید سے خوف آنے لگا تھا۔ اس کی اپنی فطرت کی ساری وحشت و جذباتی پن رضا حمید کی وحشتوں کی نذر ہو کر دم توڑ چکا تھا۔

یہ کیسی رسمِ دنیا تھی

لاؤنج کے صوفے پر بیٹھے بظاہر ٹی وی پر نظریں جمائے وہ اپنی انگلی میں موجود رنگ کو گھورے جا رہی تھی۔

حمید صاحب نے باپ ہونے کا مزاج حاصل کیا تھا۔ زبیدہ بیگم جیسی صابر و قانع عورت کی روح کو مسمار کرتے ہوئے وہ تو صرف ضدی تھی۔

ضد تو صرف رضا حمید سے تھی۔

محبت جس سے ہو اس سے ضد کرنے کو بھی جی چاہتا ہے۔ اپنی ذات منوانے اپنی محبت باور کروانے کو بھی جی چاہتا ہے' مگر رضا ایسے جذبوں کو بھلا کہاں سمجھنے والا تھا۔

وہ صرف اس پر ایک نظر کرم کر لیتا تو وہ پتھر سے موم ہو جاتی اس کے ایک لفظ پر اپنا آپ نچھاور کر دیتی مگر اس نے ضد کی تو وہ انتہائی حد تک چلا گیا تھا۔ وہ غلط تھی مگر رضا حمید نے غلط ہونے کی حد کر دی تھی۔

اور نتیجہ کیا نکلا تھا۔

نوریہ کا گھر برباد ہوا تھا۔

رضا کے دل میں کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی اگر جانتی تو کبھی لفظ منہ سے نہ نکالتی۔ اس نے تو شارق سے بھی معافی مانگ لی تھی۔ نوریہ دوبارہ اس گھر میں چلی گئی تھی مگر وہ اپنے مرکز پر نہ آ سکی تھی۔ اس کی منفی جذباتی فطرت نے کتنے لوگوں کو کتنا نقصان پہنچایا تھا۔

وہ روز اپنا محاسبہ کرتی تھی۔ نوریہ ان کی منگنی کی تقریب میں شامل نہیں ہوتی تھی۔ اس نے سوچا تھا ایک دفعہ سامنے آئے گی تو اپنے کیے کی معافی مانگ لے گی' مگر وہ سامنے کیا آئی تھی سرے سے تقریب میں ہی شریک نہیں ہوئی تھی۔

شارق زمان بھی نہیں آ رہا تھا اور اس کا احساس گناہ بڑھتا چلا گیا تھا۔ خود سے نوریہ کے گھر جانے کی ہمت ہی نہ تھی۔

وہ کس منہ سے اس کے پاس جاتی؟ کن لفظوں سے اپنی غلطی (سنگین غلطی) تسلیم کرتی؟ کیسے رضا کے تصور اپنے کھاتے میں ڈالتی؟

وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی ہوئی تھی۔ رات کا ایک بج رہا تھا سب اپنے کمروں میں شاید ہو گئے تھے۔ کھٹکے کی آواز پر اس نے اپنا جھکا سر اٹھایا۔ رضا حمید کو دیکھ کر وہ ایک پل کو ساکت ہوئی تھی۔ رضا حمید اسے جن نظروں سے دیکھ رہا تھا اسے لگا اس کی رگوں میں خون جم گیا ہے۔ وہ تو حتی المقدور کوشش کرتی تھی کہ رضا حمید سے سامنا نہ ہو۔ وہ گھر آتا تھا وہ کمرے کی چار دیواری میں بند ہو جاتی تھی۔ آج کئی دنوں بعد وہ نظر بھی آیا تو وہی نفرت زدہ نگاہیں لیے کھڑا تھا۔

وہ فوراً صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ٹی وی آف کرتے ہوئے اس کا ارادہ اپنے کمرے کی طرف جانے کا تھا۔ وہ دہلیز پر کھڑا تھا۔ اس کے قریب سے گزر کر باہر جانا تھا وہ جیسے ہی دہلیز سے گزری تھی۔ رضا نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سامنے جھٹکے سے کر لیا تھا۔ وہ اس جھٹکے کے لیے تیار نہ تھی۔ ایک دم اس کا دوسرا بازو تھام کر خود کو گرنے سے بچایا۔

"اتنی تو ہمت تم میں ہونی چاہیے کہ میرا سامنا کر سکو۔ چوروں کی طرح یوں چھپ کیوں رہی ہو؟"

اس کی نگاہوں میں ہی نہیں لہجے میں بھی ایسا پتھریلا پن تھا کہ رمشاء خوف سے لرز کر رہ گئی۔

"پلیز مجھے جانے دو۔" اس کی آنکھوں کی سرد مہری سے اسے اپنے اعصاب ٹھٹھرتے محسوس ہو رہے تھے۔

"اتنی جلدی ہمت ہار بیٹھی ہو۔ بڑے دھوکے کیے تھے تم نے' کہاں گئے تمہارے وہ دعوے؟ کہاں گئی تمہاری وہ تیزی و طراری؟ تم تو نوریہ احسان کو برباد کرنا چاہتی تھی جو کام تم کرنا چاہتی تھی۔ وہ میں نے کر دیا تو اب کس بات کا غم ہے تمہیں۔ بولو جواب دو۔" اس پر چیختا برستا رضا حمید رات کے اس پہر اسے کسی آسیب کی مانند ہی محسوس ہوا تھا۔ رمشاء کا خوف دوچند ہوا تھا۔

"رضا پلیز' جانے دو۔" اس کی گرفت سے اپنا بازو چھڑانے کی اس نے بڑی کوشش کی تھی مگر قطعی

بے سود تھا۔ نجانے وہ کیا ارادہ کیے ہوئے تھا۔

"رضا۔"

"بڑا شوق ہے مجھے حاصل کرنے کا۔ ہیں بولو۔" وہ اس کی طرف جھکا تھا۔ وہ فوراً پیچھے ہٹی تھی۔

"نہیں۔" رضا کے تیور ایسے تھے کہ اسے اپنی جان جاتی محسوس ہوئی تھی۔

"اچھا۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ "بڑی جلدی ہمت ہار گئی۔ محبت کے تو بڑے دعوے تھے۔" خوف سے بہتے آنسوؤں پر نگاہ جمائے دوسرے ہاتھ کی انگلی سے آنسو چھوا تو وہ لرز کر رہ گئی۔ اس کے سارے آنسو ٹھٹھر گئے تھے۔

"دنیا میں بے بس اور ذلیل ہوا ہوں۔ تمہیں بھی اتنا ہی ذلیل کروں گا میں نویرہ کی نظروں سے گرا ہوں تو تم کیسے پرسکون رہ سکتی ہو۔ میرے اندر تم نے ایک آگ بھڑکا دی ہے۔ تمہارے لیے مردکی انا کو چھیڑنا بڑا تسکین طلب کام ہے' اب کیوں چھپتی ہو۔ اب بھی میرا تماشا دیکھو۔ بھس میں چنگاری ڈال کر تماشا دیکھنے کا تمہیں تو بڑا شوق ہے۔"

وہ جی بھر کر ذلیل کر رہا تھا رمشاء کی برداشت بس یہیں تک تھی۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کہا۔ اپنے حصے کی غلطیاں میرے نام کیوں لکھتے ہو۔ میں صرف غصہ کرتی تھی یا دھمکیاں دیتی تھی آج تک نویرہ کو جا کر نہیں بتایا تھا کہ تم اصل میں کیا ہو' جو بھی کیا تم نے خود کیا۔ اپنے ہر فعل کے ذمہ دار تم خود اپنے ضمیر کے سامنے ہو۔ مجھے الزام دینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ نفرت کرتی ہوں میں تم سے اور اس نام نہاد رشتے سے۔ تم جیسے انسان کو قبول کرنا اپنے آپ کو برباد کرنے کے مترادف ہے۔ لعنت بھیجتی ہوں میں اپنے جذبوں پر۔" رمشاء کو خود بھی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ رضا کے سامنے یہ الفاظ ادا کر رہی ہے۔

"شٹ اپ۔" ایک بھرپور تھپڑ اس کے چہرے کی زینت بن گیا تھا۔

"میں برباد کر دوں گا تمہیں۔ اپنی صورت سے بھی وحشت ہونے لگے گی تمہیں۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ میرے ماں باپ مجھ پر دباؤ ڈال کر تمہاری ذات مجھ سے منوالیں گے۔ تھوکتا بھی نہیں ہوں میں تم پر۔ اپنے ایک ایک پل اپنی لمحہ لمحہ کی اذیت کا حساب لوں گا تم سے۔"

رمشاء کے بولنے نے اسے ایک دم آؤٹ کیا تھا۔

رمشاء نے آنسو بہاتے اسے دیکھا۔ جھٹکے سے اس کی گرفت سے اپنا بازو نکال دیا۔

"تم گھٹیا انسان ہو۔ جسے صرف اپنے احساسات کی پروا ہے۔ جس کے دل و دماغ پر اپنے جذبات اس قدر حاوی ہیں کہ کسی کی عزت' بے عزتی کا کوئی احساس باقی نہیں رہتا۔ میں نہیں جانتی تم نے نویرہ کو اتنا بدنام کیوں کیا مگر مجھے اتنا یقین ہے میری ذات اس فعل میں انوالو نہیں ہے۔ شارق زمان سے تمہیں ایسی کیا پرخاش تھی کہ تم نے یہ گھٹیا کھیل کھیلا مگر اتنا جانتی ہوں پچھتاؤ گے تم۔ سب سے معافیاں مانگو گے مگر کوئی معاف کرنے والا نہیں ہوگا۔"

غصے سے کہتے وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں آ کر دروازہ لاک کرتے ہی بستر پر گر گئی تھی۔

پچھتاوا ہونے لگا کہ وہ کیوں باہر نکلی تھی۔ خوامخواہ اس بدتمیز جنگلی سے الجھ بیٹھی تھی۔ جسے کوئی پاس نہیں تھا۔ جس کے لیے صرف اپنے جذبات اہم تھے۔

✿.....✿.....✿

شدت سے رونے سے اسے اپنی جذباتیت پر پچھتاوا ہوا تھا۔ فجر کے قریب شائستہ بیگم کی آنکھ کھلی وہ عموماً فجر کے قریب اُٹھ جاتی تھیں مگر آج آذان کے قریب ہی آنکھ کھل گئی تھی۔ دوبارہ سونے کا دل نہیں چاہا۔

سعود احمد سو رہے تھے انہوں نے واش روم میں جا کر وضو کیا تھا۔ سعود احمد کی نیند خراب نہ ہو' وہ نماز لیے اپنے کمرے سے نکل آئی تھیں۔ لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے ان کی نگاہ زرش کے کمرے کی طرف اُٹھی تھی' لائٹس آن دیکھ کر ان کے قدم رُکے تھے۔

رات سے زرش کی ڈیٹ شیٹ آئی تھی وہ رات گئے تک پڑھتی تھی وہ لاؤنج کی طرف جانے کے بجائے ان کے کمرے کی طرف چلی آئی تھیں۔ دروازہ بند تھا انہوں نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو دروازہ کھل گیا تھا۔ کمرہ روشن تھا انہوں نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا تھا ان کی آنکھیں اندر کا منظر دیکھ کر پھیل گئی تھیں۔

"زرش....." ان کے حلق سے چیخ نکل گئی تھی۔ قالین پر زرش کا بکھرا بے جان وجود انہیں ڈرا گیا بائیں کلائی سے بہتا خون قالین پر جم چکا تھا اردگرد قالین پر بکھری پھولوں کی پتیاں اور کانچ۔

"زرش....." انہوں نے بھاگ کر اسے سیدھا کیا تھا۔

"زرش..... ہوش میں آؤ..... زرش کیا ہوا ہے؟" انہوں نے اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ مگر زرش کے وجود میں زندگی کے کوئی آثار نہ تھے یا شاید انہیں ہی ایسا لگا تھا۔ ان کا دل ڈوبنے لگا۔

"سعود..... سعود....." انہوں نے آوازیں دیں' مگر بے سود تھا وہ الٹے قدموں واپس کمرے کی طرف بھاگی تھیں۔ "سعود اٹھیں..... سعود! دیکھیں کیا ہو گیا ہے..... سعود۔" شائستہ بیگم نے انہیں جھنجوڑ ڈالا۔

سعود احمد فوراً اُٹھے تھے۔

"کیا ہوا ہے شائستہ؟" روتی بلکتی بیوی کو دیکھ کر وہ کچھ نہ سمجھ پائے تھے۔

"سعود..... زرش کو دیکھیں۔ اسے کچھ ہو گیا ہے۔ وہ ہوش میں نہیں ہے....."

"کیا.....؟" وہ تیزی سے زرش کے کمرے میں آئے تھے۔ زرش کو دیکھ کر وہ بھی لرز گئے تھے۔

"یہ کیسے ہوا ہے..... کب.....؟"

"بھائی میں تو ابھی نماز پڑھنے نکلی تھی۔"

انہوں نے زرش کو ہلایا جلایا مگر کوئی فائدہ نہ تھا۔

"سعود کچھ کریں..... یہ مر جائے گی..... یہ ہل نہیں رہی..... اس کی سانس بھی نہیں چل رہی۔ خدا کے لیے کچھ کریں' اسپتال لے چلیں۔" کبھی بیٹی کو جھنجوڑتے کبھی شوہر کو دیکھتے وہ بلکتی تھیں۔

"میں گاڑی نکالتا ہوں۔"

وہ فوراً باہر نکل گئے تھے۔

شائستہ نے زرش کا سر اپنی گود میں رکھ کر اس کا منہ چوما تھا۔ اس میں زندگی کی کوئی حرارت نہ تھی بے حس و حرکت تھی۔ پتا نہیں سانس بھی جسم میں تھی کہ نہیں۔ انہیں پندرہ منٹ لگے تھے اسپتال پہنچنے میں۔ خون اتنا بہہ چکا تھا کہ وہ دونوں میاں بیوی خود بھی نہیں جانتے تھے کہ زرش کے وجود میں سانس باقی بھی ہے یا نہیں۔ پرائیوٹ اسپتال تھا' زرش کو فوراً ایمرجنسی روم میں منتقل کیا گیا تھا۔

"سعود اس نے ایسا کیوں کیا..... وہ بچ جائے گی نا.....؟" شائستہ کا سارا ضبط کھو گیا تھا' بیٹی کو اس حالت میں دیکھ کر وہ بکھر گئی تھیں جبکہ سعود احمد خود کو سنبھالے ہوئے تھے۔ بیوی کی تسلی کو سُن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خود ڈاکٹروں کی طرف بڑھ گئے تھے۔

ڈاکٹر ظفر نائٹ ڈیوٹی کے بعد گھر جا رہے تھے دونوں میاں بیوی کو ایمرجنسی وارڈ میں دیکھ کر چونکے تھے۔ فوراً سعود احمد کی طرف بڑھے تھے۔

"کیا ہوا خیریت..... کون ایڈمٹ ہے؟"

"زرش....."

"کیوں.....؟" ڈاکٹر ظفر بے انتہا چونکا تھا۔

سعود کے لب بھینچ گئے تو شائستہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"تم ڈاکٹر سے پتا کرو کہ کیا کنڈیشن ہے؟"

"میں دیکھتا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ حوصلہ کریں۔" وہ فوراً روم کی طرف بڑھے تھے چونکہ ڈاکٹر تھے سو ایمرجنسی روم میں چلے گئے تھے۔

کچھ دیر بعد روم سے باہر آئے تو چہرے پر خاصی تشویش تھی۔

"بلیڈنگ بہت ہو چکی ہے..... اسپتال سے متبادل گروپ نہیں مل رہا۔ خون کا بندوبست کرنا ہوگا۔"

"وقار اور علی کا گروپ ملتا ہے زرش سے' ان کو بلوالیں۔" شائستہ نے فوراً کہا تو انہوں نے سر ہلایا۔

"انکل جلدی کریں..... سمعان کو اطلاع دی؟" ڈاکٹر ظفر جاتے جاتے پلٹے۔

"کسی کو بھی اطلاع نہیں دی۔"

"انکل' جلدی سے ان لوگوں کو بلوائیں۔ فوری خون چاہئے۔" وہ کہہ کر واپس روم میں چلے گئے تھے۔

سعود احمد نے خود پر ضبط کرتے وقار کے نمبر پر کال کی تھی اسے مختصراً بتا کر ہادیہ کو پریشان نہ کرنے کی تاکید کرتے ہوئے بلا لیا تھا۔

اب ان کی انگلیاں سعید احمد کے گھر کے نمبرز ڈائل کر رہی تھیں۔

فرح نماز پڑھ کر کمرے سے نکلی تو دل بوجھل بوجھل ہو رہا تھا۔ اس نے علی کے کمرے میں جھانکا دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑا ہوا تھا۔ طاہرہ شاید اُٹھ گئی تھیں مگر باہر نہیں نکلی تھیں ابھی تک۔ سمعان

...ہوا تھا۔ خاصی سنجیدہ صورت لیے۔ سب سمعان کو اچانک دیکھ کر خوش ہوئے تھے مگر سمعان کے ...میں کوئی خوشی نہ تھی۔ کھانا کھا کر کچھ وقت سب کے پاس بیٹھ کر سمعان اپنے کمرے میں چلا گیا ...ات گئے جب فرح اسٹڈی سے فارغ ہو کر سونے کو پلٹی تھی تو اپنی کھڑکی سے سمعان کے کمرے ...ٹن لائٹ دیکھی تھی۔ دل چاہا کہ وہ جا کر دیکھے سمعان کیا کر رہا ہے مگر پھر سمعان کو ڈسٹرب کرنے ...ل کر کے وہ لیٹ گئی تھی۔ الارم سیٹ کر کے سوئی تھی سو جلدی اُٹھ گئی تھی تب بھی کھڑکی سے جھانکا ...ن روشن تھی اسے اب حیرت ہوئی تھی پھر خیال آیا کہ شاید سمعان لائٹ آف کیے بغیر ہی سو گئے

...لا پڑھ کر وہ اب باہر نکلی تھی ارادہ سمعان کے کمرے میں جانے کا تھا کہ فون کی بیل نے اسے اپنی ...متوجہ کر لیا تھا۔ پی ٹی سی ایل پر آنے والا نمبر جانا پہچانا تھا۔

"السلام علیکم....."

"وعلیکم السلام..... فرح بیٹی.....؟" دوسری طرف چچا جان تھے' اسے حیرت ہوئی عرصے بعد ان کی ...وہ اپنے گھر میں کھڑی سُن رہی تھی۔ شاید برسوں بعد۔

"جی چچا جان۔"

"علی کہاں ہے؟"

"وہ تو سو رہا ہے۔"

"علی کو کہو فوراً ڈاکٹر ظفر والے اسپتال پہنچے بہت جلدی اور اپنے ابو کو بھی اطلاع دے دینا۔ زرش کی ...بن ٹھیک نہیں۔ اسپتال میں ایڈمٹ ہے۔"

"کیا....." فرح تو حیران رہ گئی تھی۔

"علی سے کہنا جلدی آئے..... علی کا بلڈ گروپ زرش سے میچ کرتا ہے اور ہمیں بلڈ کی اشد ضرورت ...ہے۔" وہ کہہ کر فون بند کر چکے تھے اور فرح کو لگا جیسے اس نے کوئی بھیانک خبر سُن لی ہو' فوراً بھاگی تھی۔

"علی اٹھو..... جلدی کرو۔" وہ حواس باختہ سی تھی۔ اس کی آواز میں نجانے کیا تاثر تھا کہ وہ ہڑبڑا ...اٹھ بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟"

"زرش کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ اسپتال میں ہے چچا جان نے تمہیں بلایا ہے شاید بلڈ کی ضرورت ...ہے۔"

"کیا....." وہ فوراً بستر سے نکلا تھا۔ "کیا ہوا ہے زرش کو؟"

"نہیں صرف اتنا ہی بتایا ہے انہوں نے۔ تم فوراً انکلو میں ابو اور سمعان بھائی کو بتاتی ہوں۔" وہ ...باہر بھاگی تھی۔

...کے چند پل میں سارے گھر والے حواس باختہ سے اپنے کمروں سے نکل آئے تھے حتیٰ کہ طاہرہ ...کر آ گئیں۔

"زرش اسپتال میں ہے چچا کا فون آیا ہے' بلڈ کی ضرورت ہے علی کو بلوایا ہے۔" فرح کے منہ سے نکلنے والے یہ الفاظ سُن کر ہی سمعان کو اپنا دل لرزتا محسوس ہوا۔

"زرش کو کیا ہوا ہے؟" سمعان کا ذہن الجھا تھا۔

"پتا نہیں....."

رات زرش کا جو ردعمل تھا اور اپنا جو رویہ تھا وہ فوراً یاد آیا۔ رات سے سمعان ڈسٹرب تھا۔ زرش نے پتا نہیں کیوں وہ سب کہہ دیا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ زرش پر اعتبار نہیں تھا یا وہ اس پر کوئی شک کر رہا تھا مگر زرش کے منہ سے وہ الفاظ سن کر ان کو حقیقتاً تکلیف ہوئی تھی۔ غصے میں وہ سب کچھ کہہ دیا تھا جو سمعان کی طبیعت و فطرت کو زیب نہیں دیتا تھا اور جواباً زرش کا ردعمل۔ انہوں نے زرش پر ہاتھ اُٹھایا تھا۔ رہ رہ کر اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ تو انتہائی حالت میں بھی اپنے جذبات پر کنٹرول کرنے کا اختیار رکھتے تھے تو پھر ان لمحات میں اتنا جذباتی رویہ کیوں "شو" کر دیا تھا۔ رہ رہ کر اپنے رویے اور الفاظ کے انداز پر تاسف ہو رہا تھا۔

زرش کا رونا' بے یقین نظروں سے ان کو دیکھنا۔ سمعان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وقت کا پہیہ اُلٹا دیں اور سب کچھ نارمل ہو جائے اور اب یہ اطلاع۔ سمعان کو رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ وہ اس حد تک ان کے رویے کی وجہ سے پہنچی ہے۔

ساری رات اُلجھتے شرمندہ ہوتے گزری تھی ایک پل کو بھی آنکھ نہیں لگی تھی اور اب یہ اطلاع۔

ان لوگوں کو وہاں پہنچنے میں تھوڑی دیر ہی لگی تھی۔ علی پہلے ہی بائیک لے کر نکل گیا تھا۔ وہ' سعید احمد اور فرح اکٹھے اسپتال پہنچے تھے۔

وہاں اسپتال میں وقار بھائی' جمال ماموں اور شائستہ کے علاوہ نڈھال سے شب خوابی کے لباس میں ملبوس سعود احمد کھڑے تھے۔

"السلام علیکم....." سمعان کو دیکھ کر وہ سب چونکے تھے مگر کسی نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ سعید احمد نے بھائی کو سہارا دیا تو وہ لب بھینچ کر رہ گئے۔

سمعان نے آگے بڑھ کر چچی کو بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔

"سمعان' دعا کرو وہ بچ جائے۔ خون بہت بہہ چکا ہے۔ ڈاکٹر بہت نا اُمید ہیں۔ دعا کرو میری بچی بچ جائے۔"

ان کے آنسو سمعان احمد کے سینے پر آگ کے شعلوں کی مانند دہک رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہوگا ان شاء اللہ۔" سمعان نے بڑے ضبط سے کہا تھا۔

"ہوا کیا تھا؟" چچی جان کو پانی پلا کر بنچ پر بٹھاتے پوچھا تو انہوں نے سمعان کو دیکھا۔

"پتا نہیں..... کل ہم نوشی کے ہاں گئے ہوئے تھے۔ رات گئے لوٹے تو وہ اپنے کمرے میں پڑی رہی تھی۔ میں دیکھ کر سونے چلی گئی تھی۔ صبح نماز پڑھنے اُٹھی تھی۔ اس کے کمرے میں دیکھا تو یہ بے حس پڑی ہوئی تھی۔ چاروں طرف خون جما ہوا تھا۔ ڈاکٹر کہتے ہیں اس نے اپنی (کلائی) کاٹی ہے۔

بولو تم نے ایسا کیوں کیا؟ کس چیز کی کمی آنے دی ہے ہم نے اسے۔ جو کہتی ہے ہم مان رہے ہیں۔ اس نے ایسا قدم کیوں اُٹھایا کم از کم ہمارا خیال ہی کر لیتی' اپنے باپ کو ہی دیکھ لیتی' کیسے سانسیں لیتی ہیں کے سینے میں گھٹ گھٹ کر چل رہی ہیں۔"

سمعان کو اپنا ذہن خالی ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے جذباتیت میں اتنا بڑا قدم اُٹھایا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کرنا آسان تھا کیا؟ وہ جذباتیت میں اتنا بڑا قدم اُٹھا لے گی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اور اس کے اس اقدام کا ذمہ دار کون ہے؟" سمعان نے سختی سے لب بھینچ لیے۔ اچانک آنسو بہاتی شائستہ کو کچھ یاد آیا تھا۔

"تم کب آئے تھے؟"

"رات کو ہی آیا تھا؟" انہوں نے سمعان کے چہرے کو دیکھا تو اس نے سر جھکا لیا۔ کچھ خاص بات تھی اس چہرے میں' وہ چونک گئیں۔

"تم رات گھر آئے تھے؟" انہیں زرش کے کمرے میں بکھرے پھول اور پتیاں یاد آئیں تو سمعان سے پوچھا۔

"جی....." گویا اعترافِ جرم ہوا تھا۔

"کیا تمہاری زرش سے کوئی بات ہوئی تھی۔ وہ شام تک تو بالکل ٹھیک تھی' خوش تھی۔ کیا تم دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا تھا؟" ان کا دل انجانے وسوسوں سے ہول رہا تھا۔

سمعان نے سختی سے لب بھینچ کر چچی کو دیکھا۔

شائستہ بیگم نے دیکھا سمعان کی آنکھیں شدتِ ضبط سے سرخ انگارا ہو رہی تھیں۔

"سمعان....." انہوں نے سمعان کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو سمعان فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میں ذرا ڈاکٹر سے مل لوں۔" بڑے بڑے قدم اُٹھاتا سمعان احمد آگے بڑھ گیا تو وہ خالی نظروں سے سمعان کی چوڑی پشت کو دیکھے گئیں۔

"چچی جان....." فرح ان کے پاس بیٹھی تو انہوں نے خالی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر رو دیں..... ان کی بیٹی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی ان کا دل ہی پھٹ پڑنے کو تھا۔

جوں جوں لمحے بیت رہے تھے سب کے دلوں کی دھڑکنیں انتشار کا شکار ہوتی جا رہی تھیں۔ علی خون لے کر واپس آیا تو وقار بھائی چلے گئے تھے۔

"علی وہ کیسی ہے؟"

"ڈاکٹرز لگے ہوئے ہیں۔" علی نے رنجیدہ غم زدہ چچی کے آنسو صاف کرتے بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔ اس وجود میں انہیں ماں کی محبت ملی تھی۔ ان سب بہن بھائیوں کی تشنگیوں و محبتوں کا مرکز ہوا تھا اور آج ان کی اپنی ممتا امتحان میں تھی۔

"تسلی رکھیں ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہماری دعائیں اتنی بے اثر نہیں ہیں۔ اللہ اسے اپنے لیے ضرور دے گا۔ آپ بس دعا کریں' بڑے مدبرانہ انداز میں اس نے شائستہ کو سنبھالا ہوا تھا۔

"ڈاکٹر پُر امید ہیں۔ دراصل بلیڈنگ بہت ہوگئی ہے۔ نس کٹ گئی تھی۔ تو خون کا ضائع ہوجانا فطری بات تھی۔ شکر ہے آپ لوگ جلدی اسپتال لے آئے ورنہ دیر ہوجاتی تو..... اس "تو" نے ان کی سانسیں اٹکادی تھیں۔

کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد ڈاکٹرز روم سے باہر آئے تو سبھی ان کی طرف بڑھے تھے۔

"ہم نے تو اپنی سی پوری کوشش کی ہے' زندگی اور شفا دینے والی ذات تو صرف اللہ کی ہے۔ بلڈ باڈی سے میچ کرگیا ہے۔ سانس کی آمدورفت بہتر ہورہی ہے۔ آپ دعا کریں اگر چند گھنٹوں میں اسے ہوش آگیا تو پھر خطرے کی کوئی بات نہیں۔ کچھ دیر بعد اسے آئی سی یو میں منتقل کردیا جائے گا۔" ڈاکٹر تسلیاں دے کر چلا گیا تھا اور اب وہ سب دعاؤں سے ناتا جوڑے بیٹھے تھے۔

ایمرجنسی روم سے آئی سی یو تک منتقلی کے دوران سمعان ڈاکٹر ظفر کے ساتھ ہی رہا تھا۔

"سمعان! زرش نے ایسا کیوں کیا ہے؟"

آئی سی یو میں ڈاکٹر ظفر کے ساتھ بھی۔ وہ مسلسل زرش کے خون سے نچڑے زرد چہرے پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ ظفر کے متوجہ کرنے پر اسے دیکھا اور پھر لب بھینچ کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"تم اِدھر بیٹھ جاؤ۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔" سمعان کی ضبط سے سرخ انگارہ آنکھیں دیکھ کر اس نے بھی دوبارہ استفسار نہیں کیا تھا۔ سمعان بیڈ کے قریب پڑی کرسی پر ڈھے گیا۔ ضبط سے آنکھیں مسلتے اس نے بیڈ کے سرے پر پیشانی ٹکادی تھی۔

بہت کڑی منزل تھی یہ۔

بہت جان لیوا امتحان تھا یہ۔

لمحہ بہ لمحہ جان کنی کے عمل سے گزرنا آسان کب ہوتا ہے؟

وہ بستر پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی اور سمعان احمد کو یوں لگ رہا تھا گویا ان کی اپنی ذات موت و زیست کے درمیان معلق ہے۔

لمحے بہت طویل ہوگئے تھے۔

اگر انتظار تھا تو بہت جان لیوا تھا۔

زرش اس حال تک صرف اور صرف ان کی وجہ سے پہنچی تھی۔ احساس ندامت انہیں مسلسل جھنجوڑ رہا تھا۔

ان کی ایک پل کی لغزش برسوں کی ریاضت کو اکارت کرگئی تھی۔

سمعان احمد کے چند نامناسب الفاظ اسے زندگی سے دور لے گئے تھے۔ اچھی طرح پتا تھا وہ کس قدر جذباتی ہے۔

وہ جذباتی تو شروع سے ہی تھی مگر اپنے ضبط کے یوں چھلک جانے پر افسوس ہورہا تھا۔ اس کے ساتھ جو بھی ہوا تھا اس کو اس نے زندگی و موت کا مسئلہ بنالیا تھا۔ عزت و بے عزتی کے معیاروں پر ذہن کو اُلجھا کر وہ سب سے متنفر اپنی ذات کو تنہا کیے ہوئے تھی اور ایسے میں یہ دھچکا اس کی روح کو

لاوہ پامال کرنے کے لیے کافی تھا۔

سمعان نے اس کا چہرہ دیکھا' ای سی جی کے ذریعے سانس لیتا اس کا وجود ڈرپز اور خون کی بوتلوں میں جکڑا سراپا کیسا ندامت کا احساس دلا رہا تھا۔

یہ لڑکی ان کا دل تھی۔

ان کے جسم میں دوڑنے والا خون کا ایک قطرہ تھی۔

روح کی مانند ان کے پورے وجود میں حلول تھی وہ بھلا اس طرح زندگی سے کیوں کر روٹھ سکتی تھی۔

سمعان اسے کیونکر زندگی سے منہ موڑتے دیکھ سکتا تھا۔

سمعان نے بہت آہستگی سے اس کے بازو پر اپنی انگلیاں رکھ دی تھیں۔

"سوری..... ایم سوری مائی ڈیئر۔ رئیلی سوری..... میں جذباتی ہوگیا تھا۔" سمعان احمد نے اپنا چہرہ اپنے ہاتھ پر رکھ لیا تھا مگر تلافی کا وقت گزر چکا تھا شاید۔ چند گھنٹے مزید سرکے تو سب کو تشویش لاحق ہوگئی۔ ڈاکٹر ہر دوسرے منٹ بعد چیک کررہے تھے۔ ٹریٹمنٹ مسلسل مل رہا تھا مگر وہ ہوش میں نہیں آرہی تھی۔

صبح سے دوپہر اور پھر دوپہر بھی ڈھلنے لگی تو سب ہی پریشان ہوگئے۔

نوشی کو تو نہیں البتہ ہادیہ کو وقار بھائی نے فون کرکے بلوالیا تھا وہ اور پھوپی بیگم یہیں تھیں شائستہ کی طبیعت الگ غم سے نڈھال ہوتی جارہی تھی۔ سب اپنی جگہ مجبور تھے مگر کوئی کچھ نہیں کرپا رہا تھا۔

شائستہ بیگم اس وقت آئی' سی' یو میں تھیں۔ مسلسل کچھ نہ کچھ پڑھ کر اس پر پھونک رہی تھیں۔

شام کے سائے گہرے ہورہے تھے۔ نرس پاس ہی تھی ڈاکٹرز ہر پل چیک کررہے تھے۔

مانیٹرنگ مشین ہر سانس کی رپورٹ دے رہی تھی۔

اچانک زرش کے وجود میں جنبش ہوئی تھی۔ اس پر نظریں جمائے بیٹھی شائستہ فوراً الرٹ ہوئی تھیں۔

زرش اپنا سر تکیے پر ارد گرد پٹخ رہی تھی۔

"زرش....." وہ فوراً اٹھ کر اس پر جھکی تھیں۔

زرش نے آنکھیں کھول کر اپنے اوپر جھکے وجود کو دیکھا اور پھر بے تاثر آنکھوں سے دیکھے گئی۔ وہ پہچان نہیں پارہی تھی کہ وہ کہاں ہے؟ اس کے سامنے کون ہے؟ ذہن عجیب اندھیروں میں بھٹک رہا تھا۔

"زرش..... سسٹر زرش کو ہوش آگیا ہے۔ ڈاکٹر کو بلواؤ۔" ڈاکٹر ابھی چیک کرکے باہر نکلے تھے نرس فوراً باہر بھاگی تھی۔ اگلے ہی پل ڈاکٹرز کمرے میں تھے۔

"آپ پلیز باہر چلی جائیں۔" زرش مسلسل تکیے پر سر پٹخ رہی تھی اس نے شائستہ کو بار بار پکارنے پر بھی نہیں پہچانا تھا۔ شائستہ بیگم باہر نکل آئی تھیں۔ سبھی ڈاکٹرز کے اندر جانے پر پریشان ہوچکے تھے۔ شائستہ کو باہر آتے دیکھ کر سب کے دل سہمے۔

"کیا ہوا.....؟" سب ان کی طرف لپکے تھے۔

"زرش نے آنکھیں کھولی ہیں' اسے ہوش آیا ہے مگر۔" اس اُدھوری خبر پر سب کی ہی سانسیں رُکی تھیں۔

"میں دیکھتا ہوں....." ڈاکٹر ظفر اور سمعان فوراً اندر چلے گئے تھے۔ زرش کو ہوش آ گیا تھا مگر ذہنی لحاظ سے وہ اس قدر ڈسٹرب تھی کہ کسی کو بھی پہچان نہیں پا رہی تھی۔ چند منٹ بعد ڈاکٹر نے چیک اپ کر کے اس کی کنڈیشن کو آبزرو کرتے ہوئے اسے ٹرپلکولائزر کے ذریعے دوبارہ ہوش و حواس سے بے گانہ کر دیا تھا۔

"شی از ناؤ بیٹر..... اب خطرے کی کوئی بات نہیں۔ چونکہ وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب تھی اس لیے انجکشن دیا ہے۔ کل صبح تک نارمل ہو جائیں گی۔ ہوش میں آ جائیں گی۔ ای سی جی فی الحال اپنا کام کرے گی وقفے وقفے سے ہم دیکھتے رہیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں' وہ اب خطرے سے باہر ہیں۔" ڈاکٹر ظفر نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ سمعان کے کندھے پر تسلی بھرا ہاتھ رکھا تو اس کی آنکھوں میں تشکر سے نمی سمٹ آئی تھی۔

وہ کچن سے برتن سمیٹ کر پلٹی تو شارق زمان سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

"کیا مصیبت ہے؟" ناگواری کی ایک تیز لہر نے اس کے چہرے کو سرخ کیا تھا۔ اس ٹکراؤ سے الجھا تو شارق زمان بھی تھا مگر وہ سنبھل چکا تھا۔ ایک گہری نگاہ نویرہ پر ڈالی بے نیازی سے دوپٹہ گلے میں ڈالے وہ کھانے کے سارے برتن سنک میں ڈھیر کر رہی تھی' دھونے کا ارادہ تھا شاید۔ اس کا خوب صورت سراپا' بھرے بھرے وجود میں تبدیل ہو چکا تھا۔

شارق زمان نے پہلی بار اسے یوں غور سے دیکھا۔

نویرہ پلٹ کر برتن دھونے لگی تھی۔

"کوئی کام تھا؟" بغیر کوئی تاثر چہرے پر لائے وہ شارق زمان کو مسلسل سر پر کھڑے دیکھ کر پلٹی تھی۔ بلانا ناگزیر ہو چکا تھا' سو مجبور تھی۔

"کام تو واقعی تھا مگر تم سے نہیں۔" اس کے وجود سے نظریں ہٹا کر شارق نے بھی تلخی سے کہا تھا۔

"شاکرہ....." وہیں کھڑے کھڑے شاکرہ کو پکارا تھا۔

"جی....." وہ اگلے ہی پل بھاگی آئی تھی۔

"تمہیں کس لیے رکھا ہوا ہے۔ برتن تم خود نہیں دھو سکتی۔"

نویرہ نے نہایت تعجب سے شارق کو دیکھا۔ برتن دھوتے ہاتھ تھم گئے۔

"میں دھونے والی تھی۔ نویرہ بی بی نے خود منع کر دیا تھا کہ میں بڑی بی بی کی ٹانگ کی مالش کروں۔" وہ فوراً وضاحت کرنے لگی تھی۔

"اچھا ایک کپ چائے بنا کر میرے کمرے میں بھیجو۔"

"جی اچھا....." شاکرہ فوراً چولہے کی طرف بڑھی تھی۔

نویرہ لب بھینچ کر شارق زمان کو جاتے دیکھتی رہی۔

شاکرہ چائے بنا کر لے گئی تھی۔ نویرہ بھی برتن دھو کر دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی لاؤنج میں آ بیٹھی۔

ایک دو دن سے شارق زمان کے تیور بدلے ہوئے تھے کیوں؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

اگر یہ عنایت تھی تو وجہ کیا تھی؟

وہ صوفے پر بیٹھی اُلجھ رہی تھی۔

"بی بی جی صاحب تو گھر پر ہی ہیں۔ تالے وغیرہ لگا دوں۔"

نجانے کتنی دیر وہ اُلجھتی رہی تھی شاکرہ کی آواز پر اسے دیکھا اور پھر سر ہلا دیا۔ "اماں کو میڈیسن کھلا دی ہے۔" شاکرہ واپس آئی تو نویرہ نے اُٹھتے پوچھا۔

"جی....."

"اچھا کل کا یاد ہے نا..... بڑے دن ہو گئے ہیں تفصیلی صفائی کیے ہوئے کل سنڈے ہے۔ سارے گھر کی جھاڑ پونچھ کرنی ہے کچھ سیٹنگ بھی چینج کروں گی کچن کا کام صبح صبح خود ہی دیکھ لینا۔"

"جی اچھا....."

"اماں سو گئی ہیں کیا؟" جاتے جاتے پلٹی تھی۔

"نہیں' شارق صاحب سے باتیں کر رہی ہیں۔"

"حیرت ہے اس شخص کو آج ماں کے پاس دو گھڑی بیٹھنے کا کہاں سے وقت مل گیا ہے۔" اس نے حیرت کا برملا اظہار کیا تھا۔ شاکرہ بھلا کیا کہتی خاموش رہی۔

"میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں اماں پوچھیں تو بتا دینا۔ اسے بتا کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ سارا دن مصروفیت میں گزر جاتا تھا۔ اسے فارغ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے کی عادت ہی کب تھی۔ کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہتی تھی یہ بھی خود کو مصروف رکھنے کا ایک علاج تھا' انسان خود ساختہ سوچوں سے بچا رہتا ہے یہ اس کا خیال تھا۔ ذہنی خلجان سے دوچار نہیں ہوتا۔

ذہنی مشقت انسان کو وقت سے پہلے مار دیتی ہے۔

وہ پُرسکون رہنا چاہتی تھی شارق زمان کی موجودگی میں یہ ممکن تو نہ تھا مگر اس نے خود کو یہ باور کرا لیا تھا اب ہر ناممکن کو ممکن بنانا ہے۔

سارے دن کی مصروفیت سے بدن دُکھ رہا تھا۔ وہ وضو کر کے جائے نماز پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ اپنے سارے دن کی پریشانیوں اور ذہنی تفکرات کو رات کے وقت اللہ کے سامنے بیان کرنے میں بھی ایک لطف تھا۔ بندہ ربّ کے نزدیک ہو جاتا ہے جب کہنے سننے والا کوئی نہ ہو۔ یہی وہ دَر ہے جہاں بندہ سر جھکانے کے بعد شرمندہ نہیں ہوتا بلکہ سکون و تسکین کے خزانوں سے جھولی بھر کر اُٹھتا ہے۔

نہایت خشوع و خضوع سے اس نے نماز ادا کی تھی ایک ایک حرکت میں عاجزی و انکساری جھلک رہی تھی۔ نماز ادا کر کے کتنی دیر وہ ہاتھ پھیلائے اپنے ربّ کے سامنے زیرِ لب سکھ' نیک نامی اور عزت

کی زندگی مانگتی رہی تھی۔ صبر وضبط سے یہ مشکل وقت جھیل جانے کی دعائیں کرتی رہی تھی۔
دعا مانگ کر منہ پر ہاتھ پھیر کر وہ جائے نماز لپیٹ کر پلٹی تو اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔
اس کے بیڈ پر شارق زمان بڑے پُرسکون انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔
"تم....."
شارق زمان نے اس کی جانب دیکھا۔
"کیوں آئے ہو تم میرے کمرے میں؟" ایک دم وہ غصے میں آئی تھی وہ کمرے میں آنے کے بعد دروازہ ہمیشہ لاک کر دیتی تھی مگر ابھی وہ نماز پڑھ رہی تھی اور شارق زمان نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا تھا۔
"تمہارے کمرے میں آنے پر پابندی ہے کیا؟" اس کا انداز بڑا تضحیک آمیز تھا نویرہ سلگی۔
"پابندی ہی ہے۔ میں نے منع کیا تھا تمہیں شارق زمان۔ تمہیں کس نے اجازت دی یہاں گھسنے کی؟"
"کیا کسی وزیراعظم کی اجازت درکار ہوتی ہے؟" بڑا پُرسکون سلگا دینے والا انداز تھا۔ نویرہ نے غصے سے شارق زمان کے پُرسکون چہرے کو دیکھا۔
"ہونہہ..... وزیراعظم؟ کیا تمہیں میرے باکردار ہونے کا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے۔ جو تمہاری غیرت نے میرے کمرے میں آنے کی زحمت گوارا کر لی ہے۔" جائے نماز ایک طرف رکھ کر وہ پھنکاری تھی۔
"نویرہ....." اس کے طعنے پر وہ فوراً بدکا تھا۔
"براہِ مہربانی شارق زمان صاحب! یہاں سے چلے جاؤ۔" اس نے تنفر سے کہا تھا۔ "میں اب بھی وہی نویرہ ہوں۔ نہ میری فطرت بدلی ہے نہ ہی میرا کردار۔ ہاں تمہاری اس طرح کی حرکتوں سے تمہارے کمزور نفس ہونے کا ضرور ثبوت مل رہا ہے۔" بڑی گہری چوٹ لگی تھی۔ شارق زمان ایک دم بستر سے اُٹھا تھا۔
"تو پھر اس گھر میں کیوں ہو؟ چلی کیوں نہیں جاتی..... تم اب بھی میری بیوی ہو۔ میرے نکاح میں، میں کسی غیر عورت کے کمرے میں نہیں گھسا۔"
"اس گھر میں رہنا مجبوری ہے میری، بتا چکی ہوں پہلے بھی اور جب زندگی بڑی تنگ ہو گئی اور یہ چار دیواری مجھ پر کم پڑنے لگی تو یہاں سے بھی نکل جاؤں گی فکر نہ کریں شارق زمان صاحب۔" بغیر ڈرے لہجے میں کہا تھا۔
"ہونہہ..... تم سے اور توقع بھی کیا کی جا سکتی ہے؟" شارق زمان استہزائیہ ہنسا تھا۔ نویرہ نے لب دانتوں تلے دبا کر خود پر ضبط کیا تھا۔
یہ شخص اس کی زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھا۔ کاش وہ اس شخص کو شوٹ کر سکتی۔
اس کی اذیت کا ایک اور ہی عالم تھا۔
"براہِ مہربانی آپ یہاں سے چلے جائیں۔" بڑے ضبط سے کہا تھا۔

"اگر نہ جاؤں تو؟" شارق زمان نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا، بڑا چیلنجنگ انداز تھا۔
نویرہ نے ایک دو بار اسے دیکھا تھا اور پھر پلٹی تھی اس سے پہلے کہ شارق زمان کچھ سمجھتا وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔
شارق زمان فوراً پیچھے آیا تھا مگر تب تک وہ اماں کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر گھس گئی تھی۔
"شاکرہ دروازہ لاک کر دو میں اماں کے پاس ہی لیٹ رہی ہوں۔"
اماں سو چکی تھیں میڈیسن لے کر سوئی تھیں۔ سو ڈسٹرب نہیں ہوئی تھیں۔ جب کہ شاکرہ اچانک اس کے آنے اور اماں کے بستر پر چڑھتے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس افتاد کو سمجھ نہیں پائی تھی۔
شارق زمان نے بڑے غصے سے اسے دیکھا تھا۔ قدم دروازے میں ہی رُک گئے تھے۔ اندر زبردست تحریک برپا ہوئی تھی۔
زبردستی تو بہت عام سی بات تھی۔
وہ تو..... شاکرہ کو دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا۔
لے جانے کو تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ہر طرح کے احتجاج کے باوجود اسے اپنے کمرے میں لے جا سکتا تھا کہ اماں اور شاکرہ بھی نہیں روک سکتی تھیں اور خود نویرہ بھی نہیں۔ اشتعال اس قدر بڑھ رہا تھا کہ سب کچھ ختم کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔
"کھڑی دیکھ کیا رہی ہو؟ سمجھ نہیں آ رہی کہ دروازہ بند کر دو میں اب اِدھر ہی سوؤں گی....." اس نے غصے سے اسے ٹوکا تھا۔ شارق زمان کی موجودگی کو بالکل نظر انداز کیا تھا۔
وہ آرام سے لیٹ چکی تھی اور شاکرہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ شارق زمان کے دروازے پر کھڑے ہونے پر دروازہ کیسے بند کر دے۔ اسے نویرہ کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔
نہایت غصے سے شارق زمان پاؤں پٹختے پلٹا تو نویرہ استہزائیہ خالی دروازے کی چوکھٹ کو دیکھے گئی۔
"دروازہ بند کر دو....." چادر سر پر تانتے اس نے شاکرہ سے کہا تھا۔

❁.....❁.....❁

صبح کے وقت اسے مکمل طور پر ہوش آیا تھا۔ ڈاکٹرز نے چیک اپ کے بعد اسے مکمل طور پر نارمل قرار دے کر ملنے کی اجازت دے دی تھی۔ سب سے پہلے شائستہ بیگم کمرے میں گئی تھیں۔
اپنی حرکت پر زرش خود بھی ششدر تھی۔ وہ جذبات میں اس قدر حواس باختہ ہو گئی تھی کہ کچھ بھی خیال نہ رہا تھا اور اس سارے قصے کی وجہ کیا تھی اس کا ذہن پھر ڈپریشن کا شکار ہوا تھا اور پھر شائستہ بیگم کو کمرے میں آتا دیکھ کر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ شرمندگی، بے چارگی نے اتنا بے بس کیا کہ بند آنکھوں سے آنسو بہتے چلے گئے تھے۔ وہ اپنے ماں باپ اور دوسرے لوگوں سے کیسے آنکھ ملائے گی۔ سب وجہ پوچھیں گے تو وہ کیا بتائے گی۔
"زرش....." شائستہ بیگم نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو وہ اندر ہی اندر سسکی۔

"یا اللہ....." شائستہ بیگم نے اس کے چہرے پر پھیلتے آنسو دیکھے تھے۔ فوراً صاف کیے تھے۔

"زرش....."

مگر زرش نے آنکھیں وا نہیں کی تھیں وہ اپنے اندر کسی سے بھی سامنا کرنے کی ہمت نہیں پاتی تھی۔ خاص طور پر اپنے ماں باپ کے سامنے تو کبھی نہیں۔ شائستہ بیگم کے دو تین بار پکارنے پر بھی اس نے آنکھیں نہ کھولیں تو انہوں نے آہستگی سے ڈرپ میں جکڑا اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"مجھے نہیں معلوم تم نے ایسا کیوں کیا؟ مگر تم نے ایک دفعہ بھی ہمارا نہ سوچا۔ تم جس عذاب سے گزر رہی ہو تم اکیلی تو اس تکلیف میں مبتلا نہیں ہو نا۔ ہم بھی برابر کے شریک ہیں' پھر اکیلے اپنا ہی کیوں سوچا ہمارا بھی سوچتیں' ہم کیسے جیتے؟" شائستہ بیگم کی پرشکوہ نم آواز نے رہے سہے بھرم کو بھی فنا کر ڈالا تھا وہ ایک دم آنکھیں کھولتی سسک اٹھی تھی۔

"ماما....."

شائستہ نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی تھی پھر اس کا چہرہ صاف کر کے اسے بغور دیکھا وہ نگاہیں پھیر گئی تھی۔ ان کے لبوں پر نہیں مگر آنکھوں میں سوال تھا۔

"کیوں..... کیوں کیا؟ میں وجہ نہیں پوچھ رہی..... مگر اتنے سارے اور لوگوں کو کیا بتاؤ گی۔" اس کے نگاہیں چرانے نے انہیں دکھ دیا تھا۔ وہ پھر بھی چپ رہی تھی اور پھر شائستہ بیگم نے اسے زیادہ کچھ کہا بھی نہ تھا۔ بے شک وہ بچ گئی تھی مگر ابھی بھی بستر پر ہی تھی۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے کوئی نہ کوئی کمرے میں جاتا رہا تھا۔ نوشی کو بھی اطلاع مل گئی تھی وہ بھی پہنچ گئی تھی۔ شائستہ بیگم نے سب کو ہی منع کر دیا تھا کہ زرش سے بار بار وجہ پوچھ کر ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ کچھ زرش بھی زیادہ وقت آنکھیں بند کیے خاموش پڑی رہی تھی۔

"سمعان زرش کے نارمل ہونے کی خبر سن کر کچھ دیر وہاں ٹھہرا تھا پھر سب اندر جاتے اور باہر آ کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے تھے۔"

سمعان کے اندر یک گونہ سکون اترا۔ زرش کی جذباتیت نجانے اسے کہاں کہاں شرمندہ کرواتی مگر سہولت ہو گئی تھی کسی نے بھی اصل وجہ ڈسکس نہیں کی تھی مگر کب تک اس موضوع پر پردہ پڑے رہنا تھا۔

سمعان مزید دو گھنٹے وہاں رکا تھا۔

پوری رات جاگنے اور گزشتہ رات کا جگرتہ اب جسمانی طور پر نڈھال کر رہا تھا۔ سمعان نے سب کو اپنی اپنی باتوں میں مصروف دیکھا تو خاموشی سے وہاں سے ہٹ آیا تھا۔

زرش کے پاس جانے کو دل بے قرار تو تھا مگر زرش کی آنکھوں میں چھپے سوالوں کا کیسے سامنا کیا جاتا؟

اس قدر شرمندگی تو اس وقت بھی نہیں ہوئی تھی جب ماں کے الزامات کا بوجھ اٹھائے دوبارہ پہلی بار زرش سے سامنا ہوا تھا۔

سمعان خاموشی سے گھر چلا آیا تھا۔ گاڑی گھر کے پورچ میں روکی تو طاہرہ بیگم فوراً اندر سے چلی آئی

"کیسی ہے وہ اب؟"

رات فرح اور علی گھر آ گئے تھے فرح نے بتایا تھا کہ صبح ہوش آئے گا تو پتا چلے گا آئی سی یو میں ہے۔ صبح وہ دونوں کھانا لے کر چلے گئے تھے اور اب سمعان کو دیکھ کر وہ پوچھے بغیر نہ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔" ماں کی آنکھوں کی سرخی دیکھ کر سمعان نے صرف سر ہلا دیا تھا۔

"ہوا کیا تھا اسے؟"

سمعان کے ساتھ ساتھ وہ بھی چلتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ سمعان نے صرف ایک خاموش نگاہ سے انہیں دیکھا تھا۔ وہ خجل سی ہو گئی تھیں۔

"میں کمرے میں جا رہا ہوں اگر زحمت نہ ہو تو ماجدہ سے کہہ کر کچھ کھانے کو منگوا دیں۔" اپنے کمرے کی طرف بڑھتے سمعان نے کہا تھا۔

سمعان کے یہ چند جملے بھی شائستہ بیگم کے لیے بڑے غنیمت تھے۔ اکیلے' تنہا خاموش گھر میں جینے کا گویا اک پل ملا تھا ورنہ ماجدہ کے ساتھ یا پھر فرح سے ہی چند جملے بول پاتی تھیں۔ علی نے تو کبھی نگاہ اٹھا کر بات تک نہ کی تھی' پاس سے ایسے گزر جاتا تھا کہ گویا ماں نہ ہوئی کوئی اجنبی عورت ہو گئی۔ سعید احمد کا تو رویہ ہی سب سے الگ تھا۔ انہیں جوان اولاد کا احساس نہ ہوتا تو شاید کب کے تین لفظ بول چکے ہوتے۔

کھانا لے کر وہ سمعان کے کمرے میں خود آئی تھیں۔ بڑی محبت سے ٹرے سجائی تھی۔ تیار تو سب کچھ تھا صرف چائے ہی تازہ بنائی تھی یا پھر پھلکے۔ سمعان واش روم سے نکلا تو ماں کو دیکھ کر ٹھٹکا۔

بڑے عرصے بعد طاہرہ بیگم کو "ماں" کے روپ میں دیکھا تو آنکھوں کو یقین کرنے پر تامل ہوا تھا۔

"آپ..... ماجدہ کو بھیج دیتیں۔" سمعان کے تلخ لہجے پر انہوں نے ٹرے رکھ کر اسے دیکھا۔

سمعان پلٹ کر آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ نہا کر کھڑا تھا' تولیے سے سر رگڑتے ماں کو نظر انداز کیا تھا۔ ان کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

"تم نے بتایا نہیں ہوا کیا تھا اسے؟" سمعان نے آہستگی سے اسٹینڈ پر تولیہ ڈال دیا تھا۔

"آپ کو اسپتال جانا ہے؟" بجائے جواب دینے کے سمعان نے نہایت سنجیدگی سے ان کے چہرے کو دیکھا۔

طاہرہ بیگم کے چہرے کے زاویے فوراً بدلے تھے۔

جن لوگوں سے ساری عمر نفرت کا برملا اظہار کیا ہو اب ان سے ایک دم ہمدردی کا اظہار کرنا۔ ان کے اندر نفرت کا خیال آتے ہی اک تلخی سے اترنے لگی تھی۔

سمعان کے تھکے وجود اور مضمحل اعصاب نے شائستہ ہمدردی برتنے پر مجبور کر دیا تھا یا پھر شاید انسانیت کے ناتے پوچھ لیا تھا۔ وہ بھی انسان تھیں۔

اپنے سینے میں انسان کا دل رکھتی تھیں کوئی پتھر نہیں۔

"نہیں....." اگلے ہی پل اپنے خول میں بند ہوئی تھیں سمعان نے خاموشی سے صوفے پر بیٹھ کر ٹرے اپنے آگے کھسکالی تھی۔

"تو پھر ان لوگوں کے بارے میں پوچھیں بھی نہ۔ آپ کی نفرت پر حرف آئے گا۔" بڑے ہی سنجیدہ لہجے میں ماں کو دیکھا تھا۔

"تم....."

"میں اس وقت آرام سے کھانا کھانا چاہتا ہوں اور پھر اس کے بعد آرام پلیز تنہا چھوڑ دیں مجھے۔" انہوں نے تلخی سے کچھ کہنے کو لب وا بھی کیے تو سمعان کے ٹوکنے پر فوراً بھینچ لیے تھے۔

سمعان نے بھی ان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ کیا کچھ نہ ہو چکا تھا۔ ایک لفظ بھی نہیں۔ حتیٰ کہ شکوہ تک نہیں اور ایسے میں اب سمعان کا یہ سنجیدہ انداز طاہرہ بیگم خاموشی سے کمرے سے نکل گئی تھیں۔

کھانا کھا کر سمعان بستر پر لیٹ گیا تھا تھکن' سفر اور دو راتوں کے رتجگوں نے نڈھال کر دیا تھا مگر پھر بھی نیند پلکوں سے روٹھی ہوئی تھی۔ ذہن کی سطح پر خون سے نچڑا زرد وجود ہی چھایا ہوا تھا۔ آنکھوں میں گویا صرف ایک ہی منظر چسپاں ہو گیا تھا۔ سمعان نے بڑی کوشش کی تھی سونے کی مگر بے چینی و بے بسی اس حد کی تھی کہ اُکتا کر سمعان نے درازیں کھنگالی تھیں۔

ایک سلیپنگ پلز کی ڈوز لے کر سمعان نے آنکھیں موند لی تھی۔ سمعان نے پہلے کبھی ایسے مصنوعی سہاروں کی ضرورت محسوس نہ کی تھی مگر اب لگ رہا تھا کہ اس سہارے کے بغیر نیند آنے والی نہیں جب کہ سمعان کو ذہنی و جسمانی دونوں لحاظ سے سکون و آرام کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

نجانے کب تک آنکھ بند رہی تھی اور نجانے کب تک سویا رہا۔

"سمعان اٹھو....." اس پکار پر سمعان نے بمشکل آنکھ کھولی تھی۔ اپنے اوپر جھکے عثمان بھائی کے وجود کو دیکھ کر فوراً حواس بحال کیے تھے۔

"آپ..... یہاں.....؟ خیریت.....؟" سمعان نے فوراً اُٹھ کر انہیں دیکھا وہ سیدھے ہو کر مسکرائے۔

"اللہ کا شکر ہے' خیریت ہی ہے۔ اطمینان سے..... بڑی گہری نیند میں تھے۔" عثمان نے بغور دیکھا۔ سمعان مسکرا دیا۔

"ہوں..... کب آئے آپ؟"

رات ابو نے زرش کے بارے میں بتایا تھا۔ میں اور زوباریہ دوپہر کو آئے تھے' زوباریہ تو اسپتال میں رُک گئی ہیں میں نے سوچا گھر کا چکر لگا لوں' گھر آئے بھی مجھے کافی دیر ہو گئی ہے۔ بڑی دیر تک سوئے تم....."

"ہاں دو تین دنوں کی مسلسل تھکن اور بھاگ دوڑ تھی پھر نیند بھی ٹھیک سے نہیں آئی تھی۔" سمعان بستر سے اُتر چکا تھا۔

"میں اسپتال کا چکر لگانے والا تھا۔ رات ٹھہریں گے صبح چلے جائیں گے۔ فریش ہو لو پھر اکٹھے چلتے

ہیں۔ کیا خیال ہے۔"

سمعان نے ٹائم دیکھا شام کے چھ بج رہے تھے کئی گھنٹے سویا تھا۔ مگر اس کے باوجود ذہن و دل اسی طرح پریشانی میں الجھے ہوئے تھے۔ گولی کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا سوائے گہری نیند کے۔

"علی اور فرح اُدھر ہی ہیں کہ گھر آ گئے ہیں؟" اپنی وارڈ روب کھولتے بھائی کو دیکھا۔

"نہیں میں ابو علی اور فرح اکٹھے ہی گھر آئے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد ابو تو آفس چلے گئے تھے کہ کل سے چکر نہیں لگایا۔ زرش کے پاس پھپھو اور نوشی تھی۔ چچا اور چچی بھی تھکن محسوس کر رہے تھے' زبردستی عفان دونوں کو گھر لے گیا تھا۔"

"میں باتھ لے لوں' پھر چلتے ہیں۔" سمعان کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گیا تھا۔

جب سمعان اپنے کمرے سے نکلا تو طاہرہ بیگم کچن میں کھانے کی تیاری میں لگی ہوئی تھیں۔ دونوں بھائیوں کو جاتے دیکھ کر فوراً کچن سے نکلی تھیں۔

"کہاں چل دیئے تم لوگ؟" دونوں ہی رُک گئے تھے۔

"اسپتال جا رہے ہیں۔" سمعان تو چپ ہی رہا عثمان بھائی کو ہی بولنا پڑا تھا۔

"اب کتنے دن چلے گا یہ تماشا؟" ایک دم تلخی سے کہا تھا۔

"امی پلیز....." صرف سمعان کے چہرے پر ہی سرخی نہیں چھائی تھی عثمان کو بھی ٹوکنا پڑا تھا۔ طاہرہ بیگم نے سر جھٹکا۔

اتنے دنوں بعد بیٹوں کو دیکھ رہی تھیں وہ چند پل کے بعد پھر غائب ہونے کو تھے۔ غصہ تو اس بات پر آ رہا تھا کہ زوباریہ نے گھر آنے تک کی زحمت گوارا نہ کی تھی وہیں رُک گئی تھیں۔ جب کہ ان کا دل بیٹے کو دیکھنے کو کیسے مچل رہا تھا مگر کس منہ سے کہتیں۔ دل میں جو تھوڑی بہت ہمدردی پیدا ہوئی تھی وہ بھی اُڑنچھو ہو گئی تھی۔ پھر سے انتقامی کیفیت اور نفرت کے جذبات نے دل پر بسیرا کیا تھا۔

"میں کھانا تیار کر رہی ہوں۔" بیٹوں کے تیور دیکھ کر انہوں نے اپنی تلخی پر قابو پایا تھا۔

"میں زوباریہ کو ہی پک کرنے جا رہا تھا ڈنر ہم گھر آ کر ہی کریں گے۔" جواباً عثمان کو تسلی دینا پڑی تھی۔ ماں کو تسلی دے کر وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ گاڑی سمعان ڈرائیو کر رہا تھا۔

"تمہیں کچھ اندازہ ہے سمعان کہ زرش نے ایسی جذباتی حرکت کیوں کی؟" رستے میں عثمان احمد نے بڑی سنجیدگی سے استفسار کیا تھا۔

"کیا' زرش نے کچھ نہیں بتایا؟" عثمان کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ عثمان کے چہرے پر اُلجھن در آئی۔

"میرا خیال تھا کہ تمہیں علم ہو گا۔"

"مجھے الہام نہیں ہوتا۔" سمعان کے لہجے میں ایک دم تلخی اُبھری مگر اگلے ہی پل خود کو کنٹرول کیا تھا۔

"پھر جس ڈگر پر ہمارے خاندانی حالات و واقعات چل رہے ہیں ایسے میں کچھ بھی توقع کی جا سکتی ہے؟"

"ٹھیک ہے میں مانتا ہوں مگر زرش سے ایسی جذباتی توقع شروع میں ہوسکتی تھی مگر اب نہیں۔ اب تو حالات بہت بہتر ہوچکے تھے۔ ابو اور چچا کے درمیان اس کے ایگزیمز کے فوراً بعد رخصتی کا معاملہ کنفرم تھا۔ کیا اس نے اس بات پر ری ایکٹ کیا ہے۔ نوشی بتا رہی تھی کہ لاسٹ وزٹ جب تم کراچی آئے تھے تو چچا کے ہاں ٹھہرے تھے۔" سمعان نے الجھ کر عثمان کو دیکھا۔ زرش نے نوشی سے ہوسکتا ہے ذکر کیا ہو اور نوشی نے اب عثمان سے۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ ہوسکتا ہے نوشی کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ ڈیڑھ ہفتے پہلے میں یہاں آیا تھا وہ تب یہ ری ایکٹ کرتی۔"

"نوشی تو یہ بھی بتا رہی تھی کہ وہ تم سے امی کی کال کا کہہ کر خاصی ناراض تھی۔"

"ناراض ہونے اور ایسی جذباتی حرکت سرانجام دینے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"یار کچھ تو وجہ بنی ہے نا۔"

"تو یہ آپ زرش سے پوچھیے۔"

"وہ اس کنڈیشن میں نہیں ہے کہ ہمارے کسی بھی قسم کے سوال و جواب کی متحمل ہو۔ پھر چچی نے بھی سختی سے تاکید کی تھی کہ اس سے وجہ نہ پوچھی جائے۔ وہ میڈیسن کے ہی زیر اثر ہے ابھی تک ہماری موجودگی میں تھوڑی دیر ہی ہوش و حواس میں رہی تھی۔"

اسپتال آ گیا تھا عثمان نے خاموشی ہی بہتر سمجھی تھی۔ وہ دونوں اکٹھے ہی اندر آئے تھے۔ وہ ابھی بھی غنودگی میں تھی۔ سمعان کے اندر ملال کے بادل گہرے ہونے لگے۔ زوباریہ کے علاوہ نوشی اور پھپھو تھیں۔ پھپھو تو ایک طرف صوفے پر بیٹھی قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ عثمان بھائی کچھ دیر ٹھہرے تھے پھر بھابی کو لے کر چلے گئے تھے۔

"یہ کب سے اس حالت میں ہے؟" کچھ دیر گزری تو نوشی سے پوچھا۔

"ابھی گھنٹہ ہی ہوا ہے۔"

"ڈاکٹرز کیا کہہ رہے تھے؟" پائنتی پر رکھی فائل اُٹھا کر دیکھتے نوشی سے پوچھا۔

"ڈاکٹرز اطمینان کا اظہار کر رہے تھے۔ بس کلائی کا زخم ہی گہرا ہے اسے مندمل ہونے میں چند دن لگیں گے۔ اللہ کا شکر ہے کلائی کے علاوہ کہیں اور زخم نہیں ہے۔ ویسے سمعان بھائی آپ کو کیا لگتا ہے۔ زرش نے ایسا کیوں کیا؟" بتاتے بتاتے ایک دم سوال کیا تھا۔ سمعان نے لب بھینچ لیے۔

"یہ تو تم اسی سے پوچھنا۔" اپنے آپ کو کمپوز کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو نوشی چند پل سمعان احمد کو دیکھے گئی اور پھر گہری سانس خارج کرتے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ذرا باہر کا چکر لگا آؤں۔ ویسے ماما پہنچنے والی ہوں گی۔ عفان نے بھی فون کیا تھا کہہ رہے کہ واپسی پر لینے جائیں گے۔ ویسے آپ آج رُکیں گے ادھر ہی یا پھر۔"

"ہوں۔" سمعان نے پھپھو کو دیکھا وہ تلاوت ختم کر کے قران پاک بند کر چکی تھیں۔ "دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ میں اور پھپھو ادھر ہی ہیں فی الحال' ویسے پھپھو آج رات رُکیں گی یا گھر جائیں گی۔" سمعان نے پھپھو سے پوچھا تو انہوں نے قرآن دوائیوں کی ٹیبل کے ایک جانب رکھ کر سمعان کو دیکھا۔

"وقار چکر لگائے گا' گھر چلی جاؤں گی۔ ویٹنگ روم کے علاوہ کہیں رات گزارنے کا انتظام ہی نہیں۔ خوامخواہ الجھوں گی۔ ماشاء اللہ اب یہ بہتر ہے۔ اللہ مکمل صحت سے نوازے۔" انہوں نے آگے بڑھ کر زرش پر پھونک مار کر سمعان کو تفصیلی جواب دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد شائستہ بیگم اور سعود احمد چلے آئے تھے اور پھر کچھ دیر کے بعد عفان بھائی اور وقار بھی۔ شائستہ بیگم تو کھانا لے کر آئی تھیں۔ کھانے کے کچھ دیر بعد پھپھو اور وقار چلے گئے تھے۔ عفان اور نوشی بھی جانے کو تیار تھے۔

"آپ دونوں گھر جا کر آرام کریں میں اِدھر ہی ہوں۔" سمعان نے چچا اور چچی کو کہا تھا۔

"ہوں ماما! سمعان بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کل ساری رات آپ پریشان جاگتے رہے تھے' پھر یہاں سونے کا کوئی انتظام نہیں ہے اس کمرے میں سوائے ایک صوفے اور کرسی کے کچھ ہے نہیں۔ گھر جا کر آرام کریں۔" نوشی کو بھی سمعان کی رائے سے اتفاق تھا۔

"گھر جا کر نیند کہاں آئے گی۔ ذہن تو اسی طرف اٹکا ہوا ہے۔ اپنے پاپا کو کہو یہ چلے جائیں۔ ویسے بھی انہیں آرام کی اشد ضرورت ہے۔ بی پی نارمل نہیں ہے ان کا۔" انہوں نے شوہر کو دیکھا جو ایک رات میں ہی خاصے بیمار لگ رہے تھے۔

"آپ دونوں کو آرام کی ضرورت ہے۔ اِدھر کی فکر نہ کریں میں اِدھر ہی ہوں۔ پھر ظفر بھی نائٹ ڈیوٹی پر ہے۔ چکر لگاتا رہے گا' فون پر آپ سے رابطہ رکھوں گا۔ آپ نوشی وغیرہ کے ساتھ ہی چلے جائیں یہ گھر چھوڑ دیں گے۔" شائستہ نے شوہر کو دیکھا تو انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے فون کرتے رہنا؟" انہوں نے آگے بڑھ کر زرش کی پیشانی چومی تھی۔ "کوئی مسئلہ ہو تو ضرور فون کر دینا۔ نیند تو آئے گی نہیں دل تو بس اسی میں اٹکا ہوا ہے۔" ان کی آواز بھرانے لگی تو انہوں نے فوراً خود کو سنبھالا۔ پھر کچھ دیر بعد عفان اور نوشی کے ہمراہ وہ رخصت ہوگئے تھے۔

ان کو رخصت کر کے سمعان صوفے پر جا بیٹھا۔

کہیں چاند راہوں میں کھو گیا کہیں چاندنی بھی بھٹک گئی
میں چراغ وہ بھی بجھا ہوا' مری رات کیسے چمک گئی
مری داستاں کا عروج تھا تیری نرم پلکوں کی چھاؤں میں
مرے ساتھ تھا تجھے جاگنا' تیری آنکھ کیسے جھپک گئی

نظریں خود سے بھی بے خبر چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ سمعان کے اندر بڑی عجیب سی ہلچل ہونے لگی تھی۔ پرسوں کی رات بار بار یاد آنے لگی تو اس بے خبر وجود کی جذباتیت کا احساس جرم دل کے اندر اُودھم مچانے لگا۔ وہ اگر اس بستر پر تھی تو اذیت ادھر بھی کم نہ تھی۔ بس فرق یہ تھا وہ صنفِ نازک تھی حوصلہ ہار گئی تھی اور اِدھر اپنے غلط رویے کا احساس مجرم ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔

اپنے آپ کو بہلانے کو سمعان احمد نے کمرے میں موجود اخبار اُٹھا لیا تھا۔ نیند اب آنی نہیں تھی'

کوئی دوسرا بیڈ بھی نہیں ایک صوفہ اور بستر کے قریب پڑی کرسی پر ہی گزارا کرتا تھا۔

''ماما.....'' سمعان ایک دم چونکا تھا۔ فوراً اخبار صوفے پر رکھتے اس کے قریب چلا آیا تھا۔

''زرش.....'' سمعان نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو اس نے فوراً پلکیں وا کی تھیں۔

''آپ.....'' اس کے لب پھڑپھڑا کر رہ گئے تھے۔ ایک دو پل یک ٹک دیکھتی رہی یوں جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو' پھر اگلے ہی پل اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس کو اس حالت تک پہنچانے کا ذمہ دار سامنے کھڑا یہ شخص تھا۔ یہ احساس اتنا تکلیف دہ تھا کہ اس نے ایک دم پلکیں موند لی تھیں۔

''زرش.....کیسی ہو.....؟'' ہوش میں آنے کے بعد اس کا ذہن صرف اسی ایک آواز کی بازگشت میں اُلجھا رہا اور اب.....

کس قدر اذیت دی تھی اس شخص نے' جس پر سب سے بڑھ کر اعتماد تھا۔ دنیا کچھ بھی کہتی مگر اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ زندگی کے کسی موڑ پر یہ شخص اس پر اُنگلی اُٹھانے والوں میں شامل ہوگا۔ اسے ایک دم اپنے سلگتے رخسار کی اذیت و تکلیف یاد آئی۔ سمعان احمد نے اس پر ہاتھ اُٹھایا تھا وہ ابھی تک بے یقین تھی۔

اسے وہ لمحے یاد آئے جب بے حد جذباتیت کا شکار ہوتے اس نے اس کا خوب صورت نازک سا گفٹ توڑا تھا۔ پھولوں کی پتیوں کو مسل ڈالا تھا۔ مگر جنون کم ہی نہیں ہوا تھا بلکہ کانچ کا ٹکڑا پکڑتے اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا وہ کیا کرنے جا رہی ہے۔ اندازہ تو تب ہوا جب تکلیف و اذیت سے بے حال ہونے پر اس نے بارہا اس شخص کو پکارا تھا۔ اس وقت دل میں کیسی حسرتیں جاگی تھیں دل کیسے کیسے نہیں تڑپا تھا۔ جوں جوں آنکھوں میں اندھیرا چھاتا جا رہا تھا اس کے دل و دماغ میں اس شخص کا ہر نقش واضح ہوا تھا اور پھر سب کچھ دھندلا گیا تھا اور اب..... اس نے کرب سے آنکھیں کھول کر سمعان احمد کو دیکھا۔ شرمندہ شرمندہ سا چہرہ' بھینچے لب کیسے اس کے رخساروں پر بہتے آنسوؤں کو صاف کیا جا رہا تھا۔ زرش کو لگا یہ لمس کرنٹ بن کر اس کے جسم میں دوڑ گیا ہے۔

''سوری.....'' سمعان اس کے پاس ہی بستر کے کنارے پر ٹک گیا تھا۔ ''میں جانتا ہوں میرے لفظ تمہارے درد کا مداوا نہیں کر سکتے مگر پھر بھی میں شرمندہ ہوں۔ میں نے تم پر شک نہیں کیا بھلا کوئی اپنی ذات' اپنی روح' اپنے جسم کے کسی حصے پر بھی شک کر سکتا ہے۔ مجھے بس وقتی غصہ آیا تھا' تمہارے الفاظ نے تکلیف دی تھی۔ تمہاری تذلیل کرنا یا تمہیں ہرٹ کرنا کبھی مقصد نہ تھا۔ خدا گواہ ہے میں تم پر ہاتھ اُٹھا کر خود بھی پچھتایا تھا۔ تم نے اس نام نہاد رشتے کو ختم کرنے کی بات کی تھی' مجھے لگا کسی نے کھولتا ہوا پانی مجھ پر اُنڈیل دیا ہو۔ بس ایک پل لگا تھا' حواس کھونے میں' تم پر ہاتھ اُٹھا کر میں خود اذیت کی بھٹی میں پل پل جلا ہوں۔ تمہاری بے اعتبار نگاہیں' بے یقین لہجہ مجھے احساس شرمندگی سے دوچار کر گیا تھا اور پھر تم نے جو کیا۔ گلہ مجھ سے تھا مجھے کہتیں خود کو کیوں اذیت دی تم نے۔ کوئی ایسے بھی کرتا ہے' اپنی جان پر کھیلنا اتنا آسان تھا۔ ہم لوگ کیسے جیتے اگر تمہیں کچھ ہو جاتا' سوچا تم نے.....'' دھیما' جذبوں

سے بڑلبچہ پھوار کی مانند برسا تھا۔ زرش بے یقین سی دیکھ رہی تھی۔

سمعان احمد کے لہجے نے جس جادوئی انداز میں اثر کیا تھا وہ تو پلک جھپکنا ہی بھول گئی تھی۔ آنسو ٹھہر گئے تھے۔

''میں کوئی بہت اعلیٰ و ارفع ہستی نہیں ہوں۔ ایک عام انسان ہوں۔ تمہاری گفتگو نے وقتی طور پر دل و دماغ پر اثر کیا تھا مگر ذہن کے کسی بھی گوشے میں نہیں تھا کہ میں تم پر شک کر رہا ہوں۔ مجھے تم پر اتنا ہی اعتماد ہے جتنا کہ خود پر بلکہ اپنے آپ سے بھی بڑھ کر۔''

اور زرش ساکت سی دیکھے جا رہی تھی۔ پرسوں رات میں سمعان احمد سے واسطہ پڑا تھا تو پھر وہ کون تھا یہ تو وہی شخص تھا' جس سے وہ برسوں سے آشنا تھی۔ جس کی وہ دیوانی تھی۔ جو اس کو کانچ کی طرح سنبھال کر رکھنے والا تھا۔ جو اس کے احساسات و جذبات کی بھی ایسے حفاظت کرتا تھا کہ گویا کانچ ہو ذرا سی ٹھیس سے بکھر نہ جائے اور اب۔

زرش کو لگا وہ پہلے خواب میں تھی' اب جاگی ہے گویا درمیان میں کچھ بھی نہ ہوا تھا۔

سمعان احمد اس سے ملنے آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سرخ پھولوں کا خوب صورت بکے تھا۔ ساتھ میں ایک خوب صورت گفٹ تھا اور وہ سمعان کو دیکھ کر کتنا حیران ہوئی تھی۔ اس کا دل لرزا تھا اور اب سمعان احمد کچھ کہہ رہا تھا۔ شاید اپنی والہانہ محبت کا اظہار یا پھر.....

زرش نے دھیان دینا چاہا مگر لگا کہ جھٹکا پہلے سے زیادہ شدید ہے ایک پل کو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا یا حواس کھو گئے تھے۔

''سمعان.....'' اسے نہیں پتا تھا کہ وہ ہوش و حواس میں ہے یا نہیں' بس وہ خود کو ایک دم سمعان کے سامنے بکھرنے سے نہ روک پائی تھی۔

عثمان احمد نے زوباریہ بھابی کے ہمراہ واپس جانے کی بات کی تو سعید احمد نے شام تک روک لیا تھا۔ انہیں ولید والے پروپوزل کے متعلق ان سے ڈسکشن کرنا تھا۔ اگلی صبح سمعان بھی گھر آیا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد انہوں نے عثمان' سمعان اور زوباریہ بھابی کو پاس بٹھا کر وہ ذکر چھیڑ دیا تھا جس کی وجہ سے سمعان سب کچھ چھوڑ چھاڑ فوراً کراچی آیا تھا مگر زرش کی وجہ سے اس طرف دھیان ہی نہیں آیا تھا کہ وہ کس کام سے یہاں آیا ہے۔

''ابو جی! میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب قبل از وقت ہے۔ آپ کا فیصلہ یقیناً اہم ہوگا' آپ نے کبھی ہمارے لیے غلط نہیں چاہا اور وہ لڑکا ولید بے شک بہت اچھا ہے' مگر میں نہیں سمجھتا کہ فرح کے لیے اتنا بڑا فیصلہ یوں عجلت میں کیا جائے۔ ہم کچھ عرصہ انتظار کر سکتے ہیں۔'' سمعان نے فوراً کہا تھا۔

''مگر میں انتظار کرنے کے قطعی حق میں نہیں ہوں۔ ولید بہت اچھا لڑکا ہے۔ میں فرح کے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ میں صرف یہ پوچھ رہا ہوں کہ ان لوگوں کو کب باقاعدہ اپنے گھر انوائٹ کروں۔''

''جب آپ سب طے کیے ہوئے ہیں تو ہم لوگوں سے پوچھنے کی فارمیلٹی بھی کیوں نبھا رہے ہیں۔ جو جی میں آتا ہے کریں' یہی روٹین امی نے اپنا رکھی تھی اور اب آپ بھی۔'' سمعان ایک دم تلخ ہوا تھا۔ ٹمپرامنٹ فوراً لوز کیا تھا ورنہ یوں پل میں آؤٹ ہو جانا فطرت نہ تھی۔ شاید اندرونی ڈپریشن تھا! پھر..... سعید احمد اور عثمان دونوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''ویسے بھی فرح آپ کی بیٹی ہے' آپ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں پھر ہم سے مشورے کی زحمت بھی کیوں؟'' سمعان کے لب و لہجے پر بھابی نے بھی بغور دیکھا۔

''سمعان یہ کس انداز میں بات کر رہے ہو؟'' سمعان احمد کا اُکھڑا لہجہ انہیں فوراً ٹوکنے پر مجبور کر گیا تھا۔

''سوری.....'' سمعان کو فوراً احساس ہوا تو اگلے ہی پل معذرت کر لی مگر چہرے کے تنے اعصاب نارمل نہیں ہوئے تھے۔

پتا نہیں کیا وجہ تھی؟

خلفشار اندرونی تھا یا بیرونی زوباریہ بھابی اندازہ نہ کر پائی تھیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں اس رشتے پر اعتراض کیا ہے؟ اعتراض کی توقع مجھے جہاں تھی وہاں کوئی ردِ عمل نہیں ہوا۔ ان کا اشارہ طاہرہ بیگم کی طرف تھا اور تم بغیر وجہ کے اعتراض کر رہے ہو۔''

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں کیوں انکار کر رہا ہوں اور وجہ بھی کوئی غیر معقول نہیں ہے۔'' عثمان نے خاصے تعجب سے سمعان کو دیکھا۔

سعید احمد بھی ایک پل کو چپ رہ گئے تھے۔

''میں فرح کو آپ جیسی یا اپنے جیسی نامکمل محرومیوں سے بھری لائف نہیں دینا چاہتا۔ ہماری ایک ہی اکلوتی بہن ہے۔ اسے اپنی خوشیوں کے ہر طرح کے تحفظات کا حق حاصل ہے۔ ایک نامکمل ذہنی خلفشار سے بھری واہموں وسوسوں کی آماجگاہ سے مزین ایک بٹی ہوئی زندگی ہی وہ گزارے گی اگر آپ اس رشتے یا کسی بھی اور رشتے پر بضد رہے تو۔'' بڑے تحمل سے سمعان نے واضح کیا تھا۔

''فرح تمہاری بہن ہی نہیں میری بیٹی بھی ہے۔ مجھ سے زیادہ تم لوگوں کو اس کی خوشیوں کا احساس نہیں ہوگا۔'' انہوں نے غصے سے سمعان کو دیکھا۔ اندر سے حیرت زدہ بھی تھے کہ اچانک یہ سمعان کو ہو کیا گیا ہے۔ اتنا تردد' اتنی بحث و تمحیص تو اس نے اپنی دفعہ بھی نہ کی تھی۔

''عثمان بھائی! آپ ہی ابو کو کچھ سمجھائیں۔ پلیز بھابی آپ تو ہر بات سے باخبر ہیں۔ آپ ہی کچھ کہیں۔'' سمعان نے دونوں خاموش بیٹھے میاں بیوی کو بھی گھسیٹا تھا۔

''سمعان! میں بھلا کیا کہوں۔ سعد یہاں پاکستان میں ہوتا یا پھپھو وغیرہ کی طرف سے کوئی ردِ عمل ہوتا تو میں کوئی بات بھی کرتی۔'' بھابی نے سمعان کو دیکھتے ہوئے کہا تو سعید احمد چونکے۔

''کیا مطلب ہے؟ یہاں سعد کا کیا ذکر ہے؟ اگر تم فرح کی ذات کو پچھلے حوالوں کی وجہ سے سعد کے ساتھ نتھی کرنا چاہتے ہو تو سمعان میں ایسا کبھی نہیں چاہوں گا۔ اگر حالات و واقعات اس قدر جلدی تبدیل نہ ہوتے تو شاید کچھ گنجائش نکل آتی۔ سعد زرش کو چھوڑ کر گیا تھا' اس کے بارے میں اب بھی اگر کچھ سوچوں تو پھر زرش' سعود اور شائستہ لوگوں کے جذبات سے کھیلنے والی بات ہوئی۔ بے شک سعد لاکھ اپنا ہے مگر یہ بات بھی تو بھلائی نہیں جائے گی کہ وہ عین شادی کے قریب اتنے نازک حالات میں فرار ہوا تھا۔'' سمعان نے لب بھینچ لیے۔

''ابو جان! اگر پھپھو لوگ ایسا کوئی خیال اب بھی رکھتے ہیں تو مضائقہ تو کوئی نہیں۔ وحید الدین انکل کی فیملی سے پھپھو کی فیملی لاکھ درجے بہتر ہے اور سعد کے بارے میں ہر طرح کی گارنٹی ہے۔'' عثمان بھائی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

''نہیں عثمان! تمہاری اور سمعان کی بات کے بعد میں اب فرح کی ذات کو کوئی متنازع قصہ نہیں بنانا چاہتا۔ لڑکیوں کے معاملات بہت نازک ہوتے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی کے بارے میں کوئی کچھ کہے' سمعان کیوں زور دے رہا ہے' میں اتنا ناسمجھ نہیں ہوں مگر اب سعد کے بارے میں سوچنے کی بھی گنجائش نہیں بچتی۔'' بڑے تحمل سے انہوں نے رد کیا تھا۔ بلکہ اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

سمعان احمد کو لگا جیسے انہوں نے انتہائی فیصلہ سنا دیا ہو۔

سعد کے بارے میں گنجائش نہیں بچتی مگر فرح کے بارے میں تو نکالی جاسکتی ہے نا۔" سمعان کے اندر بڑی زبردست تحریک برپا ہوئی تھی۔ سمعان کے الفاظ ہی ایسے تھے کہ وہاں کمرے میں موجود ہر شخص ایک پل کو خاموش رہ گیا تھا۔

"سمعان! تمہیں اندازہ ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟ کس کے متعلق کہہ رہے ہو۔" انہوں نے کچھ توقف کے بعد بڑی خفگی سے سمعان کو دیکھا تھا۔

"جی..... بہت اچھی طرح....." سمعان احمد نے فوراً سر ہلایا تھا۔ "آپ فرح کی اور میری انگیجمنٹ سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس کے اس قدر قریب کوئی بھی نہیں رہا حتیٰ کہ زرش بھی نہیں۔" سمعان کا انداز بڑا سنجیدہ تھا۔ سعید احمد کے چہرے پر تفکر کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔ آپا کے بار بار زور دینے اور سعد کے شادی سے فرار نے انہیں یہ تو سمجھا دیا تھا کہ سعد کیوں بھاگا ہے مگر فرح کی ذات بھی انوالو ہوگی انہیں گمان نہ تھا۔

"ابو جی.....! سعد صرف فرح کے لیے یہاں سے گیا تھا' ٹھیک ہے تب حالات کچھ ایسے تھے کہ اس نے جو بھی قدم اُٹھایا مگر اس کی نیک نیتی شامل تھی اس میں۔ ہم اسے موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ یا اس کی ذات کو ہائی لائٹ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ سعد سے میرا رابطہ ہے مسلسل۔ بے شک پھوپو لوگ ابھی ناراض ہیں مگر حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ آپ کے مجبور کرنے پر ہی سہی مگر میں نے اس شادی کو نیک نیتی اور دل سے قبول کیا تھا۔ ٹھیک ہے زرش نے حالات کے مطابق فیصلہ کیا مگر..... آپ بھی سعد کے اس "تعاون نما احسان" سے انکاری نہیں ہوں گے۔ اگر سعد' یہ قدم نہ اُٹھاتا تو آج حالات یہ بھی نہ ہوتے۔" سمعان خاموشی سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں اس رشتے کے حق میں نہیں ہوں۔ ہم کچھ عرصہ انتظار کرسکتے ہیں۔ پھپھو لوگوں کی سعد سے ناراضگی ہمیشگی پر محیط نہیں ہوگی' مجھے صرف فرح کے جذبات کا احساس ہے۔ آپ بھی ضرور سوچیے گا اگر میں نے کسی بھی معاملے میں گستاخی کی ہے تو اس کے لیے معذرت کہ بہرحال اس قصے پر میں کچھ تلخ ضرور ہوا ہوں۔"

سمعان نے سب پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی تھی اور پھر کمرے سے باہر کا رُخ اختیار کیا تھا۔

سعید احمد نے خالی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

عثمان احمد اور زوباریہ بھابی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر لب بھینچ لیے۔ نجانے اب سعید احمد کیا فیصلہ کرنے والے تھے۔

❁.....❁.....❁

اگلے دو تین دن لگے تھے اسے روبہ صحت ہونے میں۔ جسمانی طور پر کمزوری پر قابو پایا گیا تو کلائی کا زخم بھی کچھ بہتر ہوا تھا۔ پانچویں دن اسے ڈسچارج کردیا گیا تھا۔

پانچ دن بعد اس کا پہلا پیپر تھا۔

زرش نے یہ قدم کیوں اُٹھایا۔ سبھی بے خبر تھے۔ زرش گم صم ہی رہی تھی۔ صرف ٹھیک ہوں یا چند

جملوں کے علاوہ وہ کسی سے بات چیت نہیں کرتی تھی۔ شائستہ بیگم اسے دیکھتیں تو دل ہولتا تھا۔ یہ پانچ دن سمعان نے اس کے پاس اسپتال میں گزارے تھے اور زرش کا سمعان کی موجودگی میں ہر وقت آنکھیں بند کیے پڑے رہنا۔ شائستہ بیگم کے اندر بہت سے سوال جگا گیا تھا مگر نہ ہی وہ زرش سے پوچھنے کا رسک لے سکتی تھیں اور نہ ہی سمعان احمد سے۔ مگر وہ محسوس کرچکی تھیں کہ زرش کی اس انتہائی جذباتی حرکت کے پیچھے سمعان احمد کا کوئی ردِعمل ہی ہے مگر کیا؟

سمعان نے زرش کے گھر شفٹ ہونے پر کچھ ریلیکس محسوس کیا تھا۔ اسلام آباد کے کئی کام اٹکے ہوئے تھے۔ سمعان فوراً روانہ ہوا تھا۔ وہاں تو دن لگے تھے کچھ مصروفیات ایسی تھیں کہ صرف ایک دو بار ہی کال کرکے چچی سے زرش کی خیریت دریافت کی تھی۔

اِدھر سے فراغت ملتے ہی سمعان واپس کراچی آیا تھا۔ دل و دماغ تو اسی جذباتی لڑکی میں اٹکا ہوا تھا۔ اس رات وہ صرف ان کے سامنے ٹوٹ کر روئی ہی تھی' اس کا رونا ایسا تھا کہ سمعان کو ندامت نے آلیا تھا اور پھر اس کے بعد وہ مسلسل سمعان کو نظر انداز کررہی تھی۔ گم صم' چپ چاپ سب کے سامنے تھی۔ گھر جاکر فریش ہوکر سمعان چچا کے ہاں چلا آیا تھا۔

شام کا وقت تھا۔ سبھی لاؤنج میں تھے سوائے زرش کے۔ نوشی اِدھر ہی تھی' چند پل سمعان سب کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔

"زرش کدھر ہے؟" نوشی سے پوچھا۔

"کمرے میں.....؟"

"میں دیکھتا ہوں....."

سمعان خود ہی اُٹھ گیا تھا۔ شائستہ نے خاموشی سے سمعان کو جاتے دیکھا' زرش تو کمرے میں بند بالکل ہی چپ چاپ ہوگئی تھی۔ عیادت کرنے والے بھی اس کی خاموشی صاف محسوس کررہے تھے۔

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا
اب اس کا حال سنائیں کیا
کوئی مہر نہیں کوئی قہر نہیں
پھر سچا شعر سنائیں کیا

سمعان کے قدم دروازے کی دہلیز پر ہی ٹھٹک گئے تھے۔

وہ کمپیوٹر کے سامنے ریوالونگ چیئر پر بیٹھی بظاہر اسکرین پر نظر گاڑے مگر وہ دراصل اپنے وجود سے بے خبر تھی۔ اس کی آنکھوں کی دمکتی چمکتی لہروں کی روشنی ماند پڑ چکی تھی۔ بے حس انداز میں وہ صرف سامنے دیکھ رہی تھی۔ دھیمی آواز میں بجتا میوزک بھی شاید اس کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرپایا تھا۔

اک آگ غمِ تنہائی کی جو سارے بدن میں پھیل گئی
جب جسم ہی سارا جلتا ہو
تو دامنِ دل کو بچائیں کیا

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا
اب اس کا حال بتائیں کیا

سمعان کو لگا جیسے وہ اپنے خول میں سمٹ گئی ہے۔ اپنی ذات کے گنبد میں قید لمحہ بہ لمحہ ختم ہوتی جا رہی ہے۔ بے پروائی سے دوپٹہ کندھے پر تھا۔ پیلے لباس میں کرسی کی پشت سے سر ٹکائے وہ زرد سرسوں کا پھول لگ رہی تھی۔ سنہرے ریشمی بال سائیڈ پر تھے' بکھرے اُلجھے بے ترتیب سے انداز میں۔

سمعان نے اک گہری سانس خارج کی تھی۔ اسے اس حال میں دیکھ کر دل تو لہولہو ہو گیا تھا۔ سمعان کے ایک غیر جذباتی رویّے نے اسے ایک طوفان سے آشنا کیا تھا جس کا اندازہ اب ہو رہا تھا۔

سمعان نے قدم اندر کی طرف بڑھا لیے تھے۔

وہ اپنے تصور میں اتنی مگن تھی کہ سمعان کی موجودگی بھی اثر انداز نہ ہو پائی تھی۔

"زرش.....!"

پکار پر ایک پل کو وہ ٹھٹکی تھی' نگاہوں کو جنبش دی تو نظریں سمعان کے چہرے پر ایک پل کو جم سی گئی تھیں۔ شرمندہ' افسردہ چہرہ سامنے تھا مگر اس کا نقصان پورا نہیں ہونے والا تھا اب' اس کا اعتبار ٹوٹا تھا۔ اس کے اندر کی زرش کا قتل ہوا تھا وہ کیسے اب دوبارہ اپنے آپ کو بحال کرتی۔ اس رات سمعان احمد کی جذباتیت نے صرف چند الفاظ ہی ادا نہیں کیے تھے' اس کا اعتبار توڑا تھا۔ اس کے منہ پر صرف ایک تھپڑ ہی نہیں پڑا تھا سمعان کی ذات پر یقین رکھنے والی زرش کا قتل ہوا تھا اور اس کے بعد وہ اب کیسے جیتی۔

اس کی آنکھیں بے تاثر ہی رہی تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی۔ سمعان کو سامنے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح گھبرائی نہیں تھی اور نہ ہی کمپیوٹر سی ڈی پلیئر آف کرنے کا خیال آیا تھا۔

یوں لگ رہا تھا کہ گویا وہ بے حس اور پتھر ہو چکی ہے۔ ہر احساس سے عاری..... ہر جذبے سے بدظن؟

"کیسی ہو؟"

زرش نے نگاہیں پھیر کر کمپیوٹر کی "کی بورڈ" پر جما دیں۔

"زرش....." سمعان کے لیے اس کا یہ انداز بڑا اذیت ناک تھا۔ بڑے کرب سے پکارا تھا۔

"زرش پلیز....." سمعان نے ریوالونگ چیئر کا رُخ اپنی طرف کر لیا تھا۔ وہ سر اُٹھا کر سمعان کو دیکھنے لگی۔ سمعان نے پہلے کمپیوٹر آف کیا اور پھر اسے دیکھا۔ جو اس کو دیکھ ہی نہیں پا رہی تھی۔

"زرش! ایم سوری یار..... مجھے اندازہ ہے میں نے تمہیں بڑی بُری طرح ہرٹ کیا ہے مگر یقین جانو وہ صرف وقتی کیفیت تھی۔ وقتی اُبال تھا میں نے کبھی غصے میں ایسا اظہار نہیں کیا مگر اس وقت نجانے کیا ہوا تھا۔ تم سے میں کیوں کر بدظن ہو سکتا ہوں۔ تم تو میری روح میں کھلنے والی کھڑکی ہو۔ اپنے آپ سے بھی کوئی ناراض ہو سکتا ہے بھلا' سزا دینا تھی تو مجھے دینی تھی۔ خطاوار تو میں تھا اور نادم بھی ہوں۔ تم پر ہاتھ اُٹھایا۔ تمہارے اعتبار کو مجروح کیا۔ پلیز کچھ تو کہو۔ بُرا بھلا..... لعنت ملامت کچھ بھی۔ پلیز..... پلیز یوں چپ نہ رہو۔" اس کی طرف جھکتے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر سمعان نے کہا تو زرش کو لگا اس

کے دل پر کسی نے بارش برسا دی ہو۔ جلتا دل ایک دم فنا ہوا تھا۔ یا پھر جل تھل۔ اندر کا سارا کرب اس کے چہرے پر سمٹ آیا تھا۔ سمعان کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں اس کے لرزتے نازک ہاتھ اس کے اندر ہلچل مچا گئے تھے۔

"آپ....." کچھ کہنے کی کوشش میں گلابی ہونٹ لرز اُٹھے تھے۔

"ہاں بولو..... پلیز کچھ تو بولو....." اس کے ہاتھوں کو دباتے اپنے والہانہ پن کا مظاہرہ کرتے اکسایا تھا اور زرش کو لگا وہ اندر سے بالکل ٹوٹ گئی ہے۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی' بکھرنا نہیں چاہتی تھی' اس کی ذات بڑی شکست سے دوچار تھی اور وہ اپنی شکست کا ماتم سمعان کے سامنے تو قطعی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر خود پر بس کہاں تھا۔ سمعان کی آواز نے اس کے سب سوئے جذبوں کو جگا ڈالا تھا وہ تو مر کر جی گئی تھی۔

"آپ....." آنکھوں سے شدت سے آنسو بہہ نکلے تھے اور پھر وہ خود پر بند نہیں باندھ سکی تھی۔ وہ بڑی کمزور اور عام سی لڑکی ہی تو تھی کیسے خود کو سنبھالتی۔ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ سمعان نے کرب سے ہونٹ کاٹ لیے۔ قالین کے ایک طرف رکھے کشن کو کھینچ کر اس پر بیٹھے اس کا بازو بھی کھینچ کر خود میں سمیٹ لیا تھا۔ سمعان کا گریبان گرم آنسوؤں سے تر ہوتا رہا۔ وہ تو ہر طرح کے احساس سے بے خبر صرف اپنی شکست کا ماتم کر رہی تھی اور سمعان کے دل پر جو قیامت برپا تھی اس کا اندازہ اسے نہ تھا۔

"آپ نے مجھے میری ہی نظروں سے گرا دیا۔ مجھ پر شک کرتے' ہاتھ اُٹھاتے میرے دل میں اپنی محبت کی خودرو کونپلیں نوچ ڈالیں۔ کیوں کیا آپ نے ایسا؟ میرا اعتبار ریزہ ریزہ کر ڈالا؟" بہت سا رونے کے بعد ایک دم سمعان کے سینے سے چہرہ اُٹھا کر اسے دیکھا۔

"وہ سرنواز فاروق تھے۔ مجھے نہیں پتا انہوں نے ایسا کیوں کیا مگر انہوں نے اپنا پروپوزل دیا تھا' وہ میرے بارے میں بے خبر تھے اور جب انہیں علم ہوا تو انہوں نے اس رات معذرت کرنے کو فون کیا تھا۔ میں نے تو وہ آخری الفاظ صرف مذاق میں کہے تھے اور آپ نے مجھے غلط سمجھا۔"

"نہیں..... باخدا نہیں..... وقتی طور پر صرف غصہ تھا مگر ایسی بات قطعی نہ تھی۔" سمعان نے فوراً اسے اپنے جملوں کا اعتبار سونپنا چاہا تھا مگر وہ تو بے یقین تھی۔

"آپ نے مجھ پر ہاتھ بھی تو اُٹھایا تھا؟" سمعان کی سنگین غلطی سامنے تھی۔

"پاگل پن تھا میرا..... بس تمہارے الفاظ نے غصہ دلا دیا تھا تم نے تعلق ختم کرنے کی بات کی تھی اور مجھے غصہ آ گیا تھا' بھلا میں ایسا کبھی کر سکتا ہوں میں نے تو تمہیں ابھی مکمل طور پر پایا بھی نہیں پھر کھونے کی جسارت کیسے کر لوں؟ بھلا کوئی اپنی مرضی سے اپنے جسم سے اپنی روح کو نکلنے دیتا ہے؟"

اور زرش کو ایک دم لگا اس کے دل و دماغ پر چھائی کہر سمٹنے لگی ہو جیسے۔ سمعان نے جھک کر بڑی محبت و نرمی سے اس کے رخساروں پر بکھرے تمام آنسو چن لیے تھے۔

"مجھے تو فوراً ندامت کے احساس نے آ لیا تھا۔ رہ رہ کر خود پر غصہ آ رہا تھا مگر تم نے ایسا کیوں کیا۔ اگر واقعی تمہیں کچھ ہو جاتا تو..... کوئی یوں بھی کرتا ہے؟" سمعان نے بڑی نرمی سے اس کا بایاں بازو

تھاما تھا' وہ سسکی۔

"میں نے اگر غصے میں تعلق توڑنے کی بات کی تھی تو آپ غصے میں نہ آتے سامنے سے ہٹ جاتے' بعد میں بات کلیئر کر لیتے مگر آپ کے جانے کے بعد لگا اب کچھ بھی باقی نہ رہا۔ میرا آپ سے بچپن کا ساتھ ہے آپ کا وہ رویہ رہ رہ کر دکھ میں مبتلا کرتا رہا اور اس وقت تو دل چاہ رہا تھا کہ سانس ابھی بند ہو جائے۔ یا پھر بیٹھے بیٹھے موت آ جائے۔"

سمعان کے اندر پھر سے ملال بکھرنے لگا۔ زندگی میں پہلی دفعہ اس قدر جذباتی پن کا مظاہرہ کیا تھا اور اس کا خمیازہ بھی بھگت لیا تھا۔ ہمیشہ اپنے احساسات و جذبات پر مکمل کنٹرول رہا تھا نہایت ٹھنڈے اور دھیمے مزاج کا مالک ہونے کے باوجود اس وقت نجانے کیوں اپنی ہی جذباتی کیفیت کا شکار ہوتا چلا گیا تھا۔

"آپ وعدہ کریں مجھ سے۔ آپ آئندہ مجھ سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ مجھ پر مکمل اعتماد کریں گے' میں سب کی بے اعتمادی سہہ سکتی ہوں مگر آپ کی نہیں' وعدہ کریں مجھ سے۔" اس کے تو یقین و اعتماد کی دھجیاں بکھری تھیں کیسے ایک دم سنبھل جاتی۔ اس کا ذہن تو صرف ایک نقطے پر جم گیا تھا گویا۔

"زرش..... زری..... میرا مقصد وہ سب نہیں تھا تم سمجھنے کی کوشش کرو یار.....! میں بھلا کیوں بے یقینی یا بے اعتباری کا مظاہرہ کروں' کوئی اپنی ذات سے بھی بے اعتبار ہوا ہے کیا؟"

سمعان کی وہی یقین دہانیاں تھیں' وہی اول روز والے انداز تھے' زرش نے سر اٹھا کر دیکھا۔

جو گزر گیا وہ پھر کیا تھا؟

سمعان نے اس کی آنکھوں کے تاثر کو پڑھا تو اندر کا ملال بڑھنے لگا۔ زرش لاکھ بدظن و ناراض سہی مگر اس طرح کی بے یقینی سمعان احمد کے معاملے میں اس نے کبھی نہیں دکھائی تھی۔

"یہ نظر کا دھوکا نہیں ہے زرش! یقین کرو مجھ پر۔ ہمارا آج کا ساتھ نہیں برسوں کا ساتھ ہے' غصہ و جذباتیت ایک طرف مگر میں تم پر بے اعتباری کا مظاہرہ کرنے کا خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا۔"

سمعان کے انداز میں ملال بکھرتا چلا گیا تھا' اپنے رویے پر' اپنی گزشتہ غلطی پر۔ اس وقت زرش کو اپنے دل کی کیفیت بتانا' دنیا جہاں کا مشکل امر محسوس ہوا تھا۔

دل کے جذبوں کی سچائی اور نیک نیتی آشکار کرنا بڑا مشکل طلب مرحلہ تھا۔ اگر دل چیر کر دکھانا ممکن ہوتا تو شاید یہ بھی کر جاتا۔ سمعان نے آہستگی سے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

زرش کے ذہن میں ایک ہی بات جم گئی تھی اور سمعان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے گزرے ناخوش گوار پل' وہ لمحے اس کے ذہن کی سلیٹ سے مٹا دے یا پھر کوئی جادوئی چھڑی ہو جس سے اس کی ذہنی کیفیت نارمل کی جا سکے۔

وہ جس بے اعتباری و بے یقینی کی فضا میں الجھ گئی ہے اس سے نکالا جائے۔

"کاش میں تمہیں اپنے جذبوں کی نیک نیتی کا یقین دلا سکتا؟"

سمعان نے بڑی آزردہ نگاہوں سے زرش کو دیکھا تھا۔

سمعان خاموشی و آہستگی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"زرش! کس انداز' کن الفاظ میں اپنی شرمساری کا اظہار اور قلبی کیفیت کو آشکار کروں کہ تمہارے کی ساری بے یقینیاں ختم ہو جائیں۔ تم نے اپنے ذہن کو ایک ہی نقطے پر جما لیا ہے نہ تم کچھ سمجھ رہی اور نہ یقین۔ تم میری اولین محبت ہو میں کیونکر تم سے بدگمان ہونے لگا۔ ہاں چند کمزور لمحوں کی گرفت ایک کمزور انسان ہونے کا خراج ضرور وصول کیا تھا مگر دل کے کسی بھی گوشے میں یہ گمان پیدا نہ ہوا میں تم سے بدظن ہو چکا ہوں۔ گھر جا کر خود کو لعنت ملامت کرتے بھی یہ احساس نہ ہوا کہ میں بے ین ہوا ہوں بلکہ اپنے رویے و جذباتی پن پر اضطراب کا شکار رہا اور اب۔"

سمعان نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ گھٹنوں میں سر دیئے ابھی بھی سسک رہی تھی۔ سمعان نے اذیت و بے چارگی سے لب بھینچ لیے۔

"تمہارے ایگزیمز میں صرف تین چار دن باقی ہیں پلیز خود کو کمپوز کرو' بحال کرو اس طرح تو بکھر جاؤ گی تم۔" زرش نے سر اٹھا کر سمعان کو دیکھا تو سمعان نے نگاہ پھیر لی۔

"مجھ سے اب ایگزیمز نہیں دیئے جائیں گے۔" بڑی بے چارگی تھی اس کے انداز میں۔

"زرش پلیز..... میں ہر طرح کی سزا سہنے کو تیار ہوں۔ جو بھی کہو گی کروں گا مگر پلیز اپنا فیوچر مت تباہ کرو۔ اپنی تعلیم کی طرف دھیان دو تمہارے اس انتہائی قدم سے پہلے ہی سب پریشان ہیں اب تمہارے اس فیصلے سے سب نہیں تو کم از کم چچا اور چچی جان تو ضرور متاثر ہوں گے۔ پلیز کچھ سوچو سمجھو۔"

اس کے اس فیصلے نے سمعان کو مزید تکلیف میں دھکیل دیا تھا۔

"تو کیا کروں.....؟ آپ نے مجھے جیتے جی مار ڈالا ہے۔ سب جذبے مر گئے ہیں۔ کیسے سوچوں..... اب کچھ بھی نہیں سوچا جاتا۔"

ادھر وہی عالم تھا سمعان نے بے حد اذیت سے اسے دیکھا تھا۔

✿.....✿.....✿

سخت اذیت میں تو شائستہ بیگم کی بھی ذات آ چکی تھی۔ کمرے کی دوسری طرف ہونے والی باتیں ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ سمعان احمد کی انتہائی بے چارگی اور زرش کا بری طرح سسکنا رونا۔ زبانی مکالمے' الفاظ سمعان کے جملے زرش کے الفاظ وہ عجیب الجھن میں گھر گئی تھیں۔ بہت سی باتیں پہلے میں ہونے کے باوجود بہت کچھ واضح ہو چکا تھا۔ وہ تو سمعان اور زرش کی موجودگی میں یونہی بات کا جائزہ لینے ادھر آئی تھیں کہ دل میں سمعان کے رویے اور زرش کی مسلسل چپ نے یہ یقین تو دلا دیا تھا کہ جو بھی معاملہ ہوا تھا ان دونوں کی ذات کے درمیان میں ہی تھا مگر کیا؟

سمعان کا شرمسار معذرت خواہانہ لب و لہجہ اور زرش کا ہار جانے والا انداز وہ تو سب کچھ اور ہی ظاہر کر رہا تھا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ "یہ نواز فاروق کون تھا؟" وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔ مگر ان کے الجھے دل کو ایک گونہ اطمینان تو حاصل ہوا تھا کہ اتنے دنوں سے زرش کے اس انتہائی قدم

کی وجہ تو سامنے آئی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ بات ان دونوں کی ہی ہے مگر معاملہ یہ ہوگا۔ وہ تکلیف سے دروازے سے ہٹ گئی تھیں۔ وہ اندر جانے کے بجائے لان میں آ بیٹھی تھیں۔

کچھ دیر بعد ان کی توقع کے مطابق سمعان آتا دکھائی دیا تو انہوں نے اس کی طرف بغور دیکھا۔ بھنچے لب، پژمردہ انداز میں قدم اُٹھاتا وجود ان کے دل میں ملال جاگا۔

''سمعان.....'' اپنے ہی دھیان میں چلتے سمعان نے چونک کر آواز کے تعاقب میں دیکھا۔ چچی کو لان چیئر پر بیٹھے پایا تو اسی جانب آ گیا۔

''آپ اِدھر اکیلی کیوں بیٹھی ہیں؟''

''تمہارا انتظار کر رہی تھی۔''

''خیریت.....؟'' سمعان نے چونک کر دیکھا وہ خود اُلجھی ہوئی تھیں۔

''ہوں..... بیٹھو.....'' سمعان سامنے رکھی کرسی پر ٹک گیا۔ ''میں تمہارے اور زرش کے مابین ہونے والی گفتگو سن چکی ہوں۔ ابھی دانستہ نہیں مگر تم سے ساری بات سننا چاہتی ہوں۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ زرش نے یہ انتہائی قدم کیوں اُٹھایا؟'' سمعان کے چہرے کا رنگ ایک دم متغیر ہوا تھا۔

ماں جیسی چچی سے ایسی حیا آئی کہ نظریں خود بخود جھکتی چلی گئیں۔ انہوں نے بلا تمہید اصل بات کی تھی، سمعان کو چند پل لگے تھے خود کو بحال کرنے میں۔ بہر حال ایک جگہ غلطی ہوئی تھی اس کی سزا بھی بھگتنا تھی اب۔ آہستگی سے وہ گزری رات حرف بہ حرف بیان کر ڈالی۔

''یہ نواز کون ہے؟'' انہوں نے ساری بات سن کر پوچھا تو سمعان نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ جو زرش نے اب کہا ہے وہ بھی بتا دیا ہے، ہوسکتا ہے کوئی جاننے والوں میں سے ہوں مگر وہ سر نواز فاروق کہہ رہی تھی۔''

''کہیں اکیڈمی میں کوئی سر نہ ہوں، ویسے ایک دو دفعہ اس نے یہ نام پہلے بھی لیا ہے مگر خیال ہے اکیڈمی میں ہی ہے۔ چند دن ہی وہاں گئی تھی مگر پھر اچانک وہاں بھی جانا چھوڑ دیا تھا۔'' سمعان زیادہ نہیں جانتا تھا سو کچھ بھی نہ کہا۔

''میں زیادہ کرید اب نہیں کرتی کہ کہیں ناراض نہ ہو جائے گمان ہی نہ تھا کہ کوئی بات ایسی بھی ہوگی۔'' وہ دھیمے لہجے میں یوں بول رہی تھیں جیسے خود سے محو کلام ہوں۔

''میں زرش سے بات کروں گی ایگزیمر کی طرف مصروف کرتی ہوں ہو جائے گی ٹھیک آہستہ آہستہ پریشان مت ہو۔'' انہوں نے سمعان کا چہرہ دیکھا تو احساس ہوا کم تکلیف میں تو اس کی ذات بھی نہ تھی۔ بلکہ جتنا زرش تکلیف میں تھی وہ بھی تھا۔ انہیں ایک دم ترس آیا تھا۔ سو فوراً دلاسہ بھی دے ڈالا تھا۔

''اس کا ذہن صرف ایک ہی نکتے پر جم گیا ہے کہ میں نے بے اعتباری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اتنا کہنے سننے کے باوجود اس کا ذہن اسی مقام پر ہے۔ میں غلطی پر ہوں مگر آپ بتائیں کیسے یقین دلاؤں کہ وہ صرف وقتی جذباتیت تھی درحقیقت ایسا کچھ نہ بھی نہ تھا۔'' سمعان نے دل کا بوجھ کہہ ڈالا تھا۔

''آہستہ آہستہ سنبھل جائے گی۔ تم فکر نہ کرو۔ بلکہ تمہارے لیے تو یہ خوش آئند بات ہونی چاہیے کہ

تمہارے ایک جذباتی قدم نے اس کی ذات میں دراڑ ڈالی ہے تو وہاں وہ تمہارے جذبوں کو بھی قبول کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ تم ٹینشن نہ لو، جو ہونا تھا ہو چکا۔ بس اپنے قدموں کو پیچھے مت دھکیلنا وہ اس وقت جس جذباتی شکست و ریخت سے دوچار ہے تمہاری موجودگی اس کے لیے بڑی اہم ہے۔ وہ ایک نکتے پر جم جانے یا یقین و اعتماد کی بات تو چند دنوں میں ٹھیک ہو جائے گی۔ میں دیکھ لوں گی۔''

سمعان کے چہرے پر چھائی بے چارگی و شرمساری کے جذبات کے ہمراہ پریشانی کی اذیت دیکھ کر انہوں نے فوراً دلاسہ دیا تھا اور سمعان نے مسکرا کر چچی کو دیکھا تھا۔

زرش جس مقام پر تھی وہاں اب کچھ بھی کہنا یا دعویٰ کرنا فضول تھا۔''

سمعان یہ بات چچی سے نہیں کہہ پایا تھا۔

❁.....❁.....❁

شائستہ بیگم کو زرش کو نارمل کرنے میں بڑی محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ سمعان احمد مرد تھا اور بیوی کے معاملے میں اچانک کسی بھی مرد کا ایسا ری ایکشن فطری تھا پھر سمعان کا یہ رویہ اسے الزام نہیں دیا جا سکتا تھا کہ زرش نے کبھی سمعان کو اس رشتے کے حوالے سے قبول نہیں کیا تھا۔

دونوں کے درمیان اس رشتے کے حوالے سے جو اعتماد کی فضا ہونا چاہیے تھی وہ بالکل مفقود تھی پھر ایسا واقعہ رونما ہو جانا شائستہ بیگم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سمعان کو الزام دیں یا زرش کی جذباتیت کو مورد الزام ٹھہرائیں۔ بہر حال قصوروار انہیں زرش ہی لگ رہی تھی۔

زرش کے ایگزام قریب تھے ایسے میں اس کی یہ کنڈیشن اور یہ جذبات بھرا قدم انتہائی سنگین صورتِ حال اختیار کر گیا تھا۔ آنے والے دنوں میں انہیں زرش کو اس جذباتی دھچکے سے نکالنے کے لیے بڑی جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی اور وہ اس کے لیے کوشاں بھی تھیں کہ وہ نارمل ہو۔

ایگزام شروع ہو گئے تو وہ مسلسل اس کے پاس جمی رہتی تھیں شروع میں تو وہ ایگزام دینے کی بھی روادار نہ تھی مگر ان کے سمجھانے، منانے اور بہلانے سے وہ آمادہ ہو گئی تھی مگر وہ سارا جوش جیسے ماند پڑ گیا تھا۔ شائستہ بیگم نے نوشین کو اِدھر ہی بلا لیا تھا خود سارا دن زرش کے آگے پیچھے رہتے ہوئے گزارتیں گھر ڈسٹرب ہو رہا تھا۔ ایسے میں نوشین کا بڑا سہارا تھا۔ ان کی مسلسل محنت سے یہ ضرور ہوا تھا کہ وہ سب کچھ بھلا کر جذباتیت کے حصار سے نکل کر پوری توجہ سے ایگزام دے رہی تھی۔

شائستہ نے سمعان کو بار بار اِدھر آنے سے منع کر دیا تھا اس دن کے بعد صرف ایک چکر لگایا تھا اور پھر شائستہ کے منع کرنے پر اسلام آباد چلا گیا تھا۔ زرش کے موبائل پر کال سے بھی ٹوک دیا تھا وہ چاہتی تھیں کہ وہ دھیان اور توجہ سے صرف ایگزام دے کسی طرف توجہ نہ دے اور آنے والے دنوں نے ثابت کر دیا تھا کہ ان کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔

اس سارے عرصے میں نوشین ادھر ہی تھی ایک ایک کر کے زرش کا لاسٹ پیپر بھی ختم ہوا تو جہاں انہوں نے دن رات کی اس مشقت سے ریلیکس ہونے پر شکر ادا کیا تھا وہیں شائستہ بیگم نے بھی شکر کا کلمہ

پڑھا کہ ایک بہت بڑا بوجھ کندھوں سے اترا تھا۔

شائستہ بیگم نے آنے والے وقت کے لیے زرش کی ذات کے حوالے سے جو بھی سوچ و بچار کی تھی۔ اس میں سرفہرست زرش کی رخصتی تھی۔ وہ راضی تھی یا نہیں انہوں نے طے کرلیا تھا کہ اس کو رائے کو اہمیت نہیں دی جائے گی ہاں اسے سمجھائیں گی ضرور کہ وہ غلط کر رہی ہے۔

جس طرح زرش کی زندگی میں یہ جذباتی واقعہ رونما ہوا تھا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ مزید وہ کوئی ایسی حماقت کر بیٹھے کہ جس کا مداوا صرف پچھتاوے کی صورت میں ہو۔

کل زرش کا لاسٹ پیپر تھا اور آج انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ زرش سے آج حتمی بات کریں گی۔ زرش فری ہو چکی تھی اب بات کرنے میں کوئی حرج بھی نہ تھا۔

فائنل اور آخری بات.....

حتمی فیصلہ کن بات.....

وہ زرش کے کمرے میں آئیں تو وہ نہا کر نکلی تھی۔ بالوں میں برش کر رہی تھی ماما کو دیکھ کر مسکرائی۔

"آیئے۔"

"کیا کر رہی تھیں؟"

"کچھ نہیں' پیپرز کی ٹینشن اتری ہے تو سوچا کمرے کا بھی حلیہ درست کرلوں۔ اب فارغ ہو کر باتھ لیا ہے۔"

شائستہ بیگم نے دیکھا کمرہ صاف اور سلیقے سے سیٹ تھا۔ بے ترتیبی تو پہلے بھی نہیں تھی مگر اسٹڈی ٹیبل ہر وقت بکھری رہتی تھی جو اب درست حالت میں تھی۔ کتابیں ترتیب سے ریک میں سجی ہوئی تھیں۔

"ہوں' اِدھر آؤ۔ اِدھر بیٹھو۔ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" انہوں نے کہا تو وہ چونکی' ان کے سنجیدہ مزاج کو دیکھتے ان کے قریب ہی بستر پر آ بیٹھی تھی۔

"خیریت ماما؟"

"ہوں' ہاتھ کا زخم کیسا ہے اب؟" انہوں نے پوچھا تو زرش نے اپنے بائیں ہاتھ کی کلائی کو دیکھا۔ زخم بھر چکا تھا۔ اب صرف نشان تھے۔ بایاں ہاتھ تھا اگر دایاں بازو ہوتا تو ایگزام میں بہت مشکل ہو جاتی۔ وہ شاید کبھی پیپر نہ دے پاتی۔ ایگزام کے دوران بھی مسلسل بینڈیج ہوتی رہی تھی۔ اب تو صرف نشان باقی تھے۔ نشان دیکھتے ہی اسے اور بھی بہت کچھ یاد آیا تو اس نے سر جھٹکا۔ وہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ خاص کر اس تکلیف دہ واقعہ کو تو بالکل بھی نہیں۔

"ٹھیک ہے؟" وہ دھیرے سے بولی۔

"درد تو نہیں ہوتا؟"

"نہیں۔"

"ایگزام ہو چکے ہیں مزید کیا ارادہ ہے؟" انہوں نے پوچھا تو زرش نے انہیں دیکھا۔

"بی بی اے کروں گی' زرلٹ کا مجھے یقین ہے ہمیشہ کی طرح ٹاپ کروں گی۔ سوچ رہی ہوں وقت ضائع نہ کروں Aptitude Test (رجحان ٹیسٹ) کی تیاری شروع کرلوں۔ ماما اگر میں یونیورسٹی چینج کرنا چاہوں تو.....؟"

"کیا مطلب؟"

"میں سوچ رہی ہوں اگر میں پنجاب کی کسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہوں تو؟" جھجکتے ہوئے اس نے دل کی بات کہہ دی تھی۔ شائستہ بیگم نے بڑی حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

مزید پڑھنے پر انہیں اعتراض نہ تھا وہ تو خود چاہتی تھیں کہ وہ تعلیم مکمل کرے۔ اپنی بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانا ان کا خواب تھا مگر یہ یونیورسٹی چینج کرنے کا خیال انہیں بالکل نہ بھایا تھا۔

"کیوں؟"

"میں ماحول چینج کرنا چاہتی ہوں کچھ عرصہ کے لیے منظر سے ہٹنا چاہتی ہوں۔"

انہوں نے پریشانی سے زرش کا چہرہ دیکھا۔ وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ زرش نارمل ہو چکی ہوگی' ذہنی طور پر کچھ فرق آیا ہوگا مگر اس کی ذہنی کنڈیشن اسی مدار پر مرکوز تھی بلکہ اب یہ فرار کا خیال سن کر ان کا دل خوف زدہ ہو گیا تھا۔

"اگر ماحول ہی چینج کرنا مقصد ہے تو اسلام آباد سے بہتر کوئی جگہ نہیں وہاں اچھے ادارے ہیں جو بی بی اے کروا رہے ہیں اور میں بھی سوچ رہی ہوں کہ اب تمہیں اسلام آباد رخصت کر دینا چاہیے۔" انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں ابتداء کی۔

"نہیں ماما! میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔ میں کراچی یا اسلام آباد سے ہٹ کر صوبہ پنجاب کے اداروں کی بات کر رہی ہوں۔" اس نے رخصت کر دینے والی بات کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

"چلو یہ تو بعد کی بات ہے دیکھیں گے فی الحال میں جو تم سے کہنے آئی ہوں وہ غور سے سن لو۔"

زرش نے غور سے ماما کو دیکھا شاید کوئی سنجیدہ معاملہ تھا۔

"کل بھائی صاحب اور آپا لوگ آ رہے ہیں۔"

"اچھا' مگر کیوں؟ خیریت؟"

"ہمارے اور بھائی صاحب کے درمیان یہ بات طے تھی کہ ایگزام کے فوراً بعد تمہیں اسلام آباد بھیج دیا جائے گا۔ رات تک عثمان اور زوباریہ بھی پہنچ جائیں گے اور کل سمعان بھی' ضروری میٹنگ تھی ورنہ وہ آج ہی چلا آتا۔ یہاں سے آپا کی فیملی نوشین کے سسرال والے اور بھائی صاحب لوگ ہوں گے' طاہرہ آتی ہے یا نہیں ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ ہمارا یعنی ہم سب لوگ بہ شمول تمہارے پاپا' سب کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ کل تمہیں سمعان' زوباریہ اور عثمان کے ہمراہ اسلام آباد روانہ کر دیا جائے۔ بہت دن رہ لیا تم نے میکے میں اگر تمہاری تعلیم کا یہ سلسلہ نہ ہوتا تو ہم یہ قدم پہلے اٹھا لیتے تمہیں پہلے اس لیے نہ بتایا کہ تم ڈسٹرب نہ ہو۔ کل تک ذہنی طور پر تیار ہو جاؤ۔ پرسوں رخصتی یقینی ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" زرش جو حیرانی سے سن رہی تھی ایک دم انکاری ہوئی۔ "میں کہیں نہیں

جاؤں گی۔ آپ کو میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں مجھے کہیں نہیں جانا اور اسلام آباد تو قطعی نہیں۔" ایک دم کہتے ہوئے وہ بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی تو شائستہ بیگم نے برہمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بیٹھا لیا تھا۔

"احمقانہ باتیں مت کرو زرش۔ اب تک جو ہو چکا ہے وہ کافی نہیں ہے کیا اور کتنا ذلیل کروانا ہے ہمیں۔" وہ پھٹ ہی تو پڑی تھیں۔

"ماما۔" زرش نے بے یقینی سے ان کے لب و لہجے اور الفاظ پر انہیں دیکھا۔ "آپ..... آپ..... آپ میرے بارے میں ایسا سوچتی ہیں۔ میں نے بھلا کب ایسا سوچا ہے؟" وہ پل میں رو دی تھی۔

"سوچا نہیں۔ مگر تم نے اب جس طرح ضد پکڑ لی ہے اس سے ہم صرف ذلیل ہی ہو رہے ہیں۔ خاندان بھر میں جس کو دیکھو اسی قصے کو چھیڑے بیٹھا ہے۔ کیا بیٹیوں کی ماں ہونا میرے لیے جرم ہے۔ تم نے پہلے جذباتیت بھرا حماقت خیز جو قدم اٹھالیا ہے وہ کم تھا کیا میرے لیے۔"

زرش نے زبان دانتوں تلے دبالی۔ شائستہ بیگم کے تیور انتہائی جارحانہ تھے۔

"میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی بس صرف اتنی بات ضرور کہتی ہوں کہ اب جذباتیت کی عمر سے نکل آؤ۔ بڑے لوگ ہیں جنہیں ایسی زندگی جینا پڑتی ہے۔ رشتے ناتوں میں ایسی قربانیاں دینا پڑتی ہے۔ پھر تمہارے ساتھ سمعان احمد جیسا مضبوط محبت بھرا حوالہ ہے۔ ہر سرد و گرم میں تمہارا محافظ بنے گا۔ بعض کو تو یہ سہارا بھی میسر نہیں ہوتا کڑی دھوپ میں برہنہ پا چلنے کی سزا ساری عمر جھیلتے ہیں۔ ہماری طرف دیکھو' ہمارا احساس کرو' پہلے ہی بہت کچھ برداشت کر چکے ہیں تمہارے پاپا' وہ کس اذیت میں ہیں۔ تمہیں یوں دیکھتے ہیں تو کیسے ان کا دل تڑپتا ہے کاش تم سمجھ سکتیں۔"

"ماما' میں مر جاؤں گی مجھے ایسی سزا تو مت سنائیں۔ میں ساری عمر ایک الزام بن کر رہ جاؤں گی۔ وہ زندگی اس سے زیادہ مشکل ہو جائے گی۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا کچھ عرصہ باتیں ہوں گی پھر معاملہ سلجھ جائے گا کبھی تو طاہرہ کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوگا۔ تم ہمت نہ ہارو چھوڑ دو یہ ضد۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے خوشیوں کے دن ہیں جب وقت گزر جاتا ہے تو صرف پچھتاوے رہ جاتے ہیں بیٹا۔" انہوں نے اب کے تحمل اور محبت سے کہا تھا۔

زرش نے ماں کو دیکھا ان کے چہرے پر اَن کہی التجا تھی۔

کیسا درد تھا؟

کیسا کرب تھا؟

وہ شدت سے رو دی۔

"ماما' آپ کو نہیں پتا کچھ بھی نہیں پتا' انہوں نے (سمعان) نے مجھ پر کیسی بد اعتمادی کا اظہار کیا ہے۔ وہ مجھے کیسی لڑکی سمجھتے ہیں؟" وہ اب بھی کھل کر نہ کہہ سکی تھی مگر شائستہ سمجھ گئی تھیں۔

"مجھے سب علم ہے۔"

وہ حیران ہو کر ماما کو دیکھنے لگی۔ سمعان نے مجھ سے کچھ نہیں چھپایا اپنی ہر غلطی قبول کی ہے۔ پھر

رشتوں میں اتنی دوریاں ہوں دلوں میں اتنی غلط فہمیاں ہوں وہاں ایسی صورتِ حال ہونا کوئی غیر معمولی بات تو نہیں۔ سمعان بھی انسان ہے اور پھر تم دونوں کے درمیان جو رشتہ تھا کچھ تقاضے تھے باہمی اعتماد اور یقین کا ماحول اس پودے کو ملے تو یہ پنپتا' پھلتا' پھولتا ہے جب یاں دل میں ہزار ہا غلط فہمیاں' شکوے' شکایتیں لیے بیٹھی ہو اور وہ وہاں۔ جھوٹ نہیں سامنے کی ہے تمہارے ہر طرح کے رویے کے باوجود سمعان نے کبھی تمہاری ذات کو ہلکا نہیں پڑنے دیا کبھی کے سامنے ذکر نہیں کیا اور تم نے جو جذباتیت دکھائی۔ اپنی زندگی سے کھیل جانا بھی مسئلے کا حل تھا

تو پھر میں کیا کرتی؟ اس وقت تو دل صرف مر جانے کو چاہ رہا تھا۔" شائستہ بیگم کی تمام باتوں کے میں وہ پھر سسک اٹھی تھی۔

پھر جذباتیت' زرش تمہارا سب سے بڑا پرابلم بھی یہی ہے۔ تم دل و دماغ کو جذباتیت کے ترازو تلتی ہو۔ اگر تم اسی طرح ضد پر قائم رہیں تو سمعان کے دل میں ابھی تمہارے لیے جو جذباتیت خود ہی تم ختم کر ڈالو گی۔ مرد محبت کرتا ہے تو جواباً اتنی ہی محبت اور توجہ مانگتا ہے اور جہاں اسے نہیں ملتی اس کی توجہ کا محور بھی بدل جاتا ہے۔ ابھی سمعان تمہارا دیوانہ ہے' تمہارے نام کی مالا ہے خدانخواستہ کبھی تمہارے رویوں سے دل برداشتہ ہو کر اس نے اپنے قدم موڑ لیے یا کوئی انتہائی اٹھالیا تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟"

زرش نے اپنے بہتے آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑے۔

"مجھے ایسی محبت نہیں چاہیے جس میں صرف ذلت و رسوائی ہو۔"

شائستہ بیگم کو لگا جیسے انہوں نے صرف اپنا وقت ضائع کیا ہے۔

"تمہارا جو رویہ ہے سمعان کے ساتھ اس سے وہ کیا میں بھی یہی کہوں گی کہ تم کسی اور وجہ کو سوچ رہی ہو۔"

"ماما۔" وہ ششدر سی رہ گئی۔

"آپ مجھے ایسا سمجھتی ہیں۔ لہجے میں ہزار ہا شکوے در آئے تھے۔

"نہیں' مگر لوگوں کی زبان نہیں روکی جا سکتی۔"

زرش نے بڑی ناراض نظروں سے انہیں دیکھا۔

"آج تمہاری زندگی میں کوئی ایسا شخص آیا ہے ایک پروپوزل ہی تو ہے تم شادی شدہ ہو مگر سوچو ذرا تمہاری اور سمعان کی زندگی میں کوئی تیسرا انسان داخل ہو جائے تو.....؟"

"ماما پلیز۔" اس نے اذیت سے ٹوک دیا تھا۔ اس کے لیے ایسا تصور بھی گناہ تھا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" قطعیت سے انکار کیا تھا۔

"ایسا ہو جائے گا اگر تم اسی طرح ضد پر اڑی رہیں تو۔" ان کا لہجہ سختی لیے ہوئے تھا۔

"سمعان ایک مکمل نارمل انسان ہیں۔ شادی بیاہ کھیل نہیں ہوتے۔ نہ ہی دو افراد کے مابین طے

ہونے والا معاملہ ہوتا ہے۔ یہ دو خاندانوں کی بقا کا سوال ہے۔ جس طرح تم ضد پر اڑی ہوئی ہو تم ان
نہیں رہیں تو ٹھیک ہے ہم تم پر زبردستی نہیں کریں گے مگر ہم تمہیں ساری عمر جوگ لینے کی اجازت بھی
نہیں دیں گے۔ سمعان ہمیں لاکھ عزیز سہی مگر تمہاری زندگی تمہاری خوشی سے بڑھ کر نہیں۔ ایسی صورت
میں ہم کوئی حتمی فیصلہ ضرور کریں گے۔"

"کیسا فیصلہ؟" زرش نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

"تم سمعان کے ساتھ جانے' رہنے پر راضی نہیں' سمعان بھی آخر انسان ہے وہ ایک دو سال انتظار
کرے گا مگر کب تک پھر ہم بھی ایسا نہیں چاہیں گے تمہارے خیال میں یہ تعلق یہ رشتہ محض مجبوری کا
سودا ہے تو پھر اسے توڑ دینا ہی بہتر ہوگا۔ تمہارے حق میں بھی اور سمعان کے بھی۔"

"کیا؟" زرش نے اپنے حواس اڑتے محسوس کیے تھے۔ اس نے تو ایسا کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا
تھا۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" اس کی اپنی آواز ہی لڑکھڑا گئی تھی۔ "مگر میں نے ایسا نہیں سوچا۔" فوراً
گھبرا کر ماں کو دیکھا۔

"مگر ہم سوچیں گے تمہیں ساری عمر اس حالت میں اپنے سامنے نہیں بٹھائے رکھنا۔ سمعان حالات
کو سمجھنے کی صلاحیت رکھے گا' یہ قدم اس کے لیے مشکل ضرور ہوگا مگر ناممکن نہیں اور پھر تمہاری بقا کا بھی
خیال ہے۔ ہم سمعان کو تمہارے لیے مجبور کریں گے کہ وہ باہمی رضامندی سے یہ رشتہ ختم کردے پھر
ہمیں جو مناسب لگا وقت کے ساتھ فیصلہ کر کے تمہیں تمہارے گھر رخصت کریں گے۔ رہ گئی طاہرہ کی
ذات تو سرے سے یہ قصہ ہی ختم ہوجائے گا۔ سمعان بھی وقت کے ساتھ سنبھل جائے گا۔ کہیں نہ کہیں
اللہ نے اس کے لیے بھی جوڑ بنایا ہوگا۔ ہمارا مذہب ہمیں اجازت دیتا ہے کہ جہاں دل و دماغ نہ ملتے
ہوں فیصلہ کرلینا بہتر ہے۔ مگر زرش یاد رکھو محض ضد یا انا میں ایسے فیصلہ کرنا گناہ ہے۔ سراسر گناہ تم سمجھ
دار ہو اب بتاؤ کیا کہتی ہو۔"

زرش کو لگا شائستہ بیگم کی باتوں نے اس کا دماغ ماؤف کردیا ہے۔ وہ خالی نظروں سے ماں کو دیکھے
گئی۔

"کل سب لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں اوّل مقصد تو یہی ہے کہ تمہاری رخصتی کا پروگرام ہے' پھر بھی
تمہارے پاس وقت ہے کل تک سوچنا اچھی طرح پھر فیصلہ کرلینا تمہیں کوئی مجبور نہیں کرے گا۔ آخری
فیصلہ تمہارا ہوگا تم انکار کرتی ہو تو کل سب کی موجودگی میں ہی ہم نے سوچ لیا ہے کہ فیصلہ کرلیا جائے
کہ یہ رشتہ ختم کردیا جائے رہ گئی رشتے داری بات تو وہ بھی وقت کے ساتھ جو ہوگا دیکھ لیں گے۔"

"ماما۔" سسکی بھرتے اس نے ان کی گود میں سر رکھ دیا۔

شائستہ کا اپنا دل بھر آیا تھا۔ انہوں نے بہت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ اپنے ایک دم
بہتے بے تاب آنسوؤں کو بمشکل پیچھے دھکیلا۔ ان کی ذرا سی ہمدردی زرش کو اپنی ضد پر اڑے رہنے پر
مجبور کرسکتی تھی۔

ہمیں اب کوئی مجبوری نہیں صلح و صفائی افہام و تفہیم سے یہ رشتہ ختم ہوسکتا ہے ہمیں تمہاری خوشی سے
کچھ بھی نہیں چاہیے۔" زرش سسکتی رہی تھی۔

فیصلہ تمہیں کرنا ہے وہ فیصلہ کرنا جس میں تمہاری بہتری ہو۔ تمہاری بہتری ہے تمہارا دل جس فیصلے
پر مطمئن ہو۔ محض طاہرہ کی ضد اور اپنی انا کے زعم میں اپنا مستقبل برباد مت کرنا۔ طاہرہ کبھی معافی
مانگنے میں آئے گی۔ ایک عمر کا ساتھ ہے ہمارا میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں اور میری بیٹی اتنی
نہیں محض کسی کو فاتح ٹھہرانے کو اپنی زندگی ہی داؤ پر لگا دے۔ ہماری محبتیں تو فطری ہیں مگر تمہیں
کسی طرح کوئی نہیں چاہے گا۔ سمعان نے تم پر شک نہیں کیا تھا یہ تو ابتدا تھی اس رشتے کا تقاضا تھا
کہ وہ نہ سنبھلی تو سمعان کو تم خود بداعتمادی کا شکار ہونے پر مجبور کروگی۔"

شائستہ نے اسے دیکھا۔ اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھر کر پیشانی چومی تھی۔

"مرد کی زندگی میں دوسری عورت آنے میں دیر نہیں لگتی تم اِدھر ہو اور سمعان اُدھر ایسے اچھے
لوگوں کو دنیا ایک پل میں اپنی گرفت میں کرنے کا سوچتی ہے۔ سمعان سے بہتر تمہیں کوئی نہیں سمجھنے
والا ہے کا ساتھ ہے تمہارا۔ یہ رشتہ ایک طرف جو انسیت اور چچا زاد ہونے کی حیثیت سے جو مقام
اس کے دل میں تمہارا ہے وہ تمہیں کہیں اور میسر نہیں آئے گا۔ قسمت پر شاکر ہوجانے میں ہی ہماری
بہتری ہے۔ اگر بہت سے لوگ طاہرہ کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ایک بہت بڑا حصہ ان لوگوں کا بھی
ہے جو تمہیں اور تم بہنوں کی حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہے۔ محض طاہرہ کی خاطر خود کو داؤ پر مت لگاؤ۔"

شائستہ بیگم کی باتوں کا اثر تھا کہ وہ گم صم ہوگئی تھی۔ دماغ کا فیصلہ اور تھا اور دل کسی اور ہی کیفیت
میں تھا جو سوچ سوچ کر ہار گئی تو خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ سمعان کے ساتھ رخصت
ہونے میں بے شک بہت اذیت و تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا مگر اس کی ذات سے ماما' پاپا کی جو
ناراضی تھی وہ ختم ہوسکتی تھی۔

اپنے آپ کو سمجھانے کو اسے یہی حیلہ ملا تھا۔

مگر نہ ذہن مطمئن تھا اور نہ دل.....

آہستہ آہستہ یہ رشتہ کیسے اس کے دل میں جگہ بنا رہا تھا وہ حیران تھی۔ یہ دل ہی تھا جو ہر جگہ رسوا
ہوا تھا دل عجب کشمکش میں تھا۔ ہادیہ آپا آئیں تو ماما نے اسے ہادیہ کے ساتھ جا کر اپنی پسند کی
چیزیں لینے کو کہا تھا۔

جہیز کا سب سامان جوں کا توں ہی پڑا ہوا تھا۔ کسی چیز کی ضرورت ہی نہ تھی۔ تاہم وہ ماما کے
انکار نہ کرپائی تھی ہادیہ کے ساتھ جا کر اس نے ضرورت کی چند چیزیں خریدی تھیں۔ پھر ہادیہ آپا
واپس لے گئی تھیں۔

اس نے فیشل کروایا تھا۔ اسکن تو اس کی ماشاء اللہ پہلے سے ہی اچھی خاصی تھی۔ ذرا سی توجہ سے
نکھر گئی تھی۔ فیشل کے بعد انہوں نے اس کے بالوں کی لیئر کٹنگ کروائی تھی۔ کافی عرصے سے

کٹنگ نہیں کروائی تھی۔ بال کمر سے نیچے آ رہے تھے۔ زرش کو بذاتِ خود بھی لمبے بال پسند تھے اگر وہ توجہ دیتی تو خاصے بڑھ جاتے مگر وہ جب بھی بڑھتے تھے آدھے کٹوا لیتی تھی۔ اس دفعہ اس نے صرف ہلکی سی کٹنگ پر ہی اکتفا کیا تھا۔ آپا کے کہنے کے باوجود اس نے کچھ نہیں کروایا تھا۔ سوائے مہندی کے۔ گھر واپسی پر پھپھو لوگ آ چکے تھے اور پھر رات تک عثمان بھائی اور زوباریہ بھابی بھی اپنے بیٹے کے ہمراہ پہنچ گئے تھے۔

اگلے دن گھر میں خاصی چہل پہل تھی۔ وہ چپ چاپ سب کو دیکھتی رہی تھی۔ اسے کرنا تو کچھ نہیں، بس اپنے کمرے میں ہی بند رہی تھی۔ شام تک عفان انکل کی فیملی اور تایا لوگ بھی پہنچ چکے تھے۔ سمعان احمد ان کے ہمراہ ہی تھا۔ جب کہ طاہرہ بیگم نہیں تھیں اور سب یوں مطمئن تھے جیسے اب ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا اور زرش کو لینے طاہرہ بیگم کا نہ آنا بڑا اذیت ناک ہی تھا۔

اس نے تصور میں بھی نہیں سوچا تھا کہ کبھی وہ اس انداز میں رخصت ہوگی۔ طاہرہ بیگم نے جس طرح وہ سارا کھیل کھیلا تھا اس کی صرف ذات کی دھجیاں ہی نہیں بکھری تھیں بلکہ اس کے کردار اور عزت نفس پر بھی حرف آیا تھا۔ وہ مکمل عزت اور آن کے ساتھ جینا چاہتی تھی مگر اب.....

ہادیہ آپا اور نوشی دونوں نے ہی مل کر اسے تیار کیا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ اس نے سختی سے آپا کو منع کر دیا تھا کہ خوامخواہ کوئی بھی اس کے پاس آ کر اسے ڈسٹرب نہ کرے۔ اس کے اندر کسی سے بھی سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد زوباریہ بھابی اور ہادیہ آپا اسے لاؤنج میں لے آئی تھیں۔ خوب صورت لباس اور زیورات کے ساتھ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

اسے سمعان احمد کے ساتھ بٹھایا گیا تو سمعان حیرت سے چونکا تھا۔ اسے اب تک یہ گمان تھا کہ زرش ضرور انکار کر دے گی مگر اب زرش کو اپنے پہلو میں بڑی خاموشی کے ساتھ بیٹھا دیکھا تو یقین کرنے میں تامل ہوا کہ یہ وہی زرش ہے یا بدل گئی ہے۔ اس وقت گزشتہ سب واقعات خواب و خیال سے محسوس ہوئے تھے۔

"السلام علیکم!" سمعان نے پہل کی تھی۔ دھیما سا لہجہ زرش کی سماعت سے ٹکرایا تو وہ لب بھینچ گئی۔ سمعان سے ناراضی تو اب بھی تھی۔ بدگمانی ایسی تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

"کیسی ہو؟" سمعان نے دوبارہ لب کشائی کی تو اس نے ذرا سی دیر سر اٹھا کر ایک نظر کی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" ارد گرد بھی تھے۔ بے شک وہ روایتی دلہنوں والے اہتمام سے دور تھی مگر موقع ایسا تھا کہ اسے سمعان کی یہ بے تکلفی بڑی کھلی تھی۔

"پیپرز کیسے ہوئے؟" سب اطراف میں موجود تھے ہنسی مذاق باتوں میں لگے ہوئے تھے گا ہے بگاہے توجہ ادھر بھی تھی۔ مگر سمعان احمد کو جیسے پروا ہی نہ تھی زرش سے سب کے سامنے یوں کلام کرنا اور جواب دینا خاصا دقت طلب لگ رہا تھا۔

"اچھے ہو گئے تھے۔" اسی سرد لہجے سے لاتعلق انداز میں جواب ملا تو سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔

آئندہ پیش آنے والی صورتِ حال کیا ہو سکتی تھی۔

زرش کا آئندہ زندگی سے متعلق کیا لائحہ عمل ہو سکتا تھا۔ سمعان نے بڑی سنجیدگی سے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا۔

"کیا زرش صرف کمپرومائز کر رہی ہے؟" سمعان کے اندر اس سوال نے بڑی شدت سے سر اٹھایا تھا۔ چاہے جانے کی آرزو تو ہر کسی کو ہوتی ہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

کسی کے دل میں ہونا اپنی موجودگی کا احساس کسے برا لگتا ہے۔ میاں بیوی کا رشتہ تو اس سے بڑھ کر تھا۔ اس رشتے کو باہمی محبت اور تعاون ہی کامیابی سے ہم کنار کرتا ہے۔ جب کہ زرش کے لاتعلق سرد لب و لہجے نے سمعان کے دل میں موجود ساری خوش فہمیوں کی تتلیوں کو جلا کر خاکستر کر ڈالا تھا۔

ایسی زندگی تو سمعان احمد کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ دل میں افسردگی کا احساس چھایا ہوا تھا سمعان آہستگی سے اس کے پہلو سے اٹھ گیا تھا اور زرش اس نے سمعان احمد کے خاموشی سے اٹھ جانے پر دل ہی دل میں شکر کا کلمہ پڑھا تھا کہ مزید کسی سوال سے بچ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

جوں جوں دن گزر رہے تھے نویرہ کو اپنا سراپا بڑا بے ڈول سا لگنے لگا تھا۔ آج کل وہ عجب دوراہے پر کھڑی تھی۔ واپسی کا کوئی رستا نہیں تھا اور آگے وہ بڑھنا نہیں چاہتی تھی۔

شارق زمان کے لیے وہ اب بھی وہی پتھر کی چٹان بنی ہوئی تھی۔ اب تو شارق زمان نے بھی گویا اسے بھول جانے کی قسم کھالی تھی۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے اس کی گھر میں آمد نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔

نویرہ اور شارق کو یوں اپنی اپنی ضد اور انا میں زندگی برباد کرتے دیکھتے واجدہ بیگم کا دل ہر وقت ہولتا رہتا تھا۔ نویرہ کا ہر ردِعمل ان کے سامنے تھا اور اب شارق زمان کی بے تعلقی بھی۔ انہوں نے بار بار نویرہ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر نویرہ ہر بار انہیں اس سلسلے میں قطعی مداخلت نہ کرنے کا کہہ چپ کروا دیتی تھی اور اب تو انہوں نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

انہی دنوں اس نے نواز فاروق کی لاہور آمد اور ساتھ ہی ماموں زاد روبینہ سے رشتہ طے ہو جانے کی خبر سنی تھی۔ خاندان بھر میں سب کو ہی حیرانی ہوئی تھی اس خبر سے کہ فاروق چچا نے نواز کو کیسے معاف کر دیا اور نہ صرف معاف کیا تھا بلکہ گھر میں جگہ بھی دے دی تھی۔ آج کل وہ دوبارہ لاہور اپنے گھر شفٹ ہو چکا تھا۔ ایک ماہ بعد اس کی شادی تھی۔ آج کل خاندان بھر میں نواز کی آمد اور شادی کا ہی چرچا ہو رہا تھا۔

اس دن اماں اس کی کیفیت کا پوچھنے چلی آئیں تو ان کے ساتھ نبیلہ بھابی بھی تھیں۔ ان کا زیادہ تر موضوع گفتگو نواز فاروق کی ذات اور شادی ہی رہا تھا۔ نویرہ چپ چاپ ہی رہی تھی۔ نواز فاروق لاہور دوبارہ آنے کے بعد ان کے ہاں نہیں آیا تھا مگر خالدہ بیگم کے ہاں جا چکا تھا۔ نبیل کا کیا ردِعمل تھا اس کا علم تھی ہاں اماں اور بھابی کی زبانی ضرور علم ہو گیا تھا کہ نبیل کو بہت کڑا لگا تھا اور وہ نواز کے ساتھ

بڑی بری طرح پیش آیا تھا بلکہ سختی سے اسے آئندہ اپنے ہاں آنے سے منع کر دیا تھا۔

نویرہ کے لیے یہ سب بے معنی سا تھا اس نے تب بھی دلچسپی ظاہر نہ کی تھی پھر وہ کیوں کرتی؟ شارق زمان تو ایک طرف اس سارے خسارے میں یہ شخص برابر کا شریک رہا تھا۔ وہ اسے کیونکر معاف کر سکتی تھی؟ کھانا کھا کر وہ اماں اور واجدہ بیگم کے پاس آ کر بیٹھی تو اماں نے اسے بغور دیکھا۔ جب سے انہوں نے واجدہ آپا اور حمید صاحب کے ساتھ بھیجا تھا۔ نویرہ کا رویہ ان سے بڑا سرد اور لاتعلق سا ہو گیا تھا۔ وہ اس کے بعد ایک بار بھی ان کے ہاں نہیں آئی تھی۔ انہوں نے کئی فون کیے تھے ہر دوسرے دن فون پر اس کی خیریت معلوم کرتی تھیں مگر نویرہ کا رویہ اس طرح برقرار تھا انہیں ہر بار نویرہ کے رویے سے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ کئی بار انہوں نے خود آ کر اسے اپنے ہاں آنے کو چکر لگانے کو کہا تھا مگر وہ ہر بار ٹل جاتی تھی۔ خود سے تو اس نے کبھی فون کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

آج بھی وہ اسی سلسلے میں آئی تھیں وہ نبیلہ کو ساتھ لے کر شاہدہ بھابھی کے کہنے پر ہی ان کے ساتھ چند دن رہنے کو چل دے پھر تو اس کی کنڈیشن ایسی ہو جائے کہ شاید کہیں آنا جانا ہی نہ ہو پاتا۔

"ہم تمہیں لینے آئے ہیں تم تو سسرال کو ایسے پیاری ہوئی ہو کہ میکے کو بھولتی ہی جا رہی ہو۔ چلو ہمارے ساتھ چند دن رہ لینا۔" اماں کے اشارہ کرنے پر نبیلہ بھابی نے لب کشائی کی تھی۔

"کیوں؟" نویرہ کا وہی بڑا سنجیدہ انداز تھا۔ نبیلہ اندر کی بات سے بے خبر تھی۔ ہنس دی۔

"میکے میں بھلا کیوں لڑکیاں جاتی ہیں' چند دن کا کہہ رہی ہوں ہوا بدلی ہو جائے گی۔ ویسے بھی خالہ جان میں سوچ رہی ہوں ہم نویرہ کو ڈلیوری سے پہلے اپنے ہاں ہی لے جائیں گے۔ آپ کی طبیعت خراب رہتی ہے۔ شاکرہ بھی اتنا اچھی طرح خیال نہیں رکھ سکتی اب تو نویرہ کو انتہائی توجہ اور دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ شارق بھائی کی اپنی مصروفیات ہو سکتی ہیں۔ وہاں میں اور امی تو ہوں گی۔ کیا خیال ہے؟"

انہوں نے بات کرتے حاضرین پر نگاہ ڈالی تھی۔

واجدہ بیگم نے نویرہ کے چہرے پر ناگواری چھائے دیکھی تو گہرا سانس لیا۔

"میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔ خوامخواہ آپ لوگ بھی ڈسٹرب ہوں گے۔ رہ گئی چند دن جا کر رہنے کی بات' مجھے اس کی ایسی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ میں ادھر مطمئن ہوں آپ لوگ بھی فون کر لیتے ہیں آ کر مل جاتے ہیں اتنا کافی ہے میرے لیے۔" وہ بھی سنجیدہ انداز۔ اب کے کچھ الجھ کر نبیلہ بھابی نے بھی بغور نویرہ کو دیکھا۔ اس کے تاثرات ناقابل فہم لگے تھے۔ کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ انہوں نے ٹھٹک کر ساس کو دیکھا وہ خود شش و پنج کی شکار بیٹی کے چہرے کے دوٹوک سنجیدہ تاثرات کو دیکھ رہی تھیں۔

"ہم تو آ کر مل ہی جاتے ہیں۔ مگر تمہارے آنے کی تو اور ہی بات ہے۔"

"رہنے دیں بھابی' تکلف نہ کیا کریں۔ پھر نبیل بھائی کہاں برداشت کریں گے؟" اس نے ہنس کر طنز سے کہتے ہوئے انہیں دیکھا تو وہ نظریں چرا گئیں۔ نبیل ابھی تک کہاں معاف کرنے والا تھا۔ وہ اسی مقام پر تھے اور نویرہ ناحق سزا کاٹ رہی تھی۔ بلکہ مردوں کے اس معاشرے میں سارا خسارہ آیا ہی

کے حصے میں تھا۔ ساجد بھائی سمجھ دار تھے وہ برداشت کر گئے تھے مگر نبیل تو شارق کا ہی کزن تھا اس طرح جذباتی اور جوشیلا۔

"تم نبیل کی وجہ سے میکہ چھوڑ دو گی؟" انہوں نے کہا تو وہ ہنس دی۔

"میکہ تو میں کب کا چھوڑ چکی ہوں۔ جانے دیں اس قصے کو کوئی اور بات کریں ہاں ہادیہ آپا آپ کہہ رہی تھی کہ آنٹی (نبیلہ بھابی کی والدہ) کی طبیعت پچھلے دنوں خراب تھی اب کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" نویرہ کے رویہ پر وہ گم صم ہو گئی تھیں۔ نویرہ انہیں بہنوں کی طرح عزیز تھی وہ نبیل کی وجہ سے ان کے ہاں نہیں آئی تھی اگر آ کر رکتی بھی تو بہت دنوں بعد۔ انہوں نے بڑے دکھ سے نویرہ کو دیکھا اور پھر لب بھینچ لیے۔

"اچھا آپ بیٹھیں اماں کے پاس جائیں میں شاکرہ سے چائے کا کہتی ہوں۔" وہ وہاں سے اٹھی تو انہوں نے بڑے دل گرفتہ انداز میں اس کی پشت پر پھیلی لمبی کالے بالوں کی چوٹی کو لہراتے دیکھا تھا۔

"نویرہ۔" وہ شاکرہ سے چائے کا کہہ کر پلٹی تو اماں بھی وہاں چلی آئیں۔

"جی۔"

"کیوں سزا دے رہی ہو مجھے ماں کے دل کو مت آزماؤ۔ تم تو ہرنا توڑے بیٹھی ہو۔ کوئی اس طرح بھی کرتا ہے۔" انہوں نے اس کے باہر آنے پر کہا تو نویرہ خاموشی سے دیکھنے لگیں۔

"میں تمہیں لینے آئی ہوں۔ بچے کی پیدائش تک اب ادھر ہی رہنا۔ اس حالت میں اب تمہیں میں یہاں نہیں چھوڑنے والی۔"

"مجھے کہیں نہیں جانا۔ مجھے اماں بار بار مجبور نہ کیا کریں مجھے اس گھر میں جینے دیں۔ مجھے اس گھر میں نہیں جانا' رہ گئی ڈلیوری کی بات تو وہ اتنی اہم بات نہیں۔ ڈاکٹر سے ہر ماہ چیک اپ کروا رہی ہوں سب نارمل ہے ہو سکتا ہے گھر میں ہی ڈلیوری ہو جائے۔ اگر زیادہ پریشانی ہوئی تو ڈاکٹر فیروزہ کے کلینک چلی جاؤں گی۔ وہی مجھے اسسٹ کر رہی ہیں۔"

"تو کیا اب کبھی اس گھر میں نہیں آؤ گی۔"

"نہیں' آپ سے تعلق تو ہے اماں مجھے بار بار پریشان نہ کریں۔ بڑی مشکل اپنے آپ کو سمجھاتی ہوں۔ آپ نے مجھے یہاں دوبارہ بھیجا ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ شخص۔" اس کے لہجے میں شارق کے لیے اتنی نفرت تھی کہ اماں دیکھتی رہ گئیں۔ "مجھے انتہائی ذلیل کر چکا ہے۔ وہ مجھے پہلے والی حیثیت دے پائے گا کہ نہیں آپ نے یہ سوچے بغیر مجھے مجبور کیا یہاں آنے پر میں نے آپ کی بات مان لی آپ مجبور ہیں۔ آپ کو بیٹوں کی پروا ہے اور بیٹی؟" وہ ایک پل کو چپ ہوئی تھی پھر اماں کو دیکھا تو سر جھٹکا۔

"اماں' اب اس قصے کو ختم کریں۔ مجھے جتنا ذلیل ہونا تھا اس شخص کی نظروں میں' ہو چکی ہوں۔ اماں ابھی زخم تازہ ہیں کچھ عرصہ مندمل ہونے دیں۔ شاید مجھے آپ کی مجبوری سمجھ میں آ جائے مگر اتنا تو میں سمجھ چکی ہوں۔ میرے لیے نہ سہی نبیل بھائی کے دل میں کوئی جگہ باقی رہی ہے اور نہ ہی آپ کے گھر میں۔ لاوارثوں کی طرح زندگی گزارنے کا فائدہ کم از کم اس گھر میں اپنی انا کو سلامت رکھے جی تو رہی

ہوں۔ آپ کی بہن کا گھر ہے سو بار آئیں مگر بیٹی کا گھر سمجھ کر کبھی آنے کی غلطی نہ کیجیے گا۔ اس گھر کا تحفظ میرے لیے بس اتنا ہے کہ اس نے مجھے چار دیواری فراہم کی ہے اور بس اور جس دن یہ چار دیواری بھی تنگ پڑ گئی تو کہیں نہ کہیں ٹھکانہ مل ہی جائے گا مگر اماں یہ طے ہے اب آپ کے گھر کبھی نہیں آنا۔ آپ کو اپنے بیٹوں کی عزت و آبرو مبارک ہو بیٹی جائے بھاڑ میں۔"

نویرہ نے اپنے کی دل بھڑاس نکالی تھی اور اماں حیران و پریشان کھڑی نویرہ کو دیکھ رہی تھیں۔

کیا یہ وہی نویرہ ہے؟

ان کی حلیم و شفیق بیٹی۔

یہ تو حالات کی ڈسی' انتہائی زہریلے لہجے میں کلام کرتی کوئی اور ہی ہستی لگی تھی۔

نویرہ....." ان کے لبوں کی سسکاری کہیں اندر ہی دم توڑ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

وہ لوگ اسے لے کر سیدھے ایئر پورٹ ہی آئے تھے فلائٹ تیار تھی۔ وہ اسلام آباد میں تھے۔

گھر پہنچتے پہنچتے ان کو بارہ بج گئے تھے۔

سمعان' زوباریہ بھابی اور عثمان بھائی کے ساتھ زرش کے علاوہ فرح بھی تھی جس کا پہلے ہی ارادہ ان لوگوں کے ہمراہ اسلام آباد جانے کا تھا۔

کھانا وہ لوگ کراچی سے ہی کھا کر آئے تھے۔ بھابی کے کہنے پر ملازمہ نے فوراً چائے تیار کی تھی۔

چائے کے بعد بھابی اسے لیے سمعان احمد کے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

"یہ تمہارا اور سمعان کا کمرہ ہے۔ میں ہر چیز رکھوا تو چکی ہوں مگر پھر بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو سمعان سے کہہ دینا میں بندوبست کر دوں گی اور ہاں یہ تمہارا گھر ہے جس طرح میرا ہے۔ تم کسی اجنبی جگہ نہیں آئی ہو اس لیے پرسکون اور مطمئن ہو کر رہو۔"

بھابی نے مسکرا کر کہا تھا تو بھی زرش مسکرا نہ سکی۔

اتنی ذلت کے بعد بھی اپنا گھر کے لفظ اس کو بڑے اذیت ناک لگے تھے وہ کراچی سے اسلام آباد اور اب اس گھر تک مسلسل خاموش رہی تھی۔ "ہوں' ہاں' جی....." کے علاوہ اس نے زبان نہیں ہلائی تھی اور اب بھی زبان سے وہی نکلا تھا۔

"جی....." بھابی نے بغور دیکھا وہ ذرا بھی خوش نہیں لگ رہی تھی۔ خوب صورت لباس' ہلکی پھلکی جیولری اور میک اپ کے باوجود وہ بہت پژمردہ اور تھکن زدہ محسوس ہوئی تھی۔

وہ شخص جس نے برسوں من پسند منزل کے حصول کے لیے پاپیادہ سفر کیا ہو اور جب منزل پر پہنچے تو اس پر یہ انکشاف ہو کہ یہ تو وہ منزل ہی نہیں تھی جس کے لیے اس نے سر توڑ کوشش کی تھی۔

اپنے سفر اور جدو جہد کے رائیگاں جانے کا احساس اس شخص کی توڑ پھوڑ کرنے کو کافی ہو سکتا ہے۔

زوباریہ بھابی نے تاسف سے زرش کو دیکھا۔ انہیں اس شخص اور زرش میں فرق محسوس ہوا۔

"خوش رہو..... سمعان بہت اچھا انسان ہے۔ ابھی تو تمہیں میری بات پر یقین نہیں آئے گا مگر

وقت کے ساتھ ساتھ سنبھل جاؤ گی۔ تمہاری یہاں آمد بہت ضروری تھی زرش۔" وہ اس کا کندھا تھپک کر مسکرائی تھیں۔

"لگتا ہے بہت تھک گئی ہو۔ کپڑے چینج کر لو۔" ان کے کہنے پر زرش کو بھی بھرپور تھکن کا احساس ہوا تھا۔ ذہنی بھی اور جسمانی بھی۔ ذہن تھکا ہو تو جسم خود بخود تھکنے لگتا ہے۔ ایسی ہی کیفیت وہ بھی محسوس کر رہی تھی۔ بھابی ایک دو اور باتیں کر کے چلی گئیں تو وہ اپنے بریف کیس سے اپنا لباس نکال کر واش روم میں گھس گئی تھی۔

کپڑے چینج کر کے واپس کمرے میں آ کر اس نے لباس الماری میں لٹکایا تھا اور زیور دراز میں ڈال دیا تھا۔ کمرے کا اطراف میں جائزہ لیا۔ بہت خوب صورتی سے سجا صاف ستھرا اور ہوادار کمرہ تھا۔ دیوار پر الماری کے علاوہ بائیں جانب بکس ریک تھا اور اس کے ساتھ کمپیوٹر ٹیبل اور اس کے سامنے ریوالونگ چیئر تھی۔

بڑے بیڈ کے علاوہ بیڈ کے دائیں جانب ڈریسنگ ٹیبل اور اس کے ساتھ ٹو سیٹڈ صوفہ تھا۔ صوفے کے سامنے تپائی تھی۔ سارا کمرہ سفید اور نیلے کمبینیشن کی سجاوٹ سے پُر تھا کہیں کہیں ریڈ اور گہرے ریڈ کلر کا بھی استعمال تھا۔

ننگے پاؤں قالین پر چلتے وہ خاموشی سے بستر پر آ بیٹھی تھی۔

آئندہ زندگی میں کیا ہونا تھا اس نے کچھ نہیں سوچا تھا۔ پھر سوچنے کے لیے کچھ تھا بھی کیا؟

سر اٹھا کر پوری آن' عزت و وقار سے جینے کے سب دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ اب یہ سمجھوتے سے بھری زندگی کیسے گزرے گی؟

ابھی وہ اپنی خود ساختہ سوچوں میں اُلجھی ہوئی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ فوراً متوجہ ہوئی تھی۔ اپنی شخصیت کی تمام تر وجاہت سمیٹے سمعان احمد اندر داخل ہوا تھا۔ زرش کو اپنے ہاتھوں میں پسینہ اُترتا محسوس ہوا۔

اس سارے عرصے میں اسے پہلی بار اپنا آپ نروس ہوتا محسوس ہوا تھا۔ وہ نروس ہو رہی تھی۔ اسے اپنی فیلنگز پر خود ہی اُلجھن ہونے لگی۔ وہ فوراً نظریں چرا کر سیدھی ہوئی تھی۔

سمعان احمد نے اسے نظریں چراتے بغور دیکھا تھا۔

اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔

سمعان الماری کی طرف بڑھا تھا۔ اپنا لباس نکال کر پلٹا تو زرش پر نگاہ ڈالی وہ سر جھکائے ہونٹ کچلتی عجیب شش و پنج میں تھی۔ دونوں ہاتھوں کو آپس میں جکڑ رکھا تھا۔

سمعان لباس بدلنے چلا گیا بغیر کوئی بات کیے، واپس آیا تو وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی گم صم سی۔

"کیا بات ہے کیا سوچ رہی ہو؟"

اس نے چونک کر سمعان کو دیکھا۔ سمعان ڈریسنگ کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا مگر درحقیقت نظریں اس پر تھیں۔

دوئم

"کچھ نہیں....."

سمعان برش ڈریسنگ پر رکھ کر اس کے پاس بستر پر آ کر بیٹھا تو وہ سمٹ کر سیدھی ہوئی تھی۔

"تم خوش نہیں یہاں آنے پر؟" زرش چپ رہی تھی صرف ایک پل سمعان کو دیکھا تھا۔

"تو کیا چچا جان اور چچی جان نے اب پھر تمہیں مجبور کیا ہے؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ سب لوگ یہی تو چاہتے تھے کہ میں اپنی ضد اور انا چھوڑ کر یہاں آ جاؤں۔"

"زرش....." سمعان نے بڑی بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ نے جس طرح اپنی بے اعتباری ظاہر کی ہے اس کا صرف یہی حل تھا کہ میں یہاں آ جاتی۔"

"زرش پلیز....." سمعان نے اسے ایک دم ٹوک دیا تھا۔ "میں اس سارے قصے میں خود کو کلیئر کر چکا ہوں۔ تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا؟"

"میں نے اس گھر میں اس طرح کبھی نہیں آنا چاہا تھا۔ میری ذات پر لگایا گیا آپ کی والدہ کا الزام تو اسی طرح برقرار ہے نا۔ وہ ہٹ تو نہیں گیا۔"

"زرش! خود سوچو اگر مجھے وہ سب پھر سے قبول کرنا ہی ہوتا تو وہ الزام لگاتی ہی کیوں؟ انہوں نے سب پلان کے تحت کیا تھا۔ سب لوگ بے وقوف نہیں ہوتے۔ بہت سے لوگ فہم و شعور رکھتے ہیں حالات کا درست تجزیہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ تم ایک ہی بات کو ذہن میں جگہ کیوں دیئے ہوئے ہو۔ مثبت بھی تو سوچ سکتی ہو؟"

وہ چپ ہی رہی تھی۔ وہ پھر بول کر آتی بھی کیوں۔ ماما سے لے کر سمعان تک سب کے پاس اسے سمجھانے کو ہزار دلائل تھے بلیک میل کرنے کے سو حربے۔ مگر کوئی اس کی ذہنی حالت اور سوچ کو پڑھنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس کو سمجھ لینے کا دعویدار سمعان احمد بھی نہیں۔

"مجھے نہیں پتا کیا مثبت ہے اور کیا منفی؟ بس مجھے خود پر لگا الزام جینے نہیں دیتا۔ میں چاہوں بھی تو خود کو ماما یا آپ کی سوچ کے مطابق نہیں ڈھال سکتی۔ ماما نے مجھے سمجھایا اور میں نے ان کی بات مان لی۔ وجہ کچھ بھی ہو مگر ماما نے کہا تھا کہ اگر میں آپ لوگوں کے ساتھ آج یہاں نہیں آنا چاہوں تو وہ آپ سے یہ رشتہ ختم کرنے کی بات کریں گی۔"

سمعان احمد نے چونک کر اسے دیکھا۔ ان کے علم میں ایسی کوئی بات نہ تھی بس پوچھنے پر چچی نے کہا تھا کہ انہوں نے اسے سمجھا دیا ہے بس وہ کچھ پریشان ہے سو اسے پیار محبت سے ہینڈل کر لینا۔ ضدی ہے لاڈ پیار نے اس کی کچھ عادتیں بگاڑ بھی دی ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو غلطی پر غلطی کرنے دوں۔" اور اب جو زرش بتا رہی تھی سمعان نے انتہائی تعجب سے اسے دیکھا تھا۔

"مطلب.....؟"

"جب ماما کو میری بے وقوفیوں کی سب فہرستیں ازبر ہیں تو یقیناً آپ بھی بے خبر نہیں ہوں گے؟" کتنی تلخی تھی اس کے لہجے میں۔ بلکہ طنزیہ انداز میں کہتی بڑی چبھتی نگاہوں سے سمعان احمد کو دیکھا تھا۔

دوئم

"مجھے کچھ نہیں علم چچی جان نے تم سے کیا بات کی ہے اور کس انداز میں۔ بہر حال اگر تم نہیں آنا چاہتی تھیں یا مطمئن نہیں تھیں تو مجھ سے بات کر لیتیں۔ یقیناً تمہیں یوں مجبور تو نہ کیا جاتا؟"

وہ سمعان کو مسلسل غلط سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی سمعان ایک دم سنجیدگی سے کہتے ہوئے بستر سے اُٹھ گیا تھا۔

"رہ گئی یہاں آنے کی بات۔ تمہیں یاد ہو گا میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا تھا کہ میں تمہیں ہر طرح سے سپورٹ کروں گا تم اپنی تعلیم مکمل کر لو جس طرح کا بھی تم تعاون چاہو گی میں تمہیں فراہم کروں گا۔ چچی جان نے تمہیں کیا کہا مجھے قطعی علم نہیں ان کے کسی قول و فعل کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ ہاں انہوں نے یہ ضرور بتایا تھا کہ تم پڑھنا چاہتی ہو اور کراچی یا اسلام آباد سے ہٹ کر کسی ادارے میں داخلہ لینا چاہتی ہو۔ میرا نہیں خیال کہ اس میں کچھ حرج ہے، تم Aptitude Test کی تیاری شروع کر دو جہاں بھی کہو گی داخلہ مل جائے گا۔" کھڑکی کے پاس جا کر کھڑے ہوتے ہوئے سمعان نے یہ سب کہا تھا۔

"جہاں تک ہمارے رشتے کی بات ہے تو بھی تمہیں یاد ہونا چاہئے کہ میں اس رات کراچی میں تم لوگوں کے ہاں رات ٹھہرا تھا اس سلسلے میں تم سے تفصیلی بات ہو چکی ہے۔ میں نے اس رات بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہا ہوں کہ میری طرف سے تم پر اس رشتے کی جانب سے کوئی دباؤ یا زبردستی نہیں ہو گی۔ جب تک تم یہ سادگی اور اطمینان محسوس نہیں کرو گی میری طرف سے کبھی پیش رفت نہیں ہو گی۔ بس شرط یہ ہے کہ تم اعتبار کرنا سیکھ جاؤ۔ اعتبار کرو مجھ پر۔ میرے لیے تمہاری محبت' تمہارا وجود بہت اہم ہے اپنے ذہن کو ریلیکس کرو۔ تم یہاں ہو' میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ کسی کے دل میں جگہ بنانے گھر کرنے محبت کی جوت جگانے میں برسوں لگ جاتے ہیں جب کہ نظروں سے گرنے میں ایک پل لگتا ہے۔ ہمارا رشتہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ بندہ بشر ہوں اور انسان ہی جذبات میں بہتا ہے مگر پھر بھی اتنا ضرور بتا دیتا ہوں کہ تمہیں بس کبھی اپنے رشتے سے متفق ہونے پر مجبور نہیں کروں گا۔ رات بہت ہو گئی ہے اور تھکن بھی بہت ہو رہی ہے کیا خیال ہے اب سونا چاہئے اگر پھر بھی کوئی بات ذہن کو ڈسٹرب کر رہی ہے تو صبح بات کر لیں گے۔" زرش نے بہت حیران ہو کر سمعان کو دیکھا تھا۔

"میرے ساتھ بیڈ تو شیئر کر لو گی، مجبوری ہے۔" سمعان نے مسکرا کر کہا تو اس نے فوراً نظریں چرائی تھیں۔ بغیر کچھ کہے' وہ سر ہلاتے ہوئے بستر پر دراز ہوئی تھی۔ سمعان نے ایک دو پل اسے دیکھا تھا پھر کچھ سوچ کر مطمئن ہوتے ہوئے لائٹ آف کر دی تھی۔

✡.....❁.....✡

نواز فاروق کی شادی کا کارڈ آیا تھا۔ چونکہ بارات لاہور سے کراچی جانا تھی سو سارے خاندان سے ایک ایک فرد ہی انوائٹڈ تھا جب کہ ولیمہ میں سارا خاندان' برادری مدعو تھی۔ شارق زمان بارات کے ساتھ کراچی گیا تھا جب کہ تین دن بعد منعقد ہونے والے ولیمے میں جانے کے لیے اماں تو تیار تھیں نورہ کو بھی ساتھ چلنے کا کہہ رہی تھیں مگر وہ مسلسل ٹال رہی تھی۔

"اماں! میں بھلا کیا کروں گی وہاں جا کر وہ بھی اس حالت میں۔"

"باقی جو لوگ جا رہے ہیں تو وہ پاگل ہیں نا..... اور تمہاری حالت کو کیا ہوا ہے۔ اللہ کا کرم ہے، نصیبوں والیوں پر یہ وقت آتا ہے۔"

"ہاہ..... نصیب....." اس کے چہرے پر طنز بکھر آیا تھا۔

"شاکرہ کو کہو کپڑے تیار کر دے تمہارے' شارق کو میں کہہ چکی ہوں ہال میں جانا ہے اس کے ساتھ' تم بھی جا رہی ہو میرے ساتھ۔"

مسئلہ صرف شارق کا نہیں تھا پورا خاندان وہاں اکٹھا ہونا تھا۔ نجانے کیا کیا کچھ سننے کہنے کو ملنا تھا وہاں صرف چند لوگ ہی نہیں ہوتے۔ حمید چچا کی فیملی کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ہونے تھے اور وہ کسی سے بھی سامنا کرنے کے موڈ میں نہ تھی مگر اماں کو اس کی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی بعض اوقات وہ بلاوجہ سی ضد پر اڑ جاتی تھیں۔ جیسا کہ اب.....

"جاؤ شاباش شاکرہ کو ساتھ ملا کر تیاری کرو۔ اچھا سا کوئی سوٹ دیکھ لینا اور زیور وغیرہ بھی..... خاندان کی پہلی شادی ہے جو دیکھو گی۔" اماں کی خاص ہدایت پر وہ خاموشی سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اب ایک اماں ہی تو رہ گئی تھیں اس کے دکھ درد کی ساتھی وہ اب ان سے بحث کر کے ان کو کیسے ناراض کر لیتی؟

لباس نکال کر اس نے شاکرہ کو دیا تھا وہ استری کرنے چل دی تو وہ نہانے باتھ روم میں گھس گئی۔

تیار ہو کر ہلکی سی لپ اسٹک لگا کر وہ اماں کے کمرے میں آئی تو شاکرہ ان کو تیار کروا چکی تھی۔ اس وقت وہ ان کے بال بنا رہی تھی۔ سفید چکن دار لباس میں اماں کی شخصیت بڑی بارُعب لگ رہی تھی۔

"بڑی پیاری لگ رہی ہیں اماں....." اس کی تعریف پر اماں ہنس دی تھیں۔

"اور یہ کیا تم نے تو زیور پہنا ہی نہیں..... نہ گلے میں' ہاتھ کان بھی خالی۔ ماشاء اللہ سے میکے سسرال دونوں طرف سے کتنا زیور ہے سنبھالنے کے لیے تو نہیں پہنایا ہم نے۔ شادی بیاہ پر بھی نہیں پہنو گی تو کب پہنو گی؟"

"اماں! جانے بھی دیں اب یہ لباس دیکھ رہی ہیں بمشکل پورا آیا ہے۔ زیور پہن کر اور بھی عجیب لگوں گی، سب مڑ مڑ کر دیکھیں گے۔"

"شارق تیار ہو گیا ہے؟" وہ آج گھر پر ہی تھا اماں نے شاکرہ سے پوچھا۔

"پتا نہیں اپنے کمرے میں ہوں گے۔"

"جاؤ دیکھ کر آؤ۔" شاکرہ چلی گئی تو اماں نے اسے دیکھا۔ جہیز میں سے اس نے سوٹ پہنا تھا، اماں کے دل میں کئی بار خیال آیا تھا کہ شارق زمان کی لاکر دی گئی وہ کوئی چیز استعمال نہیں کرتی تھی چاہے جو تا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ صرف اس گھر میں رہ رہی تھی۔ حتیٰ کہ ایک بار ڈاکٹر فیروزہ کی لکھ کر دی گئی میڈیسن ختم ہو گئی تھی نویرہ کے ذکر کرنے پر انہوں نے وہ نسخہ لے کر ملازم کو دیا تھا اس وقت شارق چلا آیا تھا وہ اماں کی دوائیوں کا نسخہ سمجھا تھا اسے کسی کام سے فوراً واپس بھی جانا تھا وہ نسخہ ملازم سے لیا تھا رات کو اس نے میڈیسن لا دی تھیں مگر نویرہ نے وہ میڈیسن استعمال نہیں کی تھی۔ اس نے خود سے

ہوئی کر میڈیسن استعمال کی تھی۔ کتنے دنوں بعد انہوں نے دراز کھولا تو وہاں میڈیسن کا شاپر جوں کا توں پڑے دیکھ کر انہیں بڑا دکھ ہوا تھا۔

"کچھ زیور پہن لو۔ وہاں سب سوال کریں گے۔ کم از کم میری عزت کے لیے ہی پہن لو۔"

نویرہ نے بڑی بے چارگی سے اماں کو دیکھا تھا وہ کہہ نہیں سکتی کہ زیور پہننے میں اسے کوئی حرج نہیں تھا مگر وہ سارا (زیور میکے اور اِدھر کا سارا) شارق زمان کے کمرے میں اس کے پرسنل لاکر میں رکھا ہوا تھا۔ وہ وہاں سے کیسے نکالتی۔ وہ تو کبھی اس کے کمرے کے قریب سے بھی گزرتی نہیں تھی کجا کہ اس کی پرسنل دراز میں سے زیور نکالنا۔

"اماں وہ سارا زیور شارق کے لاکر میں ہے۔ آپ لا دیں امی کی طرف کا اِدھر کا بہت بھاری ہے میں نہیں پہنوں گی۔ امی والا لا کر دے دیں۔"

اماں نے نویرہ کے رویے پر بڑی بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔

"اچھا میں دیکھتی ہوں۔" وہ مصنوعی ٹانگ سنبھالتی آہستہ آہستہ چلتی کمرے سے نکل گئیں تو اس نے گہرا سانس لیا۔

اماں زیور لے کر آئیں تو اس میں کچھ زیور اِدھر کا بھی لے آئی تھیں۔

"یہ میں نے خود بنوایا تھا شارق کی دلہن کے لیے۔ یہ شارق کی کمائی کا نہیں ہے، اس کے ابا کی کمائی ہے اور یہ زیور میں نے اپنا زیور دے کر نیا بنوایا تھا پہن لو۔"

وہ اب بھلا کیا کہتی۔ تمام زیور اماں نے اسے اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا۔ ان کے اندر نویرہ کو ہر وقت اپنے ہاتھوں سے بنانے سنوارنے کے کتنے ارمان تھے۔

شارق نے گاڑی نکال کر ہارن دیا تو وہ اماں کو سہارا دیئے باہر نکل آئی۔ آج پہلی بار ایسا ہو رہا تھا کہ اماں وہیل چیئر کے بغیر باہر جا رہی تھیں ورنہ وہ وہیل چیئر ضرور گاڑی میں رکھواتی تھیں۔ شارق زمان نے انتہائی حیران ہو کر نویرہ کو دیکھا۔ اماں کے ساتھ اسے دیکھ کر تعجب ہوا۔ وہ اس کی گاڑی میں سفر کرنے پر راضی کیسے ہو گئی تھی۔ اس نے ایک پل کو ضرور سوچا تھا۔

پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اماں کو بٹھا کر خود بھی ساتھ بیٹھتے ہوئے اس نے ایک بار بھی شارق زمان پر نگاہ ڈالنا گوارا نہ کی تھی۔ مکمل طور پر ان لمحوں میں اس نے شارق زمان کی نفی کی تھی۔ جیسے وہ ان کا کوئی شوفر ہی تو تھا۔

شارق زمان کے اندر ایک دَم چبھن ہونے لگی تھی۔

وہ عورت ذات ہو کر اسے نظر انداز کر رہی تھی۔

کوئی اس کے اندر تلملایا تھا۔

سارا رستہ شارق زمان کے اندر اک اَن دیکھی آگ جلتی رہی تھی۔ نویرہ کی کنڈیشن اور اپنی اولاد کا لحاظ نہ ہوتا تو شاید اب تک سارے حساب بے باق کر چکا ہوتا۔

وہ لوگ ہوٹل پہنچے تو چچا چچی نے بڑے پرتپاک انداز میں ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ نویرہ کو اماں کے

ساتھ دیکھ کر دونوں میاں بیوی کے دلوں میں اک سکون سا اُترا تھا۔

نواز فاروق کی شادی کر دینے کے باوجود نویرہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی اب بھی دل دکھاتی تھی مگر اب اماں اور ان کے پیچھے مطمئن سے شارق کو دیکھ کر اپنی زیادتی کا احساس کم سا ہونے لگا تھا بلکہ نویرہ کے ساتھ ساتھ انہیں نواز فاروق بھی بے قصور لگتا تھا۔

چچی نے بہت محبت سے گلے لگا کر پیشانی چومی تھی۔ وہ بھتیجی بیاہ کر لائی تھیں مگر نویرہ کو کھو دینے کا ملال اپنی جگہ تھا۔

ان کی باقی چاروں بیٹیاں بھی نویرہ کو دیکھ کر بے انتہا خوش ہو گئی تھیں۔ جس طرح نویرہ نواز کے انکار کے بعد ان لوگوں سے ناراض ہوئی تھی ان کو یقین تھا کہ وہ اب شادی پر نہیں آئے گی مگر نویرہ نے آ کر بڑی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا تھا۔

وہ سب نویرہ کے آگے پیچھے پھر رہی تھیں۔

وہ سب رشتہ داروں سے اماں کو ملوانے کے بعد ایک ٹیبل کے گرد آ بیٹھی تھی۔

تھوڑی دیر میں اماں اور نبیلہ بھابی وغیرہ بھی آ گئے تھے۔ نویرہ کے لیے یہ بات تسلی بخش تھی کہ مرد و عورت کے لیے علیحدہ علیحدہ انتظام کیا گیا تھا۔ درمیان میں پارٹیشن کا انتظام تھا سوائے چند قریبی احباب کے کوئی بھی خواتین والے حصے میں نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد نواز کی بہنیں سجی سجائی رومیسہ کو لیے اسٹیج پر آ بیٹھی تھیں۔ نویرہ نے بغور دیکھا۔ اچھی خاصی خوب صورت اور پیاری لڑکی تھی۔ زبیدہ چچی اور ریشاء بھی ان کے پاس ہی آ بیٹھیں تو کھانا کھانے تک وہ سب آپس میں ہی مصروف رہی تھیں۔ وہی خاندان کے قصے' نواز کا والدین کے پاس آ جانا اور ان کا خاص طور پر مان جانا اور یہ آناً فاناً شادی۔ ایک ماہ کے عرصے میں یہ سب ہوا تھا۔

کھانے کے بعد فوٹو سیشن کا سلسلہ چلا تھا نواز فاروق نے اپنی پوری فیملی کو اسٹیج پر بلا لیا تھا۔ اس سارے عرصے میں نویرہ نے ایک عرصے بعد اس شخص کو دیکھا تھا۔ نواز نے جب شادی سے انکار کیا تھا تو کتنا دکھ ہوا تھا اور پھر جب شارق کی زبانی علم ہوا کہ وہ کیوں انکار کر کے چلا گیا ہے تو اس نے اس سے نفرت بھی کی تھی۔ یہ بھی سوچا تھا کہ زندگی بھر کبھی سامنا نہیں کرنا اور اگر کبھی بدقسمتی سے سامنا بھی ہو گیا تو نفرت سے اپنے ساتھ کی جانے والی ناانصافی پر اس کا گریبان جھنجوڑ دے گی مگر اب وہ چپ چاپ بس اسٹیج پر بیٹھے دلہا دلہن کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ ایک بار بھی اُٹھ کر اِدھر اُدھر نہیں ہوئی تھی جب سے آئی تھی اسی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

شارق زمان سے شادی کے بعد نبیل بھائی کی نفرت کے باوجود اس نے سمجھوتے کی راہ اپنائی تھی مگر رضا حمید کی جذباتیت نے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔ پھر وہ اکیلے نواز فاروق کو قصوروار کیوں ٹھہراتی' رضا حمید بھی اس کی بربادی میں برابر کا شریک تھا۔ اس نے زندگی بھر کسی سے نفرت نہیں کی تھی مگر اب لگتا تھا کہ شارق نواز اور حمید اس کی زندگی کی وہ مثلث ہیں، جنہوں نے نہ صرف اسے بدنام کر دیا تھا بلکہ اس کے اندر سے جینے کی آرزو تک چھین لی تھی۔ دل کے اندر کوئی جذبہ باقی نہیں رہا

تھا۔ لاشعوری طور پر وہ مسلسل اسٹیج پر بیٹھے جوڑے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں کا ارتکاز ہی تھا کہ نواز فاروق نے بے چین ہو کر اپنے اطراف میں نگاہ دوڑائی تھی۔ دائیں طرف تیسری ٹیبل کے گرد بیٹھی نویرہ پر نگاہ جم سی گئی تھی۔

"نویرہ....." اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

وہ جب سے لاہور آیا تھا دل کی بے پناہ خواہش کے باوجود نویرہ سے سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں پا سکا تھا۔ بارہا شارق کے گھر کے گیٹ پر جا کر پلٹ آیا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ اس کے ولیمے کی تقریب وہ اٹینڈ کرنے آئے گی۔ اب سامنا ہوا بھی تو نگاہیں ایک دم جھک گئی تھیں۔ احساس شرمندگی سے نظریں ملانے کا یارانہ تھا۔

نویرہ نے نواز کے نظریں چرا لینے پر بڑے تمسخر سے اسے دیکھا تھا۔ "اوفو..... یہ مرد حضرات....." وہ اندر ہی اندر ہنسی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اب ساری عمر نواز فاروق اس کے سامنے آ جانے پر ایسے ہی نگاہیں چرائے گا۔ اس کی الزام دیتی تمسخرانہ نگاہوں سے چھپے گا۔ اس نے نویرہ احسان کو کھویا تھا۔ اب جو نویرہ تھی وہ اس نویرہ سے بہت مختلف تھی جسے حالات نے اپنی دانست میں شطرنج کے مہرے کی طرح بڑی بُری طرح پٹا دیا تھا۔

حمیرا دو تین بار اس کے پاس بھی آئی تھی کہ وہ بھی رومیسہ کے ساتھ تصویر کھنچوا لے مگر اس نے سہولت سے انکار کر دیا تھا کہ وہ اس حال میں تصویریں بنواتی کہاں جچے گی۔

چند تصویریں بنوا کر نواز فاروق اسٹیج سے اُترا تو بڑی اماں کو دیکھ کر رُک گیا۔ وہ جب سے آیا تھا دل کے ہزار بار چاہنے کے باوجود ان سے ملنے نہیں جا سکا تھا۔ احساسِ ندامت ہی ایسا تھا۔ خود میں کسی سے بھی سامنا کرنے کی ہمت نہیں پاتا تھا۔

"السلام علیکم! بڑی اماں....." وہ نویرہ کے بائیں جانب بیٹھی بڑی اماں کے پاس چلا آیا تھا۔ جھک کر سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام..... کیسے ہو؟" بہت محبت و شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے دریافت کیا تھا۔

"اللہ کا کرم اور آپ کی دعائیں ہیں بس.....' وہ عاجزی سے بولا تھا۔ ایک بار بھی اس نے دائیں جانب بیٹھی نویرہ کو نہیں دیکھا تھا۔ وہی نظریں چراتا شرمندہ سا انداز تھا۔

"جیتے رہو..... بڑی پیاری بیوی ہے تمہاری۔ اللہ نصیب اچھے کرے۔" انہوں نے بڑے خلوص سے دعا دی تھی۔ نویرہ سر گھما کر باہر آتے جاتے لوگوں کو دیکھے گئی۔

"تم کیسی ہو نویرہ؟" نویرہ کو جو گمان تھا کہ وہ کبھی اس سے سامنا ہونے پر بھی اس سے کلام نہیں کرے گا بلکہ نگاہ چرا کر ندامت سے سر جھکائے گزر جائے گا ایک دم پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ سنجیدہ چہرے سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں کیسی لگتی ہوں میں.....؟" آپ' جناب کے تکلفات کی پروا کیے بغیر اس نے بڑی بدلحاظی سے اسے گھورا تھا۔ اس کے لیے یہ بات شاک سے کم نہ تھی کہ نواز فاروق اسے خود سے مخاطب کرنے کی کبھی جسارت بھی کرے گا۔

"بظاہر تو ٹھیک ہی لگ رہی ہو۔ اندرونی کیفیت تو تم خود ہی بتا سکتی ہو۔" بڑے بھرپور اعتماد سے وہ مخاطب تھا۔

نویرہ کا جی چاہا ایک دم اٹھے اور اس وجود کا اعتماد سے پُر چہرہ اپنے ہاتھوں کے پتھروں سے سرخ کردے۔ اس کی زندگی کو رسوائی کی دلدل میں دھکیل کر جانے والا کیسے مطمئن و آسودہ زندگی گزار سکتا تھا جب کہ وہ ہر رات انگاروں کے بستر پر لوٹتے گزار رہی تھی۔

"میری اندرونی و بیرونی کیفیت سے تمہیں مسٹر نواز فاروق کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ براہِ کرم اپنا راستہ ناپیے اور ہاں آئندہ مجھ سے مخاطب ہونے کی غلطی مت کرنا۔ میں اپنی تذلیل و رسوائی بھولی نہیں۔ جو ذلت و ہتک میں نے تمہاری اور شارق زمان کی ملی بھگت سے اُٹھائی تھی۔ آئندہ میرے سامنے بھی مت آنا ایسا نہ ہو کہ میں خود پر قابو نہ رکھ پاؤں اور نفرت سے تم پر تھوک دوں۔ تم میری روح کے قاتل ہو سمجھے تم۔" وہ صرف بولی نہیں بلکہ نفرت کی شدت سے پھنکاری تھی۔

اس کے لہجے میں نفرت کے شعلے دہک اُٹھے تھے۔ وہاں موجود ہر فرد صرف حیران و گم صم ہی نہیں ہوا تھا بلکہ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ نویرہ ایسا ردِعمل بھی ظاہر کر سکتی ہے اور نواز فاروق۔

اس کی وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔

اس نے اس ایک لمحے میں نویرہ کے اندر لمحہ بہ لمحہ چلنے والی ساری نفرت دیکھ لی تھی۔

وہ شارق کے ساتھ مطمئن و خوش نہیں' اس نے اس ایک لمحے میں ادراک حاصل کرلیا تھا اگر وہ خوش ہوتی تو شاید اسے بھی قابلِ معافی سمجھ لیتی یا خطا کار کی خطا جان کر نگاہ پھیر لیتی مگر اس کے لہجے میں صرف اور صرف نفرت کی آگ تھی۔ جو ہر چیز جلا کر بھسم کر دینے والی تھی۔

"نویرہ! آہستہ۔" اماں نے ٹیبل پر دھرے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے خود پر قابو پانے کا کہا تو وہ سختی سے لب بھینچ گئی۔ زبیدہ چچی کے علاوہ رمشاء بھی حیرت زدہ گم صم سی تھی۔

"جاؤ نواز اپنا کام کرو' ابھی زخم ہرے ہیں وقت کے ساتھ ہی مندمل ہوں گے۔ اس تقریب میں شامل ہونا ہمارا فرض تھا کہ تم ہمارے سگے بیٹے کی طرح ہو۔ اپنا خون ہو مگر کوشش کرنا نویرہ سے سامنا نہ کرنا۔ جاؤ اب تم۔"

اماں کے کہنے پر وہ چپ تو ہوگئی تھی مگر نگاہوں کی نفرت اسی طرح برقرار تھی۔ اماں کے کہنے پر نواز فاروق بڑے بڑے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

اسلام آباد آنے کے بعد دن گزرنے کا پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ شروع کے چند دن اسے یہاں سیٹل ہونے اپنے آپ کو بہلانے میں لگ گئے تھے اور پھر اس کے بعد آہستہ آہستہ بھابی اور فرح کی موجودگی میں وہ اپنے خول سے باہر نکل آئی تھی۔ سب کے ساتھ مل جل کر بیٹھنے لگی تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ فرح کے ساتھ اس کے تعلقات بتدریج استوار ہو رہے تھے۔

سمعان نے اسے اسلام آباد کی ایک جانی پہچانی اکیڈمی میں اس کا ایڈمیشن کروا دیا تھا۔ جہاں اس نے بی اے کے لیے تیاری شروع کردی تھی۔

اکیڈمی کی ٹائمنگ تین سے پانچ تک تھی۔ سو وہ آرام سے ایڈجسٹ کرگئی تھی چونکہ وہ اسلام آباد کے لیے نئی تھی تو سمعان نے اس کے لیے گاڑی بمع ڈرائیور کے بندوبست کردیا تھا۔

شام کو وہ گھر آ کر بھابی (اگر وہ دن میں ڈیوٹی پر نہیں ہوتی تھیں تو) کی کچن میں ہیلپ کردیا کرتی تھی۔ فرح بھی ساتھ ہی ہوتی تھی اگر یوں کہا جائے کہ اس کے خول کو توڑنے' واپس اس کے اعتماد کو بحال کرنے میں فرح اور بھابی کا سارا ہاتھ تھا تو بے جا نہ ہوگا۔

اس کو آہستہ آہستہ بدلتے دیکھ کر سمعان احمد بھی مطمئن تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ وہ لوگوں کی پروا کرنے کے بجائے اپنی ذات کو اہمیت دے گی۔

اس دن وہ اکیڈمی گئی تھی مگر ایک گھنٹے بعد ہی واپس آ گئی تھی۔ اندر آئی تو گھر میں اچھی خاصی چہل پہل دکھائی دی۔ ملازمہ لاؤنج سے برتن اُٹھا کر کچن میں جاتی دکھائی دی تھی۔

"کوئی آیا ہے کیا؟" سر سے اسکارف اُتار کر دوپٹہ سجاتے اس سے پوچھا تو وہ سر ہلاتی کچن میں چلی گئی تھی۔

اندر داخل ہوئی تو پہلی نگاہ قالین پر حمزہ کے ساتھ کھیلتے علی پر پڑی تھی۔ فرحت و حیرت کے ساتھ وہ ٹھہری۔

"السلام علیکم..... ارے علی آیا ہے؟" وہ مسکرا کر اندر داخل ہوئی تو دوسرے جھٹکے نے اس کے قدم وہیں جکڑ لیے تھے۔

"طاہرہ بیگم بڑے کروفر کے ساتھ اس کی طرف بڑی چبھتی نگاہوں سے دیکھتی بھابی کے ساتھ صوفے پر براجمان تھیں۔

علی کو دیکھ کر چہرے پر جو مسکراہٹ بکھری تھی وہ ایک دم غائب ہوئی تھی۔ "یہ عورت یہاں اب کیا

لینے آئی ہے؟'' اس نے بھی بڑی تلخی سے انہیں دیکھا تھا۔

لاؤنج میں اس وقت سمعان نہیں تھا' عثمان بھائی بھی لگتا تھا کہ جیسے ابھی فوراً گھر بلائے گئے ہیں۔ یونیفارم میں تھے اور بھابی کے علاوہ فرح بھی زرش کو دیکھ کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگی تھیں کہ نجانے اب کیا ہو۔

طاہرہ بیگم کی اس طرح اچانک آمد سب کے لیے حیران کن ہی نہیں بلکہ پریشان کن بھی تھی کہ طاہرہ بیگم کے اس طرح یوں اچانک بیٹوں کے ہاں آمد میں بھی کسی کا ''کارِخیر'' کی پلاننگ تو ضرور ہوگی۔ وہ کیا سوچ کر آئی تھیں وہ سب بے خبر تھے۔

ایسے موقع پر جب زرش آہستہ آہستہ سنبھل رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ پر چھائی گرد اتر رہی تھی طاہرہ بیگم کی آمد بڑی اچانک اور تشویشناک تھی۔ فرح اور بھابی کے علاوہ عثمان بھائی نے بھی حیرت سے کھڑی زرش کو دیکھا تھا۔

''آؤ زرش بیٹھو.....'' عثمان بھائی کی پکار پر وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔ فوراً پلٹ کر بھاگتی وہاں سے نکل آئی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر دروازہ لاک کر کے وہ بستر پر گر گئی تھی۔

''کیوں آ گئی ہے یہ عورت پھر سے یہاں، کیا اتنا رسوا کرنے کے باوجود دل نہیں بھرا اس عورت کا۔''

ایک دم جی چاہا کہ سب کچھ تہس نہس کر دے۔

ان سب لوگوں نے مل کر اس کے ساتھ فراڈ کیا تھا۔ پہلے طے شدہ پروگرام کے تحت اسے یہاں لائے تھے اور اب یہ طاہرہ بیگم۔ کیسے مطمئن تھے سب جیسے یہ سب ان کے لیے عام سی بات تھی۔

اسے لگا وہ اذیت کے گہرے طوفان میں گھر گئی ہو۔

وہ باقی سارا وقت کمرے سے نہیں نکلی تھی۔

ملازمہ کھانے کے لیے بلانے آئی تھی تو اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔

وہ اس عورت کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی کبھی بھی نہیں۔

سمعان کو آج لیٹ آنا تھا۔ وہ اکیڈیمی میں تھی۔ جب اس نے فون کر کے اطلاع دی تھی۔ وہ جب سے کمرے میں بند تھی۔ سمعان کی تین چار کالز آ گئی تھیں۔ مگر وہ سب سے اس وقت متنفر ہو چکی تھی کہ اس نے سمعان کی کال ریسیو کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

اس وقت رات کے 9 بجے وہ کمپیوٹر کھولے اپنے ذہن کو مصروف رکھنے میں لگی تھی جب دروازہ ناک ہوا تھا۔

اس نے سپاٹ نظروں سے دروازے کو گھورا تھا۔ دو تین منٹ بعد بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔

''زرش میں ہوں..... دروازہ کھولو۔''

اس کے سیل پر آنے والا SMS سمعان احمد کا تھا۔

''آر یو اوکے؟'' یہ دوسرا میسج تھا۔ زرش نے ایک گہرا سانس لیا اب وہ کہاں تک جذباتیت کا مظاہرہ کرتی۔ ماما نے بھی یہی کہا تھا کہ اس کا سب سے بڑا پرابلم بھی یہی ہے کہ وہ ہر بات کو جذباتیت

کے معنوں میں لیتی ہے۔ ماما نے تو یہ بھی کہا تھا کہ اپنی جذباتیت کے ہاتھوں وہ شدید نقصان اُٹھائے گی۔ سمعان احمد ابھی اس کے نام کی مالا جپتا ہے ایسا نہ ہو کہ اپنے ہاتھوں سے ہی اپنی جذباتیت کی بدولت سمعان کو خود سے متنفر کر دے۔

اور اب.....

وہ خاموشی سے اُٹھی تھی۔

وہ سمعان احمد کو کھونے کا کبھی رسک نہیں لے سکتی تھی ایسی صورت حال میں اس کے ساتھ زندگی گزارنا اگر مشکل تر تھا تو اسے چھوڑ دینا اس سے بھی زیادہ ناممکن تھا۔

دروازہ کھول کر آنے والے کو دیکھے بغیر وہ دوبارہ کرسی پر جا بیٹھی تھی۔

سمعان احمد اسے دیکھ کر ایک پل کو پُرسکون ہوا تھا۔

نجانے کیوں اب ہر وقت اس کی جذباتیت سے انہونی کا اک دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ نجانے وہ کب اور کیا کر بیٹھے؟

''کیا بات ہے کمرے میں کیوں بند تھیں؟''

وہ مکمل طور پر مونیٹر کی طرف متوجہ تھی۔ سمعان کے سوال پر صرف اسے اِک نگاہ دیکھا تھا۔

''زرش! میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔ کیوں پریشان کر کے رکھ دیا تھا تم نے سب کو' یوں اکیلے کمرے میں بند دروازہ لاک کر کے حد ہوتی ہے کسی چیز کی۔ اتنی اہم میٹنگ تھی میری۔ بھابی نے فون کیا تو مسلسل کال کر رہا تھا اور تم نے ایک کال بھی ریسیو نہیں کی' سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگا آیا ہوں۔''

سمعان برہم ہو رہا تھا' اس نے پھر بھی توجہ نہ دی تھی۔ وہ کیوں دیتی۔ سمعان کو اتنی پروا تھی کہ وہ کمرہ بند کیے بیٹھی ہے تو یہ پروا ہونی چاہئے تھی کہ اس کی ماں اس گھر میں کیوں آئی ہے جب کہ وہ اُلٹا اسی سے باز پرس کر رہا تھا۔

اسے سمعان احمد کا یہ رویہ بڑی بُری طرح کھلا تھا۔

''زرش! میں تم سے مخاطب ہوں۔'' سمعان نے ایک دم ریوالونگ چیئر گھما کر رُخ اپنی طرف کر لیا تھا۔

''میں اس کمرے، ان دیواروں سے مخاطب نہیں ہوں تم سے بات کر رہا ہوں۔'' سمعان کو اس کا یہ لہجہ ایکٹ بڑی بُری طرح کھلا تھا۔

''مجھے آپ میں سے کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنی۔ آپ سب لوگ جھوٹے، فراڈی اور دھوکے باز ہیں۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑی تھیں۔

''کیا دھوکے بازی کی گئی ہے تمہارے ساتھ ہماری طرف سے؟''

''سب لوگوں نے مجھے یہی یقین دلایا تھا کہ اس گھر میں، میں رہوں گی مجھے کہیں اور لے کر نہیں جایا جائے گا تو پھر اس گھر میں آپ کی ماں کیا کر رہی ہیں۔ کیوں آئی ہیں وہ یہاں؟'

سمعان احمد نے اسے بڑی عجیب نظروں سے دیکھا تھا اور پھر لب بھینچ لیے تھے۔

''بولیں جواب دیں وہ کیوں آئی ہیں یہاں؟''

سمعان کو یوں لب بھینچے دیکھ کر وہ کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''ان کے بیٹے کا گھر ہے۔ مجھے سے پہلے یہ عثمان بھائی کا گھر ہے اور ان کی ملکیت ہے۔ وہ اپنے بیٹے کے گھر آئی ہیں۔ وہ خود آتی ہیں انہیں کسی نے بلوایا نہیں۔ اب وہ آ گئی ہیں تو انہیں گھر سے کیسے نکالا جا سکتا ہے؟'' سمعان احمد نے نہایت تحمل سے جواب دیا تھا۔

اب تو سب بہتر ہو جانے کی امید بندھی تھی مگر طاہرہ بیگم کی یوں اچانک آمد اور زرش کے اس ری ایکشن نے گویا ساری محنت پر ایک دم پانی پھیر دیا تھا۔

''مجھے نہیں پتا ان کی موجودگی میں، میں یہاں نہیں رہوں گی یا تو وہ اس گھر میں رہیں گی یا میں۔ جب تک وہ یہاں ہیں آپ بے شک مجھے کراچی بھجوا دیں۔''

سمعان احمد نے بڑے غصے سے اسے دیکھا تھا۔

''زرش! تم خوامخواہ اس بات کو اب ایشو بنا رہی ہو۔ اب یہ ساری عمر کا تعلق ہے۔ بہت سے موقعوں پر تم لوگوں کو اس طرح اکٹھا ہونا پڑے گا، میں نہ ان کو چھوڑ سکتا ہوں اور نہ ہی تمہیں، بہتر ہے کہ تم ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرو وہ صرف چند دن کے لیے آئی ہوں گی۔''

''وہ چند دن کے لیے آئی ہیں یا ساری عمر کے لیے ان کی موجودگی میں، میں یہاں نہیں رہوں گی اور یہ بات طے ہے آپ مجھے کراچی بھجوا دیں یا پھر میں پاپا کو فون کر کے کہہ دوں گی کہ وہ خود مجھے آ کر لے جائیں۔ میں صرف یہاں آ کر رہنے پر راضی ہوئی تھی ان کے ساتھ رہنے پر نہیں اور یہ بات فائنل ہے۔''

سمعان احمد کے غصے کی ذرہ برابر پروا کیے بغیر وہ دو بدو بولی تھی۔

''زرش پلیز.....'' سمعان نے بڑی سختی سے اسے ٹوکا تھا۔ ''ایک بات یاد رکھنا زرش..... تمہیں ان کی موجودگی میں ہی یہاں رہنا ہوتا جب تک وہ یہاں ہیں کراچی بھیجنے والی بات آئندہ مت کرنا۔ امی جس مقصد کے تحت آئی ہیں وہ کبھی نہیں ہونے دوں گا تم کم عقلی دکھانے پر تلی ہوئی ہو، میں نہیں۔ امی بغیر اپنی بہن صاحبہ کی سپورٹ اور باہمی پلاننگ کے کوئی کام نہیں کرتیں۔ ان کی یہاں آمد کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ وہ کوئی کم عقل آدمی بھی سمجھ سکتا ہے جو کہ ان کو جانتا ہوگا۔ وہ محض یہاں آئی ہی اسی لیے ہیں کہ تمہیں یہاں سے نکالیں۔ تمہیں یہ بات سمجھ کیوں نہیں آ رہی؟'' اب کے زرش نے کچھ اُلجھ کر سمعان کو دیکھا تھا۔

طاہرہ بیگم کی آمد کے پس منظر میں یہ سازش بھی ہو سکتی تھی اس کے گمان میں بھی نہ تھا۔ انتہائی غصے میں بھی وہ یہ بات سوچ نہیں سکتی تھی اور نہ سوچ پائی تھی۔

''ابو کے علم میں یہ بات نہیں ہے صرف علی کو لے کر وہ چلی آئی ہیں۔ علی کو بھی ائیر پورٹ پہنچ کر پتا چلا تھا کہ وہ یہاں آ رہی ہیں اور تب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا اور عثمان بھائی انہیں گھر سے نہیں نکال سکتے اور اگر تم کراچی جانے کی ضد کرتی ہو تو ان کا مقصد ضرور پورا ہوگا اور مجھے افسوس ہوگا کہ دوسری بار بھی تم ان کی سازش کا شکار ہو گئی ہو۔''

اتنائی تاسف سے کہتے سمعان نے اسے دیکھا تو پہلی بار اسے حالات کا درست انداز میں نہ دینے پر ندامت سی ہوئی تھی۔

''وہ کب تک رہیں گی؟'' کچھ توقف کے بعد سمعان سے پوچھا۔

''یہ تو تم ان سے ہی پوچھ لینا.....؟''

''مجھے کوئی ضرورت نہیں ان سے بات کرنے کی۔'' اگلے ہی پل وہ ایک دم تلخ ہوئی تھی۔ سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔

''نہ کرنا..... مگر اس وقت کپڑے تو نکال کر دے سکتی ہو مجھے کپڑے چینج کرنا ہے۔'' جب سے وہ یہاں آئی تھی پہلی بار اپنے ذاتی کام کے لیے کہا تو وہ چونکی۔

''جی.....'' وہ الماری کی طرف بڑھی تو سمعان ایک طرف ہو گیا تھا۔ ارادہ اس کا دھیان بٹانے کا تھا۔

''کوئی شلوار قمیص نکالنا۔'' شرٹ کے بٹن کھولتے سمعان نے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے الماری کھول کر کپڑے دیکھنے لگی تھی۔ سوٹ نکال کر وہ پلٹی تو جھجک گئی سمعان شرٹ اُتار چکا تھا۔ اس کی موجودگی میں سمعان اس کے احساسات کا پورا خیال رکھتا تھا مگر آج.....

''واش روم میں لٹکا دوں میں باتھ لوں گا اور پھر کھانا کھاؤں گا۔ میٹنگ ڈیئر چھوڑ کر آیا ہوں صرف تمہاری وجہ سے۔'' سمعان کے کہنے پر وہ فوراً واش روم کی طرف بڑھی تھی۔ اس کے لیے سمعان احمد کے ساتھ روم اور بستر شیئر کرنا ہی بڑا آزمائش طلب تھا کہ سمعان احمد کا اس حالت میں سامنا کرنا۔

آہستہ آہستہ اسے اپنے احساسات تبدیل ہوتے لگ رہے تھے مگر وہ مسلسل نظر انداز کر رہی تھی مگر اب..... طاہرہ بیگم کی اس آمد نے اسے پھر شش و پنج میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ خاموشی سے کپڑے لٹکا کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

ڈاکٹر فیروزہ نے چیک اپ کر کے ایک ماہ بعد کی ڈیٹ دے دی تھی۔ اماں ان دنوں اس کا بہت خیال رکھ رہی تھیں۔ شاکرہ کے علاوہ ایک جز وقتی ملازمہ کا بندوبست کر لیا تھا۔

نوریہ کا آج کل سارا قیام اماں کے کمرے میں تھا۔ اماں بس چاہتی تھیں کہ نوریہ ساتھ خیریت کے فارغ ہو لیں تو پھر وہ اس مسئلے کا بھی کوئی حل سوچیں گی۔ شارق کے تیور کیا تھے انہیں اندازہ نہیں ہو رہا تھا اور نوریہ تسب کیا طے کیے ہوئے تھے انہیں سوچ سوچ کر ببول اٹھ رہے تھے۔ مگر وہ وقت کا انتظار کر رہی تھیں۔

ڈلیوری سے آٹھ دن پہلے خالدہ بیگم نبیلہ بھابی کے ہمراہ اسے لینے آ گئی تھیں۔

''اماں! میں کہہ چکی ہوں مجھے نہیں جانا تو پھر مجھے بار بار مجبور مت کریں۔ میں مروں یا جیوں اب اسی گھر میں سب ہوگا۔ آپ بار بار فون کر کے یا خود آ کر مجھے مجبور نہ کریں۔''

اس وقت وہ دونوں ماں بیٹی اکیلی کمرے میں تھیں۔ جب انہوں نے اپنی آمد کا مقصد بتایا تھا۔

''اللہ نہ کرے نوریہ کیسے باتیں کرتی ہو۔ اللہ اپنی رحمت کرے ساتھ خیریت کے یہ دن لائے۔ یہ

دستور ہے ہمارے خاندان کا پہلا بچہ میکے میں ہی ہوتا ہے۔"

"میری منگنی، نکاح شادی رخصتی کون سا کام دستور کے تحت ہوا تھا۔ اماں آپ نے کہا شارق سے نکاح کرلو میں مجبور ہوگئی ورنہ میں مرجاتی اس کی بات نہ مانتی۔ اس حد تک ذلیل ہوچکی ہوں کہ برداشت سے باہر ہے۔ اماں مجھے اور مت آزمائیں، آپ نے ایک دفعہ اپنے گھر سے نکال دیا تو پھر نکال دیا اب میں اس گھر میں دوبارہ نہیں جاؤں گی۔"

انتہائی سختی سے محو کلام تھی۔ خالدہ بیگم دکھ سے دیکھے گئیں۔ ان کی نویرہ جو نرم خو اور صلح جو طبیعت کی مالک تھی نجانے کہاں گم ہوگئی تھی۔

"نویرہ! ضد نہیں کرتے۔ خاندان میں بات پھیل جائے گی۔ پہلے ہی لوگ تاک میں رہتے ہیں۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"تم ایک دفعہ چلو۔" انہوں نے اصرار کیا تو اس نے عجیب نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"اماں آپ جانتی ہیں میرا اور شارق کا اب کس قسم کا رشتہ ہے؟" اماں نے حیران ہوکر اسے دیکھا تو وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"جس کمرے میں آپ اس وقت بیٹھی ہوئی ہیں یہاں میں رہتی ہوں اور وہ اپنے کمرے میں۔ وہ مجھے صرف ایک عورت جو اس کے نکاح میں ہے سمجھتا ہے اس سے بڑھ کر اس کے دل و دماغ میں میرے لیے کوئی عزت، کوئی وقعت نہیں۔ اس کے دل میں جو بال آچکا ہے وہ ابھی بھی برقرار ہے۔ انا پرست نہیں ہوں میں مگر اماں میرے کردار پر انگلی اٹھائی تھی اس شخص نے مجھ سے معذرت کرنا یا صفائی پیش کرنا اس کا حق تھا اگر وہ دل سے مجھے اپنے گھر میں بسانا چاہتا تو اس نے ایسا نہیں چاہا اور مجھے اس سے رعیت نہ رہی۔ اماں عورت پگھل جاتی ہے دو جملوں سے۔ میں سب بھول جاتی۔ اس اولاد کے لیے صبر کرلیتی مگر اس نے صرف شوہر ہونا ثابت کیا تھا اور مجھے اپنے کردار اپنے وجود کی اس قدر ارزانی گوارہ نہیں ہے۔ اماں آپ کو اس لیے بتا رہی ہوں کہ آپ کو کسی قسم کی کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ ہم دونوں اب اس مقام پر ہیں کہ ایک فیصلہ ہوجانا چاہئے۔ اماں بچے کی ولادت کے بعد یہ فیصلہ ضرور ہوگا میں اس شخص کو قبول نہیں کروں گی اور وہ مجھے۔ اگر آپ کو میں طلاق یافتہ کی صورت میں قبول ہوں تو اب مجھے اپنے ساتھ لے جائیں ورنہ بات یہیں ختم کردیں۔"

"نویرہ....." اماں ششدر سی اسے دیکھے گئیں۔

"اماں! آپ سمجھدار ہیں۔ ایک زندگی گزار چکی ہیں۔ میں ابھی ناسمجھ ہوں مگر اپنی انا اپنے کردار کی حفاظت میرا فرض ہے۔ مجھے ایسے شخص کے ساتھ ہرگز نہیں رہنا جو مجھ کو بدکردار بھی کہے اور بیوی کے طور پر حقوق و فرائض نبھانے کی ڈیمانڈ بھی کرے اور سب سے بڑھ کر اپنے عمل پر اسے کوئی شرمندگی بھی نہ ہو۔ مجھے ایسے شخص کے ساتھ نہیں رہنا۔ اب آپ بتائیں۔ مجھے آپ کو ہمیشہ کے لیے اپنے گھر لے جانا ہوگا۔ کیا آپ ایسا کریں گی۔"

"نبیل نہیں مانے گا۔ وہ تو ابھی تک مجھ سے ناراض ہے کہ اگر میں کمزور نہ پڑتی تو شارق کی کیا

مجال تھی کہ تم سے یوں شادی کرتا۔"

نویرہ نے لب بھینچ لیے۔ پھر ایک گہرا سانس لیا تھا۔

"ٹھیک ہے اماں! آپ جائیں۔ آپ کو اپنے بیٹے عزیز ہیں اور رہیں گے مگر اماں سوچئے گا ضرور، کیا عورت ہونے کے ناتے میں نے غلط مطالبہ کیا تھا، اگر غلط مطالبہ ہے تو میں سزا بھگتنے کو تیار ہوں مگر پھر ان سب کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ میں بدکردار ہوں۔ پھر میں جب نہیں رہوں گی رضا سے لے کر نواز اور شارق سب کو کٹہرے میں کھڑا کرلوں گی۔" انتہائی سرد انداز میں اس نے کہا تھا۔

"آپ کے گھر میں میرے لیے گنجائش نہیں اور شارق سے علیحدگی ہوکر رہنی ہے۔ آپ مجھے قبول کریں یا نہیں۔ اماں بے شک ایک اکیلی عورت معاشرے میں نہیں جی سکتی مگر میں جی لوں گی۔ جب سب رشتے موجود ہونے کے باوجود مجرموں کی طرح زندگی گزار رہی ہوں تو آئندہ بھی جی لوں گی پھر سمجھ لیجئے گا کہ کوئی تھی نویرہ نام کی بیٹی جو مرکھپ گئی۔ مگر میں اس شخص سے کمپرومائز نہیں کروں گی اپنی عزت و کردار پر کبھی بھی نہیں۔" وہی دوٹوک انداز تھا اور وہ چپ ہوگئی تھیں کہ اب کہنے سننے کو کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

✿.....✿.....✿

طاہرہ بیگم کی آمد سے زرش اچھی خاصی ڈسٹرب ہوگئی تھی۔ سب کا خیال تھا ہوسکتا ہے وہ ایک دو دن کے لیے آئی ہوں مگر جس طرح آکر وہ یہاں ٹھہری تھیں۔ اس سے سب نے اچھی طرح اندازہ لگالیا تھا کہ ان کی یہاں آمد کا مقصد صرف زرش اور سمعان احمد کی لائف ڈسٹرب کرنا ہے۔ شروع کے دو دن تو آرام سے گزر گئے تھے مگر اس کے بعد وہ بات بے بات جس طرح طنز و تمسخر کا مظاہرہ کررہی تھیں کچھ کچھ زرش کو لگتا تھا کہ اس کی برداشت بس ختم ہوجائے گی۔ سب کی خاص تاکید تھی کہ وہ بالکل چپ رہے آخر کتنے دن تک وہ سب چھوڑ چھاڑ یہاں محض زرش کی نفرت میں رہیں گی۔ سب کی مورل سپورٹ تھی نجانے وہ کب کا ٹمپرامنٹ لوز کرچکی ہوتی۔ بھابی بھائی اور سمعان احمد مسلسل اسے سمجھا رہے تھے مگر اس کی بھی ایک ہی رٹ تھی کہ جتنے دن وہ یہاں ہیں، اسے کراچی بھجوادیں۔

اس دن وہ فجر کی نماز کے بعد سوگئی تھی وہ خاصی دیر سوئی تھی۔ سمعان نے اسے ایک دفعہ اٹھایا تو وہ نظرانداز کرکے پڑی رہی تھی وہ باہر جاکر کرتی بھی کیا۔ طاہرہ بیگم کی ساری توجہ ان دونوں پر ہی ہوتی تھی، ایسے عالم میں سمعان احمد کی توجہ بڑھ جاتی تھی مگر زرش کو اس ماحول سے اُلجھن ہونے لگی تھی۔ ماں کے سامنے سمعان احمد کی لگاوٹ و توجہ سے زرش کے اندر کا اُبال اور بڑھنے لگتا تھا۔

وہ جس وقت سوکر اٹھی تھی سب جاچکے تھے گھر میں حمزہ، فرخ اور طاہرہ بیگم کے علاوہ وہ خود تھی۔

رات اسے فلو کی شکایت ہورہی تھی اور شاید اسی کی وجہ سے جسم گرم ہورہا تھا۔ عجیب کسلمندی طاری تھی اس پر۔ ناشتے کے لیے وہ کمرے سے باہر نکلی تو کچن میں چلی آئی مگر وہاں طاہرہ بیگم کو چائے بناتے دیکھ کر وہ ٹھٹکی تھی وہ بھی چونکی تھیں سوائے کھانے کی ٹیبل کے وہ ان کے سامنے آنے سے اجتناب کرتی تھی۔

زرش کا ایک پل کو جی کیا کہ وہ کھائے بغیر پلٹ جائے مگر عقل نے سرزنش کی تھی۔ وہ ان کو مکمل نظر انداز کر کے فریج کی طرف بڑھی تھی۔ وہاں سے سلائس نکال کر اس نے گرم کیے تھے۔ طاہرہ بیگم چائے بنا کر باقی بچی ہوئی چائے اس طرح اُوون پر چھوڑ کر اپنا کپ لے کر باہر جانے کے بجائے ادھر ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھیں۔

زرش ان کی نظریں مسلسل محسوس کر رہی تھی۔ اسے بڑی اُلجھن ہو رہی تھی۔

''تمہاری اونچی ناک والی ماں نے کیسے گوارا کرلیا تھا تمہیں یہاں بھیجنا۔'' یہ براہِ راست پہلا جملہ تھا زرش اپنی جگہ ساکن سی ہوگئی تھی ورنہ اب تک تو بالواسطہ ہی سننے کو مل رہا تھا۔ اس کے لیے پلٹ کر مڑ کر دیکھنا عذاب لگ رہا تھا۔ سلیپ کے سروں پر سختی سے ہاتھ جماتے اس نے اپنے اندر اُٹھتے غیظ و غضب کے طوفان پر بمشکل قابو پایا تھا۔

''بڑی ''میں'' تھی تمہاری ماں کی ساری عمر مجھے جلائے جھلسائے گزار دی اس نے اس عمر میں بھی معاف نہ کیا۔ میرے بچے تک مجھ سے متنفر کر دیئے ہیں۔'' وہ جلی بھنی بیٹھی تھیں۔ زرش ایک دم پلٹی تھی۔

''کسی پر بہتان طرازی کرتے تو آپ کو تو ویسے بھی خدا کا خوف نہیں آتا۔ میری ماما کا مزاج آپ جیسا گھٹیا نہیں ہے۔ آپ کا اپنا بویا ملے جواب کاٹ رہی ہیں۔ پھر میری ماما کو الزام کیوں؟''

اسی وقت فرح کچن کے دروازے پر چلی آئی تھی۔ دونوں کو آمنے سامنے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

''کیا ہوا ہے؟'' اس نے باری باری دونوں کو دیکھتے اندر کی صورت حال کا اندازہ لگانا چاہا تھا۔

''جیسی ماں ویسی بیٹی..... میرا سمعان چھین لیا ہے تم نے مجھ سے۔'' زرش کے یوں صاف اور دو ٹوک جواب نے انہیں ایک دم غصے سے اُجاگر کیا تھا۔

''خبردار..... میری ماما کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو..... اور آپ کے بیٹے کوئی دودھ پیتے بچے نہیں ہیں کہ جس کو کوئی بھی چھین لے جیسا سلوک آپ ان سے کر چکی ہیں یہ بھی بڑی غنیمت ہے کہ وہ آپ کو اس گھر میں برداشت کر رہے ہیں۔''

ماما پر لگنے والے الزام نے اسے آگ بگولہ کر دیا تھا غصے سے پھنکاری تو فرح کو اندازہ ہوا کہ صورت حال کتنی سنگین ہے۔

''امی کیا کر رہی ہیں۔ چلو زرش تم باہر جاؤ میں ناشتہ لا دیتی ہوں۔'' اس نے ایک دم بگڑتی صورت حال کو کنٹرول کرنا چاہا تھا مگر.....

''تم جاؤ یہاں سے.....'' طاہرہ بیگم نے غصے سے اسے کہا تھا مگر وہ جانے کے بجائے زرش کے پاس آ کھڑی ہوئی جو سلیب پر ہاتھ جمائے بڑے غصے سے طاہرہ بیگم کو گھور رہی تھی۔

''زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف زبان ہی چلانا سکھایا ہے ماں نے تمہیں۔ نہیں رہنے دوں گی میں تمہیں اس گھر میں بھی۔ میں تمہیں یہاں سے نکلوا کر ہی جاؤں گی۔'' انہوں نے اپنے کردار کا اظہار کیا تھا اور فرح ششدر سی رہ گئی تھی۔

''امی پلیز..... خدا کے لیے، کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ پہلے ہی بہت تماشا بن چکا ہے ہمارا اب اور کیا

کروانا باقی ہے۔''

''تو نہ بول درمیان میں..... تو آئی بڑی اس کی چہیتی۔'' انہوں نے لمحوں میں اسے بھی بے وقعت کیا تھا۔

''جو کرنا ہے کریں۔ میں بھی دیکھتی ہوں اب آپ کیا کر سکتی ہیں۔ گھٹیا پن تو ویسے بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ آپ کا زرخیز ذہن کسی بھی وقت کوئی بھی گھٹیا چال چل سکتا ہے۔ آپ جیسی عورت سے کچھ بھی بعید نہیں۔ کم عقلی تھی میری کہ میں آپ کی اصلیت کو بہت بعد میں سمجھ پائی ہوں۔''

زرش کے جواب پر فرح نے خوف زدہ ہو کر اسے دیکھا۔

''زرش پلیز! تم ہی برداشت کرلو۔ چلو باہر میں ناشتہ بنا دیتی ہوں، چائے بھی بنا دیتی ہوں۔''

''کیا..... کیا اصلیت تھی میری۔'' وہ ایک دم کرسی سے اٹھ کر اس کے سامنے آئی تھیں۔ فرح کو لگا وہ ایک پل میں زرش پر جھپٹ پڑیں گی، اس نے اس کا بازو پکڑ کر اسے ایک دم اپنے عقب میں کرلیا تھا۔

''ساری دنیا جانتی ہے۔ مجھ سے کیا سننا چاہتی ہیں اپنی اولاد سے پوچھ لیں۔'' زرش نے تمسخرانہ نظروں سے فرح کے عقب سے جوابی کارروائی کی تھی انداز ایسا تضحیک آمیز تھا کہ طاہرہ بیگم کو لگا کہ زرش نے ان کو اپنی اولاد کا کہہ کر ان کے منہ پر طمانچہ مار دیا ہے۔ انہوں نے غصے سے کپ سلیب پر پٹخا تھا مگر ہاتھ کے جھٹکے سے اوون پر پڑا ساس پین الٹ گیا تھا اس میں موجود چائے جھٹکے سے فرح اور زرش کے پاؤں پر آ گری تھی۔ چائے بنا کر انہوں نے چولہا بند کیا تھا ارادہ فرح کو چائے دینے کا تھا مگر زرش کو کچن میں دیکھ کر وہ ادھر ہی بیٹھ گئی تھی۔ گرم ابلتی چائے اس کے پاؤں پر پڑی تھی اور ساتھ میں کھڑی فرح کے پاؤں پر بھی نشان چھوڑ گئی تھی۔

''اُف..... اللہ.....'' دونوں کی چیخیں بے ساختہ تھیں۔ طاہرہ بیگم ایک لمحے کو گھبرائی تھیں مگر زرش کو اپنے پاؤں پکڑتے دیکھ کر وہ پُرسکون ہوگئی تھیں، تاہم فرح کی طرف ضرور توجہ دی تھی۔

''زیادہ تو نہیں جل گیا۔'' زرش کے آگے وہ کھڑی تھی اس لیے زیادہ چائے اس کے پاؤں پر ہی گری تھی۔ فرح نے بڑے ضبط سے انہیں دیکھا تھا اور زرش وہ ایک دم وہاں سے نکلی تھی۔

چائے اس کے پاؤں پر کم ہی پڑی تھی مگر جلن ایسی تھی کہ آنسو ایک دم بہتے چلے گئے تھے۔ نجانے یہ جلن طاہرہ بیگم کی حرکت کی وجہ سے تھی یا ان کی باتوں کی۔

''زرش یہ پاؤں پر لگا لو۔'' وہ اپنے کمرے میں قالین پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی کہ فرح ہاتھ میں انٹی بائیوٹک کریم لیے چلی آئی تھی۔

''امی کی باتوں کا بُرا مت ماننا وہ ایک دو دن میں چلی جائیں گی۔'' اس نے اس کے پاؤں پر مرہم لگانے کو ہاتھ بڑھایا تو اس نے پاؤں سمیٹ لیے۔

''تم جاؤ یہاں سے۔'' اس کی زبان میں شدید تلخی تھی۔

''زخم دے کر نمک پاشی کرنا تم لوگوں کی عادت ہوگئی ہے۔ نہیں رہنا مجھے یہاں بھی۔ جتنا میں کمپرومائز کرنے کی کوشش کرتی ہوں اتنا ہی تم لوگ مجھے آزماتے ہو۔'' اس کے ہاتھ جھٹک کر وہ الماری کی

طرف بڑھی تھی۔ چادر نکال کر اس نے اوڑھی تھی۔ ڈریسنگ کی دراز سے شولڈر بیگ نکال کر بستر پر پڑا موبائل اٹھا کر اس کے اندر ڈالا تھا۔

"انہیں کہنا خوش ہو جائیں، جا رہی ہوں میں۔" سینڈل اڑس کر وہ باہر کی طرف لپکی تو فرح حیرت سے نکلی تھی۔ بھاگ کر اس کے پیچھے ہوئی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو تم.....؟"

"جہنم میں....." وہ راہداری میں ہی کھڑی تھیں ایک زہر بھری نگاہ ان پر ڈالتے وہ باہر نکلی تھی۔ فرح حواس باختہ سی اس کے پیچھے تھی۔

"زرش رکو تو..... بتاؤ تو سہی کہاں جا رہی ہو۔ سمعان بھائی یا بھابی سے ہی بات کر لو۔ رکو تو۔" وہ آوازیں ہی دیتی رہ گئی تھی مگر وہ گیٹ پار کر گئی تھی۔

خالدہ بیگم کے بارہا اصرار کرنے کے باوجود نویرہ نہ مانی تو وہ دو دن پہلے ہی ادھر آ گئی تھیں واجدہ آپا اپنی ٹانگ کی وجہ سے زیادہ بھاگ دوڑ تو کر نہیں سکتی تھیں، ایسے میں انہوں نے خود ہی آ جانا مناسب سمجھا تھا۔

ڈاکٹر فیروزہ سے اپائنٹمنٹ تو پہلے ہی طے تھی جیسے ہی نویرہ کی طبیعت بگڑی انہوں نے اسے ڈاکٹر فیروزہ کے کلینک منتقل کیا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ واجدہ بیگم تو گھر پر ہی رُک گئی تھیں۔ خالدہ بیگم کے ساتھ شاکرہ اور شارق زمان تھے۔

اِدھر سے اُدھر ٹہلتے شارق زمان کے دل و دماغ میں عجیب سوچیں اور خیال آ جا رہے تھے کہ ڈاکٹر فیروزہ کی آمد نے اس کی سوچوں پر بند باندھ دیا تھا۔

"مبارک ہو بیٹا ہوا ہے۔" ڈاکٹر فیروزہ مسکراتے ہوئے خالدہ بیگم کو خوش خبری سنا رہی تھیں۔ شارق زمان کے اندر جیسے خوشی کا طوفان اٹھا تھا۔

باپ بننے کی خوشی وہ بھی بیٹے کی صورت..... شارق زمان کے اندر اک نئے احساس نے کروٹ لی تھی۔

"نویرہ کیسی ہے؟" اس نے آگے بڑھ کر ڈاکٹر سے پوچھا تھا۔ وہ اسے درد سے بے حال جس حالت میں اسپتال لایا تھا۔ ذہن پر ابھی تک نویرہ کا وہی تکلیف سے زرد پڑتا چہرہ چھایا ہوا تھا۔

یہ استفسار فطری تھا۔

مگر خالدہ بیگم نے بڑی عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔

شارق زمان ان کے ساتھ جو کچھ کر چکا تھا ان کا دل نہیں کرتا تھا اس سے مخاطب ہونے یا بلانے کو مگر نویرہ کی وجہ سے کیا کچھ نہیں برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔

"وہ ٹھیک ہے، کچھ دیر بعد آپ مل لیجیے گا۔"

"اور بے بی.....؟"

"وہ بھی بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ آپا کو میں کہتی ہوں وہ لے آتی ہے، دیکھ لیں اسے۔ ویسے شارق صاحب بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔"

"تھینک یو....." خالدہ بیگم خاموش رہی تھیں۔

بیٹے کی خوشی انہیں بھی ہوئی تھی مگر بیٹی کی زندگی کو جو روگ لگ گیا تھا ایسے میں ان کا قطعی دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ شارق زمان کو مبارک باد دیں۔

وہ خاموشی سے کمرے کی طرف بڑھ آئی تھیں۔

"نویرہ....."

ان کی پکار پر نویرہ نے پلکیں وا کر کے انہیں دیکھا۔

"بیٹا ہوا ہے مبارک ہو۔"

وہ مسکرا دی تھی اس کے چہرے پر ممتا کا عجیب سا نور تھا۔ تمکنت بھرا احساس تھا۔

"ہاں میں نے دیکھا ہے بہت پیارا ہے۔"

اس نے آیا کو دیکھا جو بچے کو اٹھائے کھڑی تھی۔ خالدہ بیگم نے آگے بڑھ کر بچے کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ ننھے سے کسمساتے وجود کو بغور دیکھا۔ بالکل شارق زمان کی کاپی تھا وہی ناک وہی نقشہ۔

"یہ تو بالکل شارق زمان پر گیا ہے۔"

نویرہ خاموش ہی رہی تھی۔

"اس کے باپ کو اندر بلا لو۔" بچہ رونے لگا تو اسے بازوؤں میں جھلاتے خالدہ بیگم نے آیا کو کہا تھا۔

شارق زمان اندر آیا تو نویرہ نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ انہوں نے بغیر کلام کیے بچہ شارق کو تھما دیا تھا۔

روتے بچے کو بازوؤں میں سمیٹتے شارق زمان نے ایک سرخوشی کے احساس سے اسے چھوا تھا۔

"یہ تو بہت پیارا ہے۔" بچے کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا اور پھر نویرہ کی جانب دیکھا۔ وہ جو چند گھنٹے پہلے انتہائی اذیت میں تھی اس وقت پلکیں موندے پڑی ہوئی تھی۔ بڑے عرصے بعد اس کے اندر نویرہ کے لیے پرانے احساسات پیدا ہوئے تھے۔ وہی احساسات جنہوں نے اسے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہی جذبے جن کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے نویرہ کو حاصل کیا تھا اور پھر.....

اس نے مسلسل گلا پھاڑ کر چلاتے بچے کو واپس خالدہ بیگم کے بازوؤں میں دے دیا تھا۔

"میں اماں کو اطلاع کر دوں وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔" وہ جیب سے موبائل نکال کر روم سے باہر نکل گیا تھا۔

چونکہ کیس نارمل تھا۔ چند گھنٹے کلینک میں گزارنے کے بعد نویرہ کو چیک اپ کے بعد گھر لے جانے کا کہہ دیا تھا۔

اماں نے بچے کو سنبھالا ہوا تھا شاکرہ ساز و سامان سمیٹے ہوئے تھے جو وہ لوگ بچے کے لیے گھر سے

لے کر آئے تھے۔ نویرہ بستر سے اُترنے لگی تو شارق زمان نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

نویرہ اس کی جرأت پر حیران رہ گئی تھی۔

''گاڑی تک تم پیدل تو نہیں چل سکو گی اس حالت میں۔ یقیناً میرے سہارے کی ضرورت ہوگی۔''

''مجھے تمہارے سہارے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اماں اور شاکرہ دونوں ہی کمرے سے نکل گئی تھیں۔ اس وقت ان دونوں کے علاوہ آیا (میڈ) تھی۔ آیا کی وجہ سے اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

''بیٹا دیا ہے تم نے مجھے، اتنے تو تمہارے ناز اٹھا ہی سکتا ہوں۔'' اس کے کندھوں کے گرد بازو کا حصار بناتے ہوئے اس نے مسکرا کر کہا تھا اور نویرہ ایک دو پل حیران رہ گئی تھی۔ بڑے عرصے بعد اسے شارق زمان میں پرانا انداز دکھائی دیا تھا۔

کیا یہ سب بیٹے کی آمد کی وجہ سے ہے؟

''میں خود چل سکتی ہوں۔'' اس نے اس کے بازو کا حصار توڑنا چاہا تھا مگر شارق زمان کے مضبوط بازو کو جھٹک نہ سکی تھی۔

''مگر میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔'' آیا کی وجہ سے نویرہ لب بھینچ گئی تھی۔

شارق زمان کی قربت میں گاڑی تک آتے وہ پسینے میں نہا گئی تھی۔ جسمانی کمزوری نے اسے اس کا سہارا لینے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ۔ سارا راستہ وہ لب بھینچے پچھلی سیٹ پر لیٹی رہی تھی۔

گھر سے نکلتے وقت اس کے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔ پہلے جی میں آیا کہ وہ سیدھی ائرپورٹ جائے اور کراچی کی فلائٹ لے مگر دماغ نے یہ بات نہ مانی تو وہ ٹیکسی میں سوار ہوگئی۔ بڑی دیر تک ٹیکسی ڈرائیور گاڑی اِدھر اُدھر گھماتا رہا۔ مگر وہ کہیں بھی نہیں ٹک رہی تھی آخر زچ ہو کر اس نے پوچھ ہی لیا۔

''بی بی جی آپ کو آخر جانا کہاں ہے؟''

''چھتر پارک۔'' تھک ہار کر اس نے کہہ ہی دیا۔ پاؤں میں اب بھی جلن ہو رہی تھی۔

فلو کی شکایت بڑھ جانے سے اور خالی معدے کی وجہ سے سر بھاری ہو رہا تھا۔ جسم کی حرارت میں بھی لگتا تھا کہ اضافہ ہی ہوا تھا۔

''چھتر پارک پہنچ کر ڈرائیور کو کرایہ دیتے اسے انداز ہوا کہ کم از کم گھر سے نکلنے سے پہلے ایک بار پرس ضرور چیک کر لینا چاہئے تھا۔ بیگ میں صرف چند سو روپے تھے جو اس نے ڈرائیور کو تھما دیئے تھے، اب گھر واپسی کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

کرائے سے جو چند روپے بچے تھے وہ ٹکٹ لے کر پارک کے اندر آ گئی تھی۔ یہ جگہ اسے بہت پسند تھی جب بھی اسلام آباد آنا ہوتا تھا وہ ضد کر کے یہاں آتی تھی۔ جھیل سائیڈ والا حصہ اب اپنی خوب صورتی میں پہلے جیسا نہیں رہا تھا مگر پھر بھی یہاں آ کر اک عجیب سا سکون تھا۔

وہ خاموشی سے چلتی پانی میں پڑے ایک بڑے سے پتھر پر آ بیٹھی تھی۔ گھر سے نکلنے کے بعد فرح کی

کئی کالز آئی تھیں مگر اس نے موبائل آف کر دیا تھا اور اب موبائل آن کیا تو پہلی کال ہی بھابی کی تھی۔ اس نے لب بھینچے ریجیکٹ کر دی تھی اور پھر تو کالز کا سلسلہ بندھ گیا تھا۔ عثمان بھائی اور سمعان احمد کی کالز مسلسل آ رہی تھیں اس نے غصے سے پھر موبائل آف کر دیا تھا۔

اسے اس وقت کسی سے بھی بات نہیں کرنی تھی۔

بھوک سے بُرا حال ہو رہا تھا مگر خالی بیگ منہ چڑا رہا تھا۔

وہ بہت دیر تک وہاں بیٹھی رہی حتیٰ کہ دوپہر کی چمکتی دھوپ اپنے آپ کو سمیٹنے لگی تو اس کے دل میں عجیب عجیب سے خیالات آنے لگے، آتے جاتے بہت سے لوگ اسے کتنی دیر سے ایک ہی پتھر پر بیٹھے دیکھ کر اب عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے تھے مگر اس نے توجہ نہ دی تھی۔ اس کے دل و دماغ پر غم و غصے کا خمار چھایا ہوا تھا۔

وہ جب گھر سے نکلی تھی تو گیارہ کا ٹائم تھا اس پارک میں دو بجے داخل ہوئی تھی اب گھڑی دیکھی تو وہ پانچ بجا رہی تھی۔ شام قریب تھی مگر وہ بیٹھی رہی تھی۔ دل پھر خوب رونے کو چاہ رہا تھا۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے موبائل آن کیا تو پھر کالز کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ جنہیں ریجیکٹ کرتے اس نے کراچی گھر کا نمبر ڈائل کیے تھے۔

ماما سے بات کرتے حال احوال پوچھتے اس کی آنکھیں بس بہنے کو بے تاب تھیں جی چاہا کہ انہیں بتائے کہ طاہرہ بیگم یہاں ہیں اور اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کر رہی ہیں مگر وہ پھر مصلحت کا دامن تھام کر چپ ہو گئی تھی۔

''کیا کر رہی تھیں؟''

''کچھ نہیں..... یہاں چھتر پارک میں آئی ہوئی ہوں۔''

''اچھا..... آؤٹنگ ہو رہی ہے۔ سمعان کے ساتھ ہو یا ساری فیملی آئی ہوئی ہے؟''

''آپ نے بتایا نہیں پھپھو لوگوں کا کیا حال ہے؟'' اس نے بات ہی ٹال دی تھی۔ کیا فائدہ تھا بتانے کا بھی۔ اُلٹا انہوں نے اسے ہی سمجھانے بیٹھ جانا تھا۔

''سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ ہاں یاد آیا سعد پاکستان آ گیا ہے۔ کل شام آیا تھا مگر جمال بھائی نے اسے گھر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ ہادیہ بتا رہی تھی کہ کل سے دوست کے ہاں ہے۔ کہہ رہی تھی میں اور تمہارے پاپا چکر لگائیں جمال بھائی کو سمجھائیں۔ جو ہونا تھا جو ہو چکا ویسے بھی تم اب اپنی لائف میں سمعان کے ساتھ سیٹ ہو چکی ہو۔ سعد نے بھی تم لوگوں کے لیے ہی تو یہ قدم اٹھایا تھا۔ بھائی کو سمجھاؤں کہ معاف کر دیں ناحق سزا جھیل رہا ہے وہ بھی۔''

''جی..... ی.....'' زرش کے لیے یہ دوسرا دھچکا تھا۔ سمعان احمد کے ساتھ رہنے کے باوجود اسے سعد کا زیادتی بھولی نہیں تھی۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ اسے اب کبھی معاف نہیں کرے گی۔ دو تین دنوں کے بعد اس نے کال بند کر دی تھی۔

کالز کا دوبارہ سلسلہ شروع ہوا تو اس نے پھر سیل آف کر دیا تھا۔ اس نے اپنی جلتی آنکھیں اپنے

گھٹنوں پر رکھ لی تھیں۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہ رہا تھا۔ پاؤں میں جلن ہو رہی تھی۔ دوئم حرارت بڑھ چکی تھی۔ فلو کی وجہ سے اب اسے چھینکیں آنا شروع ہو گئی تھی۔

فرح نے زرش کے گھر سے نکلنے کے ایک گھنٹے تک انتظار کیا تھا مگر پھر پریشان ہو کر اس نے بھابی کو کال کر دی تھی وہ ڈیوٹی پر تھیں ساری صورت حال سن کر وہ بھی گھبرا گئی تھیں۔

فرح کو تسلی دے کر وہ کچھ دیر میں ہی گھر پہنچ گئی تھیں۔ پہلے تو وہ خود سے ہی زرش سے رابطہ کرنے کی کوشش میں رہی تھی مگر زرش کی کالز ریجیکٹ کر دینے پر انہوں نے عثمان احمد کو کال کر کے صورت حال بتا دی تھی۔ اب چھپانے کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا۔ نجانے وہ کہاں گئی تھی۔ عثمان بھائی نے سمعان احمد سے رابطہ کیا تھا۔ دونوں فوراً گھر آئے تھے علی جو گھومنے پھرنے نکلا ہوا تھا وہ بھی آ چکا تھا۔

زرش کہاں جا سکتی ہے سبھی فکر مند ہو گئے تھے۔

یہ صورت حال طاہرہ بیگم کے لیے بھی تشویشناک تھی۔ سب کو جمع ہوتے دیکھ کر وہ کمرے میں چلی گئی تھیں تاہم کسی نے انہیں کچھ نہیں کہا تھا مگر سب کے دل و دماغ میں اک جنگ سی چھڑ گئی تھی۔ خاص طور پر سمعان احمد کا ضبط سے بُرا حال تھا سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ زرش کی بے وقوفی پر ماتم کرے یا اپنی ماں کی اس حرکت کو موردِ الزام ٹھہرائے۔

دوپہر سے سہ پہر اور پھر جب سہ پہر بھی ڈھلنے لگی تو وہ سب لوگ اپنی سی کوشش کرتے کئی جگہ دیکھ کر آ چکے تھے جہاں وہ جاتی تھی۔ اکیڈمی میں وہ آج گئی تھی وہاں سے بھی علی پتا کر آیا تھا۔

اچانک سمعان کے ذہن میں خیال آیا۔

"کہیں وہ کراچی تو نہیں چلی گئی۔"

میں انکوائری آپریٹر سے پتا کروا چکا ہوں کراچی جانے والی فلائٹیں صبح دس کے بعد ابھی تک کوئی نہیں گئی۔ دوسری فلائٹ شام کی ہے، ہو سکتا ہے وہ ائیر پورٹ پر ہو۔"

"پتا کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔"

وہ دونوں اکٹھے ہی ائیر پورٹ پہنچے تھے مگر ہر طرف دیکھ لینے کے باوجود انہیں کہیں نہیں ملی تھی۔

تھک ہار کر وہ وہاں سے نکل آئے تھے۔

"کہاں جا سکتی ہے وہ آخر؟" سمعان احمد کو اس کی جذباتیت کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ دل میں عجیب سے وہم بھی آ رہے تھے مگر.....

"ہو سکتا ہے وہ یہیں کہیں ہو۔ فلائٹ کے علاوہ وہ اتنی جلدی کراچی جا بھی نہیں سکتی۔ ریل گاڑی میں بھی نہیں۔" عثمان بھائی نے کہا۔

"پھر بھی میں فون کر کے پتا کرتا ہوں ہو سکتا ہے کوئی کلیول ہی جائے۔"

سمعان نے کراچی چچا کے گھر کے کال ملائی تھی۔ چچی جان سے سلام دعا کے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں ہی ہوتی رہیں سمعان براہِ راست ان سے پوچھ بھی نہیں سکتا ہے۔

"ہاں بھی زرش کی بھی کال آئی تھی۔ شکر ہے وہ اپنے خول سے نکلی تو سہی۔ پچھلے دنوں زوبار یہ فون کر کے اس کی کیفیت کا بتاتی تھی۔ تین چار دن سے کسی کا فون نہیں آیا میں خود بھی سوچ رہی تھی کہ آج بات کروں گی اور تم دونوں نے کال کر لی۔ خوش رہو۔"

"کیا بات ہوئی آپ کی زرش سے۔"

"تمہارے سامنے ہی تو وہ بات کر رہی تھی۔ کیا تمہیں علم نہیں؟"

"جی..... علم ہے۔" سمعان نے فوراً بات بنائی تھی۔

"مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ وہ نارمل ہو رہی ہے۔ بتا رہی تھی کہ آؤٹنگ کو تم لوگ "چھتر پارک" آئے ہوئے ہو۔ ویسے بھی یہ جگہ ہے اسے بڑی پسند۔"

"تو کیا وہ ابھی تک چھتر پارک میں ہے۔" سمعان کے ذہن کو جھٹکا لگا۔

اس نے فوراً چچی سے خدا حافظ کہا تھا۔

"جلدی کریں وہ "چھتر پارک" میں ہے۔ چچی جان سے اس کی بات ہوئی ہے۔" عثمان بھائی نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ شام کے سائے گہرے ہونے کو تھے بڑی اسپیڈ سے وہ لوگ وہاں پہنچے تھے۔ پارک کے اندر وہ کہیں دکھائی نہ دی تھی۔

"وہ جھیل کی سائیڈ پر نہ ہو کہیں۔"

"ہوں....."

عثمان بھائی کے کہنے پر وہ دونوں اِدھر ہی چلے آئے تھے۔

سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر سمعان احمد نے دائیں سے بائیں نگاہ دوڑائی تھی اور پھر ایک منظر پر صرف سمعان کی ہی نہیں عثمان احمد کی بھی نظریں ساکت ہوئی تھیں۔

ننگے پاؤں اندھا دھند بھاگتی زرش نظر آ گئی تھی۔

"سمعان بھاگو....."

عثمان بھائی نے فوراً صورت حال بھانپی تھی۔ وہ دونوں بھاگتے ہوئے آگے بڑھے تھے۔ اندھا دھند بھاگتی زرش سمعان کے سامنے آ جانے سے اس سے ٹکرا کر ایک دم چیخی تھی۔

سمعان احمد کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ بے یقین ہوئی تھی، ایک پل کو اور پھر خوف سے اس نے سمعان احمد کے سینے میں منہ چھپا لیا تھا۔

"سمعان..... سمعان....."

زرش کا بیگ وہیں گر گیا تھا عثمان بھائی نے آگے بڑھ کر اٹھا لیا۔ سمعان احمد نے اسے خود سے علیحدہ کرتے بڑی کھولتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"یہ سب کیا ہے.....؟" انتہائی برہم انداز تھا۔ پہلے سے ہی خوفزدہ زرش مزید سہم گئی تھی۔

"میں تو اِدھر بیٹھی تھی۔"

"شٹ اپ....." سمعان پچھلے چند گھنٹوں میں جس اذیت و پریشانی سے گزر چکا تھا اس نے ذہن

ایسا ماؤف کر دیا تھا کہ پتا ہی نہ چلا کہ کب اس کا ہاتھ زرش پر اٹھ گیا تھا۔

"سمعان....." پہلے سے ہی خوف زدہ زرش اس پتھر پر ایک دم نڈھال ہوئی تھی۔ عثمان بھائی نے ٹوکا تو سمعان احمد نے خود پر سختی سے قابو کیا۔

"اس کی حالت دیکھو وہ پہلے ہی خوف زدہ ہے۔ اوپر سے تمہارا یہ رویہ۔ شرم کرو۔" عثمان بھائی کو سمعان کا یوں ہاتھ اٹھانا بہت بُرا لگا تھا۔ زرش پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کو سہارا دیا تو وہ ان کے کندھے سے لگ کر سسک اٹھی۔

"تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔ اومائی گاڈ..... سمعان اس کی حالت بہت خراب ہے....." سمعان نے کچھ نہیں کہا تھا لب بھینچ کر اسے برہم نگاہوں سے دیکھتے بڑے بڑے ڈگ بڑھتے وہاں سے نکل گیا تھا۔

عثمان بھائی کے سہارے وہ گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

اس کے ساتھ آج جو کچھ بھی ہوا تھا اس کے بعد خود سے جو بھی حماقت کی تھی اور جو ہونے جا رہا تھا ان سب واقعات نے مل کر اسے اس طرح جھنجوڑا تھا کہ گھر جانے تک اس کے حواس ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

بیٹے کی ولادت نے نویرہ کو ایک دم سے بڑا اعتماد بخشا تھا۔ ایک ایسا بھرپور اعتماد کہ جیسے اسے اب کسی کی بھی پروا نہ رہی ہو۔

اس نے بیٹے کا نام معصب رکھا تھا۔ شارق زمان کو پہلی بار احساس ہوا کہ اپنی اولاد کے معاملے میں وہ نویرہ کے سامنے یکسر غیر اہم ہو کر رہ گیا ہے۔ اس نے بیٹے کا نام اسامہ رکھنا چاہا تھا مگر نویرہ کو معصب کے نام پر ڈٹے دیکھ کر اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ان چند دنوں میں بہت غور و خوض کے بعد اک احساس شدت سے ہوا کہ نویرہ بہت بدل گئی ہے۔ کیسے وہ "وجہ" ڈھونڈنے میں لگا ہوا تھا مگر اپنا مؤقف غلط نہیں لگ رہا تھا۔

خالدہ بیگم ابھی تک اِدھر ہی تھیں۔ رفعت باجی بھتیجے کی خوش خبری سن کر چند دنوں میں ہی پاکستان آ گئی تھیں۔ اکیلی آئی تھیں۔ شوہر اور بچے وہیں تھے، صرف چند کے لیے ہی آئی تھیں۔

ان کی آمد کے بعد شارق زمان نے عقیقے کی تقریب رکھ لی تھی۔ نویرہ سے لاکھ اختلاف سہی بیٹا تو اس کا اپنا تھا اور اپنے بیٹے کی آمد کی وہ بھرپور خوشی منانا چاہتا تھا۔

عقیقے کی تقریب میں پورا خاندان مدعو تھا۔ حمید چچا کی طرف سے رضا کے علاوہ وہ سب ہی آئے تھے جب کہ چچا فاروق کے ہاں سے نواز سمیت سبھی موجود تھے۔ ساجدہ باجی کی بھی ساری فیملی تھی اور اماں کے ہاں سے نبیل بھائی کے سوا بھابی اور اماں تھیں۔ نویرہ کا رویہ سب کے ساتھ بڑا نارمل رہا تھا۔ وہ سارا وقت بیٹے کو اٹھائے اماں کے کمرے میں بیٹھی رہی تھی۔ مہمانوں کو رفعت باجی، اماں اور خالدہ بیگم دیکھ رہی تھیں۔

"نویرہ آپی.....!" سب مہمان کھانے کے لیے باہر لان کی طرف چلے گئے تھے وہ اس وقت تنہا تھی

جب رمشاء کھانا کھانے کے بجائے اس کے پاس چلی آئی تھی۔ اسے دیکھ کر نویرہ کے چہرے کے اعصاب کشیدگی کا شکار ہوئے تھے تاہم وہ خاموش رہی تھی۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"

وہ سارا وقت صرف سلام دعا کے علاوہ اس سے مخاطب نہیں ہوئی تھی۔ رمشاء کے دل و دماغ پر اک بوجھ سا بڑھ گیا تھا۔ ادھر رضا کا رویہ دن بدن بد سے بدترین ہوتا جا رہا تھا۔ پہلے تو اسے حمید صاحب کی مصلحت روکے رکھتی تھی مگر اب اس کا سارا غبار امی پر اُترتا تھا۔ وہ بغیر لحاظ کے اپنے اندر کا اُبال نکالتا تھا۔

"کیوں.....؟" نویرہ نے بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھا وہ انگلیاں چٹخاتی بہت پریشان تھی۔

"رضا نے آپ کے معاملے میں شارق بھائی کے ساتھ جو بھی غلط بیانی کی اس کی کہیں نہ کہیں وجہ تو میں بھی ہوں۔ اگر میں رضا کو اس حد تک غصہ نہ دلاتی تو وہ شاید یہ قدم بھی نہ اُٹھاتا۔"

آنسو بھری آنکھوں سے اس نے اقرارِ جرم کیا تھا۔

"جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ تم وجہ نہ بنتی کوئی اور وجہ بن جاتا۔ قصور تمہارا نہیں قصور میرا ہے کہ میں نے رضا کو سمجھنے میں غلطی کی۔ مجھے نہیں علم تھا کہ جسے میں چھوٹا بھائی سمجھ رہی ہوں وہ ذہنی طور پر اس قدر گراوٹ کا اظہار کرے گا۔ ایک طرح سے سوچوں تو لگتا ہے اچھا ہی ہوا مجھ پر شارق زمان کی بھی حقیقت کھل گئی ہے۔ میں جو ہوں مجھے پتا ہے۔ مجھے کسی کی معافی یا گواہی کی ضرورت نہیں۔ خوامخواہ تم نے زحمت کی۔"

نویرہ کے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں ایسا احساس تھا کہ رمشاء لب دانتوں تلے دبا گئی اور پھر وہ وہاں رُکی نہیں تھی، فوراً پلٹی تھی مگر دروازے کی دہلیز پر نواز فاروق اور اس کی بیگم کو کھڑے دیکھ کر ساکت رہ گئی۔

نویرہ کی دروازے کی جانب پشت تھی اور وہ کب کا ان لوگوں کو دیکھ چکی ہوتی۔

وہ فوراً کمرے سے نکلی تو نواز رویسہ کو اندر جانے کا اشارہ کرتے خود اس کے پیچھے لپکا تھا۔

"یہ سب کیا تھا رمشاء؟"

"مجھے نہیں پتا نواز بھائی پلیز، کوئی بات نہیں تھی یونہی بکواس کر رہی تھی میں۔" چھلکتی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے کہا تو نواز نے ایک پل کو اسے دیکھا تھا۔

"ادھر آؤ یہاں بیٹھ کر بتاؤ۔ ہو سکتا ہے کوئی معاملہ حل کر سکوں؟" وہ اسے لیے ایک نسبتاً پرسکون گوشے میں آ بیٹھا تھا۔

نواز کے زور دینے پر رمشاء کچھ دیر کو چپ رہی پھر ایک ایک بات بتاتی چلی گئی اور نواز فاروق کے لیے یہ سب کی قیامت سے کم نہ تھا۔

"او مائی گاڈ یہاں کتنا کچھ ہو چکا ہے اور شارق زمان کیا اتنا احمق تھا کہ رضا کے ایک جھوٹ پر ایک انتہائی قدم اٹھا بیٹھا۔ نویرہ کے بارے میں کوئی قسم بھی اٹھائے میں یقین نہ کروں اور شارق اب کیا صورتِ حال ہے؟"

بے یقینی سے نکلنے کے بعد رمشاء کو دیکھا وہ دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کر رہی تھی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے خالدہ آنٹی پھپھو سے بات کر رہی تھیں کہ نویرہ آپی کسی بھی طور اب شارق بھائی کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں اور شارق بھائی کا ذہن ابھی تک اسی مقام پر ہے آنٹی یہ بھی بتا رہی تھیں کہ نویرہ آپی۔ اب ان سے علیحدگی کی بات کر رہی ہیں' مگر خالدہ آنٹی نہیں مان رہیں۔"

"اوہ نو۔" نواز فاروق گم صم سا رہ گیا تھا نویرہ کو خود ہی خود یا صرف اور صرف شارق کی وجہ سے اور اب شارق صرف ایک جھوٹے الزام پر یہ سب کر رہا تھا اسے یقین کرنے پر تامل ہوا۔

"میں تو اب تک سمجھ رہی تھی کہ نویرہ آپی اب یہاں ہیں سب کچھ بہتر ہو چکا ہے مگر مجھے اندازہ نہ تھا کہ اب بات اس قدر بڑھ جائے گی خالدہ آنٹی رو رہی تھیں کہ نویرہ آپی کسی طور بھی نہیں مان رہیں ان کی صرف ایک ہی ضد ہے یا تو وہ ان کو اپنے ہاں لے جائیں یا پھر وہ خود سمعان سے ہر تعلق توڑ لیں گی۔"

"نواز بھائی۔" اچانک اس نے گم صم سے نواز فاروق کو پکارا تھا۔

"آپ شارق بھائی سے بات تو کریں۔ ہو سکتا ہے کوئی بہتری کی راہ نکل آئے۔ آپ کو نہیں پتا رضا کس حد تک بدلحاظ اور جذباتیت کا شکار ہو چکا ہے۔ صرف اور صرف پھوپھا جان کی دھمکیوں کی وجہ سے کچھ لحاظ کر جاتا ہے ورنہ تو.....!"

"اٹھو اب یہاں سے یہ رونا دھونا بند کرو۔ رونا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ کچھ حد تک تو غلطیاں تم بھی کرتی ہو مگر خیر۔ تمہیں علم تھا کہ رضا کے جذبات کا تو تم اسے بھڑکانے یا طیش دلانے کے بجائے آرام سے ہینڈل کرتیں۔ محبت سے سمجھاتیں۔ رمشاء محبت و نرمی سے سمجھانا وہ طاقت ہے جو برے سے برے شخص کو بھی راہِ راست پر لے آتی ہے۔ غلطیاں تو تم کر چکی ہو بہتر تھا تم شروع میں ہی زبیدہ چچی یا نویرہ کو بتا دیتی بجائے خود بھی غصہ کرنے اور رضا کو بھی جلانے ستانے کے بجائے یہ حکمت عملی بہتر تھی۔ نویرہ سمجھدار لڑکی تھی تب کوئی نہ کوئی سدِ باب تو ضرور کرتی شادی کے بعد اس طرح اس کی زندگی خراب تو نہ ہوتی۔ بہت برا کیا تم دونوں نے مگر۔" نواز فاروق کو افسوس کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"تم اب اٹھو کھانا کھاؤ۔ میں جا کر شارق اور رضا دونوں کو بٹھا کر بات سلجھانے اور مسئلہ کلیئر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

رمشاء اس کے تسلی دینے پر اٹھ کر چلی گئی تھی مگر نواز فاروق خود کتنی دیر تک اپنی جگہ ہل تک نہ سکا تھا۔

نویرہ خوش نہیں تھی۔ ولیمے والے دن اسے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا مگر وجہ یہ ہو گی وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

شارق زمان کی جذباتیت پر بھی بے یقینی سی ہو رہی تھی۔ جس عورت کو وہ جان کی بازی لگا کر ہر نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر اس نے حاصل کیا تھا اور اب اسی عورت کے کردار کی طرف سے وہ مشکوک تھا۔

نواز فاروق کے اندر کی بے چینی اور احساسِ ندامت بڑھتا چلا گیا تھا۔

زرش کی اس جذباتیت اور طاہرہ بیگم کے اس رویے سے سمعان احمد بہت ڈسٹرب ہو چکا تھا۔ زرش پر ہاتھ اٹھانے کے باوجود زرش کی حمایت رہ رہ کر دل میں گھاؤ لگاتی رہی تھی۔ وہ اس سارے مسئلے کا حل چاہتا تھا۔ زرش نے اس قصے کو اس قدر سیریس لیا تھا کہ وہ دو روز سے مسلسل بخار میں پھنک رہی تھی۔

اور طاہرہ بیگم پرسکون تھیں۔

زوباریہ بھابی کو حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کیسی ماں ہیں جو بہو اور بیٹے کو اذیت دے کر پرسکون ہیں۔

انہوں نے عثمان اور سمعان دونوں کو چپ چاپ دیکھ کر خود ہی ہمت کی تھی کراچی فون کر کے انہوں نے سعید احمد کو ساری صورتِ حال بتا دی تھی اور سعید احمد اگلے ہی دن پہلی فلائٹ سے اسلام آباد چلے آئے تھے۔

آتے ہی انہوں نے طاہرہ بیگم کے ساتھ ساتھ فرح اور علی دونوں کو بھی روانگی کا حکم نامہ سنا دیا تھا۔

طاہرہ بیگم نے بولنا چاہا تو مگر ان کے دوٹوک انداز نے انہیں خاموش کروا دیا تھا۔

شام کی فلائٹ سے وہ لوگ روانہ ہوئے تو زوباریہ بھابھی نے طاہرہ بیگم کے چلے جانے پر سکون کا سانس لیا تھا۔ ورنہ ان کی موجودگی تو مسلسل ڈپریشن کا سبب ہی بنی ہوئی تھی۔

پچھلے دو دنوں کی نسبت زرش کا بخار آج قدرے کم تھا۔ بھابھی کے بار بار ٹوکنے پر وہ آج کمرے سے باہر ان کے ساتھ کچن میں دکھائی دے رہی تھی۔ عثمان اور سمعان لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

"سمعان کے ساتھ تمہاری ناراضگی چل رہی ہے۔" شام کے وقت کھانا اگر وہ گھر میں ہو تو تو خود ہی بناتی تھیں زرش نے انہیں صرف دیکھا۔ اسے چھتر پارک والا سارا واقعہ یاد آ گیا۔ اسے اپنا گال سنسناتا محسوس ہوا۔ سمعان اس سے ناراض تھا اور وہ اس سے پچھلے دو دن سے مسلسل کمرے میں بند تھی اور سمعان احمد کو جیسے کوئی پرواہ ہی نہ تھی۔ ایک دم خیال آنے پر اس کا دل بھر آیا۔

"میری کسی سے کوئی ناراضگی نہیں چل رہی۔" بڑا ناراض لہجہ تھا۔ بھابھی کو ہنسی آ گئی۔

"صلح کروا دوں؟" ان کا انداز معنی خیز تھا۔ وہ سرخ پڑ گئی۔

"مجھے نہیں کرنی صلح۔"

"تو پھر ٹھیک کیسے ہوگی۔ بخار تو اتر نہیں رہا تمہارا۔ میری ڈاکٹری بھی ضائع کر رہی ہو تم اور ہاں کب تک ایسے ہی رہنے کا ارادہ ہے۔ سمعان بے چارہ شریف سا بندہ ہے۔ بہت زیادہ نہیں آزما رہی تم اسے۔"

"بھائی ایک کپ چائے کا مل جائے گا۔"

سمعان کی آواز پر آرام سے کرسی پر بیٹھی زرش ایک دم اچھلی تھی۔ گھبرا کر سمعان کو دیکھا۔ وہی سنجیدہ انداز تھا۔

پتا نہیں کچھ سنا بھی تھا یا نہیں۔ اس نے گھبراہٹ سے بھابھی کو دیکھا وہ اپنی ہنسی روک رہی تھیں۔

"ضرور ملے گی' تمہاری یہ بیگم صاحبہ کس مرض کی دوا ہیں ابھی بنا کر دیتی ہے تم بیٹھو تو۔" انہوں نے شرارت سے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ زرش نے انہیں گھورا۔

"نہیں' سر میں درد سا ہو رہا ہے لاؤنج میں ہوں اِدھر ہی چائے بھیج دیجیے گا۔"

سمعان کہہ کر چلا بھی گیا تو زرش نے غصے سے بھابھی کو دیکھا۔

زرش کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ بھابی کا موڈ آج اسے بخشنے والا نہیں ہے۔ اس نے خاموشی سے چائے بنانے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

وہ چائے بنا کر اور ساتھ میں ٹیبلٹ لے کر لاؤنج میں پہنچی تو سمعان وہاں نہیں تھا۔

"اپنے کمرے میں گیا ہے۔" عثمان بھائی کے بتانے پر وہ کمرے میں چلی آئی تھی۔

سمعان اسٹڈی ٹیبل کے سامنے بیٹھا کوئی فائل کھولے مصروف تھا۔

کمپیوٹر چل رہا تھا۔

"یہ چائے.....!" سمعان نے ایک نظر اسے دیکھا۔

پچھلے دو دن کے بخار نے اس کے چہرے پر خاصا اثر ڈالا تھا۔ چہرہ زرد زرد سا ہو رہا تھا وہ ٹیبل پر چائے رکھ کر پلٹی تو سمعان نے پکار لیا۔

"زرش رکو۔" اس نے پلٹ کر سمعان کو دیکھا۔ سمعان اس کے بجائے کمپیوٹر اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

"کل صبح کی فلائٹ سے تم میرے ساتھ لاہور چل رہی ہوں۔ وہاں مجھے ایک دو دن ضروری کام ہے پھر میں فری ہوں گا تم اپنی پیکنگ کر لو۔ ایک ہفتہ ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔ یوں سمجھ لو چند دن آؤٹنگ کا پروگرام ہے۔" اسکرین سے نظریں ہٹا کر سمعان نے اسے دیکھا تو وہ فوراً نظریں جھکا گئیں۔

سمعان احمد کے اس پروگرام نے اچھی خاصی حیرت سے دوچار کیا تھا۔

"میرا جانا اتنا ضروری تو نہیں۔" وہ پلٹ کر آگے بڑھی تو سمعان نے ایک دم اسے ٹوک دیا۔

"میں تم سے کوئی رائے نہیں مانگ رہا۔ میں فائنل کر چکا ہوں ٹکٹس کنفرم ہیں۔ تم تیاری کر لو اور ہاں تم ایڈمیشن کا سوچ چکی ہو گی کہ کہاں لینا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ کا کنفرم کر لو جہاں بھی لینا ہے۔ فیصلہ کر لو۔ انفارمیشن مل جائے گی۔ انسٹی ٹیوٹ میں خود جا کر کنفرم کر لینا۔ ٹیسٹ وغیرہ کا شیڈول بھی دیکھ لینا۔ رزلٹ آنے تک ٹیسٹ کا مسئلہ تو حل ہو چکا ہو گا۔"

اس نے خاموشی سے سمعان احمد کے سنجیدہ انداز کو دیکھا تھا۔

"اور اگر ماما وغیرہ نے وہاں ایڈمیشن کے لیے اعتراض کیا تو؟"

"تم ان کے پاس نہیں میرے پاس ہو' جب مجھے اعتراض نہیں تو میرا نہیں خیال کہ وہ لوگ بھی اعتراض کریں۔ بخار اترا کہ نہیں' طبیعت کیسی ہے اب۔" اگرچہ گزشتہ دو دنوں میں یہ ان کے درمیان پہلی گفتگو تھی تو سمعان احمد نے طبیعت کے بارے میں بھی پہلی بار پوچھا تھا۔ زرش نے صرف خاموشی سے دیکھا۔ پلٹ کر باہر جانے کے بجائے الماری کی طرف بڑھ آئی۔

"بتایا نہیں کیسی طبیعت ہے اب۔" چائے کا مگ اٹھا کر دوسرے ہاتھ سے ٹیبلٹ اٹھائی پھر پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"بخار اترا۔"

"جی۔" سمعان نے بغور دیکھا تھا۔ اگر سمعان نے خود سے اسے مخاطب نہیں کیا ہوتا تو اس نے بھی پہل نہیں کرنا تھی۔ سمعان کو اگر اس کی جذباتیت پر غصہ تھا تو اسے بھی سمعان کے ہاتھ اٹھانے پر اس کی طرف سے شاکی کر دیا تھا۔

"بات سنو میری۔" الماری سے پیکنگ کے لیے کپڑوں کا انتخاب کرتے وہ رکی تھی۔

"جی کہیے۔"

"اِدھر آؤ۔" سمعان کے بلاوے پر ٹھٹکی تھی۔ ابھی وہ اس مقام پر نہیں پہنچی تھی کہ سمعان کی نگاہوں کے پیام کو سمجھ پاتی مگر آواز کی نرمی نے ضرور دل کی دھڑکن کو تیز کر دیا تھا۔

"کہیے میں سن رہی ہوں۔"

سمعان نے مگ واپس ٹرے میں رکھ دیا تھا۔ اٹھ کر الماری کے قریب چلا آیا تو زرش کے لیے سمعان کو نظر انداز کرنا مشکل ہو گیا۔ سر اٹھا کر لرزتی پلکوں سے سمعان احمد کو دیکھا تھا۔

"ناراض ہو؟" زردی میں ایکدم گھلتی سرخی اور عارضوں پر پلکوں کا کھلنا۔ سمعان نے بڑی دلچسپی سے یہ منظر دیکھا تھا۔

"جی.....ای....."

"ہاتھ اٹھایا تھا نا میں نے تم پر۔" سمعان نے الماری کا پٹ بند کر دیا تھا۔ بند پٹ پر ہاتھ جما کر دوسرے ہاتھ سے اس کے چہرے پر ٹھہری سنہری لٹ کو چھوا تو زرش کو لگا اس کے بدن میں برقی رو سی دوڑ گئی ہے۔

"آپ۔" اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کرے اس نے پیچھے کھسکنا چاہا تو سمعان نے دوسرا ہاتھ بھی دیوار پر رکھ کر فرار کی راہیں مسدود کر دی تھیں۔

"آپ..... آپ..... کیا کرتے ہیں؟ راستہ دیں۔" وہ ایک پل میں ہی گھبرا گئی تھی۔ اس کمرے کی چار دیواری میں بارہا سمعان سے سامنا رہا تھا۔ مگر ایسی گھبراہٹ پہلے کبھی نہ تھی۔ سمعان کی یہ پیش قدمی اور اب تک تو سمعان احمد کی طرف سے ایسی کسی بھی پیش قدمی کا عملی مظاہرہ نہیں ہوا تھا۔

"بخار تو ابھی بھی ہے۔" دایاں ہاتھ اٹھا کر اس کی پیشانی اور گردن کو چھو کر دیکھا زرش کے اندر اس ہاتھ کے لمس نے اک آگ سی بکھیر دی تھی۔

"ٹھیک ہوں میں آپ پلیز راستہ دیں۔"

"ناراض تو نہیں ہو، نا۔"

اس نے ایک دم نفی میں سر ہلا دیا تو سمعان کے ہونٹوں پر ایک دم مسکراہٹ بکھری تھی۔ اس کا گھبرایا گھبرایا انداز بڑا دل ربا سا تھا۔

سائیڈ سے نکلنا چاہا تھا مگر سمعان نے بازو پر ہاتھ رکھ کر بڑی نرمی سے بازوؤں کے حصار میں لے لیا تھا۔

"کہ..... کہ..... کیا کرتے ہیں۔ مجھے جانے دیں پلیز۔" وہ ایک دم روہانسی ہوئی تھی۔ سخت گرفت سے نکلنے کو مچلی مگر یہ گرفت تو مزید گہری ہوئی تھی۔ سمعان احمد کا انداز شرارت آمیز تھا۔ زرش کا جی چاہا ابھی رو دے۔

"آپ نے وعدہ کیا تھا آپ مجھے تنگ نہیں کریں گے۔ جب تک میں نہیں چاہوں گی۔" اس نے سمعان احمد کے جذبات پر بند باندھنا چاہا تھا۔

"تو.....؟" سمعان نے اس کی لرزتی پلکوں کی جھالر کو دیکھا۔ وہ صرف ایک لمحے کو سمعان احمد کی نگاہوں میں دیکھ پائی تھی۔

جذبوں کا اک جہاں آباد تھا ان نگاہوں میں۔

"مجھے ابھی ایجوکیشن مکمل کرنی ہے۔" جھکی جھکی نگاہوں اور لرزتی آواز میں اس نے دل کی بات کہہ دی تھی۔ وہ ابھی سے سمعان احمد کے سامنے واضح کر دینا چاہتی تھی کہ آئندہ ایسی صورتِ حال درپیش نہ ہو۔

"تو مکمل کرو، کون روک رہا ہے تمہیں بلکہ میں خود تمہیں سپورٹ کر رہا ہوں۔ مگر زندگی کی دیگر ترجیحات بھی ہیں۔ انہیں مت بھولو۔"

"آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے فورس نہیں کریں گے۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"تو اب بھی میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ تمہیں صرف احساس دلا رہا ہوں اور میرا خیال ہے تمہاری ایجوکیشن میں کوئی حرج نہیں آئے گا۔" سمعان کا انداز سنجیدہ تھا۔

"بات ایجوکیشن کی نہیں ہے۔ جس طرح آپ کی امی یہاں آ کر میرے ساتھ جو سلوک کر کے گئی ہیں۔ میں کبھی برداشت نہیں کروں گی۔ آپ کے حوالے سے لگے الزامات سب اسی طرح ہیں آپ مجھ سے اس وقت تک کسی بھی رویے کی توقع مت رکھیے جب تک وہ خود سے اس رشتے کو قبول نہیں کریں گی۔ وہ قبول کریں گی تو میں بھی اس رشتے کو مانوں گی ورنہ نہیں۔ میں یہاں ہوں کیا آپ سب لوگوں کے لیے اتنا کافی نہیں ہے؟"

سمعان نے خاموشی سے اس کی بات سنی تھی۔ طاہرہ بیگم کے لیے اس کے لہجے میں موجود تلخی کا

اندازہ لگانا چاہا تھا۔

"زرش کہیں ایسا نہ ہو جب امی اپنے رویوں کو قبول کریں تب بہت دیر ہو چکی ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں نہ پہلے نہ اب میں اپنے وعدے پر قائم ہوں اور رہوں گا بھی۔ مقصد تم کو تصویر کا یہ رخ بھی دکھانا تھا کہ آنے والے حالات میں اب تمہیں کس قسم کے سوالات کا سامنا کرنا ہوگا۔ رہی امی کی بات وہ کبھی اپنی غلطی قبول نہیں کریں گی اور اگر حقیقتاً ایسا ہو جائے تو کیا تمہیں یقین ہوگا کہ وقت تب تمہاری گرفت میں ہوگا۔"

سمعان احمد نے اپنا حصار اس کے گرد سے ہٹا لیا تھا۔ دونوں بازو اپنے سینے پر لپیٹے اسے بغور دیکھا تھا۔

زرش نے الجھ کر سمعان احمد کو دیکھا۔ وہ آخری جملہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ بلکہ سوال نے الجھا دیا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ خاص نہیں۔ وقت کے ساتھ تم خود ہی سمجھ جاؤ گی۔ ڈونٹ وری۔ تم پیکنگ کر لو اپنے ساتھ میری بھی اگر دل چاہے تو۔" سمعان کہہ کر پلٹا تھا اور پھر سرعت سے کمرے سے نکل گیا تھا اور زرش کو یک دم اپنے اطراف میں سناٹا سا گونجتا محسوس ہوا تھا۔

✿.....❁.....✿

رفعت باجی نے آنے کے چند دن بعد نویرہ کو اماں کے کمرے میں ڈیرے جمائے دیکھا تو یہی سمجھیں کہ بچے کی پیدائش کی وجہ سے وہ اس کمرے میں منتقل ہوئی ہے مگر مصعب کے عقیقے کے بعد بھی کتنے دن تک نویرہ اسی کمرے میں رہی تو انہیں تعجب ہوا۔ پھر انہوں نے نوٹ بھی کیا کہ نویرہ اور شارق آپس میں بات چیت بھی نہیں کرتے کئی بار تو انہوں نے خود دیکھا تھا کہ شارق آفس سے واپسی پر ہر کام کے لیے شاکرہ کو ہی آواز دیتا تھا حتیٰ کہ مصعب کو بھی بلوانے کے لیے وہ شاکرہ کو کہتا کہ اس کے کمرے میں لے آئے۔

انہوں نے چند دن یہ صورتِ حال دیکھی مگر جب ضبط نہ ہوا تو اماں سے جا پوچھا اور انہوں نے جو کہانی سنائی اسے سن کر وہ بے یقین سی بیٹھی رہ گئیں۔

"اماں اتنا سب کچھ ہو گیا۔ میں ہر دوسرے دن فون کرتی تھی آپ نے ایک دفعہ بھی ذکر نہیں کیا؟"

"میں کیا ذکر کرتی میں تو خود الجھ کر رہ گئی ہوں ان دونوں میں۔ شارق کے تیور دیکھتی ہوں تو دل ڈرتا ہے اور نویرہ کو کہتی ہوں کہ وہی کچھ مان لے مگر وہ تو ہتھے سے ہی اکھڑ جاتی ہے کہ وہ شارق سے الگ ہو گی تو لے سکتی ہے مگر ساتھ رہنا گوارا نہیں اس وقت تک جب ساری صورتِ حال واضح نہ ہو گی۔ سمجھاؤ میں کیا کروں؟"

نویرہ مصعب کے چھوٹے موٹے کاموں میں الجھی ہوئی تھی۔ مغرب کا وقت تھا شاکرہ نے کچن سنبھالا ہوا تھا۔ خالدہ بیگم عقیقے کے بعد واپس چلی گئی تھیں۔ پھر انہیں یہ تسلی بھی تھی کہ رفعت باجی آ گئی ہیں اب وہ گھر سنبھال لیں گی جب وہ رخصت ہوں گی نویرہ تو ہو گی ہی۔

شارق مغرب کے ذرا بعد گھر آیا تھا۔ سیدھا اپنے کمرے میں گیا تھا۔ کپڑے چینج کر کے وہ لاؤنج میں آیا تو نویرہ صوفے پر مصعب کو لیے بیٹھی ہوئی تھی۔ شارق کو آتے دیکھ کر اس نے پہلے تو نظر انداز کر دیا تھا مگر اسے وہیں سامنے صوفے پر بیٹھتا دیکھ کر اس نے وہاں سے اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔

''مصعب کو مجھے دے جاؤ۔'' اس نے اسے روکا تھا۔

''کیوں؟'' نویرہ نے تیکھے چتونوں سے اسے دیکھا۔ شارق کو بڑا برا لگا۔

بڑی بدلحاظ ہوگئی تھی نویرہ۔

''بیٹا ہے میرا سارا دن تمہاری گود میں ہی رہتا ہے تھوڑی دیر کے لیے میں اٹھا لوں گا تو قیامت نہیں آجائے گی۔''

دو دن سے وہ محسوس کر رہا تھا کہ نویرہ جب بھی وہ آتا تھا مصعب کو سلا دیتی تھی۔ یا پھر اٹھا کر اِدھر اُدھر ہو جاتی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہی ہے کہ وہ بچے کو نہ اٹھا سکے۔

''قیامت ہی تو آجائے گی۔ پہلے ثابت تو کر لو یہ تمہارا ہی بیٹا ہے۔''

نویرہ۔'' وہ ایکدم بھڑک اٹھا تھا۔ ''یہ میرا بیٹا ہے تم ایسی بکواس کر کے اسے مجھ سے دور نہیں رکھ سکتی۔''

''میں کیا کچھ کر سکتی ہوں مسٹر شارق زمان صاحب اب تک آپ کو اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہوگا۔''

اس کا انداز بڑا ہی تضحیک آمیز تھا۔

شارق زمان کو لگا جیسے نویرہ نے اس پر گرم پانی انڈیل دیا ہوا۔

''میں تم سے کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ تم آرام سے مصعب کو مجھے دے جاؤ۔ تھوڑی دیر میں یہ پھر تمہارے پاس ہی ہوگا۔'' بچے کی خاطر اس نے خود پر ضبط کیا تھا نویرہ ہنس دی۔

''سویا ہوا ہے۔'' ایک نظر بچے کو دیکھ کر اسے جتلایا تھا۔

''تم جان بوجھ کر اسے سلا دیتی ہو تا کہ میں اسے نہ اٹھا سکوں۔''

''ہاں تو۔'' شارق زمان کا جی چاہا کہ ایک تھپڑ تو نویرہ کے رخسار پر ضرور جڑ دے مگر ضبط کر گیا۔

''میں نہیں چاہتی کہ میرے بچے پر تمہارا سایہ پڑے یا اس کی معصوم شخصیت تمہاری طرح داغ دار ہو۔ یہ صرف میرا بیٹا ہے اسے تمہارے سائے سے بھی دور رکھنا چاہتی ہوں۔''

''شٹ اپ' یہ میرا بھی بیٹا ہے تم اسے اپنی ماں کے گھر سے لے کر نہیں آئی تھی۔''

''اچھا۔'' نویرہ ہنس دی۔

تضحیک آمیز انداز نے شارق زمان کو بھڑکا دیا تھا۔ وہ ایک دم اٹھا تھا۔

''کیا چاہتی ہو تم؟'' اس کی برداشت صرف یہاں تک تھی۔

''علیحدگی۔'' بڑے صاف اور واضح الفاظ میں نویرہ نے کہا تھا۔

''وہ تو تم ویسے ہی رہ رہی ہو اور کس قسم کی تمہیں علیحدگی چاہیے۔'' وہ غصے سے بولا تھا۔ اس کی آواز اتنی اونچی ضرور تھی کہ اماں کے کمرے میں ان سے محو کلام رفعت آپا اونچی آواز سن کر فوراً وہاں پہنچی

''میں تم سے طلاق چاہتی ہوں۔''

آپا نے ایک دم سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ شارق زمان بھی ایک پل کو خاموش ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے تمہیں مل جائے گی۔ مگر مصعب کو تمہیں میرے پاس چھوڑنا ہوگا۔''

''ہرگز نہیں۔'' نویرہ نے ایکدم بچے کو سینے سے لگا لیا تھا۔

''یہ صرف میرا بیٹا ہے۔ یہ میرے ساتھ جائے گا۔''

''میں اگر ثابت کر دوں کہ یہ میرا بھی بیٹا ہے تو؟''

''تو پھر تمہیں ساری دنیا کے سامنے یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ نویرہ احسان بدکردار نہیں تھی۔ رضا نے جھوٹ بولا تھا۔ تم نے مجھ پر بہتان لگایا تھا۔ صرف بہتان۔''

شارق زمان نے لب بھینچ لیے تھے۔

اتنے عرصے بعد نویرہ نے پہلی بار اس سے یہ شکایت کرنے کی بات کی تھی۔

''تم ثابت کر بھی لو تو میں تم جیسے شخص کے ساتھ رہنا گوارا نہیں کروں گی جو آنکھوں کا اندھا اور کانوں کا کچا ہوں۔ جو اپنی بیوی کے کردار کو دوسروں کی نگاہوں سے دیکھتا اور دوسروں کی زبان سے سنتا ہو۔ ہونا تو یہ بھی چاہیے تھا کہ تم اس بچے کو بھی اپنا بچہ تسلیم نہ کرو۔ جب میں غلط ہوں تو مجھ سے متعلق ہر چیز غلط ہے پھر یہ بچہ تمہیں اپنا بچہ کیوں لگتا ہے؟؟ کٹہرے میں تو تمہاری اپنی ذات بھی کھڑی دکھتی ہے۔ تم گارنٹی دو۔ میں بھی مان جاؤں گی۔ مگر تم شارق زمان اس بھول میں نہ رہنا کہ میں تمہارے گھر سمجھوتہ کرنے آئی ہوں میں صرف یہ وقت گزارنے آئی تھی۔ میرا بیٹا میرے پاس ہے تم اسے چھوڑو گے یا نہیں مگر میں تمہیں ضرور چھوڑوں گی تم مجھے کیا ثابت کرو گے میں ثابت کروں گی کہ تم نے مل میں کیا ہو تم نے مجھے کیسے حاصل کیا تم خود بتاؤ گے لوگوں کو۔''

وہ تو بھری بیٹھی تھی بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی تھی۔

اور رفعت باجی حیرت سے گم صم اسے بولتے دیکھ رہی تھیں۔

''شارق یہ کیا ہے؟ تم نے اس دن کے لیے اسے اتنا ذلیل کیا تا تم تو ہر نفع و نقصان کی پروا کیے بغیر اسے لائے تھے۔ کہاں گئی تمہاری محبت؟ ایسی تھی تمہاری محبت جو چند دنوں میں ہی سامنے آگئی تھی۔ نویرہ کو کیا کہوں تم نے ہی ہمیں اپنی نظروں سے گرا دیا ہے۔ تمہارے دل میں کوئی بال آیا بھی تھا تو تم تحقیق کر لیتے یوں ایکدم فردِ جرم تو عائد نہ کرتے اور اب اس بچے کا کیا مستقبل ہوگا۔''

وہ تو بدحال سی ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی تھیں جب کہ شارق زمان بے تاثر انداز میں کھڑا رہا تھا۔ نویرہ نے دونوں بہن بھائی کو باری باری دیکھا تھا پھر تمسخر بھری نگاہ شارق زمان پر ڈالی جو جوتے کی نوک سے قالین پر ٹھوکریں لگا رہا تھا۔

''آپا میرا ضمیر مطمئن ہے۔ مجھے کسی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ آپ اس شخص سے کہیں مجھے صلح صفائی سے فارغ کرے۔ رہ گئی بچے کی بات تو سات سال تک بچہ قانون و قواعد کے تحت ماں کی تحویل

میں رہے گا بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ اگر اسے بچہ چاہیے تو یہ قانون سے رجوع کرے وہاں پر سارا کھیل واضح ہوگا ہر بات' ہر الزام۔ نویرہ احسان کوئی عام سی ارزاں سی گری پڑی چیز نہ تھی کہ اس شخص کا دل آ گیا۔ زبردستی اپنے عقوبت خانے میں جگہ دی اور جب دل بھر گیا دل میں بال آ گیا تو پھینک دیا۔ آپا میری بھی ایک عزت نفس ہے۔ میں نے ساری زندگی صرف اپنے کردار کی ہی تو حفاظت کی ہے اور اب اس پر بدکرداری کا الزام کیسے سہہ لوں۔ مجھے کوئی سمجھوتے والی زندگی نہیں گزارنی۔ آر یا پار۔ کہیں آرام وسکون سے فیصلہ کرے بس۔"

نویرہ کے ان بے گانہ سے الفاظ نے شارق زمان کو اک طیش سے دوچار کیا تھا۔ اس نے بڑی تحقیر بھری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"پہلے تو شاید میں تمہیں چھوڑ دیتا اب کبھی نہیں۔ تمہیں جس عدالت میں جانا ہے چلی جاؤ تم میرے اس گھر میں ہو اور کس حیثیت سے ہو یہ تو تمہیں آنے والا وقت بتائے گا۔ اب بات ضد کی ہے اور میں تمہیں بتاؤں گا کہ سمجھوتہ کیسے کرتے ہیں۔"

غصے سے وہ کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

آپا نے حیران ہو کر پہلے نویرہ اور پھر ہلتے پردے کو دیکھا تھا۔

لاہور آنے پر شروع کے دو دن سمعان آفس کے کاموں میں ہی مصروف رہا تھا اور پھر اِدھر سے فارغ ہو کر سمعان اور اس کا سارا وقت گھومنے پھرنے میں ہی گزر جاتا تھا۔

یہاں لاہور میں ان کا ذاتی گھر تھا۔ خاصا وسیع شاندار گھر تھا۔ آراستہ پیراستہ ایک فیملی سرونٹ کوارٹر میں رہائش پذیر تھی۔ جو ان کی غیر موجودگی میں گھر کی دیکھ بھال کرتی تھی۔

ان لوگوں میں سے کسی کا بھی جب بھی لاہور آنا ہوتا تھا یہیں قیام کرتے تھے۔ وہ دونوں بھی یہیں ٹھہرے تھے۔ اس دن وہ دونوں شالیمار گارڈن میں آ گئے تھے۔ کافی دیر تک دونوں اِدھر اُدھر گھومتے رہے تھے۔

"السلام علیکم!" وہ دونوں ابھی ایک درخت کے نیچے آ کر بیٹھے ہی تھے کہ آواز پر دونوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کافی خوش شکل پیاری سی لڑکی ہاتھ میں کیمرا پکڑے انہیں مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ جی فرمائیے؟" سمعان نے ہی پوچھا تھا زرش تو لڑکی کو دیکھ کر یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس نے یہ چہرہ کہاں دیکھا تھا۔

"میں آپ کی ایک تصویر لے لوں۔"

"جی۔" سمعان نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"کس خوشی میں؟" زرش نے الجھ کر دیکھا اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے یہ لڑکی پہلے بھی کہیں دیکھی تھی مگر کہاں؟

"اس پورے گارڈن میں یہ دوسرا کپل ہے جو سب سے پیارا لگ رہا ہے۔"

"پہلا کپل کون سا ہے؟"

"میرے بھائی اور بھاوج کا۔ وہ لوگ پچھلے حصے میں ہیں میں ان کو اوپر بلواتی ہوں پھر آپ لوگوں کی تصویر لوں گی۔"

"بات سنیں' آپ پہلے بھی ہماری تصویر لے چکی ہیں نا۔ ایک بار چھتر پارک میں ملے تھے ہم۔" زرش کو ایک دم یاد آیا تو فوراً پوچھا تو وہ لڑکی کھلکھلائی۔

"جی بڑی جلدی پہچانا آپ نے۔ ابھی آپ لوگ نیچے تھے جب میری نظر پڑی تھی میں نے فوراً پہچان لیا تھا۔ آپ کا بیٹا ساتھ نہیں بڑا کیوٹ سا بے بی تھا۔ آپ کی تصویر کی ایک کاپی اب بھی ہے میری البم میں محفوظ۔"

"اوہ۔" سمعان کو بھی یاد آ گیا تھا وہ سارا قصہ۔

"آپ لوگ اپنے بیٹے کو ساتھ نہیں لائے؟"

"وہ اپنے ماما پاپا کے پاس ہے۔" سمعان نے ایک نظر زرش کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے بتایا تھا۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوئی تھی۔ ماما اور پاپا تو سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

"وہ میرا بھتیجا تھا۔"

"حیرت ہے تب تو آپ نے نہیں بتایا تھا۔"

"تب آپ نے موقع بھی نہیں دیا تھا۔"

"سوری۔"

"ایک بات اور کلیئر کر دوں تب ہماری شادی بھی نہیں ہوئی تھی یہ تب ہماری صرف چچا زاد ہی تھیں۔ ماشاء اللہ سے بیگم صاحبہ ہیں۔"

"اوہ۔" سمعان کے برجستہ انداز پر وہ ہنس دی تھی۔

"کافی کیوٹ ہیں آپ کی بیگم اور ینگ سی بھی۔"

"تھینکس۔"

"میں ابھی آئی آپ لوگ جائیے گا نہیں۔"

"کافی انٹرسٹنگ لڑکی ہے۔"

"ہوں۔" سمعان کے جواب میں وہ یہی کہہ سکی تھی۔

پانچ منٹ بعد وہ جن دو افراد کو اپنے ساتھ لیے چلی آئی تھی ان دونوں کو دیکھ کر وہ دونوں ہی ٹھٹکے۔

ڈاکٹر ظفر کی بہن سے وہ ایک دو بار مل چکی تھی جب کہ سمعان احمد تو خاصا قریب سے جانتا تھا مگر اس کے ساتھ نواز فاروق کو دیکھ کر سمعان تو نہیں مگر وہ خود ضرور ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

نواز فاروق اور رویسہ دونوں ہی پہچان گئے تھے۔ قریب آنے پر سلام دعا کے بعد نواز فاروق نے

بے ساختہ پوچھا تھا۔

"زرش آپ ادھر کیسے؟"

"یہ میرے ہزبینڈ ہیں ان کے ساتھ ہی آئی ہوں۔"

"اوہ۔"

"ارے آپ لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" حمیرا نے حیران ہو کر پوچھا تھا۔

"بہت اچھی طرح۔ یہ سمعان بھائی ہیں ظفر بھائی کے دوست اور یہ ان کی مسز ہیں زرش مگر نواز آپ کیسے جانتے ہیں زرش کو۔"

نواز کے نام پر سمعان نے چونک کر پہلے زرش اور پھر دونوں میاں بیوی کو دیکھا تھا۔

"میں جن دنوں کراچی اکیڈیمی میں پڑھا رہا تھا تو یہ وہاں اسٹوڈنٹ رہ چکی ہیں۔"

اور باقی کی کہانی سمعان جانتا تھا اندازہ نہ تھا کہ جس سر نواز کا زرش نے بتایا تھا وہ ڈاکٹر غضنفر کا کزن ہوگا اور رویسہ کا شوہر۔

"سمعان بھائی آپ میری شادی میں نہیں آئے تھے نا۔" رویسہ نے شکوہ کیا تھا۔

"بس کچھ مصروفیت تھی۔ مگر میں نے تحفہ بھیجا تھا نا بعد میں ظفر سے مل کر ایکسیوز بھی کر لیا تھا۔"

"ہاں بتایا تھا بھائی نے کہ آپ اسلام آباد میں بزی تھے۔"

"اور سمعان بھائی مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی ظفر بھائی سے جان کر کہ آپ کے ساتھ اسلام آباد چلی گئی ہیں۔" اس کا اشارہ زرش کی طرف تھا۔ زرش خاموش ہی رہی۔

اگلے دس پندرہ منٹوں میں وہ پانچوں آپس میں کافی گھل مل چکے تھے۔ نواز فارق کا انداز وہی پرانا تھا مگر زرش محتاط سی تھی اسی طرح سمعان بھی نواز سے گفت وشنید میں کچھ جھجک محسوس کر رہا تھا۔

زرش کو اندازہ نہیں تھا کہ کبھی سمعان احمد کی موجودگی میں سر نواز سے سامنا ہو جائے گا۔ رویسہ اور حمیرا کے بار بار کے اصرار پر ان دونوں نے لنچ ان لوگوں کے ساتھ ہی کیا تھا۔ حمیرا نے ان لوگوں کی مختلف تصاویر لی تھیں۔

وہ لوگ وہاں چار بجے تک رہے تھے۔ واپسی تک یہ ضرور ہا تھا کہ سمعان اور نواز فاروق دونوں کے درمیان تکلف کی دیوار گر گئی تھی۔

ڈاکٹر ظفر کے ہاں ایک دو بار ملاقات ہوئی تھی مگر اب ذرا فرصت اور سہولت سے ملنے کا موقع ملا تھا تو ایک دوسرے سے متعلق بہت کچھ جاننے کو ملا تھا۔

"نواز فاروق کافی اچھا انسان ہے۔"

واپسی کے سفر میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سمعان نے تبصرہ کیا تھا۔ زرش خاموش رہی تھی۔ نواز فاروق کے حوالے سے وہ جو بھی عذاب جھیل چکی تھی اسے وہ اذیت بھولی نہ تھی بلکہ اب بھی تکلیف دیتی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اسے چپ چاپ گم صم دیکھ کر سمعان نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔ زندگی

بھی کیسے کیسے موڑ لے کر کس طرح مختلف متضاد لوگوں کو ملوا دیتی ہے۔ اس نے حیرت سے سوچا اور سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا دیا۔

"تھک گئی ہو؟"

سمعان کے استفسار پر اس نے خاموشی سے پلکیں موند لی تھیں۔ وہ واقعی بہت تھک گئی تھی۔ آج اسے قدم قدم پر سمعان کے ساتھ چلتے احساس ہوا تھا کہ وہ بہت غلط کر رہی ہے سمعان کی محبت اور چاہت کو آزما رہی ہے اگر سمعان نے اپنی محبت وتوجہ کے بادل سمیٹ لیے تو؟

اک خوف سے اس نے پلکیں کھول کر گھبرا کر سمعان احمد کو دیکھا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" سمعان نے بھی اسے گھبرا کر پلکیں وا کرتے دیکھا۔

"سمعان۔" یہ نام صرف لبوں سے ہی ادا نہیں ہوا تھا دریچہ دل کھلا تھا گویا اس کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی ایک پل میں براہ راست اس نے پہلی بار سمعان کو یوں بے قراری سے پکارا تھا۔

"کیا بات ہے زری۔" سمعان کو ایک دم اندازہ ہوا کہ وہ نارمل نہیں ہے۔ سائیڈ میں گاڑی روک کر اس کی طرف دیکھا۔

زرش کی پلکوں کی نمی رخساروں پر پھسل آئی تھی۔ گلاب کی طرح دہکتے رخساروں پر نمی کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ سمعان کے اندر بے چینی سی پھیلنے لگی تھی۔ بے اختیار اس کا بازو تھام کر قریب کیا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" محبت ولگاوٹ سے پوچھا۔

"سمعان! میں بہت تھک گئی ہوں بہت زیادہ۔" اور پہلی بار اس کا دل شرم وحیا کے بجائے سمعان احمد کی مضبوط پناہ گاہ کا متمنی ہوا تھا اور پھر اس نے جگہ اور وقت کی پروا کیے بغیر سمعان احمد کے کندھے پر سر رکھ کر سسکنا شروع کر دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

پاکستان آنے کے بعد وہ گھر گیا تھا مگر جمال صاحب نے اسے دیکھتے ہی گھر سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا اس نے ہزار دلائل دیے تھے مگر وہ ماننے پر آمادہ نہ ہوئے تھے۔

وہ چند دن دوست کے ہاں رہا تھا اور جب ستارہ کو اس کی آمد کا علم ہوا تو اس نے اسے اپنے گھر بلا لیا تھا۔ وہاں نوشین تھی۔ اس نے بجائے ماموں کی طرح غصہ کرنے کے، ساری صورتِ حال کا جائزہ لیا تھا۔ سعد کے چھوڑے گئے خط میں وہ اس کی فرح کے لیے پسندیدگی کا پڑھ چکی تھی۔ ستارہ نے ہر بات واضح کی تھی اس کے دل میں سعد کے خلاف شکوے شکایات کب کے ختم ہو چکے تھے۔ اب تو زرش اسلام آباد جا چکی تھی۔ سب آہستہ آہستہ اپنے مقام پر آ رہا تھا تو ایسے عالم میں نام نہاد نفرت کا اظہار کیوں جاتا۔

اس نے سعد کی مدد کرنے کو کہا تھا۔

اور پھر ان سب کے سمجھانے پر سعد نے سعود احمد سے ملنے کی ہمت کی تھی۔ ان سب کا خیال تھا کہ جمال صاحب سے معافی اسے اسی صورت مل سکتی ہے کہ وہ سعود احمد کو قائل کر کے اپنے ہمراہ جمال

صاحب کے سامنے لے جائے اور وہ اس کی وکالت کریں۔

وہ جب سعود احمد سے ملنے آیا تو عفان اور نوشین اس کے ساتھ ہی تھے سعود صاحب اور شائستہ بیگم نے کھلے دل سے سعد کو خوش آمدید کہا تھا۔

سعد نے ان سے معافی مانگی تو سعود احمد کہنے لگے۔

"بیٹا یہ مقدر کی باتیں ہوتی ہیں۔ بھلا تمہارا کیا قصور۔ ہم جیسے نادان لوگ قسمت کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر منہ کے بل گرتے ہیں۔ تم چھوڑ کر گئے تو حقیقت کھلی کہ قسمت کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ سمعان کی قسمت زور آور تھی۔ وقت کے ہاتھ سے اپنا حصہ چھین لیا۔"

"میں سعد بھائی کو سمجھاؤں گا۔ وہ سمجھ جائیں گے۔ فکر نہ کرو تم ہمارے بیٹے ہو ہمارے خون کا حصہ ہو اپنی اولاد کو بھلا کون خود سے جدا کرتا ہے۔ جب تک جمال نہیں مانتا تم اِدھر ہی رہو بلکہ زرش کے جانے کے بعد ہم لوگ تنہائی محسوس کرنے لگے ہیں تم ادھر ہی رک جاؤ۔ جمال بھائی کے پاس وقار ہے نا۔" انہوں نے بہت مان دیا تھا۔

اگلے دن وہ اس کے ساتھ جمال صاحب کے ہاں گئے تھے دونوں میاں بیوی ستارہ نے پہلے ہی فون پر رابطہ کرتے ہوئے سب بہن بھائیوں کو اکٹھا کرلیا تھا اور پھر جب معاملہ جمال صاحب کی عدالت میں پیش ہوا تو انہوں نے لاکھ اعتراض کیے غصے کا اظہار کیا مگر سب بہن بھائی سعد کا ساتھ دے رہے تھے حتیٰ کہ وقار اور ہادیہ بھی۔

"جمال بھائی! آپ نہ مانیں گے تو میں اسے اپنے گھر لے جاؤں گا اپنا بیٹا بنا کر رکھوں گا اور سعید بھائی سے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگوں گا اگر انہوں نے انکار کردیا تو زبردستی ہاں کراؤں گا۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ یہ پلا پلایا پڑھا لکھا ڈاکٹر بیٹا اپنے پاس رکھتے ہیں یا مجھے دے دیتے ہیں۔"

اور ان کی اس بات پر وہ بھی ہنس دیے تھے۔ جمال صاحب کے ہنسنے کی دیر تھی کہ سب بہن بھائیوں نے وہ ادھم مچایا کہ جمال صاحب نے بخوشی سعد کو مسعود احمد کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ انہیں جہاں زرش کے اپنے گھر میں آباد ہوجانے کی خوشی تھی۔ وہاں بہن کے اکیلے ہوجانے کا بھی احساس تھا۔

سعد نے پاکستان آنے کے بعد پہلی بار سعید احمد کے گھر کے نمبرز ملائے تھے۔ فون ریسیو کرنے والی ملازمہ تھی۔ اس نے اسے فرح سے بات کروانے کو کہا تھا۔

"السلام علیکم!" وہ سعود احمد کے گھر سے بات کر رہا تھا پی ٹی سی ایل سے اسی لیے فرح مطمئن سی لائن پر آئی تھی۔ مگر اندازہ نہ تھا دوسری طرف سعد ہوسکتا ہے۔

"فرح۔" اس نے پکارا تو دوسری طرف وہ ششدر سی رہ گئی تھی۔

"سعد۔"

"آپ سعد ہو نا سعد جمال۔"

"ہوں فرح سعد جمال ہی ہوں۔ تم بتاؤ کیسی ہو؟"

"سعد۔" دوسری طرف سے ایک دم رو پڑی تھی ایک عرصے بعد وہ اس کی آواز سن رہی تھی۔ خود پر قابو نہ رہا تھا۔ نجانے خود کو اب تک کیسے سنبھالا ہوا تھا۔

"میں پاکستان آچکا ہوں۔ کتنے دن ہوگئے ہیں۔ اس وقت میں سعود ماموں کے ہاں سے کال کر رہا ہوں۔ اتنے دن سے میں امی ابو کو منانے میں لگا ہوا تھا۔ چچا جان کی سفارش پر ان لوگوں نے معاف کیا ہے۔" وہ بتا رہا تھا اور فرح نے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

"تم تو اسلام آباد گئی ہوئی تھیں نا؟"

"ہوں' ابو لینے گئے تو ان کے ساتھ آگئے تھے ہم لوگ۔"

"تمہارے لیے جو پروپوزل آیا ہے آپ کو کس نے بتایا ہے؟" وہ حیران ہوئی۔

"سمعان سے علم ہوا تھا۔"

"میرے علم میں نہیں ہے۔" اس نے بتایا۔

"سعود ماموں ہوسکتا ہے بڑے ماموں سے بات کریں رشتے کی۔ امی ابو اور ماموں لوگوں میں یہی فائنل ہوا ہے کہ وہ خود جا کر ماموں سے بات کریں گے۔ آج کل میں ماموں کے ہاں ہی ہوں۔ انہوں نے مجھے اپنے گھر رکھا ہوا ہے۔"

"کیوں آپ اپنے گھر کیوں نہیں رہ رہے؟"

"زرش کے بعد ماموں اور پھپھو تنہا ہوتے ہیں۔ ماموں کی طبیعت کا علم تو ہے تمہیں امی نے یہی کہا تھا کہ کسی نہ کسی کو ان کے پاس ضرور ہونا چاہیے۔ اس لیے ان کے ہاں ہی ہوں۔ بات سنو۔ چند دن میں امی ابو اور دوسرے لوگ آئیں گے۔ مامون جان کے ارادوں کا مجھے اندازہ نہیں مگر ممانی جان کی طبیعت کا علم ہے تم سے پوچھا جائے تو انکار مت کرنا۔ سن رہی ہو نا۔"

"جی۔" وہ صرف یہی کہہ سکی تھی۔

"میں پھر رابطہ کروں گا پریشان مت ہونا اور سنو میری غیر موجودگی میں مجھے کبھی یاد بھی کیا یا نہیں۔"

"جی۔"

"کیا جی۔"

"پتا نہیں۔" اس نے کہہ کر فون بند کردیا تھا اور سعد ہنس دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

زرش کا شاپنگ کا ارادہ تھا اس نے سمعان کو فون کیا تو پتا چلا کہ وہ کسی کام میں مصروف ہے۔ اگلے دنوں میں ان کا واپسی کا ارادہ تھا وہ آج شاپنگ کا کام ختم کرلینا چاہتی تھی۔

وہ گاڑی لے کر نکل آئی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس طرح گاڑی نکالنے پر سمعان سے کچھ سخت ہی سننے کو ملنا ہے مگر وہ تنہائی سے بور ہی ہو رہی تھی۔ سڑکوں اور جگہوں کا اسے زیادہ اندازہ تو نہیں تھا مگر وہ نکل آئی تھی۔ ایک دفعہ ایکسیڈنٹ کے بعد ماما پاپا نے اسے دوبارہ گاڑی کو ہاتھ نہیں لگانے دیا تھا۔ آج موقع ملا تھا تو اس نے فائدہ اٹھایا تھا۔ بڑے ہی محتاط انداز میں اور آہستہ روی سے وہ گاڑی ڈرائیو کر

رہی تھی مگر شاید قسمت خراب تھی کہ اچانک گاڑی سامنے آتی خواتین کو دیکھ کر بے قابو ہوگئی تھی۔ وہ بریک لگانے کے چکر میں اسپیڈ بڑھا گئی تھی اور نتیجہ یہ نکلا تھا کہ گاڑی سامنے والی خواتین کو ہٹ کر گئی تھی۔

بدحواسی میں اس نے بریک لگائے تھے۔ گاڑی اچھل کر سائیڈ میں ہوگئی تھی۔ ٹریفک ایک دم تھم گیا تھا۔ ان خواتین کے گرد لوگوں کا ہجوم بڑھا تو کچھ لوگوں نے اس کے گرد گھیرا بنالیا کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائے۔

اس کے تو اپنے حواس اڑ گئے تھے وہ بھلا بھاگ کہاں سکتی تھی۔

انتہائی خوف زدہ نظروں سے ہجوم کی طرف دیکھا۔ گاڑی جس عورت کو لگی تھی وہ نقاب میں تھی جب کہ دوسری خاتون نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس کے بازوؤں میں بچہ تھا۔ وہ گاڑی سے نکل کر ان عورتوں کے پاس چلی گئی تھی۔

"آئی ایم سوری۔ آپ لوگ سامنے آگئیں تو گاڑی پر قابو نہیں رہا۔ پلیز سوری۔ زیادہ پریشانی والی اگر بات ہے تو میں اسپتال لے چلتی ہوں۔"

نقاب والی اب بری طرح کراہ رہی تھی۔ گاڑی سے ٹکرا کر وہ بری طرح پختہ سڑک پر گری تھی۔ نجانے کہاں کہاں چوٹ لگی تھی۔ دوسری خاتون نے کچھ غصے سے زرش کو دیکھا کچھ سخت کہنا چاہا مگر زرش کا حواس باختہ اڑا چہرہ دیکھ کر چپ ہوگئیں۔

"نویرہ۔" اس نے کراہتی لڑکی کا بازو پکڑ کر پکارا۔ زیادہ چوٹ لگی ہے تو آؤ حوصلہ کرو بس تھوڑی سی ہمت۔ کلینک سامنے ہی ہے۔ ڈاکٹر کو دکھا لیتے ہیں۔"

رفعت باجی نے سہارا دے کر اسے اٹھایا تو دوسری طرف سے زرش نے بھی سہارا دے کر اسے کھڑا کیا۔ گاڑی تو پہلے ہی سائیڈ پر تھی وہ لاک کر کے ان کے ساتھ ہی سامنے واقع کلینک میں چلی آئی تھی۔

مصعب کو ہلکا سا ٹمپریچر تھا۔ وہ رفعت باجی کے ہمراہ ٹیکسی میں اِدھر آئی تھی ڈاکٹر فیروزہ سے چیک کروانے وہ ان کے مشورے سے ہی کسی چائلڈ اسپیشلسٹ کے پاس جانا چاہتی تھی۔ مگر باہر نکل کر سامنے سے آتی اس گاڑی سے ٹکر ہوگئی تھی۔

ڈاکٹر فیروزہ نے نویرہ کو اچھی طرح چیک کیا اس کے گھٹنے اور بازو چھل گئے تھے۔ اس کے علاوہ پاؤں میں بھی موچ آئی تھی جب کہ رفعت باجی صرف گری تھیں اور مصعب بھی محفوظ ہی تھا۔ ڈاکٹر فیروزہ نے بینڈیج کر دی تھی۔ ہلکی پھلکی ڈریسنگ کر کے انہوں نے پین کلرز لکھ دی تھیں۔

زرش نے اندر ہی اندر شکر کا کلمہ پڑھا کہ زیادہ لمبا چوڑا معاملہ نہیں تھا۔ بچت ہوگئی تھی۔ زرش اس سارے وقت میں ان کے ساتھ ساتھ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری آپ لوگ اپنے دھیان میں تھیں اور آپ کو دیکھ کر میں گھبرا گئی تھی۔ مجھ سے گاڑی قابو میں نہیں ہو پائی۔ مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے ریئلی سوری۔"

نویرہ نے پہلی بار غور سے دیکھا کم عمر سی پیاری سی لڑکی تھی۔ اس ٹکراؤ سے خاصی گھبرا چکی تھی۔ نویرہ مسکرا دی۔

"آپ کا بھی بھلا کیا قصور ہمیں ہی دیکھ کر سڑک پار کرنی چاہیے تھی۔" زرش، نویرہ کی مسکراہٹ پر کچھ نارمل ہوئی۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"زرش..... زرش سمعان احمد۔"

"بہت پیارا نام ہے۔"

"میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر دیتی ہوں۔ دراصل میں یہاں کی رہنے والی نہیں ہوں کراچی کی ہوں اپنے ہزبینڈ کے ساتھ چند دن کے لیے یہاں آئی ہوئی ہوں۔ مجھے سڑکوں کا اندازہ نہیں ہے اس لیے بھی گھبرا گئی تھی۔"

"شادی شدہ ہو۔" نویرہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ اس نے جھینپ کر سر ہلا دیا۔

"لگتی تو نہیں ہو۔" رفعت باجی کو بھی حیرت ہوئی تھی۔ خاصی کم عمر لگی تھی انہیں یہ لڑکی۔

"یہ آپ کا بیٹا ہے۔" اس نے کیوٹ سے سوئے ہوئے مصعب کو دیکھا۔

"یہ نویرہ کا بیٹا ہے میرا بھتیجا ہے۔"

"بہت پیارا بیٹا ہے آپ کا۔" زرش نے سوئے ہوئے بچے کا رخسار چھوا تھا۔

"آپ لوگوں کو میں ڈراپ کر دیتی ہوں پلیز آجائیے۔"

"ہم چلے جائیں گے۔"

"پلیز شرمندہ نہ کریں میں آپ کو ڈراپ کر دیتی ہوں۔" زرش نے مزید اصرار کیا تو وہ دونوں مان گئیں۔

وہ ان دونوں کو ڈراپ کر کے واپس جانا چاہتی تھی مگر نویرہ نے اسے بصد اصرار اندر بلا لیا تھا۔ زرش کے منع کرنے کے باوجود نویرہ کے کہنے پر چائے اور دیگر اشیاء کا اہتمام شاکرہ کر لائی تھی۔

وہ واجدہ بیگم سے بھی ملی اسے ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی تھی۔ اسے ایک گھنٹہ ان لوگوں کے ہاں لگ گیا تھا۔

"یہ میرے ہزبینڈ کا کارڈ ہے میں اپنا نمبر لکھ دیتی ہوں میں پھر چکر لگاؤں گی۔ آپ کی عیادت کرنے آؤں گی پلیز آپ اس نمبر پر رابطہ کر کے اپنی خیریت سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔ مجھے پریشانی رہے گی یا پھر اپنا نمبر دے دیں میں خود ہی رابطہ کر لوں گی۔" زرش نے سیل نمبر لکھ کر نویرہ کو تھما دیا تھا۔

"ڈونٹ وری میں کال کر لوں گی۔"

"تھینکس۔"

وہ ابھی راستے میں ہی تھی کہ سمعان کی کال آگئی تھی۔ وہ اس کے اکیلے جانے پر پریشان ہو رہے تھے اور پھر جب وہ گھر پہنچی تو سمعان گاڑی کی ٹوٹی ہوئی ہیڈ لائٹس دیکھ کر پریشان ہوگیا تھا۔

"ایکسیڈنٹ کر دیا ہے کیا تم نے؟"

"بس ہلکا سا۔" اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے ساری تفصیل سنا دی تو سمعان خاموشی سے دیکھے گیا۔ اسے کچھ بھی سمجھانا فضول تھا کرنی تو اسے اپنی ہی مرضی تھی۔

اگلے دن وہ ایک بار پھر نویرہ کے ہاں گئی تھی۔ نویرہ بہتر تھی اور اس کا بیٹا بھی۔ اسے یہ فیملی بہت پسند آئی تھی۔ خاص طور پر نویرہ اور اس کا بیٹا۔ اس کی نویرہ کے شوہر سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اور پھر اس سے اگلے دن دونوں اسلام آباد پہنچ گئے تھے۔

وہ اسلام آباد سے واپس آئی تو پتا چلا کہ سعد باقاعدہ ان کے ہاں رہائش پذیر ہے بلکہ ماما پاپا خود جا کر تایا ابو کے پاس فرح کا ہاتھ بھی مانگ آئے ہیں اس کا ارادہ کراچی جانے کا تھا مگر سعد کا سن کر اس نے ارادہ بدل دیا تھا اور پھر دن اپنی رفتار سے گزرنے لگے تھے۔ سمعان کے ساتھ رہتے ہوئے وہ اکثر اپنے ہی جذبوں سے گھبرا کر اُلجھنے لگی تھی مگر کوئی جائے فرار نہ تھی۔

ایک دفعہ وہ پھر لاہور جا کر ٹیسٹ دے آئی تھی۔ ٹیسٹ اچھا ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ میرٹ پر آ جائے گی۔ داخلہ آرام سے مل جائے گا۔ بھابی اور عثمان بھائی نے بظاہر لاہور جا کر داخلہ لینے پر اعتراض تو نہیں کیا تھا مگر یہ بھی ضرور کہا تھا کہ۔

"جب اسلام آباد میں ہر طرح کا ادارہ موجود ہے تو اتنی دور لاہور جانے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔"

وہ تب چپ رہی تھی اور پھر جب رزلٹ کی آمد آمد تھی تو ماما کی مسلسل کالز آنے لگی تھیں کہ وہ ایک بار کراچی کا بھی چکر لگا لے وہ صرف سعد کی وجہ سے رُکی ہوئی تھی ورنہ اُڑ کر پہنچتی۔ شائستہ بیگم نے سمعان احمد سے زرش کو کراچی بھیجنے کی بات کی تو وہ فوراً رضا مند ہو گیا تھا۔ بلکہ اسے چھوڑنے خود آیا تھا۔ ائرپورٹ سے انہیں ریسیو کرنے کو سعد آیا تھا اور سعد جمال کو دیکھ کر زرش پر عجیب سا اضطراب طاری ہوا تھا۔

"کیسی ہو.....؟" سلام دعا کے بعد اس نے حال پوچھا تو وہ صرف گردن ہلا کر لاتعلق سی بن گئی تھی۔ سمعان نے زرش کا رویہ محسوس کیا تو سعد کو فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

گھر پہنچ کر بھی اس کا رویہ سعد کے ساتھ وہی تھا۔ سعد نے بڑی شدت سے محسوس کیا۔ جہاں سب نے معاف کر دیا تھا وہاں زرش کی اس لاتعلقی نے دل پر بڑا اثر کیا تھا۔

کھانے کے بعد سمعان اپنے گھر چلا گیا تو زرش بھی اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور شام کے وقت کچھ دیر آرام کے بعد کمرے سے باہر نکلی تو لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ ماما پاپا کے ساتھ سعد وہیں موجود تھا۔ چند باتوں کے بعد ماما اُٹھ کر کچن دیکھنے چلی گئیں تو پاپا بھی کمرے میں چلے گئے تھے۔

"تم ناراض ہو مجھ سے.....؟" سعد نے پوچھا تو زرش نے ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالی۔

ٹھیک ہے وہ سمعان کے ساتھ اب ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ سعد جمال کی وجہ سے ایک عذاب جھیل چکی تھی وہ ان لمحوں کی اذیت فراموش نہیں کر سکتی تھی۔ سعد جمال کی نیت کچھ بھی ہو مگر

اس کی ذات اس کے پاپا کو زندگی اور موت کی کشمکش میں دھکیل گئی تھی۔

"کیوں.....؟" وہی لاتعلق انداز۔

"زرش! میں نے وہ سب تمہارے اور سمعان کے لیے کیا تھا۔ خدا کی قسم میری نیت بالکل صاف تھی۔ اگر ممانی کی وجہ سے صرف تمہیں قبول کرنے کی بات ہوتی تو میں کبھی پیچھے نہ ہٹتا بے شک میری طرح سے ایپچ منٹ تھی مگر میں نے یہ قدم صرف تمہاری اور سمعان احمد کی فلاح کے لیے ہی اُٹھایا تھا۔"

"میں آپ سے کچھ پوچھ نہیں رہی اور نہ ہی آپ سے کوئی گلہ شکوہ کر رہی ہوں۔ میں ایک اذیت سے گزر چکی ہوں سب کے نزدیک حالات نارمل ہو چکے ہیں مگر کسی کی نظروں سے گر کر جینا کسے کہتے ہیں آپ میری اذیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے اس لیے آپ اس موضوع پر مجھ سے بات بھی نہ کریں۔ ماما پاپا کی وجہ سے اگر اسلام آباد میں ہوں تو اس بات کو ہی اہم سمجھیں اور آئندہ مجھ سے بات کرتے ہوئے اس سے پرہیز کیجیے گا، تلخی سے اپنے اندر کا غبار سعد پر اُلٹ دیا تھا اور سعد کچھ کہنے کی کوشش میں لب بھینچ گیا تھا۔ وہ اُٹھ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

پھر اس کے بعد سعد نے کوشش کی تھی کہ اسے مخاطب نہ کرے اور زرش بھی اپنی ذات میں مگن رہتی تھی۔ سمعان اگلے دن ہی واپس اسلام آباد چلا گیا تھا، زرش کا ارادہ چند دن رہنے کا تھا۔ انہی چند دنوں میں اس کا رزلٹ آ گیا تھا پہلے ٹیسٹ کا رزلٹ اور اس کے بعد امتحان کا، دونوں میں وہ بڑے بھرپور انداز میں کامیاب رہی تھی۔ خاص طور پر امتحان کے رزلٹ میں اس کی پہلی پوزیشن رہی تھی۔ اس نے جس حالت میں اور جن دنوں ایگزیمز دیئے تھے ایسے عالم میں ہمیشہ کی طرح ٹاپ کرنا۔ سب کے لیے بڑا سرپرائزنگ رہا تھا۔ ہر کسی نے خود آ کر یا فون کے ذریعے وِش کیا تھا۔ حتیٰ کہ فرح علی خود آ کر وِش کر کے گئی تھی ماما پاپا نے نقد انعام دیا تھا۔ دو تین دن وہ بس رزلٹ کے سلسلے میں ہی مصروف رہی تھی۔ عثمان بھائی اور بھابی نے بھی کال کر کے وِش کیا تھا۔ سمعان کام کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا تھا۔ کال تو تقریباً روز ہی کر لیتا تھا مگر جب سے رزلٹ اناؤنس ہوا تھا سمعان نے کال تک نہ کی تھی۔ لاشعوری طور پر وہ سمعان کی طرف سے سب سے پہلے وِش کیے جانے کی منتظر تھی مگر جوں جوں دن گزر رہے تھے اس کا دل بجھ گیا تھا۔

اسے بڑی شدت سے احساس ہوا کہ سمعان بدل رہا ہے۔ ورنہ اس سے متعلق ایک ایک بات کی خبر رکھنا سمعان اپنے لیے فرض سمجھتا تھا۔ اتنی بھرپور کامیابی کے باوجود اس کا دل بجھ گیا تھا۔ سب کی ستائش سب کا سراہنا والہانہ پن سمعان کے یوں نظر انداز کیے جانے پر اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

سارا دن سب کے ساتھ مصروف رہی تھی۔ نوشی، عفان بھائی اور ہادیہ آپا وغیرہ چلے آئے تھے سب کے اصرار پر وہ ان کو باہر ڈنر پر لے گئی تھی ایک بھرپور وقت گزار کر گھر واپس آ کر بھی اس کا دل خوش نہیں ہو پا رہا تھا۔ اسے اپنی شاندار کامیابی انتہائی زہر لگ رہی تھی۔ بستر پر لیٹتے ہوئے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئی تھیں۔

"سمعان....." اس کے لبوں سے سسکاری نکلی تھی۔ موبائل ہاتھ میں پکڑے وہ کئی ثانیے تک نمبر

ملائے یا نہ ملائے کی تکرار میں اُلجھی رہی تھی۔ اس نے خود سے کبھی سمعان سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس نے سمعان کا نمبر ملایا تھا، کال جا رہی تھی، بیل ہوئی تھی۔

"السلام علیکم....." سمعان احمد کی آواز سنائی دی تو ضبط کرتے کرتے بھی زرش کے لبوں سے سسکی برآمد ہوگئی تھی۔ اس نے ایک دم لائن ڈس کنکٹ کردی تھی۔ اگلے ہی پل سمعان نے کال کردی تھی۔ موبائل وائبریٹ کرتا رہا تھا اور وہ تکیے میں سر دیے اپنی جذباتیت کا گلا گھونٹنے میں لگی رہی تھی۔ مسلسل کوشش کے بعد سمعان نے کال کرنا بند کردی تھی۔ تب تک زرش نے خود پر بھی قابو پالیا تھا۔ اب رہ رہ کر اپنی جذباتیت یاد آرہی تھی۔ نجانے سمعان نے کیا سمجھا ہوگا۔ کم از کم اسے خود پر قابو رکھنا چاہیے تھا سمعان کی کال ریسیو کرنی چاہیے تھی۔ اپنے آپ سے لڑتے نجانے کب آنکھ لگی تھی اور پھر عجیب سے احساس سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

موبائل وائبریٹ کررہا تھا۔

"سمعان" کا نام اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔ سوئی جاگی کیفیت میں اس نے "یس" کا بٹن پش کردیا تھا۔

"ہیلو....." نیند سے بوجھل آواز میں گویا تھی۔

"تمہیں جب کبھی ملیں فرصتیں، میرے دل سے بوجھ اُتار دو
میں بہت دنوں سے اُداس ہوں مجھے کوئی شام اُدھار دو"

سمعان کا بھاری گمبھیر لہجہ اس کی سماعت میں گونجا تو وہ ایک دم ہربڑا کر اُٹھ بیٹھی تھی۔ کندھوں پر بکھرے بال ہاتھ سے پیچھے کرتے اس نے اپنی حواس باختگی پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔

"سمعان....." اس کے لبوں سے یہ نام اقرار بن کر پھسلا تھا۔ ایک ایسا اقرار جو اس کی بے قراری کا گواہ تھا۔ اس کی وحشت کا ترجمان تھا۔ اس کی چاہت کی اوس میں بھیگا لہجہ اس کی شدتوں کو آشکار کرنے کو بے چین تھا۔

مجھے اپنے روپ کی دھوپ دو کہ چمک سکیں میرے خال وخد
مجھے اپنے رنگ میں رنگ دو، میرے سارے رنگ اُتار دو
کسی اور کو میرے حال سے نہ غرض ہے نہ کوئی واسطہ
میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو، میں بگڑ گیا ہوں سنوار دو

ایسا گمبھیر جادو اثر لہجہ تھا کہ زرش کو لگا اس کی آواز گنگ ہوگئی ہے وہ اب بول نہیں پائے گی۔ وہ سمعان سے خفا تھی، دل میں اس کے رابطہ نہ کرنے، وش نہ کرنے پر ہزاروں، بدگمانیاں اور شکوے در آئے تھے مگر سمعان کی اس شدت سے پُر آواز کے اُتار چڑھاؤ نے اس کی زبان سے سارے گلے شکوے چُن لیے تھے۔

"میری وحشتوں کو بڑھا دیا، جدائیوں کے عذاب نے
میرے دل پہ ہاتھ رکھو ذرا، میری دھڑکنوں کو قرار دو"

کیسی خواہش تھی لہجے میں کیسے جذبات بول رہے تھے۔

الفاظ کا انتخاب اور آواز کا اتار تیز بہاؤ' بالکل جذبات کے ہم آہنگ تھا۔ ایک ایک لفظ مکمل معنویت لیے ہوئے تھا۔ اسے کبھی شعر وشاعری سے شغف نہ رہا تھا' مگر اب سمعان کی آواز میں یہ الفاظ سن کر اس کا دل گداز ہوا تھا۔ جذبوں کی لو بلند ہوئی تھی۔ سینے میں تلاطم برپا ہوا تھا۔

"کیسی ہو؟" اسی مخصوص محبت وتوجہ سے پوچھا جا رہا تھا۔ وہ تو ابھی تک آواز کے زیروبم اور گمبھیرتا سے ہی نہیں نکل پائی تھی۔ اس سوال پر دل کا گداز ایک دم آنسوؤں میں تحلیل ہوا تھا۔

"آپ کو اس سے کیا؟ میں جیو یا مروں۔" شکوہ لبوں پر در آیا تھا۔

"زرش! کبھی کبھی الزام لگانے میں بھی تم حد کر جاتی ہو۔" شکوہ اِدھر سے بھی لبوں پر در آیا تھا۔ وہ لب بھینچ گئی۔

"کال کیوں کی تھی اور پھر بات کیے بغیر بند کیوں کردی تھی؟ پر میں نے کئی کالز کیں اور تم نے ریسیو بھی نہ کی۔"

"دماغ خراب تھا میرا۔" وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ بات کو کس طرح سنبھالے سمعان ہنس دیا تھا۔

"اس میں کوئی شک بھی نہیں۔ اگر دماغ خراب نہ ہوتا تو نہ اس وقت میں اتنی دور ہوں ورنہ تم دماغ خراب ہونے کا اعتراف کرتیں۔ سمعان کا لہجہ خاصا خوش گوار تھا۔ وہ چند پل چپ رہی تھی اور پھر بتایا۔

"میرا رزلٹ آگیا ہے....."

"پتا ہے مجھے..... میں نے فون کیا تھا تو چچی جان نے بتایا تھا۔ فرسٹ پوزیشن مبارک ہو۔ اگر انسان نے محنت کی ہو تو اس کا اجر بھی ملتا ہے۔" بڑے سادہ سے انداز میں کہا گیا تھا زرش کے اندر کا سارا جوش، ساری خوشی ایک دم مرگئی تھی۔ اس کا دل چاہا ایک دم غصے سے فون پٹخ دے۔

"آپ کو کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ سب نے مجھے وش کیا ہے سوائے آپ کے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی لبوں سے یہ الفاظ پھسل گئے تھے سمعان ہنس رہا تھا۔

"تم میرے وِش کرنے کی منتظر تھیں؟"

"ظاہری بات ہے؟"

"میں نے سمجھا کہ جیسے ہمارا رشتہ ہے اس کی موجودگی میں میرا وش کرنا شاید اتنا امپورٹنس نہ رکھتا ہو۔ مجھے علم نہ تھا کہ تم منتظر ہو ورنہ سب سے پہلے میں ہی وش کرتا۔"

زرش نے اُلجھ کر موبائل کو دیکھا۔ آج سمعان کا انداز بدلا ہوا تھا۔ یا شاید اسے ہی لگا۔

"لاہور میں مزید کتنے دن رہنے کا ارادہ ہے؟" زرش نے بات بدل دی تھی۔

"کل واپس آرہا ہوں کام ختم ہوگیا ہے تقریباً۔"

"پھر واپسی پر کراچی آجایئے گا۔ میں تیار رہوں گی۔" اس نے آناً فاناً پروگرام بنایا تھا۔

"مگر تمہارا تو کچھ دن رُکنے کا ارادہ تھا۔" دوسری طرف سمعان کو حیرت ہوئی تھی۔ ایک خوش گوار سی حیرت۔

"نہیں بہت رہ لی۔ پھر داخلے وغیرہ کے لیے لاہور کا بھی چکر لگانا ہوگا۔ ماما پوچھ رہی تھیں کہ کہاں داخلہ لینا ہے اگر ان کو علم ہوا تو وہ اعتراض کریں گی۔ میں نے ان کو نہیں بتایا جب ایڈمیشن ہو جائے گا تو دیکھ لوں گی۔ آپ کل آ رہے ہیں نا پھر؟"

"ہوں....." دوسری طرف سے سمعان کا سنجیدہ انداز سنائی دیا تو نجانے کیوں دل کو دھڑکا سا لگا۔ پھر وہ چپ سی ہو گئی تھی۔

"زرش ایک بات کہوں.....؟"

"جی....."

"اُداس شامیں، اُجاڑ رستے، کبھی بلائیں تو لوٹ آنا
کسی کی آنکھوں میں رتجگوں کے عذاب آئیں تو لوٹ آنا
ابھی نئی وادیوں، نئے منظروں میں رہ لو مگر میری جان!
یہ سارے اک اک کر کے چھوڑ جائیں تو لوٹ آنا

سمعان کا وہی گمبھیر لہجہ گونجا تو وہ کئی ثانیے تک چپ سی رہ گئی تھی۔

"زرش تمہیں مجبوری نہیں مگر کبھی کبھار دل چاہتا ہے کہ جسے ہم اپنی جان سے بڑھ کر چاہتے ہیں وہ ہمارے قریب ہو، کچھ ہمارے بھی دل کی سنے، ہمیں سمجھے۔ زرش! تم دور تھیں تو اک احساس تھا کہ کبھی تو تمہیں میری محبت، اس کی شدت کا احساس ہوگا۔ مگر اس قدر قریب رہ کر بھی تم بے خبر جب رہتی ہو تو دل چاہتا ہے تمہیں جھنجوڑ دوں۔ پھر ایسا کر بھی گزروں مگر مزاج گوارا نہیں کرتا۔ تم پر کوئی مجبوری نہیں۔ مجبوری تو میری ہے جو تم سے دل لگا بیٹھا ہوں۔ مجبوری کے رشتے نبھانے بہت مشکل ہو جاتے ہیں زری! کبھی فرصت ملے تو سوچنا۔"

"ہم کو جدا نہ کر دے یہ ایک فرق ذرا سا
تم فاصلوں کے قائل، میں قربتوں کا پیاسا"

"سمعان....." زرش کے صرف ہونٹ ہی پھڑ پھڑا سکے تھے۔ آواز حلق میں ہی پھنس گئی تھی۔

"میں کل آ جاؤں گا..... تم اچھی طرح سوچ لو رزلٹ اتنا شاندار ہے پھر ٹیسٹ بھی کلیئر ہے ایڈمیشن وام سے ہو جائے گا۔ چچی اور باقی لوگوں کو میں فیس کر لوں گا۔ ڈونٹ وری یار!"

سمعان نے ایک لمحے میں ضبط کھویا تھا مگر اگلے ہی پل اپنے اس مخصوص بے پناہ کیئرنگ اور توجہ لیے انداز میں محوِ کلام تھا اور زرش اپنی جگہ گم صم سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ اس کے دل کی حالت جو تھی سمعان بے خبر تو نہیں ہوگا مگر خود سے اپنی کیفیت بیان کرنا بھی اسے نہیں آتا تھا۔

سمعان کی شدت' محبت کی صورت اس کے وجود پر پہرا کر رہی تھی اور وہ بے بس تھی۔ آنسو آہستگی سے اس کی آنکھوں سے بہتے چلے گئے تھے۔

"زرش....." سمعان نے پکارا تو اس نے لائن کاٹ دی تھی۔

اس نے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ لیے تھے اور شدت سے رُو دی تھی۔ سمعان احمد کی محبت اس کے

وجود پر ہی نہیں اس کے دل پر بھی پوری طرح قابض ہو چکی تھی اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی اب۔

✿.....✿.....✿

نواز شارق کے آفس گیا تھا۔ شارق اسی پرانے انداز میں ملا تھا مگر نواز نے جب رضا کے قصے کو چھیڑنا چاہا تو اس نے دوٹوک منع کر دیا تھا۔

"مائنڈ مت کرنا یہ میرا سراسر ذاتی معاملہ ہے میں اس میں کسی بھی تھرڈ پرسن کی مداخلت قطعی گوارا نہیں کرتا۔ تمہیں جن ریسورسز سے اس قصے کا علم ہوا ہے پہلے ان لوگوں کا دماغ کلیئر کرو کہ اب یہ قصہ صرف رضا اور نویرہ کا آپسی قصہ نہیں رہا۔ میری اور نویرہ کی آپسی جنگ ہے۔ میں اس کو کسی بھی طرح ہینڈل کروں۔ یہ میرا دردِ سر ہے۔" صاف اکھڑ، دوٹوک انداز تھا اور پھر شارق نے اس موضوع پر اس سے بات نہیں کی تھی۔ ایک دو دفعہ بڑی اماں کے ہاں بھی جانا ہوا تھا مگر نویرہ تو اس کی آمد پر اپنے کمرے میں بند ہو جاتی تھی۔ اس نے کتنی دفعہ کوشش کی کہ کسی طرح اس سے سامنا ہو جائے مگر وہ تو اس کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھی۔ اب صرف رضا حمید رہ جاتا تھا نواز نے سوچا کہ اس سے بھی بات کر کے چیک کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

نواز نے اس کے موبائل پر کئی بار رابطہ کیا مگر وہ ملتا ہی نہ تھا اس دن نواز نے اس کے گھر جانے کو ہی بہتر سمجھا تھا۔ شام کے بعد سب گھر پر ہی تھے۔ حمید چچا اور چچی سے کچھ دیر بات چیت کے بعد وہ رضا کو لیے اس کے روم میں چلے آئے تھے۔

"کیا چل رہا ہے آج کل اسٹڈی کے علاوہ.....؟" ٹیبل پر رکھی بکس کا جائزہ لیتے نواز نے پوچھا تو رضا نے کندھے اُچکا دیے۔

"کچھ خاص نہیں....."

"مزید کیا ارادے ہیں؟" نواز نے رضا کو دیکھا۔

"پتا نہیں..... ابھی کچھ پلان نہیں کیا۔"

"ہوں اچھی بات ہے۔ مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی تھی۔"

رضا نے چونک کر نواز کو دیکھا وہ سنجیدگی سے متوجہ تھا۔

"جی کہیے....." نواز کے چہرے سے کچھ بھی انداز نہ ہوا تو سر ہلا دیا۔

"تمہارا اور نویرہ کا یہ کیا قصہ ہے؟" نواز نے براہ راست رضا کی آنکھوں میں جھانکا تھا وہ ایک پل کو چونکا تھا اور پھر ایک دم تلخی سے لب بھینچ لیے۔

"آپ بہت ذاتی سوال پر نہیں اُتر آئے؟" تلخی سے اس نے کہا۔

"نہیں بالکل نہیں....." نواز نے فوراً انکار کیا تھا۔

"آپ سے اس سلسلے میں، میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"مگر میں کرنا چاہتا ہوں یہ صرف تمہارا ذاتی مسئلہ نہیں ہے اس سے نویرہ کی زندگی، زندگی بھر کی خوشیاں وابستہ ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ تم اس قدر خود غرض واقع ہوئے ہو کہ اس کی زندگی برباد کرنے

کا سبب ہو۔"

"میں نے کوئی زندگی برباد نہیں کی تھی۔ مگر صرف اپنی خواہش، اپنی فیلنگز کا اظہار کیا تھا۔" وہ ایک دم تلخی سے پھٹا تھا۔

نواز نے بڑے سکون سے اسے دیکھا۔

"وہ بھی غلط انداز میں اور غلط انسان کے سامنے۔ تم جانتے ہو شارق نوریہ کے معاملے میں کس قدر جذباتی ہے، اگر تمہیں میرے نوریہ سے شادی سے انکار کی وجہ کا علم ہو جائے تو تمہیں شارق کے مقابلے میں اپنی فیلنگز محض حماقت محسوس ہوں۔"

"جانتا ہوں، میں سب کچھ۔" وہ آتش فشاں کی طرح پھٹا تھا اور نواز حیران رہ گیا تھا۔

"مجھے سب پتا ہے آپ نے شادی سے انکار کیوں کیا تھا اور شارق زمان نے کس طرح ان کو ٹریپ کرنے کی کوشش کر کے یہ شادی ختم کروائی تھی۔"

"تمہیں کیسے علم ہوا..... کیا شارق یا نوریہ نے؟" حیرت کے بعد استفسار ہوا تھا۔

"نہیں..... آپ کو علم ہوگا ایک دفعہ لاہور آئے تھے اور آپ کی امی آپ سے ملنے اکیڈمی گئی تھیں۔ اس دن میں بھی اکیڈمی چلا گیا تھا جب علم ہوا کہ آپ آئے ہوئے ہیں تو میں آپ سے ملنے آیا تھا اور پھر آپ کی اور چچی کی ساری گفتگو سن لی تھی۔"

"اوہ....." نواز نے چند پل اسے دیکھا تھا۔ "جب تمہیں سب علم ہو گیا تھا تو پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟"

ایسا تھا کہ رضا کے اندر اضطراب بکھرتا چلا گیا تھا۔

"مجھے نوریہ کے لیے شارق زمان کی دھوکہ دہی اور کمینگی برداشت نہیں ہوئی تھی۔ میرا بس نہیں چلتا تھا کہ میں نوریہ کی زندگی سے شارق زمان کو نکال پھینکوں۔ میں نوریہ کو رسواء نہیں کرنا چاہتا تھا مگر ان دنوں میرے ذہن و دل پر اک بھوت سوار تھا کہ کسی بھی طرح چاہے نوریہ سے بدظن کر کے ہی سہی میں شارق زمان کو اس سے علیحدہ کر دوں، ان جیسی پاک، صاف، اچھی لڑکی کے ساتھ ان جیسا کرپٹ آدمی کا تصور بھی مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا اور ایسے عالم میں رمشاء کا رویہ وہ سب جانتی تھی مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ اسے خود سے دور رکھنے اور نوریہ کو اپنی زندگی میں داخل کرنے کی خواہش میرے اندر کیسے مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے۔ وہ مجھے غصہ دلاتی تھی تو مجھے اس سے نفرت ہوتی تھی پھر میں نے وہ سب کیا جو شارق زمان کو نوریہ سے متنفر کرنے کا سبب بن سکتا تھا۔ میں شارق زمان سے ملا انہیں اپنی فیلنگز بتائیں مگر وہ اس حد تک تنگ نظر واقع ہوں گے مجھے اندازہ نہ تھا۔ نتیجہ میری خواہش کے مطابق تھا مگر....." وہ خاموش ہو گیا تھا اور نواز گم صم انداز میں اسے صرف سن رہا تھا۔

"نوریہ کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھ کر میرا جی چاہا کہ میں ہر طرف آگ لگا دوں۔ میں اپنے ہی جذبات سمجھنے سے قاصر ہوں۔ نوریہ کو رسواء کروا کر میں اسے نہیں پا سکتا تھا۔ نوریہ نے جن نفرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا تھا ان کا ہاتھ میری طرف اٹھا تھا اس کے بعد میرے اندر سے ہر

خواہش رخصت ہو گئی تھی۔ پھر تو بس ایک ضد اور انا برقرار تھی مگر اب لگتا ہے میں خود سے لڑتے لڑتے تھک گیا ہوں۔ امی نوریہ کے بارے میں اکثر ذکر کرتی رہتی ہیں، اس کی بربادی کا ذمہ داری مجھے ٹھہراتی ہیں مگر۔" وہ لب بھینچ کر خاموش ہو گیا تھا۔

نواز نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

"اب اس سارے مسئلے کا حل بتاؤ.....؟" کچھ توقف کے بعد پوچھا تو وہ بھی سر ہلا گیا۔

"نوریہ تمہیں پتا ہے اب کس مقام پر ہے۔ وہ ہم سب سے نفرت کرنے لگ گئی ہے۔ شارق، مجھ سے اور تم سے ہی نہیں اس نے اپنی فیملی تک کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میری بڑی اماں سے بات ہوئی تھی وہ بتا رہی تھیں کہ نوریہ طلاق کی بات کر رہی ہے۔ وہ شارق کے ساتھ کسی بھی قسم کی مصالحت کے حق میں نہیں اور شارق وہ نہ اسے چھوڑنے کا ارادہ رکھتا ہے اور نہ ہی بسانے کا۔ تمہاری جذباتیت نے اس کی زندگی برباد کر دی ہے۔ میری طرف سے اسے جو دھچکا لگا جو بھی زیادتی ہوئی وہ سنبھل گئی تھی مگر تم نے تو اس کے اندر سے جینے کی اُمنگ تک چھین لی ہے۔ بہت بُرا کیا تم نے یار، کسی سے کہتے مجھ سے ہی رابطہ کرتے۔ میں کوئی بہتر سبیل نکالتا۔ کم از کم تم اس حماقت اور جذباتیت کا ثبوت تو نہ دیتے۔" نواز فاروق نے بڑی بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

"اب اگر تم لاکھ بار بھی کہو کہ تم نے غلط کیا محض شارق سے نوریہ کو متنفر کرنے کا ارادہ تھا مگر شارق کے دماغ کو کلیئر کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ تم نے اس کی وہ جذباتیت نہیں دیکھی جو شادی سے پہلے وہ نوریہ کے لیے کر چکا ہے۔ تم نے تو محض سنا تھا میں نے دیکھا بھی اور سمجھا بھی۔ نوریہ جیسی لڑکی قسمت سے کسی کو ملتی ہے اور وہ مجھے مل رہی تھی میں مطمئن بھی تھا مگر مجھے انکار کرنا پڑا محض اس لیے نہیں کہ شارق کے منہ سے اس کے اعترافات سن کر میں نوریہ سے بدظن ہو گیا تھا بلکہ اس لیے کہ عورت ذات ایک نسل کی امین ہوتی ہے شارق نوریہ کے لیے جس حد تک جا چکا تھا۔ جس طرح اس نے آرام سے درمیان سے نکلنے کی مجھ سے درخواست کی تھی میں نے بہت سوچا اور نکل جانا ہی بہتر سمجھا کہ نوریہ کے لیے شارق زمان ایک بہت وفادار اور محبت کرنے والا جیون ساتھی ثابت ہوگا۔ شارق نوریہ کے لیے جو بھی قدم اُٹھا چکا تھا اگر وہ سب جانتے بوجھتے بھی میں نوریہ سے شارق کے حق میں رہتا تو یقیناً شارق کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔ اس نے جس طرح کی لائف گزاری ہے عورت سے متعلق اس کے دماغ میں جو تصور ہے اس کی موجودگی میں وہ نوریہ کے حصول کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا حتیٰ کہ خاندانی نجابت کو بھی کوئی اہمیت نہ دیتا اور میں نے اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے منظر سے ہٹ جانا مناسب سمجھا تھا۔ میں اب لاہور واپس آیا تھا تو گمان بھی نہ تھا کہ ایسے حالات ہو چکے ہوں گے۔ ابو کو منانا بہت مشکل مرحلہ تھا۔ امی نے ابو کو ساری حقیقت بتا دی تھی میرے منع کرنے کے باوجود اور اس طرح مجھے معافی مل گئی۔ رومیسہ بہت اچھی بیوی ہے ایک اچھی دوست ہے۔"

نواز نے چپ چاپ سر جھکائے بیٹھے رضا کو دیکھا تھا صرف ایک پل۔

"یار..... محبت صرف پا لینے کا نام ہی تو نہیں۔ دینے اور بانٹنے کا نام بھی محبت ہے۔ میں مانتا ہوں تم

جس اذیت میں ہو۔ میں تمہارے سب جذبوں کو قبول بھی کرتا ہوں مگر سچ سچ بتاؤ اگر تم زبردستی نویرہ کو شارق سے علیحدہ بھی کروا دو تو کیا نویرہ تمہیں کبھی قبول کرلے گی؟" رضا نے نواز کو دیکھا۔ آنکھوں میں ایک دم بے بسی اُتر آئی تھی۔

"وہ مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہیں کہ اگر ان کا بس چلے تو شاید میرا وجود ہی اس دنیا سے مٹا دیں۔" صاف گوئی سے اعتراف کیا تھا۔

"تو پھر تمہیں کیا حاصل ہوا یہ سب کر کے؟ بہت غلط کیا تم نے۔ جس سے سچی، حقیقی محبت ہو اسے تو ذرا سی تکلیف دینا بھی دل گوارا نہیں کرتا تم نے کیسے گوارا کرلیا؟"

رضا کو لگا یہ آخری ضرب تھی جو اسے اپنی ہی نظروں سے مکمل طور پر گرا چکی تھی۔ اس سے پہلے وہ خود کو حق پر ہے کہہ کر کوئی نہ کوئی جھوٹی تسلی دے کر مطمئن کر دیتا تھا مگر اب نواز کی باتوں نے ضمیر کو ایک دم جھنجوڑ دیا تھا۔

"نویرہ تم سے کبھی محبت نہیں کرے گی۔ وہ کبھی تم سے بات تک کرنا گوارہ نہیں کرے گی۔ وہ جو پہلے تمہیں اہمیت دیتی تھی، تم سے محبت وانسیت کا مظاہرہ کزن ہونے کے، ناتے کرتی تھی وہ اب نفرت کا اظہار کرے گی۔ تم نے یہ سب کبھی نہیں سوچا کہ وہ کس اذیت میں ہے؟ شارق نے پوری دنیا سے لڑ کر اسے حاصل کیا تھا اس کے یوں متنفر ہو جانے سے اس کی ذہنی سطح کیا ہوگی؟ اس کا کیا فیصلہ ہوگا؟ جس طرح نبیل ناراض ہے اس کے گھر والے اسے قبول بھی کریں گے یا نہیں اور اگر نہیں کریں گے تو خاندان بھر میں اس کی ذات پر لوگ کیسے اُنگلیاں اُٹھا سکتے ہیں؟ جس کا کردار بے داغ رہا ہو وہ کیسے اتنا بڑا الزام سہہ پائے گی۔ کچھ تو سوچا ہوتا تم نے.....؟"

وہ اسی طرح مجرموں کی طرح گردن جھکائے بیٹھا رہا تھا۔ نواز نے لوہا گرم دیکھ کر ابھی سے چوٹ لگانا بہتر سمجھا تھا۔ جو کاری رہی تھی۔

"تم اب شارق کو جا کر سب سچ بھی بتا دو۔" (حقیقتاً نواز ایسا ہی چاہتا تھا اب صرف یہی قدم شارق اور نویرہ کے اُلجھے معاملے کو سلجھا سکتا تھا) "اسے لاکھ یقین بھی دلا دو کہ تم نے نویرہ کے معاملے میں دروغ گوئی سے کام لیا تھا تمہارا مقصد محض اسے نویرہ سے دور کرنا تھا یا جو بھی تھا کیا شارق سب سچ مان لے گا۔ فرض کرو وہ سچ مان بھی لے تو کیا نویرہ اب اسے قبول کرے گی کیا وہ طلاق لینے کے مطالبے سے دستبردار ہوگی اور سارا خاندان کیا وہ نویرہ کی طلاق کے معاملے پر اصل وجہ جاننے کی کوشش نہیں کرے گا؟ اور جب سب کے علم میں تمہاری جذباتیت اور شارق زمان کا رویہ آئے گا تو سچ سچ بتانا اپنی ہی نظروں سے کون گرے گا؟ لعنت و ملامت کس کے حصے میں آئے گی؟ طلاق لینے کے بعد یقیناً نویرہ تمہارے لیے تو کبھی ہاں نہیں کہے گی اگر وہ دوسری شادی بھی کرے تو اس کی آئندہ زندگی پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں کچھ تو سوچا ہوتا یار.....؟"

وہ اسی طرح چپ چاپ سب سنتا رہا تھا۔

"پھر بھی میرا تمہیں مشورہ ہے۔ اگر واقعی تم نویرہ سے حقیقی محبت کے دعویدار ہو تو تم شارق کے پاس

جاؤ اسے سب کلیئر کرو۔ اسے بتاؤ کہ تم کہاں کہاں غلط تھے اور کیا کیا بہتان باندھ چکے ہو۔ اگر وہ واقعی نویرہ سے محبت کرتا ہے تو وہ پہلے کی ہی طرح اس سے متعلق جذباتی ہو تو وہ کبھی بھی اپنا گھر مزید برباد کرنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ وہ جذباتیت کو ایک طرف رکھ کر اصل صورت حال پر غور ضرور کرے گا کہ اب اس کے پاس اور آپشن بھی نہیں رہا سوائے مصالحت کے۔ رہ گئی نویرہ اصل فیصلہ اب اس کا ہے۔ اگر شارق نے مصالحت کی کوشش کی تو وہ کیا فیصلہ کرتی ہے۔ اس کے بارے میں مجھے ڈاؤٹ ہے۔ حالات انسان کو بہت تبدیل کرتے ہیں۔ ایک کمزور انسان کو بہت بہادر اور بہادر کو ڈرپوک بنا دیتے ہیں۔ آخری فیصلہ تو نویرہ ہی کرے گی کم از کم تمہاری ذات تو اپنے ضمیر کے سامنے سرخرو ہو جائے گی کہ تم نے محض جذباتیت میں جو غلطیاں کی تھیں ان کو سنوارنے کی اپنی سی کوشش کی تھی۔ باقی اللہ پر چھوڑو اور وہ سب سے بڑا کارساز ہے۔"

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے اسے تسلی دیتے اس سب کے لیے آمادہ کرتے کہا تو رضا نے بس خاموشی سے نواز فاروق کو دیکھا تھا۔

دوئم

بچے کی پیدائش اور عقیقے کے بعد اماں دو تین بار اسے لینے آئی تھیں مگر وہ ضد پر قائم تھی کہ اگر لے جانا ہے تو ہمیشہ کے لیے لے جانا ہوگا ورنہ نہیں جانا اس دن بھی اماں لینے آئیں تو اس نے وہی ضد رکھی تھی۔ رفعت پہلے ہی شاکڈ اور اُلجھی بیٹھی تھیں۔ نویرہ اور شارق زمان کو سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھیں مگر مسئلے کا کوئی حل نہیں نکل رہا تھا۔ نویرہ کی وہی ضد دیکھی تو غصہ بھی آیا اور دکھ بھی ہوا۔

شارق نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ''نویرہ جس بھی عدالت میں جانا چاہتی ہے، چلی جائے مگر وہ اسے طلاق نہیں دے گا، اب بات ضد کی ہے۔''

اور نویرہ اس نے بھی ضد پال رکھی تھی کہ ''وہ نہ چھوڑے مگر وہ بھی اسے مزا چکھا کر رہے گی۔ چاہے اسے کسی بھی حد تک جانا پڑے وہ اب پروا نہیں کرے گی۔''

اماں لینے آئیں تو واجدہ بیگم اور رفعت دونوں نے اسے ان کے ساتھ چلے جانے پر زور دیا تھا نجانے اس کے دماغ میں کیا سمائی کہ اس نے ان کی بات مان لی تھی مگر ساتھ میں شرط بھی عائد کردی تھی۔

''ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں مگر یاد رکھیے گا اب میں اس مسئلے کو ضرور اُٹھاؤں گی۔ نبیل بھائی اور ساجد بھائی کے سامنے رکھوں گی۔ تنہا میں ہی سزا کیوں جھیلوں جو مجرم ہے اسے بھی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ رہ گیا طلاق کا مسئلہ اگر شارق یوں نہیں مانتا تو ٹھیک ہے کورٹ عدالت ہی سہی مگر میں اب کسی کے کہنے پر اپنا آپ برباد نہیں کروں گی۔''

اماں نے بڑی بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔ کتنا بدل گئی تھی نویرہ۔ ان کے آنکھ کے اشارے کو سمجھنے والی ان کی چہیتی بیٹی کیسے ضد پر اُتری ہوئی تھی۔ نویرہ کی ضد کو دیکھتے ہوئے انہوں نے بھی سوچا تھا کہ نبیل نہ سہی ساجد سے فون پر اس معاملے کو ضرور ڈسکس کریں گی۔ شاید وہ کوئی بہتر حل نکال لے۔ نویرہ کو سمجھا لے یا کم از کم پاکستان آ کر حالات کا جائزہ لے کر کچھ کر لے۔ نبیل کی نسبت انہوں نے ساجد سے معاملہ بیان کرنے کا سوچا تھا اور اب..... نویرہ بچے کے ساتھ ان کے ہاں آ گئی تھی۔ شارق گھر پر نہیں تھا ورنہ شاید وہ بچے کو لے جانے پر اعتراض ضرور کرتا۔ اس کی غیر موجودگی میں اماں آئی تھیں اور اب وہ ان کے ساتھ اپنے گھر پر تھی۔

شام کے وقت نبیل گھر آیا تو چونکا تھا کافی عرصے بعد نویرہ ان کے ہاں آئی تھی۔ سلام دعا اور حال

دوئم

چال کے بعد اس نے زیادہ بات چیت تو نہ کی تھی مگر نویرہ کو دیکھ کر مطمئن بھی ہوا تھا۔ ورنہ نبیلہ ہر وقت احساس دلاتی رہتی تھی کہ نویرہ نے اس کی وجہ سے میکے کو چھوڑ دیا ہے وہ اِدھر چکر نہیں لگاتی۔

غصہ اور جھگڑا تو شارق سے تھا مگر اپنے اندر کی ساری بھڑاس وہ نویرہ پر نکالتا تھا اسے کچھ نہ کچھ کہہ کر اب وہ اتنا عرصہ اِدھر نہیں آئی تھی تو احساس ہوا تھا کہ اس کے ساتھ کس قدر زیادتی ہو رہی ہے۔ ہر طرف سے صرف نویرہ کی ہی ذات پس رہی تھی۔

اندرونی طور پر نویرہ کی آمد پر کچھ اطمینان سا محسوس ہوا تھا۔ ورنہ صرف طبیعت کا بوجھ ہی نہیں بڑھا تھا بلکہ ذہن کا اضطراب اور خلفشار بھی بڑھ گیا تھا خوامخواہ طبیعت ہر ایک سے اُلجھنے لگی تھی اور اب نویرہ کو دیکھ کر کچھ اطمینان ہوا تھا۔ ضمیر پر پڑا بوجھ ایک دم سرکنے لگا تھا۔

شام کے وقت وہ بچے کو لے کر بیٹھی ہوئی تھی کہ کال آ گئی تھی۔ اس نے ریسیو کی تو دوسری طرف شارق زمان تھا۔ وہ حیران ہوئی اس کی آواز سُن کر۔

''تم کس سے پوچھ کر گئی ہو.....؟'' چھوٹتے ہی یہ سوال ہوا تھا اور نویرہ حیران رہ گئی تھی۔ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود اس شخص کے حوصلے بلند تھے کہ بجائے اپنے فعل پر شرمندہ ہونے کے اُلٹا اسی سے بازپرس کی جا رہی تھی۔ یعنی اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

''کیوں.....؟''

''اس گھر میں آنے کے لیے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔'' اگلے ہی پل حیرت سے نکل کر اس نے غصے سے باور کروایا تھا۔

''نویرہ بیگم! یہ مت بھولو کہ تم ابھی بھی میری بیوی ہو۔ تمہیں کہیں بھی جانے آنے کے لیے میری اجازت درکار ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھ سے پوچھے بغیر تم میری اولاد کو کیسے کہیں لے جا سکتی ہو؟''

''میں ایسے کسی بھی احمقانہ حق کو تسلیم نہیں کرتی۔ جب میں تمہارے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی۔ اپنے نام سے جڑا تمہارا نام نہاد نام بھی اُتار دینا چاہتی ہوں تم کس حق کی بات کرتے ہو۔ رہ گئی بچے کی بات تو جہاں ماں جائے گی تو بچہ بھی ساتھ ہی رہے گا۔ میں ابھی اتنی مجبور بھی نہیں ہوئی کہ تمہارے ہر طرح کے سلوک کو برداشت کرتے، ہر الزام کو سہتے ہوئے بھی تمہارے گھر میں رہوں۔ جب تک مجھے مجبوری تھی میں نے رہ لیا اب مزید نہیں۔ رہ گئی طلاق کی بات تو وہ تو تمہیں مجھے ہر حال میں دینا ہوگی۔ اس طرح نہیں تو عدالت کے ذریعے ہی سہی۔ میں اب ڈرنے والی نہیں ہوں۔''

''تم مجھے دھمکیاں نہ دو۔ میں بھی دیکھ لوں گا تم کیا کچھ کر سکتی ہو؟ یہ عدالت کورٹ کچہری تمہارے بس کا کام نہیں۔ اب بات ضد کی ہے مجھے اپنے بچے سے بڑھ کر اب کوئی چیز عزیز نہیں۔ تم جس طرح گئی ہو خاموشی سے واپس آ جاؤ۔ میری مجبوری یہ ہے کہ میں اپنے بچے کے لیے سب برداشت کرنے پر مجبور ہوں۔'' شارق زمان کی بات نے نویرہ کو لگا کہ اس کے اندر اِک آگ لگا دی ہے، وہ چیخ سی گئی تھی۔

"ہاں میں نے بھی صرف اور صرف بچے کے لیے یہ ساری ذلت برداشت کی ہے ورنہ....."

"تم واپس آ رہی ہو یا نہیں.....؟" دوسری طرف سے بڑے تحکم سے پوچھا گیا تھا۔

"نہیں..... کبھی بھی نہیں۔ تم چاہے اب کوئی بھی چال چل لو۔ کچھ بھی کرلو، میں اب واپس نہیں آؤں گی۔"

"چلو دیکھ لیتے ہیں نویرہ بی بی۔ تمہاری یہ ضد بھی کہاں تک قائم رہتی ہے۔" غصے و تنفر سے جتاتے اس نے کال بند کردی تھی اور نویرہ کتنی دیر تک بے بسی سے اپنی جگہ جمی رہ گئی تھی۔

"کیا کرلے گا اب یہ شخص..... میں اب بھی وہی نویرہ ہوں..... بدل نہیں گئی..... میں بھی دیکھتی ہوں اس دفعہ اس کا ظرف میرے لیے کیا ڈرامہ کھیلتا ہے۔" غصے سے سوچتے ریسیور کریڈل پر پٹخ کر پلٹی تھی مگر اپنے سے ایک قدم کے فاصلے پر کھڑے وجود کو دیکھ کر اپنی جگہ جم سی گئی تھی۔ نبیل بھائی غضب میں ہی کھڑے تھے ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے کھڑے تھے۔

"آپ.....؟"

"یہ سب کیا معاملہ ہے.....؟ اور طلاق کا کیا قصہ ہے؟" نبیل کے تیوروں سے لگ رہا تھا کہ وہ نویرہ کی ساری گفتگو سُن چکا تھا۔ وہ چپ رہی تھی وہ خود چاہتی تھی کہ نبیل وغیرہ کو اس معاملے میں انوالو کرکے یہ قصہ ختم کرے مگر نبیل کی جذباتیت نے اس لمحے خوف زدہ کیا تھا اسے کچھ بھی کہنے کو روکا تھا۔

"تم کچھ بھی نہیں....." اماں سے لاکھ ناراض سہی مگر خود بھی نبیل کو کچھ بھی بتانے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔

"تم شارق کا گھر چھوڑ آئی ہو؟" بڑے یقین سے پوچھا گیا تھا۔

"ہوں....." وہ صرف سر ہلا گئی۔

"کیوں.....؟" سوال ایسا تھا کہ اب کچھ کہے بناء چارہ نہ تھا۔

"وجہ اماں سے پوچھیں۔ وہ سارا قصہ جانتی ہیں۔ اب تو کافی دیر ہوچکی ہے وہ گھر تو میں بہت پہلے چھوڑ آئی تھی بلکہ نکال دیا گیا تھا۔ اب وہ شخص اپنے بچے کی وجہ سے کمپرومائز کرنا چاہتا ہے مگر میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔ ساری تفصیل اماں سے پوچھیں اب تک جو کچھ بھی ہوچکا ہے۔ ان کی مرضی سے ہی ہوا ہے۔" وہ کہہ کر ایک دم وہاں سے نکل گئی تھی اور نبیل کو کچھ سمجھ نہیں آئی تھی مگر اتنا وہ سمجھ چکا تھا کہ شارق اور نویرہ کے درمیان صورت حال خاصی پیچیدہ ہے۔

❁.....❁.....❁

لاہور ایڈمیشن ہونے اور یہاں آکر قیام کرنے کے معاملے میں ماما' پاپا سمیت سب نے ہی اعتراض کیا تھا مگر سمعان نے ہی سب کو ہینڈل کیا تھا اور اس طرح وہ لاہور چلی آئی تھی۔ سمعان اس کے ساتھ تھا۔

وہ لاہور اپنی ذاتی رہائش گاہ میں ہی ٹھہرے تھے۔ چوکیدار اور اس کی فیملی ساتھ ہوتی تھی۔ سمعان نے چند ہی دنوں میں ڈرائیور کا بندوبست کروادیا تھا۔ کلاسز اسٹارٹ ہونے تک سمعان اس کے ساتھ

ہی رہا تھا مگر پھر کام کے سلسلے میں وہ اسلام آباد چلا گیا تو پہلی دفعہ اپنی فیملی اور سمعان کے بغیر رہنے کا تجربہ اس کے لیے خاصا تکلیف دہ تھا مگر وہ خود کو ہر طرح سے اپنے فیصلے پر جمے رہنے پر مضبوط کرتی رہی تھی۔

چوکیدار کی بیوی اور بچے تو ہوتے تھے مگر وہ تنہائی محسوس کرتی تھی۔ یونیورسٹی سے آکر اتنا بڑا گھر اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ سمعان فون پر ہر وقت رابطے میں رہتا تھا مگر سمعان کی غیر موجودگی پھر بھی ہر وقت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے یونیورسٹی سے آکر گھر فون کیا تو ماما نے خوش خبری سنائی کہ تایا جان سعد کے لیے فرح کے رشتے پر راضی ہوگئے ہیں۔ بات خوش کن تھی، خوشی تو اسے بھی ہوئی تھی یہ اور بات تھی کہ اس نے برملا اظہار نہ کیا تھا۔ سعد ابھی بھی سعود احمد کی طرف رہ رہا تھا۔ درحقیقت سعید احمد نے سعود احمد کے بار بار جانے پر ہاں کہہ دی تھی مگر بات ابھی ان لوگوں میں ہی تھی۔ زیادہ چرچا نہ ہوا تھا۔ شائستہ بیگم نے یہ بھی بتایا تھا کہ طاہرہ بیگم کسی طور بھی سعد اور فرح کے رشتے کے حق میں نہیں ہیں۔ سعید احمد نے خود سے ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔

زرش کو یہ سُن کر دُکھ سا ہوا تھا۔ فرح سے اسے کوئی دشمنی نہ تھی۔ نوشی کی طرح عزیز تھی مگر صرف طاہرہ بیگم کی نفرت نے کتنا دور کرڈالا تھا دونوں کو۔ سعد کو دیکھ کر دل میں جو غصہ اُمڈ آیا تھا اب تو وہ بھی نہیں رہا تھا بے شک خود سے سعد کو مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مگر اس رشتے کی طرف سے وہ بھی منتظر تھی کہ جواب مثبت ہی ہوگا۔

سب ہی سعد کے حق میں تھے سوائے طاہرہ بیگم کے اور اب؟

"مجھے فکر سی ہو رہی ہے۔ طاہرہ بیگم کے رویّے سے۔ بھائی صاحب نے ہاں تو کہہ دی ہے مگر طاہرہ کے تیور اچھے نہیں تھے۔ ہم جتنی بار بھی گئے ہیں اس نے کمرے سے نکل کر سلام دعا تک کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ "بچی کا معاملہ ہے اللہ خیر کرے۔" ماما اپنے خدشات کا اظہار کر رہی تھیں اور زرش خاموش ہی رہی تھی۔

"ان شاء اللہ بہتر ہی ہوگا۔ آخر کب تک وہ ایک ہی گیم کھیلتی رہیں گی۔ کبھی تو انہیں احساس ہوگا کہ وہ غلط کر رہی ہیں۔ ہر بار ان کو تایا ابو برداشت کرلیں یہ بھی ناممکن ہے۔ تایا ابو نے اگر ہاں کہی ہے تو یقیناً ہر پہلو پر غور کرکے ہی ہاں کہی ہوگی۔ کوئی نہ کوئی حل تو نکالا ہی ہوگا انہوں نے۔" ماں کے تفکر کے جواب میں اس نے دلاسا دیا تھا۔

"ہاں کچھ نہ کچھ تو سوچا ہی ہوگا۔ دونوں بیٹے دور ہیں ان سے، ساری عمر انہی بچوں کے لیے تو وہ سب برداشت کرتے رہے ہیں۔ اب بیٹی کا معاملہ ہے۔ وہ طاہرہ کو کوئی اور کھیل کھیلنے نہیں دیں گے۔ اب بات ان کی اپنی بیٹی کی عزت کی ہے۔"

"فکر نہ کریں سب ٹھیک ہوجائے گا۔" اپنی طبیعت کے برعکس اس نے تسلی دی تھی۔ پھر اس کے بعد چند باتیں روز کی تھیں اور پھر فون بند کردیا تھا۔

اس کے بعد وہ کافی دیر تک طاہرہ بیگم کی ذات کو بھی سوچتے الجھتی رہی تھی۔

دوئم

نبیل اماں کے پاس چلا آیا تھا اور اماں سے سب اُگلوا کر ہی دم لیا تھا اور اس کے بعد غم و غصے سے اس کا بُرا حال تھا۔

''اماں! بہت غلطی کی آپ نے یہ سب چھپا کر۔ وہ اتنا کچھ سہ کر چپ چاپ ہے اور آپ نے خبر تک نہ ہونے دی۔ اتنے بے غیرت نہیں تھے ہم کہ وہ ہماری عزت سے کھیلنے کے بعد یوں ذلیل کرنے پر اُتر آیا ہے۔ اماں! بہت بُرا کیا آپ نے، میں رضا اور شارق دونوں کو نہیں چھوڑوں گا۔'' اور اماں اس کے غیظ و غضب کو دیکھ کر دہل سی گئی تھیں، دہل تو نویرہ اور نبیلہ بھی گئی تھیں۔

''میں اب عدالت میں اس کے خلاف خلع کا مقدمہ دائر کروں گا، دیکھتا ہوں وہ کیسے طلاق نہیں دیتا۔ اتنا بے غیرت سمجھ رکھا ہے اس نے ہمیں۔'' یہ حتمی فیصلہ تھا۔ نویرہ نے سکھ کا سانس لیا۔ جذباتیت سے ہٹ کر وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ خلع کا مقدمہ آرام سے طے ہو جائے ورنہ وہ کس حد تک جا سکتی تھی اس نے سوچ تو لیا تھا۔

''اگر وہ پھر بھی نہ مانا تو۔'' اب اماں کے پاس اعتراض کا کوئی پہلو نہ رہا تھا۔ نویرہ کی ضد اور نبیل کے تیوروں سے انہوں نے اس درمیان کی راہ کے انتخاب کو قبول کر لیا تھا۔

''نہ مانے..... پھر وہ جس انداز سے مانے گا وہ اختیار کر لوں گا۔ ہماری شرافت سے وہ ناجائز فائدہ اُٹھا رہا ہے اور رہ گیا رضا اس سے بھی اچھی طرح نمٹ لوں گا۔ بے غیرت کمینہ انسان.....'' غصے سے وہ سنا کر گھر سے نکل گئے تھے۔

اماں نے نویرہ کو دیکھا تو وہ لب بھینچ کر ان کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔ اماں کل سے اس سے سخت ناراض تھیں۔ اگلی صبح رفعت باجی چلی آئی تھیں۔

''شارق بہت ناراض ہو رہا تھا کہ یوں تمہیں یہاں آنے دیا ہے۔ رات نبیل کی بھی کال آئی تھی دونوں ایک دوسرے کو دھمکیاں دے رہے تھے اور پھر اماں کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ کہہ رہی تھیں کہ تمہیں لے آؤں۔ انہیں خوف ہے کہ کہیں شارق اور نبیل غصے میں کوئی انتہائی قدم نہ اُٹھا لیں۔'' آتے ہی انہوں نے اماں اور بھابی کے سامنے سب کہہ سنایا تھا۔

''نہیں، میں نہیں جاؤں گی۔ میں وہاں سے سب سلسلے بہت پہلے توڑ کر نکلی تھی جب شارق نے خود مجھے اپنے گھر سے نکل جانے کو کہا تھا۔ دوبارہ اگر میں وہاں گئی بھی تھی تو یہ میری مجبوری تھی اب میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ رہ گئی نبیل بھائی کی بات تو میں انہیں سمجھاؤں گی۔ سیدھے سے خلع کا مقدمہ دائر کر کے علیحدگی اختیار کی جا سکتی ہے تو میں کیوں دوسرے بکھیڑوں میں اُلجھوں۔ آپ اماں کو جا کر کہہ دیں میں اب وہاں نہیں آؤں گی۔''

اس نے دوٹوک انداز میں انکار کر دیا تھا انہوں نے بڑی کوشش کی تھی بعد میں بھی اسے سمجھانے، قائل کرنے کی اپنا موقف سمجھانے کی، مگر نویرہ کی ''ناں''، ''ہاں'' میں نہیں بدلی تھی اس طرح وہ نامراد ہی واپس لوٹی تھیں۔

دوئم

شام کو نبیل بھائی آفس سے گھر لوٹے تو اس نے ان سے صاف بات کرنا چاہی تھی۔

''نبیل بھائی! میں شارق زمان سے خلع چاہتی ہوں صرف خلع۔ مجھے بڑی خواہش تھی کہ میں ساری دنیا کو بتاؤں کہ وہ کیسا خبیث انسان ہے مگر اب دل میں یہ حسرت بھی نہیں رہی۔ مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا آپ بھی ایسا نہ کریں۔ اسے دھمکیاں دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ اس نے بے غیرتی کے نام پر جو تھپڑ ہمارے منہ پر مارا ہے چپ چاپ سہہ لیں؟'' وہ جذباتی ہوا تھا۔

''تو کیا کریں گے آپ؟'' اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''میں اسے مزا چکھاؤں گا اچھی طرح کہ کسی کی عزت سے کھیلنا کسے کہتے ہیں اور رہ گیا رضا گولی سے اُڑا دوں گا۔ میں اسے بھی آج گیا تھا میں ان کے ہاں اچھی طرح چچا اور چچی کو سنا کر آیا ہوں۔ کوئی لاوارث نہیں تھی تم، جو اماں نے یوں چوروں کی طرح واپس جانے پر مجبور کر دیا تھا تمہیں۔''

''نبیل بھائی اماں ناراض ہیں۔ میں سوچ کر تو یہ آئی تھی کہ اگلے پچھلے سارے حساب کلیئر کرنے ہیں اب اس شخص کو معاف نہیں کرنا مگر اماں کی ناراضی کمزور کر رہی ہے۔ مجھے صرف خلع چاہیے اور بس..... کوئی بدلہ نہیں لینا اس سے..... اللہ پر چھوڑ دیا ہے سارا فیصلہ، وہ دونوں کو پوچھے گا۔''

''رات اچھی طرح اسے سنا دیا ہے خلع کا مقدمہ تو میں دائر کرواؤں گا ہی ساتھ ہی تمہیں اغواء کرنے اور زبردستی نکاح کر لینے کا بھی مقدمہ درج کرواؤں گا۔'' اسی وقت اماں بھی ان دونوں کے پاس چلی آئی تھیں نبیل کے خیالات سُن کر ان کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا تھا۔

''کوئی کچھ نہیں کرے گا۔ جو گزر گیا اس پر مٹی ڈالو۔ تم دونوں کچھ نہیں کرو گے۔ تم نے سوچا ہے طلاق لے کر یہ کیا کرے گی۔ اس بچے کے ساتھ کیسے رہے گی اور شارق وہ بچے کو لینے دے گا اسے۔''

''ہاں تو بچہ اس کا ہے وہ اپنے پاس رکھے ہمیں کیا کرنا ہے بچہ لے کر، جیسا باپ ویسا بیٹا ہوگا۔'' نبیل بھائی نے تنفر سے کہا تو نویرہ کا دل کانپ گیا تھا۔

''میں بچہ کسی کو نہیں دوں گی۔''

''تم اچھی طرح سوچ لو بچہ لو گی، پھر اِدھر نہیں رہنا۔'' نویرہ کے یوں جذباتی ہونے پر اس نے اندر کا سارا اُبال اسی ایک جملے میں سمو کر اس پر انڈیل دیا تھا۔

''چلی جاؤ اسی کے پاس..... میں رات بھی اسے فون پر کلیئر کر چکا ہوں کہ اگر وہ کورٹ کچہری کے بکھیڑوں سے بچنا چاہتا ہے تو طلاق کے پیپرز بھیج دے ہم بچہ دے دیں گے۔ اگر تم نے بچے کو رکھنے کی ضد کی تو مجھے کوئی پروا نہیں مگر یاد رکھنا بچے کو میں اپنے گھر میں نہیں رکھوں گا۔''

وہ تو نبیل کو سمجھانے آئی تھی مگر اِدھر تو ایک اور نیا مسئلہ نکل آیا تھا وہ لب بھینچ گئی۔

''پھر میں خلع بھی نہیں لوں گی۔ میں کوئی بے جان انسان نہیں ہوں کہ دوسروں کے لیے اپنی بھینٹ دیتی رہوں۔ مصیبت میرے پاس رہے گا۔ اماں کے لیے میں نے اس شادی کو قبول کر لیا۔ اماں کے کہنے پر میں دوبارہ اس گھر میں جانے پر مجبور ہوئی۔ اب میں کسی اور کے کہنے پر کچھ بھی نہیں کروں گی۔

اگر آپ کو میں بچے سمیت قبول ہوں تو ٹھیک ورنہ زندگی میں اتنا کچھ دیکھ لیا ہے مزید سہی۔ رشتوں کی پہچان ہو رہی ہے مجھے اچھی طرح، یہ میری آزمائش ہے یا آپ لوگوں کی..... مجھے نہیں پتا۔" غصے سے کہتے کہتے ایک دم اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"تم جذباتی ہو رہی ہو۔ خلع کے بعد تمہیں بچے کے ساتھ کون قبول کرے گا۔" نبیل بھائی کے الفاظ پر وہ کئی ثانیے تک چپ چاپ انہیں دیکھے گئی تھی۔

تو پھر ٹھیک ہے آپ سب بھول بھال جائیں۔ کیسا خلع، کیسا بچہ میں جس حال میں ہوں مجھے جینے دیں۔ میں ایک بار اپنی زندگی کو برت چکی مزید کی نہ ہوس نہ خواہش۔ خدا کے لیے ایسا سوچیے گا بھی نہیں، اگر آپ لوگوں نے بچے سے دستبرداری کی بات کی تو میں یہ گھر بھی چھوڑ دوں گی۔" وہ غصے سے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ مغصب سو رہا تھا وہ اس کے پاس بیٹھ کر ہاتھ سے تھپتھپاتے ایک دم رو دی تھی۔ اگر شارق زمان کے رویے میں تھوڑی سی بھی ندامت شرمندگی اور پچھتاوے کا احساس ہوتا تو وہ جھک جاتی اپنی انا کو مار لیتی مگر اب وہ کیسے جی لیتی؟

اسے لگ رہا تھا کہ اس کا حوصلہ صبر و استحکام آہستہ آہستہ سب کمزور پڑ رہا ہے۔ ذہنی طور پر وہ کمزور ہو رہی ہے اور وہ شارق زمان کے معاملے میں کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی، کبھی بھی نہیں.....

سعید احمد نے فرح کے رشتے کے لیے جب سے ہاں کہی تھی طاہرہ بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح انکار کروا دیں۔ مگر کوئی راہ دکھائی نہ دے رہی تھی۔

اس دن بھی نفیسہ آپا اور جمال بھائی آئے تھے۔ وہ کمرے سے نہیں نکلی تھی چائے، پانی کا ماجدہ نے ہی ان سے پوچھا تھا۔ سعید احمد کو غصہ تو بہت تھا مگر مصلحت کا تقاضا تھا کہ وہ خاموش تھے۔

آپا لوگ باقاعدہ رسم کرنا چاہتے تھے، اسی سلسلے میں وہ دونوں میاں بیوی مشورے کے لیے آئے تھے۔ کچھ دیر تک تو نفیسہ آپا طاہرہ کی منتظر رہی تھیں مگر پھر وہ خود ہی اُٹھ کر طاہرہ کی جانب چلی آئی تھیں ان کے کمرے میں۔ وہ دل سے چاہتی تھیں کہ اس بار طاہرہ دل سے یہ رشتہ قبول کرے محض سعید احمد کے دباؤ میں نہ آئیں۔

"طاہرہ بیگم نے انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا۔

"کیا کر رہی ہو.....؟" انہوں نے نظر انداز کرتے پہل کی تھی، آگے بڑھتے بستر پر بیٹھے مسکرا کر پوچھا تھا۔ طاہرہ بیگم کی تیور بگڑے تھے۔

"ہم کب سے آئے بیٹھے ہیں۔ منگنی کا مشورہ کرنے آئے تھے مگر سعید چاہ رہا ہے کہ منگنی کے جھنجٹوں میں پڑنے کے بجائے ڈائریکٹ شادی ہو جائے تو بہتر ہے۔"

اس انکشاف نے طاہرہ کے اندر آگ لگا دی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھیں کہ سعید احمد ایسا کیوں کر رہے ہیں۔

محض ان کی ضد میں۔

"تو پھر میں کیا کروں۔ جا کر مشورے کریں اپنے بھائی سے، یہاں کیا لینے آئی ہیں؟" غصے سے وہ بولی تھیں۔ نفیسہ آپا نے دُکھ سے انہیں دیکھا۔

"بیٹیوں کا معاملہ ایسے تن تنہا طے نہیں ہو جاتا۔ تم ماں ہو ماؤں والا حق جتاؤ۔" انہوں نے تحمل سے کہا تھا۔

"وہ شخص ہے نا سارے حق جتانے والا..... اور آپ مجھ سے یہ ہمدردیاں مت کیا کریں۔ نفرت ہوتی ہے مجھے آپ لوگوں سے۔ برباد کر کے رکھ دیا ہے مجھے اور جب دل نہیں بھرا تو میری بیٹی کی باری آ گئی ہے۔" وہ ان کے عمل پر غصے سے بولیں تو نفیسہ آپا خاموش ہو گئی تھیں۔

"جائیں یہاں سے۔ میں اگر خاموش ہوں تو میری خاموشی کو میری مجبوری مت سمجھیں۔ وہ شخص مجھے طلاق کی دھمکی دیتا ہے۔ ورنہ ایسا سلوک کرتی کہ ساری عمر یاد رکھتیں۔" انہوں نے دل کا غبار نکالا تھا۔

"ساری عمر خود تو عیش سے گزار لی آپ نے بھی اور آپ کی چہیتی (شائستہ بیگم) نے بھی، ساری عمر مجھے دوزخ کی بھٹی میں جھلسایا ہے۔ غلطیاں انسان سے ہوتی ہیں مگر مجھے تو ان گناہوں کی بھی سزا ملی ہے جو میں نے کیے نہیں تو پھر میں کیوں آپ لوگوں کا لحاظ کروں۔ نکلیں یہاں سے۔ میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں۔" غصے اور جذبات کی زیادتی سے انہوں نے بستر سے اُتر کر نفیسہ آپا کا ہاتھ پکڑ کر انہیں کھڑا کر دیا تھا۔

"طاہرہ..... اس سے پہلے کہ وہ انہیں کمرے سے باہر نکالتیں سعید احمد کی غضب بھری آواز پر رُک گئی تھیں۔ وہ دروازے پر ہی ایستادہ تھے۔

"آپا کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔ تم اس گھر میں ہو تو اس رعایت کو ہی کافی سمجھو۔" وہ غصے سے کہتے اندر بڑھ آئے تھے۔

"سعید جانے دو..... اس نے تو مجھے کچھ نہیں کہا....." نفیسہ آپا نے سعید احمد کے غصے سے خائف ہو کر درمیان میں ٹوکنا چاہا تھا۔

"سب سُن چکا ہوں میں۔" انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے طاہرہ بیگم کو دیکھا تھا۔

"شروع ہو گئی ہیں ڈرامے بازیاں..... آرام و سکون سے میرا بیٹھنا تو گوارا نہیں ہوتا اس خاندان کو۔ آ گئے ہیں آگ لگانے۔"

"طاہرہ! میں کہہ رہا ہوں لگام دو اپنی زبان کو ورنہ....." وہ غصے سے طاہرہ کی طرف بڑھے تھے۔

"سعید احمد آپ.....؟ ہر بار ایک ہی دھمکی۔ آج وہ بھی کر گزرے۔ میں بھی دیکھوں گی کہ کون سی قیامت آ جاتی ہے۔ برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ آپ مجھے اس گھر سے کیا نکالیں گے میں خود بھی اب اس گھر میں نہیں رہنا چاہوں گی۔ کرتے رہو بیٹی کی شادی حاسدوں میں۔"

سعید احمد کے غصے نے تو بھس میں چنگاری والا کام کیا تھا۔

"بڑا شوق ہے تمہیں جانے کا جا کر بھی دیکھ لو۔ میری دھمکی صرف دھمکی نہیں یہ وہ طوق ہے جو ایک

دوئم

عمر سے میں گلے میں لٹکائے شرم و ذلت کی زندگی گزار رہا ہوں۔ تم نے جو اوقات دکھانی تھی سمعان کی بار دکھالی۔ فرح میری بیٹی ہے اس کے لیے میں سب برداشت نہیں کروں گا۔ تم اگر گھر چھوڑ کر چلی جاؤ گی تو میرے لیے یہ عین مسرت کا مقام ہوگا کہ کم از کم تم جیسی بدنیت' دوغلی اور حاسد عورت سے جان چھوٹی میری۔''

یہ آخری کیل تھی جو طاہرہ بیگم کے ارادوں میں استحکام پیدا کر گئی تھی۔ نفیسہ آپا ڈر سی گئی تھیں۔

''ہاں چلی جاتی ہوں۔ میرے لیے بھی عین مسرت کا مقام ہے کہ ایک کانوں کے کچے اور شکی مزاج انسان سے جان چھوٹی۔ ساری عمر برباد کر دی میں نے اب مزید نہیں۔'' وہ رو برو بولی تھیں۔

''خوشی سے' مگر یاد رکھنا میرے گھر سے دولت' جائیداد کی صورت میں اب کچھ نہیں ملنے والا۔ تم نے اور تمہاری اس لالچی بہن نے جتنا لوٹنا تھا لوٹ لیا۔ میں بھی دیکھتا ہوں خالی ہاتھ تمہیں کون قبول کرتا ہے۔'' تمسخر سے وہ ہنسے تھے۔ طاہرہ بیگم کے اندر اک آگ سی لگ گئی تھی۔

''ہاں بڑا مان و غرور ہے۔ اپنی دولت و جائیداد پر میں تھوکتی بھی نہیں ہوں ایسی دولت پر' نہ ہی میری بہن کو ایسا کوئی لالچ ہے۔ خالی ہاتھ ہی جاؤں گی۔''

''طاہرہ! چھوڑو جانے دو اب اس عمر میں کہاں جاؤ گی اس طرح نہیں کرتے بچے کیا سوچیں گے۔'' نفیسہ آپا نے مداخلت کرنا چاہی تھی۔

''رہنے دیں آپا! آج یہ اپنا یہ شوق بھی پورا کر لے۔ خالی ہاتھ جب اپنی بہن کے پاس جائے گی تو پتا چل جائے گا وہ کتنے دن اسے اپنے گھر میں رکھے گی اب تو اسے فرح یا سمعان کی صورت کوئی اور سبیل بھی نہیں دولت سمیٹنے کی۔''

طاہرہ بیگم نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

''چلیں آپا! یہ روز کا معمول ہے کوئی نئی بات نہیں۔ گھر چھوڑ کر جانے کی دھمکی اب روٹین کا حصہ ہے۔ پریشان وہ ہو جو ان ڈراموں سے بے خبر ہو۔ آپ تو سب باتوں سے باخبر ہیں۔ چلیں باہر بھائی صاحب بلا رہے ہیں۔'' وہ آپا کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے نکل گئے تھے۔

طاہرہ بیگم نے آگے بڑھ کر انتہائی غصے سے دروازہ بند کیا تھا۔ انہوں نے سوچ لیا تھا اب کچھ بھی ہو وہ اب ضرور جائیں گی۔

کچھ دیر بعد انہوں نے بیگ میں ضرورت کی چند اشیاء اور کپڑے رکھے تھے۔ آپا لوگ چلے گئے تھے اور ان کے بعد سعید احمد بھی گھر سے نکل گئے تھے۔ علی گھر میں نہیں تھا اور فرح اپنے کمرے میں جب سے یہ رشتے والی بات چلی تھی وہ ماں کے سامنے نہیں آئی تھی' اگر غلطی سے سامنا ہو بھی جاتا تھا تو طاہرہ بیگم کی زبان کی کاٹ اسے فوراً منظر سے غائب ہو جانے پر مجبور کر دیتی تھی۔

رزلٹ آنے کے بعد اس نے کالج میں بی ایس سی میں ایڈمیشن لے لیا تھا جب کہ سعید احمد کا ارادہ فوراً شادی کر دینے کا تھا۔ سعد کا کہنا تھا کہ وہ فی الحال اپنی تعلیم جاری رکھے بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ اسی لیے کالج سے آنے کے بعد پھپھو لوگوں سے مل کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

دوئم

طاہرہ بیگم اپنا بیگ گھسیٹتے کمرے سے نکلیں تو وہ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی انہیں دیکھ کر حیران ہوئی۔ اونچی آوازوں سے وہ صورتِ حال کا اندازہ تو لگا ہی چکی تھی مگر اندازہ نہ تھا کہ وہ حقیقت میں گھر چھوڑ دیں گی۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں امی؟'' وہ راہ داری سے گزرتے اسے مکمل نظر انداز کرتی باہر کی طرف بڑھیں تو وہ بھی پیچھے چلی آئی تھی۔

''جہنم میں۔'' ان کا وہی غصیلا انداز تھا۔

''آپ گھر چھوڑ کر جا رہی ہیں؟'' فرح کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ انہوں نے ڈرائیور کو سامان گاڑی میں رکھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''اپنے باپ کو سے کہنا صرف اس بیگ کے سوا کچھ نہیں اس کے گھر سے لے کر جا رہی ہوں۔ لاکرز الماری سب چیک کر لے۔ ہر چیز چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ ساری عمر اس بے حس' بے ضمیر شخص کے لیے میں نے رول دی۔ اب اس عمر میں الزام لگا رہا ہے مجھ پر بڑا گھمنڈ ہے دولت کا۔ چند جوڑے ہیں اس بیگ میں بے شک چیک کر لو باپ کو رپورٹ بھی تو دینا ہوگی۔ ہونا اپنے باپ کی ہی اولاد۔'' غصے سے وہ بھول گئی تھیں کہ وہ کیا کیا کہہ رہی ہیں اور کس کے سامنے۔

فرح گم صم سی رہ گئی تھی۔

ڈرائیور کی موجودگی میں وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی اور طاہرہ بیگم گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں۔ ڈرائیور نے گاڑی گیٹ سے باہر نکالی تو وہ چونکی تھی۔

❁.....❁.....❁

نویرہ کی باتوں نے نبیل پر اور ہی انداز میں اثر کیا تھا۔ اس نے صاف صاف نویرہ سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ شارق زمان سے خلع لینا چاہتی ہے تو پھر بچہ واپس کرنا ہوگا اور نویرہ کا کسی بھی سلسلے میں قطعی ساتھ نہیں دے گا اس کے گھر میں صرف اس کی تو گنجائش تو نکل سکتی ہے' مگر بچے کی نہیں ہوگی۔

نبیل بھائی کے اس قسم کے رویّے اور ضد کے بعد وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔ بچے کو وہ کسی بھی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتی تھی اور نبیل اس نے بہت سوچ بچار کے بعد ایک فیصلہ کیا تھا ایک انتہائی حد سے گزر جانے کا۔

آنے والی زندگی میں اس کے لیے بہت سی آزمائشیں تھیں اس نے اپنے لیے آزمائش کا انتخاب خود کر لیا تھا۔ وہ دونوں (نبیل اور شارق) کو مزا چکھانا چاہتی تھی۔

وہ اگلے دن بنک چلی آئی تھی۔ اکاؤنٹ میں موجود رقم کا اندازہ لگایا تھا۔ چند ماہ تک یہ رقم اس کے کام آ سکتی تھی اور پھر زندگی کی گاڑی خود گھسیٹنا ہوگی۔

اس نے کچھ رقم نکلوائی تھی۔ واپسی پر اس نے ایک موبائل اور سم خریدی تھی۔ (شارق زمان کا دیا ہوا موبائل تو وہ کب کا اسی کے گھر میں چھوڑ چکی تھی)۔ معصب کے لیے کچھ کپڑے خریدنے تھے وہ مارکیٹ چلی آئی تھی۔ اپنے اور معصب کے لیے کپڑے اور دیگر ضرورت کی اشیا خریدنے کے بعد وہ

مارکیٹ کی سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ تیزی سے اوپر آتے وجود سے ٹکر ہوگئی تھی۔

"ایم سوری' رئیلی سوری۔" اس لڑکی نے فوراً اس کا ہاتھ تھام کر اسے گرنے سے بچالیا تھا۔ اس وجود کے ساتھ اُدھیڑ عمر سی خاتون نے نویرہ کے ہاتھ سے گر جانے والے شاپرز اٹھا کر اسے پکڑائے تھے۔

"ارے زرش ہو نا؟" سنبھلنے کے بعد نویرہ اس لڑکی کو دیکھ کر فوراً پہچانی تھی۔ نویرہ کا منہ چادر میں چھپا ہوا تھا۔ زرش نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"جی' مگر آپ کون؟"

"میں نویرہ ہوں؟"

"ارے آپ؟ کیسی ہیں آپ' میں نے کئی بار سوچا تھا کہ آپ سے مل آؤں مگر فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔"

زرش پہچان کر فوراً ایکسائٹمنٹ کا شکار ہوئی تھی۔

"آیئے کسی جگہ چل کر بیٹھتے ہیں۔" وہ سیڑھیوں میں کھڑی تھیں۔ زرش کے کہنے پر وہ دونوں مارکیٹ کے سامنے بنے چھوٹے سے کیفے میں چلی آئی تھیں۔

"بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو دیکھ کر۔" وہ دونوں لیڈیز والے حصے میں آ بیٹھی تھیں۔ نویرہ نے چادر چہرے سے ہٹا دی تھی۔

"لاہور اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہو؟"

"نہیں' میں نے یہاں ایڈمیشن لیا ہوا ہے۔ اب ادھر ہی ہوں۔ سمعان تو اسلام آباد یا کراچی میں ہوتے ہیں۔ یہاں بھی ہفتے میں ایک بار چکر لگا لیتے ہیں۔"

"اکیلی ہوتی ہو؟" نویرہ کو تعجب ہوا تھا۔

"نہیں' چوکیدار کی پوری فیملی میرے ساتھ ہوتی ہے میں آج کل کسی لڑکی یا آیا کی تلاش میں ہوں۔ جو یہاں کی ہی رہائشی ہو۔ سلجھی اور سمجھ دار ہو۔ پڑھی لکھی ہو جو ہر وقت میرے ساتھ رہے۔ باہر آتے جاتے مجھے مشکل ہوتی ہے ڈرائیور کی موجودگی کے باوجود مجھے گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔ سمعان بھی کہہ رہے تھے کہ میں "آیا" دیکھ لوں وہ آجائیں گے تو فائنل کرلیں گے۔ آپ کے نالج میں اگر کوئی ایسی خاتون ہیں تو مجھے ضرور بتایئے گا۔"

"ضرور' نویرہ نے اخلاقاً ہامی بھرلی تھی۔ ان دونوں نے اس کیفے سے چائے پی تھی۔ زرش نے کچھ چیزیں لینی تھی۔ اس نے وہ لیں تو پھر واپسی پر وہ نویرہ کو خود چھوڑنے آئی تھی۔ سسرال کے بجائے میکے کا ایڈریس بتانے پر زرش حیران ہوئی تھی۔

"آپ نے رہائش چینج کرلی ہے کیا؟"

"نہیں امی کے ہاں ہوں۔"

نویرہ نے گھر پہنچ کر انہیں اندر آنے کا کہا تھا' مگر زرش پھر کبھی پر ٹال گئی تھی۔

"آپ کسی دن میرے گھر کا چکر لگایئے گا۔ آپ کو اگر سمجھ نہ آئے تو صرف فون کردیجیے گا۔ میں فوراً آکر لے جاؤں گی۔"

"کیوں نہیں ضرور۔" نویرہ ان کو رخصت کر کے اندر چلی آئی تھی۔ بھابی کچن میں تھیں اور اماں کمرے میں وہ معصب کو سلا کر گئی تھی۔ کمرے میں پہنچی تو ماں معصب کو بہلا رہی تھی۔

"آج شارق آیا تھا۔" کچھ دیر بعد وہ کھانا کھانے کچن میں آئی تو بھابی نے بتایا تھا۔

"کیوں؟" اس نے تلخی سے پوچھا۔

"معصب کو لینے۔" وہ چونک کر بھابی کو دیکھنے لگی تھی۔

"کیا مطلب؟"

"اماں نے کہہ دیا کہ تم گھر پر نہیں ہو بازار گئی ہو معصب بھی ساتھ ہے۔ وہ غصے سے بولتا رہا تھا نبیل نے شاید فون کیا تھا اسے کہ اگر وہ آرام وسکون سے مسئلہ حل نہیں کرنا چاہتا تو وہ آکر تمہیں اور بچے کو لے جائے۔ اس گھر میں تمہارے لیے تو جگہ ہوسکتی ہے مگر بچے کے لیے نہیں۔ شارق بہت غصے میں تھا۔ دھمکیاں دے رہا تھا اماں سے ہی الجھتا رہا تھا۔ وہ تو شکر تھا کہ معصب سویا ہوا تھا ورنہ وہ اسے ضرور لے جاتا۔ کچھ دیر تمہارا انتظار کیا اور جب اسے یقین ہوگیا۔ کہ تم واقعی گھر پر نہیں ہو اور ہم سچ کہہ رہے ہیں تو پھر وہ چلا گیا تھا۔ مگر ساتھ میں یہ دھمکی بھی دے گیا تھا کہ وہ شام کو آئے گا معصب کو لینے۔"

یہ سب سن کر نویرہ کی بھوک اڑ گئی تھی۔ وہ چپ چاپ بغیر کچھ کھائے پیے وہاں سے نکل آئی تھی۔

شام ہونے میں دو تین گھنٹے تھے۔ شارق کو وہ جانتی نہ ہوتی تو اس کی دھمکی کو محض دھمکی ہی سمجھتی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ وہ شام کو ضرور آئے گا اور معصب کو لے کر ہی ٹلے گا۔ اسے کیا کرنا تھا سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔ عصر کی نماز پڑھ کر وہ دعا مانگ رہی تھی کہ ایک خیال کوندے کی طرح اس کے ذہن میں لپکا تھا۔ فوراً اٹھ کر اس نے پرس کھنگالا تھا۔ وزیٹنگ کارڈ اس کے اندر ہی تھا ہینڈ رائٹنگ کے ساتھ لکھا ہوا نمبر اس نے فوراً ڈائل کیا تھا۔

"السلام علیکم!" وہی نرم و ملائم شائستہ سی آواز سنائی دی تھی۔

"وعلیکم السلام' زرش ہو نا۔"

"جی بول رہی ہوں آپ کون؟" دوسری طرف تعجب سے پوچھا گیا تھا۔

"میں نویرہ ہوں کیا تم آدھے گھنٹے میں اِدھر آسکتی ہو۔ جہاں مجھے ڈراپ کیا ہے ڈرائیور کے ساتھ۔"

"جی' مگر خیریت؟" وہ اس کی عجلت پر حیران ہوئی تھی۔

"تمہارے لیے ایک "آیا" کا بندوبست ہوگیا ہے بس اسی کو لے کر آرہی ہوں۔ تم جب ہمارے گھر کے قریب پہنچو گی تو بس مِس کال دے دینا اسی نمبر پر۔ میں آجاؤں گی۔ بس آدھے گھنٹے میں۔"

"جی' میں آجاتی ہوں ڈرائیور کو لے کر۔"

"تھینکس میں انتظار کر رہی ہوں۔" فون بند کر کے اس نے کمرے میں دیکھا۔ وقت کم تھا اس نے فوراً پیکنگ شروع کر دی تھی۔ جو سامان خرید کر لائی تھی وہ اسی طرح شاپنگ بیگز میں موجود تھا۔ ضرورت کی ہر چیز سمیٹ کر اس نے ایک پُرسکون سانس لیا تھا۔

اب صرف ایک آخری مرحلہ رہتا تھا۔

کاغذ قلم سمیٹ کر وہ بستر پر آ بیٹھی تھی۔ پانچ منٹ بعد زرش کو آ جانا تھا وہ اس کے آنے سے پہلے اس آخری تحریر کو لکھ لینا چاہتی تھی۔

"السلام علیکم نبیل بھائی!

جب آپ کو یہ خط ملے گا اسی وقت میں آپ لوگوں کی دنیا سے بہت دور ہوں گی۔ (گھبرائیے نہیں خودکشی کا میرا قطعی ارادہ نہیں)۔ شارق زمان مجھے جس طرح آزما چکا ہے اب اس مقام پر آ کر اس سے نباہ کرنا یہ میرے لیے ناممکن اور صرف مشکل ہی نہیں یہ میری انا اور وقار کی بھی توہین ہے۔ مجھے گمان تھا کہ سب حالات جان کر آپ ضرور میرے احساسات سمجھیں گے۔ مگر آپ تو اس بہانے پرانے حساب بے باق کرنے کے چکر میں الجھ گئے ہیں۔ مصعب کو چھوڑنا میرے بس کا کام نہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر آپ اپنی ضد پر قائم رہے اور شارق زمان اپنی پر تو میں خاموشی سے یہ گھر بھی چھوڑ دوں گی کسی ہاسٹل یا ایک کمرے کے گھر میں گزارہ کر لوں گی۔ (ہے نا احمقانہ سوچ مگر میں یہ بھی کر گزرتی کہ اب میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں رہا)۔ مگر وہ کہتے ہیں نا اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ اس نے مجھے عزت کی زندگی گزارنے کا ایک رستہ دکھایا ہے۔ آپ اور شارق اب اپنی اپنی ضدیں نبھائیں اور اپنی اپنی خودغرضی کے حصار میں زندگی گزاریں۔ میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں، کہاں؟ (بے فکر رہیے گا جہاں بھی ہوں گی میں اور میرا بچہ آپ دونوں کی پہنچ سے دور ہوں گے۔ اور محفوظ بھی)۔

میں شارق زمان کو مزا چکھانا چاہتی ہوں اسے یہ بھی بتانا چاہتی ہوں کہ بے بسی کی آخری انتہا کیا ہوتی ہے آپ بھی اس کے ساتھ مل کر محسوس کیجیے گا بے فکر رہیے میں کسی رضا کے ساتھ نہیں بھاگ رہی جہاں بھی جاؤں گی بہت عزت اور امان میں ہوں گی اور شارق زمان ساری عمر اپنے بیٹے کو یاد رکھے گا (اور اس کے بہانے شاید مجھے بھی)۔

آپ کے گھر میں جب میرے بچے کے لیے گنجائش نہیں تو پھر میں یہاں رہ کر کیا کروں گی۔ اللہ حافظ۔

فقط نویرہ

خط لکھ کر اس نے پرس میں ڈالا تھا۔

وہ نیچے آئی تو دیکھا اماں روٹین کے مطابق اس وقت اپنے کمرے میں نماز کے بعد وظائف میں مشغول تھیں اور بھابھی گڑیا کو لیے اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں۔ واپس کمرے میں آ کر اس نے سارا سامان صحن میں لا رکھا تھا۔ مصعب کو اٹھا کر وہ لان کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی تھی۔

یہ قدم اٹھاتے ہوئے اسے دکھ تو ہو رہا تھا مگر کوئی ندامت نہ تھی۔ کچھ دیر بعد زرش کی کال آنا شروع

ہو گئی تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔ بیگ سے خط نکال کر بھاگ کر لاؤنج میں آ کر اس نے ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ اماں یا بھابھی کے آنے کا خدشہ تھا اس نے فوراً گیٹ کھول کر باہر آ کر ڈرائیور کو سارا سامان لا کر گاڑی میں رکھنے کو کہا تھا۔ ڈرائیور نے اس کی ہدایت پر بغیر آواز پیدا کیے سارا سامان لا کر گاڑی میں رکھ دیا تھا۔ زرش خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

آہستگی سے دروازہ بند کر کے وہ زرش کے ساتھ ہی گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

"جلدی سے گاڑی نکالو یہاں سے۔" اس نے ڈرائیور سے کہا تھا۔ ڈرائیور نے فوراً اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ نویرہ کے ہر انداز میں کچھ نہ کچھ ایسی بات تھی کہ زرش نے الجھ کر اسے دیکھا تھا۔

"وہ آیا کہاں ہے؟" کچھ دور آ کر زرش نے پوچھ ہی لیا تھا۔

"تمہیں سب بتاتی ہوں۔" نویرہ نے اسے ریلیکس کیا تھا۔

باقی رستہ وہ خاموش رہی تھی۔

اپنے گھر میں لا کر نویرہ کو پانی پلا کر زرش نے بغور اسے دیکھا۔ اسے غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا۔ مصعب دوبارہ سو چکا تھا۔ شام کا وقت قریب تھا۔ نویرہ کا ذہن بھٹک بھٹک کر بار بار اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ یقیناً اس کا خط بھابی اور اماں نے پڑھ لیا ہوگا اور شاید بھابی نے نبیل بھائی کو بھی کال کر کے بتایا ہوگا اور شام کے بعد جب شارق وہاں جائے تو کیا صورتِ حال ہوگی؟

"آپ پریشان ہیں؟" زرش کے سوال پر نویرہ کو اپنا ضبط کم پڑتا محسوس ہوا تھا۔

"تمہیں آیا کی ضرورت تھی کیا تم مجھے اپنی آیا کے طور پر اپنے گھر میں قبول کر لو گی؟" کچھ توقف کے بعد اس نے پوچھا۔

"جی.....؟" نویرہ نے بات ہی ایسی کی تھی کہ وہ ششدر سی رہ گئی تھی اور پھر نویرہ اسے سب بتاتی چلی گئی تھی اپنی کتابِ زیست کا ورق ورق اس کے سامنے کھولتی چلی گئی تھی۔

وہ سمجھتی تھی کہ تائی اماں نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا ہے ایسا دکھ کبھی کسی کو نہ ملا ہوگا مگر نویرہ کی زبانی اس کی زیست کا احوال سن کر وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔

"میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں مگر اپنے بچے کی جدائی نہیں۔ شارق نے صرف میرے کردار کو مسخ نہیں کیا اس نے میری نسوانیت اور انا کی بھی توہین کی تھی۔ میں کیسے معاف کر دوں اسے مجھے پتا ہے وہ مجھ اپنے گھر میں بسانا چاہتا ہے مگر اس نے اپنی شرمندگی یا پچھتاوے کا اظہار تک نہیں کیا۔ وہ مرد ہے نا ہر طرح سے اپنی مردانگی کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ چاہے میری نسوانیت کا بھرم ختم ہو جائے۔ میں سب برداشت کر لیتی مگر اپنی اس قدر توہین برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ رضا اور شارق دونوں نے مل کر میری ذات کے بخیے اُدھیڑ دیے ہیں۔ تم بتاؤ میرا قصور کیا تھا جو نبیل بھائی میرے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہ رہے تھے۔"

اور زرش کو کچھ سمجھ میں نہ آیا تو خاموشی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

نویرہ نے سوچا تھا کہ آنسو انسان کو کمزور بنا دیتے ہیں وہ کبھی نہیں روئے گی مگر اس لمحے اپنوں کو چھوڑ

دینے اور عمر بھر کی اذیت سہنے کا کرب ایسا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔
زرش نے اسے رونے دیا تھا۔ شاید رو کر ہی اس کا جی ہلکا ہو جائے۔

قیصرہ آپا کے ہاں آ کر بھی طاہرہ بیگم کے اندر اتنی ہمت نہ ہو سکی کہ ان کو اپنی آمد کا سبب بتا سکیں۔ بس اتنا ہی کہا کہ فرح کے رشتے کی وجہ سے کچھ ناچاقی ہو گئی ہے۔ جس پر انہوں نے خوش ہو کر کہا تھا اچھا کیا ہے سعید احمد اور دوسروں کو مسلسل اپنی ناراضگی اور راضی نہ ہونے کا احساس دلاتی رہو۔ پیچھے سے پلٹ کر کسی نے بھی رابطہ نہ کیا تھا اور وہ منتظر ہی رہی تھیں کہ سمعان نہ سہی عثمان ہی شاید فون کر کے وجہ پوچھ لے (خبر تو اسے مل ہی گئی ہوگی) مگر دو روز گزر جانے کے بعد بھی وہی مایوسی تھی۔

پہلے دن قیصرہ آپا نے خوشی کا اظہار کیا تھا' مگر دوسرے دن انہیں مسلسل خاموش دیکھ کر انہیں تشویش سی ہوئی تھی' انہوں نے کئی بار پوچھنا چاہا مگر نجانے کسی مصلحت کے تحت خاموش ہو جاتی تھیں۔ ان کی تینوں بیٹیاں بہت زیادہ تو نہیں مگر ان کو پوچھ ہی لیتی تھیں۔ خاص طور پر اسجد آتے جاتے خالہ کی طبیعت پوچھ لیتا تھا۔ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا کہہ کر تسلی دے لیتا تھا۔ اسجد ان سب سے ہٹ کر مختلف طبیعت کا مالک تھا بطورِ خاص انہیں پسند بھی بہت تھا۔ کتنی خواہش تھی فرح اور اسجد کو ساتھ ساتھ دیکھنے کی مگر۔

تیسرے دن بھی پیچھے سے کسی نے رابطہ نہ کیا تو قیصرہ آپا کی تشویش میں اضافہ ہوا۔ پہلے بھی کئی بار ایسا ہوا تھا کہ طاہرہ ناراض ہو کر یہاں آئی بھی تھیں تو سعید احمد نہ سہی ان کی اولاد فون کر کے یا خود آ کر منا کر لے جاتی تھی۔ اس بار کسی نے بھی کوشش نہ کی تھی۔ انہوں نے طاہرہ سے پوچھنے کے بجائے بڑے بھائی کے ہاں رابطہ کیا تھا۔ اندازہ تھا کہ نفیسہ آپا نے ان سے ذکر تو کیا ہوگا آخر کو تیسرا دن تھا طاہرہ کو گھر سے نکلے ہوئے۔

اور بھائی صاحب نے چھوٹتے ہی قیصرہ آپا کو بے بھاؤ کی سنائی تھیں طاہرہ کی ساری زندگی کی بربادی کا ذمہ دار انہیں ٹھہراتے غم و غصے سے فون بند کر دیا تھا۔ انہیں اندازہ ہو کہ اس دفعہ صورتِ حال خاصی سنگین ہے ساتھ میں غصہ بھی آیا کہ تیسرا دن ہے طاہرہ کو آئے مگر منہ سے بھاپ تک نہیں نکلنے دی۔

''بھائی صاحب نے فون کیا ہے۔ پتا چلا ہے سعید احمد کا گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر آئی ہو۔'' وہ لاؤنج میں بیٹھی نجانے کن خیالوں میں غرق تھیں کہ آتے ہی اس سوال پر چونک کر قیصرہ آپا کو دیکھا تھا۔

''چلیں اچھی بات ہے آپا کو خود ہی خبر ہو گئی۔'' انہوں نے دل میں کہا اور پھر خاموشی سے سر جھکا لیا۔ قیصرہ آپا کا غصہ ایک دم بڑھا تھا۔

''خاموش بیٹھنے سے کوئی حل نہیں نکلنے والا' مجھے ساری بات بتاؤ۔ اِدھر نفیسہ آپا سارے بھائیوں اور بہن کو ہمارے خلاف کرنے میں جت گئی ہوں گی' ساری عمر گزار دی مگر عقل نہیں آئی تمہیں۔ تیسرا دن

آئے ہوئے اور زبان سے ایک لفظ تک نہیں نکالا۔''

''تو کیا بتاتی؟ وہاں اب ہے کیا ساری عمر پھونک دی اس پتھر کو موم کرنے میں مگر اس پر کسی بات کا اثر نہ ہوا۔ ساری عمر نا کردہ گناہوں کی سزا جھیلی ہے میں نے۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑی تھیں۔

''نا کردہ تو نہ کہو۔'' ان کا انداز ایسا تھا کہ طاہرہ بیگم ایک دم چپ ہوئی تھیں۔

''آپا۔'' انہوں نے فوراً بہن کو ٹوکا۔ ''آپ جانتی ہیں سعید احمد کے ساتھ میں کس قدر مخلص تھی۔ وہ سب کم عمری کی حماقت تھی دل سے میں نے ان کی نہ صرف عزت کی تھی بلکہ محبت کی تھی ان سے۔''

''ہاں تو جواب میں اس ناقدرے شخص نے کیا دیا تمہیں۔ میں تو اب بھی کہتی ہوں شائستہ کا جادو تھا اس پر اس کی کہی سنی ہے ساری عمر تمہاری تو سچی بات پر بھی اس نے اعتبار نہ کیا۔'' انہوں نے زخموں پر مزید نمک چھڑک دیا تھا۔

''آپا! میں تنگ آ چکی ہوں اس اذیت سے۔ اب برداشت نہیں ہوتا۔ کتنی خواہش تھی فرح اور اسجد کے لیے میری۔'' یہ بات سیدھی قیصرہ آپا کے دل پر جا لگی تھی۔

''اب کیا بات ہوئی تھی۔'' انہوں نے پوچھا تو طاہرہ بیگم نے سارا قصہ کہہ سنایا۔

''اس روز روز کی چیخ چیخ سے بے زار ہو چکی ہوں میں۔ برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے آپا۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں مجھے کبھی بھی روپے پیسے کا لالچ نہیں رہا۔ ہر بار وہ شخص یہی الزام دیتا ہے کہ سارا پیسہ آپ پر لٹا رہی ہوں آپا اب تو وہ صاف الفاظ میں جتانے لگ گیا ہے کہ مجھے دولت کا لالچ ہے۔ جو ادھر رہ رہی ہوں۔ میری برداشت بس یہیں تک تھی۔ میں سب چھوڑ کر آ گئی ہوں۔ نہیں چاہیے مجھے اس شخص سے اب کچھ۔ ساری عمر جو ذلت و رسوائی سمیٹ لی ہے وہی کافی ہے۔''

''ہائیں یہ کیا کر دیا تم نے اور جو بنک بیلنس' جائیداد تمہارے نام تھی حق مہر کی صورت میں وہ سب کیا کیا اس کا؟'' یہ انکشاف سن کر وہ ایک دم بوکھلا کر پوچھنے لگی تھیں۔

''سب چھوڑ آئی ہوں ایک پائی بھی نہیں لوں گی اس شخص کے پیسے سے میں اب۔ بڑے الزام سہہ لیے۔ اب مزید نہیں۔'' طاہرہ بیگم کا وہی انداز تھا برسوں پرانا۔

قیصرہ آپا کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لیں ساری عمر کی محنت اکارت گئی تھی اس پل۔

''طاہرہ' تم سا بھی کم عقل اور بے وقوف میں نے عمر بھر نہیں دیکھا۔'' ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اٹھ کر بیٹھیں۔ ''وہ لاکھوں نہیں کروڑوں بنتے ہیں۔ تم سب کچھ یونہی چھوڑ آئی۔ عجیب بے وقوف عورت ہو تم۔ ایک شخص تم سے ساری عمر سنبھالا نہ گیا۔''

طاہرہ نے بدحواس ہو کر ناراض ہوتی بہن کو دیکھا۔ بھلا وہ کیوں ناراض ہو رہی تھیں۔

''آپا! جب ساری عمر گزاری تو وہ شخص میرا نہیں بنا۔ اس کے دل و دماغ میں اول روز سے شک کی گرہ پڑ گئی تھی وہ آج تک کھل نہ سکی۔ میری محبت' خلوص کو اس نے صرف شک کی نگاہ سے ہی دیکھا پرکھا' تو ایسے شخص کی دولت و جائیداد سے مجھے کچھ لینا دینا نہیں ہے چاہے وہ میرا جائز حق ہی کیوں نہ ہو اب مزید نہیں۔ محبت' دولت و جائیداد سے بڑھ کر ہوتی ہے اعتبار و احساس سب سے بڑھ کر ہے

جب یہ سب نہیں ملا تو اب چاہے کوئی میرے سامنے سونے چاندی کے ڈھیر لگا دے میں ان کا بھلا کیا کروں گی۔"

قیصرہ کا جی چاہا ان جذباتی باتوں پر طاہرہ کو ایک دو تھپڑ تو ضرور جڑ دیں۔ انہوں نے بڑی سختی سے اپنا غصہ اندر دبایا تھا۔

"تو اب آگے کے کیا ارادے ہیں؟"

"میں ثبوت کے طور پر سعید احمد کی ٹیبل پر لکھ کر آئی ہوں کہ مجھے اس کی دولت و جائیداد سے کچھ نہیں چاہیے۔ حتیٰ کہ حق مہر کی صورت میں اپنے نام لکھی جائیداد بھی' دولت و جائیداد کا نام نہیں لیجیے گا۔ رہ گیا آئندہ زندگی کا سوال بہت تماشا بنالیا میں نے خود کو۔ دنیا کی ہی نہیں اپنی اولاد کی بھی نظروں سے بھی گر چکی ہوں وہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑا ہے اب واپسی کا سوال ہی نہیں۔ چاہے اب وہ شخص کوئی بھی فیصلہ کرے۔"

طاہرہ کا انداز ایسا تھا کہ قیصرہ بیگم نے حیران ہو کر دیکھا تھا۔

مضبوط

اٹل

اور شاید اپنی لغزشوں پر پشیمان بھی تھیں۔

"عثمان دور ہے سمعان خفا ہے۔ علی نے کبھی تمیز سے بات نہیں کی اور فرح اس کے دل میں جو تھوڑا بہت احساس ہے وہ اب ختم ہو گیا ہو گا تو اس گھر میں ساری عمر بچوں کے لیے ہی تو سمجھوتہ کرتے زندگی گزار رہی تھی اب کس کے لیے وہاں رکتی؟"

نبیلہ بھابی مغرب سے کچھ پہلے اٹھ کر کمرے سے نکلی تھیں۔ نویرہ اپنے کمرے میں تھی اور اماں اپنے کمرے میں۔ انہوں نے اماں کے کمرے میں جھانکا وہ عصر سے مغرب تک وظیفہ کرتی تھیں آج کل وہ نویرہ کے لیے خصوصی وظیفے کر رہی تھی اس لیے ان کا اب زیادہ تر وقت جائے نماز پر ہی گزر رہا تھا۔ نبیل کے آفس سے آنے کا وقت ہو رہا تھا اور اگر شارق بھی آ گیا تو انہیں خوف سا محسوس ہونے لگا۔ دونوں ہی غصے کے تیز اور جذباتی تھے۔ نویرہ کھانا کھائے بغیر کمرے میں بند تھی۔ وہ اس کمرے میں آ گئیں تو وہ کہیں بھی نہ تھی۔

"نویرہ.....!" انہوں نے ایک دو آوازیں دیں مگر جواب ندارد تھا۔

"کہاں گئی ہے یہ؟" انہوں نے سارا گھر دیکھ لیا تھا۔ اب انہیں تشویش ہونے لگی تھی۔

"اماں نویرہ کا پتا ہے' دونوں ماں بیٹا کمرے میں نہیں ہیں۔" وہ اماں کے پاس چلی آئی تھیں اماں نے تسبیح روک کر اس کے پریشان چہرے کو دیکھا۔

"باہر صحن میں ہو گی۔"

"میں سب جگہ دیکھ آئی ہوں۔ گیٹ کا دروازہ لاک کر کے میں لیٹی تھی مگر وہ کھلا ہوا ہے اور نویرہ

کہیں بھی نہیں۔"

اب کے اماں بھی پریشان ہو گئی تھیں۔

"کہاں جا سکتی ہے یہ اس وقت؟" نبیلہ نے چور نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اماں مجھ سے ایک غلطی ہو گئی' آپ نے منع کیا تھا کہ اسے شارق کی آمد اور دھمکیوں کا نہ بتاؤں مگر میں بھول گئی تھی' اسے بتا دیا تھا اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا کمرے میں چلی گئی تھی میں سمجھی کہ سو گئی ہو گی مگر.....!"

"ہائے..... اللہ.....!" اماں لرز سی گئی تھیں۔ "یہ کیا کر دیا تو نے' وہ جس طرح منہ پر اتری ہوئی تھی مجھے اس سے خوف ہی آ رہا تھا۔ رہی سہی کسر نبیل پوری کر رہا تھا۔ نجانے کہاں گئی ہو گی۔ شارق تو چھوڑے گا نہیں ہمیں۔" ان کا دل ہول رہا تھا۔

مغرب کی اذانیں شروع ہو گئی تھیں۔ پریشانی سے اماں کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا تو وہ انہیں لیے لاؤنج میں آ گئی تھی۔ اماں کو صوفے پر لٹا کر سیدھی ہوئیں تو نگاہ ٹیبل پر پڑی تھی۔ پہلے تو نظر انداز کیا مگر ایک تجسس تھا کہ انہوں نے کاغذ اٹھا لیا تھا۔ کاغذ پر لکھی تحریر نے ان کے قدموں سے زمین کھینچ لی تھی۔

"یا اللہ!" کاغذ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا تھا۔

"کیا ہوا؟ کیا ہے؟" اماں نے نبیلہ بھابی کے سپید پڑتے چہرے کو پریشان دیکھا تھا۔

"اماں! نویرہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ نجانے کہاں۔" وہ رو رہی تھیں اماں تو ایک دو پل ششدر سی بیٹھی رہی تھیں اور پھر انہیں لگا تھا کہ ان کے ذہن و دل پر اک غبار سا چھا گیا ہے۔

"اماں.....!" اماں کو حواس چھوڑتے دیکھ کر نبیلہ کے اپنے حواس ساتھ چھوڑنے کو تھے۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ اوپر سے اماں کی بے ہوشی۔

"نبیل..... نبیل..... جلدی گھر آئیں۔ اماں کی طبیعت۔" انہوں نے فوراً نبیل کو فون کیا تھا اور ادھوری بات کر کے کال بند کر دی تھی۔

نبیل رستے میں ہی تھا۔ فوراً راستے میں ڈاکٹر کو لیے گھر پہنچا تھا اماں کو مسلسل بے ہوش دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔

"ہائے میری بچی۔" ڈاکٹر کی تھوڑی تگ و دو کے بعد ان کو ہوش آیا بھی تو وہی غم انہیں پھر بے ہوشی کی کیفیت میں دھکیل گیا تھا۔ نبیل نے تعجب سے بیگم کو دیکھا اور اس نے خاموشی سے خط اسے تھما دیا تھا۔

اب بتائے بنا چارہ نہ تھا۔ خط پڑھتے ہی نبیل کے چہرے پر بھی وہی زلزلے کے آثار پیدا ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے اماں کو ایک دو انجکشن لگا دیے تھے۔ وہ صرف صدمے سے بے ہوش تھیں تاہم پریشانی والی بات نہ تھی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں میاں بیوی صدمے اور انجکشن کے زیر اثر لیٹی اماں کے ارد گرد پریشانی سے بیٹھے ہوئے تھے کہ شارق چلا آیا تھا۔ نبیل اسے دیکھ کر ایک دم غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم..... کیا لینے آئے ہو تم یہاں؟"

"میں تو دوپہر کو بھی آیا تھا کیا تمہاری بیوی نے تمہیں یہ نہیں بتایا۔" شارق نے تمسخر سے اسے دیکھا تھا۔ "تم نے خود ہی تو فون کیا تھا کہ آ کر اپنا بچہ لے جاؤں رہ گئی خلع کی کارروائی تو وہ کورٹ میں دیکھ لوگے۔ دوپہر میں بچہ گھر پر نہیں تھا اب آیا ہوں لینے۔"

"شارق بھائی پلیز' نبیل کو آپ کی آمد کی خبر نہیں دی تھی اور اس وقت اماں کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں آپ دونوں آہستہ سے بیٹھ کر بات کریں۔" اس سے پہلے کہ نبیل غصے سے کچھ کہتا نبیلہ درمیان میں بول پڑی تھی۔

"میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا آپ معصب کو لا دیں میں فوراً چلا جاتا ہوں۔" اماں پر ایک نگاہ ڈال کر اس نے اپنے اسی انداز میں کہا تھا۔ تو نبیل نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"شارق بھائی! آپ بیٹھیں آپ کو سب بتاتی ہوں پلیز۔" نبیل کو اشاروں ہی اشاروں میں خاموش رہنے کا کہہ کر اس نے شارق کی منت کی تھی۔

"دیکھیں بھابی! مجھے صرف اپنے بچے سے غرض ہے کسی سے کوئی لینا دینا نہیں۔ بیٹھنے کا کیا ہے میں بیٹھ جاتا ہوں مگر آپ ذرا جلدی کریں۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

نبیلہ نے خاموشی سے ایک نگاہ اپنے اوپر ضبط کرتے نبیل پر ڈالی تھی اور پھر ہاتھ میں پکڑا خط شارق کو تھما دیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے تعجب سے دونوں میاں بیوی کو دیکھا تھا۔

"آپ پڑھ لیں۔" اور شارق کی بھی وہی کیفیت ہوئی تھی جو یہ لوگ جھیل رہے تھے۔

"کیا بکواس ہے یہ؟" اس نے نبیلہ اور پھر نبیل کو دیکھا تھا۔

"میں سو رہی تھی اور اماں اپنے کمرے میں نماز پڑھ رہی تھیں۔ پتا نہیں وہ کس وقت معصب کو لے کر چلی گئی ہمیں بالکل نہیں پتا چلا۔"

"ناممکن' وہ کیسے چلی گئی؟ وہ مکھی بن کر کہیں نکل گئی اور آپ لوگوں کو پتا تک نہ چلا۔ میرے ساتھ یہ ڈرامے بازیاں نہ کریں۔ میں آپ کے جھوٹ پر کبھی یقین نہیں کرنے والا۔ آپ لوگوں نے خود اسے کہیں غائب کیا ہے اور اب یہ خط دکھا کر مجھے الو بنا رہے ہیں لائیں اسے کہیں سے بھی ابھی اور اسی وقت۔"

شارق کا تو اس انکشاف نے برا حال کر دیا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ بکواس کر رہے ہیں اماں صدمے سے اس حال میں ہیں۔ پریشانی سے ہمارا برا حال ہے اور تم کہہ رہے ہو ہم مذاق کر رہے ہیں۔ ہم نے خود غائب کیا ہے اسے؟" شارق کی باتوں نے نبیل کو بھی آؤٹ آف کنٹرول کیا تھا۔

"ہمارا دماغ خراب ہے کہ اپنی عزت خود اپنے ہاتھوں رولتے پھریں۔ وہ صرف تمہاری وجہ سے گئی ہے۔ تمہاری وجہ سے۔" نبیل نے شارق کو صاف سنایا تھا۔

نبیلہ' نبیل کے تیوروں سے خوف زدہ ہوئے دونوں کے درمیان آ گئی تھی۔

"پلیز شارق بھائی' خدا کی قسم یقین کریں ہم پر' ہم جھوٹ نہیں بول رہے ہیں نہیں پتا چلا کہ وہ کب گئی ہے اور کہاں؟ یہ خط آپ کے سامنے ہے یہ نوریہ کی لکھائی ہے۔ جتنا قصوروار وہ آپ کو ٹھہرا رہی ہے اتنا ہی نبیل کو بھی۔ نجانے وہ کہاں گئی ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم ایک دوسرے کو الزام دیں اسے ڈھونڈیں پلیز۔ شام گہری ہو رہی ہے نجانے وہ کہاں گئی ہے۔"

وہ رو دی تھی اور شارق' اس نے لب بھینچ لیے تھے۔

"یقین تو نہیں آ رہا تھا مگر خالدہ بیگم کی حالت' نبیلہ کا رونا اور نبیل کا سب برداشت کر لینا۔ ایسی حقیقتیں تھیں کہ صاف بتا رہی تھیں کہ یہ لوگ بھی لاعلم تھے۔ بے قصور تھے تو پھر وہ کہاں گئی تھی۔ اگر سچ تھا تو انتہائی تشویشناک تھا۔

"دیکھ لوں گا میں سب کو۔" ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ دھمکیاں دیتا وہاں سے چلا گیا تھا اور نبیل نے لب بھینچ لیے تھے۔

دوئم

رات تک قیصرہ آپا کا رویہ طاہرہ کے ساتھ کافی روکھا سا ہوگیا تھا۔ انہوں نے چند بار آپا سے بات کرنے کی کوشش کرنا بھی چاہی تو انہوں نے خود کو اتنا مصروف کرلیا کہ وہ چاہنے کے باوجود انہیں مخاطب نہ کرپائیں۔ رات خود ہی کچن کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹانے کو ان کے پاس چلی آئیں تو انہوں نے وہی سوال کر ڈالا جس کی وجہ سے وہ سوچ سوچ کر پریشان ہوچکی تھیں۔

''اگر تمہارے بچوں نے اسی طرح چپ سادھے رکھی تو تمہارے میاں نے آخری فیصلہ کر ڈالا تو کدھر جاؤ گی تم۔'' بڑی سفا کی سے سوال کیا تھا طاہرہ نے بڑی خوف زدہ نظروں سے آپا کو دیکھا تھا۔ بڑا سپاٹ سا چہرہ تھا۔

''میں بھلا کدھر جاؤں گی آپ کے پاس ہی رہوں گی۔ ساری عمر آپ کے پاس ہی آئی ہوں۔ سب بہن بھائی اسی بات پر ناراض رہتے تھے کہ آپ کو میں اہمیت دیتی ہوں۔'' انہوں نے سادگی سے کہا تھا۔

''پہلے کی بات اور تھی اب بھلا تم میرے پاس کیوں رہو گی۔ بڑے بھائی صاحب ہیں اور بھی بہن بھائی ہیں کسی کے بھی پاس چلی جاؤ۔'' انہوں نے ایسی بات کہی تھی کہ طاہرہ بیگم ششدر سی دیکھتی رہ گئی تھیں۔

قیصرہ آپا نے ان کے اس انداز پر اپنا ماتھا پیٹ لیا تھا۔

طاہرہ بیگم ساری عمر گنوا کر بھی ان کا رویہ اور بدلتے تیور نہ سمجھ پائی تھی۔

''آپ کو پتا ہے کبھی کسی نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ ہر کسی نے الزام مجھے ہی دیا ہے۔ اب بھلا وہ لوگ مجھے کیسے قبول کریں گے۔'' وہ روہانسی ہوگئی تھیں۔ ساری عمر اسی بہن کے ہی دماغ سے سوچا اور کیا تھا اب بھلا کیسے کسی اور کے پاس جانے کا سوچتیں۔

''تمہیں اپنے بہنوئی کا تو پتا ہے۔ کس دماغ کے انسان ہیں' اگر انہوں نے کچھ ایسا ویسا کہہ دیا تو پھر مجھے نہ کہنا۔'' وہ صاف لفظوں میں طاہرہ کو اپنے گھر سے چلے جانے کا کہہ بھی نہیں سکتی تھیں۔ وہ اس حالت میں بھی چاہتی تھی کہ طاہرہ خود ہی کچھ سوچ لیں اور ان کے اوپر الزام بھی نہ آئے۔

اگلے دو دن میں طاہرہ بیگم نے صاف محسوس کیا کہ آپا تو ایک طرف ان کے میاں اور تینوں بیٹیوں کا رویہ تک بدل گیا ہے۔ دو دن سے انہوں نے صرف ایک بار صبح کے وقت کھانا کھایا تھا کسی نے ان

دوئم

سے کھانے کا پوچھا تھا اور نہ ہی کھانے پر بلایا تھا۔ صرف ایک اسجد تھا جس کا رویہ ابھی تک نارمل تھا۔ پہلے جیسا ہی تھا۔ تیسرے دن بھوک' ٹینشن اور کمزوری کی وجہ سے انہیں بخار ہوگیا تھا۔

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ ناراض ہوکر آپا کے ہاں آئی تھیں تو ان کی اولاد تو ایک طرف کسی بہن بھائی نے بھی پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ لعنت ملامت ہی سہی کوئی نہیں آیا تھا۔ وہ اس وقت کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں۔

''خالہ جان۔'' اسجد کی آواز پر انہوں نے آنکھیں کھولنا چاہی تھیں مگر پانی کی وجہ سے سارا عکس دھندلا گیا تھا۔

''ارے خالہ جان' کیا ہوا؟ لیٹی کیوں ہیں؟'' وہ ان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ طاہرہ کا ہاتھ تھاما تو چونکا۔

''ارے خالہ آپ کو تو بڑا تیز بخار ہے۔''

پانی پلکوں کی سرحد پار کرتے رخساروں پر بہنے لگا تو اسجد نے بڑی خاموشی سے انہیں دیکھا تھا۔ اس وقت خالہ پر غصہ بھی آیا اور ترس بھی۔ یہ بے یارو مددگار عورت ساری عمر اس کی ماں اور باپ کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنی رہی تھی۔ یہ معصوم سی عورت اپنی کم عقلی کے ہاتھوں ساری عمر بہن کے اشاروں پر عمل کرتی' آج سب کچھ گنوا کر بے یارو مددگار بیٹھی حقیقی اور اعتبار کے رشتوں سے گندھے چہروں سے اٹھتے نقاب دیکھ رہی تھی۔

''اٹھیں خالہ' اب رونے کا بھلا کیا فائدہ' ساری عمر گنوا کر اس عمر میں عقل بھی آجائے تو اس عقل کا بھلا کیا فائدہ۔ میں نے جب بھی آپ کو سمجھانا چاہا' امی اور ابو کی اصلیت بتانا چاہی آپ نے ہر بار مجھے ٹوک دیا' اگر تب میری کوئی بات سن لیتیں یا کسی اور کے کہے پر عمل کرلیتیں تو آج اس حال میں نہ ہوتیں۔ آپ کی ذرا سی تکلیف پر آپ کے گرد آپ کی ساری اولاد ہوتی۔ خالہ جان۔'' خالہ کی حالت نے اسے اتنا غصہ دلایا تھا کہ وہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا تھا۔

''میں سب دیکھ رہا ہوں۔ سمجھ رہا ہوں' مگر بے بس ہوں صرف آخری بار آپ کو سمجھانے آیا ہوں کہ خدارا ابھی بھی وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ کی اولاد اور احمد فیملی کے دل بڑے وسیع ہیں وہ گزری بات کا حوالہ کبھی نہیں دیں گے۔ ایک دفعہ آپ کو ہمت کرنا ہوگی ہماری امی اور ہمارے ابو آپ کے ساتھ کبھی مخلص نہیں رہے' انہوں نے اپنے اپنے مطلب کے لیے آپ کو صرف استعمال کیا ہے' صرف استعمال۔ آپ کی حیثیت اس وقت کھوٹے سکے سے بھی کم ہے۔ آپ اب صرف خالی برتن ہیں جو اب ان کے لیے کسی فائدے کا نہیں رہا۔ اس لیے انہوں نے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ آپ کو اپنے گھر سے نکالیں آپ خود ہی کوئی فیصلہ کرلیں۔''

''اسجد! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپا پر تو مجھے اپنی ذات سے بڑھ کر اعتبار تھا۔'' اسجد کے اس قدر ترش اور تلخ انداز و الفاظ پر انہوں نے اسے ٹوکا تھا۔

''حیرت ہے آپ کو ابھی بھی یقین نہیں آرہا۔ آپ اتنی کم عقل کیوں ہیں خالہ جان۔ ماں اور باپ

دوئم

ان لوگوں کی کیٹگری میں آتے ہیں جو رشتوں کو صرف ہوس' خود غرضی اور دولت کے ترازو میں تولتے اور محبت کو صرف اغراض کی عینک سے دیکھتے ہیں۔ ہماری امی کے اندر یہ خصوصیات کیسے پیدا ہوئیں مجھے نہیں علم مگر وقت و حالات نے یہ ادراک ضرور دیا کہ انہیں اپنی ذات اور صلاحیتوں پر حد سے زیادہ گمان ہے۔ انہی صلاحیتوں کے بل بوتے پر انہوں نے آپ کے شوہر حضرت خالو صاحب کو اپنی طرف مبذول کرنا چاہا تھا۔ ہے تو شرم کی بات مگر کیا کریں آپ کو حقیقت کی تلخ دنیا دکھانے کے لیے یہ سب بتانا بھی ضروری ہے۔ مگر وہ عقل مند تھے جو ان کے جال میں نہ آئے۔ ان کا پلس پوائنٹ یہ تھا کہ دولت مند تھے اور دولت امی کی کمزوری ہے۔ وہ ان سے صرف بدظن ہی نہ ہوئے تھے' خار بھی کھانے لگے تھے اور یہ بات امی کے لیے نا قابلِ قبول تھی۔ کوئی ان کے جال سے بچ نکلے یہ کیسے ممکن ہے انہوں نے ان سے دشمنی کا رشتہ بنا لیا تھا۔ صرف ان سے ہی نہیں شائستہ خالہ لوگوں سے بھی مگر افسوس خالو کا انتخاب آپ ٹھہریں اور امی کا انتقام۔"

"اسجد بس کرو..... بس۔" انہوں نے اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ تمسخر سے ہنستے ایک پل رکا تھا اور پھر شروع ہو گیا تھا۔

"انہوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آپ کو سعود انکل کی طرف راغب کیا....."

"اسجد بس کرو۔" اسجد کے منہ سے یہ سب سن سن کر ان کا صرف سر ہی نہیں جھکا تھا وہ خود بھی اپنی نظروں سے گرنے لگی تھیں۔

"خالہ! مجھے آج بولنے دیں یہ برسوں کا غبار ہے جو میرے اندر اکٹھا ہو چکا ہے اگر آج بھی نہ نکلا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ آپ کی طرح میں بھی امی کی صلاحیتوں کے زیرِ اثر رہا تھا اور پھر جب حقیقت کا پردہ ایک ایک کر کے مجھے اصل چہروں سے روشناس کرواتا گیا تو میرے اندر سے رشتوں کا رہا سہا بھرم بھی اٹھ گیا ہے۔ میں نے بارہا کوشش کی کہ آپ کو آنے والی تکلیف سے بچا لوں مگر افسوس میں ایسا نہ کر پایا۔" وہ بڑے دکھ سے رکا تھا۔ "امی سے برداشت ہی نہیں ہوا تھا کہ ایک دبو سی' بے وقوف اور اپنی دنیا میں مگن رہنے والی ان کی بہن ان سے سبقت لے جائے۔ انہوں نے آپ کو سعود انکل کی طرف راغب کیا اور پھر شائستہ آنٹی کے دل میں یہ بات بھی ڈال دی۔ آپ کے جذبات کو وہ ہوا دیتی رہیں اور اُدھر شائستہ آنٹی کو جلاتی تھیں۔ آپ کی قسمت تھی کہ امی کی ہزار کوششوں اور آپ کی جذباتی حرکتوں کے باوجود سعید انکل سے آپ کی شادی ہو گئی تھی۔ آپ نے حالات کو قبول نہیں کیا تھا۔ مگر مجبوری نبھاہ رہی تھیں۔ ہیں نا۔"

"تمہیں یہ سب کس نے بتایا ہے؟" اسجد کے سوالیہ انداز پر انہوں نے غصے سے پوچھا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

"حالات نے' خالہ جان! وقت و حالات نے سب بتا دیا کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔ دولت اور خوب سے خوب تر کی جستجو کا لالچ صرف امی کی فطرت کا حصہ نہ تھا۔ بدقسمتی سے یہ ہمارے ابو کے خون میں وراثت کے طور پر شامل تھا۔ امی کے سسرال یعنی ہمارا ددھیال سعید انکل جیسی ٹھاٹھ باٹ کے

دوئم

مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا اور امی ابو کو ہر وقت اس بات کا احساس دلاتی رہتی تھیں اور ابو کی لالچی فطرت احساس کمتری کا شکار ہو کر انہیں دولت سمیٹنے کے اسرار و رموز سے آگاہ کرتی تھی۔ ان دونوں نے مل کر آپ کے ذہن کو ساری عمر جکڑے رکھا۔ انہوں نے آپ کو خود سے کبھی سوچنے نہ دیا۔ مٹی کا مادھو بنا کر رکھ دیا آپ کو۔ آپ انکل کو شادی کے بعد قبول کر لیتیں مگر انہوں نے ایسا نہ ہونے دیا ہر وقت کوئی نہ کوئی ایسی بات چھیڑے رکھتیں کہ آپ کی شائستہ آنٹی سے نفرت انتہا کی حد تک پہنچ گئی۔"

اور یہ سچ تھا۔ طاہرہ کو اب بھی یاد تھا سعید احمد ان کے ساتھ کس قدر سچے تھے ان کے خلوص پر وہ خود سے شرمندہ ہو جاتی تھیں اور آپا ہر بار ان کی شرمندگی کو ختم کرنے کے لیے شائستہ کو درمیان میں لا کر نفرت کی وجہ بنا دیتی تھیں۔

"خالہ! وقت نے امی کی سوچ کو شکست دی تھی اور انکل کی محبت جیتی تھی۔ آپ کے دل میں گزشتہ جذبات پر ندامت کے ساتھ نئے احساس پیدا ہونے لگے تھے اور امی کی ہزار ہا کوششوں کے باوجود آپ سعید انکل سے ایک مخلص بیوی کا ثبوت دینے لگی تھیں اور امی کو یہ گوارا نہ تھا کہ آپ ایک خوش باش ٹھاٹھ باٹ والی زندگی گزاریں اور وہ آپ کے ہی ہر ماہ دیے گئے ہزاروں روپے پر زندگی گزاریں۔"

طاہرہ نے حیران ہو کر اسجد کو دیکھا واقعی ہر ماہ بہت چپکے سے سعید احمد ان کے ہاتھ میں جو بھی رکھتے تھے آدھے سے زیادہ آپا کو دے دیتی تھیں۔ بھائی صاحب شروع سے ہی فارغ البال تھے۔ ساری عمر نہ کوئی کام کیا نہ کوشش کی۔ باپ دادا کی جائیداد سے ان کے حصے میں ایک گھر اور کچھ دکانیں آئی تھیں۔ جن کا کرایہ ان کی کل آمدنی تھی۔ ایسے میں وہ ہر ماہ آپا کے ہاتھ کچھ نہ کچھ ضرور رکھ دیتی تھیں اور آپا ہر بار حق سمجھ کر لیتی تھیں۔ بعض اوقات تو وہ خود سے کئی ہزار مانگ لیتی تھیں اور انہوں نے کبھی انکار نہ کیا تھا اور سعید احمد اچھی فطرت کے تھے کہ کبھی دے کر پوچھا نہ تھا کہ وہ روپیہ کہاں خرچ کر رہی ہیں۔

"آپ کی شائستہ آنٹی سے متعلق نفرت ختم ہو رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کچھ عرصہ بعد حالات نارمل ہو جانے تھے اور اگر ایسا ہو جاتا تو سب کچھ ختم ہو جاتا امی نے ہمیشہ آپ کو اپنے تسلط میں رکھنے کے لیے بہکانا شروع کر دیا تھا۔ آپ کو دو بیٹوں کی ماں ہونے کے اعزاز میں اس غرور فخر میں مبتلا کر دیا تھا جو فرعون کے دماغ میں سمایا تو وہ فنا ہو گیا تھا اور آپ ان کی ہر بات پر عمل کرتی رہیں۔ انہوں نے انکل کے دل میں آپ کے خلاف شک پیدا کروایا۔ ان سب حالات کے ساتھ آپ کا اپنا مقصد تھا کیوں ہر بات امی اور ابو کی مانی اپنی عقل استعمال کیوں نہ کی۔ کیوں ہماری زندگیوں کو ہمارے لیے طوق بناتی گئیں۔ یہ بے حس' بے ضمیر لوگ تھے کچھ ہمارا خیال کر لیا ہوتا۔ امی نے کبھی نہ سوچا کہ وہ جو گڑھا کسی کے لیے کھود رہی ہیں کبھی ان کی اپنی اولاد بھی اس میں گر سکتی ہے۔ خالہ کچھ تو سوچ لیا ہوتا۔"

"اسجد.....!" اسجد کے اس قسم کے رویے پر وہ ششدر سی بیٹھی رہ گئی تھیں۔

دوئم

"آپ نے اپنا گھر برباد کیا اور امی کے پاس آ گئیں۔ قصور شائستہ آنٹی کا نہ تھا۔ قصور آپ کا اپنا تھا۔ چند سال بعد انکل سے اگر آپ کی صلح ہو گئی تو آپ نے وہی روٹین رکھی۔ اگر ایمانداری سے اپنا گھر بساتیں تو امی کی کیا مجال تھی کہ آپ کو بہکائیں؟ آپ نے اس دور میں سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ عثمان اور ہادیہ کے معاملے میں امی کی باتوں پر عمل کیا اور انکل کے دل میں آپ کے لیے جو تھوڑا بہت احساس باقی تھا وہ بھی ختم کر دیا۔ آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے..... پھر شائستہ آنٹی یا ان کی بیٹیوں کو الزام کیوں؟"

وہ سراپا سوال بنا ہوا تھا اور طاہرہ لاجواب ہو کر سر جھکا گئی تھیں۔ ان کے سر جھکا لینے سے اسجد کو بڑی تکلیف ہوئی تھی۔

"آپ نے اپنے بچوں کو خود سے متنفر کر دیا۔ پہلے عثمان اور پھر سمعان اور اس کے بعد علی اور فرح آپ نے ایک ایک کر کے اپنی اولاد کو خود اپنے سے دور کیا ہے۔ آپ کو پتا ہے فوزیہ آپا نے خفیہ شادی کر رکھی ہے۔"

"کیا؟" انہیں لگا جیسے ان کے اردگرد بم ہی تو پھٹا ہے۔

"جی ہاں انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ جس پیسے سے انسان کی تربیت ہوتی ہے اس روپے کی قیمت انسان کے کردار کو واضح کرتی ہے۔ فوزیہ نے شادی کر لی۔ رابعہ وہ فلمی دنیا کے خواب دیکھ رہی ہے۔ امی کے لیے یہ دونوں باتیں عام سی حقیقت رکھتی ہیں اور ابو انہیں پیسہ چاہیے۔ چاہے وہ فوزیہ کے شوہر کو ہر ماہ بیوی سے ملنے کے لیے ایک معقول رقم کی صورت میں ان کے ہاتھ پر رکھنا پڑے۔ پیسہ کہاں سے آتا ہے انہیں اس سے کوئی غرض نہیں بس پیسا ہونا چاہیے۔ امی کو سب پتا تھا کہ فوزیہ کیا کرتی ہے۔ کس سے ملتی ہے مگر انہوں نے آپ کو اپنے تسلط میں رکھنے کے لیے آپ کو سمعان اور فوزیہ کے معاملے میں الجھائے رکھا اور جب دل چاہا لاکھوں مانگ لیے اور کبھی واپس نہ کیے۔ ایسا ہی کھیل وہ میرے اور فرح کے معاملے میں بھی کھیلنا چاہتی تھیں مگر قسمت سے بڑھ کر کوئی بھی زور آور نہیں۔ ان کو فرح سے زیادہ فرح کے نام کے شیئر اور دولت' جائیداد اٹریکٹ کرتی تھی۔ خالہ کیا آپ نے خود سے کبھی نہ سوچا کہ یہ جو اتنے سارے لوگ ایک طرف ہیں اور امی ایک طرف اس میں سچ کیا ہے؟ کیا آپ کا کبھی دل نہ چاہا کہ ایک بار ہی سہی ان سارے لوگوں کی بات ہی مان کر دیکھ لوں صرف ایک امی ہی تو تھیں۔ اپنا گھر برباد کیا۔ اولاد آپ سے اور متنفر ہے بہن' بھائی اب آپ کو آپ کے حالات پر چھوڑ چکے ہیں تو اس عالم میں بھی آپ نے گھر چھوڑ کر چلے آنے کی ایک انتہائی سنگین غلطی کی۔ کیوں خالہ؟ کیوں؟"

وہ اتنا بولا تھا کہ آخر میں ایک دم خالہ کے ہاتھ تھام کر سوالیہ نشان بن بیٹھا تھا۔

"آپا غلط نہیں ہو سکتیں۔ میرا دل نہیں مانتا۔ وہ کبھی میرے ساتھ غلط نہیں کر سکتیں۔" یہ پتا نہیں یقین اور اعتبار کی کون سی منزل تھی۔

اسجد کو لگا اس کا سب کہنا فضول گیا ہے۔

دوئم

"آپ کو ایسے یقین نہیں آئے گا چلیے میرے ساتھ۔" وہ انہیں اٹھا کر سہارا دے کر باہر لے آیا تھا۔

"کہاں لے کر جا رہے ہو مجھے؟"

"ابھی سب حقیقت کی طرح واضح ہو جائے گا۔ بس آپ ادھر رکیں اس کھڑکی سے اندر کی ساری آواز آئے گی آپ نے دھیان سے سب سننا ہے۔ میں اندر جا رہا ہوں۔ یہ آخری موقع ہے خالہ سنبھلنے کا۔ مجھے کیسے علم ہوا یہ وقت نے سکھایا ہے اب وقت آپ کو سکھانے والا ہے حوصلہ رکھیے گا ابھی وقت آپ کے ہاتھ میں ہے مگر یاد رکھیے گا کہ وقت نکل گیا تو پچھتاوہ بھی بے کار رہے گا۔"

وہ انہیں کھڑکی کے پاس کھڑا کر کے اندر چلا گیا تھا۔

"امی آپ کو پتا ہے خالہ کو کتنا تیز بخار ہے؟" یہ اسجد تھا۔

"تو میں کیا کروں؟ مصیبت جان کو ہی آ گئی ہے اب تو۔" یہ بے زاریت لیے آواز قیصرہ آپا کی تھی۔ طاہرہ کو لگا جیسے چھن سے ان کے اندر کچھ ٹوٹنے کو ہے۔

"تمہیں ہی بڑا شوق ہو رہا تھا خیر سگالی کا میں تو پہلے دن ہی کہہ رہا تھا کہ اسے مت رکھو ابھی فارغ کرو مگر تم نے میری ایک نہ مانی۔" بہنوئی کی آواز پر چھن سے ان کے اندر پھر کچھ ٹوٹ گیا تھا۔

یہ اعتبار تھا۔

برسوں کا یقین تھا۔

جو آج ریزہ ریزہ ہوا تھا۔

"ہاں تو میں بھی کیا کرتی آپ کے سامنے ہی سب کچھ تھا۔ منہ سے وہ ایک لفظ بھی نہیں کہہ رہی تھی پھر مجھے یہ بھی تھا کہ ناراض ہو کر ہی آئی ہے نا کیا پتا تھا سب ختم کر کے آئی ہے۔" طاہرہ کو آپا کی آواز بڑی اجنبی لگی تھی۔

"مجھے تو یہ تھا کہ ابھی بھی لاکھوں' کروڑوں کی مالک ہے۔ مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے مگر کیا پتا تھا کہ بالکل ہاتھ خالی کر کے آئی ہے۔ بریف کیس چیک کیا تو سوائے چند جوڑوں کے زیور نام کی ایک چیز بھی نہیں جو پہنتی تھی وہ بھی اتار آئی احمق۔"

"ساری عمر کی وہ احمق اور بے وقوف رہی ہے دبو سی۔ اپنی تو عقل اس میں ہے ہی نہیں نام کی بھی' پاگل.....!"

"میں آپ سے کیا بات کرنے آیا ہوں اور آپ کیا مسئلے لے کر بیٹھ گئے ہیں۔ ساری عمر خالہ نے آپ لوگوں کو کھلایا ہی ہے۔ یہ عمارت یہ ٹھاٹھ باٹ سب انہی کی وجہ سے تو ہے ورنہ ابو دکانوں کے کرایہ سے ہم گزار چکے ہوتے زندگی۔"

اسجد نے تلخی سے کہا تھا۔

"تمہیں بڑی اس کی سائیڈ آتی ہے۔ چند ہزار کیا کمانے لگے ہو خود کو بڑے افلاطون سمجھنے لگے ہو۔ چپ کر کے بیٹھو اور قیصرہ صاف سن لو اب اپنی بہن کو چلتا کرو کہیں بھی رہے ہماری بلا سے' ساری عمر ہم نے ٹھیکہ تو نہیں لیا ہوا۔ بیٹا کہیں اور بیاہ دیا۔ بیٹی کہیں اور دے دی ہمارے ہاتھ کیا آیا وہی خیرات کے

ہر ماہ چند نوٹ۔ نکالو اس نحوست کو اب گھر سے۔ مجھ سے نہیں یہ مفت خوری کروائی جاتی۔"

کیسی سفاک آواز تھی۔

طاہرہ بیگم کو اپنا سر گھومتا محسوس ہوا تھا۔

"کر تو رہی ہوں بھائی صاحب کو بار بار فون' کہ آ کر اپنی چہیتی کو لے جائیں بڑے درد اٹھتے رہتے تھے ہر وقت سب کے پیٹ میں' اب وہ سب ختم کر رہی ہے تو کوئی خیر خبر لینے نہیں آیا۔ ورنہ سارا خاندان آگے پیچھے نصیحت ملامت کرنے پہنچ جاتا ہے۔"

یہ وہ آخری الفاظ تھے جو طاہرہ بیگم نے سنے تھے اور پھر ان کو لگا ان کے حواس ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔

پہلے اسجد کی باتیں اور اب یہ انکشاف۔

وہ لہرا کر گری تھیں۔

اور پھر ہر چیز ان کی بصارت سے اوجھل ہو گئی تھی۔

ہوش میں آنے کے بعد انہیں اول تو کچھ سمجھ نہ آئی اور جب انہیں جگہ اور صورت حال کا اندازہ ہوا تو ان کا دل پھر رونے لگا۔

"خالہ جان!"

"اسجد!" اسجد کو خود پر جھکے دیکھ کر وہ رو دی تھیں۔

"اسجد کیوں کیا آپا نے میرے ساتھ ایسا..... میں نے تو کبھی ان کا برا نہ چاہا تھا؟" ان کے آنسو بے اختیار بہنے لگے تھے۔

"خالہ جان پلیز! خود کو سنبھالیں۔ آپ کی طبیعت نارمل نہیں ہے۔ آپ مسلسل دو گھنٹے بے ہوش رہی ہیں۔ اس وقت بھی اسپتال میں ہیں۔"

"اسجد! میرے بچوں کو بلوا دو۔ ساری عمر میں نے انہیں کوئی سکھ نہ دیا۔ اب زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ میں ایک بار تو ان سے معافی مانگ لوں اور سعید احمد....." سعید احمد کے تصور سے ہی ان کا پورا وجود کانپ اٹھا تھا۔

"خالہ جان پلیز! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کا بلڈ پریشر شوٹ کر چکا ہے۔ بمشکل ہوش آیا ہے آپ کو۔ پلیز کچھ نہ سوچیں۔ میں سب کو اطلاع کروں گا۔ آپ پہلے خود ٹھیک ہو جائیں۔"

"نہیں اسجد! اب کچھ باقی نہیں رہا۔ سعید احمد کو بلوا دو۔ میرے بچوں کو بلوا دو پھر چاہے موت آ جائے۔ اب جینے کی چاہ نہیں رہی۔ اب کس منہ سے زندہ رہوں گی۔ تم دعا کرو رب مجھے موت دے دے۔"

"خالہ جان!" طاہرہ بیگم کی آہ وزاری پر اسجد کے لیے انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا تو اس نے ڈاکٹرز کو بلایا اور انہوں نے طاہرہ بیگم کو انجکشن لگا کر پرسکون نیند سلا دیا۔ انہیں بے سدھ بستر پر لیٹا دیکھ کر اسجد

کے اندر کا اضطراب بڑھنے لگا تھا۔ ان کی اس حالت کے سب سے بڑے ذمہ دار اس کے اپنے والدین تھے۔ انہوں نے ان کے بے ہوش ہو جانے پر بجائے وجہ جاننے کے یا شرمندگی ظاہر کرنے کے تلملا کر کہا تھا۔

"لو جی۔ یہ اور ڈرامے شروع ہو گئے۔ ساری عمر ڈرامے کرتے ہی گزار دی ہے۔ اب کیوں پیچھے رہتی بھلا۔" یہ اس کی ماں کے الفاظ تھے اور وہ خاموشی سے انہیں اسپتال لے آیا تھا اور اب.....

ان کے بچوں میں سے کسی نے بھی ماں سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک فون تک بھی نہیں کیا۔ کیا واقعی ان لوگوں کے دلوں میں خالہ کے لیے اب کوئی گنجائش نہیں رہی.....؟ خالہ کے زرد چہرے کو دیکھتے اسجد کے اندر بڑی تکلیف دہ لہر اٹھی تھی۔ اپنے ماں باپ کے گناہوں کا کفارہ ہمیں ہی ادا کرنا ہے جیسے بھی ہو مجھے اب انکل اور باقی لوگوں سے رابطہ کرنا ہوگا۔ بہت سوچ بچار کے بعد اسجد نے سعید احمد کے گھر فون کر کے خالہ کی طبیعت سے متعلق آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

نویرہ کی اس طرح گمشدگی جس نے بھی سنا اس کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ شارق اور نبیل اپنی اپنی جگہ ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح پتا لگا لیا جائے کہ نویرہ کہاں ہے اور نویرہ نے تو کوئی نشان بھی باقی نہیں چھوڑا تھا۔ انسپکٹر انجم کی بھی تمام کوششیں ناکام رہی تھیں۔ دو دن گزرے تو بات ان دونوں گھروں سے نکل کر خاندان کے باقی گھروں میں بھی پہنچ گئی تھی۔ نواز فاروق نے سنا تو کئی پل اپنی جگہ سے ہلنے کی سکت نہ رہی تھی۔ نویرہ کوئی ایسا انتہائی قدم بھی اٹھا سکتی ہے' کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا اور وجہ کیا تھی؟ چند لوگوں کے علاوہ باقی سب بے خبر ہی تھے۔

"یہ کیا کر دیا تم نے پاگل لڑکی؟" نواز کو لگا ذہن و دل نویرہ کی اس درجہ جذباتی حرکت کو قبول کرنے سے قطعی قاصر ہیں۔ نجانے وہ کس حال میں اور کن لوگوں میں ہو؟ اگلا تصور اس سے بھی زیادہ جان لیوا تھا۔

جب یہی خبر حمید صاحب کے ہاں پہنچی تو وہاں موجود ہر فرد کو لگا جیسے قیامت آ گئی ہو۔ رضا نے تو کبھی ایسا گمان تک نہ کیا تھا کہ نویرہ کوئی ایسا قدم بھی اٹھا سکتی تھی۔ وہ تو ڈھے گیا تھا۔ زبیدہ چچی اور حمید صاحب دونوں گھروں میں گئے تھے اور واپس آ کر حمید صاحب کا جی چاہ رہا تھا کہ رضا کی گردن اڑا دیں۔

رفعت باجی' واجدہ بیگم اور پھر نبیل کے ہاں سے نبیلہ اور خالدہ بیگم کی زبان سے جو کچھ سننے کو ملا تھا' نویرہ اور شارق کے تعلقات اور نبیل کی ضد سمیت موجود انکشافات ہوئے تھے۔ انہوں نے زبیدہ بیگم کی قوت گویائی کو اگر سلب کر لیا تھا تو حمید صاحب کے اندر آتش فشاں بھڑکا دیا تھا۔ گھر آتے ہی وہ سیدھے رضا کے کمرے میں پہنچے تھے جو اس خبر کے بعد مسلسل کمرہ نشین ہو بیٹھا تھا۔

"ہو گئی تسلی تمہاری' مل گیا سکون تمہیں اس بچی کو برباد کر کے۔ صرف اور صرف تمہاری وجہ سے اس کا گھر برباد ہوا ہے اور اسے یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا۔ جی چاہ رہا ہے کہ میں تمہیں شوٹ کر دوں۔" وہ غصے

سے ایسے بپھرے ہوئے تھے بس نہیں چل رہا تھا کہ رضا کے منہ پر دو تین تھپڑ رسید کر دیں اور اسے صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیں۔

''کسی سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا تم نے مجھے۔ خاندان بھر میں رسوا کر کے رکھ دیا ہے تم نے۔ ایسی ناخلف اولاد کبھی کسی کی نہ ہوگی۔ بہتان باندھا تم نے ایک بچی پر' میاں بیوی کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر دیں تم نے۔ کتنی دفعہ میں نے کہا کہ میرے ساتھ چلو اور شارق کے سامنے ساری بات کلیئر کر لیتے ہیں مگر تم نے ایک نہ مانی' اب انجام دیکھو..... نبیل اور شارق ضد پر آ گئے اور وہ بچی بے گھر ہو گئی۔ نجانے کس حال میں اور کہاں ہو گی؟

اس تصور نے ان کو بالکل مفلوج کر دیا تھا اور وہ کرسی پر گر سے گئے تھے اور رضا چپ چاپ کھڑا ان کی ساری باتیں سن رہا تھا۔

''لوگوں کو کیا پتا اصل صورت حال کیا ہے؟ نویرہ اور شارق کے درمیان ناچاقی کی اصل وجہ کیا ہے مگر وہ بچی تو بدنام ہو گئی اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔'' رضا سر جھکائے کھڑا تھا۔ نواز کا سمجھانا تو ایک طرف' وہ تو ابھی تک خود سے بھی نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا اور اب اس خبر نے گویا جسم سے جان کھینچ لینے کی کوشش کی تھی۔

''اگر نویرہ نہ ملی تو یاد رکھنا میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کر دوں گا۔ اسے برباد کر کے تمہیں بھی زندگی گزارنے کا کوئی حق نہیں سناتم نے۔'' رضا کی مسلسل چپ نے ان کے اندر کی تپش کو مزید بھڑکا دیا تھا۔ غصے سے اسے دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل گئے تھے۔

✿.....✿.....✿

نویرہ کی آمد کے تین دن بعد سمعان نے لاہور کا چکر لگایا تھا۔ شام کا وقت تھا جب وہ گھر آیا تھا۔ آفس کی گاڑی نے اسے گھر ڈراپ کر دیا تھا۔ وہ اندر آیا تو سارا گھر خالی تھا۔ چوکی دار کی بیوی کچن سے برآمد ہوئی۔

''السلام علیکم صاحب جی!''

''وعلیکم السلام! زرش کہاں ہیں؟'' اطراف کا جائزہ لیا تھا۔

''کچن میں ہیں۔''

''اچھا۔'' سمعان اسے بریف کیس تھما کر اندر رکھنے کا کہتے ہوئے کچن کی طرف ہی چلا آیا تھا۔

''زبردست نویرہ جی! اتنا زبردست ٹیسٹ ہے آپ کے ہاتھ میں مزہ آ گیا۔'' زرش نے کسی بچے کو اٹھایا ہوا تھا۔ ساتھ ساتھ صلیب پر رکھی پلیٹ میں سے کچھ کھا رہی تھی جب کہ چولہے کے سامنے کھڑی لڑکی دیگچی کی طرف متوجہ تھی۔ سمعان کے قدم ٹھٹک گئے تھے۔ اپنے گھر کے کچن میں ایک اجنبی چہرہ دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

''سمعان کو کڑاہی گوشت بہت پسند ہے۔ وہ بریانی بھی بہت شوق سے کھاتے ہیں' آپ مجھے یہ دونوں ڈشیں سکھا دیں' تھوڑا بہت تو آتا ہی ہے مگر آپ جیسا ذائقہ میرے ہاتھ میں نہیں۔ ماما بھی بہت

اچھا پکاتی ہیں اور نوشی بھی مگر کچن کے معاملے میں خاصی پھوہڑ واقع ہوئی ہوں۔'' اک اجنبی لڑکی کے ساتھ زرش کی اس قدر بے تکلفی سمعان کو اندازہ نہ ہو سکا کہ یہ ہستی کون ہے.....؟

''کوئی پرابلم نہیں۔ سنجیدگی کے ساتھ توجہ دو تو ایک ماہ میں ہی سب سیکھ سکتی ہو' ذائقہ آہستہ آہستہ ہاتھ میں آ جاتا ہے۔'' بڑے ٹھہرے لہجے میں جواب دیا تھا۔

''زرش۔'' اس پکار پر زرش یک دم حیران ہو کر پلٹی تھی۔

''ارے آپ؟'' سمعان کو دیکھ کر وہ ازحد حیران ہوئی تھی۔ سمعان بغیر کسی اطلاع کے آیا تھا۔ نویرہ نے بھی پلٹ کر دیکھا تو سمعان اس کی طرف متوجہ تھا۔ اس نے فوراً چہرہ موڑ کر دوپٹہ درست کیا تھا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! آپ کب آئے؟'' زرش فوراً سمعان کی طرف بڑھی تھی۔ سمعان نے اس کے بازو میں اٹھائے بچے کو دیکھا۔ بچہ بہت پیارا اور صحت مند تھا۔

''ابھی آیا ہوں۔'' سمعان نے بچے کا رخسار چھوا تو وہ کھلکھلا کر ہاتھ آگے بڑھانے لگا تھا۔

''کون ہے یہ؟'' سمعان نے بہت آہستگی سے پوچھا تھا۔ ایک نظر رخ موڑے کھڑے وجود کو بھی دیکھا۔ زرش ایک دم پزل سی ہو گئی تھی۔ سمعان کو کیا بتانا ہے وہ سب طے کیے ہوئے تھی مگر اب اسے دیکھ کر اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔

''یہ نویرہ آپی ہیں اور نویرہ آپی یہ سمعان ہیں۔'' نویرہ نے صرف پلٹ کر ایک نگاہ ڈالی تھی۔ غائبانہ تعارف تو تھا ہی سمعان کو سامنے دیکھ کر اسے زرش کے ''لکی'' ہونے کا احساس ہوا تھا۔ زرش نے ایک ہی جملے میں تعارف نبٹایا تھا۔ سمعان نے الجھ کر زرش کو دیکھا۔

''آئیں باہر چلتے ہیں۔'' بچے کو نویرہ کی طرف بڑھا کر وہ سمعان کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔

''یہ خاتون کون ہے اور یہ بچہ بھی.....؟''

''ابھی بتاتی ہوں۔ آپ بتائیں کہاں سے آئے ہیں؟ کراچی سے یا اسلام آباد سے؟'' دو دن پہلے سمعان سے بات ہوئی تھی تب سمعان کراچی میں تھا اور اب اِدھر.....

''میں آج کل کراچی میں ہی ہوں' ابو کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ چچا جان کے ساتھ کراچی میں ہی ہوتا ہوں۔'' دونوں بیڈروم میں چلے آئے تھے۔

''خیریت ہے نا؟'' تایا ابو کی طبیعت کا سن کر وہ کچھ پریشان ہوئی تھی۔

''ہاں۔ بالکل خیریت ہے۔'' سمعان کا انداز بڑا سنجیدہ تھا۔ زرش کو محسوس ہوا کہ کوئی نہ کوئی بات ہوئی ہے شاید۔ دو دن سے اس نے ماما کو بھی فون نہیں کیا تھا ورنہ ادھر کی صورت حال کا اندازہ رہتا۔ سمعان نے کوٹ اتار کر اسے تھمایا اور پھر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

''تم نے بتایا نہیں یہ خاتون کون ہیں؟'' بستر پر بیٹھتے سمعان نے پھر وہی سوال دہرایا تو زرش کنفیوژ ہو گئی تھی۔ نجانے سمعان کا کیا ری ایکشن ہوتا۔

''آپ سے میں نے ایک آپا کی بات کی تھی نا اسی سلسلے میں ان کو رکھا ہے۔'' جھجکتے ہوئے اس نے

کہہ دیا تھا اور سمعان نے بڑا حیران ہو کر زرش کا چہرہ دیکھا تھا۔ آنکھوں میں نویرہ کا چہرہ در آیا۔ وہ کہیں سے بھی آیا ٹائپ خاتون نہیں لگ رہی تھیں۔

"نویرہ آپی بہت اچھی ہیں پھر ضرورت مند بھی ہیں۔ مصعب ان کا بیٹا ہے۔ ان کا میاں اچھا نہیں ہے گھر سے نکال دیا تو وہ جاب کرنے لگ گئی ہیں۔"

"تمہیں کہاں ملی تھیں؟" سمعان کو کسی بھی طرح یقین نہیں آ رہا تھا۔ اتنی خوب صورتی کی مالک' اچھا لباس اور ناک میں چمکتی ہیرے کی لونگ سمعان ایک نظر میں جو بھی دیکھ پایا تھا کسی بھی طرح یقین کرنے والا نہ تھا۔

"امجد (ڈرائیور) کی رشتے میں کزن ہے۔ ماں باپ نہیں ہے عزیز و اقارب ہیں مگر آج کے دور میں بھلا کوئی کسی کی کب ذمہ داری لیتا ہے۔ شوہر نے چھوڑ دیا تو امجد کے ہاں آ گئی تھی۔ آپ سے مشورے کے بعد میں نے ڈرائیور اور چوکی دار دونوں سے کسی "آیا" کا بندوبست کرنے کو کہا تھا تو امجد ان کو لے آیا۔ مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔ تین دن سے میرے پاس ہیں۔ پڑھی لکھی اور خوش اخلاق ہیں۔" اس نے سوچا سمجھا جواب دیا تو سمعان نے چند پل زرش کو بغور دیکھا تو وہ پزل ہونے لگی۔

"کیا بات ہے؟ میں نے کچھ غلط کیا ہے؟ میں امجد کو بلوا لیتی ہوں۔ بے شک اس سے پوچھ لیں۔ نویرہ آپی کے بارے میں زیادہ وہی جانتا ہے۔ ظاہر ہے اس کی کزن ہے جو اس نے مجھے بتایا میں نے آپ کو بتا دیا۔"

سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔ بات یقین کرنے والی تو نہ تھی مگر امجد کا حوالہ ایسا تھا کہ سمعان کو یقین کرنا پڑ رہا تھا۔ امجد پچھلے پندرہ سالوں سے ان کی فیکٹری میں ڈرائیور تھا۔ زرش کی وجہ سے انہوں نے اسے گھر پر رکھ لیا تھا۔ وہ قابلِ اعتماد تھا' کردار کے لحاظ سے بھی ابھی تک اس میں کوئی غلط بات نہ دیکھی گئی تھی اور زرش کے لیے وہ نیا کوئی ڈرائیور رکھنے کا رسک بھی نہیں لے سکتے تھے۔ بظاہر وہ لڑکی سلجھی ہوئی تھی مگر.....

"اوکے۔ تم ملازمہ کو کہو امجد کو میرے پاس بھیجے۔ آج کل کے دور میں ملازم پر اعتبار نہیں کر لینا چاہیے پھر بھی میں امجد سے معلومات کر لیتا ہوں۔"

"کھانا کھائیں گے نا؟" اس نے پوچھا اور باہر نکل آئی۔ ملازمہ سے کہہ کر امجد کو کوارٹر سے بلوایا تھا اور پھر اسے ساری بات سمجھا کر سمعان کو مطمئن کرنے کا کہہ کر کمرے میں بھیجا تھا۔ نویرہ کچن کا کام ختم کر چکی تھی۔ اسے بڑی شرمندگی ہوئی۔ یہ سب ملازمہ کی ذمہ داری تھی مگر نویرہ فارغ بیٹھنے کے بجائے کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی۔ نویرہ نے سمعان کا رویہ پوچھا تو اس نے سب بتا دیا۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"اگر تمہارے شوہر کو یقین نہ آیا اور اس نے خود سے پتا لگا لیا تو؟"

"کچھ نہیں ہوگا' امجد وہی کہے گا جو میں کہہ چکی ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے ہر حال میں آپ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے تو بے فکر رہیں۔ اگر ان کو کسی نہ کسی طرح شک ہو ہی گیا تو میں خود دیکھ لوں گی۔" وہ مطمئن تھی۔ دونوں نے مل کر ٹیبل سجائی تھی۔ نویرہ نے اپنے کمرے میں کھانا کھانے کو

ترجیح دی تھی۔ زرش کی ضد کے باوجود بھی وہ نہ مانی تھی۔

"تو کیا نام ہے ان کا؟ ہاں نویرہ' ان کو بھی کھانے پر بلا لو....." امجد سے بات کر کے سمعان مطمئن ہو گیا تھا۔ شاید اسی لیے نویرہ کی غیر موجودگی پر زرش سے کہا تھا۔

"میں نے ان کو کہا بھی تھا مگر انہوں نے منع کر دیا ہے۔ وہ کمرے میں ہی کھانا کھائیں گی۔" ٹیبل پر بریانی اور کڑاہی گوشت کے علاوہ روٹیاں سلاد اور فرنی تھی۔

"تمہیں کیسے علم ہوا کہ میں نے آج آنا ہے؟" اپنی پلیٹ میں بریانی ڈالتے سمعان نے زرش سے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

"میں تو یوں ہی نویرہ آپی سے سیکھنے کو کہا تھا۔ انہوں نے ہی سب کچھ پکایا ہے۔ میں نے صرف ان کی مدد کی تھی۔ آپ کی آمد تو بس اتفاق ہے۔"

"کبھی تو خوش کر دیا کرو۔" سمعان کی بات پر وہ ایک دم جھینپ گئی تھی۔

"نویرہ آپی بہت اچھا کھانا پکاتی ہیں۔" سمعان نے بغور اسے دیکھا۔ نویرہ کی آمد نے اس کے مزاج پر خاصا خوش گوار اثر ڈالا تھا۔ وہی پرانا' پراعتماد انداز لیے ہوئے تھی اور حد سے زیادہ مطمئن اور پرجوش..... مسلسل نویرہ کے نام کے گن گاتے ہوئے۔

"میں نے امجد سے پوچھا ہے۔ اس نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی جو قابلِ گرفت ہو تاہم اجنبی خاتون ہیں۔ تم ان سے شناختی کارڈ کی کاپی لے لینا۔ ویسے امجد اس سے اچھی طرح واقف ہے' قابلِ اعتماد اور قابلِ بھروسہ آدمی ہے ہمارا۔ کئی سالوں سے جانتا ہوں۔ اس کے بھروسے پر اس خاتون کو رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔" کھانا کھاتے ہوئے سمعان نے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔ اندر ہی اندر خوشی سے نہال ہوا۔

"میں صبح چلا جاؤں گا۔ بس تمہاری طرف سے فکر مندی تھی کہ تم تنہا پریشان ہو رہی ہو گی۔ اب ان خاتون کو دیکھ کر کچھ اطمینان ہوا ہے۔ لگتا ہے کافی بے تکلفی ہو گئی ہے تم لوگوں کی آپس میں....."

"آپ رکیں گے نہیں؟" اس نے کھانا چھوڑ کر سمعان کو دیکھا تھا۔

"نہیں۔"

"کیوں.....؟" اس نے بے تابی سے پوچھا تھا۔

"گھر میں فرح کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے دو دن سے مسلسل بخار کی حالت میں ہے۔ ابو اس کی وجہ سے پریشان ہیں۔ چچا جان اکیلے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ یہاں اور اسلام آباد تو منیجرز دیکھ لیتے ہیں مگر گھر کا خود ہی سب دیکھنا پڑتا ہے۔"

"فرح کو کیا ہوا ہے؟" اس نے کچھ تشویش سے پوچھا تھا۔

"بس بخار ہے۔ تم چلو گی کراچی ایک دو دن کے لیے؟"

"نہیں۔ اس ہفتے تو ممکن نہیں ہو سکتا ہے۔ اگلی بار آپ کے ساتھ ہی چلوں گی۔" اس نے انکار کر دیا۔ سمعان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

دوئم

"ہوں۔ کسی قسم کی کوئی پریشانی تو نہیں؟"

"نہیں۔ پہلے اکیلے گھبراہٹ ہوتی تھی اب نویرہ آپی کی وجہ سے وہ بھی نہیں رہی۔"

"چلو اچھی بات ہے۔" باقی کا کھانا دونوں نے خاموشی سے کھایا تھا۔ کھانے کے بعد ملازمہ برتن سمیٹنے لگی تو وہ نویرہ کے روم میں چلی آئی تھی۔ پچھلے تین دن سے وہ نویرہ کے ساتھ اس کمرے میں ہی تھی۔ نویرہ کھانا کھانے کے بعد بچے کو سلا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"امجد کی باتوں سے سمعان مطمئن ہو گئے ہیں مگر انہوں نے آپ کا شناختی کارڈ مانگنے کو کہا ہے۔"

"ڈاکومنٹس تو میں ساتھ لے کر آئی ہوں۔ اس خیال سے کہ کبھی کسی جگہ جاب کرنے کی ضرورت پڑے تو مسئلہ نہ ہو مگر کارڈ کے ذریعے سے وہ کچھ معلوم نہ کروالیں۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ صبح واپس جا رہے ہیں پھر چکر لگائیں گے تو دیکھ لیں گے۔ میں سنبھال لوں گی۔ بس آپ کو بتانا تھا کہ اگر وہ خود شناختی کارڈ کا پوچھیں تو کہہ دیجیے گا کہ میں دے دوں گی۔ باقی میں خود ہی دیکھ لوں گی۔"

"تھینک یو..... تم بہت اچھی ہو۔" نویرہ نے ممنونیت سے اسے دیکھا۔ اگر زرش اس کا ساتھ نہ دیتی تو نجانے اب تک وہ کہاں کہاں رل رہی ہوتی۔ شارق کے پاس دوبارہ جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"آپ خود بھی بہت اچھی ہیں۔"

"تمہارے ہسبینڈ کی پرسنالٹی بہت زبردست ہے۔ تم لوگوں کا کپل بہت پرفیکٹ اور شاندار ہے۔ کزن ہیں نا تمہارے؟"

"جی..... تایا کے بیٹے ہیں....." اس نے اپنے بارے میں نویرہ کو کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔

"تم نے اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا؟"

"ہم صرف تین بہنیں ہی ہیں۔ ہادیہ آپی پھپھو کے بیٹے سے بیاہی گئی ہیں۔ نوشین کی بھی شادی ہو چکی ہے پھر میں ہوں۔ میرے بارے میں آپ کو علم ہے۔ ہمارے پاپا دو بھائی اور ایک بہن ہیں۔ تایا ابو کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ عثمان بھائی اور سمعان کے بعد فرح اور علی ہیں۔ فرح میری ہی ہم عمر ہے۔ اس کی منگنی ہادیہ آپا کے دیور اور پھپھو کے چھوٹے بیٹے سے ہو چکی ہے۔"

"ابھی تم پڑھ رہی تھیں تو اتنی جلدی یوں کم عمری میں تمہارے والدین نے تمہاری شادی کیوں کر دی؟" سوال ایسا تھا کہ زرش کو سمجھ نہ آئی کہ کیا جواب دے.....

"بس پاپا کی طبیعت اکثر خراب رہتی ہے۔ آپ کو بتا چکی ہوں کہ وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں۔ نوشی کی شادی کر رہے تھے۔ تایا ابو کے کہنے پر میری بھی شادی کر دی۔ تعلیم میں چھوڑنا نہیں چاہتی تھی تو سمعان نے مجھے یہاں ایڈمیشن دلا دیا۔" اس نے مسکرا کر چند لفظوں میں بات سمیٹ دی۔

"خوش قسمت ہو تم..... ورنہ شادی کے بعد شوہر بیوی کے اتنے لاڈ کہاں اٹھاتے ہیں....." مصعب سوچ چکا تھا۔ نویرہ کے کہنے پر وہ صرف مسکرا ہی سکی تھی۔

دوئم

وہ اس مقام پر کیسے پہنچی تھی وہ نویرہ کو بتا کر دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اچھا تھا اک پردہ درمیان میں حائل ہی رہتا ورنہ اپنی ذات کو ڈسکس کرنے میں اذیت ہی ہوتی۔

یوں اپنے ماں باپ سب رشتہ داروں سے دور اجنبی شہر میں صرف تعلیم حاصل کرنے کے لیے رکنا۔ اگر طاہرہ بیگم نے وہ سب نہ کیا ہوتا تو اس وقت زندگی میں کچھ نہ کچھ خوش گواریت ہوتی۔ وہ محض زندگی کو دھکا نہ لگاتی۔

✿.....✿.....✿

نویرہ کا یوں گھر چھوڑ کر چلے جانا ایک ایسا دھچکہ تھا کہ لگتا تھا سب کی زندگی میں اک قیامت سی آ گئی ہے۔ شارق زمان کے لیے نویرہ کا یہ قدم کسی شدید شاک سے کم نہ تھا۔ وہ اکیلی نہ تھی اس کے پاس مصعب بھی تھا۔

نجانے وہ کہاں تھی؟

کس حال میں تھی؟

یہ سوال ایسے تھے کہ کسی پل چین نہ تھا۔

ہر جگہ دیکھ ڈالا تھا۔ ایسی کوئی جگہ نہ چھوڑی تھی جہاں اس کی تلاش میں ہر ممکن کوشش نہ کر ڈالی ہو۔ جب ہر طرف سے ناامیدی اور مایوسی ہی دیکھنے کو ملی تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے انسپکٹر انجم کی خدمات لینا پڑی تھیں مگر تا حال کامیابی کا کوئی سرا ہاتھ نہ آیا تھا۔

نویرہ کی یوں گمشدگی بے شک حمید چچا اور فاروق چچا کے گھرانے کے علاوہ اور رشتے داروں کے علم میں یہ بات نہیں آئی تھی مگر کب تک اس خبر کو چھپایا جا سکتا تھا..... شارق زمان جس نے کبھی لوگوں کی باتوں کی پروا نہ کی تھی پہلی بار اس سنگین صورت حال کا احساس ہوا تھا۔

"نویرہ نے یہ قدم کیوں اٹھایا؟" جو لوگ صورت حال سے بے خبر تھے ان کے سوال کسی برچھی یا تیز دھار آلے کی ضرب سے کم نہ تھا۔ اماں اور رفعت باجی ہر پل آئینہ دکھاتی تھیں۔ رفعت باجی نے واپس جانا تھا مگر اب سب کچھ بھلا کر اماں کو سنبھالے ہوئے تھیں کہ جن کی طبیعت روز بہ روز خراب ہوتی جا رہی تھی۔

مغرب کے وقت وہ انجم کے ساتھ سارا دن خوار ہو کے گھر آیا تو لاؤنج میں بیٹھے نواز فاروق کے ساتھ رضا حمید کو دیکھ کر شارق زمان کا فشارِ خون ایک دم تیز ہو گیا تھا۔ جی چاہا کہ پسٹل لے اور ساری کی ساری گولیاں رضا حمید کے حلق میں اتار دے۔

"تم....." انتہائی نفرت سے اسے دیکھا تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اتنے دن خود سے لڑنے کے بعد آج اعترافِ جرم کرنے کی ہمت ہوئی تھی۔

"شارق بیٹھ کر آرام سے بغیر غصہ کیے بات سن لو۔ رضا تم سے معافی مانگنے آیا ہے۔" اماں کے کہنے پر اس نے انتہائی غضب سے سب کو دیکھا تھا۔

"کیوں آیا ہے یہ یہاں..... دفع ہو جائے یہاں سے، مجھے اب اس جھوٹے، گھٹیا انسان کی کوئی

بات نہیں سننی۔" وہ سخت طیش کے عالم میں پھٹ پڑا تھا۔

"شارق! تحمل سے تم اس کی بات....."

"نہیں ہے تحمل مجھ میں.....نہیں کچھ سننا مجھے کسی سے کچھ بھی نہیں....." اس نے غضب کے عالم میں اماں کی بات کاٹ دی تھی۔

"شارق' دوست غصے اور جذباتیت کا اب کوئی فائدہ نہیں۔ پہلے ہی تم لوگوں کی جذباتیت کے ہاتھوں آج یہ صورت حال درپیش آئی ہے۔ تم بیٹھ کر سکون سے' ٹھنڈے دل و دماغ سے اصل حقائق سے شناسائی تو حاصل کرو پلیز یار۔" نواز اٹھ کر اس کے پاس چلے آئے۔ اس کے کندھے پر اپنا بازو رکھ کر اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"تم اسے کیوں لے کر آئے ہو؟"

"وہ شرمندہ ہے' وہ اپنے سب گناہ قبول کرنے کو تیار ہے۔ اس سے غلطی ہو چکی ہے۔ وہ اس غلطی کا اقرار کرنا چاہتا ہے۔" شارق نے لب بھینچ لیے تھے۔ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد رضا حمید کو اب اپنی غلطی کی سنگینی یا اصلاح کا خیال آیا تھا۔

"ادھر بیٹھو۔ اب جذباتیت کا کوئی فائدہ نہیں۔ نویرہ ایک انتہائی قدم اٹھا چکی ہے۔ کوئی پتا نہیں چل رہا کہ وہ کہاں ہے؟ مگر جو غلطیاں ہو چکی ہیں ان کی اصلاح تو کی جا سکتی ہے....." نواز نے بازو سے پکڑ کر اسے سامنے صوفے پر بٹھا دیا تھا۔ شارق نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

"رضا کم عمر اور جذباتی تھا۔ اس سے بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں۔ تمہیں معاف کرنے کا نہیں کہتا مگر اپنا دل و دماغ صاف کرو اور غلط فہمیاں دور کرو۔ پلیز یار یہی وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔" رضا اسی طرح خاموشی سے سر جھکائے کھڑا تھا۔

"شارق بھائی! میں اپنے سب گناہ قبول کرتا ہوں۔ میں نے غلط بیانی کی مگر خدا کی قسم نویرہ آپی میرے بارے میں قطعی بے خبر تھیں۔ جو کچھ بھی تھا صرف اور صرف میری طرف سے تھا۔ سب یک طرفہ تھا۔ وہ سب میرے احساسات اور جذبات تھے' صرف میری جذباتی حماقتیں وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا۔ شارق زمان جو اسے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا ایک دم اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

"شٹ اپ۔" اس کا ہاتھ اتنے بھرپور انداز میں رضا کے چہرے پر لگا تھا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا صوفے پر جا گرا تھا۔

"شارق....." اماں کی چیخ کے ساتھ رفعت باجی اور نواز بھی ایک دم آگے بڑھے مگر شارق زمان نے صوفے پر گرے رضا حمید کو گریبان سے پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا تھا۔

"تمہارے لیے یہ سب جذباتی حماقتیں تھیں۔ کسی کی زندگی سے کھیل گئے اور حماقت کا نام لیتے ہو۔" شارق زمان نے دوسرا تھپڑ مارا۔

"شارق! یہ کیا کر رہے ہو.....چھوڑو اسے.....؟" نواز نے آگے بڑھ کر شارق سے اس کا گریبان چھڑانا چاہا تھا مگر شارق نے اسے پرے دھکیل دیا تھا۔

"تم درمیان میں نہ بولو یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔ میں اب تک کوشش کر رہا تھا کہ میرا اس سے سامنا نہ ہو۔ میں نے بڑی مشکلوں سے خود کو سنبھالا ہوا تھا مگر اب یہ خود سامنے آیا ہے تو جان سے مار ڈالوں گا۔" اس نے اور سختی سے اس کا گریبان پکڑا تھا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے شارق! جتنا قصور اس کا ہے اس سے زیادہ تمہارا اپنا ہے۔ اسے تو جان سے مار ڈالنے کی بات کرتے ہو.....اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ تو پھر اپنے گناہ اپنی غلطیاں قبول کر رہا ہے تم سے تو اتنا بھی نہیں ہو سکتا..... بہت اچھا کیا نویرہ نے مگر اس سارے کیے کرائے کے تم خود ذمہ دار ہو.....چھوڑو اسے۔ نواز نے پوری قوت سے رضا کا گریبان چھڑا کر شارق کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا تھا اور شارق غضب سے نواز کو گھور رہا تھا۔

"ہاں میرا قصور ہے مگر اس سب کا ذمے دار صرف یہ انسان ہے۔ میں وقتی طور پر جذباتی ہوا تھا مگر آہستہ آہستہ نارمل ہوتے ہی میں نے اپنی غلطیاں قبول کر لیں۔ نویرہ کے گھر میں آنے پر جب سادھ لی تھی۔ یہ نویرہ ہی تھی جس نے ہر مقام پر مجھے احساس دلایا کہ یہ شخص ہمارے درمیان کیسی خلیج حائل کر چکا ہے....." وہ ایک دم پھٹ پڑا تھا۔ یہ وہ سچ تھا جو وہ خود سے بھی نہیں بولنا چاہتا تھا۔ اب انتہائی طیش میں وہ اپنے جذبات آشکار کر گیا تھا۔

"جب تم نے اپنی غلطیاں قبول کر لی تھیں تو پھر یہاں تک نوبت کیوں پہنچی؟ رضا نے اگر غلطی کی تھی تو تم تو عقل مند تھے' دانش مندی سے حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے....." نواز فاروق نے سختی سے اسے کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا اور شارق زمان وہ سختی سے لب بھینچ گیا تھا۔

"رضا نے جو کیا سو کیا' حالات کو اس حد تک لانے کے ذمے دار سراسر تم خود ہو.....تم خود۔" نواز کا لہجہ سچا تھا مگر بے انتہا کڑوا.....اور شارق لب بھینچ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

"شارق.....شارق....." رفعت باجی گم صم کھڑی تھیں مگر شارق کو اس طرح منظر سے ہٹتے دیکھ کر گھبرا کر انہوں نے آوازیں دی تھیں مگر سب بے سود تھا۔ وہ غصے و طیش سے نہ صرف لاؤنج سے نکل گیا تھا بلکہ بڑے رش انداز میں گاڑی گیٹ سے باہر نکالتے وہ گھر سے بھی نکل گیا تھا۔

وہ ساری رات اسپتال میں ایڈمٹ رہی تھیں۔ اگلی صبح تک وہ دوائیوں کے زیر اثر غافل رہیں مگر بارہ بجے کے بعد انہیں ہوش آیا تو ان کی وہی کنڈیشن تھی۔

"امجد! مجھے میرے بچوں کے پاس لے جاؤ۔ میں پاؤں میں گر کر سب سے معافی مانگ لوں گی' میں نے بہت غلطیاں کیں۔ بہت گناہ کیے' میں سب قبول کر لوں گی۔ ایک بار میرے بچوں کے پاس مجھے لے جاؤ یا ان کو بلوا دو۔" ان کی وہی حالت اور گریہ زاری تھی۔ ان کی اذیت و بے بسی محسوس کرتے ہوئے امجد نے "احمد لاج" کے مکینوں سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

احمد لاج فون کیا اور وہاں فرح کو طاہرہ بیگم کی کنڈیشن اور اسپتال کا نام بتا کر اس نے فون بند کر دیا مگر اس کے بعد امجد کے لیے لمحہ لمحہ اذیت بنتا چلا گیا تھا۔ خالہ کو تسلی دی تھی مگر وہ تو گویا سراپا انتظار بن

دوئم

گئی تھیں۔

دو بجے کے قریب سمعان کے ہمراہ علی اور فرح کو دیکھ کر اسجد کی سانس میں سانس آئی۔

''السلام علیکم!'' وہ اسپتال کی راہداری میں ہی مل گیا تھا۔ علی اور سمعان سے مصافحے کے بعد فرح کو دیکھا۔ سوجی سرخ آنکھیں..... لگتا تھا کہ وہ بڑی دیر تک روتی رہی ہے۔

''کہاں ہیں امی؟'' دونوں بھائی چپ ہی تھے مگر وہی بولی تھی۔

''آئیں.....'' وہ ان کو لے کر کمرے میں چلا آیا تھا۔ طاہرہ بیگم آنکھوں پر بازو رکھے بستر پر چت لیٹی ہوئی تھیں۔

''امی.....'' طاہرہ بیگم نے تڑپ کر بازو آنکھوں سے ہٹایا تھا۔ علی' فرح اور سمعان کو سامنے دیکھ کر ان کے بہتے آنسو تھم سے گئے تھے۔

''فرح.....'' وہ بستر سے اٹھ بیٹھی تھیں۔ فرح بے قراری سے ان سے لپٹ گئی تھی۔ وہ جو بھی تھیں مگر پہلے ماں تھیں۔ ان کی سب غلطیوں کو نظر انداز کیا جا سکتا تھا مگر ماں کی بیماری کو نہیں۔ سمعان نے لب بھینچ کر اپنی روتی بکھرتی ماں کو دیکھا۔ وہ سیدھا لاہور سے آیا تھا کہ فرح کو روتے دیکھ کر اسجد کی کال کا علم ہوا تو اب وہ دونوں کے ساتھ یہاں تھا۔

وہ پچھلے دنوں سے مسلسل ادھر ہی تھا جب سے امی گھر چھوڑ کر گئی تھیں فرح بیمار تھی اور علی اپ سیٹ..... ابو ظاہر نہ کرتے مگر فرق تو پڑا تھا۔ ایسے عالم میں سمعان احمد کا وجود دونوں بہن بھائیوں کے لیے بہت معاون ثابت ہوا تھا جیسا کہ اب..... دل میں ہزار گلے شکوے سہی مگر ماں کی خراب طبیعت کا سن کر ان سے رہا نہیں گیا تھا۔ چپ چاپ دونوں کو لیے ادھر آ گیا تھا اور اب طاہرہ بیگم کی حالت دیکھ کر دل میں تاسف کے ساتھ اضمحلال بھی جاگا تھا۔ فرح انہیں چپ کرانے لگی تو اسجد کے اشارہ کرنے پر وہ علی کو بھی وہیں آنے کا کہہ اس کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔

''کیا ہوا تھا امی کو؟''

''کچھ خاص نہیں..... بی پی نارمل نہیں تھا۔ اچانک طبیعت کافی خراب ہو گئی تو کل رات میں انہیں ادھر ہی لے آیا تھا۔ اب بہتر ہیں۔'' اصل صورت حال کے بجائے اسجد نے صرف یہی کہا تھا۔ نجانے ان لوگوں کا کیا ارادہ تھا۔ خالہ ان لوگوں کو اصل صورت حال بتاتی بھی ہیں یا نہیں..... اسی لیے وہ ٹال گیا تھا۔

''باقی لوگ کدھر ہیں؟'' طاہرہ کو تنہا اور صرف اسجد کو دیکھ کر سمعان نے سنجیدگی سے پوچھا تو اسجد کے چہرے پر بڑی زہریلی سی مسکراہٹ بکھری تھی۔

''خالہ کو میں اسپتال لے کر آیا تھا۔ باقی کوئی نہیں آیا۔ ہاں امی نے صبح فون کیا تھا۔ ویسے بھی خالہ کا اصل اور حقیقی رشتہ تو تم لوگوں سے ہے۔ تم لوگ آ گئے ہو' میرا نہیں خیال کہ تم لوگوں سے بڑھ کر ان کا اور کوئی خیر خواہ ہو یا انہیں کسی اور کی ضرورت ہو؟'' بات ایسی تھی سمعان کئی لمحے تک چپ رہا تھا۔

''ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں؟ گھر لے جا سکتے ہیں کیا؟'' سمعان نے مزید کچھ اور پوچھے بغیر بات

دوئم

پلٹ دی تھی۔

''ہوں۔'' سمعان اسجد کے ساتھ جا کر ڈاکٹرز سے مل کر کچھ مطمئن ہو گیا تھا۔ پریشانی والی کوئی بات نہ تھی صرف ڈیپریشن تھا۔ طاہرہ بیگم کی طبیعت ابھی تک نارمل نہیں تھی۔ فرح کو سامنے دیکھ کر علی کو گم صم اور سمعان کے انتہائی سنجیدہ انداز کو دیکھتے ان کے اندر پھر احساس نے اودھم مچا دیا تھا۔

یہ ان کے بچے تھے۔ ان کا رویہ اگر ایسا تھا تو سعید احمد کا کیسا ہوگا.....؟

کیا وہ انہیں اب قبول کر لیں گے؟

اس حالت میں.....

اس عالم میں.....

جب ان کے ساتھ پچھتاووں کے سوا کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ اپنی غلطیوں پر ندامت کا بوجھ کندھوں پر اٹھائے وہ واپس پلٹی تھیں۔

قیصرہ آپا پر کتنا مان اور بھروسہ تھا؟ اور اب.....؟ کچھ بھی باقی نہ بچا تھا..... گویا اپنی ہی نظروں سے گر گئی تھی۔

سمعان کی گاڑی میں گھر آتے ان کی طبیعت کئی بار بگڑی۔ فرح مسلسل ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے تھیں اور علی جو ہمیشہ ان سے خائف رہا تھا۔ بات بے بات الجھ پڑتا تھا انتہائی گم صم حالت میں ان کو بازو کے حصار میں لیے پچھلی سیٹ پر ان کے ساتھ تھا اور سمعان..... اس نے ان سے براہِ راست ایک لفظ بھی نہ کہا تھا۔ وہ ایک عرصہ سے ان سے محوِ کلام ہونا بھول گیا تھا۔ وہ بلاتیں یا پکارتیں بھی تو نظر جھکائے ایک دو لفظ سے زیادہ کبھی کوئی بات نہ کرتا تھا۔ انہوں نے اس کے ساتھ جو بھی کیا تھا مگر سمعان نے کبھی زبان سے انہیں کچھ جتایا نہیں تھا۔ ہاں سمعان کی خاموشی' ایک سنجیدہ نگاہ ہی ان کے اندر اپنے فعل پر وحشت بھر دیتی تھی اور پھر ایک غلطی کرنے کے بعد بھی وہ آپا کے کہنے پر غلطیاں پر غلطیاں کرتی چلی گئی تھیں۔

سمعان کی شادی' زرش کی ضد' اس کا اس گھر میں نہ آنا' اسلام آباد چلے جانا اور پھر ان کا وہاں جا کر دونوں خصوصاً زرش کو زِچ کرنا۔ وہ اپنی کن کن غلطیوں کو دہراتیں..... اس کے باوجود سمعان انہیں لینے آیا تھا۔ سارا راستہ ان کی آنکھیں برستی رہی تھیں۔ علی کے بازو کے حصار کا لمس بڑا پُرسکون تھا مگر ان کی اپنی لغزشیں عمر بھر کی حماقتیں ان کے وجود کے اندر کانٹے بن گئی تھیں۔ وہ کیسے جیئں گی؟

ابھی تو سعید احمد کا سامنا بھی کرنا ہوگا..... عثمان' شائستہ' سعود احمد اور خاص طور پر زرش..... نفیسہ آپا اور اپنے سب بھائیوں کے وہ کسی کے سامنے بھی نگاہ اٹھا کر جینے کے قابل نہ رہی تھیں۔

''ہائے قیصرہ آپا کیا بگاڑا تھا میں نے آپ کا.....؟ کس جرم کی سزا دی آپ نے مجھے.....؟ بس میری غلطی یہ تھی کہ میں حد سے زیادہ بے وقوف تھی۔ سب کے سمجھانے بجھانے کے باوجود آپ کی ہر بات پر سر جھکایا۔ ساری عمر گنوا دی میں نے اپنی غلطیوں' لغزشوں میں' رشتہ دار تو ایک طرف نہ شوہر رہا نہ اولاد اپنی.....'' گھر آ کر فرح اور علی کے سہارے سے اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹتے ہوئے بھی

ان کی طبیعت کا وہی عالم تھا۔ وہی شکستگی تھی، وہی اضطراب وگریہ زاری برقرار تھی۔

وہ بچپن سے ہی کم گو، دبوسی اور قیصرہ آپا کے زیرِ تسلط رہی تھیں۔ انہوں نے جو کہا فوراً مانا ہاں شائستہ سے دوستی تھی مگر قیصرہ آپا شائستہ کو ناپسند کرتی تھیں۔

قیصرہ آپا کی شادی ہوئی اور پھر بیٹی مگران کا اثر اس کی ذات پر اسی طرح قائم رہا۔ جب انہوں نے اٹھتے بیٹھتے بات بے بات سعود احمد کی طبیعت کا سلجھا پن، ان کی شخصیت کی دلکشی، گفتگو کے انداز وملنساری کو اس طرح سراہنا شروع کر دیا کہ وہ آپا کی باتوں کے سحر میں جکڑتی چلی گئیں۔ وہ خوب صورت تھیں۔ سلجھی طبیعت کی مالک تھیں مگر بداعتمادی کی کمی نے انہیں اس قدر بے اعتماد بنا دیا تھا کہ انہیں آپا کی ہر بات حرفِ آخر لگتی تھی۔ آپا جس کو پسند کرلیں اس کو پسند کرنا اس کی مجبوری تھی اور یہ مجبوری ایک ''جھوٹے سحر'' کی صورت طاہرہ کی شخصیت پر بھی حاوی ہوتی چلی گئی تھی۔

سعود اپنی خالہ سے ملنے آتا اور آپا کو خبر ہوتی تو وہ اسے ہر پل اس کے آگے پیچھے دوڑاتی پھرتیں اور وہ ان کی ہر بات پر ایمان لاتی گئیں۔ آپا نے اسے احساس دلایا کہ سعود احمد جیسے مرد بہت قسمت والیوں کو ملتے ہیں اگر ایسا نایاب گوہر طاہرہ کے حصے میں آجائے تو اس سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہو سکتا ہے اور پہلی بار طاہرہ کو احساس ہوا کہ آپا کیا چاہتی ہیں۔ انہیں آپا بڑی اچھی لگیں جو ان کے لیے اتنا اچھا سوچتی ہیں اور پھر اس نے سعود احمد کی نظروں میں اپنا مقام بنانے کے لیے اس نے سعود احمد کی نظروں میں وہ من چاہا مقام حاصل کرنے کے بجائے بری طرح گرتی چلی گئیں۔ شائستہ کے خلاف کدورت اور شدید نفرت نے جنم لیا اور یہ نفرت بجائے ختم ہونے کے ہر گزرتے دن کے ساتھ گہری ہی ہوتی چلی گئی۔

سعید احمد کا رشتہ ان کے لیے آیا۔ یہ اس کی فیملی کے ہر مرد کے لیے بڑے بخت بات تھی مگر آپا نے تب بھی احساس دلایا کہ یہ اچھا نہیں ہوا۔ اگر کبھی سعید احمد کو اس کے جذبات کا علم ہو گیا تو وہ کیسے زندگی گزار سکے گی۔ وہ اسے مختلف باتوں سے ڈراتی رہتیں اور وہ ڈرتی رہتیں۔ ان کے انکار کے باوجود یہ شادی ہوئی اور سعید احمد نے شادی کی اولین شب میں ہی ان کو جو اہم ہونے کا احساس دلایا تو بھی وہ اپنی ذات کی بداعتمادی کو ختم نہ کر پائیں۔ شاید سعید احمد کی بے پناہ محبت پا کر وہ اپنی ساری گزشتہ حماقتیں بھول جاتیں مگر قیصرہ آپا بھولنے دیتیں تو وہ بھول پاتیں نا۔ طاہرہ نے جب بھی خوش ہونا چاہا۔ قیصرہ آپا کی کوئی نہ کوئی بات ایسی ہوتی کہ وہ شائستہ سعود سے خار کھانے کے ساتھ ساتھ سعید احمد سے الجھنے لگتی تھیں۔

عثمان کی پیدائش کے بعد وہ سنبھلنے لگی تھیں۔ عثمان کا وجود طاہرہ کو اپنے اور سعید احمد کے درمیان رشتے کی نوعیت سمجھانے میں کامیاب ہو رہا تھا اور پھر انہوں نے شعوری طور پر سعید احمد کی ذات میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ ان کی چھوٹی موٹی ہر ضرورت کا خیال رکھنے لگی تھیں۔ آہستہ آہستہ ان کی محبت طاہرہ کے دل میں جگہ بنا رہی تھیں۔ وہ نارمل ہو رہی تھیں کہ اللہ نے انہیں پھر سے خوشخبری سنا دی تھی۔ سعید احمد بھی طاہرہ کو نارمل ہوتے دیکھ کر پرسکون رہنے لگے تھے۔ عثمان کی دفعہ تو صرف ایک

مجبوری تھی مگر عثمان کی پیدائش نے انہیں حقیقتاً احساس دلایا کہ وہ بہت خاص ہیں۔ سعید احمد کے لیے اور ان کی ساری فیملی کے لیے بھی..... سعید احمد کی محبت نے طاہرہ کو اپنے حصار میں جکڑنا شروع کر دیا تھا اور طاہرہ نے بھی گزشتہ ساری باتوں کو بھلا کر سعید احمد کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دینا شروع کر دی تھی۔

زندگی کا وہ دور بڑا سکون بخش اور محبت بھرا دور تھا مگر قیصرہ آپا کی پھر سے بے جا مداخلت نے انہیں اپنے حصار میں لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ طاہرہ کی بدلتی کیفیت اور جذبات سے خود آگاہ ہوئی تھیں سو وہ کیسے گوارہ کرلیتیں۔ انہوں نے اٹھتے بیٹھتے ان کی گزشتہ حماقتیں یاد دلانا شروع کر دیں تو وہ خوف کا شکار ہونے لگیں۔

''اگر کسی دن سعید کو پتہ چل گیا کہ شادی سے پہلے وہ کیا سوچتی رہی ہیں تو نجانے کیا کریں.....؟''

دو بیٹوں کی ماں ہونا بھی اک فخر تھا۔

پھر آپا کی مسلسل برین واشنگ تھی کہ وہ شائستہ سے برملا نفرت کا اظہار کرنے لگی تھیں اور وہ دن بھی ایسا ہی تھا جب ان کے زعم اور طعنوں نے شائستہ کو بھی ظرف کا دامن چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ اس سے پہلے وہ ہمیشہ پہلو تہی برت جاتی تھیں مگر اس دن وہ چپ نہ رہی تھیں اور ان دونوں کی لڑائی میں وہ راز آشکار ہوتا چلا گیا جو طاہرہ کے نزدیک اب سراسر ایک حماقت تھا۔

سعید احمد نے سب صورت حال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کے نزدیک طاہرہ کا یہ ایسا گناہ تھا جو وہ کبھی معاف نہیں کر سکتے تھے۔ بات بگڑتی گئی تھی اور قیصرہ آپا کو اس نے بلوا کر معاملہ سلجھانے کا کہا تھا مگر آپا نے بات سلجھانے کے بجائے اسے اپنے ساتھ لے جانے کی ضد پکڑ لی تھی۔ وہ کسی بھی صورت یہ گھر چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھیں۔ سعید احمد کا دل صاف کرنا چاہتی تھیں مگر قیصرہ آپا ایسا نہ چاہتی تھی وہ اسے بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ سعید احمد نے بچوں کو زبردستی پاس رکھ لیا تھا۔ آپا کے ساتھ گزارے دن ان کی بے بسی اور اولاد کے بناء جھیلی جانے والی تڑپ کے گواہ تھے اور ان دنوں سے طاہرہ کے اندر سے ہر احساس کو نکال پھینکا تھا۔ ان کا گھر تباہ کرنے کا سبب صرف اور صرف شائستہ تھی۔

اور پھر بزرگوں کی مداخلت سے حالات بظاہر نارمل ہوئے تھے۔ وہ دوبارہ گھر میں آگئی تھیں مگر سعید احمد کے لیے وہ ایک ناکارہ شے سے بھی کم حیثیت کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہ ان کے دل سے اتر چکی تھیں۔ اب تو صرف بزرگوں اور اپنے بچوں کی وجہ سے وہ سمجھوتہ کر رہے تھے اور اس بات کا احساس انہوں نے طاہرہ کو ہر لمحے دلایا تھا۔ طاہرہ کے اندر کی عورت جو سب بھلا کر صرف بچوں کی وجہ سے آ گئی تھیں سعید احمد کا رویہ دیکھ کر پھر سے نفرت کا مجسمہ بن گئی تھیں۔ انہوں نے بھی سب لحاظ بالائے طاق رکھ دیے تھے۔ سعید احمد نے ان کی پوری زندگی کو شک کے ترازو میں تولنا شروع کر دیا تھا اور انہوں نے ان کو اپنی محبت ووفاداری کا یقین دلانے کی ضرورت نہ سمجھی تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پر تھے اور درمیان میں فاصلوں کی اک طویل خلیج تھی۔ وقت کچھ اور سرکا تھا۔ سعید احمد نے بھی شاید حالات

سے سمجھوتہ کر لیا تھا یا پھر یہ بھی ان کو اذیت دینے کا ایک اور انداز تھا۔ پہلے فرح اور پھر علی کی آمد نے طاہرہ کو بظاہر مضبوط کر دیا تھا مگر ان کے دل میں موجود شائستہ کے لیے نفرت نے اور ہی رخ اختیار کر لیا تھا۔

آہستہ آہستہ انہوں نے خود کو اس گھر میں ایڈجسٹ کر ہی لیا تھا۔ سعید احمد کی وہی لاتعلقی تھی مگر اپنے بچوں کی وجہ سے وہ کبھی کبھار انہیں بھی اہمیت دے جاتے تھے مگر دل میں وہ پہلے والا مقام نہ دے پائے تھے۔ طاہرہ کے ماں باپ اور بہن بھائی سب سمجھاتے رہتے تھے مگر انہوں نے پہلے کون سا کسی کی مانی تھی۔ ان کا پورا کنٹرول تو قیصرہ آپا کے ہاتھ میں تھا اور پھر ساری عمر غلط فہمیاں ہی کی تھیں۔ پہلے ہادیہ اور عثمان کے معاملے میں اور پھر زرش اور سمعان کے معاملے میں۔ آج وہ جس مقام پر تھیں وہاں کچھ بھی نہ بچا تھا' نہ محبت نہ نفرت..... صرف پچھتاوے تھے۔

قیصرہ آپا نے ان سے ہمیشہ اپنا مطلب پورا کیا تھا۔ اسجد کی باتوں پر نہ بھی یقین کرتیں مگر وہ پھر بھی سچ تھا۔ آپا نے ہر بار ان سے لاکھوں ہتھیائے تھے۔ کوئی نہ کوئی ضرورت ہے کا کہہ کر وہ کچھ نہ کچھ مانگتی رہتی تھیں۔ کبھی انہوں نے واپس نہ کیے اور نہ ہی انہوں نے لیے۔ سعید احمد نے نہ کبھی پوچھ گچھ کی جو دے دیا کبھی پلٹ کر حساب نہ کیا۔ وہ نفرت کی عینک اتار کر دیکھتیں تو شائستہ سے ذاتی طور پر کوئی پرخاش نہ تھی۔ ان کی تینوں بیٹیاں بھی سلجھی ہوئی ہمدرد طبیعت کی تھیں۔ اتنے سال نفرت کرتے گزار دیے تھے مگر آج دونوں ہاتھوں سے خالی تھیں۔ سارا الزام قیصرہ آپا پر ڈال کر وہ خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتی تھیں۔

آج پچھتاوے تھے.....

آنسو تھے.....

ندامت تھی.....

مگر محبت نہ تھی.....

انہوں نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر محبت سے ان کا سر دباتی اکلوتی لاڈلی اور چہیتی بیٹی کو دیکھا۔

''کیا ہوا؟'' انہیں یک ٹک اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے خائف ہوتے ماں کو دیکھا۔ بے اختیار اس کا ہاتھ تھام کر والہانہ پن سے چومتے ہوئے وہ رو رہی تھیں۔

''امی! کیا بات ہے؟'' فرح گھبرا گئی تھی۔ علی اور سمعان بھی کمرے سے باہر گئے تھے۔

''علی اور سمعان کہاں ہیں؟'' فرح کو یوں پریشان دیکھ کر انہوں نے اپنے آنسو صاف کرتے پوچھا تھا۔ یہ وہ اولاد تھی جس کو وہ اپنی انا اور نفرت کی وجہ سے رد کرتی رہی تھیں۔

''علی اور بھائی باہر نکلے ہیں' بلواؤں ان کو.....''

انہوں نے سر ہلا دیا تھا۔ فرح باہر آئی تو سمعان گم صم انداز میں صوفے پر بیٹھے نجانے کن سوچوں میں گم تھا جب کہ علی غائب تھا۔

''بھائی!'' سمعان نے اسے دیکھا۔

''علی کہاں ہے؟''

''کمرے میں گیا ہے کیوں خیریت.....؟ امی کیسی ہیں؟''

''آپ کو بلوا رہی ہیں۔ میں ذرا علی کو دیکھ لوں۔'' وہ سمعان کو کہہ کر خود علی کے کمرے کی طرف چل دی تھیں۔ سمعان چپ کمرے میں پہنچا تو وہ آنکھوں پر بازو رکھے شدت سے رو رہی تھیں۔

''امی!'' سمعان فوراً ان کے پاس پہنچا تھا۔ ''کیا ہوا ہے؟'' ان کے پاس بیٹھ کر بازو تھامنا چاہا تھا مگر وہ تو گویا سارے ضبط ہی کھو بیٹھی تھیں۔

''مجھے معاف کر دو۔ میں نے بہت غلط کیا۔ بہت دل دکھایا تم سب کا؟ نہ میں اچھی ماں بنی نہ اچھی بیوی ثابت ہوئی۔'' ان کی گریہ زاری بڑی شدت لیے ہوئے تھی۔ سمعان نے بہت سبھاؤ سے انہیں بازو کے حصار میں لے کر خود سے لگا لیا تھا۔ انہیں یاد نہیں تھا کہ اپنی اولاد کو گلے سے لگایا ہو یا خود سے چمٹا کر کوئی محبت کی ہو۔ وہ آج سب فاصلے ختم کیے بڑی شدت سے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر رہی تھیں۔

''میں غلط تھی۔ ہمیشہ سب سے نفرت کی' خود ساختہ مفروضوں پر قائم رہی۔ کبھی اپنی نفرت کے حصار سے باہر نکل کر اصل چہرہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ میں سب کی گناہ گار ہوں۔ تم سب کی..... تمہارے باپ کی..... تمہاری.....'' آج اعترافات کا دن تھا۔

''میں نے اپنی اولاد کو بہت تکلیف دی اور سب سے بڑھ کر کہ آپا کی سب باتوں کو مانتے اتنے گھٹیا الزامات پر اتر آئی ورنہ کیا میں نہیں جانتی تھی کہ میری اولاد کیسی ہے؟ تم پر تو اپنی ذات سے بڑھ کر یقین تھا مجھے۔'' اور سمعان گم صم سا ان کے اعترافات سن رہا تھا۔ یہ کس مقام پر آ کر وہ اعترافات کر رہی تھیں اور جب وہ چپ ہوئیں تو خود پر ندامت کا ایسا حصار کھینچا کہ سمعان سے نظر ملانے کے قابل نہ رہیں۔

''آپ لیٹ جائیں۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ خود کو ریلیکس رکھیں۔'' سمعان کا انداز بڑا نارمل تھا۔ طاہرہ بیگم نے بڑی بے چارگی سے اپنے خوبرو بیٹے کو دیکھا تو سمعان ہلکے سے مسکرا دیا۔ طاہرہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں دبائے انہیں ریلیکس کرنا چاہا تھا۔

''سمعان تم کچھ نہیں کہو گے؟ مجھے برا بھلا..... اتنی زیادتیاں کی ہیں میں کیسی ماں تھی؟ کم از کم مجھے الزام ہی دو۔'' وہ سمعان کے اطمینان پر اور شدت سے روئی تھیں۔

''غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ امی ٹھیک ہے جو بھی ہوا بہت غلط ہوا مگر اب پچھتانے یا غلطیوں کو دہرانے کا کیا فائدہ؟ ہاں جو ہوا اس کی اصلاح کی کوشش تو کی جا سکتی ہے اور میں آپ کو کیوں برا بھلا کہوں گا۔ آپ ہماری ماں ہیں۔ بہت اعلیٰ رتبہ اور مقام ہے آپ کا ہمارے نزدیک آپ ریلیکس رہیں۔ اگر میں آپ سے ناراض ہوتا تو اس وقت آپ کے پاس نہ ہوتا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں مگر ایک بات ضرور کہوں گا کہ اپنی ذات سے بڑھ کر کسی چیز پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ قیصرہ خالہ نے آپ کو صرف استعمال کیا۔ انہوں نے آپ کو نہ کبھی خوش رہنے دیا اور نہ کبھی آپ کو اپنے حصار

سے باہر نکلنے دیا۔ وہ مطلب پرست خاتون ہے۔ اسجد سے تفصیلی بات ہو چکی ہے میری۔ اچھا ہوا خالہ کا اصلی چہرہ آپ کے سامنے آ گیا۔ اب گزرے وقت پر پچھتانے کا کوئی ملال نہ کریں۔ ہاں اگر آپ اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنا چاہتی ہیں تو ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کی اولاد ہمیشہ آپ کے ساتھ تھی، ہے اور رہے گی بھی.....'' سمعان کا انداز بڑا سنجیدہ اور بردبار تھا۔ وہ اپنی کم فہمی اور نادانستگی میں کیسے انمول رشتوں اور جذبوں سے ساری عمر محروم رہی تھیں۔ ان کے اندر کے احساسِ زیاں نے اور شدت اختیار کی تھی۔

❁.....❁.....❁

سارا دن ادھر سے ادھر خوار ہوتے وہ آج کل سوائے نویرہ کی تلاش کے ہر کام بھول بیٹھا تھا۔ اس وقت بھی وہ انجم سے مل کر انتہائی مایوس واپس لوٹ رہا تھا۔ وہ کہاں جا سکتی تھی..... اس کی تلاش کا ہر حربہ استعمال کر لیا تھا مگر اس کا کوئی پتا نہیں چل رہا تھا۔

جوں جوں دن گزر رہے تھے واجدہ بیگم کے ساتھ ساتھ خالدہ بیگم کی بھی طبیعت بگڑتی جا رہی تھی۔ نبیل الگ پریشان تھا اور وہ خود رضا سے سامنا ہونے کے بعد عجیب سے احساسات کا شکار رہنے لگا تھا۔ قصور اس کا تھا بلکہ رضا کے بعد سب سے زیادہ قصوروار وہ خود تھا۔

دو دن پہلے وہ بینک گیا تھا۔ نویرہ کا اکاؤنٹ چیک کرنے تو اسے شدید شاک لگا۔ ایک دن پہلے بینک سے تمام رقم نکلوا لی گئی تھی اور وہ رقم نویرہ نے خود نکلوائی تھی۔ بینک میں جو رابطہ نمبر لکھوائے گئے تھے وہ سب خالدہ بیگم کے گھر کے اور نبیل کے نمبرز تھے۔ وہ باقاعدہ پلاننگ کر کے یہاں سے گئی تھی۔

وہ سڑکوں کی خاک چھان کر گھر جانے کا سوچ رہا تھا۔ بہت زیادہ ٹریفک کی وجہ سے رش کی وجہ سے دوسری طرف کی ٹریفک جوں کی توں رواں دواں تھی۔ شارق زمان الجھے ذہن و دل کے ساتھ اسٹیئرنگ پر انگلیاں بجاتے رش کم ہونے کا انتظار کرتا اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا کہ جب اچانک نگاہ دوسری طرف رواں دواں ٹریفک پر پڑی۔ بیکری شاپ کے سامنے کھڑی گاڑی میں دو لڑکیاں تھیں۔ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود لڑکی نے اسکارف اوڑھ رکھا تھا جب کہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر براجمان وجود نے شارق زمان کی توجہ پوری طرح اپنی طرف مبذول کرا لی تھی۔

اس کا چہرہ اگرچہ چادر میں لپٹا ہوا تھا مگر آنکھیں اور ناک کا کچھ حصہ واضح تھا۔ چادر کا ڈیزائن اور کلر..... شارق زمان کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی تھیں۔

''نویرہ.....'' شارق زمان ایک دم چونکا تھا۔ یہ اس کا گمان نہیں بلکہ حقیقت تھی۔ اس کے ذہن کے پل میں شناسائی کی منزل پار کی تھی۔ ان کے ساتھ بچہ بھی تھا جو کہ نویرہ کے بازوؤں میں تھا۔

''مصعب.....'' شارق زمان نے بے قرار ہو کر گاڑی سے نکلنا چاہا تھا مگر اس کی گاڑی کے پیچھے موجود گاڑیوں نے ہارنز دینا شروع کر دیے تھے۔ ان دونوں نے بیکری سے شاید کچھ خریدا تھا۔ بیکری کے اندر سے لڑکے نے آ کر ان کو شاپر تھما کر رقم وصول کی تھی۔ شارق زمان فوراً گاڑی سے نکلا مگر تب تک گاڑی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ گاڑی ریورس ہو کر رفتار پکڑ چکی تھی۔ شارق زمان نے ڈرائیونگ سیٹ

پر موجود لڑکی کو دیکھا۔ وہ ٹریفک میں پھنستا جب تک دوسری جانب پہنچا تھا وہ گاڑی تیز رفتاری سے نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ شارق زمان کو یقین ہو گیا تھا کہ گاڑی سے نکلتے ان لوگوں نے اسے ضرور دیکھ لیا تھا تب ہی تو وہ لڑکی تیزی سے گاڑی وہاں سے نکال لے گئی تھی۔

''نویرہ.....'' شارق زمان کا اشتعال اس قدر تھا کہ جی چاہ رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھے۔ اتنے دنوں بعد وہ نظر بھی آئی تھی تو کس عالم میں..... اسے سب سے زیادہ خود پر غصہ آ رہا تھا کہ اتنی پریشانی میں وہ گاڑی کا نمبر نوٹ کرنا بھول گیا تھا۔ اگر نمبر نوٹ کر لیتا تو شاید اسے ڈھونڈنے میں آسانی ہو جاتی۔ وہ اپنی گاڑی بیچ سڑک میں چھوڑ کر نکلا تھا۔ دوسری طرف کا سارا ٹریفک رک گیا تھا۔ گاڑیوں کے ہارنز اور لوگوں کا غصہ.....

وہ گاڑی میں بیٹھا ہی تھا کہ اس نے چونک کر باہر دیکھا۔

''آپ ذرا باہر آئیں..... ٹریفک پولیس کا جوان اسے کہہ رہا تھا۔ اس کی غلطی کی وجہ سے سارا ٹریفک ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ باہر نکلنے سے انکار کر دے مگر وہ انتہائی تحمل سے گاڑی ایک طرف پارک کر کے اس کے ساتھ چل دیا تھا۔

❁

دوئم

"تھینک گاڈ....." گاڑی ایک پرسکون سڑک پر کھڑی کرتے زرش نے اپنے اعصاب کو نارمل کرنا چاہا تھا پھر آنکھیں کھول کر نویرہ کو دیکھا۔ وہ لب بھینچے زرد چہرہ لیے گم صم سی بیٹھی تھی۔ زرش نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"زرش..... وہ ہمارا پیچھا کر رہا ہوگا۔ وہ ایسے نہیں چھوڑنے والا۔ اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔ تم نے دیکھا وہ کیسے گاڑی کے پیچھے بھاگا تھا....." وہ ابھی تک خوف زدہ تھی۔ زرش نے تسلی بھرے انداز میں نویرہ کا ہاتھ دباتے اردگرد دیکھا۔ نجانے وہ کون سی جگہ تھی۔ ابھی تو اسے چند ایک سڑکوں کے علاوہ یہاں کا ٹھیک سے کچھ اندازہ بھی نہ تھا۔ نویرہ کو یوں ہی گھر میں گم صم ہر وقت بیٹھے دیکھ کر وہ آج یونیورسٹی کے بعد اسے لانگ ڈرائیونگ پر لے آئی تھی۔ بیکری سے کھانے پینے کو کچھ لیا تھا جب اچانک نویرہ چلا اٹھی تھی۔

"شارق..... زرش' وہ شارق ہے۔ وہ ادھر ہی آ رہا ہے۔ اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ جلدی کرو گاڑی چلاؤ....." اور اس نے بوکھلا کر پہلے تیزی سے اپنی طرف آتے ایک مرد کو دیکھا تھا اور پھر بدحواسی سے گاڑی اسٹارٹ کر لی تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ اس نے گاڑی بوکھلاہٹ میں کہیں نہ ماری تھی اور اسی بدحواسی میں اس نے گاڑی رش کا فائدہ اٹھا کر مین روڈ پر ہی رکھنے کے بجائے کسی اندرونی سڑک میں گھسالی تھی اور اب وہ اندازہ لگا رہی تھی کہ کس طرف سے واپس مین روڈ کی طرف نکلے۔ وہ واپس اسی راستے سے جانے کا رسک تو نہیں لے سکتی تھی۔

"اچھا اب اس میں سے کچھ لے کر کھائیں پئیں۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جب اتنا بڑا فیصلہ کر کے مطمئن ہیں تو ان چھوٹی موٹی باتوں سے گھبرانے سے آپ کا حوصلہ کم ہوگا بجائے بڑھنے کے..... اسی شہر میں رہتے ہوئے نجانے کتنی بار آپ کا ان لوگوں سے سامنا ہوگا اور اس صورت میں کہ صرف علاقے کا ہی ذرا سا ڈیفرنس ہے۔" شاپر میں سے برگر اور جوس کا پیک نکال کر اسے تھماتے اس نے بھرپور تسلی دی تو صرف سر ہلا گئی تھی۔ چند ایک لوگوں سے پوچھنے پر اسے درست راستے کی نشاندہی ہو جانے پر بڑی تیز رفتاری سے وہ گھر پہنچی تھی۔ سمعان رات گزار کر چلا گیا تھا۔ اسے وہ کافی پریشان لگا تھا۔ اس نے چند بار پوچھا بھی تو سمعان ٹال گیا۔ نویرہ گھر آنے کے بعد بھی گم صم سی تھی۔ زرش نے اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا تھا۔

دوئم

کتنے دن ہو گئے تھے ماما سے تفصیلی بات نہیں ہوئی تھی۔ صرف چند ایک بات ہی ہو پائی تھی۔ ملازمہ کو کھانا تیار کرنے کا کہہ کر اس نے گھر کال کی تھی اور ادھر سے ماما نے تفصیلی انداز میں جو کچھ بتایا تھا اسے سن کر وہ کئی پل تک شش و پنج میں گھری رہی تھی۔ ماما اسے سمعان کے گھر کے بارے میں پوری تفصیل سے بتا رہی تھیں۔ وہ حیران تھی۔ طاہرہ بیگم بدل جائیں ناممکن..... مگر ماما کی باتوں پر اسے تعجب ہو رہا تھا۔

زرش اچھی خاصی الجھ چکی تھی۔ ماما کے گھر سے بھی کوئی ان کی عیادت کو نہیں گیا تھا تاہم پھپھو کے ہاں سے سب ہی رات جا کر ان کا حال احوال پوچھ آئے تھے۔

زرش کو بڑا دکھ سا ہوا۔ سمعان رات گزار کر گیا تھا۔ وہ پریشان تھا۔ اس نے کئی بار پریشانی کا سبب بھی پوچھا تھا مگر سمعان نے ہر بار ٹال دیا تھا۔

زرش کو رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ سمعان کے انداز میں وہ پہلے والی گرم جوشی اس بار مفقود تھی۔ اس کے انداز عجیب سی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو اس نے سمعان کا نمبر ملا لیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام..... کیسی ہو زرش؟"

"ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں۔"

"اللہ کا شکر ہے..... سب ٹھیک ہے نا؟ کوئی پرابلم تو نہیں؟"

"نہیں....." وہ چپ ہو کر سوچنے لگی کہ اب کیا بات کرے۔

"فرح کیسی ہے؟ طبیعت ٹھیک ہوئی اس کی؟"

"ہوں..... بہتر ہے وہ؟" سمعان کا وہی سنجیدہ انداز تھا۔ وہ چپ سی رہ گئی کہ اب کیا پوچھے؟

"آپ نے کل کراچی پہنچ کر کال نہیں کی تھی۔ میں پریشان ہوتی رہی تھی۔"

"اچھا....." دوسری طرف سمعان ہنس دیا تھا۔ وہ سمجھ نہ سکی کہ یہ انداز طنزیہ ہے یا پھر.....

"بس آتے ہی کچھ مصروف ہو گیا تھا پھر ذہن سے نکل گیا۔" پھر وہی وقفہ درمیان میں در آیا تھا۔ بڑا تکلیف دہ دورانیہ تھا۔ زرش کو لگا اس کے اندر سے جیسے کچھ ٹوٹ گیا ہے۔

"یونیورسٹی گئیں..... اسٹڈی ٹھیک ہو رہی ہے؟" اس کی طرف سے خاموشی محسوس کرتے سمعان نے خود ہی پوچھا تھا۔

"جی اسٹڈی ٹھیک ہے۔ ایک پروفیسر چینج ہو گئے ہیں۔ شاید ایک دو دن میں ان کی جگہ کوئی نئے پروفیسر آئیں۔" اس نے خود کو بحال کیا۔

"اچھی بات ہے..... کسی قسم کا کوئی مسئلہ ہو تو امجد سے کہہ دینا۔ وہ ہینڈل کر لے گا اور ہاں خود سے گاڑی لے کر کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ امجد کو اسی لیے رکھا ہوا ہے۔" سمعان کی اس تاکید پر وہ کچھ خائف سی ہو گئی۔ آج ہی تو وہ گاڑی لے کر گئی تھی۔

"اوکے زری! میں اس وقت کچھ مصروف ہوں پھر بات ہوگی۔" سمعان نے اجازت چاہی تھی۔

"کیا کر رہے تھے آپ؟"

"بس آفیشل کچھ کام ہے' اوکے اپنا خیال رکھنا' اللہ حافظ۔" سمعان نے کال بند کر دی تھی اور وہ گم صم سی کھڑی رہ گئی تھی۔ انتہائی مصروفیت یا پھر بہت پریشانی میں بھی سمعان احمد کا رویہ اس کے ساتھ کبھی ایسا نہ تھا اور اب..... اس کا جی پھر بھر آنے لگا۔ اسے غصہ آنے لگا کہ جب سمعان کو پروا نہیں تو اسے کیا ضرورت تھی۔ خود سے رابطہ کرنے کی۔ تاہم سمعان کے اس سنجیدہ گم صم انداز نے اس کے دل کو بڑا رنجیدہ سا کر دیا تھا۔ وہ کتنی دیر تک اسی پہلو پر سوچتی رہی تھی اور اپنا دل جلاتی رہی تھی۔ وہ اپنی ہی الجھن میں الجھی نویرہ کی پریشانی کو فراموش کر گئی تھی اور کھانے کی ٹیبل پر نویرہ کو دیکھ کر وہ چونکی تھی۔ سرخ چہرہ لیے وہ چپ چاپ سی تھی۔

"نویرہ آپی! کیا آپ روتی رہی تھیں؟" وہ متفکر سی تھی۔

"ہوں..... بس اماں اور گھر والوں کا خیال آ گیا۔ خدا کی قسم اگر زندگی میں ذرا سی بھی گنجائش ہوتی تو ایسا قدم کبھی نہ اٹھاتی۔ شارق زمان کبھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کرے گا۔" اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر آپ چاہیں تو اپنے گھر کال کر لیں۔ اپنی اماں کی طبیعت دریافت کر لیں۔" اس نے مشورہ دیا تھا۔

"نہیں اس طرح تو نمبرز وغیرہ کا انہیں پتا چل جائے گا اور آج کل فون کے ذریعے کسی بھی جگہ کہیں بھی موجودگی کا پتا کروانا کون سا مشکل کام ہے۔ شارق زمان یوں ہی چپ تو نہیں بیٹھا ہوگا۔ مجھے تلاش کرنے کی اس نے ہر ممکن کوشش کی ہوگی۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے والا انسان نہیں ہے۔ اس صورت میں کہ مصعب بھی میرے پاس ہے۔"

"ہوں..... یہ بھی ہے مگر آپ کسی پی۔ سی۔ او سے بھی تو رابطہ کر سکتی ہیں۔ کل جب میں یونیورسٹی کے لیے نکلوں گی تو آپ میرے ساتھ ہی چلیے گا۔ امجد کو میں اچھی طرح سمجھا دوں گی۔ نقاب آپ ویسے ہی کرتی ہیں۔ چادر تبدیل کر لیں یا میرا کوئی اسکارف استعمال کر لیں۔ راستے میں گھر کال کر لیجیے گا۔ اس طرح علاقہ اور جگہ بھی تبدیل ہو جائے گی۔ اگر کسی نے نمبرز کے ذریعے پتا کروانے کی کوشش کی بھی تو آپ تب تک کال کر کے گھر پہنچ چکی ہوں گی۔" زرش کا مشورہ ایسا تھا کہ نویرہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"مصعب کو گھر ہی چھوڑ جایئے گا۔ ملازمہ تھوڑی دیر تک سنبھال لے گی۔" نویرہ نے آہستگی سے سر ہلا دیا تھا۔ اماں سے وہ بات کرنا چاہتی تھی۔ ایک بار پھر چاہے دوبارہ کبھی رابطہ نہ ہوتا مگر دل کو ایک تسلی تو دیتی۔ وہ گھر چھوڑ تو آئی تھی مگر اماں کا خیال مسلسل دل و دماغ کو پریشان کیے ہوئے تھا۔

❁.....❁.....❁

جب سے نویرہ گئی تھی گھر میں ایک پراسرار سی خاموشی چھا گئی تھی۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے خالدہ بیگم کی طبیعت سنبھلنے کے بجائے مزید خراب ہوتی جا رہی تھی۔ نبیل سارا سارا دن مارا مارا پھرتا تھا

جہاں تک ممکن تھا وہ نویرہ کی تلاش کی مسلسل کوشش کر رہا تھا مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ نبیل کو رہ رہ کر اپنے گزشتہ رویوں پر ندامت محسوس ہو رہی تھی کم از کم ایک بھائی ہونے کے ناتے اسے نویرہ کے احساسات کو سمجھنا چاہیے تھا۔

وہ شارق کے گھر نہیں جانا چاہتی تھی' وہ بچے کو بھی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ اس معاملے میں اسے اس کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ وہ بے قصور تھی مگر اب نجانے کہاں تھی؟ ہر کوئی اپنے تئیں معاملے کو سلجھانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا مگر تا حال ناامیدی کی فضا ہی چھائی ہوئی تھی۔

اس وقت ناشتے پر نبیلہ اور اماں کی موجودگی کے باوجود نبیل کو گھر میں سناٹے گونجتے محسوس ہوئے تھے۔ نو بجے کے قریب ٹیلی فون کی تیز آواز نے گھر کے سناٹے میں ارتعاش سا پیدا کر دیا تھا۔

"تم بیٹھو میں دیکھتا ہوں۔" نبیلہ بھابی کو منع کر کے نبیل خود ہی اٹھ گیا تھا۔

"السلام علیکم!" ریسیور کے دوسری جانب شائستہ سی آواز سنائی دی تو نبیل چونکا۔ زنانہ آواز تھی مگر اجنبی.....

"وعلیکم السلام!" نبیل نے سی ایل آئی پر جگمگاتے نمبرز کو دیکھا۔ اجنبی نمبر تھا شاید کسی پی۔ سی۔ او کا تھا۔

"جی آپ کون؟ کس سے بات کرنی ہے؟" دوسری طرف مردانہ آواز سن کر خاموشی چھا گئی تھی تو نبیل کو ہی ٹوکنا پڑا تھا۔

"نبیلہ بھابی یا آپ کی والدہ سے....." نبیل چونکا۔

"مگر آپ کون.....؟"

"آپ کو بتاتی ہوں پہلے ان سے تو بات کروا دیں۔" نبیل نے الجھ کر نبیلہ کو دیکھا اور وہ ادھر ہی متوجہ تھی اشارے سے قریب بلوا لیا۔

"کوئی لڑکی ہے' تم سے یا اماں سے بات کروانے کو کہہ رہی ہے۔" نبیل کے کہنے پر الجھتے اس نے ریسیور تھام لیا تھا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام..... نبیلہ بھابی بات کر رہی ہیں؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"جی....." اگلی آواز نے نبیلہ کو چونکا دیا۔

"السلام علیکم! نبیلہ بھابی میں نویرہ ہوں۔" اگلے ہی پل نبیلہ کے حواسوں پر گویا بم پھٹا تھا۔

"نویرہ..... تم نویرہ ہو.....؟" ان کی آواز اتنی پرجوش اور اونچی تھی کہ واپس جاتا نبیل ایک دم پلٹا تھا بلکہ اماں بھی فوراً اٹھی تھیں۔

"تم کہاں ہو.....؟ یہ کیا کیا تم نے؟" نبیل نے فوراً نبیلہ کے ہاتھوں سے ریسیور چھین لیا تھا۔

"میں جہاں بھی ہوں بہت اچھی اور خوش ہوں..... میں اماں کی طرف سے پریشان تھی۔ اسی لیے فون کیا ہے۔ وہ کیسی ہیں؟" نبیل بھائی کیسے ہیں؟ وہ تو بہت خوش ہوں گے کہ میں خود ہی اپنا بندوبست

کر گئی ہوں اور شارق اسے میں نے کل دیکھا تھا مگر بھابی میں اب واپس نہیں آؤں گی۔ مصعب میرے پاس ہے۔ آپ گھر والوں اور اماں کا سنائیں۔" نبیل بھائی ساکت سے کھڑے تھے۔ یہ واقعی نویرہ کی آواز تھی مگر پہلے آواز اور تھی۔

"نویرہ..... کہاں ہو تم؟ اور یہ کیا کیا تم نے..... اختلاف مجھ سے تھا مگر گھر کیوں چھوڑا..... کوئی ایسے بھی کرتا ہے؟" دوسری طرف ایک دو پل کو خاموشی ہوئی تھی۔

"میں نے بہت اچھا کیا ہے۔ نبیل بھائی مجھے ایسا بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔ بات اختلاف کی نہیں۔ آپ میری کردار کشی کر رہے تھے اور جو آپ چاہ رہے تھے ایسا کبھی نہ ہونے دیتی۔ میں ساری دنیا کو تو چھوڑ سکتی ہوں مگر اپنے بیٹے کو نہیں اور رہ گیا شارق اس کے ساتھ جب رہنا ہی نہیں تھا تو پھر اس کے حوالے مصعب بھی نہیں کرنا تھا جیسا کہ آپ چاہتے تھے۔"

"اب تو تم نے بہت عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ سارا خاندان جان چکا ہے کہ تم گھر چھوڑ کر جا چکی ہو مگر کیوں؟"

"جہاں بھی ہوں عزت سے ہوں۔" دوسری طرف بھی تلخی تھی۔

"مجھے ایڈریس بتاؤ۔ میں لینے آ رہا ہوں۔ جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہوگا۔" نبیل نے اس کے تلخ رویے کو نظر انداز کرتے ذرا نرمی سے کہا۔

"اب کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے گھر سے قدم واپس آنے کے لیے نہیں اٹھایا تھا۔ اماں کیسی ہیں' بات کروائیں میری ان سے....." نبیل نے ریسیور اماں کو تھما دیا تھا۔

"نویرہ....." وہ فوراً بے قرار ہوئی تھیں۔ نبیلہ نے بازو کا سہارا دیا۔

"نویرہ میرے بچے یہ کیا کر دیا تم نے' تم تو میری سب سے عقل مند بیٹی ہو۔ یہ کیا حرکت کی تم نے' عورت ایک بار قدم گھر سے باہر نکال لے تو بات نسلوں تک پہنچ جاتی ہے' کچھ تو سوچا ہوتا۔ اپنی ماں کا ہی خیال کیا ہوتا۔"

"اماں! بہت سوچ لیا جب بات کردار اور انا کی ہوتی ہے تو بعض اوقات عقل سلب ہو جاتی ہے۔ میں کردار اور انا کا جوا تو ہار ہی گئی تھی۔ اب اولاد بھی ہار جاتی..... اماں میرے پاس تھا ہی کیا مجھے کیا دیا ان رشتوں نے؟ شارق اور نبیل بھائی کی اپنی جنگ شروع ہو گئی تھی۔ نواز یا رضا سب نے مجھے ہی نشانہ بنایا تھا۔ اماں میری بھی برداشت ایک حد تک تھی۔ میں یہ سب کہاں تک برداشت کرتی؟" وہ بھی دوسری طرف چیخ گئی تھی۔ اچانک نبیل بھائی کے ذہن میں خیال آیا تو انہوں نے فوراً موبائل نکال کر CLI پر روشن نمبر نوٹ کیا تھا۔

"اماں کو کہو۔ فون بند نہیں کرنا۔ نویرہ سے لمبی بات کریں۔ اسے باتوں میں الجھائیں۔ میں ذرا پتا کرواتا ہوں کہ یہ کہاں کا نمبر ہے؟" نبیلہ کو ہدایت دیتے نبیل ذرا ہٹ کر کسی سے بات کرنے لگا۔ نویرہ نے اماں سے تقریباً دس منٹ بات کی تھی تب تک نبیل نجانے کس کس کو کال کرتا رہا پھر باہر نکل گیا تھا۔ کال ختم ہوئی تو نبیلہ نے اماں کو دیکھا۔

"کیا کہہ رہی تھی؟ کچھ بتایا کہ کہاں ہے؟ کیسی ہے کس حال میں ہے؟"

"ہاں کہہ رہی ہے اچھی ہے۔ اچھے لوگوں میں ہے۔ میں نے تمہارے سامنے ہی کتنی بار پوچھا ہے کہ کس جگہ پر ہے مگر ٹال گئی اور نبیل کہاں گیا.....؟" بات کرتے کرتے وہ مسلسل روتی رہی تھیں۔ اپنے چہرے کو صاف کرتے اردگرد دیکھا۔

"پتا نہیں۔ فوراً گاڑی نکال کر چلے گئے۔ سی۔ ایل۔ آئی پر آنے والے نمبر نوٹ کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے کسی سے ملنے گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس نمبر سے ہی اندازہ ہو جائے کہ وہ کہاں ہے؟"

"اللہ کرے۔" اماں نے دعا دی۔ ایک گھنٹے تک نبیل واپس نہ آیا تو اماں کو پریشانی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ آج کل تو بلاوجہ ہی تشویش لاحق ہو جاتی تھی۔

"بہو! نبیل کو فون تو کرو۔ پتا تو چلے کہاں گیا ہے؟"

"جی اچھا....." وہ کچن سمیٹ کر آئی تھیں۔ اماں کے کہنے پر اس نے کال ملائی تھی۔

"کہاں ہیں۔ اماں پریشان ہو رہی ہیں۔ کچھ بتائے بغیر ہی چلے گئے تھے۔"

"میں نویرہ کا پتا کرنے آیا تھا مگر جس نمبر سے اس نے کال کی ہے وہ تو پی۔ سی۔ او کا تھا اور ادھر آیا تو وہ جا چکی ہے۔ میں نے تم سے بھی کہا تھا کہ اسے باتوں میں الجھاؤ لمبی بات کرنا..... وہ کسی لڑکی کے ساتھ یہاں آئی تھی کسی گاڑی میں' گاڑی ڈرائیور چلا رہا تھا۔ یہ پی۔ سی۔ او کے مالک نے بتایا ہے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ ہمارے آنے سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی وہ جا چکی تھیں..... کہاں پی۔ سی۔ او کا مالک قطعی لاعلم ہے۔"

"اوہ....." نبیلہ کو تاسف ہوا۔

"تم سے یا اماں سے اس نے ذکر کیا کہ وہ کہاں ہے؟ کن لوگوں میں ہے.....؟ باتوں باتوں میں ہی کوئی اشارہ ملا ہو....."

"میری آپ کے سامنے ہی جو سلام دعا ہوئی ہے وہی ہے۔ اماں سے ہی زیادہ بات چیت ہوئی ہے مگر اس نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔ اماں کے پوچھنے پر بھی ٹال دیا تھا کہ وہ اچھے لوگوں میں ہے۔ عزت کرتے ہیں اس کی....." وہ نبیل سے بات ختم کر کے اماں کو ساری صورت حال بتا کر پھر سے گھر کے کاموں میں الجھ گئی تھی جب کہ اماں خاموشی سے آنسو بہاتے زیرِ لب نجانے کیا کیا ورد کرتی رہی تھیں۔

اپنے گھر والوں سے بات کرنے کے بعد وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھی تھیں۔ زرش کے سامنے ہی ساری بات ہوئی تھی۔ نویرہ گم صم سی تھی۔ زرش نے بھی قصداً خاموشی اختیار کر لی۔ اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ امجد نے پہلے زرش کو یونیورسٹی ڈراپ کیا تھا پھر نویرہ کو واپس گھر لے کر جانا تھا۔ امجد کو زرش نے ساری صورت حال بتا کر اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ یہ معاملہ ان کے درمیان میں رہے گا۔ سمعان کو علم نہ ہو۔ گاڑی یونیورسٹی سے واپس نکالتے وقت امجد کی ذرا سی غلطی سے گاڑی مخالف سمت سے آتی گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

"ذرا سنبھل کر..... احتیاط سے....." نویرہ نے ایک دم دہل کر امجد کو سرزنش کی تھی۔ اگر وہ بروقت بریک نہ لگاتا تو تصادم یقینی تھا۔

"یس بی بی جی۔ غلطی ہوگئی۔"

"اب خیال رکھنا۔" نویرہ نے سر ہلا کر اب سامنے کی طرف دیکھا تو لگا دل اچھل کر حلق میں آگیا ہے..... نواز فاروق دوسری گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ اس نہ ہونے والے تصادم پر اس نے بھی گاڑی ایک دم روکی تھی۔

"امجد جلدی سے گاڑی نکالو یہاں سے۔ جلدی کرو۔" اچانک گھبرا کر وہ چیخی تھی۔ نواز نے اسے نہیں دیکھا تھا مگر وہ جلدی سے سر نیچے کر کے اپنا وجود چھپا گئی تھی۔

"سوری صاحب جی۔ غلطی ہوگئی۔" امجد کہہ رہا تھا۔ وہ زرش کے کہنے پر اس کا اسکارف اور چادر لیے ہوئے تھی مگر نواز یہاں کیا کر رہا تھا..... نویرہ کا دل لرز رہا تھا۔ امجد نے اس کے کہنے پر گاڑی فوراً وہاں سے نکالی تھی۔ کچھ دور آ کر نویرہ کی سانس بحال ہوئی تھی۔ جہاں تک اس کا علم تھا کراچی جانے سے پہلے نواز اسی یونیورسٹی میں تھا پھر جاب چھوڑ کر کراچی چلا گیا تھا۔ واپس آنے پر بھی اس نے دوبارہ یہ جاب جوائن نہیں کی تھی۔ اپنی اکیڈمی ہی چلا رہا تھا۔ اب ایک دم اس کا یہاں نظر آنا۔ ایک ہی شہر اور ذرا سے فاصلے پر رہتے ہوئے نجانے کتنی بار ان لوگوں سے سامنا ہونا تھا۔ وہ فکرمند سی ہوگئی تھی۔

❁.....❁.....❁

یونیورسٹی میں اپنے نئے پروفیسر کے روپ میں نواز فاروق کو دیکھ کر جہاں زرش سمعان احمد حیران رہ گئی تھی وہاں زرش کو پہلی نشست پر براجمان دیکھ کر نواز بھی چونکا تھا۔ دونوں کے لیے یہ بات حیرت انگیز تھی مگر دونوں ہی اپنی اپنی حیرت چھپا گئے تھے جہاں نواز فاروق نے ایک دو پل کی حیرانگی کے بعد نارمل ہو کر اپنے تعارف کے بعد کلاس کا تعارف لینا شروع کر دیا تھا وہیں زرش بھی نارمل سے انداز میں باقی کلاس کی طرح اپنا تعارف کروا گئی تھی۔

زرش نے اول روز سے ہی ساری کلاس کے سامنے ایک ذہین اور خوب صورت اسٹوڈنٹ کے طور پر دھاک بٹھالی تھی۔ وہ ابھی تک مکمل طور پر ریگولر تھی اور صرف ریگولر ہی نہ تھی حاضر جواب اور ذہین بھی تھی۔ نواز نے بھی پہلے دن کے تعارف سے یہ بات نوٹ کر لی تھی۔ پیریڈ آف ہونے کے بعد زرش لاتعلق نہیں رہ سکی تھی۔ نواز فاروق باہر نکلا تو وہ بھی پیچھے چلی آئی تھی۔

"سر کیسے ہیں آپ؟ آپ کی مسز اور سسٹر کیسی ہیں؟" نواز فاروق اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں رومیسہ اکثر آپ کو یاد کرتی ہیں اور حمیرا بھی ٹھیک ہے۔ سمعان کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں وہ بھی۔" آپ نے یہاں اتنی دور ایڈمیشن کیوں لیا جب کہ کراچی میں تو بہت اچھے انسٹی ٹیوٹ ہیں جب کہ آپ کا رزلٹ بھی اچھا خاصا تھا۔ پوزیشن تھی نا آپ کی.....؟ سائرہ نے بتایا تھا۔"

"جی۔ فرسٹ پوزیشن تھی میری۔ بس یہاں ایڈمیشن لینا میری ضد تھی۔" اس نے مسکرا کر کہا تو نواز

فاروق نے بغور دیکھا۔ وہ جوں کی توں تھی۔ ذرا بھی نہ بدلی تھی۔ اسی طرح اسکارف سر پر لپیٹے کندھوں پر دوپٹہ پھیلائے بڑے باوقار انداز میں کھڑی تھی۔ زرش کو اب بھی بغور دیکھتے نویرہ یاد آئی تو دل سے اک ہوک سی اٹھی۔

"سمعان اور آپ کی فیملی نے کچھ نہ کہا..... میرا خیال ہے آپ رزلٹ آنے تک تو اسلام آباد میں تھیں۔" نواز فاروق کو ساری معلومات تھیں۔ زرش ہنس دی۔

"جی سمعان کی سپورٹ سے ہی ادھر ہوں۔"

"ہوسٹل میں ہیں؟"

"نہیں۔ اپنا گھر ہے ادھر۔" نواز کو تعجب ہوا۔

"اکیلی ہوتی ہیں؟"

"بظاہر تو اکیلی ہی ہوتی ہوں مگر واچ مین کی فیملی اور ایک آیا ساتھ ہوتی ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اسٹوڈنٹ کے روپ میں آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ہمارے شہر میں ہیں۔ مہمان ہیں آپ ہماری۔ اگر ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور کہیے گا۔" نواز کا انداز ایسا تھا کہ وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"آف کورس سر۔" اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا تھا۔ ایک دو مزید باتوں کے بعد نواز فاروق چیئرمین آفس کی طرف چل دیے تو وہ بھی مسکراتی اپنی کلاس فیلوز کی طرف پلٹ آئی تھی۔

❁.....❁.....❁

آنے والے دو دن میں طاہرہ بیگم کی طبیعت خراب ہی رہی تھی۔ نفیسہ آپا کی فیملی کے علاوہ شائستہ اور ان کے اپنے بھائی بہن کی فیملیاں آ کر عیادت کر گئی تھیں۔ قیصرہ آپا نے آنے کی زحمت تو کیا ایک فون تک کرنا گوارہ نہیں کیا تھا اور طاہرہ بیگم مکمل طور پر ڈھے گئی تھیں۔ ان دو تین دنوں میں ان کی اولاد حقیقی طور پر ان کی غم گسار ثابت ہوئی تھی۔ اسلام آباد سے عثمان احمد بھی طاہرہ کی طبیعت کی خرابی کا سن کر زوباریہ اور حمزہ کو لیے اگلے دن ہی چلا آیا تھا۔ ابھی وہ یہیں تھا۔ طاہرہ بیگم کا بی پی اور بخار نارمل نہیں ہو رہا تھا۔ زوباریہ اور فرح ہر وقت ان کے سرہانے بیٹھے رہتی تھیں۔ ایسے عالم میں کہ جب ان کی ساری خطاؤں اور غلطیوں کو معاف کیے سب اردگرد تھے۔

سعید احمد کی لاتعلقی جوں کی توں ہی تھی۔ تاہم انہوں نے ان سے براہِ راست کوئی بات نہ کی تھی۔ نہ ہی ان کا بڑے زعم سے جانے اور یوں بیمار حالت میں واپس آنے پر جتایا تھا۔ ان کے بچے اس معاملے میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

وہ سب سعید احمد کے رویے کو بدلنے سے قاصر تھے۔

وہ ماں کو واپس ہر حالت میں قبول کر سکتے تھے مگر سعید احمد کیا کرتے ہیں وہ لوگ بے یقین تھے۔ زوباریہ طاہرہ بیگم کو دوا کھلا کر ان کا بی پی چیک کر کے انہیں پرسکون رہنے اور کچھ نہ سوچنے کی تاکید کر کے کمرے سے باہر آئی تو لاؤنج میں سعید احمد کو تنہا بیٹھے دیکھ کر رک گئیں۔

دوئم

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ بظاہر ٹی وی دیکھ رہے تھے مگر ذہن کہیں اور تھا۔ زوباریہ پرسوں یہاں آئی تھی۔ تب سے وہ مسلسل طاہرہ بیگم کے پاس تھیں۔ مہمانوں کی وجہ سے زوباریہ نے زیادہ دھیان نہیں دیا تھا مگر وہ نوٹ کر چکی تھیں کہ سعید احمد کا رویہ طاہرہ بیگم کے ساتھ ابھی بھی پہلے کی طرح برقرار ہے۔ بے شک عثمان احمد نے اپنے ماں باپ کی زندگی کو کبھی ڈسکس نہیں کیا تھا چیدہ چیدہ باتیں بتائی تھیں مگر وہ گزشتہ چند سالوں سے اس خاندان کا حصہ تھیں۔ خاندان کے بہت سے لوگوں سے بہت سی باتوں کا علم ہو چکا تھا اور پھر سمعان اور زوش کے رشتے سے لے کر شادی تک جو بھی حالات تھے وہ سب سامنے تھے۔

سعید احمد اور طاہرہ بیگم کے درمیان اصل وجہ تنازعہ کیا تھی وہ لاعلم تو نہ تھی۔ اب جب کہ فرح اور سعد کے رشتے کو ایشو بنا کر طاہرہ بیگم کا گھر چھوڑ کر جانا اور اب اس حالت میں واپس آنا۔

اپنی سب غلطیوں اور خطاؤں کو قبول کر رہی تھیں۔ تو سب نے کھلے دل کا مظاہرہ کرتے ان کی سب خطاؤں کو بھی بھلا دیا تھا مگر طاہرہ بیگم اب بھی ڈپریشن میں تھیں۔ ان کا بی پی ہنوز اسی لیول پر تھا اور یہ کنڈیشن کسی طور پر بھی تسلی بخش نہ تھی۔ ان کے قریب رہنے پر انہوں نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ جہاں سب کے نارمل رویوں کو وہ بمشکل قبول کر پا رہی تھیں وہیں ان کے بی پی شوٹ کر جانے اور ہنوز طبیعت کی یہ خرابی سعید احمد کے رویے کی وجہ سے بھی تھی۔ زوباریہ نے سوچا ایک دفعہ ان سے بات کر لینے میں کیا حرج ہے؟ ان کی اولاد اس معاملے میں بولنا نہیں چاہ رہی تو کیا وہ بھی وقت گزرنے کا انتظار کرتی رہے گی.....

"آپ سوئے نہیں....." زوباریہ طاہرہ بیگم کے پاس ہی مسلسل تھیں۔ رات کے کسی بھی پہر ان کا بی پی شوٹ کر جاتا تھا تو کوئی نہ کوئی ان کے پاس ہوتا تھا۔ ایسے میں سعید احمد ساتھ والے روم میں تھے۔ سعید احمد زوباریہ کو دیکھ کر شفقت سے مسکرائے۔

"یہ ٹاک شو دیکھ رہا تھا۔ کافی دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی۔" زوباریہ ان کے ساتھ ہی ٹک گئی تو انہوں نے آواز دھیمی کر دی تھی۔

"باقی سب سو گئے ہیں کیا؟" انہوں نے پوچھا تھا۔

"جی۔ فرح کو ابھی کمرے میں بھیجا ہے میں نے۔ ماما کو بھی ابھی دوا دے کر بی پی چیک کر کے آئی ہوں۔" زوباریہ نے قصداً طاہرہ بیگم کا ذکر کیا تھا۔ سعید احمد خاموش رہے تھے۔

"پاپا! ایک بات کہوں؟ اگر برا نہ مانیں تو؟" کچھ دیر سوچتے زوباریہ نے آخر ہمت کر ہی ڈالی۔

"ہاں بیٹا کیوں کیا بات ہے؟" زوباریہ کے یوں ہچکچانے پر وہ متوجہ ہوئے تھے۔

"پاپا کیا ایسا نہیں ہو سکتا جہاں باقی سب نے ماما کو معاف کر دیا ہے۔ وہاں آپ بھی کھلے دل سے انہیں معاف کر دیں۔ یہ ٹھیک ہے میں ذاتیات میں دخل اندازی کر رہی ہوں مگر یہی سب کے حق میں بہتر ہے خصوصاً آج کل جو حالات ہیں ان میں یہ فیصلہ بہت اہم ہے۔ زندگی میں انسانوں سے ہی غلطیاں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات دانستہ یا نادانستہ..... ماما بہت سی غلطیاں کر چکی ہیں۔ اسجد کل آیا تھا

دوئم

اس کی زبانی جو حالات سننے کو ملے ہیں ایسے عالم میں ماما ڈپریشن کا شکار ہو کر کسی شدید بیماری میں بھی جا سکتی ہیں۔ وہ اگر غلط تھیں تو کچھ لوگوں نے انہیں استعمال بھی تو کیا ہے اور برا نہ مانیے گا بعض جگہوں پر آپ بھی غلط تھے اور مسلسل غلطی پر ہی رہے۔" زوباریہ نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا تھا اور سعید احمد لب بھینچے سن رہے تھے۔

"میں آپ کو مورد الزام نہیں ٹھہرا رہی مگر یہ بھی سچ ہے اگر بہت شروع میں ہی آپ قیصرہ آنٹی سے ماما کے تعلقات ختم کروا دیتے۔ اگرچہ یہ ناممکن تھا کچھ حد تک کوشش تو کرتے۔ جس طرح ماما چاہتی تھیں ان کو اس طرح ہینڈل کر لیتے تو شاید آج جو ساری خرابیاں ہیں یہ نہ ہوتیں۔ شاید اتنی الجھن نہ ہوتی۔ آپ نے اگر اپنے بچوں کے لیے سمجھوتہ کیا ہی تھا تو ان کی اصلاح کی بھی کوشش کرتے۔"

"ہاں میری بہت سی غلطیاں ہیں بیٹا مگر میں نے کوشش بھی کی جس بات کو آپ بہت آسان کہہ رہی ہیں کہ قیصرہ سے تعلقات طاہرہ کے ختم کروا دیتا تو ایسا بھی کر کے دیکھا تھا۔ نہ طاہرہ نے میری کوئی بات مانی اور نہ قیصرہ نے ایسا کوئی حربہ سود مند ہونے دیا۔ ٹھیک ہے غلطیاں میری بھی ہیں مگر جب کوئی ٹھوکر کھائے بغیر سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرے تو اسے کوئی کیسے سمجھا سکتا ہے۔ گھوڑے کو پانی کے پاس لے جایا جا سکتا ہے مگر پانی کی طلب اس کے اندر سے پیدا ہو گی جو اسے پانی پینے پر مجبور کرے گی۔ اس کو زبردستی پانی نہیں پلایا جا سکتا۔ اسی طرح زبردستی کسی کو سمجھایا بھی نہیں جا سکتا۔ درستگی کا عمل انسان کے اپنے اندر سے اٹھتا ہے۔ اگر وہ خود ہی درست نہ ہونا چاہے تو کوئی دوسرا لاکھ کوشش کر لے سب بے کار ہے بیٹا جی....."

"ٹھیک ہے ماضی میں جو بھی ہو چکا اس پر اب بحث بے کار ہے جو ہو رہا ہے اس کو تو ہم اپنے عمل سے سنوار سکتے ہیں نا..... ماما پشیمان ہیں۔ شاید آپ کی طرف سے پیش قدمی کی منتظر بھی..... آپ کی اولاد انہیں معاف کر چکی ہے۔ ان کے رشتہ دار ان کی واپسی پر ان کے پاس چلے آئے ہیں۔ اب صرف آپ ہیں۔ یقین کریں ان کی طبیعت بہت خراب ہو چکی ہے۔ وہ اپنی غلطیوں اور پشیمانیوں کے سبب جس احساسِ گناہ میں جکڑ چکی ہیں اس سے صرف آپ ہی انہیں نجات دلا سکتے ہیں۔ یہ آپ کے لیے ہو سکتا ہے ایک مشکل مرحلہ ہو مگر وقت و حالات کا یہی تقاضا ہے کہ ان کے ذہنی بوجھ کو کم کرنے کے لیے آپ کو خود ان کی طرف پیش قدمی کرنا ہو گی۔ وہ اس مقام پر تو ہیں کہ آپ سے اپنی گزشتہ تمام غلطیوں اور گناہوں کی معافی مانگ لیں مگر وہ اس مقام پر نہیں کہ اگر آپ ان کو ریجیکٹ کر دیں تو ان کا دل و دماغ اس بوجھ کو برداشت کر بھی لے۔" زوباریہ اپنی بات مکمل کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"فرح اور سعد سے ہٹ کر زرش اور سمعان احمد کے معاملے کو سلجھانا ہے تو آپ کو خود سے کچھ کرنا ہو گا ورنہ وہ پشیمانی کے احساسِ گناہ میں جکڑے وہ ذہنی کنڈیشن کی شکست و ریخت کا تن تنہا سامنا نہ کر پائیں گی۔ انہیں رونے کے لیے ایک کندھے..... ایک ہمدرد کی ضرورت ہے جس کے سامنے وہ اعترافِ گناہ کر سکیں۔" زوباریہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چل دی تھی۔

سعید احمد سوچ کے بھنور میں کتنی دیر تک جکڑے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے دل کی تمام گہرائیوں

اور جذبوں سمیت طاہرہ بیگم کو چاہا تھا مگر وقت وحالات نے ان کے دل کی زمین کو بالکل بنجر کر دیا تھا۔ میری محبت وچاہت کی فصل تباہ کر ڈالی تھی اور اب..... وہ خاموشی سے اٹھے تھے۔ اپنے کمرے کی طرف آتے ہوئے بھی وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔ اپنے کمرے میں داخل ہوئے تو پہلی نگاہ بستر پر دراز وجود پر پڑی تھی۔ اس وجود نے کبھی ان کے دل کو بڑے خوب صورت انداز میں دھڑکنا سکھایا تھا اور انہوں نے بڑی وفاداری سے اپنے سب جذبے اس وجود کو سونپے تھے مگر کیا ہوا..... طاہرہ بیگم دوا لینے کے باوجود جاگ رہی تھیں۔ سارا دن بستر پر پڑے پڑے تو اب نیند بھی رات کو نہیں آتی تھی۔ دو دن تو زوباریہ نے ان کو نیند کی گولی دے دی تھی مگر آج منع کر دیا تھا کہ اس طرح تو وہ عادی ہو جائیں گی۔ وہ قدرتی نیند لیں تو ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔

سعید احمد کو کمرے میں آتے دیکھ کر وہ بستر پر اٹھ بیٹھی تھیں۔ سعید احمد طاہرہ بیگم کو بستر پر بیٹھتے دیکھ کر رک گئے تھے۔ تاہم ایک نظر بغور دیکھا تھا۔ وقت وحالات نے بہت کچھ بدل ڈالا تھا اور ان چند دنوں نے ان کی صحت پر بھی اچھا خاصا اثر ڈالا تھا۔ خاصی کمزور ہو گئی تھیں۔ وہ سعید احمد کو دیکھ کر سر جھکا گئی تھیں۔

''کیسی طبیعت ہے اب؟'' خدا خدا کر کے کفر ٹوٹا تھا اور طاہرہ بیگم نے بے پناہ حیرت زدہ آنکھوں سے اپنے مجازی خدا کو دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' طاہرہ بیگم کے لہجے میں صدیوں کی مسافت اتر آئی تھی۔ وہ خود بھی تو ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔

سعید احمد کو سامنے دیکھ کر جی چاہا کہ دھاڑیں مار مار کر روئیں۔ اپنے تمام گناہوں کا اعتراف کریں' سب غلطیوں کو قبول کریں اور اس عظیم انسان سے معافی مانگیں جو سب کچھ بھلا کر ان کا حال پوچھ رہا تھا..... ان کے آنسو متواتر ان کے رخساروں پر بہتے چلے گئے تھے۔

سعید احمد نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا تھا اور طاہرہ بیگم کی حالت پر دلی رنج پہنچا تھا۔ یہ واپسی کا سفر تھا.....

''مجھے معاف کر دیں۔ میں ہمیشہ سے غلط تھی اور غلطی پر جمی رہی مگر خدا گواہ ہے آپ کے گھر میں آ کر صرف آپ کو دل میں جگہ دی۔ صرف آپ کی ہی وفادار رہی.....'' روتے ہوئے یہ وہ اقرار ہوا تھا جو انہوں نے برسوں کے ساتھ میں بھی نہ کیا تھا اور سعید احمد کے دل پر کوئی جیسے بھاری سل گرا گیا تھا۔ وہ گم صم سے بستر پر ٹک گئے تھے جیسے قدموں نے ان کے بوجھ کو سہارنے سے انکار کر دیا ہو۔ وہ روتے ہوئے اپنے گزرے سالوں کا احوال سنا رہی تھیں۔

سعید احمد اس کنڈیشن میں تھے کہ جیسے وقت تھم گیا ہو۔ خود میں اتنی ہمت نہیں پاتے تھے کہ ہاتھ بڑھا کر اس روتی بلکتی شریک حیات کے آنسو سمیٹ لیں کہ جس نے سوائے دکھ کے انہیں اور کچھ نہ دیا تھا مگر وہ تو شش وپنج میں پڑ گئے تھے۔

یہ جھکی جھکی آنکھیں

یہ رکا رکا لہجہ
ٹوٹتا ہوا فقرہ
گرد میں اٹی پلکیں
دھوپ سے تپا چہرہ
سر جھکائے آیا ہے
اک عمر کا بھولا
دل ہزار کہتا ہے
ہاتھ تھام لوں اس کا
چوم لوں یہ پیشانی
لوٹنے نہ دوں تنہا
کوئی دل سے کہتا ہے
سارے لفظ جھوٹے ہیں
اعتبار مت کرنا' اعتبار مت کرنا

اور سعید احمد نے بہت آہستگی سے ان کا ہاتھ تھاما تھا۔ اعتبار تو کرنا ہی تھا مگر..... انداز دلاسا دینے والا تھا اور طاہرہ بیگم کو لگا کہ وہ ساری زندگی کی خوشیاں ہار کر یہ بازی جیت گئی ہیں۔

مصعب کو بخار تھا۔ پچھلے دو دن سے زرش نے امجد کو بھیج کر ڈاکٹر کو بلوا لیا تھا۔ وہ چیک کر کے دوا دے گیا تھا مگر مزید دو دن بھی گزر گئے تو اس کا بخار نہیں اتر رہا تھا۔ نویرہ تو ایک طرف زرش بھی پریشان ہو گئی تھی۔ اتوار یونیورسٹی سے آف تھا۔ دونوں کا ارادہ مصعب کو ہاسپٹل لے جانے کا تھا۔ مسلسل اس کی طبیعت خراب ہی ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر کا بھی مشورہ تھا کہ اسے اسپتال لے جائیں۔ نویرہ کے لیے یہ بات کسی افتاد سے کم نہ تھی۔ زرش امجد کے ساتھ ہی اسے لے کر ڈاکٹر کے اسپتال میں لے آئی تھی۔ نویرہ تو گم صم سی تھی وہ خود ہی ڈاکٹر سے ملتی رہی تھی۔ ڈاکٹر نے مصعب کو اسپتال میں داخل کر لیا تھا اور اسے رات تک اسپتال میں ہی رکھنے کا کہا تھا۔ اگر اس دوران طبیعت سنبھل گئی تو پھر گھر جانے کی اجازت دے دیں گے ورنہ پھر کل تک رکھنا پڑے گا۔ رات تک بھی اس کی طبیعت ٹھیک نہ ہوئی تو وہ دونوں پریشان ہو گئی تھیں۔ زرش نے گھر سے واچ مین کی بیوی کو بھی بلوا لیا تھا۔

چائلڈ وارڈ میں وہ دونوں اکیلی نہیں رہ سکتی تھیں۔ بے شک امجد ساتھ تھا۔ اس کو سمعان کی طرف سے بھی دھڑکا تھا۔ وہ کل دوپہر سے اسپتال میں تھیں۔ بے شک موبائل اس کے پاس تھا اگر اس روز سمعان اچانک بغیر بتائے گھر آ گیا تو حقیقت تو وہ خود ہی جانتی تھی۔ سمعان کے نزدیک نویرہ صرف ایک آیا ہی تھی۔ اسے سمعان کی خفگی کا بھی ڈر تھا۔ بے شک اس نے سمعان کو قائل کر لیا تھا مگر جاتے جاتے بھی وہ کہہ گیا تھا کہ اس طرح آئندہ کسی پر رحم کھانے سے پرہیز کرے۔ ملازمت کی آڑ میں لوگ

بہت کچھ کر جاتے ہیں۔

خدا خدا کر کے رات گزری تو زرش نے شکر کا سانس لیا تھا۔ وہ دونوں ساری رات نہیں سوئی تھیں۔ زرش کا تھکن سے برا حال ہو رہا تھا مگر نویرہ کو اس حالت میں اکیلے چھوڑ کر گھر جانے اور پھر یونیورسٹی جانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ نویرہ زرش کو اپنے ساتھ اس طرح خوار ہوتے دیکھ کر پشیمان سی ہوئی تھی۔ اس کے دل میں زرش کی قدر و منزلت ایک دم بڑھی تھی۔

محض شناسائی کا ہی تو رشتہ تھا مگر وہ اپنوں سے بڑھ کر ثابت ہو رہی تھی۔

''تم گھر چلی جاؤ۔ میری فکر نہ کرو۔ ملازمہ ادھر ہی ہے۔ امجد کے ساتھ چلی جاؤ پھر تم نے یونیورسٹی بھی جانا ہوگا۔ بارہ بجے تک ڈاکٹرز وزٹ کرنے آئیں گے تو بات کروں گی کہ ڈسچارج کر دیں۔ اس وقت یہ خاصا بہتر ہے۔''

''مگر آپ اکیلی رہ جائیں گی۔''

''کوئی بات نہیں۔ ملازمہ تو ہے نا۔ تم امجد کو کھانا دے کر بھیج دینا۔ فون پر رابطہ رکھنا۔''

''ٹھیک ہے..... اور ہاں اسپتال میں سب ادائیگی میں کروا چکی ہوں۔ جب ڈاکٹرز ڈسچارج کر دیں تو کال کر لیجیے گا۔ میں یونیورسٹی سے سیدھی ادھر ہی آجاؤں گی۔ دوا وغیرہ کی فکر نہ کیجیے گا۔ امجد کو میں نے رقم دے دی ہے۔ وہ خود ہی سب دیکھ لے گا۔'' نویرہ نے اس چھوٹی سے پر اعتماد لڑکی کو دیکھا۔

''رقم میرے پاس تھی زرش۔''

''کوئی بات نہیں۔ آپ اور میں الگ تو نہیں۔ بڑی بہن کہا ہے جب آپ کو تو پھر ہر طرح کا حق رکھتی ہیں آپ مجھ پر..... بے گانوں والی باتیں نہ کیا کریں۔ اس رقم کو سنبھال کر رکھیں۔ کبھی نہ کبھی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے۔ اس وقت آپ دونوں مکمل طور پر میری ذمہ داری ہیں۔'' نویرہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''اوکے میں چلتی ہوں امجد کے ساتھ۔ صبح یونیورسٹی جاتے ہوئے کھانا دے جاؤں گی۔ پریشان نہیں ہوں۔'' وہ ان کے گلے لگ کر اور کاٹ میں لیٹے مصعب کے گال پر بوسہ دے کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

بارہ بجے ڈاکٹر وزٹ پر آیا تو اس نے مصعب کو چیک کر کے دوا لکھ دی تھیں۔ مصعب پہلے سے بہت بہتر تھا۔ اب تو کھلکھلا بھی رہا تھا ورنہ کل تو بالکل مرجھا سا گیا تھا۔ زرش یونیورسٹی جانے سے پہلے خود امجد کے ہمراہ آ کر کھانا دے گئی تھی۔ ڈاکٹرز نے ڈسچارج کرتے کرتے بھی دو بجا دیے تھے۔ نویرہ نے زرش کو فون کر کے بتا دیا تھا۔ زرش سیدھی یونیورسٹی سے آئی تھی۔ ملازمہ نے سامان اٹھا لیا تھا۔ اس نے مصعب کو جب کہ نویرہ اس کی بکس تھامے اس کے ساتھ تھی۔ کل کی نسبت وہ بہت پرسکون تھی ورنہ مصعب کے بخار نے دہلا کر رکھ دیا تھا۔ ملازمہ اور زرش کے گاڑی میں بیٹھے نویرہ بھی بیٹھنے لگی تو اچانک یاد آیا کہ وہ مصعب کی دوائیوں والا شاپر جو امجد نے ابھی خرید کر لا کر اسے تھمایا تھا وہ وہیں کاٹ کے قریب چھوڑ آئی تھی۔

''اوہ۔'' اس نے سر پر ہاتھ مارا۔

''کیا ہوا؟''

''امجد نے جو ابھی دوائیاں لا کر دی ہیں وہ میں ادھر ہی چھوڑ آئی ہوں۔''

''تم لوگ ٹھہرو میں شاپر لے کر ابھی آئی۔'' اس سے پہلے کہ زرش اسے روکتی اور ملازمہ کو بھیجتی وہ خود ہی تیزی سے اندر کی طرف چل دی تھی۔

وہ شاپر لے کر تیز قدموں سے واپس پلٹی تھی۔ سیڑھیاں اترتے وہ کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ دوائیوں والا شاپر اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔

''اوف۔ اندھے ہو گیا؟'' کوفت کا شکار ہوتے اس کی نظر جیسے ہی سامنے والے پر پڑی تھی اس کا سانس خشک ہو گیا تھا۔ شارق زمان اور نواز فاروق کو دیکھ کر وہ سرعت سے پیچھے ہٹی تھی۔ اس نے چہرہ بے شک چادر میں لپیٹا ہوا تھا مگر ان دونوں نے ایک پل میں اسے پہچانا تھا۔

''نویرہ.....'' اور نویرہ ان کی طرف دیکھے بغیر دونوں کو دھکیلتے بجلی کی رفتار سے بھاگی تھی۔ دونوں چند پل کو کچھ سمجھ نہ سکے تھے۔

''شارق پکڑو نویرہ کو.....'' جب تک نواز سنبھلا تھا نویرہ کافی دور جا چکی تھی۔ نواز فاروق کی آواز اور قدموں کی دھمک اسے اپنے پیچھے سنائی دی تھی۔

''گاڑی چلاؤ جلدی کرو۔'' امجد اسے بھاگ کر آتے اور اس کے پیچھے بھاگتے مرد کو دیکھ تو پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا فوراً گاڑی تیزی سے وہاں سے نکالی تھی جب کہ زرش حیرانگی سے نویرہ کی حواس باختگی دیکھ رہی تھی۔ جب تک وہ لوگ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ان کا پیچھا کرتے ان کی گاڑی روڈ کراس کر گئی تھی۔

''یہ آج پھر اسی لڑکی کے ساتھ تھی..... آئی ڈیم اٹ؟'' شارق زمان کا برا حال تھا۔ اس نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارے تھے۔

''گاڑی میں نویرہ کے علاوہ اور بھی افراد تھے نا.....'' فاروق نواز اس کا چہرہ تو ٹھیک سے نہیں دیکھ پایا تھا مگر اندازہ لگایا تھا۔

''ہاں شاید تین یا چار تھے۔'' شارق زمان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر گزرے۔ دو دن پہلے نبیلہ بھابی نے فون کر کے بتایا تھا کہ نویرہ کی کال آئی ہے۔ وہ اسی شہر اور اس علاقے میں تھی مگر کہاں؟''

''ایسے کون لوگ ہیں جن کو نویرہ جانتی ہے اور ہم لاعلم ہیں۔ ہر جگہ تو دیکھ چکے ہیں۔ وہ تنہا نہیں ہے پوری فیملی کے ساتھ ہے۔'' یہ نواز کا اندازہ تھا۔

وہ آج خالدہ بیگم کی عیادت کو ادھر آیا تھا۔ نویرہ کی مسلسل غیر حاضری نے ان کی طبیعت پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔ نبیل انہیں کل ہی ادھر لے کر آیا تھا۔ وہ اوپر والے پورشن میں ایڈمٹ تھیں۔

''وہ ادھر کیا کرنے آئی تھی؟'' شارق زمان کی بے بسی اب ٹینشن میں بدلنے لگی تھی۔

''کہیں اسے خالدہ چچی کی بیماری کا علم تو نہیں ہو گیا.....'' نواز کا انداز پر سوچ تھا۔

"ہوسکتا ہے مگر اس کے ہاتھ سے کوئی چیز سیڑھیوں پر گری تھی نا....."

"ہاں۔ گاڑی واپس کرو اب سڑکوں پر وہ ملنے سے تو رہی۔ دیکھتے ہیں کیا گرا ہے اگر اب وہیں پڑا رہا تو....." شارق نے گاڑی واپس موڑ لی تھی۔ سیڑھیوں پر آ کر دیکھا تو دوا والا شاپر تھا۔

"یہ تو دوائیاں ہیں۔ کہیں مصعب بھی تو ساتھ نہیں تھا اس کے....." نواز کے اندازے پر شارق نے بڑی بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔

"ہوسکتا ہے۔ یہ کسی اور کا بھی گرا ہو؟"

"نہیں یہ نویرہ کے ہاتھ سے ہی گرا تھا۔"

"اب دواؤں پر تحقیق کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ چلو چچی جان کا پتا کر لیں۔" نواز کے کہنے پر اس نے شاپر ایک طرف اچھال دیا تھا۔

اگر وہ اس اسپتال میں کھڑی تھی تو یقیناً کسی کے ساتھ آئی ہوگی یا خود کسی سلسلے میں بیمار کون ہوسکتا ہے..... تھوڑی دیر چچی کے پاس بیٹھ کر وہ ریسپشن پر آ گیا تھا۔ آج اور کل کی ڈیٹ کی معلومات لیتے ہوئے بھی اسے کوئی خاطر خواہ نتیجہ حاصل نہ ہوا تھا۔ نویرہ کے نام سے یا مصعب کے نام سے کوئی بھی ایڈمٹ نہ تھا۔ البتہ مسز زرش سمعان احمد کا نام کل کی ڈیٹ میں ایڈمٹ ہونے والوں کی لسٹ میں ضرور تھا اور صبح سے اب تک صرف ایک ہی مریض ڈسچارج ہوا تھا اور وہ یہی نام تھا۔

ایڈریس وغیرہ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی رابطہ نمبر دیا گیا تھا۔ ہلکی پھلکی بیماری تھی شاید جو ایک دن میں ہی فارغ ہو گئے تھے وہ لوگ۔ مزید معلومات اسے نہ مل سکی تھی سوائے اس کے کہ اسپتال کی فیس ایڈوانس میں ادا کی گئی تھی۔ یہ دوسرا موقع تھا جب نویرہ اس کی دسترس میں آ کر نکل گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

نویرہ گھر آ کر بہت پریشان تھی۔ حیران تو ملازمہ بھی ہوئی تھی مگر اسے صورت حال کا اندازہ نہیں تھا جب کہ زرش چند پل میں ہی سمجھ گئی تھی کہ یہ لوگ کون ہوسکتے ہیں..... امجد نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ وہ ملازم تھا جب مالک کو ہی پروا نہ تھی تو وہ کیوں پھنستا..... دوا وہیں گر گئی تھیں امجد نے نئی لا کر دی تھیں۔

زرش اسے مسلسل تسلیاں دیتی رہی تھی مگر نجانے کیوں نویرہ کو لگ رہا تھا کہ اس شہر میں اور اسی علاقے میں رہتے ہوئے وہ ان لوگوں کی پہنچ میں کبھی بھی جا سکتی ہے۔ آج کے واقعے نے اسے سخت پریشان کر دیا تھا۔ اس کا ذہن صرف ایک ہی حل ڈھونڈ رہا تھا کہ وہ اس شہر سے کہیں دور چلی جائے مگر کہاں.....؟

زرش اتنی اچھی تھی مگر ساری دنیا اچھی نہیں ہوتی۔ مسئلے تو اسی طرح درپیش رہتے تھے کبھی کیا..... کبھی کیا.....؟ وہ چھپ کر کہیں بیٹھ نہیں سکتی تھی اور گھر سے باہر نکلنا بھی محال تھا۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟" وہ اپنی سوچوں میں گم مصعب کو گود میں لیے گم صم سی تھی کہ زرش رات کے اس پہر چائے کا مگ لیے چلی آئی تھی۔ وہ نویرہ کے ساتھ ہی اس کے روم میں سوتی تھی۔ اپنے گھر کی اور بات تھی مگر اس شہر میں اتنے بڑے گھر میں ملازموں کے آسرے اکیلے کمرے میں سونا بڑا خوف آتا تھا۔ چائے کا مگ اسے تھما کر خود بھی وہ ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ کیوں نہ میں یہاں سے چلی جاؤں کسی اور شہر میں.....؟"

"کیا.....؟" زرش کی آواز چیخ سے مشابہ تھی۔ نویرہ خائف سی ہو گئی۔

"آپ مجھے چھوڑ کر کہیں اور جانے کا کہہ رہی ہیں کیوں.....؟" وہ ایک دم ناراضگی سے پوچھ رہی تھی۔ نویرہ مسکرا دی۔

"دیکھو اس کے بناء کوئی اور چارہ بھی نہیں۔ میں ایک بچے کی ماں ہوں۔ سو مسائل ہیں میرے ساتھ۔ میں گھر کی چار دیواری میں مقید ہو کر نہیں بیٹھ سکتی۔ باہر اکثر نکلنا پڑے گا۔ اپنے لیے نہ سہی اپنے بچے کے لیے ہی سہی۔ ایک ہی علاقے اور ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے ان لوگوں سے نجانے کتنی بار سامنا ہو اور ہر بار خوش قسمتی سے میں بچ نہیں پاؤں گی۔ اس سے پہلے کہ اب زندگی میں ایسا کوئی اور لمحہ آئے میں یہ شہر ہی چھوڑ دوں گی۔"

"تو کدھر جائیں گی نویرہ آپی.....؟ یہ دنیا بڑی سفاک ہے۔ ایک تنہا عورت اس معاشرے میں نہیں رہ سکتی۔ مجھے ہی لے لیں۔ میرے ساتھ سمعان کی مسلسل سپورٹ ہے۔ یہ گھر، ملازم ہر چیز ہے مگر پھر بھی میں ادھر تنہا ہوں۔ یہاں آ کر پڑھنا میری ضد تھی۔ آپ کے ساتھ تو کوئی بھی نہیں ہوگا۔ کیسے رہ پائیں گی؟" وہ نویرہ کے اس خیال پر پریشان ہوئی تھی۔

"کہیں بھی..... کسی ہاسٹل یا کسی وومن رہائشی ادارے میں مجھے بھی جگہ مل ہی جائے گی۔" زرش بس خاموشی سے انہیں دیکھے گئی۔

"آپ کو ایک بات کہوں؟" کچھ دیر سوچنے کے بعد اچانک زرش نے کہا تو آرام سے بستر پر مصعب کو لٹا کر خود بھی ساتھ لیٹتے اس نے زرش کو دیکھا۔

"اس ویک اینڈ پر سمعان نہیں آئے ہوسکتا ہے اگلے ہفتے وہ آئیں تو ظاہر ہے میں گھر جاؤں گی۔ میرے ساتھ آپ بھی کراچی چلیے گا۔ میری ماما بہت اچھی ہیں۔ یقین کریں ہمارے گھر میں آپ کو بالکل ایک بیٹی والا ماحول ملے گا۔ میرے پاپا بھی بہت اچھے ہیں۔ میری شادی کے بعد ماما پاپا تنہا سے ہو گئے ہیں۔ اگر آپ ان کے ساتھ رہیں گی تو ان لوگوں کو بھی کمپنی مل جائے گی..... کیا خیال ہے میری آفر کے بارے میں.....؟" آخر میں اس نے مسکرا کر حیران سی نویرہ کا چہرہ دیکھا۔

"تمہارے ماما پاپا کوئی اعتراض تو نہیں کریں گے.....؟ مجھے قبول کر لیں گے؟" وہ اٹھ بیٹھی تھیں۔ زرش ہنس دی۔

"میں چھوٹے موٹے لوگوں کو نہ منہ لگاتی ہوں نہ ان پر اعتماد کرتی ہوں جو میرے دل کو چھو جائیں وہی لوگ میری زندگی میں شامل ہوتے ہیں اور ماما پاپا میری اس عادت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ انہیں یہی بتائیں گے جو سمعان کو کہہ چکی ہوں۔ بس ماما کو کہہ دوں گی کہ آپ لوگ تنہا تھے۔ اس لیے آپ کے پاس آپ کو چھوڑ کر جا رہی ہوں۔" اس نے بیٹھے بیٹھے پلان بنایا۔

"اور سمعان.....؟ انہوں نے اعتراض کیا تو.....؟"

"ان کو میں ہینڈل کر لوں گی۔" اس نے پل میں سارا معاملہ سیٹ کر کے کہا تھا۔

"آپ بے فکر ہو کر وہاں جانے کی تیاری کریں۔"

"تھینک یو سو مچ زرش....."

"موسٹ ویلکم....." اس نے شوخی سے کالرز کھڑے کیے تھے اور نویرہ ہنستی چلی گئی تھی۔

وہ کچن کا کام مکمل کر کے سب دروازے چیک کرتے جیسے ہی رضا کے کمرے کے پاس پہنچی تھی۔ اندر سے دھیمے سروں میں آتی اس آواز نے اسے ٹھٹک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ رضا کے گزشتہ رویوں کے باعث اس نے اس کے سامنے آنا چھوڑ دیا تھا جب سے نویرہ گھر چھوڑ کر گئی تھی۔ رضا یکسر بدلا ہوا تھا۔ ہر وقت گم صم، چپ چاپ..... ضرورت پر بھی وہ ہنسا بولا کرتا تھا۔ اسے علم ہوا تھا کہ وہ نواز کے ہمراہ شارق کے گھر گیا تھا۔ شارق نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ اس نے شارق سے معافی مانگی تھی اور اس دن کے بعد سے وہ تو صرف کمرے میں بند ہو گیا تھا۔

کالج سے گھر اور گھر سے کالج وہ سنورا تھا یا بگڑا تھا رمشاء اندازہ نہ کر پائی تھی۔ اس نے ذرا سا دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کچھ کھل گیا تھا۔ رضا نے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا وہ ذرا سا جھانک رہی تھی۔ رضا کو متوجہ دیکھ کر فوراً پیچھے ہٹی تھی۔

"سنو۔" اس سے پہلے کہ وہ دروازہ بند کر کے بھاگ جاتی اس پکار نے اس کے پاؤں میں زنجیر ڈالی تھی۔ وہ حیرت سے پلٹی تھی۔

"ایک کپ چائے بنا دو گی؟" انداز پوچھنے والا تھا۔ رمشاء نے حیرت سے اسے دیکھا۔ بہت بڑی تبدیلی تھی اس میں۔ یعنی حکم دینے کے بجائے پوچھ رہا تھا۔ اس نے سر ہلا دیا۔ وہ جس دن سے حمید صاحب نے اسے ڈانٹا تھا۔ سب میں اٹھنا بیٹھنا چھوڑ گیا تھا۔ کھانا پینا سب کمرے میں ہوتا تھا۔ رمشاء تو اس کے منگنی کے بعد سے رہنے والے رویے کی وجہ سے اس کے سامنے آنا چھوڑ چکی تھی۔ آج بھی نجانے کیسے سب لاکرز چیک کرتے کمرے میں جھانکنے کی غلطی کر لی تھی۔ یہ تبدیلی کس نوعیت کی تھی وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ ایک کپ چائے بنا کر اس کے کمرے میں آئی تو وہ سی ڈی پلیئر آف کر کے آنکھیں موندھے کرسی کی پشت سے سر ٹکائے کنپٹیوں کو دونوں ہاتھوں سے مسل رہا تھا۔

"چائے۔" آنکھیں کھول کر اس کے ہاتھ سے کپ لیتے ایک نظر اسے بھی دیکھا۔ ہلکے ٹی پنک سوٹ میں وہ اپنے خوب صورت سراپا سمیت نگاہوں کے سامنے تھی۔

"بیٹھو۔" وہ چائے کا مگ دے کر جا رہی تھی۔ اتنی نرمی سے ہونے والی آفر پر وہ حیرت سے ساکت ہوئی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" اسے حیرانگی سے کھڑے دیکھ کر اس نے سامنے چیئر کی طرف اشارہ کیا تھا۔ رمشاء کو تعجب ہوا۔ رات کے اس پہر وہ اسے اپنے کمرے میں بیٹھنے کی آفر کر رہا تھا۔

"تمہیں میں کیسا لگتا ہوں؟" چائے پیتے ہوئے سوال کیا تھا۔ اس نے رمشاء کو اور زیادہ تعجب کا شکار کیا تھا۔

"ویسے ہی جیسے تم ہو....." وہ اپنے یوں روکے جانے اور سوال کیے جانے پر کچھ الجھی بیٹھی تھی۔ جواب بھی ویسا ہی دیا۔

"اور نویرہ کیسی لگتی ہے؟"

"ویسی ہی جیسی وہ ہیں..... ان سوالوں سے مطلب؟" اس نے اپنا وہی انداز اپنایا تھا۔ رضا کے چہرے پر مبہم سی مسکراہٹ رینگ کر غائب ہو گئی تھی۔

"محبت کرتی ہو مجھ سے؟" رمشاء ان سوالوں پر خاصی الجھ گئی۔

"نہیں۔" وہی صاف اکھڑا اکھڑا لہجہ تھا۔ رضا کھل کر مسکرایا تھا۔

"یہی پوچھنا تھا؟" اس نے اپنے سابقہ کڑوے پن سے پوچھا وہ خاموش رہا۔ "چلتی ہوں میں۔" وہ اٹھنے لگی تھی۔

"بیٹھو ابھی۔ تم سے میں نے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" وہ حقیقتاً الجھ گئی تھی۔

"فارغ نہیں ہوں میں۔ نیند آ رہی ہے وہ تو میں ادھر یوں ہی ڈور چیک کرنے آ گئی تھی۔" اکھڑے لہجے میں اس نے اپنی آمد کی بھی وضاحت کر دی تھی۔

"محبت نہیں تو نفرت کرتی ہو مجھ سے؟" وہ اپنے اسی انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"ان سوالوں کا مطلب؟"

"جنرل نالج کے لیے پوچھ رہا ہوں۔ اگر کبھی CSS کا امتحان دینے جاؤں تو آسانی رہے گی۔" دل جلا دینے کی رضا نے کسر نہ چھوڑی تھی۔

"تو پھر پہلے محبت میں پی۔ ایچ۔ ڈی کر لو۔ جواب خود بخود مل جائیں گے۔" بڑے کڑوے لہجے میں کہا تھا وہ پھر ہنس دیا۔

"وہ تو میں نویرہ سے عشق کر کے کر چکا ہوں۔ میں محبت کی بات کر رہا ہوں۔ وہ بھی تمہاری..... اپنی نہیں۔" رمشاء کا جی چاہا کہ کوئی چیز اٹھا کر اپنے سر پر مار لے کہ اتنے دنوں بعد اس کا سامنا کرنے کی غلطی ہی کیوں کر لی تھی۔

"نویرہ کو اس مقام پر پہنچا کر بھی سکون نہیں ہے تمہیں۔ تم جیسا بے ضمیر شخص نہیں دیکھا میں نے..... جن سے محبت کی جاتی ہے ان کو یوں برباد اور خوار نہیں کیا جاتا۔ عجیب انسان ہو تم۔" وہ سامنے رکھی کرسی پر تنفر سے بیٹھی کہہ رہی تھی۔ رضا نے کپ خالی کر کے اس کی طرف بڑھایا۔ رمشاء نے کپ تھامنے کو ہاتھ بڑھایا تھا مگر رضا نے کپ تھمانے کے بجائے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ رمشاء کو لگا اسے کرنٹ نے چھو لیا ہو گویا۔

"بہت خوب صورت ہیں ہاتھ تمہارے۔" دوسرے ہاتھ سے کپ زمین پر رکھتے وہ تعریف کر رہا تھا۔ رمشاء نے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا مگر رضا نے گرفت سخت کر لی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" اسے افسوس ہوا وہ رات کے اس پہر اس کے کمرے میں کیوں آئی تھی۔ اگر آ ہی گئی تھی تو کیوں رک گئی تھی..... نجانے کیا ارادے تھے اس شخص کے.....؟

"تمہارے ہاتھوں کی تعریف کی ہے۔ اس میں بدتمیزی والی کیا بات ہے بھلا....." کتنا معصوم انداز تھا۔ وہ جل کے رہ گئی تھی۔ نجانے آج اس کو ہو کیا گیا تھا۔

"سر میں بہت درد ہو رہا ہے دبا دو گی؟" ہنوز اس کا ہاتھ پکڑے وہ کہہ رہا تھا۔ اس کا انداز بڑا عجیب سا تھا۔ اتنی دیر اس کے پاس رہنے کا اسے اس وقت پہلی بار احساس ہوا۔

"ہرگز نہیں۔" اس نے سختی سے کہتے ہاتھ چھڑانا چاہا تھا مگر گرفت بہت مضبوط تھی۔

"رضا کیا مسئلہ ہے؟ چھوڑو میرا ہاتھ....."

"اگر نہ چھوڑوں تو.....؟" اس کا انداز ہنوز تھا۔

"تو میں شور مچا دوں گی۔ پھپھو اور انکل کو اس کمرے میں پہنچنے میں ایک پل بھی نہیں لگے گا۔" وہ غصے سے چیخی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"چلو پھر شور مچاؤ....." گرفت اور مضبوط کرتے اس نے بڑے ریلیکس موڈ میں کہا تو وہ روہانسی ہو گئی۔

"رضا!" بڑی بے بسی سے اسے پکارا تھا۔

"سر دباؤ گی یا نہیں.....؟"

"میں اب بھی وہی رمشاء ہوں جس سے تم بلا کی نفرت کرتے تھے۔ بدل نہیں گئی میں۔" غصے سے اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کرتے وہ پھنکاری تھی۔

"تم نویرہ بن جاؤ۔ رمشاء کو گولی مارو۔" بڑی نرمی سے اس کے ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کو رکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"رضا!"

"سر دباؤ گی یا نہیں؟" عجیب ضدی انداز تھا۔

"نہیں۔" وہ اس سے بھی زیادہ ضدی تھی۔

"تو پھر ٹھیک ہے ساری رات ادھر ہی رہو....." کیا دھمکی تھی وہ ششدر سی رہ گئی۔ رمشاء نے بھنا کر اسے دیکھا تھا اور پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اس کے ہاتھ پر اپنے دانت گاڑ دیے تھے۔ رضا نے ایک دم گرفت چھوڑی تو وہ سرعت سے اٹھ کر دروازے تک گئی تھی۔

"پوری جنگلی ہو تم....." اپنے ہاتھ پر ابھرنے والی خون کی بوندیں دیکھتے ہوئے بڑے غصے سے اسے دیکھا تھا۔ وہ مطمئن تھی۔

"اگر آئندہ ایسی بدتمیزی کی تو تمہاری جان بھی لے سکتی ہوں۔ رمشاء جاوید کو اتنا کمزور نہ سمجھو۔ میں تمہاری کوئی زرخرید نہیں ہوں جو تمہارے موڈ کی تابع بن جاؤں۔ میرے ساتھ آئندہ ایسی گھٹیا اور اوٹ پٹانگ حرکت کرنے کی کوشش کی تو انجام کے ذمے دار تم خود ہو گے۔" وہ تنفر سے گویا تھی۔ رضا نے بڑے ریلیکس انداز میں اسے دیکھا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تم شاید بدل گئی ہو۔ سوچا تجربہ کر کے دیکھ لیتے ہیں مگر کہتے ہیں نا کہ کتے کی

دم سو سال بھی نلی میں رہے یا باہر نکالیں تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہتی ہے۔" ایسا تضحیک آمیز انداز تھا کہ وہ سر سے پاؤں تک سلگ اٹھی تھی۔

"شٹ اپ۔" وہ ایک دم آؤٹ ہوئی تھی۔

"اتنی پرفیکٹ مثال تم جیسوں کے ہی منہ سے سجتی ہے وہ بھی اپنے لیے۔ بہت زبردست خودشناسی ہے تمہاری جو نویرہ جیسی اعلیٰ سوچ کی مالک لڑکی کو برباد کر گئی۔ وہ کسی کتے کی دم سے کم تو نہیں۔" اب سلگنے کی باری رضا کی تھی۔

"شٹ اپ۔"

"اتنی تکلیف کیوں؟ حقیقت کا سامنا کرو رضا حمید کب تک فرار چاہو گے۔ تم نے میری باتوں یا میری نفرت میں نویرہ کو برباد نہیں کیا تھا بلکہ یہ تمہارے اندر کا وہ گھٹیا شخص تھا جس نے موقع تلاش کیا تھا اور اس سے فائدہ بھی اٹھایا مگر افسوس نویرہ نے تمہارے منہ پر تھوک دیا۔ اس کی زندگی برباد کر کے بھی تمہیں کیا حاصل ہوا..... اتنے گھٹیا اور گھناؤنے کردار کے مالک ہو تم کہ تم سے محبت تو ایک طرف میں نفرت کرنے کے قابل بھی نہیں سمجھتی تمہیں۔" وہ ششدر سا کھڑا رہ گیا تھا۔ کتنے سخت الفاظ تھے۔ کتنے صاف اور واضح الفاظ میں وہ اس کی ذات کو رگید گئی تھی۔

"میں تو صرف دھمکیاں دیتی تھی۔ تم نے میاں بیوی کے درمیان شک کا بیج بویا۔ نویرہ کو اس مقام پر آنے پر تم نے مجبور کیا ہے۔ ایک بات میری یاد رکھنا نویرہ اگر واپس آ گئی تو بھی وہ شارق سے علیحدہ کبھی نہیں ہو گی۔ اگر اس نے علیحدہ ہی ہونا ہوتا تو وہ یہ فرار کیوں اختیار کرتی..... تم جس آس پر یہ سارا گیم کھیل رہے ہو تمہارا کیا خیال ہے تمہیں کوئی سمجھتا نہیں۔ رضا حمید تم اپنے آپ کو بھی اتنا نہیں سمجھ سکے ہو گے جتنا میں تمہیں سمجھ چکی ہوں اور تمہارے ماں باپ سمجھ سکے ہیں۔ نواز بھائی کے کہنے پر محض دنیا داری کے لیے شارق بھائی سے معافی مانگ لینا۔ ان کی جگہ میں ہوتی تو تمہیں شوٹ کرنے میں ایک پل نہ لگاتی جو لوگ محبت کرتے ہیں وہ محبت کو یوں رسوا نہیں کرتے۔ یوں چھینتے نہیں ہیں۔ خدا جانے تمہاری یہ محبت کی کون سی قسم ہے؟ کیسا جنون اور عشق ہے....." وہ دروازے میں کھڑی بڑی بے لحاظی سے اسے آئینہ دکھا رہی تھی اور وہ لب بھینچے اسے سننے پر مجبور تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ ایک دم پھنکارا تھا۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں تمہاری شکل دیکھنے کا۔ لعنت بھیجتی ہوں میں تم جیسے انسان پر۔" وہ اس سے بھی زیادہ آتش فشاں تھی۔

"رمشاء" وہ غصے سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ ایک دم دروازہ کھول کر باہر بھاگ گئی اور رضا نے بڑے غصے سے دروازہ بند کیا تھا۔ دوبارہ کرسی پر گرتے اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ رمشاء اسے کتنا کچھ سنا گئی تھی اور اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کے الفاظ کی نفی ہی کر دیتا۔ وہ کچھ ایسے ہی اپنی نظروں سے بھی گر گیا تھا مگر وہ کس سے کہتا.....

دوئم

اگلے تین چار دن بڑی تیزی سے گزرے تھے۔ اس کی سمعان سے بات نہیں ہوئی تو پھر وہ انہی احساسات کا شکار ہوتی چلی گئی۔ ان ہی چند دنوں میں اس نے جب بھی رابطہ کیا تھا خود ہی کیا تھا۔ سمعان نے کال نہیں کی تھی اور اس کے کال کرنے پر بھی بڑا سرسری سا انداز ہوتا تھا۔ محض جیسے اخلاقیات نبھا رہا ہو۔ سمعان بدل رہا تھا۔ اس کے اندر یہ احساس شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ سمعان نے اسے ہر سہولت مہیا کر دی تھی مگر اپنی محبت اور توجہ کے بادل سمیٹ لیے تھے اور یہ شکایت سمعان سے کرنا چاہتی تھی مگر ہمت کہاں تھی..... رات اس کی سمعان سے بات ہوئی تھی۔ اس نے جب کراچی چکر لگانے کا پروگرام بنایا تو سمعان نے صاف کہہ دیا کہ اس کے پاس لاہور چکر لگانے کا ٹائم نہیں وہ امجد کو کہہ دے گا وہ ٹکٹیں دے گا۔ وہ خود ہی آ جائے یا پھر وہ علی کو بھیج دے گا اس کے ساتھ آ جائے۔ سمعان کے اس رویے نے اسے مزید ہرٹ کیا تھا۔

اس نے امجد کو کہہ دیا تھا کہ ٹکٹس لا دے۔ وہ نویرہ کو بھی تیار رہنے کا کہہ کر خود یونیورسٹی آ گئی تھی مگر سارا وقت ذہن الجھا رہا تھا۔ سمعان احمد ایسا کیوں کر رہا تھا۔ کوئی بات سمجھ نہ آ رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ غائب دماغی سے سر نواز فاروق کی کلاس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آج دل اتنا خراب ہو رہا تھا کہ کسی چیز میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا حتیٰ کہ لیکچرز میں بھی نہیں۔ سر نواز فاروق نے کئی بار ٹھہر کر اسے دیکھا تھا مگر وہ ہر بار فائل پر پینسل سے الٹی سیدھی لائنیں کھینچتی دکھائی دی تھی۔ انہوں نے ایک دفعہ تو کہنا چاہا مگر پھر بعد میں بات کرنے پر ٹال گئے۔ سر نواز فاروق بلیک بورڈ پر کچھ لکھ رہے تھے جب کمرے میں موبائل کی بیپ سنائی دینے لگی تھی۔ انہوں نے نہایت ناگواری سے کلاس کی جانب دیکھا تھا۔ لیکچر کے دوران انہیں نے موبائل کی ٹون بہت بری لگتی تھی۔ وہ خود بھی اپنا موبائل آف رکھتے تھے اور اسٹوڈنٹس کو بھی تاکید کر دی تھی مگر آج موبائل کی ٹون سن کر حاضرین پر نظر ڈالی۔

زرش بڑی شرمندہ ہوئی تھی۔ اپنی الجھن میں وہ موبائل آف کرنا بھول گئی تھی۔ بیگ سے موبائل نکال کر اس نے آف کرنا چاہا تھا مگر تایا کے گھر سے کال آتے دیکھ کر وہ چونک گئی تھی۔ یہ لوگ کبھی بلاوجہ کال نہ کرتے تھے۔

''مس زرش! آپ باہر چلی جائیں۔'' اس معاملے میں نواز فاروق بہت اصول پرست تھا۔ زرش کو بڑی سبکی کا احساس ہوا تیزی سے کال اٹینڈ کر کے فون کان سے لگا لیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے فائل اور دیگر چیزیں سمیٹتے وہ اٹھنے کو تھی۔

زرش! میں فرح بول رہی ہوں۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

''ہاں بولو۔'' فائل اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔ سارے پیپرز بکھر گئے تھے۔ ساری کلاس متوجہ تھی۔ سر نواز اس کے باہر چلے جانے کے منتظر تھے۔ وہ کوفت کا شکار ہوئی۔ جھک کر وہ کاغذ سمیٹ رہی تھی۔

''زرش سمعان بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ وہ ایمرجنسی میں ہیں۔ بہت خراب کنڈیشن ہے ان کی، کوئی بھی مجھے ان کے پاس لے کر نہیں جا رہا۔'' فرح روتے ہوئے بتا رہی تھی۔

''کیا.....؟'' زرش وہیں ساکت سی ہو گئی تھی۔ ہاتھ میں پیپرز سمیٹے وہ کھڑی ہوئی تھی جب ایک دم

دوئم

لڑکھڑا گئی تھی۔ ہاتھ سے پیپرز پھر گر گئے تھے۔ اس کی آواز ایک دم اتنی اونچی ہو گئی تھی کہ ساری کلاس نے سنا تھا۔

''کیا کہہ رہی ہو تم..... کیا ہوا سمعان کو.....؟'' وہ اب اردگرد کا خیال کیے بغیر ایک دم چیخی تھی۔ سمعان کے نام پر سر نواز فوراً قریب آئے تھے۔

''زرش دعا کرو۔ انہیں کچھ نہ ہو..... وہ ایمرجنسی میں ہیں۔ مجھے اور امی کو کوئی کچھ نہیں بتا رہا۔ تم دعا کرو۔'' زرش کو لگا زمین و آسمان گھوم گئے ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر گرتی ساتھ بیٹھی لڑکیوں نے فوراً اسے تھام کر واپس اس کی کرسی پر بٹھا دیا تھا۔ موبائل نیچے گرنے کو تھا۔ نواز فاروق نے فوراً اس کے ہاتھ سے پکڑا تھا۔

''میں نے علی کو بھیجا ہے۔ وہ لاہور بس پہنچنے والا ہوگا۔ تم آ جاؤ۔ صبح ایکسیڈنٹ ہوا تھا مگر کوئی واضح صورت حال نہیں بتا رہا۔'' نواز نے موبائل آف کرتے ایک لڑکے کو روم کا دروازہ بند کرنے اور کسی دوسرے کو پانی لانے کا کہا تھا۔

''سر یہ تو بے ہوش ہو چکی ہے۔'' انیقہ نے بڑی تشویش سے دیکھا۔ ساری کلاس اردگرد جمع ہو گئی تھی۔

''آپ لوگ باہر چلے جائیں۔ یہ رش ختم کریں پلیز.....'' نواز فاروق کے کہنے پر وہ سب ایک ایک کرتے نکلتے گئے تھے۔ صرف ایک دو لڑکیاں رہ گئی تھیں۔ پانی کے چھینٹے اس کے منہ پر مار کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی تھی۔ دو تین منٹ بعد اسے ہوش آ گیا تھا۔ پہلے تو وہ خالی الذہن اطراف میں دیکھتی رہی اور پھر ذہن نے کام کرنا شروع کیا تو پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

''زرش..... بی بریو..... مجھے بتائیں کیا ہوا ہے؟ کس قسم کی کال تھی یہ..... کس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟'' سر نواز پوچھ رہے تھے۔

''سمعان.....!'' نام ٹوٹ کر اس کے ہونٹوں سے نکلا اور نواز فاروق گم صم سے رہ گئے۔ یہ بات کسی عظیم سانحے سے کم نہ تھی۔

''بہت خراب طبیعت ہے ان کی سر، فرح کہہ رہی تھی کہ ایمرجنسی میں ہیں، اگر انہیں کچھ ہو گیا سر تو.....؟'' اتنے اجنبیوں میں صرف ایک ہی تو شناسا تھا اور نواز فاروق اسے دلاسے میں کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ نواز فاروق اسے گھر چھوڑنے آئے تو باہر سے ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ نویرہ اسے یوں آتے دیکھ کر چونکی تھی پھر ساری صورت حال جان کر بڑی غم زدہ ہوئی۔

''تم دعا کرو، ان شاء اللہ سب بہتر ہوگا۔'' اس نے دلاسہ دیا۔ ٹکٹس پہلے ہی کنفرم تھی کچھ دیر میں علی آ گیا تو اس کے کندھے سے لگ کر خوب روئی۔

''میں اسپتال سے ہی آ رہا ہوں۔ صبح وہ آفس کے لیے نکلے تھے جب یہ ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ ڈاکٹر ٹریٹمنٹ کر رہے ہیں، چچا جان نے تمہیں لانے کو کہا۔ وہ مسلسل بے ہوش ہیں۔''

''تم مجھے بہلا تو نہیں رہے؟'' پہلے فرح کی کال اور اب ماما پاپا کا اسے یوں بلوا لینا اسے یقین نہیں

آ رہا تھا۔

"کوئی اور بات تو نہیں؟"

"وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ ہاں چند چوٹیں شدید ہیں مگر تم خود چچا جان سے بات کر لو۔ یہ لو میں کال ملا دیتا ہوں۔"

اس کی مسلسل گریہ زاری پر اس نے کال ملائی۔ ماما پاپا اور تایا ابو سے بات کر کے اسے کچھ تسلی ہوئی۔

ایکسیڈنٹ سامنے والی گاڑی کی غلطی سے ہوا تھا۔ سمعان کو سینے اور سر پر چوٹیں لگی تھیں۔ سر کی چوٹ کی وجہ سے وہ مسلسل بے ہوش تھا تاہم ڈاکٹرز ہوش میں آ جانے کی تسلی دے رہے تھے۔

اس پریشانی کے عالم میں نویرہ حقیقتاً اس کی ہمدرد و غم خوار ثابت ہوئی تھی۔ ماما پاپا کی بھرپور تسلی کے باوجود دل کی بے چینی اسی طرح برقرار تھی۔ علی اس کے ساتھ نویرہ کو بھی جاتے دیکھ کر چونکا تو تھا مگر اس نے زیادہ سوال و جواب کرنے سے احتراز برتا تھا۔

اگلے دو گھنٹوں میں وہ کراچی اسپتال میں تھے۔ نویرہ اس کے ساتھ ہی آئی تھی۔

ماما پاپا کو وہیں کھڑے دیکھ کر وہ پھر جذباتی ہوئی۔

"کیسے ہیں وہ؟ ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟" اس وقت وہاں تقریباً سبھی تھے۔ ماما کے گلے لگتے ہی پہلا سوال یہی کیا۔

"اللہ کا شکر ہے، بہت بہتر حالت ہے۔ نارمل چوٹیں تھیں۔ صرف سر کی چوٹ شدید تھی۔ اسی لیے ہوش نہیں آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی ہوش آیا ہے۔ اس وقت وہ آبزرویشن میں ہے کسی سے بھی ملنے کی ابھی اجازت نہیں۔ بس گلاس ڈور سے دیکھ لو۔" ماما نے اسے تسلی دی۔

گلاس ڈور کے قریب طاہرہ بیگم کھڑی تھیں۔

زرش ان کو دیکھ کر رُک گئی۔

یہ وہ عورت تھی جس نے اپنی اولاد کو بھی اپنی نفرت کے دائرے میں شامل کر لیا تھا اور آج ان کے بہتے آنسو زرش کے اندر کسی بھی قسم کے احساس کو نہ جگا سکے۔ بلکہ ان کو دیکھ کر گزرے لمحوں کی اذیت و تکلیف دو چند ہو گئی تھی۔

وہ گلاس ڈور سے دیکھ کر واپس آ گئی۔

نویرہ مسلسل تسلیاں دے رہی تھیں۔

اس نے علی سے کہہ کر نویرہ کو گھر بھجوا دیا، بچے کے ساتھ وہ یہاں کہاں خوار ہوتی پھرتیں۔

چند گھنٹوں کے بعد سمعان کو ہوش آیا تو وہاں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

ڈاکٹرز نے اچھی طرح چیک اپ کے بعد ملنے کی اجازت دے دی۔ سب ایک ایک کر کے اندر جاتے اور باہر آتے رہے مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔

شام تک انہیں آبزرویشن روم سے کمرے میں منتقل کر دیا گیا تو سب کے لرزتے دلوں کو اک سکون

حاصل گیا تھا کہ اب خطرے والی کوئی بات نہ رہی تھی۔

رات کو صرف ایک دو کو ٹھہرنے کی اجازت ملی تھی۔ باقی لوگ پُرسکون ہو کر گھر جانے کے معاملے پر بحث و تکرار کر رہے تھے کہ یہاں کون رُکے گا، وجہ بحث یہ بات بنی ہوئی تھی۔

"میں اور زرش اِدھر ہی رہیں گے۔ باقی سب گھر چلے جائیں۔" یہ سعید احمد تھے انہوں نے کہا، سب نے واضح طور پر محسوس کیا تھا کہ سمعان کے ہوش میں آنے کے باوجود زرش اس کے سامنے نہیں گئی تھی۔

زرش تب بھی خاموش رہی تھی۔

طاہرہ بیگم نے رُکنے کی ضد کی تو سعید احمد نے گھر چلے جانے کا کہہ کر بات ختم کر دی تھی۔

"تم سمعان سے نہیں ملیں؟" وہ بنچ پر بیٹھی نجانے کن سوچوں میں گم تھی کہ سب کے چلے جانے پر وہاں خاموشی سی چھا گئی تھی۔ راہداری میں بنچ پر بیٹھی تھی سعید احمد کے پوچھنے پر چونکی۔

"وہ دواؤں کے زیر اثر غنودگی میں ہے۔ جاؤ کمرے میں چلی جاؤ۔ یہاں راہداری میں کب تک بیٹھی رہو گی؟ میں ڈاکٹرز سے مل لوں۔ اللہ نے بڑا کرم کیا ہے۔ چند دنوں میں ہی زخم مندمل ہو جائیں گے ان شاء اللہ۔ جاؤ بیٹا! شاباش..... پریشان نہیں ہونا..... اللہ تعالیٰ اچھا کریں گے....."

اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے تسلی دیتے وہ آگے بڑھ گئے تو وہ خاموشی سے اُٹھ کر کمرے میں چلی آئی تھی۔

سمعان دواؤں کی وجہ سے نیند میں تھا۔ وہ آ کر کرسی پر ٹک گئی۔

صبح سے اب تک بھوکی بیٹھی وہ کتنے آنسو بہا چکی تھی۔ سمعان کے ہوش میں آنے کے بعد سب نے مطمئن ہو کر کچھ نہ کچھ کھایا تھا، اسے بھی کہتے رہے تھے مگر حلق سے ایک لقمہ تک نہ اُترا تھا اور اب.....

اس کی آنکھیں پھر بہنے لگیں.....

اگر اس حادثے میں واقعی سمعان کو کچھ ہو جاتا تو؟

اس تصور نے ہی اس کے وجود کو سرد کر دیا تھا۔

سعید احمد باہر ہی رہے تھے اور اس کی ساری رات کرسی پر بیٹھے آنکھوں میں گزر گئی تھی۔ کمرے میں دوسرا بیڈ موجود تھا مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہ تھی۔ فجر کے قریب سعید احمد نماز ادا کر کے کمرے میں آئے تو اسے اس حالت میں بیٹھے دیکھ کر چونکے تھے۔

"زرش بیٹا! بیڈ پر لیٹ کر سو جاؤ....."

"آپ لیٹ جائیں، میں اِدھر ہی ٹھیک ہوں۔" وہ کچھ پل اسے دیکھتے رہے اور پھر گہری سانس لے کر پلٹے۔ وہ خاموشی سے بستر پر جا کر دراز ہو گئے تھے۔ کل سارا دن کی تھکن اور پریشانی پھر رات کا جاگنا وہ لمحوں میں غافل ہو گئے۔

وہ کرسی پر بیٹھی بستر کے کنارے سر ٹکائے آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ جب سمعان احمد نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو نگاہ اس کے چہرے پر ایک پل کو ساکت ہوئی تھی۔

ہوش میں آنے کے بعد سمعان احمد نے بظاہر کسی سے دریافت نہیں کیا تھا (اور نہ ہی کسی نے ذکر کیا تھا) مگر اس کا انتظار دل و نگاہ کو رہا تھا اور پھر غنودگی میں ڈوبے ذہن نے زیادہ کچھ سوچنے بھی نہ دیا تھا اور اب تو وہ سامنے تھی۔ سمعان احمد بغیر جنبش کیے بس اسے دیکھتا رہا۔

بند پلکوں کا سایہ رخساروں کی سرخی پر اک عجب بہار دکھا رہا تھا۔ اس وقت وہ ہمیشہ سے زیادہ دلکش اور حسین لگ رہی تھی۔ سمعان نے ہاتھ کو جنبش دی تو زرش ایک دم آنکھیں کھول کر سیدھی ہوئی۔

''آپ..... اُٹھ گئے؟ کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟'' چہرے اور لہجے میں بے پناہ تفکر سمیٹے وہ پوچھ رہی تھی سمعان نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر لب دانت تلے دبا کر صرف گردن ہلا دی۔

نگاہ زرش سے ہوتی کمرے میں موجود دوسرے بستر پر لیٹے سعید احمد کی طرف گئی.....

''وقت کیا ہوا ہے؟'' سمعان نے کمرے کے ماحول سے وقت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے اس سے پوچھا۔

''صبح کے چھ بج رہے ہیں۔'' اپنی کلائی میں بندھی گھڑی دیکھتے اس نے وقت بتایا۔

''اوہ..... اتنی دیر غافل رہا ہوں میں..... باقی لوگ اِدھر ہی ہیں یا گھر چلے گئے اور تم کب آئیں؟''

''سب گھر چلے گئے تھے رات کو ہی، میں کل دو بجے دوپہر یہاں آئی تھی علی لینے آیا تھا۔''

''ہوں.....''

''اب کیسا محسوس کر رہے ہیں آپ؟'' پتا نہیں کیوں گزشتہ چند دنوں سے سمعان احمد کے رویّے اور انداز میں اس قدر سنجیدگی در آئی تھی کہ وہ اس وقت چاہنے کے باوجود بے تکلف نہ ہو پا رہی تھی۔

''بہتر ہوں.....'' جواب بڑا اختصار لیے ہوئے تھا، زرش نے لب دانتوں میں دبا لیا۔ دل تو پہلے ہی گداز ہو رہا تھا، سمعان کے اس انداز نے اسے مزید رنجیدہ کر دیا تو آنکھوں میں آنسو در آئے۔

''آپ ناراض ہیں مجھ سے؟'' اتنے دنوں سے دل میں مچلتا سوال آخر کار لبوں پر آ ہی گیا تھا۔

پلکیں بند کرتا سمعان چونک کر متوجہ ہوا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اب رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

''کیوں.....؟'' وہی سنجیدہ انداز تھا۔ زرش کو مزید رونا آیا۔

''یہ تو آپ کو پتا ہوگا کہ آپ کیوں ناراض ہیں، مگر آپ کا رویّہ بدل رہا ہے۔ جب سے آپ کراچی آئے ہیں ایک بار بھی خود سے رابطہ نہ کیا۔ جب بھی کال کی میں نے کی۔ اتنا سنجیدہ روکھا پھیکا انداز اور اب.....''

سمعان احمد نے چند پل اسے دیکھا۔ بغیر تردید یا تصدیق کیے پلکیں موندھ لی تھیں۔ سمعان کے اس انداز نے زرش کو نئے سرے سے اذیت سے دوچار کر دیا اور وہ گم صم سی ہو کر رہ گئی تھی۔

سمعان ایسا کیوں کر رہا ہے؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی پھر سمعان کی حالت کا خیال کرتے وہ لب بھینچ کر بیٹھی رہی۔

دن کے معمولات شروع ہوئے تو تایا ابو اُٹھ گئے تھے۔ کچھ دیر بعد طاہرہ بیگم اور علی ناشتا لے کر آئے تو زرش طاہرہ بیگم کو وہاں موجود دیکھ کر کمرے سے نکل آئی۔

تایا ابو، علی، سمعان اور طاہرہ بیگم ایک فیملی کی طرح تھے، بڑے عرصے بعد زرش نے ایسا ماحول دیکھا تو اسے اپنا آپ بڑا غیر ضروری سا محسوس ہوا۔ باہر آ کر اس نے گھر کال کر کے ماما کو ڈرائیور کو بھیجنے کو کہا۔

سمعان احمد کی طبیعت اب بہتر تھی۔ ڈاکٹرز نے رات کو بھی اطمینان دلایا تھا اور اب طاہرہ بیگم کی موجودگی میں رُکنے کا کوئی جواز بھی نہ رہا تھا۔

''زرش! تم یہاں کیوں آ گئیں..... ناشتہ تو کر لیتیں؟'' وہ راہداری میں کھڑی تھی جب علی چلا آیا تو وہ دھیمے سے مسکرا دی۔

''میں گھر جا رہی ہوں، وہیں جا کر ناشتا کر لوں گی، ماما کو فون کیا ہے، ڈرائیور آتا ہی ہوگا۔''

''سمعان بھائی سے کوئی بات ہوئی؟'' علی نے زرش کا چہرہ بغور دیکھا، وہاں بڑی پریشانی درج تھی۔

''ہوں..... صبح بات ہوئی تھی۔ حال چال دریافت کیا تھا۔''

''پریشان مت ہوں، ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ہوں.....'' اس کا وہی انداز تھا۔ علی کو فکر ہوئی مگر پوچھ نہ سکا۔

کچھ دیر میں ڈرائیور آ گیا تو وہ علی کو خدا حافظ کہتے گھر چلی گئی۔

اگلے دنوں میں شارق زمان کے لیے یہ خبر کسی گہرے صدمے سے کم نہ تھی، بدر آراء بیگم کا انتقال ہوگیا تھا۔

یہ خبر اس کے ایک رپورٹر نے اسے فون پر دی تھی۔

شہوانہ اور احسان منصور کی شادی کے بعد ان تینوں پر ہونے والی فائرنگ کا نتیجہ تھا کہ شہوانہ اور بدر آراء بیگم شدید زخمی ہوئی تھیں۔ بلکہ احسان منصور صرف زخمی ہی ہوا تھا۔

شہوانہ تو چند دنوں میں چلنے پھرنے لگ گئی تھی جب کہ بدر آراء بیگم دوبارہ اپنی ٹانگوں پر چلی نہ سکی تھیں۔ پیسہ تو تھا، ساری عمر پیسہ ہی تو اکٹھا کیا تھا اس عورت نے، یہاں سے نا امید ہونے کے بعد شہوانہ ماں کو علاج کے لیے لندن لے گئی تھی۔

شارق زمان کو ان لوگوں کی برابر خبر مل رہی تھی۔ مگر وہ اپنے مسائل میں اس قدر اُلجھ چکا تھا کہ دوسری طرف دھیان دینے کی کبھی کوشش بھی نہ کی تھی۔

پھر دھیان دینے کا فائدہ بھی کیا تھا۔

وہ اچھی طرح جانتا اور سمجھتا تھا کہ اس کی ذات میں رہ جانے والا خلاء اسی دھیان کی دین ہے۔ وہ ساری عمر اک نادیدہ آگ میں جھلستا رہا تھا۔ درمیان میں نویرہ کے تصور نے اسے ایک نارمل زندگی کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی تھی اور وہ کامیاب بھی رہا تھا مگر اس کے اندر پلنے والے کمپلیکس نے اسے یہاں بھی شکست سے دوچار کیا تھا اور اب..... وہ نہ مانتا، لاکھ نفرت کرتا۔ مگر یہ سچ تھا بدر آراء بیگم اس کو پیدا کرنے کا سبب ضرور بنی تھیں اور شہوانہ اس کی بہن تھی۔

ماں کے انتقال کے بعد شہوانہ اب لندن میں ہی تھی وہ ابھی تک احسان منصور کے نکاح میں ہی تھی، بے شک لالہ منصور اس نکاح کو نہیں مانتا تھا، لاکھ مخالف تھا۔ احسان منصور اب بھی شہوانہ کا دم بھرتا تھا اور شہوانہ..... ان کی وفات کے بعد اب اس کا کیا ارادہ تھا وہ بے خبر تھا۔ بظاہر اس کے رپورٹر کی دی جانے والی یہ عام سی خبر ہی تو تھی اگلے دن چند ایک اخبارات میں ایک چھوٹی سی سرخی تھی اور پھر خبر دب سی گئی تھی۔ جبکہ شارق زمان کو لگا اس کی ذات اُدھڑ سی گئی ہے۔

عورت ذات سے اس کی نفرت کا بس یہ آخری بہانہ تھا جو آخر کار اپنے انجام کو پہنچا تھا۔

نویرہ نے اسے عورت کے وجود کا جو احساس دلایا تھا، وہ بہت قوی تھا۔ عورت کی وفاداری، خلوص و

حیا داری کا واضح ثبوت اماں کی صورت تو تھا مگر وہ ساری عمر خود ساختہ نفرت کے خول میں مقید الجھتا رہا تھا اور اب..... اس نے اپنی زندگی کو دُہرایا اور پھر ادراک کے کئی لمحے اس پر وا ہوتے چلے گئے تھے۔

وہ اس دن کئی دنوں کے بعد اپنے آفس آیا تھا۔

اس کے ورکر اچھے اور محنتی تھے اس کی غیر موجودگی میں بھی کام خوش اسلوبی سے چلا رہے تھے۔

جوں جوں دن گزر رہے تھے۔ اس کے اندر کا خالی پن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ نویرہ کا کہیں پتا نہیں چل رہا تھا، وہ کہاں تھی، کن لوگوں میں تھی کچھ علم نہ ہو رہا تھا اور شارق زمان کو اب لگ رہا تھا اس کی برداشت جذباتیت کا بس اختتام ہونے والا ہے اگر نویرہ چند دنوں میں نہ ملی یا تو وہ کسی کو ختم کر بیٹھے گا یا پھر اپنے وجود کو ختم کر ڈالے گا۔

بہت مشکل لمحے تھے یہ.....

یہ زندگی اس کے اعمال کا حساب بھی تو بہت تکلیف دہ حساب تھا۔ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو قبول کرنا بھی بڑے، دل گردے کا کام ہوتا ہے اور اس کا دل قبول کر رہا تھا.....

بلکہ پسپائی کا عمل تو تب سے شروع ہو چکا تھا جب سے نویرہ واپس اس گھر میں آئی تھی مگر اقرار مشکل تھا، اپنی کوتاہیوں اور اعتماد کی عدم پختگی کا، وہ نویرہ کی ہمت پر حیران تھا، وہ اس کے سب رویے کس بہادری سے سہ گئی تھی، معصب کا تصور اس کے دل میں گداز سا بھر دیتا تھا۔

وہ ننھا سا، پیارا سا بچہ..... اور ہر گزرتا لمحہ اس کے وجود کی مضبوطی اور جذباتیت کو اک گہری ضرب لگا رہا تھا اور وہ ڈھے رہا تھا..... وہ کام میں مصروف تھا، بہت دنوں بعد آفس آیا تھا تو کئی امور اس کی توجہ کے منتظر تھے۔

''ہیلو شارق!'' وہ کسی فائل پر جھکا ہوا تھا جب اس آواز پر سر اُٹھا کر آنے والے وجود کو دیکھا۔

زیبا کیانی اول روز کی طرح بڑی تر و تازہ دکھائی دی تھی۔ وہی گرم جوشی کا اظہار کرتا انداز، وہی آنکھوں کا والہانہ پن، وہ اس کے سامنے موجود کرسی پر ٹکی تو شارق کے تصور میں بڑی سی چادر کے گرد لپٹا وجود در آیا۔

کتنا تضاد تھا؟ نجانے تربیت کی کمی تھی یا وقت کا تقاضا تھا مگر ان ظاہری اداؤں سے پہلے متاثر ہوا تھا اور نہ ہی اب.....

اس کے دل کو تو نویرہ احسان کا کردار بھایا تھا نہ کہ اس کا حسن، مگر شک کی آندھی سارا خزانہ اُڑا کر لے گئی تھی اور کیا بچا تھا باقی؟ شاید ندامت یا پھر.....؟

''کہاں ہوتے ہو تم؟ کہیں نظر ہی نہیں آتے؟ میری انگلیاں ٹوٹ گئی ہیں نمبرز ملا ملا کر، مگر تم ریسیو نہیں کرتے۔ اتنے چکر تمہارے آفس اور گھر کے لگا چکی ہوں اور ہر بار جواب ملتا ہے صاحب نہیں ہیں، ہوتے کہاں ہو؟'' بڑی بے تکلفی سے وہ پوچھ رہی تھی۔ شارق نے اپنے سامنے دھری فائل بند کر دی۔

''خیریت؟'' بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"تمہیں بتا تو چکی ہوں، پاپا شادی پر زور دے رہے ہیں اور تم جانتے ہو، میں کیوں پاپا کو ٹال رہی ہوں؟"

"تو اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"تم پاپا سے ایک دفعہ مل تو لو شاید کوئی راہ نکل آئے، دوسری صورت میں تم جانتے ہو، میں کیا طے کیے ہوئے ہوں۔"

"تمہارے پاپا سے میں بھلا کیوں ملوں؟ اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ ہوں۔"

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"ایم سوری! میں تمہیں واضح طور پر کہہ چکا ہوں کہ یہ صرف تمہارا فیصلہ ہے میرا نہیں، جہاں تمہارے پاپا کہتے ہیں، تم شادی کر لو..... میں اپنی لائف سے بہت خوش ہوں اور تم یہ بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ ایک بیوی کے سلسلے میں میری ترجیحات کیا ہیں؟"

"شارق! تم سوچو تو سہی، میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں، مہذب ہوں اور پھر صاحب جائیداد ہوں۔"

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے تمہاری یہ ساری کوالٹیز نہ پہلے کبھی متاثر کر سکی ہیں اور نہ ہی اب؟"

"شارق.....!" اس نے کچھ کہنا چاہا تو شارق نے ہاتھ اُٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

"تمہیں بہت اچھا لائف پارٹنر مل جائے گا۔ تمہارے پاپا نے تمہارے لیے ایک اچھا فیصلہ کیا ہے، اسے قبول کر لو۔ دیکھو زیبا! تم سے میری دوستی رہی ہے تم یہ بھی جانتی ہو، کلب کی ممبر شپ کے دوران بہت سی لڑکیوں سے مراسم رہے ہیں، مگر میں نے اتنی اہمیت کسی کو بھی نہ دی، جتنی تمہیں دی۔ صرف اس لیے کہ تم ان سب سے ہٹ کر تھیں تم ان تمام سطحی لڑکیوں کی طرح وقت گزارنے کی قائل نہ تھیں۔ دوستی بہر حال ہمارے درمیان ہے، نویرہ میری بیوی ہے اسے میں نے اپنی زندگی میں کیوں داخل کیا، تم جانتی ہو۔ شادی سے پہلے میری کیا سرگرمیاں تھیں مگر شادی کے بعد میں نے وہ سب چھوڑ دیں۔ چند ایک بار کے علاوہ میں کلب نہیں گیا، وہاں ممبر شپ بھی ختم کر دی ہے۔ تمہارے ساتھ مراسم رہے ہیں مگر وہ بھی بہت صاف شفاف سطح پر۔ میں نے ہر بار تمہارے فیصلے کی نفی ہی کی ہے۔ میں تمہاری دل آزاری نہیں کرنا چاہتا مگر یہ سچ ہے، میری زندگی میں اپنی بیوی کے علاوہ کسی دوسرے کی قطعی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ میرا اپنا گھر ہے، بیوی ہے، ایک بیٹا ہے، کسی چیز کی کمی نہیں۔ پھر تمہاری گنجائش نکالنا تو ایک طرف، میں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں۔ تم جس ماحول اور سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہو، میرے جیسا مرد وہاں نہیں چل سکتا، میں عورت ذات کے حوالے سے بہت تنگ نظر واقع ہوا ہوں اور مجھ جیسے مرد کو تم جیسی لڑکی سوٹ نہیں کرتی۔" اس نے صاف اور واضح الفاظ میں سب کہہ ڈالا اور زیبا چپ چاپ اسے سنتی رہی۔ "میں عورت ذات کو صرف اپنے تک محدود دیکھنا چاہتا ہوں، چاہے وہ کسی روپ میں بھی ہو اور میری بیوی میرے تصور کے لیے بہترین ہے، تم سمجھدار ہو، پڑھی لکھی، ٹھنڈے دل و دماغ

سے سوچنا۔ شاید تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔" بڑے سنجیدہ انداز میں اس نے اپنا موقف واضح کیا اور زیبا چند لمحے تو چپ چاپ بیٹھی رہی پھر ایک دم اُٹھ کر اس کے آفس سے باہر نکل گئی۔

نویرہ کے تصور نے اس کے دل و دماغ میں اک کھلبلی سی مچا رکھی تھی مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

اس کے بعد وہ دوبارہ اسپتال گئی مگر سمعان کے انداز و تیور دیکھ کر اس کے اندر خود سے مخاطب کرنے کی ہمت نہ ہو سکی، پھر طاہرہ بیگم کا ہر بار سامنا بڑا اذیت ناک تھا۔ یہ عمل بھی اور ہر بار تھوڑی دیر ہو سکی تھی اور وہ ہر بار دل میں بے پناہ اذیت لے کر لوٹتی تھی۔

سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ سمعان کو ہوا کیا ہے؟ اس کا ایسا رویّہ کیوں ہے اگر ہے تو کوئی وجہ تو ہو؟ کم از کم پہلے کی مانند اس سے بات تو کریں۔ الفت و محبت نہ سہی مگر مروت و رواداری تو برقرار رکھیں۔

سعد اسپتال جانے کو نکلا تو اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا۔ سعد سے بہت اچھے تو نہیں مگر تعلقات بہر حال بحال ضرور ہوئے تھے وہ اس کے ساتھ ہی اسپتال آئی تو طاہرہ بیگم کو وہاں دیکھ کر اس کا دل کھٹا سا ہوا۔ سعد سمعان کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا تو وہ سلام دعا کے بعد ایک طرف رکھے صوفے پر اخبار لے کر بیٹھ گئی۔

طاہرہ بیگم نے دیکھا وہ اخبار میں متوجہ تھی جب کہ سعد اور سمعان باتوں میں۔ ان کا دل چاہا اس کے پاس بیٹھنے کو، بات کرنے کو مگر اپنے رویوں اور سنگین لغزشوں نے ان کی راہ روک لی اور وہ دل مسوس کر رہ گئی تھیں۔ زرش ایسی تو نہ تھی بلکہ وہ تو ان سے بات کرنے، بے تکلف ہونے کے بہانے ڈھونڈتی تھی جب کہ اب.....!

انہوں نے شدت سے نوٹ کیا کہ زرش اور سمعان احمد کے آپس میں تعلقات بڑے محدود تھے پہلے دن کے علاوہ زرش دونوں بار شائستہ بیگم کے ساتھ ہی آئی تھی اور ہر بار سلام دعا یا حال چال دریافت کرنے کے علاوہ کوئی اور بات نہ ہوئی تھی اور پھر تھوڑی دیر رُک کر وہ شائستہ کے ساتھ واپس چلی جاتی تھی۔

"چائے پیو گی؟" زرش نے حیران ہو کر طاہرہ بیگم کو دیکھا۔ سعد سے باتوں میں مصروف سمعان نے بھی توجہ دی۔

"نہیں، شکریہ!" ایک دم بہت کچھ یاد آیا تو تلخی اندر تک اُترتی چلی گئی اور چہرے کے زاویے بھی بدلے تھے طاہرہ بیگم کو بڑی شدت سے احساس ہوا کہ جہاں باقی سب نے ان سے مناسب رویّہ اختیار کر لیا تھا حتیٰ کہ سعید احمد نے بھی وہاں زرش ابھی تک اسی مقام پر تھی۔ اگر وہ اسی طرح ان سے نفرت کا اظہار کرتی رہی تو وہ کیسے باقی سب سے معافی مانگیں گی۔

وہ ہاتھوں کو مسلتے کُرسی پر بیٹھ گئیں تو دوبارہ ہمت نہ ہوئی کہ زرش سے کوئی بات ہی کر لیں۔

کچھ دیر میں سعد کسی ڈاکٹر سے ملنے کے لیے اٹھا تو طاہرہ بیگم بھی اس کے ساتھ ہی باہر نکل گئیں۔

"پانی تو پلاؤ، زرش جواب بھی مکمل طور پر اخبار کی طرف متوجہ تھی سمعان کی آواز پر چونک کر اٹھی۔

سر کی چوٹ کی وجہ سے سمعان کو سر ہلانے کی اجازت نہیں تھی۔ زرش نے جگ میں سے پانی ڈال کر سمعان کی طرف گلاس بڑھا دیا۔

''اگر خود سے پینے کی پوزیشن میں ہوتا تو تمہیں زحمت نہ دیتا۔'' سنجیدہ انداز میں کہتے سمعان احمد نے اسے احساس دلایا تو اس نے شرمندہ ہوتے گلاس سمعان احمد کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

''بیٹھو۔'' وہ پانی پلا کر پلٹنے لگی تو سمعان نے کہا۔ جھجک گئی تھی۔

''ادھر بیٹھو۔'' وہ کرسی پر بیٹھنے لگی تو سمعان نے ٹوک کر بستر کے کنارے بیٹھنے کو کہا تھا۔

''نہیں، ادھر ہی ٹھیک ہوں۔''

''زرش.....!'' وہ بادل ناخواستہ اُٹھ کر بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

''لاہور واپس کب جا رہی ہو؟'' وہ نظریں جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی سر اٹھا کر سمعان کو دیکھا۔ تو وہ اس کو ہی دیکھ رہا تھا۔

''دو تین دن میں چلی جاؤں گی۔''

''پڑھائی کا حرج ہو رہا ہوگا؟''

''نہیں میں نے سر سے بات کی تھی سارے لیکچرز اور نوٹس مل جائیں گے۔''

''زرش! تم نے آئندہ کے بارے میں کیا سوچا ہے؟'' کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوا۔

''کیا مطلب؟'' وہ سمعان کے سوال پر چونک اٹھی۔

''تم نے یہاں کے بدلتے حالات کا نا صرف بلکہ امی کے رویوں سے اندازہ بھی لگا لیا ہوگا کہ اب حالات کس سطح پر ہیں، آئندہ دنوں میں کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ اگر میرے ساتھ یہ حادثہ پیش نہ آتا تو یقیناً اب تک امی خود تم سے مل کر بات کر چکی ہوتیں اور حالات کوئی نہ کوئی کروٹ بدل چکے ہوتے۔

وہ چپ چاپ سمعان کی بات سن رہی تھی۔

''تمہارا یہی مطالبہ تھا نا کہ کہ امی خود سے اپنی تمام غلطیوں کا اعتراف کریں اور اب ایسا ہو رہا ہے اب بتاؤ کیا کہتی ہو تم؟''

وہ گم صم سی رہ گئی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ سمعان اس سے بھی براہ راست اس کے سامنے ایسی صورت حال رکھتے ہوئے اسے فیصلہ کرنے کا کہے گا۔

اس نے خود بھی ایسا چاہا تھا جب کہ اب تمام صورت حال اس کی مرضی کے عین مطابق خود بخود راہ ہموار کر چکی تھیں۔ تو وہ اپنا ذہن عجب کش مکش میں لپٹا محسوس کر رہی تھی۔ سمعان نے اسے چند پل دینے تھے کہ وہ شاید کچھ کہے مگر وہ ہونٹ بھینچے چپ چاپ سی تھی۔

''زرش.....!'' سمعان نے بڑی توجہ سے پکارا۔ وہی پرانا محبت بھرا توجہ لیے لہجہ تھا۔ اس کا دل اک لمحے کو بے قابو ہوا۔

''تم نے جو چاہا میں نے تمہاری ہر بات مانی۔ صحیح، غلط میں تمہارا ساتھ دیا کہ تم حق پر ہو۔ ہماری طرف سے تمہارے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے۔ میں نے ہر موقع پر تمہارا ساتھ دینے کی نا صرف

کوشش کی بلکہ تمہارے ہر موقف و واقعات کے تحت پر کہتے ہوئے جسٹی فائی بھی کیا ہے۔'' سمعان کچھ پل خاموش ہوا۔

''ہمارا رشتہ ایسا ہے کہ اس میں ہم دونوں کے لیے بہت ساری گنجائش نکلتی ہے۔ امی کا ناراض ہو کر خالہ کے ہاں چلے جانا اور پھر بعد کے گھریلو حالات کی وجہ سے میرا رویہ تمہارے ساتھ کچھ سنجیدہ ہو گیا تھا کہ میں امی اور ابو کی وجہ سے پریشان تھا لیکن تم سے کسی بھی قسم کی ناراضگی نہیں تھی اور اب بھی نہیں ہے۔'' سمعان نے دیکھا وہ سر جھکائے ہونٹ کچلتی عجب شش و پنج میں تھی۔

''یہ حادثہ کسی کے بھی وہم و گمان میں نہ تھا۔ اگر اس حادثے میں خدانخواستہ کچھ ہو جاتا، جیسا کہ اللہ نے بال بال بچایا ہے یا پھر عمر بھر کا کوئی نقصان؟ تو زرش! کیا تمہیں تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا؟'' سوال ایسا تھا کہ وہ خود پر ضبط کرتی ایک دم ضبط کھو گئی اور ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔

یہی سوال تو اس کی دل کی دھڑکن بند کر دیتا تھا کہ اگر خدانخواستہ واقعی کچھ ہو جاتا یا عمر بھر کا کوئی نقصان تو.....؟

''زری!'' اس کے رونے پر سمعان نے پریشان ہو کر ڈرپ لگا ہاتھ بڑھا کا اس کا ہاتھ تھاما۔

اس نے چہرہ اٹھا کر سمعان کو دیکھا۔

''اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو میں مر جاتی، میں ایک پل بھی نہ جی پاتی آپ کے بغیر۔'' یہ اعتراف ایسا تھا کہ سمعان کو لگا رگ و پے میں ایک سکون سا سرایت کر گیا ہو۔

بڑا جان گسل انتظار کیا تھا اس ایک اعتراف کے لیے۔ سمعان نے تسلی دینے کو ہاتھ دبایا تھا مگر زرش کے اندر اس تسلی بھرے انداز نے کسی اور ہی انداز میں اثر کیا۔

بے اختیار ہو کر سمعان کے کندھے پر اپنا سر رکھ کر وہ شدت سے روتی چلی گئی۔ سب کے سامنے خود کو سنبھالتے سنبھالتے وہ تھک گئی تھی۔

اس نے گھر سے نکلنے سے پہلے باتھ لیا تھا۔ شیمپو کیے بالوں کی نمی ابھی بھی برقرار تھی۔

کندھوں سے پھسلتے بال سمعان احمد کے چہرے پر گرے تو اک لطیف سے احساس نے سمعان کو چھوا تھا۔

یہ کیسی بے اختیاری تھی؟

محبت کے اظہار کا یہ کیسا انداز تھا؟

یہ قربت کا کیا عالم تھا؟

اس وقت کا تو سمعان احمد کو شدت سے انتظار تھا۔ مگر وقت اور جگہ نے سمعان کے اندر صورت حال کو سمجھنے کا احساس دلایا تھا۔

''زری.....!'' نرمی سے دوسرا ہاتھ اس کے بالوں پر پھیرتے ہوئے پکارا تھا۔ بھیگے چہرے کو اُٹھا کر اس نے سمعان احمد کو دیکھا۔

''آپ یقین کریں، آپ کو اگر کچھ ہوتا تو میں مر جاتی۔'' وہ یقین دلا رہی تھی، سمعان نے سر اثبات

میں ہلا کر مسکرا کر اسے اپنے یقین کر لینے کا احساس دلایا۔

''مگر آئندہ کی صورت حال کے بارے میں تو سوچا ہوگا تم نے؟'' سمعان احمد کا انداز ہنوز بڑا پُر سکون اور تسلی آمیز تھا۔ زرش کو لگا جیسے فیصلے کی گھڑی آ پہنچی ہے۔

یہ لمحے اُسے بہت بھاری لگے۔

''امی نے مجھ سے بات کی، انہوں نے معافی مانگی، ایک ماں اپنی اولاد کے سامنے معافی مانگے میرے لیے یہ بڑی ذلت کی بات تھی ہمارا اور ان کا تعلق ایسا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کی ہر بات، ہر غلطی اور لغزش کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ یہ ہمارے رشتے کی ڈیمانڈز ہی نہیں رشتے کا تقاضا بھی ہے جب کہ تمہارا اور امی کا تعلق اور طرح کا ہے دل میں گنجائش بنانے میں وقت ضرور لگتا ہے مگر زرش جہاں محبت ہو وہاں اسے برداشت کرنا پڑتا ہے سمجھ رہی ہو، نا میری بات۔'' وہ پھر ایک گرداب میں پھنس گئی تھی۔ یہ فیصلہ اس کے لیے بڑا مشکل تھا۔

''امی کو معاف کر دو زرش۔'' وہ شدت سے لب بھینچ گئی۔

''زرش.....!''

''آپ.....!'' وہ اس سے پہلے کہ کچھ کہنے کو لب وا کرتی سعد اور طاہرہ بیگم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔

زرش بوکھلا کر سیدھی ہوتے دوپٹے سے چہرہ رگڑتے کرسی پر بیٹھ گئی۔

''زرش، رکو گی یا گھر جاؤ گی، میں جا رہا ہوں۔''

سعد پوچھ رہا تھا اور زرش کو لگا کہ جیسے اس نے اسے بڑے مشکل فیصلے سے بچا لیا ہو۔

''میں چلتی ہوں۔'' وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور سمعان نے ایک بڑی سنجیدہ نگاہ اس پر ڈالی تو وہ نگاہ چرائے سعد کی طرف پلٹ گئی۔

❁.....❁.....❁

اگلے دو تین دن زرش کے لیے بڑے تکلیف دہ تھے وہ سوچ سوچ کر اُلجھتی رہی تھی۔

طاہرہ بیگم کو معاف کر دینا۔ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔

اور سمعان احمد کا تصور کرتی تو دل چاہتا تھا کہ سب بھول جائے کچھ بھی یاد نہ کرے۔ یہ لمحے بڑے تکلیف دہ اور اذیت ناک تھے۔

وہ چاہ کر بھی گزشتہ اذیت نہیں بھول پا رہی تھی اور سمعان احمد کی ذات ایک سایہ دار درخت تھی جس نے ہر اچھے برے وقت میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ سمعان احمد کی اس نیکی کو وہ ساری عمر نہ بھول پائے گی کہ سب کی مخالفت کے باوجود صرف اس کی خواہش پر اسے اتنی دور لاہور میں نہ صرف داخلہ لے کر دیا تھا بلکہ رہائش، تحفظ ہر طرح کا احساس دلایا تھا۔ اس جیسی کم عمر، تن تنہا لڑکی ذات کا اس طرح معاشرے میں اکیلے رہنا بھلا سمعان کے تعاون اور مدد کے بغیر کہاں ممکن تھا۔

اس کے بعد وہ چاہنے کے باوجود نہ تو اسپتال جا سکی تھی اور نہ ہی فون پر رابطہ کر سکی تھی۔

وہ اپنے آپ سے لڑ رہی تھی۔

اگلے دو دن میں سمعان اسپتال سے گھر چلا آیا۔ تو وہ نہ لاہور جا سکی تھی اور نہ ہی کسی حتمی فیصلے پر پہنچ سکی تھی۔

اور سمعان احمد بھی اسے فیصلہ کرنے کا کہہ کر اب اس کے فیصلے کا منتظر تھا اور وہ منتظر ہی رہی کہ شاید سمعان خود سے ہی رابطہ کرے یا اس کا فیصلہ پوچھے مگر اس کا انتظار، انتظار ہی رہا۔

نویرہ اس گھر میں آ کر مطمئن سی ہو گئی تھی۔ ماما، پاپا اور دیگر لوگوں سے بھی اس نے یہی تذکرہ کیا تھا کہ جو وہ سمعان سے کہہ چکی تھی۔ مگر یہ نہ کہہ سکی تھی کہ اب نویرہ ان لوگوں کے پاس رہے گی۔ اس نے سوچا کہ جب وہ لاہور تنہا جائے گی تو سب کو پتا چل ہی جائے گا نویرہ ماما سے کافی گھل مل گئی تھی۔ اپنی اچھی اور سلجھی فطرت کی بدولت شائستہ بیگم کو وہ بہت اچھی لگی تھی اور معصب تو تھا ہی بہت پیارا جو بھی دیکھتا تھا خود بخود اسے پیار کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

ماما پاپا نے نویرہ کے اس کے ساتھ یوں چلے آنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

نویرہ کو یہاں آ کر بڑا تعجب ہوا تھا کہ زرش سسرال کے بجائے میکے میں کیوں رہ رہی ہے۔ اس صورت میں کہ سسرال بھی پاس ہی تھا۔

زرش سمعان احمد کے ایکسیڈنٹ کو لے کر پریشان اور الجھی ہوئی تھی اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا تھا مگر جب یہی سوال اس نے شائستہ بیگم سے کیا تو انہوں نے گزرے لمحوں کی ساری کہانی سنا دی۔

نویرہ کو جان کر از حد دکھ اور افسوس ہوا۔

سسرال جا کر نہ رہنے کا زرش کا مؤقف درست تھا یا نہیں مگر زرش کے حوصلے پر اسے حیرت ہوئی کہ وہ کتنے دنوں سے اس کے ساتھ تھی مگر ایک بار بھی اس نے یہ سب ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ اس کے ساتھ اتنا کچھ ہو چکا ہے۔ وہ ہر وقت مطمئن اور پرسکون ہی دکھائی دی تھی۔

شائستہ بیگم نے اس سے کافی دیر تک گزشتہ اور موجودہ صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے زرش کو سمجھانے اور سب بھول کر اب کوئی بہتر فیصلہ کر لینے کو کہا تھا۔

اور نویرہ نے زرش کو سمجھانے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔

نویرہ الجھ سی گئی تھی اس نے شائستہ بیگم سے ہامی تو بھر لی تھی کہ وہ زرش کو سمجھائے گی مگر وہ اسے کیسے قائل کرے گی یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔

ایک لڑکی ذات کے لیے اپنے کردار سے بڑھ کر کچھ بھی اہم نہیں ہوتا اور بات جب کردار کی آتی ہے تو وہ پھر کچھ بھی برداشت نہیں کرتی۔ وہ زرش کے احساسات سمجھ رہی تھی مگر اب طاہرہ بیگم کا جو رویہ اور آنے والے حالات میں جو صورت حال ہو سکتی تھی اس پر وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ زرش اب کیا فیصلہ کرے گی۔

ان حالات میں جب کہ سمعان کے ایکسیڈنٹ سے زرش اس سے متعلق تمام احساسات سب کے

سامنے تھے۔ زرش کا برتاؤ اور اپنی پڑھائی کو بھی فراموش کیے ابھی تک ادھر ہی رہنا کچھ تو ظاہر کر ہی رہا تھا۔

مصعب سو چکا تھا سب اپنے اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے۔ اس گھر میں نویرہ کو گھر کے ایک فرد کی حیثیت مل رہی تھی۔ زرش کے کمرے میں ہی وہ ٹھہری ہوئی تھی۔

نویرہ نماز پڑھ کر کمرے میں آئی تو مصعب کو پاس ہی ہاتھ میں موبائل پکڑے زرش نجانے کن سوچوں میں غرق تھی کہ نویرہ کی آمد پر بھی کوئی توجہ نہ دی۔

"زرش۔" بستر پر بیٹھ کر پکارا تو اس نے چونک کر نویرہ کو دیکھا۔

"ہوں.....؟"

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں سوچ رہی ہوں کہ کل واپس چلی جاؤں ابھی سر سے فون پر بات ہوئی ہے کافی کلاسز مِس کر چکی ہوں۔ اللہ کا شکر ہے اب سمعان بہتر ہیں گھر بھی آ چکے ہیں۔ صبح پاپا کو کہتی ہوں کہ ٹکٹ منگوا دیں پہلی فلائٹ سے ہی چلی جاتی ہوں۔ آپ تو ادھر ہی رہیں گی۔ ماما سے ابھی بات تو نہیں کی صبح کر لوں گی، فکر نہ کیجیے گا ماما، پاپا آپ کے ادھر رہنے پر کبھی اعتراض نہیں کریں گے آپ کی وجہ سے ان کو کافی ڈھارس رہے گی۔ سعد بھائی تو سارا دن اپنے کلینک کے چکروں میں الجھے رہتے ہیں۔ رات کو سعد بھائی آئیں گے بھی تو بھی اپنے کمرے تک محدود رہیں گے۔"

نویرہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ دل سے اک ہوک سی اٹھی۔ اپنوں سے دور، اپنے شہر سے دور اجنبی لوگوں میں رہنا۔

کاش.....

اس نے اپنے خیالات کے سرکش گھوڑے کو فوراً قابو کیا۔ بھلا فائدہ بھی کیا تھا یہ سب یاد کرنے کا۔ بلکہ اپنا خون جلانے کا۔

"اچھی بات ہے مگر سمعان بھائی کے مکمل صحت یاب ہونے تک تو تمہیں ان کے پاس موجود رہنا چاہیے۔"

"وہ اپنے گھر میں ہیں۔ ادھر ان کے پاس سب ہیں۔" نویرہ کی بات پر بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تم ان کے ساتھ کیوں نہیں رہتیں؟"

"میرا خیال ہے اب تک ماما کے ذریعے آپ کو تمام صورت حال کا اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہوگا۔" نویرہ مسکرا دی۔

"ہاں.....! آنٹی نے ساری صورت حال بتائی ہے، مگر اب صورت حال تائی امی کا رویہ سنا ہے بدل چکا ہے۔ وہ سب سے معذرت کر چکی ہیں۔ ہو سکتا ہے اب وہ تمہیں خود ہی اپنے گھر لینے آ جائیں۔"

زرش چپ سی رہ گئی۔

یہی تو مصیبت تھی کہ وہ اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ طاہرہ بیگم کی زیادتیوں کو بھول جانا بڑے ظرف کی بات تھی۔

اور وہ ٹھہری سدا کی جذباتی۔

اس سے کچھ بھولا نہیں جا رہا تھا۔

اسے اس سلسلے میں اپنا ضبط و حوصلہ بہت کم لگ رہا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے یہ سب برداشت کرے۔

یہ طے تھا کہ وہ اب سمعان احمد کو اپنی نادانیوں اور جذباتیت کے ہاتھوں کبھی بھی کھونے کی ہمت نہیں رکھتی تھی مگر طاہرہ بیگم کو معاف کرنے کا حوصلہ بھی نہ تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔ میں اس معاملے کو جتنا سوچتی ہوں، اتنا ہی الجھ جاتی ہوں۔ نویرہ آپی۔ اس سلسلے میں فی الحال مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔ سمعان کے اس حادثے نے مجھے عجب دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ میرا دل، میرے جذبات، میری سوچیں یہ سب اس رشتے کے ساتھ بندھ گئی ہیں۔ سمعان احمد کے ظرف کا سوچوں تو اپنا آپ بہت کم اور سطحی سا لگتا ہے مگر تائی امی کی زیادتیوں کو سوچوں تو دل چاہتا ہے کہ اپنے تمام جذبات کو نوچ کر پھینک دوں کہ میرے کردار پر انگلی اٹھی تھی۔ مجھے رسوا اس حد تک کیا گیا کہ مجھے زندگی سے نفرت ہو گئی تھی۔ انہوں نے جو بھی کہا جس کے بھی کہنے پر کیا مگر میں تو بدنام ہو گئی نا۔ ان کی زیادتی کبھی بھول جانے والی نہیں ہے اور مجھ میں اتنا ظرف نہیں کہ میں دل میں کدورت رکھے ہونٹوں سے مسکرا کر ملوں۔ یہ منافقت مجھ سے نہیں ہو سکتی، بہت مشکل ہے۔"

نویرہ نے بڑی بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔

"نویرہ آپی، اس سلسلے میں مجھ سے بات نہ کریں۔ یوں لگتا ہے گویا زخموں سے کھرنڈ اتر رہے ہیں۔ پلیز کوئی اور بات کر لیں۔ اس ٹاپک کو پہلے ہی سوچ سوچ کر اب میرا دماغ پھٹ جانے کو ہے۔ پلیز اب میں کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتی۔"

نویرہ کچھ کہنے کو الفاظ ترتیب دے ہی رہی تھی زرش کے اس دوٹوک انداز پر صرف سر ہلا کر مسکرا دی تھی۔

"سو جاؤ، ان شاء اللہ سب بہتر ہی ہوگا۔"

وہ سونے کو لیٹ گئی تھی جب کہ زرش اسی طرح نیم دراز سی پھر سوچوں میں گم ہو چکی تھی۔

❁.....❁.....❁

اگلے دن اس نے ماما پاپا کو کہہ دیا تھا کہ وہ لاہور واپس جانا چاہتی تھی ماما نے اس سے ایک دو دن مزید رکنے کو کہا تھا مگر وہ پہلے ہی کافی حرج ہو گیا ہے کا کہہ کر انکار کر گئی تھی۔ نویرہ کو وہ فی الحال اپنے ساتھ نہیں لے کر جانا چاہتی اگلی دفعہ لے جائے گی۔ نویرہ سے متعلق اس نے یہی ظاہر کیا تھا۔ ماما پاپا کو بظاہر نویرہ کے رکنے پر کوئی اعتراض تو نہ تھا مگر اس کے یوں اکیلے جانے پر ماما کو ضرور تامل ہوا تھا۔

دوئم

"ماما جہاز سے جانا ہے۔ کچھ نہیں ہوتا۔"

"مگر زرش اکیلے؟ سمعان نے اعتراض کیا تو.....؟"

"کچھ نہیں کہیں گے وہ۔" وہ صرف اتنا کہہ کر بات ختم کر گئی تھی۔

پاپا نے ٹکٹ منگوا دیا تھا۔ فلائٹ کا ٹائم دو بجے کا تھا۔

ناشتے کے بعد ہی اس نے پیکنگ کر لی تھی۔ کافی وقت تھا اس کے پاس گیارہ بجے کے قریب وہ باتھ لے کر سو گئی تھی۔ ارادہ تھا کہ ایک بجے تک اٹھ کر تیار ہو کر ائرپورٹ کے لیے روانہ ہو جائے گی۔

وہ گہری نیند میں تھی زور سے دروازہ پیٹے جانے پر ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ وہ دروازہ مقفل کر کے سوئی تھی۔

"آپ.....؟" فوراً اٹھ کر دروازہ کھولا تو نویرہ کو دیکھ کر سکون سے پلٹی۔

"بڑی دیر تک سوئی ہو؟" اس نے وقت دیکھا ایک بج رہا تھا ابھی تو اس نے تیار بھی ہونا تھا۔

"اوہ.....نو.....!" وہ فوراً باتھ روم میں گھسی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلی تو نویرہ بستر کی چادر درست کر رہی تھی۔

"باہر مہمان آئے ہیں۔" بالوں میں برش پھیرتے وہ چونکی۔

"کون؟"

"تمہارے تایا ابو اور ان کی بیگم، تمہارے ماموں کی فیملی تمہاری بہن اور بہنوئی وغیرہ۔"

باقی سب تو نہیں مگر طاہرہ بیگم کی آمد پر وہ چونک گئی تھی۔

"تائی امی بھی ہیں؟" "ہوں۔" نویرہ نے پُرسکون جواب دیا۔

"کیوں آئے ہیں یہ لوگ؟"

اس کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے نویرہ نے بغور دیکھا۔

"شاید تمہاری تائی بیگم صلح کی پیش کش لے کر آئی ہیں۔ آنٹی اور انکل لاؤنج میں سب کے پاس ہی ہیں مجھے آنٹی نے ہی بھیجا تھا کہ تمہیں اٹھا کر ادھر لے آؤں۔"

"مجھے کسی سے نہیں ملنا۔ میری دو بجے کی فلائٹ ہے بہت کم وقت ہے میرے پاس۔" وہ غصے سے کہہ کر الماری سے اپنا سوٹ نکال کر پھر واش روم میں گھس گئی۔

چینج کر کے واپس آئی تو نویرہ ادھر ہی تھی۔

بیگ میں اپنا ٹکٹ اور دوسرے چیزوں کی موجودگی چیک کر کے اسکارف لے کر سر پر اچھی طرح لپیٹ کر دوپٹہ پنوں کی مدد سے کندھوں پر جما کر پلٹی۔

"تم ایک دفعہ ان لوگوں سے مل تو لو۔ ہو سکتا ہے مفاہمت کی کوئی راہ نکل ہی آئے۔"

"نہیں نکل سکتی۔ آج تائی امی کو اپنی بہن کی اصلیت کا علم ہوا ہے تو وہ معافی مانگنے آئی ہیں کہ ان کے پاس اب اس کے سوا کوئی اور راستہ بھی نہیں۔ اگر وہ خود سے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتی ہمارے گھر آتیں تو شاید میں سوچتی بھی مجھ میں اتنا ظرف نہیں ہے کہ میں گزشتہ کے تمام حالات و واقعات

دوئم

بھلا کر پھر سے خود کو پرانی زرش بنا لوں۔ سوری آپ امی کو کہہ دیجیے گا کہ میری فلائٹ میں تاخیر ہو رہی تھی اس لیے میں جا رہی ہوں۔" موبائل بھی اٹھا کر بیگ میں رکھتے اپنا کپڑوں والا بیگ تھامے وہ باہر نکل آئی تھی۔ لاؤنج والی سائیڈ کے بجائے وہ دوسری سائیڈ سے ہوتے لان میں نکل آئی تھی۔ نویرہ اس کے ہمراہ ہی تھی۔

"آپ یہاں بے فکر ہو کر رہیں۔ میں فون کرتی رہوں گی۔"

ڈرائیور کو اپنا بیگ تھما کر گاڑی میں بیٹھ گئی گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز پر شائستہ بیگم باہر نکلی تھیں۔ مگر تب تک ڈرائیو گاڑی گیٹ سے نکال چکا تھا۔

"زرش چلی گئی ہے کیا؟" نویرہ قریب آئی تو وہ حیران و پریشان سی کھڑی پوچھ رہی تھیں۔

"جی۔ میں نے کہا بھی تھا کہ آپ بلا رہی ہیں مہمانوں کا بھی بتایا تھا مگر وہ کسی سے بھی نہیں ملنا چاہ رہی تھی۔ آپ کے لیے سوری کہہ رہی تھی کہ ملے بغیر جا رہی ہوں۔" شائستہ بیگم نے لب بھینچے۔

زرش کی خاموشی سے خوفزدہ پہلے ہی تھیں مگر اندازہ نہ تھا کہ وہ ان سے بھی بغیر ملے چلی جائے گی۔ ان کا دل بڑا دکھی ہو رہا تھا۔

وہ اندر آئیں تو سبھی منتظر تھے۔ گاڑی کی آواز تو انہوں نے بھی سنی تھی۔

"دو بجے زرش کی فلائٹ تھی۔ ڈرائیور کو لے کر چلی گئی ہے۔" شوہر کے پاس بیٹھ کر دھیرے سے بتایا تو سعود احمد بھی خاموش سے ہو گئے۔

طاہرہ بیگم کے اندر کا ملال ایک دم گہرا ہوا تھا۔ جب سب ان کو معاف کر چکے تھے وہیں زرش کے اس رویے نے از حد تکلیف پہنچائی تھی۔ یعنی جس کے ساتھ سب سے بڑی زیادتی کی تھی اس نے ان کو معاف کرنا تو دور کی بات ان سے سامنا کرنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کی تھی۔

ان کی آنکھوں سے شرمساری کے آنسو بڑی شدت سے گرے تو سبھی اسے دیکھے گئے۔

وہ بڑے کم وقت میں ائرپورٹ پہنچی تھی۔

تمام مراحل سے گزرنے کے بعد جب اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھی تو وہ سر سے پاؤں تک غم زدہ تھی۔

زندگی میں پہلی بار یوں اکیلے وہ بھی ماما پاپا سے ملے بغیر اتنی دور تک کا سفر کر رہی تھی۔ بے شک جہاز کا سفر تھا مگر تھی تو تنہا۔

"السلام علیکم!" ساتھ والی سیٹ سے آواز آئی تو وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

"ارے آپ؟" سرنواز فاروق کو دیکھ کر اسے خوش گوار حیرت نے آلیا تھا۔ "وعلیکم السلام....." پھر مسکرا کر جواب بھی دیا تھا۔ سرنواز بھی لگتا تھا اسی طرح بھاگم دوڑ میں سیٹ تک پہنچے تھے۔

"لاہور جا رہی ہیں، اکیلی ہیں کیا؟"

"جی....."

"اور سمعان کیسے ہیں؟ گھر والے؟"

"سب ٹھیک ہیں۔"

"بیلٹ باندھ لیں۔" کچھ دیر بعد جہاز کی رفتار نارمل ہوئی تو ائرہوسٹس نے کھانے پینے کو پوچھا تھا اس نے معذرت کرلی تھی جب کہ سرنواز نے جوس منگوالیا تھا۔

"پریشان ہیں کیا؟ سمعان تو ٹھیک ہیں نا۔"

"جی! بہتر ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔ آپ کیسے یہاں آئے؟ رات فون پر جب بات ہورہی تھی تب تو ایسا کوئی ذکر نہیں کیا تھا کہ آپ کراچی میں ہیں۔"

"رومیسہ کو ہی چھوڑنے آیا تھا۔ کافی دنوں سے وہ آنے کا کہہ رہی تھی' بس۔" باقی کا سفر دونوں کا خاموشی سے گزرا۔

سرنواز فاروق کی موجودگی میں زرش کو اکیلے ہونے کا احساس نہیں ہوا تھا۔ گھر بنے نکلنے کے بعد اس نے فون آف کردیا تھا۔

پتا نہیں اس نے غلط کیا تھا یا درست مگر یہ سب کرنے کے بعد بھی وہ خوش نہ تھی۔ سرنواز نے ہی اسے گھر ڈراپ کیا تھا۔

اس نے انہیں اندر آنے کا کہا تھا مگر وہ بڑی سہولت سے پھر کبھی پر ٹال گئے تھے۔ گھر آکر ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد اس نے موبائل آن کیا تھا۔

پانچ منٹ بعد ہی کراچی سے ماما کی کال آگئی تھی۔

"یہ کیا بچپنا تھا زرش! نہ کسی سے ملی جُلیں، نہ کسی کو بتایا حتیٰ کہ ہمیں بھی نہیں اور خاموشی سے چلی گئیں؟" سلام دعا کے بعد انہوں نے بڑے گرم لہجے میں کہا تھا۔ پہلی دفعہ اس سلسلے میں انہیں زرش کے ہٹیلے پن پر غصہ آیا تھا۔ کتنی سبکی سب کے سامنے سہنا پڑی تھی۔

"اگر فلائٹ کا ٹائم اتنا کم نہ ہوتا تو شاید میں رُک جاتی آپ اور پاپا سے مل کر ضرور آتی" اس نے بھی سنجیدہ انداز میں کہا۔

"زرش! اب حالات اس مقام پر ہیں جہاں تمہیں اپنے اندر لچک پیدا کرنا ہوگی۔ طاہرہ کو اپنی غلطیوں کا احساس ہے اور وہ سب سے نا صرف اپنی غلطیوں کی معافی مانگ چکی ہیں بلکہ وہ اب ازالہ کرنے کو بھی تیار ہیں۔ ماضی پر رونے پیٹنے یا ضد لگا کر اڑ جانے سے کچھ حاصل ہوتا تو سب سے پہلے بھائی صاحب اور ان کی اولاد طاہرہ کو معاف نہ کرتیں کہ بہرحال سب سے زیادہ نقصان انہی بچوں کا ہوا ہے۔ زرش تمہاری اس حرکت نے بہت دُکھ دیا ہے مجھے۔ بڑوں کا احترام کرنا سکھایا تھا میں نے تمہیں چاہے حالات کچھ بھی ہوں۔ تمہارے اندر یوں بلاوجہ کی ضد کہاں سے پیدا ہوگئی ہے؟"

"ماما میں سب کچھ برداشت کرلوں گی۔ رہ گیا ان کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا تو وہ بھی میں کرلوں گی مگر کچھ وقت لگے گا۔ ایک دم یوں سب برداشت کرنے کا نہ میرے اندر حوصلہ ہے اور نہ ہی میرا ظرف اتنا بلند ہے کہ میں سب سہ جاؤں۔ ماما پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کریں میں دل میں کوئی کدورت نہیں رکھ رہی مگر یہ بھول کر وہی پرانے تعلقات برقرار رکھنا بھی اب میرے اختیار میں نہیں ہے۔ ٹھیک ہے انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہوا ہے، اچھی بات ہے میں نے کبھی یہی مطالبہ کیا تھا مگر ماما میرا دل نہیں کرتا ان

کا سامنا کرنے کو۔ ان کو دیکھنے کو یا ان سے کوئی بات کرنے کو۔ میں اس سلسلے میں بے بس ہوں۔" اس نے سہولت سے اپنے دل کی کیفیت کہہ سنائی۔

"اس طرح تو زندگی نہیں گزرنے کی زرش بچے!" زرش کے خیالات جان کر وہ ازحد متفکر ہوگئی تھیں۔

"سمعان اور طاہرہ میں ماں بیٹے کا تعلق ہے جب کہ تم صرف بیوی ہو۔ ان حالات میں کہ وہ اپنی ماں کو معاف بھی کرچکا ہے۔ کچھ حالات و واقعات کو نظر انداز کرگیا ہے تم کیا خیال کرتی ہو کہ سمعان کس کا ساتھ دے گا، تمہارا؟ یا اپنی ماں کا؟" سوال ایسا تھا کہ زرش چپ چاپ سی رہ گئی تھی اس سلسلے میں سمعان اس سے صاف اور تفصیلی بات کرچکا تھا وہ کیا چاہتا تھا وہ واضح کرچکا تھا۔ اگر سمعان نے اس سلسلے میں اس کے احساسات سمجھنے کے بجائے واقعی اپنی ماں کا ساتھ دیا تو۔ اس سوال نے اس کے اندر اک طوفان برپا کردیا تھا۔

"ماں باپ کا فرض ہوتا ہے اولاد کو سمجھانا۔ تمہارے یوں چلے آنے کا کیا سمعان کو معلوم نہ ہوا ہوگا؟ اس نے کیا بُرا نہ مانا ہوگا؟ بے شک ہم لوگ باقاعدہ تمہیں اس کے ساتھ رخصت کرچکے ہیں مگر یہ مت بھولو کہ کراچی سے اسلام آباد اور پھر وہاں سے لاہور جانا صرف تمہاری ضد تھی، سمعان کا یہ فیصلہ نہ تھا۔" شائستہ بیگم نے ایک اور تلخ حقیقت اس کے سامنے لا کھڑی کی۔

"تمہارے پاپا نے بھی تمہارے اس عمل کو ناپسند کیا ہے۔ نفیسہ آپا، بھائی صاحب سب کی موجودگی میں تمہارے ملے جُلے بغیر چلے جانے کا بتاتے کتنی شرمندگی ہورہی تھی ہمیں۔"

"ماما پلیز! میں پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہوں، آپ لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں، مجھے کسی کی بات نہیں سننی۔" زرش کو اپنے احساسات جذباتیت کی زد پر آتے محسوس ہوئے تو وہ چیخ گئی۔

"زرش....." ماما کو اس کے رویّے پر ازحد دُکھ ہوا۔

"کیوں خود کو تنہا کرنے پر تلی ہوئی ہو۔ اتنی محبتوں، رشتوں اور چاہتوں کی موجودگی میں خود کو اکیلا کررہی ہو۔ تم ہماری اولاد ہو۔ سب سے چہیتی بیٹی ہو ہماری، ہم کیسے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ سکتے ہیں؟ ایسا نہ کہو، تم غلطی کررہی ہو۔ تمہیں اس عمل سے باز رکھنا، سمجھانا ہمارا فرض ہے۔ کل کو سمعان بھی بے پناہ محبت کے باوجود تمہارے کہنے پر تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دے تو کیا کروگی تم؟ ایسا نہ کرو، ورنہ پچھتاوے ساری عمر مقدر بن جاتے ہیں۔ طاہرہ بیگم کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ کچھ تو عقل کرو۔" کچھ دُکھ اور کچھ غصے سے کہتے انہوں نے سمجھایا تو زرش لب بھینچ گئی۔

وہ ماما اور سمعان احمد کی سبھی باتوں کو سمجھتی بھی تو بھی اس کے اندر اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ طاہرہ بیگم کو موجودہ حیثیت سے قبول کرلیتی، بہت مشکل تھا۔

ماما اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھیں، سمجھا رہی تھیں اور زرش کو اپنا ذہن ماؤف ہوتا محسوس ہورہا تھا۔

کچھ دیر بعد ماما نے کال ڈراپ کردی تھی اور وہ سوچوں کے ایک ایسے بھنور میں جا اُلجھی تھی، جہاں اسے سب فراموش کرنے کے لیے بڑی ہمت اور برداشت کی ضرورت تھی اور یہ سب وہ کبھی نہیں

کرسکتی تھی۔

خالدہ بیگم چند دن اسپتال ہی رہ کر دوبارہ گھر آ گئی تھیں۔ نبیل کے سارے حواس ٹھکانے آ چکے تھے۔ اسے رہ رہ کر اپنے رویوں پر پچھتاوا ہو رہا تھا مگر اب ازالے کی کوئی صورت نہ تھی۔

نویرہ کے ملنے کی کوئی صورت دکھائی نہ دے رہی تھی۔ ہر حربہ، ہر کوشش ناکام رہی تھی۔

زبیدہ بیگم اور حمید صاحب، خالدہ بیگم کی عیادت کو گئے تو پیچھے رمشاء گھر میں اکیلی تھی۔ شام کا وقت تھا، پھپھو کی عیادت پر اس نے جلدی کھانا پکالیا تھا اب فارغ بیٹھی ان لوگوں کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی مگر کوئی بھی ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا۔

وہ انتظار سے اکتا کر ٹی وی کے سامنے آ بیٹھی تو بیل ہونے لگی۔ جا کر گیٹ کھولا تو رضا کو دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔ اکیلے گھر میں اب اسے خوف آنے لگا تھا۔

''کہاں تھے تم سارا دن؟'' وہ خاموشی سے اندر بڑھا تو پیچھے سے سوال ہوا۔ وہ بھی ساتھ ہی تھی۔

وہ اسے ایک نظر دیکھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ وہ دوبارہ ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئی۔

''امی کہاں ہیں؟'' رمشاء نے دیکھا وہ چینج کر کے منہ ہاتھ دھو چکا تھا۔

''نبیل بھائی کے ہاں گئی ہوئی ہیں انکل کے ساتھ۔''

نبیل کا نام سُن کر وہ لب بھینچ گیا۔ نبیل اس کی شکل دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا اور وہ.....

''کھانا کھاؤ گے؟'' اسے پلٹتے دیکھ کر پوچھا۔

''کیا پکایا ہے؟''

وہ اب تنہا کمرے میں ہی کھانا کھاتا تھا۔ رُک کر پوچھا۔

''رہنے دو۔ جب سب کھائیں گے تو میں بھی کھالوں گا۔''

رمشاء بتانے لگی تو وہ ٹوک کر واپس کمرے میں چلا آیا۔

آج کل خود احتسابی کے عمل سے گزر رہا تھا۔

اسے رمشاء اس رات اتنا کچھ سنا گئی اور جواب میں وہ کچھ کہہ بھی نہیں پایا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے الفاظ کی نفی تک نہ کر پایا تھا۔ وہ تو اپنی نظروں سے گر گیا تھا کسی سے کیا گلہ کرتا۔

رمشاء کے نزدیک وہ شارق زمان سے دنیاداری کے لیے معافی مانگ کر اب نیا کھیل، کھیل رہا ہے۔ جب کہ اس نے شارق سے معافی خلوصِ دل سے مانگی تھی۔ دنیاداری کے لیے نہیں۔

رمشاء تو ایک طرف اس کے ماں باپ بھی اس سے بدظن ہو چکے تھے۔

ہاں وہ کمزور انسان واقع ہوا تھا۔ محض جذبات میں بہہ کر اس نے کتنے لوگوں کی زندگی کو جہنم بنا دیا تھا۔ یہ سچ تھا اس نے محض رمشاء کی ضد میں آ کر وہ سب نہیں کہا تھا اس نے اگر رمشاء کی ضد میں آ کر ہی وہ سب کرنا ہوتا تو بہت پہلے کرتا۔ زندگی میں اسے بڑے مواقع ملے تھے۔ نواز اور نویرہ کی منگنی کے اور ان کا وقفہ، نواز کے چلے جانے کے بعد کا دورانیہ نویرہ کی شارق سے شادی کے بعد کے واقعات،

اسے بہت سے مواقع ملے تھے مگر اس کی نیت کبھی خراب نہ ہوئی تھی۔

اس کی نیت تو تب خراب ہوئی تھی جب نواز فاروق اور رضیہ چچی کے درمیان ہونے والی گفتگو سُن کر وہ ششدر رہ گیا تھا۔

اگر وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور خاندان میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی تو وہ بھی نویرہ کو حاصل کر سکتا تھا۔

اس کے خیالات میں پختگی تب آئی جب گولی لگنے سے شارق اسپتال میں ایڈمٹ تھا اور وہ عیادت کو گیا تھا تو وہاں نویرہ اور شارق کی گفتگو دروازہ کے باہر کھڑے سُن کر اور پھر نویرہ کو گھر تک چھوڑتے ہوئے اس نے بہت کچھ سوچا تھا مگر ارادوں پر اتنا مضبوط نہ تھا۔

رمشاء تو محض ایک بہانہ بنی تھی اس کے اندر کے غبار کو باہر نکالنے کا۔ وہ نویرہ کو حاصل کرنا چاہتا تھا ہر قیمت پر۔ وہ خود کو شارق زمان سے بہتر اور نویرہ کے ہزار درجے قابل سمجھتا تھا اور اس رات رمشاء سے جھگڑا تو محض بہانہ تھا۔ اس نے اپنے اندر پکتے لاوے کو اس رات باہر نکلنے کی راہ دکھا دی تھی۔

اس نے شارق زمان سے چند جھوٹ اور کچھ سچ سمیت نویرہ کی بدقسمتی کا کھیل کھیلنے کا آغاز کیا تھا۔

شارق نے اس کی توقع کے عین مطابق ردِعمل دیا تھا۔ مگر نویرہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے نویرہ کی آنکھوں میں اپنے لیے زمانے بھر کی نفرت دیکھتے دل بے اختیار لرز اُٹھا۔ بے انتہا ندامت ہوئی تھی۔

مگر دل پھر بھی نویرہ سے دستبرداری کو نہیں مانا تھا۔ بعد کے حالات سب کے سامنے تھے اور اب نویرہ گھر چھوڑ کر جس طرح گئی تھی اور شارق کا اس کے معافی مانگنے پر جو ردِعمل تھا اس نے اس کے دل سے ساری خوش فہمیاں دور کر دی تھیں۔ وہ دل سے دعا گو تھا کہ نویرہ واپس آ جائے۔

وہ جہاں کہیں بھی ہے پوری عزت و آبرو کے ساتھ با حفاظت رہے۔ سارا سارا دن خود سے لڑتے الجھتے، ضمیر کی عدالت کے جواب دیتے اپنا آپ اب شل ہو چکا تھا۔

اس وقت بھی وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر اپنی ذات کی جنگ لڑ رہا تھا۔

ماں باپ اس سے ناراض تھے۔ حمید صاحب تو اسے سامنے دیکھتے ہی نفرت سے منہ پھیر لیتے تھے۔ زبیدہ بیگم شوہر کی نفرت سے منہ تو نہیں پھیرتی تھیں مگر اس سے بولتی بھی نہ تھیں۔ تین وقت کا کھانا خاموشی سے اس کے کمرے میں رکھ جاتی تھیں اور دیگر ضروریات بھی ایسے ہی پوری ہو رہی تھیں۔ رہ گئی رمشاء تو اس کی نفرت اس کے سامنے تھی؟ کبھی وہ بڑی محبت سے اس کی منتظر رہا کرتی تھی اور اب؟ نجانے کتنی دیر گزر گئی تھی، اسی طرح بیٹھے بیٹھے کہ کمرے میں ہونے والی کھٹکے پر سر اُٹھا کر دیکھا۔

زبیدہ بیگم تپائی پر کھانا رکھ رہی تھیں۔

''کھانا کھالو.....'' وہ ان کو بغور دیکھ رہا تھا کھانا رکھ کر سیدھی ہوئیں تو اسے اپنی طرف متوجہ پا کر زبان سے کہہ دیا ورنہ وہ اب زبان کا استعمال بہت کم کرتی تھیں۔

''امی!'' وہ باہر نکلنے لگی تھیں اس پکار پر پلٹ کر دیکھا۔ بڑی سنجیدہ نظریں تھیں۔ ملامت کرتی ہوئیں

وہ اُٹھ کر ان کے پاس چلا آیا۔

''میں بُرا ہوں، بہت بُرا کر چکا ہوں۔ مجھے ملامت کریں۔ بُرا بھلا کہہ لیں مگر یہ چپ کی مار نہ ماریں۔ پلیز کچھ تو کہا کریں۔'' وہ ماں باپ کے اس رویّے سے چند دنوں میں ہی حوصلہ ہار گیا تھا۔

''کیا بات کروں تم سے؟ تمہاری صورت دیکھتی ہوں تو نویرہ کی پاکیزہ صورت یاد آتی ہے، کیا قصور تھا اس بچی کا؟ کتنی بدنصیب ماں ہوں میں، کسی کی آہیں میری اولاد کی وجہ سے ہیں۔ خالدہ بھابی کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ ان کی آنکھیں خشک نہیں ہوتیں۔ اس ماں کے دل سے میری اولاد کے لیے نہ جانے کیسی آہیں نکلی ہوں گی۔ ایک ہی تو اولاد ہے میری۔ کیا کیا تُو نے رضا، زندگی امتحان بنادی ہے تُو نے۔'' وہ ابھی خالدہ بیگم کو دیکھ کر لوٹی تھیں، دل پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اور ایسے میں رضا کا لٹا پٹا انداز دیکھ کر ان کا دل رونے کا چاہ رہا تھا۔

''کتنی منتوں مُرادوں سے مانگا تھا، کیا اس دن کے لیے؟'' ان کا دل گریہ زاری کرنے کو چاہ رہا تھا۔ ''دعا کرو نویرہ کا پتا چل جائے، نبیل، شارق، نواز بھی کوششیں کر رہے ہیں۔ اللہ بچی کو ساتھ خیریت اور عزت کے گھر واپس لائے۔'' وہ اپنی آنکھوں سے بہہ جانے والے اشک دوپٹے سے صاف کرتیں کمرے سے نکل گئی تھیں اور رضا ماں سے ہزار باتیں کرنے کی آس میں خالی ہاتھ کھڑا رہ گیا تھا۔ یہ اس کا اپنا بویا تھا۔ جو وہ کاٹ رہا تھا پھر کس کو الزام دے، کیوں دے؟ نویرہ کے تصور نے پھر دل کو دنیا بھر سے اچاٹ کر ڈالا تھا۔

❁.....❁.....❁

اگلے دن اس نے سمعان احمد کے نمبر پر کال کی تھی۔ مگر سمعان نے کال ریسیو نہیں کی تھی۔ اس نے میسج بھیجے مگر ان کا بھی کوئی جواب نہ ملا تو وہ پریشان ہونے لگی۔

اس کے بعد تو وہ روزانہ اُٹھتے بیٹھتے مسلسل رابطہ کرتی رہتی تھی، مگر سمعان احمد نے بھی گویا کال ریسیو نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے اس کی پریشانی بڑھنے لگی تھی۔ کراچی ماما سے مسلسل رابطہ تھا۔ نویرہ سے بھی روزانہ بات ہو جاتی تھی۔ مگر سمعان احمد سے ہنوز بات نہ ہو سکی تھی۔ تین چار دن مسلسل ایسا ہوا تو پھر اس نے بھی خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ اس نے بعد میں آنے والے دنوں میں خود بھی رابطہ نہ کیا تھا اور نہ ہی سمعان نے ایسی کوشش کی۔

وہ اکیلی یہاں آئی تھی۔ طاہرہ بیگم بطور خاص اس سے معافی مانگنے آئی تھیں مگر اس نے ان سے ملنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔ سمعان کا اس پر ردِعمل بڑا شدید تھا۔

یونیورسٹی کی وہی روٹین تھی یہاں آئے ہوئے بھی اسے ہفتہ ہونے کو تھا۔ ماما سے بھی اسے علم ہوا تھا کہ سمعان پہلے سے بہتر تھا۔ اب چند گھنٹوں کے لیے آفس بھی جا رہا تھا۔ سمعان سے رابطہ نہ سہی مگر یہ اطلاع خوش آئند تھی۔

چند دن مزید گزرے تو کراچی کال کرنے پر علم ہوا کہ پھپھو نے سعد اور فرح کی شادی کی تاریخ طے کر دی ہے۔ پہلے ان کا ارادہ نکاح کرنے کا تھا مگر پھر اچانک ہی ان لوگوں نے شادی کے دن بھی

طے کر دیے تھے۔ درمیان میں صرف ایک ماہ کا عرصہ تھا۔ اس کا دل چاہا کہ کراچی تایا کے گھر فون کر کے فرح سے بات کر لے۔ اسے مبارک باد دے، مگر پھر سمعان اور طاہرہ بیگم کے رویوں کا سوچ کر اس نے اپنے اس خیال کو ذہن سے نکال دیا تھا۔

یونیورسٹی وہ باقاعدہ جا رہی تھی۔ آج کل پڑھائی پر خصوصی توجہ دے رہی تھی۔ گزشتہ دنوں مِس ہونے والی کلاسز کے لیکچرز اسے مل گئے تھے۔ وہ یہاں پڑھنے کے لیے آئی تھی باقی سب ذہن سے نکال کر اس نے خود کو پڑھائی کی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

وہ سارا دن اس کا یونیورسٹی میں بڑا مصروف سا گزرا تھا۔ کلاسز کے بعد اس نے امجد کو بلوا لیا تھا، گھر جانے سے پہلے وہ سر نواز کے آفس میں چلی آئی تھی ان سے پڑھائی کے سلسلے میں کچھ بات چیت کرنا تھا۔ وہاں اسے تقریباً پندرہ منٹ لگ گئے تھے۔ امجد انتظار کر رہا تھا اس کے خیال سے جلدی جلدی سر نواز سے بات کر کے کتابیں سمیٹ کر باہر نکل رہی تھی کہ اندر آتے کسی شخص سے ٹکرائی تھی۔ کتابیں اس کے ہاتھ سے گر گئی تھیں۔

''اُف.....'' آنے والے کا قصور تو نہیں تھا وہی عجلت میں تھی۔

''سوری.....'' سامنے والے کو دیکھے بغیر وہ جھک کر کتابیں اکٹھی کر کے فوراً وہاں سے نکلی تھی۔ جب کہ اس سے ٹکرانے والا شارق زمان ابھی تک اسی دہلیز پر کھڑا تھا۔

''یہ چہرہ کہیں دیکھا ہے۔'' اس کا ذہن الجھ چکا تھا۔

''کہاں دیکھا ہے اسے میں نے؟'' وہ لڑکی جا چکی تھی۔ مگر وہ ابھی تک اسی مقام پر تھا۔

''پتا نہیں کہاں دیکھا ہے اسے میں نے؟'' اُلجھتے ہوئے وہ آفس میں چلا گیا تھا۔

''السلام علیکم!''

نواز فاروق اسے دیکھ کر چونکا تھا، شارق زمان اس کے آفس میں، خیریت تو ہے۔

''وعلیکم السلام! تم..... خیریت؟'' اس نے مصافحہ کرتے بیٹھنے کا اشارہ کر کے ساتھ ہی استفسار بھی کیا۔

''ہاں خیریت ہی ہے۔ انسپکٹر انجم کے پاس سے ہو کر آ رہا ہوں۔ اِدھر سے گزر رہا تھا سوچا کہ تم سے بھی ملاقات کر لوں۔'' وہ آرام سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''یہ جو لڑکی یہاں سے ابھی نکل کر گئی ہے، کون ہے؟''

ذہن ابھی تک اسی لڑکی میں الجھا ہوا تھا تو نواز سے بھی دریافت کر لیا۔

''کون.....؟'' نواز نے حیران ہو کر پوچھا وہ بھلا کیوں پوچھ رہا تھا۔

''یہی جو میرے اندر آنے سے پہلے نکل کر گئی ہے؟''

''زرش کی بات کر رہے ہو؟ اسٹوڈنٹ ہے میری۔''

زرش کے نام پر وہ پھر چونکا تھا۔

اسے یہ نام جانا پہچانا اور سُنا سُنا سا لگا۔

دوئم

"مجھے ایسے لگ رہا ہے جیسے میں نے اس لڑکی کو کہیں دیکھا ہے، یہ نام بھی سنا ہے، مگر کچھ بھی یاد نہیں آ رہا۔" اس نے اپنی الجھن اس سے بیان کر دی تھی نواز ہنس دیا۔

"نہیں یار! یہ لڑکی تو کراچی کی رہنے والی ہے۔ یہاں صرف اسٹڈی کے لیے آئی ہوئی ہے۔ اتنی مشہور نہیں ہے یہ۔" مگر شارق زمان مسلسل اپنے ذہن کو کھنگال رہا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک دم دھماکا ہوا تھا۔

نویرہ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی لڑکی اور پھر تیزی سے ریورس کرتے گاڑی کو بھگانے والا چہرہ..... وہ اسکارف میں لپٹا چہرہ.....

"اوہ مائی گاڈ۔" وہ ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ہاتھ پر ہاتھ مارا تھا۔

"کیا ہوا؟" نواز نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ یہ بیٹھے بٹھائے اسے کیا ہو گیا تھا۔

"نویرہ کا پتا چل گیا مجھے۔" جذبات سے اس کی بھاری آواز مزید بھاری ہوئی تھی۔

"کیا....." نواز بھی حیران ہو کر کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ لڑکی..... یہ لڑکی ہمیں نویرہ تک لے کر جائے گی۔ مسز زرش سمعان احمد یہی نام ہے نا اس کا؟" خوشی سے بمشکل اپنے آپ کو کنٹرول کرتے اس نے حیران کھڑے نواز کو دیکھا تو اس نے بغیر کچھ سمجھے گردن ہلا دی۔

"مگر یہ نویرہ کو کیسے جانتی ہے۔ ہمیں نویرہ کا پتا کیسے دے سکتی ہے؟" نواز کو شارق کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تو کچھ ناراض ہو کر اسے کہا۔ اسے شارق کے منہ سے زرش کے لیے یہ لڑکی کہنا قطعی اچھا نہ لگا تھا۔

"یہ کیا اس کے تو بڑے بھی دیں گے۔ تمہیں بعد میں ساری بات بتاتا ہوں۔ اب نویرہ کہیں بھاگ کر تو دکھائے؟" شارق خاصا پُرجوش ہو چکا تھا۔ مسکرا کر نواز کو دیکھا اسے ابھی بھی کچھ سمجھ نہ آئی تھی۔ شارق کھل کر ہنسا۔

بڑے دنوں بعد وہ ایسی ہنسی ہنسا تھا۔

"ایک منٹ میں ذرا انجم کو فون کر لوں۔" اس نے جیب سے فون نکال کر نمبر ملایا۔

"ہاں انجم میں شارق بول رہا ہوں۔ نویرہ کا ایڈریس مل گیا ہے۔ ہا..... ہا..... ہا..... حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ یوں سمجھو الہام ہوا ہے۔ بیٹھے بٹھائے۔ نواز کے پاس آنا بڑا اچھا شگون ثابت ہوا ہے۔ بس اطلاع دے رہا ہوں۔ نواز کو لے کر تمہارے پاس آ رہا ہوں، کہیں جانا نہیں۔ باقی کی تفصیلات آ کر بتاتا ہوں۔" اس نے فون آف کر دیا۔

"یہ کیا طریقہ ہے شارق! انجم کو کیوں کال کی ہے تم نے؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔ خوامخواہ اس لڑکی کو پھنسا رہے ہو؟"

"تم اپنے کلیریکل اسٹاف سے اس لڑکی کا ایڈریس پتا کروا کر دو، اگلے پانچ منٹوں میں۔" وہ آرام سے دوبارہ صوفے پر بیٹھے حکم دے رہا تھا۔ نواز کو وہ بڑا زہر لگا۔

دوئم

"ہرگز نہیں..... ایک عزت دار گھرانے کی وہ لڑکی ہے۔ کوئی ایڈریس نہیں دلواؤں گا۔"

"تو ٹھیک ہے اس وقت میری جیب بھری ہوئی ہے، میں خود پتا کر لیتا ہوں۔" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"شارق رکو....." وہ باہر نکلنے لگا تو اس نے فوراً روکا۔

"وہ لڑکی میری جاننے والی ہے۔ ان کی ساری فیملی کو میں جانتا ہوں۔ یوں کہو رومیسہ کی فیملی کے اس کی فیملی سے مراسم ہیں۔ یہ یہاں اکیلی صرف پڑھنے کے لیے رہ رہی ہے۔ کراچی میں ہوتی ہے اس کی ساری فیملی۔ تمہیں خوامخواہ غلط فہمی ہو رہی ہے نویرہ کا بھلا اس سے کیا تعلق؟" اس نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"اس لڑکی کو میں خود نویرہ کے ساتھ اس کی گاڑی میں دیکھ چکا ہوں۔ یہ لڑکی گاڑی چلا رہی تھی اور پھر میرے دیکھ لینے پر وہ گاڑی بھگا لے گئی تھی۔ اس وقت میں تمہارے ساتھ ہی تھا، جب نویرہ ہمارے سامنے سے گاڑی میں بیٹھ کر نکل گئی تھی۔ تب میں اس لڑکی کا چہرہ اور گاڑی کا نمبر بھی نہ دیکھ پایا تھا مگر ریسپشن پر معلوم کرنے سے پتا چلا تھا کہ مسز سمعان احمد کے نام سے یہ لوگ وہاں تھے، مزید نرسز اور اسٹاف کو کریدنے پر پتا چلا تھا کہ معصب نامی بچہ بیمار تھا اور معصب صرف میرے بیٹے کا نام ہے اور نویرہ کو تم خود وہاں اسپتال میں دیکھ چکے تھے اب شک کی گنجائش نہیں رہی۔ یہ لڑکی نویرہ ان کو جانتی ہے۔ نویرہ لوگوں کے پاس ہے۔ مجھے اس لڑکی کا ایڈریس چاہیے۔" بڑے سنجیدہ اور دوٹوک انداز میں اس نے سب بتا کے آخر میں ایڈریس طلب کیا تھا اور نواز فاروق ہکا بکا سا کھڑا رہا۔

اس کے لیے یہ ساری کہانی اک فلمی سی سچویشن تھی۔ اسے یقین کرنے میں تامل ہو رہا تھا۔

"مگر پولیس کو انوالو کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔ یہ لڑکی یہاں اکیلی رہتی ہے۔ اس کے گھر کا مجھے علم ہے۔ جا چکا ہوں میں ایک دو بار۔ عزت دار فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے پہلے اچھی طرح معلوم تو کر لو کہ نویرہ واقعی ان لوگوں کے پاس ہے یا نہیں؟ پھر پولیس کو انوالو کرو۔" اس نے رسانیت سے سمجھانا چاہا تھا۔

شارق اسے گھورتا رہا۔

"مجھے گھورو نہیں۔ یہ مشورہ تمہارے فائدے کے لیے ہی ہے۔ وہ چھوٹی موٹی فیملی نہیں ہے، بڑے تعلقات والے لوگ ہیں۔ کراچی میں ان کا ایک نام ہے، بڑے شریف لوگ ہیں' اپنے کام سے کام رکھنے والے۔ یہ سمعان احمد کی مسز ہیں اور سمعان احمد ڈاکٹر ظفر کا گہرا دوست ہے، ان لوگوں کے آپس میں خاندانی تعلقات ہیں۔ میں اچھی طرح اس لڑکی کو جانتا ہوں، اول تو تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، دوسری صورت میں اگر نویرہ واقعی ان لوگوں کے پاس ہے تو بھی پولیس کو انوالو کرنے کی ضرورت نہیں، میں خود تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ سب معلوم کر لیتے ہیں۔" نواز کی بات شارق زمان کے پلے پڑ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے، اگر نویرہ یا بچے کو انہوں نے چھپانے یا اِدھر اُدھر کرنے کی کوشش کی تو پھر میں اپنے طریقے سے اس معاملے کو ہینڈل کروں گا تب پھر تم کچھ نہیں بولو گے۔"

"اوکے! نہیں بولوں گا، مجھے یقین ہے نویرہ ان لوگوں کے پاس نہیں ہے، اگر ہوئی بھی تو میں خود زرش سے بات کروں گا، یقیناً اگر نویرہ لاہور میں ہی ہے تو پھر زرش کو میری بات ماننا ہوگی کہ وہ خود نویرہ کو قائل کرنے کی کوشش کرے کہ اگر نویرہ وہاں ہوئی بھی تو ہم اسے زبردستی وہاں سے نہیں لاسکتے۔"

"ٹھیک ہے۔" خلافِ معمول وہ فوراً مان گیا۔

"ابھی چلنا ہے یا کچھ دیر بعد؟" چیزیں سمیٹتے نواز نے شارق کو دیکھا۔

"نہیں ابھی۔" اب تو وہ ایک پل بھی انتظار نہیں کرسکتا تھا، بڑے دن ہوگئے تھے خوار ہوتے ہوئے۔

کچھ دیر بعد وہ گاڑی میں تھے شارق نے انسپکٹر انجم کو آنے سے منع کردیا تھا۔

سارے رستے دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی تھی۔

اچھے خاصے پوش علاقے میں بنے اس خوب صورت گھر کے سامنے گاڑی نواز نے روکی تو شارق فوراً باہر نکل آیا تھا۔

چوکیدار مستعد کھڑا تھا۔

"سمعان احمد گھر پر ہیں؟" نواز نے بھی باہر نکل کر چوکیدار سے مصافحے کے بعد پوچھا۔ وہ دوبار زرش کو چھوڑنے آچکا تھا۔ سو چوکیدار سے سلام دعا ہوچکی تھی، وہ فوراً پہچان گیا تھا۔

"نہیں صاحب تو کراچی میں ہوتے ہیں۔"

"اور ان کی مسز؟"

"وہ گھر پر ہی ہیں۔"

"انہیں کہو نواز فاروق ملنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھہرو۔" نواز کے پیغام پر وہ جانے لگا تو شارق نے روک لیا۔

"اس گھر میں کون کون رہتا ہے؟" چوکیدار نے تعجب سے اس نئے انسان کو دیکھا۔

"بیگم صاحبہ ہوتی ہیں، ڈرائیور، ملازمہ اور میں خود ہوتا ہوں، صاحب کبھی کبھار آتے ہیں۔"

"اور کوئی نہیں ہوتا۔ بیگم صاحبہ کے علاوہ اور کوئی لڑکی نہیں ہوتی؟"

"نہیں صاحب!" اب کے شارق نے الجھ کر نواز کو دیکھا۔

"بیگم صاحبہ کے ساتھ کوئی اور خاتون نہیں رہتیں، مثلاً کوئی بچے والی خاتون۔"

"اچھا آپ نویرہ بی بی کی بات کرتے ہو۔" چوکیدار فوراً سمجھا تھا۔

شارق نے نواز کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہوں کہ "اب کیا کہتے ہو؟"

"ہاں وہی نویرہ بی بی.....؟"

"مگر صاحب وہ تو چند دن صرف یہاں رہا تھا، بیگم صاحبہ اکیلی رہتی ہیں نا تو انہوں نے آیا رکھی تھی مگر پھر وہ چلی گئی۔ بیگم صاحبہ کہتی ہیں کہ اس عورت کو یہ جگہ پسند نہ تھی کہیں اور چلی گئی ہے۔ شاید کسی اور

کے گھر، ہم کو زیادہ نہیں پتا، میں بیگم صاحبہ کو پیغام دے دوں؟"

نواز کے سر ہلانے پر وہ اندر چلا گیا تھا۔

چوکیدار کی معلومات پر دونوں ہی پریشان ہوگئے تھے۔

"اس کا مطلب ہے کہ نویرہ اِدھر تھی مگر اب وہ کہاں ہے؟" شارق کا اشتعال بڑھنے لگا۔

چند پل پہلے لگا تھا کہ جیسے اب زندگی کی آزمائش ختم ہوچکی ہے مگر اب پھر وہی بے بسی در آئی تھی طبیعت میں۔"

زرش ابھی یونیورسٹی سے آکر کھانا کھا کر چینج کرکے اپنے کمرے میں آئی ہی تھی کہ ملازمہ چوکیدار کا پیغام لیے چلی آئی تھی کہ "کوئی نواز فاروق صاحب ملنا چاہتے ہیں۔"

وہ پہلے تو اس نام پر ہی حیران ہوئی مگر غور کرنے پر فوراً اُچھلی تھی۔

"چوکیدار کو کہو ان کو اندر بھیجے، سر نواز ہیں۔ جلدی کرو۔" وہ لاؤنج میں چلی آئی تھی۔ ملازمہ کی ہمراہی میں سر نواز فاروق اور ایک اجنبی کو آتے دیکھ کر وہ خیر مقدم کو آگے بڑھی۔

"السلام علیکم!" نواز فاروق نے سلام کیا تھا جب کہ شارق لب بھینچے زرش کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"وعلیکم السلام! آیئے سر..... بیٹھیے۔"

دونوں صوفوں پر بیٹھ گئے تھے۔ زرش ان کے پاس سے ہی آئی تھی۔ اب سر کو اپنے گھر میں دیکھ کر الجھ گئی تھی۔ وہ بھی سائیڈ صوفے پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگی کہ شاید وہ اپنی آمد کا مقصد بیان کریں۔

"آپ سے ایک ضروری کام تھا۔ اسی سلسلے میں آپ کو اس وقت زحمت دی۔ معذرت چاہتے ہیں ڈسٹرب کرنے پر وہ بھی بے وقت۔" نواز فاروق نے اپنے مخصوص سلجھے انداز میں بات شروع کی تھی۔

شارق زمان کو اس تمہیدی انداز پر الجھن ہوئی وہ جلد از جلد نویرہ کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔

"ان سے ملیے یہ شارق زمان ہیں۔" زرش کو بغور دیکھتے انہوں نے اپنے ساتھ براجمان شارق کا تعارف کرادیا۔ تو زرش کا شارق زمان کا نام سن کر رنگ اُڑا تھا۔

"شارق زمان! اس کے ہونٹ ہلے اور اس نے خوف زدہ نظروں سے شارق کو دیکھا۔ اس نے نہ ہی پہلی بار شارق زمان کو بغور دیکھنے کی زحمت کی تھی اور نہ ہی دوسری بار۔ اگر بغور دیکھ لیتی تو اس وقت اس کے سامنے نہ ہوتی۔

"میرے تایا زاد ہیں اور نویرہ احسان کے شوہر۔" اگلا تعارف اسے مزید ہراساں کرگیا تھا۔

"جی.....؟" اس کے حلق سے صرف یہی نکل سکا تھا۔

"ہم نویرہ کے سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔" شارق زمان اب بھی خاموش زرش کے چہرے کے تاثرات نوٹ کررہا تھا۔ جب کہ نواز ہی بات کررہا تھا۔

"کون نویرہ.....؟"

"دیکھیں زرش بی بی! ہم آپ کے چوکیدار سے ساری معلومات لے چکے ہیں، ہمیں صرف اتنا بتائیں کہ اب نویرہ کہاں ہے؟ ہم سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔" شارق زمان سے اب چپ

رہنا محال تھا۔ ایک دم دوٹوک لہجے میں بات کی تھی۔

زرش نے ایک پل کو سوچا تھا یہ لوگ اگر اس تک پہنچے تھے تو یقیناً ساری معلومات لے کر آئے تھے اس کی بات پر کم ہی اعتبار کریں گے، اب جھوٹ بولنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔

''جی نویرہ نامی لڑکی ایک بچے کے ساتھ یہاں چند دن رہی تھی۔ مجھے آیا کی ضرورت تھی، میں یہاں اکیلی ہوتی ہوں، اسی لیے ایک دفعہ مارکیٹ میں نویرہ سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ ہمارا ٹکراؤ بڑا اتفاقیہ تھا۔ اکٹھے بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے میں نے اپنا مسئلہ انہیں بیان کر دیا تھا، اگلے دن وہ خود میرے پاس آئی تھیں کہ وہ خاصی ضرورت مند ہیں، انہیں جاب کی ضرورت ہے، وہ آیا کی جاب کرنا چاہتی ہیں۔ مجھے تو ضرورت تھی میں نے رکھ لیا تھا۔ پھر میں نے ہر طرح سے انہیں آرام وسکون فراہم کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر ایک دفعہ ان کا بچہ کافی بیمار ہو گیا ایک رات اسپتال رہا تھا، وہاں وہ کچھ لوگوں سے خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ اپنے متعلق انہوں نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ مزید چند دن یہاں رہی تھیں اور پھر ایک دن یہ کہہ کر انہیں کہیں اور بہتر جاب مل گئی ہے، وہ خاموشی سے چلی گئی۔ شاید ان کے ساتھ کوئی مسئلہ تھا یا شاید کسی سے خوف زدہ اور پریشان تھیں۔ اچھی خاتون تھیں نجانے اب کہاں ہوں گی۔'' اعتماد کی اس میں کمی تو نہ تھی۔ چند پل گھبرائی تھی اب فراٹے سے جو ذہن میں آ رہا تھا کہہ رہی تھی۔ شارق زمان اسے بغور دیکھ رہا تھا اور نواز فاروق الجھ گیا تھا۔ ''مجھے اس نے منع کر رکھا تھا کہ اس کے بارے میں کسی کو نہ بتاؤں اس لیے میں نے انکار کرنا چاہا تھا۔'' وہ اب بڑے پُرسکون انداز میں مزید کہہ رہی تھی۔

اپنی بات کہہ کر اس نے دونوں کے چہروں کو دیکھا تھا، نواز کے چہرے کی الجھن تو دکھائی دے گئی تھی مگر شارق زمان کے چہرے کے سپاٹ تاثرات سے وہ کچھ اخذ نہ کر پائی۔

''مجھے انہوں نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ بس اتنا کہ ان کی جان کو خطرہ ہے، وہ باہر آنے جانے سے گھبراتی تھیں۔ ظاہر ہے میں تو باہر آتی جاتی ہوں اور اکیلی رہتی ہوں۔ میں نے ان کو رکھا بھی اس لیے تھا کہ ہر وقت میرے ساتھ رہیں گی مگر ایک دو بار میرے ساتھ باہر گئیں بھی تو کبھی کسی کو دیکھ کر ڈر جاتی تھیں۔ وہ میرے کام کی نہ تھیں اس لیے میں نے ان کے یہاں رہنے پر اصرار بھی نہ کیا تھا۔ اب میں پھر کسی خاتون کو دیکھ رہی ہوں کیا سر کوئی مسئلہ ہو گیا ہے؟'' اس نے نواز فاروق سے پوچھا تھا۔ ''اور وہ گھر سے نکلی کیوں تھیں؟'' بڑے ہی متجسس انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''نہیں کچھ گھریلو مسائل تھے۔ شکریہ آپ نے اتنی معلومات دیں۔ اگر آپ کا کبھی ان سے سامنا ہو تو ان سے موجودہ ایڈریس ضرور لیجیے گا اور پھر مجھے بتائیے گا۔''

''جی..... ضرور سر۔ مجھے بڑا دکھ ہوا ہے کہ میں آپ کے کسی کام نہیں آ سکی۔''

''چلیں شارق!'' شارق مسلسل زرش کو دیکھ رہا تھا جیسے اس کے چہرے سے اس کے سچ اور جھوٹ کا اندازہ لگا لینا چاہتا ہو۔

زرش اندر ہی اندر خوف زدہ ہوئی۔

''ہوں.....'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''سر بیٹھیے نا..... میں بھی آپ کے سوالوں میں الجھ گئی تھی۔ پہلی دفعہ میرے گھر آئے میں کوئی ناشتہ وغیرہ۔'' ان کے اُٹھنے پر اس نے شکر کا سانس لیا تھا مگر مسکرا کر کہا تو نواز نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

گھریلو سادہ لباس میں اسکارف کے بغیر سلیقے سے سر پر دوپٹہ جمائے وہ خوش اخلاقی سے گویا تھی۔

''نہیں، شکریہ۔ ہمیں کوئی اور بھی کام ہے۔ پھر کبھی سہی۔'' زرش نے بھی اصرار نہ کیا۔

وہ لوگ چلے گئے تو وہ بے دم سی ہو کر صوفے پر گر سی گئی تھی۔ ''یا اللہ!'' اس کے دل کی رفتار اتنی تیز تھی۔

''اوہ! تو یہ تھے نواز فاروق۔ نویرہ آپی کے سابقہ منگیتر۔ بے چارے، مگر کانوں کے یہ اتنے کچے تو نہیں لگتے؟ اچھے خاصے سنجیدہ مزاج ہیں، پھر وہ سب چھوڑ کر کیوں بھاگے؟''

نویرہ اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا چکی تھی وہ اب تجزیہ کر رہی تھی۔

''ویسے شارق زمان بھی نظر انداز کر دینے والی شخصیت نہیں ہے۔

عجیب انسان تھا، آنکھیں تھیں کہ ایکسرے، کیسے گھور کے دیکھ رہا تھا۔ اب قدر ہو رہی ہے بیوی کی۔ اچھا کیا نویرہ آپی نے۔ بہت اچھا کیا تھا۔'' وہ خود ہی سوچے گئی تھی۔

''اب کیا ارادہ ہے؟''

گاڑی میں آ کر بیٹھے نواز نے شارق کو دیکھا وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' شارق نے اپنی سوچ سے نکل کر اسے دیکھا۔

''سوچ رہا ہوں کہ یہ لڑکی کس حد تک سچ بول رہی ہے؟''

''اب خدا کے لیے اس لڑکی کے پیچھے نہ پڑ جانا۔ میں ڈائریکٹ تمہیں اسی لیے اس کے گھر لے آیا تھا کہ تم خود سب دیکھ لو، جان لو۔ تم اس کے چوکیدار سے بھی پوچھ چکے ہو۔ اگر وہ جھوٹ بول رہی ہوتی تو وہ تو سچ بتاتا۔ پتا نہیں اب نویرہ کہاں گئی ہے۔ بڑی مشکلوں سے تو اس کا یہاں تک کا پتا چلا تھا۔'' نواز نے اسے ٹوک دیا تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

اس کا ذہن کچھ بھی قبول نہیں کر رہا تھا۔ بظاہر اسے وہ لڑکی بڑی پُراعتماد اور سچی لگی تھی مگر کوئی بات ایسی تھی جو اس کے دل کو چُھو رہی تھی۔ جو اسے یقین نہیں کرنے دے رہی تھی۔

''مجھے انجم کے پاس جانا ہے اِدھر اُتار دو۔'' کچھ دیر بعد اس نے نواز کو کہا۔

''کیوں؟ خیریت؟''

''کام ہے اس سے۔ اب ہاتھ پر ہاتھ دھرے تو نہیں بیٹھا رہوں گا، کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ اسے کہتا ہوں کچھ کرے۔ ایسا کب تک چلے گا؟''

''تم زرش کو انوالو کر رہے ہو؟'' اس نے شکی انداز میں شارق کو دیکھا وہ زِچ ہوا۔

''نہیں! جب وہ کہہ رہی ہے کہ وہ اِدھر سے چلی گئی ہے اور ہے کہاں، وہ بے خبر ہے تو اسے کیسے

دوئم

انوالو کرسکتا ہوں؟ انجم کو کہتا ہوں اب ایک دفعہ پھر شہر کے سب چھوٹے موٹے اسپتال دیکھے۔ ہوسکتا ہے اب وہ کہیں ہو۔" پُرسوچ انداز تھا۔ نواز نے شکر ادا کیا ورنہ جو بات شارق کے ذہن میں اٹک جاتی تھی، اتنی جلدی نہیں نکلتی تھی۔ جب تک وہ اس پر عمل نہ کرلے۔

یہی تو اس کی جذباتیت کا سب سے بڑا المیہ تھا۔

"ہاں یہ اچھی بات ہے۔"

نواز اسے انجم کے آفس اُتار کر خود آگے بڑھ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

ان لوگوں کو رخصت کرکے وہ واپس اپنے کمرے میں آکر لیٹ گئی تھی، سارا دن یونیورسٹی میں الجھی رہی تھی، اب تھکن ہورہی تھی۔

لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

"ارے! اٹھو....." کسی کے سختی سے جھنجوڑنے پر وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ وہ انجانے کرخت چہروں والی دو خواتین تھیں۔

"اب اُٹھ بھی جاؤ۔ باقی نیند اگلے گھر جاکر پوری کرلینا۔"

ان میں سے ایک کرخت آواز میں کہتی اس کا بازو اپنی سخت گرفت میں لے چکی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے، کون ہو تم؟ چھوڑو مجھے۔" زرش ان اجنبی چہروں کے سلوک پر چیخ اُٹھی تھی۔

"بی بی! شور مچانے کی ضرورت نہیں۔ آرام سے اُترو؟" دوسری نے اس سے زیادہ سختی سے بازو سے پکڑ کر نیچے کھڑا کردیا تھا۔

"چادر لے لو.....اور چپل پہن لو۔" اگلا حکم نافذ ہوا تھا۔

"کون ہو تم؟ اور میرے گھر میں کیا کررہے ہو تم لوگ؟" اس نے غصے سے دونوں کو گھورا تھا۔ جھٹکے سے ان کی گرفت سے اپنے بازو چھڑائے تھے۔

"یہ سوال تم صاحب لوگوں سے کرنا۔ لے یہ دوپٹہ اوڑھ۔" ایک نے بستر پر گرا اس کا دوپٹہ اٹھا کر اس پر ڈال دیا تھا۔ زرش ہکا بکا سی رہ گئی۔

"کون صاحب لوگ؟" دوسری کے اشارہ کرنے پر چپل اڑس کر بھنا کر دونوں کو دیکھا۔

"موبائل کہاں ہے تیرا؟" اس کے سوال کو نظر انداز کرتے اس نے اردگرد دیکھا۔ خوب صورت کمرہ، بڑی خوب صورتی سے آراستہ تھا۔

زرش نے تکیے کے نیچے پڑا موبائل نکال کر پکڑا تو دوسری نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے چھین لیا تھا، زرش ششدر سی رہ گئی۔

"بڑا خوب صورت گھر ہے تیرا۔ اتنے بڑے گھر میں حیرت ہے اکیلی رہتی ہے تو۔ گھر والا کہاں ہے تیرا؟" دوسری نے اردگرد ستائشی نظروں سے دیکھتے زرش پر نگاہیں جمادی تھیں۔

"تم سے مطلب؟ اور میرا موبائل کیوں چھینا ہے۔ کس کے کہنے پر تم لوگ اِدھر ہو۔"

"کہا نا اس سوال کا جواب تمہیں صاحب لوگ دیں گے۔ گھر کی تلاشی ہم لے چکے ہیں، مطلوبہ سامان برآمد نہ ہونے کی صورت میں تمہیں لے جانے کا آرڈر ہے۔"

"کہاں.....؟" زرش نے حیران ہوکر پوچھا۔

"بڑے سوال جواب کرتی ہے تو۔ باہر چل، سب جواب مل جاتے ہیں۔" انہوں نے اسے دروازے کی طرف دھکیلا تھا۔ وہاں ایک نوجوان دہلیز میں کھڑا تھا اس کے ساتھ ایک عورت اور مرد تھا۔

"لے آئیں؟ چلو گاڑی میں بٹھاؤ۔" ان میں ایک حکم دے کر آگے بڑھ گیا تھا۔

اور زرش کو اس ساری صورت حال کو سمجھنے میں بڑی دقت ہورہی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا ہورہا ہے۔

"مجھے کہیں نہیں جانا۔ ہو کون تم لوگ؟" خبردار مجھے ہاتھ بھی لگایا تو۔" وہ اس حکم پر ایک دم چیخی تھی۔

جاتے ہوئے آدمی نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا اور پھر اپنی ساتھی عورتوں کو۔

"زیادہ مزاحمت کرے تو طریقہ نمبر دو استعمال کرلینا۔ مجھے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے، ایک منٹ میں باہر آؤ تم لوگ۔" وہ آرڈر دے کر باہر نکل گیا تھا۔

"کیوں جاؤں میں کہیں۔ عجیب لوگ ہو، میرا موبائل دو۔ میں اپنے میاں سے بات کرتی ہوں۔ میں یہاں سے ایک انچ نہیں ہلوں گی۔" اپنے ملازمین میں سے اسے کوئی ایک بھی دکھائی نہ دیا تھا۔

"لگتا ہے یہ ایسے نہیں جانے والی۔ چل طریقہ نمبر دو استعمال کر۔" ایک نے دوسری کو اشارہ کیا تو اس نے نجانے کہاں سے پستول نکال لیا تھا۔ پستول دیکھ کر زرش ایک دم چپ ہوئی تھی۔

"زیادہ زبان چلائی تو سیدھی حلق میں گولی اُتار دوں گی۔ چل سیدھی ہوکر۔" اس نے پستول اس کی کنپٹی پر رکھ دیا تھا اور زرش کو اپنے ہاتھ پاؤں سے جان جاتی محسوس ہوئی تھی۔

"کیا وہ دن دہاڑے اغواء ہورہی ہے؟" پہلا تصور اس کے ذہن میں یہی آیا تھا اور پھر اسے اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا اور حواس گم۔ اس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر گرتی اس کے بازو پر مضبوط گرفت جمائے عورت نے اسے فوراً سنبھالا تھا۔

"یہ تو بے ہوش ہوگئی ہے۔"

"چل ایسے ہی لے چل۔" ان دونوں نے اسے گھسیٹا تھا۔

❁.....❁.....❁

سمعان لنچ کے بعد دوبارہ اپنی سیٹ پر آیا تو کئی فائلیں اس کی توجہ کی منتظر تھیں۔ مکمل طور پر صحت یاب تو اب بھی نہیں ہوا تھا۔ مگر گھر فارغ بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا۔ اب چند گھنٹے آفس کا چکر ضرور لگالیتا تھا۔ سینے اور سر کا زخم آہستہ آہستہ مندمل ہورہا تھا۔ گاڑی ڈرائیو کرنے کی ڈاکٹر کی طرف سے ابھی اجازت نہ تھی، اسی لیے وہ آج کل ڈرائیور کے ساتھ آتا تھا۔

وہ فائلوں میں منہمک تھا جب اس کا موبائل بجنے لگا۔ سمعان نے توجہ دی تو چونک گیا۔

"ڈرائیور امجد....." کے الفاظ پر وہ الجھا، جب سے زرش دوبارہ لاہور گئی تھی، امجد کے ذریعے ہی وہ روزانہ کی معلومات لے رہا تھا کہ زرش سے وہ رابطہ نہیں کر رہا تھا خود سے امجد نے کال نہیں کی تھی، اب کال آئی تو حیرانی ہو رہی تھی۔

"ہاں امجد بولو....." سلام دعا کے بعد سمعان نے پوچھا تھا۔

"صاحب جی! یہاں بہت گڑبڑ ہوگئی ہے۔ گھر پر پولیس کی ریڈ ہوئی ہے۔"

"کیا.....؟" سمعان کو لگا اس کے اعصاب پر گویا بم پھٹا ہو۔

"مگر کیوں.....؟"

"پتا نہیں صاحب جی....." انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔ گن پوائنٹ پر وہ لوگ اندر داخل ہوئے تھے۔ سراج دین سے گن چھین کر اپنے قبضے میں کر لی تھی۔ آتے ہی گھر کے تمام فون کے تار کاٹ دیئے تھے اور پھر سارے گھر کی تلاشی لینے لگ گئے تھے۔ ہم سب کو ایک کمرے میں اکٹھا کر کے ایک آدمی گن لے کر کھڑا ہو گیا تھا۔ چوکیدار کی بیوی تو ڈر کے مارے بے ہوش ہوگئی تھی۔"

"اور زرش..... وہ کہاں ہے؟" خبر ایسی تھی کہ وہ سمعان کو اپنے اعصاب نارمل رکھنے میں سخت دقت ہوئی۔

"صاحب جی! جب سارے گھر کی تلاشی کے بعد انہیں کچھ نہ ملا تو وہ بیگم صاحبہ کو ساتھ لے گئے۔"

اور سمعان کو لگا اس کے وجود کے پرخچے اُڑ گئے ہیں۔

"کیا کہہ رہے ہو تم؟ ہوش میں تو ہو تم۔ کیسے لے گئے وہ زرش کو..... تم سب لوگ کس مرض کی دوا تھے۔ وہ تمہارے سامنے زرش کو لے گئے اور تم..... تم کیا کر رہے تھے؟ اسی وقت مجھے بتاتے۔" سمعان کو لگ رہا تھا کہ اس کا دماغ بس پھٹنے کو ہے۔

"صاحب انہوں نے آتے ہی ہماری تلاشی لے کر موبائل اپنے قبضے میں کر لیے تھے۔"

"کس تھانے کی پولیس تھی۔ کس کیس میں وہ لوگ آئے تھے؟"

"صاحب پتا نہیں۔ سادہ حلیے میں تھے تمام لوگ، تین عورتیں تھیں اور دو مرد۔ سراج دین کو ہی انہوں نے اپنا کارڈ دکھایا تھا۔"

"اوہ..... نو....."

"صاحب بیگم صاحبہ بے ہوش ہوگئی تھیں۔ پتا نہیں وہ انہیں کہاں لے گئے ہیں۔"

"تم سب لوگ کس لیے تھے۔ کیوں رکھا تھا میں نے تمہیں؟ اب ایک دم میں وہاں پہنچ بھی نہیں سکتا۔ پتا کر کے بتاؤ کس تھانے کی پولیس ہے وہ اور کیوں ریڈ ہوئی اور زرش کہاں ہے؟ پانچ منٹ میں پتا کر کے بتاؤ اور کتنی دیر گزری ہے اس سارے واقعے میں۔"

"صاحب صرف پانچ منٹ ہوئے ہیں۔ جاتے ہوئے وہ موبائل دے گئے تھے تو آپ سے بات کر رہا ہوں۔"

"میں پہلی فلائٹ سے پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں اور ہاں بات زیادہ نہ پھیلنے دینا اور کراچی میں بھی

کسی کو علم نہ ہو۔"

سمعان آفس سے نکل آیا تھا، اپنی سیکریٹری کو کہہ کر اس نے فلائٹس کی ٹائمنگ کا پتا کروایا تو یہ جان کر کوفت ہوئی کہ شام سے پہلے کی کوئی فلائٹ نہیں مل سکتی تھی۔ کسی اور ذریعے سے وہ اتنی جلدی نہیں پہنچ سکتا تھا، اسے شام تک انتظار کرنا تھا۔

وہ گھر آ گیا تھا اتنی دیر میں وہ دو تین بار امجد کے نمبر پر کال کر چکا تھا مگر وہاں ہنوز ناامیدی تھی۔

"کیسے جاہل ہو تم لوگ؟ پتا نہیں وہ کون لوگ ہوں گے، یوں ہی گھر میں گھس کر اغواء کرنے والے ہوں گے۔ تم لوگوں کے سامنے وہ زرش کو لے گئے اور تم لوگ کچھ نہ کر سکے۔" سمعان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کچھ کر بیٹھے۔

"صاحب انہوں نے گن تان رکھی تھی، بھلا پھر ہم کیا کرتے؟" سمعان نے لب بھینچ کر اپنے شدید طیش کو دبایا تھا۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھے۔

یہ وقت بڑے ٹھنڈے انداز میں سوچنے کا تھا۔ جذبات میں آ کر اب کچھ بھی نہیں ہونے والا تھا۔

موبائل آف کر کے سمعان سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ نجانے وہ کہاں تھی؟ کن لوگوں میں تھی اور کس حال میں تھی؟

اسے ہوش آیا تو وہ بڑے آرام دہ کمرے میں ایک بڑے سے جہازی سائز بستر پر دراز تھی۔

چند پل تو وہ خالی خالی نظروں سے کمرے کو دیکھتی رہی پھر حواس نے کام کرنا شروع کیا تو وہ ایک دم اُٹھ بیٹھی۔

نجانے وہ کہاں تھی؟ کن لوگوں میں تھی؟ شاید وہ اغواء ہو چکی تھی؟ کمرے کی تمام آرائش پر نگاہ ڈالتے اسے پھر سے سب کچھ یاد آنے لگا تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اجنبی لوگوں اور اجنبی شہر میں اتنی دور۔ پتا نہیں کسی کو خبر بھی ہوئی تھی کہ نہیں۔ سمعان اور باقی گھر والوں کے تصور سے ہی اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

''ہائے میرا موبائل بھی ان کے قبضے میں ہے۔'' سمعان سے رابطہ کرنے کے خیال سے اسے مزید یاد آیا۔

''یا اللہ!'' اگلے دس پندرہ منٹ تک اس نے آنسو بہانے کا ہی کام کیا تھا۔

''ہائے اگر ماما پاپا کو علم ہو گیا تو نجانے ان پر کیا بیتے۔ میرے خدا رحم کر۔'' وہ شدت سے ربّ کو یاد کرنے لگی تھی۔ ایک گھنٹے کے جانکسل انتظار کے بعد اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔

''کھانا کھالو.....'' ایک ملازمہ ٹائپ خاتون ایک بڑی سی ٹرے میں انواع واقسام کے کھانے لیے چلی آئی تھی۔ تمام چیزیں ٹیبل پر سجا کر وہ اسے کھانے کا آرڈر دے کر چلی گئی۔ اس نے کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ کچھ دیر گزری تو پھر کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ آنے والے کو دیکھ کر وہ ششدر سی رہ گئی تھی۔

''آپ.....'' نویرہ کے شوہر شارق زمان کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ بمشکل گویا ہوئی تھی۔

''جی میں..... آپ کو اس قدر زحمت دی، معذرت چاہتا ہوں۔''

آپ ہماری محسن ہیں کہ چند دن آپ نے ہماری بیگم صاحبہ کو اپنے گھر کی چار دیواری میں عزت دی، مگر اب وہ کہاں ہیں آپ کو علم نہیں اور مجھے آپ کی بات پر اعتبار نہیں سو آپ کو زحمت دی ہے۔''

وہ منہ کھولے شارق زمان کی گفتگو سُن رہی تھی۔ وہ سامنے کرسی پر ٹک گیا تھا۔

''کیا کریں ہمیں اپنی بیگم صاحبہ سے محبت بہت ہے۔ ہمارا اپنا ایک انداز ہے، محبت کے اظہار کا جو انہیں پسند نہیں۔ روٹھ کر گھر سے نکل گئی تھیں۔ کوئی بات نہیں آپ ہیں نا۔ یقیناً اپنے محسنوں کو تو وہ بھی

تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی ہوں گی اور ایسا ہی ہے۔ ساری دنیا میں ظالم دشمن انہیں صرف میں ہی لگتا ہوں باقی ساری دنیا کے لیے ان کے دل میں بڑا رحم ہے۔ آپ کو بڑی عزت سے لانا تھا۔ مگر پھر پولیس کی مدد لینا پڑی۔ جب تک ہماری بیگم صاحبہ ہمارے پاس نہیں آ جاتیں آپ ہماری مہمان رہیں گی۔ کھائیں پئیں اور آرام کریں۔ ہاں آپ کا موبائل ہمارے پاس ہے۔ اگر کسی سے بات کرنا ہے تو بات کرلیں مگر یاد رکھیے گا بات کرنے کے بعد موبائل واپس دیجیے گا۔'' اپنی جیب سے موبائل نکال کر اس کے قریب آ کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''اس سے نویرہ کے نام پر Save نمبر میں نکال چکا ہوں، رابطہ ان سے کرنے کو کر تو لوں مگر میں ان کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ میرے رابطے پر پھر مجھے وہ وہاں بھی نہیں ملیں گی جہاں وہ اس وقت ہے اور آپ کو لانے کی مشقت بھی بے کار جائے گی۔ آپ پُرسکون رہیں۔ جب تک آپ اِدھر ہیں وہ کہیں بھی نہیں جائیں گی، بلکہ خود ہم تک آئیں گی۔ کیا خیال ہے؟ ایسا ہی ہو سکتا ہے نا؟'' آخر میں مسکرا کر پوچھا تو زرش نے منہ سختی سے بند کیے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا۔

''نویرہ کے نمبر کے ذریعے پتا لگوالیا گیا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟ کیسے؟ یہ آپ نہ سوچیں؟ بس ہماری تھوڑی سی مدد کریں۔ کراچی وہ آپ کی فیملی کے ساتھ آپ کے گھر میں ہیں۔ سُنا ہے آپ کے میاں کا پچھلے دنوں ایکسیڈنٹ ہوا تھا تبھی آپ ہماری بیگم کو لے کر کراچی گئی تھیں اور ہماری بیگم صاحبہ کو وہیں چھوڑ کر خود یہاں آ گئی تھیں۔''

اس کے پاس ساری معلومات تھیں۔ اس نے سارا ہوم ورک مکمل کر کے یہ انتہائی قدم اٹھایا تھا۔

''مدد ہماری یہ کریں کہ..... اپنے میاں کو کال کریں اور انہیں اپنی یہاں موجودگی کا بتائیں۔'' بڑے سنجیدہ انداز میں وہ ہدایات دے رہا تھا۔

''انہیں بتائیں کہ آپ اِدھر ہیں وہ ہماری بیگم صاحبہ کو لے کر یہاں آ جائیں اور اپنی بیگم صاحبہ کو لے جائیں۔ ورنہ جب تک ہماری بیگم ہم تک نہ پہنچیں آپ کو ہماری مہمان نوازی برداشت کرنا پڑے گی۔ کیوں کیا خیال ہے؟'' زرش شش وپنج میں تھی۔

سمعان نویرہ کے قصے سے قطعی نابلد تھا۔ اسے بتانے کا مطلب تھا کہ اپنی شامت بلوانا۔ مگر وہ یہاں بھی نہیں رہ سکتی تھی، کیا کرے؟ نویرہ کی وجہ سے وہ کیا بُرا پھنسی تھی، جی بھر کر رونا آیا۔

''لائیں میں نمبر ملا دیتا ہوں۔ زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ یہ طے ہے کہ ہماری بیگم ہم تک پہنچیں گی اور آپ واپس جائیں گی۔'' اس کے ہاتھ سے دوبارہ موبائل لے کر اب نمبر ملاتے کہہ رہا تھا۔ زرش بڑی بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ حالات ایسے بھی ہوں گے۔

''جتنی جلدی آپ رابطہ کریں گی اتنی جلدی واپس جائیں گی۔''

''السلام علیکم! جی سمعان صاحب بول رہے ہیں۔'' دوسری طرف سے پہلی بیل پر ہی کال ریسیو کرلی تھی۔

''وعلیکم السلام! جی بول رہا ہوں۔'' زرش کے نمبر سے کال تھی مگر آواز اجنبی تھی۔ اتنا تو امجد کے

ذریعے پتا چل گیا تھا کہ زرش کا موبائل کمرے میں نہیں ہے۔

''آپ کیسے ہیں؟ مزاج بخیر ہیں؟'' بڑے مطمئن انداز میں پوچھا جا رہا تھا، سمعان الجھ گیا۔

''جی اللہ کا شکر ہے، آپ کون؟''

''بندۂ خاکسار کو شارق زمان کہتے ہیں اور دوسرا تعارف یہ ہے کہ میں نویرہ کا شوہر ہوں۔ وہی نویرہ جو اس وقت آپ کی بیگم زرش صاحبہ کے والدین کے گھر میں موجود ہیں۔''

''جی؟ مگر میں سمجھا نہیں۔''

''کوئی بات نہیں ہم سمجھا دیتے ہیں۔ ہماری بیگم روٹھ کر گھر سے چلی گئی تھیں اور آپ کی بیگم صاحبہ کے پاس آ گئی تھیں اور پھر وہاں سے کراچی آپ کے سسرال میں موجود ہیں۔''

''تو اس قصے سے میرا کیا تعلق؟''

''وہی تو بتا رہا ہوں۔ آپ کی بیگم ہمارے پاس ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ جتنی جلدی آپ ہماری بیگم صاحبہ کو ہم تک واپس پہنچائیں گے اتنی جلدی آپ اپنی بیگم کو واپس لے لیں گے۔''

''کیا بکواس ہے یہ؟'' دوسری طرف سمعان کچھ بھی نہ سمجھ سکا تھا کہ یہ اصل میں قصہ کیا ہے؟ جہاں تک اسے معلوم تھا کہ نویرہ کا شوہر اسے چھوڑ چکا تھا تو پھر یہ شوہر کہاں سے اُگ آیا اور امجد تو کہہ رہا تھا کہ پولیس کی ریڈ ہوئی تھی تو یہ کون لوگ ہیں؟

''لیں اپنی بیگم سے بات کریں۔ باقی کا سپاس نامہ آپ کو یہ سنا دیں گی۔'' شارق نے موبائل زرش کو تھما دیا تھا۔

''سمعان! آپ کدھر ہیں۔ پلیز یہاں آ جائیں۔'' وہ اگلے ہی پل رو دی تھی۔

''زرش یہ کیا قصہ ہے؟ نویرہ تو امجد کی کزن تھی نا اور اس کا شوہر اسے چھوڑ چکا تھا تو پھر یہ شخص کون ہے اور تم کہاں ہو اس وقت، کیسے لوگ ہیں یہ۔''

''میں ٹھیک ہوں۔ یہ نویرہ کے شوہر ہی ہیں۔ جو آپ کو بتایا وہ سب جھوٹ تھا۔ آپ باقی کی باتیں نویرہ سے پوچھ لیں۔ وہ آپ کو سب بتا دیں گی۔ آپ وہاں جا کر نویرہ سے میری بات کروائیے گا۔''

''زرش.....'' سمعان ابھی تک سب جھوٹ تھا کے ہی الفاظ پر الجھا ہوا تھا۔

اس نے موبائل کان سے ہٹایا تو شارق نے اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

''ہو گئی بات..... آپ ہماری التماس پر عمل کریں، جتنی جلدی لے کر ہماری بیگم کو ہم تک پہنچیں گے اتنی جلدی ہم آپ کی بیگم آپ کے حوالے کر دیں گے۔ یہ ہماری چھوٹی بہن کی طرح ہیں۔ بڑی عزت سے ہم نے رکھا ہوا ہے۔ لیڈیز کانسٹیبل کے علاوہ کسی نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا۔ ہم عزت و آبرو پر مر مٹنے والے لوگ ہیں۔ میں عزت دار گھرانے سے ہوں، گھریلو جھگڑے تو چلتے رہتے ہیں، خیر کب تک پہنچ رہے ہیں پھر آپ یہاں؟''

''میں نویرہ سے جا کر بات کرتا ہوں پھر آپ کو کال کرتا ہوں۔'' اس عالم میں بھی سمعان نے اپنے اعصاب کو مکمل کنٹرول میں رکھا ہوا تھا۔

''میں انتظار کروں گا اور ایک بات، کال آپ کی بیگم کے موبائل سے ہو رہی ہے۔ اس وقت آپ کی بیگم کو پولیس کی حراست کے بجائے رہائشی علاقے میں بڑی عزت کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ کسی بھی قسم کی کوئی ہوشیاری دکھانے کی صورت میں نقصان آپ کا ہی ہوگا۔ ہمیں ہماری بیگم اور بچہ چاہیے، آپ کی بیگم کی واپسی کی صرف یہی ایک صورت ہے۔ کال نوٹ کر کے بے شک فورس کا استعمال کروا سکتے ہیں پھر ہماری فورس بھی دیکھ لیجیے گا، اللہ حافظ، امید ہے سمجھدار ہیں، مکمل تعاون کریں گے۔''

شارق نے موبائل آف کر دیا تھا۔

''کھانا کھائیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو ہمیں کہیں۔ آپ ہماری مہمان ہیں، میں باہر ہی ہوں۔ آپ کے شوہر کی کال آتی ہے تو میں بات کروا دوں گا۔'' وہ اسے ہدایات دے کر باہر نکل گیا تھا اور زرش کے آنسو برسنے لگے تھے۔

شارق زمان کی کال بند ہوئی تو سمعان کو اپنے اعصاب بکھرتے محسوس ہوئے، امجد کی کزن نویرہ تھی تو یہ کیا قصہ تھا۔

اس نے امجد کو کال کرنے کے بجائے خود نویرہ کے پاس جانے کو ترجیح دی تھی۔

اپنا بیگ وہ پہلے ہی تیار کر چکا تھا، گھر والوں کو لاہور جانے کا کہہ کر وہ چچا کے گھر چلا آیا تھا۔

''نویرہ کہاں ہیں؟'' چچی سے سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا تو انہوں نے زرش کے کمرے کی طرف اشارہ کر دیا۔

''میں لاہور جا رہا ہوں، سوچا ان سے بھی پوچھ لوں۔ اگر ان کا ارادہ ہے تو لے چلتا ہوں۔ ویسے بھی زرش وہاں اکیلی ہے انہیں اس کے پاس ہی ہونا چاہیے۔''

''ہاں! تم بات کر لو، اِدھر ہی ہے۔''

وہ کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ دروازے پر دستک دے کر اجازت کا انتظار کیا تھا۔

''آ جائیں.....''

سمعان اندر داخل ہوا تو نویرہ مصحف کو سُلا رہی تھی۔ سمعان کو دیکھ کر اس نے فوراً اپنا دوپٹہ درست کیا تھا۔

سمعان اس کے انداز پر بغیر اس کو دیکھے کرسی پر ٹک گیا تھا۔

''مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے، میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ امید ہے آپ میری بات غور اور توجہ سے سُنیں گی۔''

''یہ شارق زمان کون ہے؟'' نویرہ نے ایک دم سٹپٹا کر سمعان کو دیکھا، وہ سر جھکائے ہوئے تھے۔

''دیکھیں آپ کو واضح کر دیتا ہوں کہ آپ کے شوہر شارق صاحب زرش کو پولیس کی مدد سے غائب کروا چکے ہیں، ان کی ڈیمانڈ ہے کہ آپ کو ان تک پہنچا دوں تو وہ زرش کو چھوڑ دیں گے۔''

''کیا.....؟'' نویرہ کو لگا اس کے اعصاب پر بم پھٹا ہے، بے یقینی سے منہ پر ہاتھ رکھے گم صم سی تھی۔

"یہ اصل میں قصہ کیا ہے؟ مجھے نہیں پتا۔ زرش کے بقول مجھے جو کچھ بتایا گیا وہ سب جھوٹ تھا۔ امجد سے ابھی میری بات نہیں ہوئی، جا کر اس کی بھی برین واشنگ کروں گا مگر اس سے پہلے آپ مجھے سب حقیقت بتائیں گی۔ میرے پاس وقت کم ہے، شام کی فلائٹ سے مجھے لاہور جانا ہے اور آپ بھی میرے ساتھ چل رہی ہیں۔ اس لیے آپ کو تیاری بھی کرنا ہوگی، سو آرام سے سکون سے تمام حقیقت بتادیں۔" نویرہ کے پاس اب کوئی چارہ نہ رہا تھا، اس نے آہستہ آہستہ سب کہہ ڈالا اور سمعان نے بڑے تاسف سے اسے دیکھا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے۔ زرش تو تھی ہی بے وقوف اور آپ جیسی خاتون نے بھی اس کی بے وقوفی میں اس کا ساتھ دیا۔ اگر آپ یہ قدم اٹھا بھی چکی تھیں تو کم از کم میرے نالج میں تمام حقیقت تو آنے دیتیں۔ اب یہ جو صورت حال پیدا ہوئی ہے، یہ تو نہ ہوتی۔ آپ تیاری کرلیں، آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں، آپ کے شوہر کی یہی شرط ہے زرش کو چھوڑنے کی۔ اگر میرے اختیار میں کچھ ہوتا تو میں شاید آپ کی ضرور مدد کرتا۔" سمعان کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں ٹکٹس کنفرم کروالیتا ہوں تب تک آپ تیاری کرلیں۔ ہمیں آج ہی روانہ ہونا ہے۔" سمعان اسے ہدایت دے کر رُکا تھا۔

"اگر آپ کہیں تو میں آپ کے شوہر سے بات کروادیتا ہوں۔" نویرہ چپ ہی رہی تو اس نے کال ملا کر موبائل اسے تھما دیا تھا۔

"ہیلو....." ائرپیس سے شارق زمان کی آواز سنائی دی تو نویرہ کا جی چاہا کہ موبائل دیوار پر دے مارے۔ سمعان سامنے ہی کھڑا تھا اسے مجبوراً بات کرنا پڑ رہی تھی، مگر.....

"زرش کہاں ہے؟" لہجے میں دنیا جہاں کی ناگواری سمٹ آئی تھی۔

"ارے! زہے نصیب.....نویرہ صاحبہ بات کررہی ہیں؟ کہیے کیسی ہیں؟ مزاج بخیر ہیں؟" سمعان کمرے سے نکل گیا تھا۔

"شارق زمان میرے ضبط کو مت آزماؤ۔ مجھے زرش سے بات کرنی ہے، بات کرواؤ اس سے۔"

"فکر نہ کرو، بڑی موج میں ہیں آپ کی زرش صاحبہ! پہلے مجھ سے معاملات صاف کرلو پھر اس کی بھی باری آجائے گی۔"

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔ دھوکے باز، فریبی انسان..... زندگی عذاب بنادی ہے تم نے میری۔ اب کس کے درد اُٹھ رہے ہیں۔ ایک بدکردار عورت تمہاری بیوی تھی اس نے خود کو تم سے دور کرلیا اب کیوں تکلیف ہورہی ہے۔ کیوں پیچھے پڑ گئے ہو۔" وہ پھنکاری تھی۔

"واپس آجاؤ۔ پھر محبت اور سلیقے سے ساری بات سمجھاؤں گا کہ کیا تکلیف ہے اور کیوں پیچھے پڑ گیا ہوں۔"

"گھٹیا ترین انسان ہو تم۔" وہ بڑے ضبط سے بولی تھی۔

"خیر تمہارا شوہر ہوں۔ تمہارے بچے کا باپ ہوں۔ اب کیا کرسکتا ہوں۔" اس نے بھی جلانے میں

کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

"کیوں کیا تم نے زرش کے ساتھ ایسا؟"

"اس کو ہماری لغت میں کارڈ کھیلنا کہتے ہیں میری معصوم بیگم! تم جیسی منہ زور بیوی کو کھونٹے سے باندھنے کا یہی طریقہ سمجھ میں آیا تھا۔ یعنی سمعان احمد لاکھ انسانیت بھی نبھالے مگر تم اسے اپنی بیوی سے بڑھ کر تو نہیں ہوگی اور اپنی بیوی کے بدلے وہ تمہیں میرے پاس چھوڑ کر جائے گا۔ یعنی کہ بیگم کے بدلے بیگم....." وہ آخر میں بڑے مزے سے گنگنایا تھا۔ نویرہ نے سختی سے ہونٹ دانتوں تلے دبالیے۔

"تو پھر آرہی ہو نا؟" وہ پوچھ رہا تھا، نویرہ نے اسے کوئی جواب دینے کے بجائے موبائل آف کردیا تھا۔

اب واپسی کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا تھا۔ بے اختیار آنکھوں میں آنسو آتے چلے گئے۔

❁.....❁.....❁

سمعان کو رات آٹھ بجے کے قریب کی فلائٹ ملی تھی۔ ایک گھنٹے میں وہ لاہور پہنچے تھے۔ امجد گاڑی لیے پہلے ہی ائرپورٹ پر تھا۔ سمعان سے اسے اس جھوٹ میں ان دونوں کا ساتھ دینے پر جو سخت سست سننے کو ملی تھی اس کا بیان ہی نہیں تھا۔

گھر آکر سمعان نے شارق زمان سے رابطہ کیا تھا۔ اس نے اپنے کسی آدمی کو خود لینے کو بھیجا تھا۔

دس بجے کے قریب اس کا آدمی آیا تو وہ اس کے ساتھ اس جگہ پہنچے جہاں اس نے بلوایا تھا۔

گاڑی ایک وسیع لان میں جا کر رُکی تو وہ نویرہ کو لیے گاڑی سے اُتر آیا تھا۔ شارق زمان کب سے منتظر تھا، انہیں سامنے دیکھ کر فوراً آگے بڑھا تھا۔ چادر میں چہرہ چھپائے، بچے کو بازوؤں میں لیے نویرہ کو دیکھ کر شارق زمان کو لگا کہ جیسے زندگی لوٹ آئی ہے۔

"خوش آمدید.....! سمعان صاحب آپ تو بڑے سمجھدار اور معاملہ فہم انسان ہیں۔ قسم سے رشک آرہا ہے آپ پر۔" آگے بڑھ کر اس نے سمعان سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

بڑے غصے سے سمعان احمد نے اسے دیکھا اور ہاتھ صاف نظر انداز کردیا تھا۔

"زرش کہاں ہے؟" شارق زمان ہنس دیا۔

"اتنا غصہ دکھانا آپ کا حق ہے۔ خیر آئیں آپ کی بیگم سے ملواتا ہوں۔ آپ بھی آئیں نویرہ جی۔" بڑے مزے سے اس نے نویرہ کو چھیڑا تھا۔ نویرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہنستے مسکراتے شارق زمان کا منہ نوچ لے۔

وہ ان کو لے کر اندر چلا آیا تھا کمرے کا دروازہ کھولتے اس نے ان کو اندر جانے کا اشارہ کیا تھا۔

"زرش!" زرش گھٹنوں میں سر دیے ٹانگوں پر بازو لپیٹے بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ نویرہ کی اس پکار پر تڑپ کر سیدھی ہوئی تھی۔ کمرے میں سمعان اور نویرہ کو دیکھ کر ایک دم بستر سے اُتری تھی۔ نویرہ کے گلے لگ کر بے اختیار سسک اٹھی تھی۔

سمعان لب بھینچے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

مصعب اس افتاد پر ہڑبڑا کر بیدار ہوا تھا اور حلق پھاڑ کر رونا شروع کر دیا۔ شارق زمان نے کمرے میں جھانکا۔

نویرہ ایک بازو میں بچے کو سمیٹے دوسرے ہاتھ سے گلے سے لگی زرش کو بہلا رہی تھی جب کہ سمعان بے تاثر انداز میں صرف کھڑا تھا۔ وہ اندر چلا آیا تھا۔

''لاؤ مجھے دے دو۔'' اس نے مصعب کو نویرہ کے بازو سے نکال لیا تھا۔ والہانہ پن سے اسے چومتے کندھے سے لگالیا تھا۔ نویرہ سمعان کے سامنے کچھ نہ کہہ سکی تھی۔ بس زرش کی کمر سہلاتے اسے مسلسل خاموش کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میرا خیال ہے باقی کا رونا دھونا گھر جا کر کر لینا چاہیے۔ اب چلنا چاہیے۔'' ایک دو منٹ بعد سمعان نے کہا تو زرش گھبرا کر سیدھی ہوئی مگر آنسو تھے کہ رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

''اوکے شارق زمان صاحب! آپ کی بیگم صاحبہ آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ آپ کے گھر کے معاملات میں مجھے مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں اس لیے اجازت دیجیے۔''

''معافی چاہتا ہوں آپ کو بہت زحمت دی مگر ان کو کیسے ہینڈل کرنا تھا اس کے سوا کوئی اور رستا بھی نہیں تھا۔ بے شک اپنی بیگم سے پوچھ لیں بڑی عزت واحترام سے رکھا ہے ہم نے انہیں۔'' مصعب کو کندھے سے لگائے بڑی سنجیدگی سے اس نے کہا تھا۔ سمعان خاموش رہا تھا۔

''یہ رہا آپ کا موبائل۔'' اس نے جیب سے موبائل نکال کر سمعان کو تھما دیا تھا۔

سمعان نے خاموشی سے موبائل جیب میں ڈال کر نویرہ کو دیکھا۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے زرش کو دیکھ رہی تھی۔

''اوکے نویرہ جی! ہم چلتے ہیں۔ یہ آپ کے شوہر ہیں، گھروں میں سو باتیں ہوتی ہیں گھر کی چار دیواری میں ہی حل کر لینا ان کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ تاہم آپ کو میں کبھی غلط نہیں کہوں گا مگر آپ ماشاء اللہ سے سمجھدار ہیں، امید کرتا ہوں آئندہ ایسا انتہائی قدم نہیں اٹھائیں گی۔ چلو زرش.....!'' وہ نویرہ کے پاس رُک کر یہ سب کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا اس کے عقب میں زرش بھی نویرہ سے گلے مل کر خدا حافظ کہہ کر نکل گئی تھی۔

شارق زمان نے مکمل توجہ سے نویرہ کو دیکھا۔ وہ بے زار تاثرات اور سپاٹ نظریں لیے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

''کیا خیال ہے یہیں رات گزارنے کا ارادہ ہے یا پھر گھر چلیں۔ اماں، رفعت باجی تو ہر روز انتظار کرتے سوتی ہیں کہ نجانے تم کب چلی آؤ۔'' اس نے بات کا آغاز کیا تھا۔ ''ویسے اگر صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔'' نویرہ کے قریب آ کر بڑے شرارتی موڈ میں وہ گویا تھا۔ نویرہ نے لب بھینچ لیے۔

''ناراضگی تو تمہاری مجھ سے ہے۔ پھر باقی لوگوں کا کیا قصور تھا؟'' اگلے ہی پل سنجیدہ ہوتے پوچھا تھا مگر نویرہ بھی جیسے قسم کھا کر آئی تھی کہ ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالنا۔

''بڑی حسین ہوگئی ہو۔ تیور تو پہلے ہی بڑے تیکھے تھے، اب اور قاتل ہوگئے ہیں۔ گھائل تو ہم پہلے ہی تھے کیا اب جان سے ہی مارو گی۔'' مصعب کندھے سے لگ کر غنودگی میں چلا گیا تھا اسے بڑے آرام سے بستر پر لٹا کر وہ اس کے پاس چلا آیا تھا۔ اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا نویرہ ایک دم پیچھے ہٹی تھی۔

''حد میں رہو اپنی شارق زمان۔ مجھے اس طرح زیر کر کے اسے اپنی فتح مت سمجھو۔ میں صرف زرش کی وجہ سے آئی ہوں ورنہ کبھی مر کر بھی تمہاری شکل نہ دیکھتی۔''

''چلو تم نہ دیکھنا میں تو صبح وشام تمہاری شکل دیکھنا چاہوں گا۔ آخر بیوی ہو میری اور اس میں بھلا حد والی کون سی بات ہے۔ میاں بیوی میں بھلا کون سی حد؟'' اس نے شارق زمان کو بڑی غیظ بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

''نگاہوں کے تیور نہیں بدلے تمہارے، ویسے تمہاری آنکھوں کو دیکھتا ہوں تو ایک بھولا بسرا شعر یاد آجاتا ہے۔ سناؤں.....''

وہ اس کے سامنے جھکا تھا مگر نویرہ کا وہی انداز تھا وہ کھل کر ہنس دیا۔

''کشتیاں یوں بھی ڈوب جاتی ہیں ناخدا کس لیے ڈراتے ہیں
ایک حسیں آنکھ کے اشارے سے قافلے راہ بھول جاتے ہیں''

بڑے اسٹائل میں شعر داغا گیا تھا۔ نویرہ کو ایک عرصے بعد اپنے دل کی حالت زیروزبر پر ہوتی محسوس ہوئی۔

وہ جھنجلا کر پلٹی تھی۔ بستر پر لیٹے مصعب کو اٹھا کر ساتھ لگالیا تھا، گویا اس کے ننھے معصوم وجود میں پناہ ڈھونڈنا چاہی تھی۔ شارق زمان پھر ہنس دیا اور نویرہ کلس کر رہ گئی۔

''گھر چلیں.....؟'' خاصا جھنجلا کر کہا تو وہ جیسے بے ہوش ہونے کو ہوگیا۔

''اوہ..... مائی گاڈ! تم ہی کہہ رہی ہو نا گھر جانے کا؟''

''ظاہر ہے اِدھر میرے فرشتے تو نہیں ہیں۔ اتنی دور سے اگر میں اب یہاں آ گئی ہوں تو وہاں تک جانے میں بھی کیا حرج ہے۔'' تلخی، کوفت، غم وغصے سے وہ کہہ رہی تھی۔

شارق زمان نے اسے بغور دیکھا اور پھر گہری سانس لی۔

دل تو چاہ رہا تھا کہ اتنے دنوں کا غبار آج ہی نکال دے۔ اتنے دنوں بعد دیکھا تھا نگاہوں کو قرار نہیں آرہا تھا مگر وہ ابھی بھی اسی مقام پر تھی۔ اگر اس مقام پر نہ ہوتی تو شاید یہ حالات نہ ہوتے۔

تائب تو وہ خود ہوا تھا وہ نہیں۔ اس لیے حالات کو اسے اب خود ہی بدلنا تھا۔

اسے نویرہ کو منانے کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔ ایک دم وہ بھلا کیسے سنبھل جاتی؟

''انسپکٹر انجم نے بہت ساتھ دیا ہے میرا۔ اس سلسلے میں کہ تم اس وقت میرے سامنے ہو۔ چلے جاتے ہیں گھر بھی۔ وہاں جا کر تمہیں جس طرح غائب ہونا ہے اچھی طرح علم ہے مجھے۔ کیا خیال ہے آج کی رات اِدھر نہ گزاریں بڑا پُرسکون کمرا؟'' وہ پھر شرارت سے گویا تھا۔

نویرہ آخری جملے پر چیخ گئی تھی۔

"آپ نے ساتھ چلنا ہے تو ٹھیک ورنہ میں خود چلی جاتی ہوں۔ راستہ مجھے اچھی طرح آتا ہے۔"
اس کی شرارت پر اس نے بڑی سنجیدگی سے کہتے اپنا بیگ کندھے پر ڈال لیا۔ اس وقت وہ شولڈر بیگ کے سوا سب سامان زرش کے ہاں ہی چھوڑ آئی تھی کہ پھر کبھی منگوا لے گی۔ شارق کو سنجیدہ ہونا پڑا تھا اور پھر بغور اسے دیکھا۔ وہ چٹانوں کی سی سختی لیے ہوئے تھی۔

"آپ میری ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں شارق صاحب! عورت کو صرف ایک بار گھر کی دہلیز سے قدم باہر نکالنا مشکل ہوتا ہے اس کے بعد اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں رہتا۔ اس کو ایک بار اپنے اندر پلتے خوف کا سر کچلنا پڑتا ہے۔ میں اب بھی وہ ہی نوریہ ہوں۔ وہی نوریہ، جسے آپ رضا کی چند باتوں کے عوض چھوڑ دینے کی بات کرتے تھے۔ مجھے آپ لوگوں سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ میری ذات، میری زندگی تماشا بن گئی ہے مگر میں کسی کو اپنی انا اور اپنے وفا سے کھیلنے کی اجازت نہیں دوں گی۔ آپ نے اور نبیل بھائی نے جو کرنا تھا کرلیا مگر اب آپ کے کسی کھیل کو میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ میں صرف زرش کی وجہ سے دوبارہ آپ جیسے شخص کا سامنا کرنے پر مجبور ہوئی ہوں، مجھے آزمانے کی کوشش مت کیجیے گا۔ اس دفعہ تو آپ نے یہ کارڈز کھیلے اور جیت ہمیشہ کی طرح آپ کا مقدر بھی رہی مگر ہر بار مقدر ساتھ دے جائے، ضروری بھی نہیں۔" وہی بے لچک، کھردرا اور دوٹوک انداز تھا۔ انداز جتاتا ہوا کافی حد تک طنزیہ تھا۔ تنبیہ کرتا لب ولہجہ شارق زمان کی جذباتیت کو ہوا دینے کے لیے کافی تھا مگر ہر بار کی طرح اس نے اس بار جذبات میں کچھ کہنے کے بجائے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

اپنی جذباتیت اور جلد باز طبیعت کے ہاتھوں وہ ایک شدید نقصان بھگت چکا تھا۔ نوریہ حق پر تھی اور وہ غلطیاں کر چکا تھا۔ بڑے سبھاؤ سے اسے اب اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا تھا۔ حالات اپنے حق میں موافق کرنے تھے۔ نوریہ کو خود سے بدظن کرنے والا وہ خود تھا اور اب اسے خود ہی اپنی طرف سے مطمئن کرنا تھا مگر شاید اس میں کچھ وقت درکار تھا۔

"میرا خیال ہے گھر ہی چلنا چاہیے۔ اتنا خراب موڈ ہے تمہارا، گھر جا کر اماں اور رفعت باجی سے مل کر شاید بہتر ہو ہی جائے۔"

نوریہ اپنی تلخ باتوں کے جواب میں اتنا متحمل انداز دیکھ کر لب بھینچ گئی۔ کہنے کو اس کے پاس بہت کچھ تھا۔ یہ شخص اس کے جذبوں کی رسوائی اور ذلت کا قرض دار تھا، مگر.....!

شارق زمان نے اسے اپنے دل کی مزید بھڑاس نکالنے کا موقع ہی نہ دیا تھا۔ اس نے اسے ایک دم چپ سادھ لینے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ حشر نشر کر دے۔

"لاؤ! اسے مجھے دے دو۔" آگے بڑھ کر مصطب کی طرف ہاتھ بڑھاتے اس نے جیسے اس کے غصے سے سرخ چہرے کو دیکھا ہی نہ تھا۔

اتنا ہی اس نے متحمل اور ٹھنڈا مزاج ہونے کا ثبوت دیا تھا کہ جیسے وہ شروع سے ایسا ہی تو تھا۔

ہاتھ بڑھا کر نوریہ کے کندھے سے لگے بیٹے کو اس نے بازوؤں میں بھر کر بڑی محبت سے رخسار پر بوسہ لیا۔ نوریہ بڑے تیکھے اور بگڑے زاویوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اسے شارق زمان کا یہ انداز ڈراما

لگ رہا تھا۔

"چلیں حضور!" انداز ایک بار پھر شرارتی ہوا تھا۔ نوریہ غصے سے پاؤں پٹختی اس سے پہلے ہی کمرے سے باہر نکل آئی۔

شارق زمان نے راستے ہی سے گھر فون کر دیا تھا۔

"آپ کے لیے ایک زبردست خبر ہے۔"

رفعت باجی جو ابھی عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں، شارق کی بات پر چونکی تھیں۔

"کیسی خبر.....؟"

"میں گھر آ رہا ہوں۔ ساتھ ہی خوش خبری لے کر آ رہا ہوں۔ خود ہی دیکھ لیجیے گا۔" بڑے عرصے بعد رفعت باجی کو شارق کی آواز میں چہک محسوس ہوئی۔ ہنستا مسکراتا انداز تھا۔

"اماں کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"کمرے میں..... ابھی شاکرہ کو کہہ آئی ہوں کہ انہیں سونے دے۔"

"اچھا! انہیں کچھ دیر کے لیے سونے مت دیجیے گا۔ میں کچھ دیر میں گھر پہنچ رہا ہوں، اللہ حافظ۔"

اور رفعت باجی پچھلے آدھے گھنٹے سے محو انتظار تھیں، اماں کو اس نے ڈسٹرب تو نہیں کیا تھا مگر وہ ابھی تک اندازہ نہ لگا پائی تھیں کہ ایسی کیا بات تھی جو شارق نے اماں کو جاگتے رہنے کا کہا تھا۔

بارہ بجے کے قریب شارق کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ اپنے کمرے سے نکل آئیں۔ چوکیدار کو پہلے ہی گیٹ پر رہنے کا کہہ چکی تھیں۔ باہر جانے کے بجائے وہ لاؤنج میں ہی آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

"السلام علیکم آپا!" اگلے دو منٹ بعد ہی شارق زمان کی چہکتی آواز سنائی دینے کے ساتھ شارق کے عقب میں انہیں جو چہرہ دکھائی دیا، انہیں لگا کہ زمین و آسمان گھوم گئے ہوں۔

"نوریہ؟" مارے خوشی کے ان کی چیخ نکل گئی۔ "ارے..... نوریہ.....! تم..... کہاں تھیں؟"

اگلے ہی پل وہ خوشی سے بے حال ہوتے اس کو گلے لگا کر رو پڑیں۔ کئی بار ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر نوریہ کی پیشانی چومتے انہیں اس کے اپنے سامنے ہونے پر یقین کرنے میں تامل ہو رہا تھا۔ آپا کے اس والہانہ پن پر نوریہ بھی اپنے آنسو نہ روک پائی تھی۔

خود کو پتھر بنا لیا تو اور بات تھی ورنہ دل تو خون کے آنسو روتا تھا۔ بھلا کوئی خوشی سے بھی ایسی ذلت خریدتا ہے؟

"یہ تم نے کیا کر دیا نوریہ؟ کیوں گئی تم؟ کوئی یوں بھی کرتا ہے؟ اور تم تھیں کہاں اتنا عرصہ.....؟"

کچھ دیر اس کے گلے لگ کر خوب رو دھو کر سر اٹھا کے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ چہرہ صاف کرتے ان سے دور ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

انہوں نے نوریہ کے چپ چاپ انداز پر گھبرا کر شارق کو دیکھا وہ جگمگاتی نگاہوں سے انہیں دیکھ کر مسکرایا۔

"یقین کرلیں، یہ نوریہ ہی ہے۔ بالکل صحیح سلامت۔ مکمل ہوش و حواس میں....." اس کی آواز کی

کھلکھلاہٹ جوں کی توں تھی۔ نویرہ نے ایک سلگتی نگاہ ڈال کر دوپٹے سے چہرہ رگڑ کے اپنے شکستگی کے نشان مٹائے۔

"یہ تمہیں کہاں مل گئی؟ تھی کہاں.....؟" جذباتیت سے نکل کر اب وہ نارمل سوال کر رہی تھیں۔ الجھ کر دونوں کو دیکھا۔ نویرہ تو جوں کی توں ہی تھی مگر شارق.....

"تھیں کہاں؟ یہ کہانی آپ کو یہ خود ہی سنائیں گی اور ہمیں کہاں سے ملیں؟ یوں سمجھیں کارڈز کھیلنا پڑے تھے۔ یہ بھی ایک طرح کا کھیل ہے۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔" نویرہ کا جی چاہا کہ شارق زمان کا ہنستا مسکراتا چہرہ نوچ لے۔

رفعت باجی کے کچھ پلّے نہ پڑا تھا۔

"اماں کہاں ہیں؟"

"سوگئی ہیں۔" ان کا اب دھیان معصب کی طرف گیا تھا جو کہ شارق کے کندھے سے ہی لگا سو رہا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بڑی محبت سے اسے اپنے بازوؤں میں لے کر محبت سے چوما۔ نویرہ چپ چاپ سر جھکائے قالین کو گھور رہی تھی۔

"آؤ نویرہ! اماں سے مل لو..... وہ تو تمہاری یاد میں دن رات آنسو بہاتے گزار رہی تھیں۔ کتنا ڈھونڈا؟ کتنا یاد کیا تمہیں۔ دعائیں، صدقہ خیرات۔ کیا کچھ نہیں کیا ہم نے..... مگر تم تھیں کہاں؟" وہ ایک بار پھر آبدیدہ ہوگئی۔

نویرہ چپ چاپ اٹھ کر ان کے ساتھ ہی چل دی۔ شارق بھی ہمراہ تھا۔ اس نے اماں کو اٹھایا اور اٹھنے کے بعد نویرہ کو اپنے سامنے دیکھ کر پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھیں۔ مگر جب حواس بحال ہوئے تو پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔ نویرہ کو گلے لگا کر ہزاروں شکوے کر ڈالے اور نویرہ کو پہلی بار ندامت کے احساس نے اس طرح جکڑا کہ وہ لاکھ حق پر ہونے کے باوجود اپنی جذباتیت میں یہ قدم غلط اٹھا چکی تھی۔

ایسا قدم جس میں نسلوں کا مان وغرور بکھر جاتا ہے۔ محض ایک شخص کی ضد اور تنگ نظری کے عوض۔ ورنہ وہ تو چادر اور چار دیواری کے تحفظ میں جینے والا وجود تھی۔ اس کی سوچ کو مثبت سے منفی رخ پر ڈھالنے والا کون تھا؟ خوابیدہ معصب کو پیار کرتے، نویرہ کا چہرہ ٹٹولتے بڑی اماں ابھی تک بے یقین سی تھیں۔

شارق کچھ دیر وہاں رہا تھا پھر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس ساری بھاگ دوڑ میں تھکن سے بُرا حال ہو رہا تھا مگر دل و ذہن بڑے تروتازہ تھے کہ نویرہ کا دوبارہ حصول اک نئی زندگی ملنے سے کم نہ تھا۔

زندگی اور موت کا معاملہ تھا یہ تو..... اماں اور رفعت باجی منتظر تھیں کہ وہ کہاں تھی؟ وہ کچھ بتائے اور ان کے بار بار اصرار پر اس نے مختصراً سارا واقعہ کہہ سنایا۔

"اللہ..... دنیا میں اچھے لوگوں کی ابھی کمی نہیں ہے۔ خدا بھلا کرے اس لڑکی کا۔ میرا دل گواہی دیتا تھا کہ تم کسی ایسی ویسی جگہ نہیں جاسکتی ہو۔ باہر کی دنیا ہم سے کب چھپتی ہے بھلا۔ ساری ساری رات

تمہارے لیے عزت و آبرو کی دعائیں مانگتے روتے گزار دی ہے ہم نے۔ مرد تو بہت کچھ کر گزرتے ہیں۔ کچھ نہیں سوچتے۔ تم تو سمجھ دار اور عقل مند تھیں نا! ایسا قدم اٹھانے سے پہلے ایک بار تو سوچا ہوتا۔ تم نے صرف شارق اور نبیل کی ضد دیکھی، ہمارا کسی کا احساس نہ کیا؟" یہ وہ شکوے تھے جو اسے روزانہ یاد آتے تھے اور وہ ہر بار اپنا دل پتھر کا بنا لیتی تھی مگر اب اماں کے منہ سے یہ الفاظ سُن کر کوئی جواب نہ دے سکی تھی کہ اماں کی محبتوں کا کوئی نعم البدل نہ تھا۔ کتنا سارا وقت ہاتھوں میں گزر گیا تھا۔ شارق نے کمرے میں جھانکا تو وہ تینوں باتوں میں مصروف تھیں۔ نیند کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔

"کیا ساری رات باتیں کرتے گزار دینی ہے۔ سونا نہیں ہے؟" شارق کی آواز پر پلٹ کر دیکھا وہ دروازے میں کھڑا تھا۔ اس کے دیکھنے پر مسکرایا تو وہ گردن موڑ کر معصب کو تھپکنے لگی جو پاس ہی بستر پر دراز تھا۔

"ہاں بس سوتے ہیں۔" رفعت باجی کے جواب پر بھی وہ کھڑا رہا۔

نویرہ معصب کو تھپکتے اس کے ساتھ ہی دراز تھی۔ اماں بھی لیٹی ہوئی تھیں۔ البتہ رفعت باجی بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اپنے کمرے میں جا کر سونا تھا۔ بس باتوں میں نیند ہی اُڑ گئی تھی۔ شارق کمرہ ایک دو پل کو اٹھی تھی، نویرہ کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ چند پل بیٹھی سنتی رہی تھی اور پھر نیند میں چلی گئی تھی۔

"تم جا کر سو جاؤ۔ نویرہ اماں کے پاس ہی ہے۔ میں بھی چلتی ہوں۔" رفعت باجی بستر سے اُترتے شارق سے کہہ رہی تھیں۔ شارق نے بغور نویرہ کو دیکھا۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر مکمل طور پر اسے نظر انداز کر گئی۔ رفعت باجی نے نکلنے سے پہلے کمرے کی لائٹ آف کی اور پھر دروازہ بند کرتے شارق کے ساتھ ہی باہر نکل آئی۔

"شارق! میری بات سنو۔" انہوں نے شارق کے ساتھ چلتے کچھ سوچتے اسے پکارا تو وہ رک کر انہیں دیکھنے لگا۔ "نویرہ اور تمہارے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہوگئی ہے جسے ایک دم نہیں پاٹا جاسکتا۔ تمہارے گزشتہ تمام رویوں نے اسے جس حد تک برگشتہ کرنا تھا، کر دیا ہے۔ اب وقت کا انتظار کرو۔ جذباتی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ غلط نہیں تھی، حق پر تھی۔ تمہاری، رضا اور نبیل کی جانب سے اس کے ساتھ جو بھی زیادتیاں کی گئی ہیں، اس نے اس کا سب پر سے اعتبار ختم کر دیا ہے۔ اسے اب سنبھلنے میں کچھ وقت لگے گا۔ جلد بازی یا جذباتیت کا مظاہرہ کرو گے تو اس سے بڑے سنگین نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اپنی جذباتی فطرت کو کنٹرول کرو۔ گھر یوں نہیں بنتے۔ رشتے یوں نہیں قائم ہوتے۔ میاں بیوی کا رشتہ بڑا نازک ہوتا ہے میرے بھائی! بہت کچھ برداشت کرنا اور سہنا پڑتا ہے۔ اپنی انا، وقار اور خواہشات کو گروی رکھنا پڑتا ہے۔ تم اب تک نویرہ کے ساتھ جو بھی کر چکے ہو اس کا نتیجہ دیکھ لیا ہے؟ آئندہ کچھ بھی کرنے سے پہلے سو بار سوچ لینا کہ نویرہ تمہارے کسی وقتی جذبے کا محرک ہی نہیں، تمہارے بچے کی ماں، تمہاری نسل کی امین بھی ہے۔ وہ جن لوگوں میں گئی تھی وہ عزت دار اور اچھے لوگ تھے۔ اس کی عزت و آبرو محفوظ رہی۔ خدانخواستہ غلط ہاتھوں میں چلی جاتی تو نجانے اب تک کیا ہو چکا ہوتا۔ ابھی اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ وہ جس طرح کا بھی ردِعمل ظاہر کرتی ہے، چپ چاپ سہنا

ہوگا کہ ابھی اس کی اَنا اور نسوانیت پر لگنے والی چوٹ کی تکلیف تازہ ہے۔ تم اسے ان لوگوں سے نکلوا کر لائے ہو۔ اسے یہ احساس بھی تکلیف دے رہا ہے۔ آئندہ کے لیے کوئی اقدام سے پہلے نویرہ کے گزشتہ اور موجودہ رویوں کو ضرور ذہن میں رکھنا۔ نیند آ رہی ہے، جا کر سو جاؤ۔ شب بخیر۔'' وہ سب کچھ کہہ کر ایک نظر اس کے چہرے پر ڈال کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور شارق زمان کئی لمحوں تک کھڑا نہ جانے کیا کچھ سوچے گیا کہ اب زندگی صرف جذباتیت کے سہارے گزارنے والی نہ تھی۔

❁.....❁.....❁

شارق زمان کا جو آدمی ان لوگوں کو لے کر آیا تھا اب وہی انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ سمعان احمد نے سارا راستہ اس سے بات کرنا تو دور کی بات اس پر ایک نگاہ تک نہ ڈالی تھی اور زرش سمعان احمد کے خطرناک حد تک سنجیدہ اور سرخ چہرے کو دیکھ کر لرزتی رہی تھی۔ وہ ہولتی رہی کہ اس نے نویرہ کے حوالے سے سمعان احمد سے مصلحتاً جھوٹ بولا تھا۔ مگر اندازہ نہ تھا کہ یہ صورت حال اس طرح رُخ بدلے گی۔ اس کے جھوٹ کا پول اس طرح کھلے گا اور نویرہ کا شوہر ایسا کوئی قدم اٹھائے گا۔

شارق زمان نے اسے کیسے ڈھونڈ نکالا۔ اسے اس ساری صورت حال کا علم ہوا۔ اس کا ذہن سب حالات کو سوچ سوچ کر اتنا تھک چکا تھا کہ اب مارے سر درد کے بُرا حال تھا۔ اوپر سے مسلسل گریہ و زاری اور اب سمعان احمد کا خفگی و ناراضگی کا یہ جان لیوا خوف۔

گھر آنے کے بعد سمعان سیدھا کمرے میں گیا۔ ملازمین جاگ رہے تھے۔ سوائے امجد کے سبھی الجھے ہوئے تھے۔ اسے سامنے دیکھ کر والہانہ خوشی کا اظہار کیا۔ نجانے سمعان احمد نے انہیں کیا کہہ کر مطمئن کیا تھا کہ انہوں نے کوئی سوال و جواب نہیں کیے۔

''سمعان نے تم سے کچھ کہا؟'' سب کو اِدھر اُدھر بھیج کر اس نے امجد سے پوچھا۔

''جی! بہت بُرا بھلا کہا۔ بہت زیادہ.....'' زرش کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ یہ بے چارہ ملازم اس کی وجہ سے بے عزت ہوا تھا۔

''آئی ایم سوری.....!'' وہ اور کہتی بھی کیا۔

امجد کو بھیج کر وہ کمرے میں چلی آئی۔ سمعان شاید واش روم میں تھا۔ دروازہ بند تھا۔ وہ بستر کے کنارے ٹک گئی۔ سمعان واش روم سے نکلا تو اسے بستر پر بیٹھے دیکھ کر اس کے اندر کا اُبال ایک دم بڑھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ ایک منٹ میں ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھے مگر بڑی مشکل سے خود پر قابو کر پایا۔

اس نے کتنے اعتماد سے اس سے جھوٹ بولا اور اس نے اس کے جھوٹ پر یقین بھی کر لیا۔ اگر نویرہ کے بجائے کوئی ایسی ویسی عورت ہوتی یا شارق زمان کی جگہ کوئی غلط لوگ ہوتے تو وہ اس وقت کہاں ہوتی.....؟ اس سوچ سے ہی سمعان احمد کا فشارِ خون بڑھ جاتا تھا۔

سفید شلوار قمیص میں چہرے کو تولیہ سے صاف کرتے زرش کو سمعان کا دراز سراپا ہمیشہ سے بڑھ کر چھایا ہوا لگا۔ بہت کچھ کہنے کی کوشش میں وہ پھر ہمت ہار گئی۔ وہ کیا کہے اور کیسے.....

اب صرف یہ سمعان' وہ سمعان احمد نہیں تھا جس سے تایا زاد کی حیثیت سے بڑی بے تکلفی تھی۔ اس

دراز قامت وجود کے مالک انسان سے صرف نام کا ہی رشتہ نہیں بلکہ دل کے بھی سب جذبے اب اس ایک نام سے جڑے محسوس ہوتے تھے۔ اسے پہلی بار اپنے کسی عمل کی وجہ سے سمعان احمد سے شرمندگی کے ساتھ ساتھ از حد خوف بھی محسوس ہوا۔ نگاہیں اٹھانا دوبھر لگ رہا تھا۔

''آپ..... آپ ناراض ہیں؟'' بڑی ہمت کر کے وہ بولی۔

سمعان نے ایک انتہائی سرد اور سنجیدہ نگاہ اس کی طرف ڈالی تو زرش کو لگا اس کے جسم کا سارا خون جم گیا ہو۔ سمعان نے کبھی ایسے تو نہیں دیکھا تھا۔

''میں نے جان بوجھ کر کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ نویرہ آپی نے خود رابطہ کیا تھا مجھ سے۔ انہوں نے مدد کے لیے کہا تھا اور مجھ سے انکار نہ ہو سکا۔ انہوں نے اِدھر رہنے کو کہا تھا اور مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں آپ انکار نہ کر دیں۔ میں نے صرف مصلحتاً چھپایا تھا۔ مجھ پر یقین کریں پلیز.....'' وہ بستر سے اٹھا کر اس کے سامنے آ کر اٹکتے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''میرا مقصد صرف نویرہ کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔ کچھ اور نہ تھا۔ میں تو.....''

''شٹ اَپ..... جسٹ شٹ اَپ۔''

وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی جب سمعان احمد نے بے پناہ غصے سے اسے ٹوکا اور وہ ایک دَم چپ چاپ سے کھڑی رہ گئی۔

''تم نے مجھ سے جتنے جھوٹ بولنے تھے' بول لیے۔ اب ایک لفظ مزید نہیں۔ اس دنیا میں تمہیں بے وقوف بنانے کے لیے میں ہی ملا تھا؟'' سمعان خود پر کنٹرول کرتے کرتے بھی پھٹ پڑا اور وہ سمعان کے اس انداز پر ایک دَم پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔ سمعان نے کب اس قدر بُرے انداز میں ڈانٹا تھا۔

''تم نے کہا تم کراچی یا اسلام آباد داخلہ نہیں لینا چاہتیں' تم نے اِدھر کا نام لیا اور میں نے سب کی مخالفت کے باوجود تمہیں اِدھر داخلہ دلوا دیا۔ تم ہمارے گھر نہیں جانا چاہتی تھیں۔ تمہارے جذبات کا پورا خیال رکھا، ہر لمحے تمہاری خواہشات کا احترام کیا۔ کیا اسی دن کے لیے یہ سب کیا تھا میں نے.....؟ جس طرح وہ شخص پولیس کے تعاون سے اس گھر میں ریڈ کروا کر تمہیں لے گیا تھا۔ اتنی دور بیٹھا میں بھلا کیا کر سکتا تھا؟ مجھے کیا پتا تھا کہ کون لوگ ہیں؟ کیوں تمہیں لے گئے ہیں؟ اگر وہ خود رابطہ کر کے اپنی ڈیمانڈ نہ بتاتا.....؟ تم نے یہ سوچا کہ چچا اور چچی کو اگر یہ سب پتا چل جائے تو ان کی کیا حالت ہو؟ تم..... تم..... میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں تمہیں شوٹ کر دوں۔'' سمعان کے اندر طوفان برپا تھا اور وہ خود بھی ایک طوفان سے نمٹ کر آئی تھی۔ سمعان کے اس ردعمل نے اس کے اندر سے رہی سہی طاقت بھی چھین لی۔ ایک دم پھُوٹ پھُوٹ کر روتے سمعان کے سینے پر سر رکھ کر سسک اٹھی۔

سمعان پلیز.....!''

اور سمعان جو شدید ٹینشن کا شکار تھا، زرش کی اس حرکت پر لب بھینچ کر چپ چاپ کھڑا رہا۔

''مجھے معاف کر دیں۔ آئی ایم سوری..... آئی ایم سوری۔'' بُری طرح روتی سسکتی سمعان کے سینے کو

آنسوؤں سے بھگوتی اس کے ہونٹوں سے صرف یہی الفاظ نکل رہے تھے اور سمعان یونہی بے تاثر انداز میں کھڑا رہا۔

اس لمحے اسے زرش کا یوں سسک سسک کر ضبط کھونا کسی بھی طرح متاثر نہ کر پایا۔ چند پل اسی طرح کھڑے رہنے کے بعد سمعان احمد نے اسے جھٹکے سے خود سے دور کیا۔

''انتہائی بے وقوف ہوتے ہیں وہ لوگ' جو عمل کرنے سے پہلے سوچتے نہیں اور ان سے زیادہ بے وقوف وہ لوگ ہوتے ہیں، جو غلطی کر کے روتے ہیں۔ یہ تم جیسی بے وقوف عورتیں ہوتی ہیں جو مردوں کو کسی بھی حد تک جانے پر مجبور کرتی ہیں۔ نویرہ کے ساتھ کوئی پرابلم تھا تو گھر کی چار دیواری میں رہ کر کوئی حل ڈھونڈتی۔ محض ضد اور انا میں کسی کو اس کی غلطیوں کا احساس دلانے کے لیے کسی بھی حد سے گزر جانا بے وقوف عورتوں کی خاصیت ہے۔ انجام سے بے پروا ہو کر کچھ بھی کر گزرنا..... تمہاری عقل مندی کی مثالیں تو میرے سامنے ہیں۔ ایک اور مل گئی تمہیں اپنے جیسی.....'' انتہائی تند اور سخت پتھریلے لہجے میں کہتے اسے بے دردی سے پیچھے دھکیل کر سمعان احمد کمرے سے باہر نکل گیا اور زرش کو لگا کہ جیسے زمین و آسمان گھوم گئے ہوں۔ وہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

اس کا اس طرح رو رو کر معافی مانگنا بھی سمعان پر کوئی اثر نہ کر پایا۔ اسے لگا وہ زندگی کی سب سے بڑی بازی ہار گئی ہو۔ اسے لگا جیسے سمعان احمد اسے دوسرے معنوں میں دھتکار کر گیا ہے۔

رفعت باجی نے نبیل کے ہاں فون کر کے صبح صبح نویرہ کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ وہ لوگ تو دور سے آئے تھے اور پھر سارے خاندان میں یہ خبر ایک دم پھیلی تھی۔ جس نے بھی سنا تھا فوراً بڑی اماں کے ہاں پہنچا تھا۔

''کب..... کیسے..... کس طرح.....؟'' یہ ایسے سوال تھے جو کہ ہر ایک کے لبوں سے نکل رہے تھے۔

''وہ تھیں کہاں؟'' نویرہ' رضیہ' چچی' چچا جان' حمیرا وغیرہ نواز حمید چچا' چچی اماں' بھابی' نبیل بھائی' آپا لوگوں کی فیملی سے ہر کوئی اِدھر ہی موجود تھا اور نویرہ کو دیکھ کر جھٹکا لگا تھا کہ نبیل شارق بڑے نارمل انداز میں ایک دوسرے کا حال احوال دریافت کر رہے تھے۔ یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی۔ نویرہ کی سمجھ سے یہ سب بالاتر تھا۔

کسی نے اس سے شکوہ تو نہ کیا تھا اور نہ ہی براہِ راست اس سے دریافت کیا تھا مگر بڑی اماں اور رفعت باجی کی زبانی سب کو ہی سارے واقعے کا علم ہو گیا تھا۔

نواز فاروق اصل واقعہ سُن کر ششدر رہ گیا تھا۔

''نویرہ زرش کے ہاں تھی؟'' شارق سے اپنے سوال کا جواب سُن کر یقین پر آمادہ ہی نہ تھا۔

''نویرہ کو بلوا کر تصدیق کر دیتا ہوں۔'' مسکراہٹ تو شارق کے چہرے سے چپک کر ہی رہ گئی تھی۔

نواز چپ سا رہ گیا۔

''مگر تمہارے ساتھ ہی تو اس کے گھر گیا تھا۔ وہ کہیں بھی نہ تھی اور اس کا چوکیدار بھی کہہ رہا تھا کہ وہ وہاں سے چلی گئی ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے ان دونوں کے جھوٹ پر میں نے یقین کر لیا تھا؟ ناممکن۔ میں نے بھی دنیا دیکھ رکھی ہے۔ چہرہ دیکھ کر اندر کا احوال بتا سکتا ہوں۔ بس اتنا کرنا پڑا تھا کہ انجم کی مدد لینا پڑی تھی اور پھر چند گھنٹوں میں نویرہ ہمارے پاس تھی۔'' اس وقت شارق کے کمرے میں وہ دونوں ہی تھے' نواز چونکا۔

''مطلب.....؟''

اور اس کے بعد شارق نے جو قصہ سنایا۔ وہ سب سُن کر نواز کو بہت تکلیف ہوئی۔ نویرہ کے حصول کے لیے زرش کو اٹھوانا..... اسے رہ رہ کر افسوس ہوا۔ اگر وہ کسی حد تک زرش کے خاندانی معاملات سے ظفر اور رومیسہ کی بدولت واقف نہ ہوتا تو بھی اسے اتنی ہی تکلیف ہوتی۔ شارق زرش کو اس طرح استعمال کرنا جائز سمجھ رہا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ حساس سی لڑکی کس حد تک اس سارے واقعے سے متاثر ہوئی ہوگی۔

اس کی ذات کس طرح بکھری ہوگی؟ اور سمعان احمد' اس کا کیا ردِعمل ہوگا؟ وہ لوگ اصل حقائق سے واقف ہوں گے یا نہیں.....؟ نواز سب سُن کر بہت الجھ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے نکل آیا۔

گاڑی میں بیٹھ کر اس نے سب سے پہلے زرش سے رابطہ کیا۔ کال ریسیو کرنے والی زرش نہ تھی۔ مردانہ آواز سُن کر نواز چند پل رُکا۔

''ہیلو.....! کون؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''میں نواز فاروق بات کر رہا ہوں۔ کیا زرش سے بات ہو سکتی ہے؟'' اس نے بڑے شائستہ انداز میں اپنا تعارف کروایا۔

''اوہ! نواز فاروق صاحب! کہیے کیسے ہیں آپ.....''

''مگر آپ.....''

''سمعان احمد بات کر رہا ہوں..... زرش سُو رہی ہیں۔''

''اوہ! کیسے ہیں آپ سمعان؟ آپ کے ایکسیڈنٹ کا سُن کر دُکھ ہوا تھا۔ پچھلے دنوں کراچی جانا بھی ہوا مگر آپ کی عیادت کا موقع نہ مل سکا۔ اب طبیعت کیسی ہے؟''

''اللہ کا شکر ہے۔'' سمعان کا بڑا سنجیدہ انداز تھا۔

''میں نویرہ اور شارق کا کزن ہوں۔ ابھی ان لوگوں سے مل کر سارے حالات جان کر ہی آ رہا ہوں۔ بس زرش کی طبیعت دریافت کرنا تھی' اسی لیے کال کی تھی۔'' نواز نے وضاحت کرنا لازمی سمجھا اور سمعان دوسری طرف اس نئے تعلق پر اور بھی حیران ہوا۔

باتوں کے دوران نواز سب کہتا چلا گیا کہ شارق زمان نے کس طرح چند بار نویرہ کے ہمراہ زرش کو دیکھا تھا اور پھر کیسے اس کے آفس آنے پر زرش کو پہچان لیا اور بعد میں کیا کیا ہوا تھا۔ اگر اس کے علم

میں ہوتا کہ شارق انسپکٹر انجم وغیرہ کو درمیان میں لائے گا تو وہ ضرور اور ایسی صورت حال قطعی پیدا نہ ہونے دیتا۔ ایک بار پھر سب اصل حقائق جان کر سمعان احمد مضطرب اور سخت انتشار کا شکار ہوا۔

زرش کی بے وقوفی اور کم عقلی پر ایک بار پھر رہ رہ کر تاسف ہوا۔ سمعان کو نواز کی زبانی یہ جان کر بھی حیرت ہوئی تھی کہ نواز آج کل زرش کی یونیورسٹی میں ہی استاد کی حیثیت سے فرائض سرانجام دے رہا ہے جب کہ زرش نے ایسا کچھ بھی ذکر نہ کیا تھا۔ ورنہ وہ اپنی یونیورسٹی کی چھوٹی موٹی ہر بات ضرور اس کو بتاتی تھی۔ نویرہ کی ذات کتنے لوگوں کو مشکل سے دوچار کر گئی تھی۔ کال ختم کرنے کے بعد نواز نے بڑے دکھ سے سوچا تھا۔

نویرہ کی اس سنگین حرکت کی وجہ اگر شارق، رضا اور نبیل کے رویّے تھے تو کہیں نہ کہیں اس کی اپنی ذات بھی ملوث تھی۔ اسے دکھ دینے کا آغاز اسی نے ہی تو کیا تھا، پھر وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں بری الذمہ کیسے ہو سکتا تھا؟

نواز کے اندر کا ملال پھر شدید انداز میں اس کی ذات پر حاوی ہوا تھا۔

''اس سارے واقعے نے اور پھر سمعان کے شدید ردعمل نے اسے اس طرح توڑا کہ وہ صبح تک بخار میں مبتلا ہو گئی تھی۔

سمعان سارا دن گھر سے غائب رہا اور وہ کمرے میں بند۔

''بیگم صاحبہ کو تیز بخار ہے۔'' سمعان مغرب کے بعد گھر لوٹا تو یہ اطلاع ملی۔

''ڈاکٹر کو بلوایا؟''

''نہیں! بیگم صاحبہ نے منع کر دیا تھا۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ سارا دن کمرے میں لیٹی رہی ہیں۔''

''اوہ!'' سمعان کو پھر نئے سرے سے غصہ آیا زرش کی حماقتوں پر۔

''اچھا امجد کو کہو کسی ڈاکٹر کو لائے۔'' ملازمہ کو ہدایت دیتے وہ کمرے میں چلا آیا۔

وہ بستر پر دراز سر تک کمبل تانے لیٹی ہوئی تھی۔

سمعان نے کوٹ اُتار کر صوفے پر ڈالا۔ موبائل اور کی چین ٹیبل پر رکھتے بستر کی طرف چلا آیا۔ کنارے پر ٹکتے اس کے چہرے سے کمبل ہٹایا تو سرخ سوجی آنکھیں سامنے تھیں۔ رو رو کر اس نے چہرے کو سوجا لیا تھا۔ اب بھی سمعان کو دیکھ کر اس نے جلدی سے بازو آنکھوں پر رکھ لیے۔

سمعان کے رویّے نے اسے بہت دکھی کیا تھا۔ وہ اپنی غلطی مان تو رہی تھی۔ معافی بھی مانگی، مگر سمعان نے جواباً جو رویّہ اختیار کیا تھا، اس نے اسے اندرونی طور پر شکست سے دوچار کر دیا تھا۔

سمعان نے بڑی سنجیدگی سے اس کا بازو اس کی آنکھوں سے ہٹایا۔ اپنی گرم دہکتی کلائی اس نے سمعان کی گرفت سے کھینچی۔ اسے کافی تیز بخار تھا۔ کلائی سے سمعان نے یہی انداز لگایا۔

''ملازمہ بتا رہی تھی کہ تم نے سارا دن کچھ بھی نہیں کھایا پیا.....؟'' اپنی اسی سنجیدگی سے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

زرش کو یاد آیا کہ اس نے کل دوپہر کے بعد کھانا تو دور کی بات ایک گھونٹ پانی تک حلق سے نہ اتارا تھا۔

''مرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے تم نے؟'' کوئی جواب نہ پا کر کہا۔

''آپ کو اس سے کیا.....؟ جائیں یہاں سے.....'' بخار اور آنسوؤں سے بوجھل آواز میں کہتے اس نے رُخ موڑ لیا۔

''زرش! آخر تم اتنی جذباتی کیوں ہو؟ آرام سے اٹھ کر بیٹھو۔ ملازمہ کو بھیجتا ہوں کھانا کھاؤ۔ اتنی دیر میں امجد ڈاکٹر کو لے کر آ جاتا ہے۔ رونا دھونا بند کرو۔'' سمعان اسے ٹوک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ سمعان کے اس لب و لہجے پر اور رونا آیا۔ ذرا بھی تو ہمدردی نہ تھی۔

سمعان باہر نکل گیا تھا کچھ دیر میں ملازمہ کھانا لے کر آئی تو اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔

سمعان نے بڑے دُکھ سے اسے دیکھا۔ ملازمہ کو جانے کا اشارہ کر کے اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

''پلیز زرش! جو شدید نقصان ہوتے ہوتے رہ گیا ہے کیا اس پر مجھے اتنا بھی غصہ کرنے یا باز پرس کا حق نہیں ہے؟ خدانخواستہ تم غلط ہاتھوں میں پہنچ جاتیں تو.....؟'' زرش اسی طرح لیٹی، آنسو بہاتی رہی۔

''ٹھیک ہے اس موضوع کو اب اِدھر ہی ختم کر دو۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اس پر اب ماتم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ آئندہ کے لیے سبق سیکھنا ہوگا۔'' تمہاری طبیعت کافی خراب ہے۔ کچھ کھایا پیا بھی نہیں اس طرح تو کمزور ہو گی پلیز، اٹھ کر کچھ کھا لو۔'' اب کے سمعان کے رویّے نے اس پر خاطر خواہ اثر کیا، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''میرا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں کر رہا۔'' آنکھیں ہاتھ سے رگڑتے اس نے کہا تو سمعان نے ایک گہرا سانس لیا۔

''یہ سوپ پی لو..... بخار میں افاقہ ہوگا..... پھر ڈاکٹر کے آنے پر دوا بھی لے لینا۔'' سمعان نے سوپ کا پیالہ اسے زبردستی تھما دیا۔

سمعان کے بار بار کہنے پر اسے سوپ ختم کرنا ہی پڑا۔ مزید اس سے کچھ بھی نہ کھایا گیا۔

امجد ڈاکٹر کو لے آیا۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد دوا لکھ دی۔ چند ہدایات دے کر وہ چلا گیا۔ امجد نے دوا لا دی۔

''یہ دوا بھی لے لو۔'' سمعان نے چند گولیاں اس کی طرف بڑھائیں تو اس نے سمعان کو دیکھا۔ کل رات والا رویّہ تو نہ تھا مگر سنجیدگی اسی طرح برقرار تھی۔

''آپ ناراض ہیں مجھ سے اب بھی.....؟'' دوا لینے کے بجائے اس نے پوچھا۔

''کیا نہیں ہونا چاہیے؟'' سمعان نے اس کے سرخ چہرے کو بغور دیکھتے الٹا سوال کر دیا۔

''میں نے معافی مانگی ہے، اب بھی مانگتی ہوں۔ میں نے جھوٹ بولا۔ اپنی غلطی قبول بھی کرتی ہوں۔ پھر بھی.....'' وہ بات کرتے کرتے پھر رو دی۔

''پہلے یہ دوا لے لو۔'' سمعان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تمام گولیاں ہتھیلی پر رکھتے اسے مزید رونے سے

روک دیا۔ گولیاں منہ میں رکھ کر اس نے سمعان سے پانی کا گلاس لیا۔

"لیٹ جاؤ اور آرام سے سونے کی کوشش کرو۔ میں اب ناراض نہیں ہوں۔ ہاں' تمہاری حماقت پر غصہ ضرور تھا۔ اب مزید کچھ کہنے سننے کا کوئی فائدہ نہیں۔" وہ لیٹ گئی۔ بخار واقعی تیز تھا کہ اس سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ "تمہارے سر نواز فاروق کی اور نویرہ کی کالز آئی تھیں۔ وہ دونوں تمہارا پوچھ رہے تھے۔" سمعان اٹھ کر دوسری طرف آ کر بیٹھا۔ "نواز فاروق تمہاری یونیورسٹی میں ہی ہوتے ہیں' تم نے کبھی ذکر نہیں کیا؟" زرش نے اندازہ لگانا چاہا کہ سمعان کن معنوں میں سر کا ذکر کر رہا ہے۔ مگر سمعان کے تاثرات سے کچھ بھی نہ اخذ کر پائی۔

"خیال نہیں رہا ہوگا اور پھر آپ کے ایکسیڈنٹ سے پہلے میں نے جب بھی کال کی' آپ کا رویہ ایسا تھا کہ بہت سی لازمی باتیں بھی بیان کرنے کا کبھی موقع نہ ملا اور جب کراچی آئی ہوں آپ نے نہ ہی خود سے کبھی کال کی اور نہ ہی کبھی میری کال ریسیو کی۔" شکوہ اس کے لبوں سے بھی پھسل گیا تھا۔ آنکھوں پر بازو رکھ کر وہ سمعان کی طرف سے کروٹ بدل گئی۔ سر نواز کا اس وقت ذکر کرنا اسے بہت بُرا لگا تھا۔ یوں لگا کہ جیسے کوئی پرانا زخم چھیڑ دیا گیا ہو۔

سمعان نے اسے رُخ موڑتے دیکھا۔ کتنی بڑی خلیج حائل تھی دونوں کے درمیان..... ایک دم سے احساس ہوا۔ سمعان کو فوراً اندازہ ہوا تھا کہ سر نواز فاروق کے ذکر سے اسے دکھ ہوا ہے۔

"آئی ایم سوری! میں نے سرسری سا ذکر کیا تھا۔ میرا مقصد نواز فاروق کے ذکر سے تمہیں دکھی کرنا نہیں تھا۔" سمعان نے فوراً معذرت کی۔

مگر وہ چپ ہی رہی بلکہ کمبل سر تک تان گئی تھی۔ وہ اب کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

✿.....✿.....✿

اگلے دو دن میں اس کا بخار اتر گیا۔ اس کی طبیعت کافی سنبھل گئی تھی۔ اس دوران نویرہ رفعت باجی کے ساتھ اس کی عیادت کو آئی تھی۔ شارق ان کو چھوڑ گیا تھا وہ دو گھنٹے رُکی تھیں۔ واپسی پر شارق زمان ہی انہیں لینے آیا تھا۔

سمعان جلدی گھر آ گیا تھا۔ وہ بھی رفعت باجی اور نویرہ سے ملا تھا اور پھر شارق زمان کی آمد پر اس نے اسے اندر ہی بلوا لیا تھا۔

شارق زمان جو بھی کر چکا تھا۔ وہ سب ایک طرف مگر سمعان بھی قبول کرتا تھا کہ اس نے زرش کے ساتھ کوئی مس بی ہیونہ کیا تھا بلکہ اسے عزت سے رکھا تھا۔

شارق زمان سے گفتگو کے بعد سمعان کو اندازہ ہوا کہ یہ شخص اتنا بھی بُرا نہ تھا جتنا نویرہ کی باتوں سے ان لوگوں نے سمجھا تھا بلکہ سمعان کو وہ خاصا متاثر کن اور دلچسپ شخصیت کا مالک لگا۔

سمعان نے ان لوگوں کو رات کے کھانے پر روک لیا تھا۔ زرش کے لیے یہ بڑی حیران کن بات تھی۔ سمعان اس سے ناراضگی کا اظہار کر کے اور شارق زمان کو اہمیت دے' نہ سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ کھانے بعد انہوں نے جانے کی اجازت چاہی۔

"اوکے سمعان احمد صاحب! اب اجازت دیجیے۔ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ جیسا سُنا اس سے بڑھ کر پایا۔ پہلی ملاقات تو انتہائی کشیدگی میں ہوئی تھی۔ اپنے اس فعل پر معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ خیر کسی دن چکر لگائیے گا ہمارے ہاں۔"

"سوری! کل تو میں واپس کراچی جا رہا ہوں' پھر کبھی سہی....."

زرش نے چونک کر سمعان کو دیکھا مگر پوچھ نہ سکی۔

ان کو رخصت کر کے وہ واپس اندر آئے تو زرش کے ذہن میں ابھی بھی وہی بات اٹکی ہوئی تھی۔

"آپ واپس جا رہے ہیں کل؟" سمعان کے اندر آنے پر اس نے پوچھا۔

"ہوں....." سمعان نے اسے دیکھا۔ وہ الجھی ہوئی تھی۔ "میں چاہتا ہوں تم بھی کل میرے ساتھ چلو۔" اس کی طرف مکمل توجہ دی۔

"مگر پچھلے دنوں گئی تو تھی۔ اب اتنی جلدی دوبارہ جانا کہاں ممکن ہے؟"

"میں صرف کراچی کی ہی نہیں بات کر رہا' بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ گھر چلو۔" اب کے سمعان احمد نے کھل کر بات کی۔

"مگر....." اس نے کچھ کہنا چاہا مگر سمعان احمد نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"میری بات دھیان سے سُن لو زرش! تمہارا یہی مطالبہ تھا کہ امی اپنی غلطیوں کو قبول کریں۔ انہوں نے نا صرف قبول کیا بلکہ تمہارے گھر بھی گئی۔ تم سے بات کرنے مگر تم ان سے ملنے کے بجائے یہاں چلی آئیں۔ کم از کم ان کی بات تو سنتیں۔ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟ اس کے باوجود میں یہاں ہوں تو صرف اس لیے کہ میں کسی بھی بات کو محض انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہتا۔ میں شارق زمان سے مروت برت رہا ہوں تو صرف اس لیے کہ اس سے تمہاری ذات کو مکمل اعتماد اور اطمینان حاصل ہو۔ میری اپنی کوئی غرض نہیں ہے۔ میں اپنے اور تمہارے رشتے کو بچانا چاہتا ہوں۔" وہ طاہرہ بیگم کی غلطیوں کو معاف کر سکتی تھی مگر ہمیشہ کے لیے ان کا سامنا کرنے کا اس میں حوصلہ نہ تھا۔

"مجھے جواب دو ابھی۔ کل میں جا رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ یہ برسوں کی رنجشیں تھیں جس کا انجام چاہتا ہوں۔ ہم کوئی فلمی یا ڈرامائی کردار نہیں ہیں زرش! تم میری بیوی ہو۔ ہمارا رشتہ تو ایک طرف' ہم دونوں ایک دوسرے پر دلی و جذباتی لحاظ سے بھی بہت سے حقوق رکھتے ہیں۔ میں قیامت تک تمہارے لوٹ آنے کا انتظار کر سکتا ہوں مگر یاد رکھنا زرش! وقت ایک دفعہ ہمارے ہاتھ سے پھسل جائے تو کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔" سمعان نے چپ ہو کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے ہونٹ کچلتے عجیب شش و پنج میں تھی۔

"فرح کی شادی ہو رہی ہے۔ سب کے درمیان تمہاری موجودگی بہت اہم ہے اور جہاں تک امی کا معاملہ ہے۔ میں انہیں کھلے دل سے معاف کر چکا ہوں اور میں نہیں چاہوں گا کہ وہ اب خود تم سے بات کریں' وہ ہماری ماں ہیں۔ جو کیا انہوں نے وہ ماضی کا حصہ ہے۔ اس وقت وہ ہمارے لیے مخلص ہیں اور میں انہیں اپنے کسی معاملے میں بے عزت نہیں ہونے دوں گا۔" زرش نے سر اٹھا کر سنجیدگی سے

سمعان احمد کو دیکھا۔

''میں اپنے دل سے ان کے لیے موجود ہر بات کو نکال چکی ہوں۔ میں خود بھی نہیں چاہتی کہ وہ مجھ سے معافی مانگیں مگر میں ان سے کوئی تعلق' کوئی رابطہ بھی نہیں رکھنا چاہتی۔ اسے میری طرف سے کچھ بھی سمجھ لیں۔ مجھے ان کا سامنا نہیں کرنا اور اس کے لیے آپ مجھے مجبور مت کریں۔ ٹھیک ہے' کبھی یہ میری ڈیمانڈ تھی مگر اب نہیں۔'' وہ اپنے دل کی بات کہہ کر سمعان کو دیکھنے لگی۔ جو بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟''

''آخری بھی اور حتمی بھی.....'' اس کے دوٹوک انداز میں فرق نہ آیا۔

''زرش! بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ جب تم پلٹنا چاہو تو واپسی کے سب دروازے بند ہو چکے ہوں۔''

''مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔''

''اور مجھ سے.....؟'' سمعان کا انداز خطرناک حد تک سنجیدہ تھا وہ جھنجلا اٹھی۔

''آپ اپنی بات نہ کریں۔ اس معاملے سے ہٹ کر جو بھی کہیں گے' آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں مگر اس معاملے کو بیچ میں نہ لائیں۔'' سمعان نے بظاہر خود کو نارمل ہی رکھا تھا مگر دل و دماغ میں اک جنگ سی چھڑ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

بہت دنوں بعد رات کے اس پہر جب حمید صاحب' زبیدہ بیگم اور رمشاء ٹی وی کے سامنے بیٹھے کوئی نہ کوئی بات کر رہے ہوتے تو وہ اپنے کمرے میں بند ہو جاتا تھا مگر آج وہ کمرے سے نکل کر باہر آیا تھا۔

جب سے نویرہ واپس لوٹی تھی زبیدہ بیگم نے اس سے رسمی بات چیت شروع کر دی تھی۔ یہی حال حمید صاحب کا بھی تھا۔ انہیں نویرہ کا غم تھا' وجہ بیٹا تھا۔ سو سارا غصہ اسی پر نکالنا تھا مگر جیسے ہی نویرہ لوٹی تھی' رضا سے خود ساختہ ناراضگی بھی جیسے ختم ہو گئی تھی مگر رمشاء ابھی تک اسی مقام پر تھی۔

رضا نے لاؤنج کے دروازے میں قدم رکھا تو حمید صاحب اسے دیکھ کر شفقت سے مسکرائے۔

''آؤ رضا! اِدھر آ جاؤ۔'' وہ باپ کے پاس آ بیٹھا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ زبیدہ بیگم بھی ان کے ساتھ باتوں میں الجھ گئیں۔ جب کہ رمشاء ان تینوں سے بے پروا صرف ٹی وی کی طرف متوجہ تھی۔ باپ اور ماں سے باتوں کے دوران کئی بار اس کا دھیان رمشاء کی طرف گیا۔ مگر اُدھر جیسے کوئی پرواہی نہ تھی۔

وہ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے الجھتے ہی رہے تھے مگر اب رمشاء کی طرف سے مکمل بے نیازی نے رضا حمید کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

نویرہ کو سوچتے اپنے رویوں پر غور کرتے وہ خود بخود رمشاء کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ جب سے اس نے اپنی غلطیوں اپنی شخصیت کے دہرے پن کا جائزہ لیتے سب تسلیم کیا تھا۔ اسے رمشاء کی ذات اور

اس سے جڑے اپنے تعلق کو سمجھنے کا نا صرف موقع ملا تھا بلکہ شعوری کوشش کے نتیجے میں اس کا ذہن جب بھی نویرہ کے تصور میں بھٹکنے کی کوشش کرتا تو وہ اپنے ذہن کو رمشاء کے تصور کی طرف موڑنے کی کوشش کرتا تھا اور آج بھی ایسا ہوا تھا کہ کمرے کی چار دیواری میں بیٹھے جب نویرہ کا تصور اس پر حاوی ہونے کی کوشش کرنے لگا تو وہ گھبرا کر کمرے سے باہر نکل آیا تھا اور اب ماں باپ سے باتیں کرتے اس نے اپنی ساری توجہ رمشاء کی طرف مبذول کرنے کی شعوری کوشش کی تھی۔

اس کی ہر دوسرے لمحے میں پڑنے والی نگاہ کا ارتکاز کہ رمشاء نے بے چین ہو کر رضا کی طرف دیکھا۔ بظاہر وہ ماں باپ کی باتوں میں الجھا ہوا تھا مگر توجہ اسی کی طرف تھی۔

رمشاء نے لب بھینچ کر دوبارہ ٹی وی کی طرف توجہ مبذول کرنے کی کوشش کی۔ رضا نے اس کے دل کی زرخیز زمین کو بنجر اور برباد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ وہ جو کر چکا تھا جس طرح نویرہ کو برباد کرنے کی پلاننگ کی تھی، اس سارے عمل نے اس کی ذات میں خسارے ہی لکھے تھے۔

وہ غلط تھی اس نے اپنی غلطی مان بھی لی تھی مگر اس کے بعد اس کا دل پہلے کی طرح رضا کی طرف مائل نہ ہو پایا تھا۔

اب تو اسے خود بھی اپنے دل کی حالت سے وحشت ہونے لگتی تھی کہ وہ اصل میں کیا تھی اور کیا سے کیا ہو گئی۔ رضا سے الجھنا، نوک جھوک کرنا، ہی تو اس کے دل میں موجود محبت کو ایک نیا رنگ بخشتا تھا۔

اب اس نے لڑنا جھگڑنا، الجھنا اور تکرار کرنا چھوڑ دیا تھا تو لگتا تھا کہ اس کے اندر کی محبت بھی دَم توڑ گئی ہے۔

محبت تو احساسات کا وہ پھول ہے جسے اگر توجہ کا پانی میسر آ جائے تو کھل کر گلاب بن جاتا ہے اور اگر نفرت کی ہَوا چلے تو وہ تند تھپیڑوں کے سامنے بہت دیر تک اپنا وجود بھلا کیا برقرار رکھ پاتا ہے۔ کسی بھی لمحے کوئی بھی تند ہَوا اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' وہ بظاہر ٹی وی پر نظریں جمائے درحقیقت سوچ کی وادیوں میں نجانے کہاں کہاں بھٹک رہی تھی کہ پتا ہی نہ چلا کہ کب حمید صاحب اور زبیدہ بیگم سونے کے لیے اٹھ کر چلے گئے تھے اور وہ چونکی تو تب، جب رضا اس سے پوچھ رہا تھا۔

اس نے بس ایک نظر اسے دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اس جگہ بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔

''کہاں چل دیں؟'' رمشاء کے اس رویے سے رضا کو اب تکلیف ہوتی تھی۔ خاموش سنجیدہ چپ چاپ۔ اس کے اٹھنے پر گھبرا گیا تھا۔

''سونے.....'' بڑا سپاٹ سا انداز تھا۔

''تھوڑی دیر تو بیٹھو؟'' وہ اپنے اندر کی آوازوں اور ضمیر کی چبھن سے گھبرا کر ہی تو یہاں آیا تھا اور اب پھر وہی تنہائی، جو اسے پاگل کر دینے والی تھی۔

''کیوں؟'' اس نے بس خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

رضا کے یوں دیکھنے پر رمشاء کے دل کو کوئی مٹھی میں دبا گیا تھا۔ یہ شخص اس سے بات کرنا تو ایک

طرف اسے دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا تھا اور اب تھوڑی دیر رکنے کی استدعا کر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

دل لاکھ بنجر بن جائے، راہ بدل لے، مگر زندگی میں چند پل ایسے ضرور ہوتے ہیں جو انسان کو بالکل بے بس کر دیتے ہیں۔ ان دونوں کا المیہ یہ تھا کہ وہ دونوں ہی جذباتی تھے۔ شاید دونوں ہی قصوروار تھے۔

ایک دوسرے سے باخبر مگر ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہوئے دونوں نے ہی ہمیشہ ایک دوسرے کی ذات کو ہی رگیدا تھا اور اب.....

"رمشاء! کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم مجھے معاف کر دو؟" ایک طویل خاموشی کے وقفے کے بعد رضا نے ہمت کر کے کہا بھی تو کیا..... اور رمشاء مارے استعجاب کے پلک جھپکنا بھول گئی تھی۔

یہ رضا تھا..... رضا حمید.....؟

"میں نے اپنی زندگی میں اتنی غلطیاں کی ہیں کہ اب شاید ہی سر اٹھا کر جی سکوں۔ نوریہ کا چلے جانا اور اب واپس آنا۔ میں چاہوں اور لاکھ حوصلہ بھی کروں تو کبھی ان کے سامنے جا کر ان سے اپنے کیے کی معافی نہیں مانگ سکتا۔ مگر ہاں، جو کر چکا ہوں۔ اس کے لیے امی ابو سے علیحدہ علیحدہ معافی مانگ چکا ہوں۔ شارق بھائی سے پہلے مانگ چکا تھا، آج خالدہ چچی اور نبیل بھائی سے بھی مانگ لی ہے مگر جس سے اصل معافی مانگنی ہے۔ اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں اور نہ ہی شاید اب میں زندگی میں ان کا کبھی سامنا کر پاؤں۔ وہ مجھ سے جتنی بھی نفرت کریں، کم ہے۔ اپنی جذباتی اور دُہری شخصیت کے ہاتھوں اس خاندان کو ایک عظیم نقصان پہنچا چکا ہوں۔ تم سے مجھے ذاتی طور پر کوئی نفرت یا پرخاش نہیں مگر اپنے جذبات کے ہاتھوں بعض اوقات اتنا الجھ جاتا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی تم سے بدسلوکی کر جاتا تھا اور اب اتنا کچھ ہونے کے بعد کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔ سوائے اس کے کہ جس جس کی تکلیف کا سبب بنا ہوں ان سب سے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگ لوں۔" اس نے اپنی طرف حیرانی سے دیکھتی رمشاء کو ایک نظر دیکھا۔

"تم اپنے ہر رویے، ہر فیصلے اور عمل میں حق بجانب ہو۔ تمہیں کسی بھی سلسلے میں مجبوری نہیں ہے۔ ایک عرصہ تک میرے احساسات و جذبات جو بھی رہے اور اب بھی میں جس مقام پر ہوں تمہارے سامنے ہوں۔ میں اپنے آپ کو کسی کے بھی قابل نہیں سمجھتا۔ ہاں اگر تم اپنا ظرف بڑا کرتے ہوئے گزشتہ بدسلوکیوں پر معاف کر دو تو میرے لیے بڑے بخت کی بات ہوگی۔ اس سے بڑھ کر میں تم سے کچھ بھی نہیں چاہتا۔" وہ چپ ہوا تو رمشاء کی حیرانگی ختم ہوئی۔

وہ تو سمجھی تھی کہ اس نے محض پینترا بدلنے کو شارق زمان سے دنیا داری کے لیے معافی مانگی ہے اور اب جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سب ناقابل یقین تھا۔

"ہمارے درمیان موجود رشتہ جو کبھی بھی مجھے قبول نہ تھا اور اب بھی بہت سوچنے کے باوجود مجھے یہ رشتہ مناسب نہیں لگ رہا۔ میری ذات اور گزشتہ تمام احوال تم سے چھپے ہوئے نہیں۔ میں نے اپنی

غلطیاں قبول کرتے اپنے دل کو سمجھایا ہے مگر دل کے معاملات زبردستی سے طے نہیں ہوتے۔ شاید وقت بدل دے مگر زندگی بھر مجھے اپنے ہی احساسات اک چبھن اور تکلیف سے دوچار کرتے رہیں گے کہ میں اسی سزا کے قابل ہوں۔ دل بدلنے کے تجربے تو ہوتے ہیں مگر جذبات احساسات بدلنے کے تجربات کا آج تک سُنا نہیں ورنہ کسی ماہر سے ضرور رابطہ کرتا۔ تم اپنے لیے کوئی بہتر فیصلہ کر لینا۔ میں ابو اور امی کو سمجھا لوں گا تم پر کوئی زبردستی نہیں۔" وہ اپنی بات ختم کر کے اب اسے دیکھ رہا تھا۔ رمشاء سب سمجھ کر بھی کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔

"کیسا فیصلہ....."

"زندگی کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ تمہیں مجھ سے بھلا کیا حاصل ہوتا ہے؟ مجھے اپنی ساری عمر جذبات و احساسات سے لڑتے گزارنا ہوگی تو میری سزا میں تم کیوں حصہ دار بنو؟" اس نے وضاحت کی۔

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ میری محبت تمہارے احساسات و جذبات کو بدل دے۔ رضا! کیا تم مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتے؟" آج اس نے لڑنے کے بجائے تحمل سے بات کرنے کی ابتداء کی تو وہ بھی پرانے تمام رویے ترک کر کے بڑی مروت اور لحاظ سے گویا ہوا۔

"محبت کب دل سے جدا ہوتی ہے۔ زمین بنجر ہو بھی جائے مگر کہیں نہ کہیں کوئی کونا ہرا ضرور رہ جاتا ہے۔ مگر میں خود کو تمہارے کیا، کسی کے بھی قابل نہیں سمجھتا۔ تم مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"تم مجھے سمجھ لو۔ تمہیں اپنے قابل میں خود بنا لوں گی۔"

وہ محبت کا یقین لیے پُر اعتماد تھی اور رضا کئی لمحے تک اسے دیکھتا رہا۔ وہ حسین تھی اور زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی آتا تھا۔

"تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ زندگی گزارنا بچوں کا کھیل نہیں۔"

"دل کے معاملات میں سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہمارا رشتہ طے ہے اور یہ ازل سے طے تھا۔ تم خود اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ میرا اب بھی یہی جواب ہے اور ہر گزرتے دن میں میرے فیصلے میں استحکام ہی آئے گا۔ ان شاء اللہ۔" وہ تمام ناامیدی نفرت بھلائے پھر وہی رمشاء جاوید لگی جو ہر حال میں اس کی ذات میں دلچسپی رکھتی تھی۔ رضا کو لگا وہ اس کی محبت کے آگے ہار جائے گا۔

"رضا! نوریہ تمہاری ذات، احساسات و جذبات کا ایک حصہ تھی اور رہے گی بھی۔ میں اب اتنی بھی بُری نہیں ہوں۔ میں تمہیں غلط نہیں کہتی، مگر ساری عمر ایک پڑاؤ پر رکے رہنا بھی عقل مندی نہیں۔ تمہیں زندگی میں اب نہیں مگر کبھی تو کسی نہ کسی سہارے کی ضرورت ہوگی تو کیا مضائقہ ہے، اگر وہ سہارا میں بن جاؤں؟ نوریہ تمہاری زندگی کا ایک باب تھا اور اب ختم..... زندگی گزارنے کے لیے کوئی وجود بہت ضروری ہوتا ہے رضا! انتہائی نفرت کے باوجود میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میں اپنا رشتہ تم سے ختم کروں گی اور نہ ہی کبھی ایسا ہوگا۔" رضا نے ایک گہری سانس فضا میں خارج کی تھی۔

"میں جو ہوں اور جیسا ہوں۔ اسی صورت میں برداشت کر لو گی؟" وہ سوال کر رہا تھا انداز بڑا سنجیدہ تھا۔

"ہاں! تم جو ہو اور جیسے ہو میں تمہیں برداشت کرلوں گی، محبت کی تھی اور اب بھی ہے۔ جو گزر گیا وہ ماضی تھا اور ماضی پر ماتم بے وقوف لوگ کرتے ہیں۔ اتنی ٹھوکروں کے بعد اتنی تو عقل آ ہی گئی ہے اور میں بے وقوفوں میں شمار نہیں ہونا چاہتی۔" اس نے مسکرا کر کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور اگر زندگی میں تمہیں پچھتانا پڑ جائے تو.....؟"

"تو کوئی بات نہیں، دونوں مل کر اکٹھے پچھتالیں گے۔ محبت میں ساتھ نہ دو مگر پچھتانے میں تو ساتھ دو گے نا۔" وہ بالکل پہلے والی رمشاء جاوید بنی مسکرا رہی تھی۔

اس کے جواب کی برجستگی پر رضا کے ہونٹوں پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ اُبھری۔

اور رمشاء کو لگا وہ بالکل ہلکی پھلکی ہوگئی ہو۔ ایک عرصے بعد اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھنے کو چاہنے لگا۔

"چلو دیکھ لیں گے، آزمالیں گے۔" اپنی ہار کا اعتراف بھی کس صورت میں کیا تھا۔ رمشاء کو ایک دَم ہنسی آ گئی۔

"بے شک آزمالینا۔ ہم اپنے قول و فعل میں پکّے ہیں اور ان شاء اللہ زندگی بھر پکّے رہیں گے۔"

رضا صرف اسے دیکھے گیا وہ مسکراتی ہوئی اچھی لگ رہی تھی۔ پہلی بار اسے بغور دیکھتے اسے اس کی مسکراہٹ بڑی بھلی لگی تھی۔ زندگی سے بھرپور۔

رمشاء وہاں سے نکل گئی تھی اور رضا نے صوفے کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

پہلی بار اس نے خود کو پُرسکون محسوس کیا تھا۔

❁.....❁.....❁

رفعت باجی مصعب کی پیدائش پر پاکستان آئی تھیں۔ چند دنوں کے لیے مگر بعد کے حالات ایسے بگڑتے چلے گئے کہ چاہنے کے باوجود واپس نہ جاسکیں اور اب نویرہ کو واپس اس گھر میں دیکھ کر وہ کچھ مطمئن ہوگئی تھیں۔ نویرہ کی شارق کے لیے بے اعتنائی جوں کی توں تھی۔ ہاں، شارق ضرور بدلا تھا اور اب یقین تھا کہ نویرہ بہت دن تک اپنی ضد برقرار نہ رکھ پائے گی۔ شارق کا جو بھی رویّہ تھا اب نویرہ کے لیے اپنی ضد اور اَنا کو پسِ پشت ڈال کر شارق کی طرف بڑھنے کے علاوہ کوئی اور چارہ باقی نہ تھا۔ اس صورت میں کہ نبیل کے گھر والے بھی شارق سے صلح کر چکے تھے۔

وہ چند دن مزید رُکی تھیں مگر پھر انہوں نے شارق کو کہہ کر واپسی کا ٹکٹ منگوالیا تھا۔ اس دن انہوں نے واپس جانا تھا۔ ایک دن پہلے ہی جا کر وہ سب خاندان والوں سے مل آئی تھیں۔ رات نو بجے کی فلائٹ تھی۔ انہیں ائرپورٹ پر چھوڑنے جانے والوں میں نواز فاروق، نبیل، خالدہ بیگم پہلے ہی ان کے ہاں آ گئے۔ نویرہ کا گھر سے ہی خدا حافظ کہنے کا ارادہ تھا مگر رفعت باجی کے اصرار پر وہ بھی ساتھ جانے کو تیار ہوگئی۔

"تم تو ایسے رہتی ہو کہ نجانے کتنے سالوں کی پرانی دُلہن ہو۔ زیور پہن کر سج سنور کر رہا کرو۔ خیر سے شوہر والی ہو۔" وہ واش روم سے باہر نکلی تو رفعت باجی کے تبصرے پر بڑی جز بز ہوئی۔

"میں بھی کہتی ہوں مگر یہ مانے کسی کی تب نا!" بڑی اماں کو بھی موقع مل گیا تھا۔ سبھی بڑی اماں کے کمرے میں ہی جمع تھے۔ سب کے درمیان اسے بڑی سبکی محسوس ہوئی۔

"یہ زیور پہن لو۔ باہر نکلتے ہوئے اس عمر کی عورتیں سولہ سنگھار کرتی ہیں۔" بڑی اماں نے اٹھ کر الماری سے زیور نکال کر اسے تھما دیا۔

اسے کوفت ہوئی مگر نبیل اور نواز فاروق اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ شارق اپنے کمرے میں چینج کرنے گیا تھا۔ اس نے بغیر کچھ کہے زیور پہن لیا۔ رفعت باجی کے ٹوکنے پر اس نے لپ اسٹک بھی لگالی۔ وضو وہ کر چکی تھی نکلتے نکلتے آٹھ بج جانے تھے۔ سو وہ گھر سے ہی نماز پڑھ کر جانا چاہتی تھی۔ تیار ہو کر سب باہر لاؤنج میں چلے گئے تو اس نے نماز کی نیت باندھ لی۔ تیز ہارن کی آواز پر وہ جائے نماز تہہ کر کے چادر لپیٹ کر باہر نکلی تو بڑی اماں اور اماں کو وہیں لاونج میں دیکھ کر رُک گئی۔ خالدہ بیگم نے ساتھ چلنا تھا مگر وہ یہیں تھیں۔

"آپ نہیں جا رہیں؟"

"نہیں مل تو لیا ہے رفعت سے۔ تم جاؤ میں گھر میں ہی رُکوں گی۔" وہ باہر نکل آئی۔

پچھلی سیٹ پر نواز اور نبیل کے ساتھ رفعت باجی تھیں۔ فرنٹ ڈور شارق نے اس کے لیے کھول رکھا تھا۔ مصعب نبیل کی گود میں تھا۔ وہ چادر سنبھالتی مارے باندھے بیٹھ گئی۔ شارق نے اس کے تیور دیکھے تو ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے مسکراتا دیکھ کر نویرہ کو تاؤ آ گیا تھا مگر اتنے لوگوں کی موجودگی میں کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔

آدھے گھنٹے میں وہ لوگ ائرپورٹ پہنچ گئے تھے۔ وہاں جا کر علم ہوا کہ فلائٹ ایک گھنٹہ لیٹ ہے۔ خدا خدا کر کے وہ وقت گزرا۔ رفعت آپا اسے ڈھیروں نصیحتیں کرتے رخصت ہوئی تھیں۔ کچھ دیر وہ ایئرپورٹ پر ہی رُکے رہے۔ نبیل کچھ کھانے کو لے آیا تھا۔ واپسی کے سفر میں اسے دوبارہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا پڑا۔ مصعب اس دوران سو چکا تھا۔ نواز اور نبیل ان کے ساتھ جانے کے بجائے رستے میں ہی اُترنے پر بضد ہوئے تو شارق نے دونوں کو ان کے گھروں پر اُتار دیا۔ دونوں کے اُترنے کے بعد گاڑی میں اب بالکل خاموشی تھی۔ شارق نے ایک دو بار اسے دیکھا وہ مصعب کو گود میں لیے اس کے وجود کو مکمل طور پر نظر انداز کیے باہر اندھیرے میں جلتی روشنیوں کو دیکھ رہی تھی۔ گھر آنے پر نویرہ نے سکون کا سانس لیا۔ مصعب کو سنبھال کر وہ اندر آئی تو شاکرہ جاگ رہی تھی۔

"اماں اور بڑی اماں سو گئیں؟"

"جی....." خالدہ بیگم بڑی اماں کے بستر پر سو گئی تھیں۔ یعنی آج رات اسے کہیں اور انتظار کرنا تھا۔ وہ کچھ سوچتی کمرے سے نکل آئی۔ سوتے ہوئے مصعب کو اس نے لاؤنج میں آ کر صوفے پر لٹا دیا۔ شاکرہ کو تالے لگانے کی ہدایت دیتے وہ کچن میں چلی آئی۔ مصعب کے لیے فیڈر تیار کرتے کھٹکے پر وہ سمجھی کہ شاکرہ ہے۔

"تالے لگا دیئے ہیں تو مصعب کو گیسٹ روم میں لے جاؤ اور کوئی کمبل لے کر اُدھر ہی آ جاؤ۔ تم

میرے پاس ہی سوجانا۔" دودھ فیڈر میں اُنڈیل کر وہ پلٹی تو شاکرہ کی جگہ شارق زمان کو کچن میں کھڑے دیکھ کر ٹھٹکی، پھر سر جھٹک کر فیڈر بند کرنے لگی۔

"شاکرہ، اماں کے پاس ہی روزانہ کی طرح صوفے پر سوجائے گی۔ معصب میرے کمرے میں ہے۔" اس نے نویرہ کو نظر انداز کرنے پر کہا تو وہ چونک کر پلٹی۔

چادر وہ اندر آ کر صوفے پر ہی اتار کر ڈال آئی تھی۔ گمان نہیں تھا کہ اپنے کمرے میں جا کر شارق باہر آئے گا۔ شارق نے بھرپور نگاہوں سے اس کو دیکھا تو نویرہ کوفت سے دوچار ہوئی۔ چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا۔

"کیوں؟ معصب اِدھر کیوں ہے؟"

"ظاہر ہے جہاں ماں سوئے گی، بچہ بھی وہیں سوئے گا۔" اس نے یوں جواب دیا جیسے وہ بڑی کم عقل ہو۔ نویرہ کا سر پیٹ لینے کو جی چاہا۔

"ہٹیں، پیچھے..... بہت بڑی غلط فہمی سے دوچار ہیں محترم! میں آپ کے گھر میں ہوں مگر اتنی مجبور نہیں ہوئی کہ آپ کے کمرے تک پہنچ جاؤں۔" ایک تو شارق کے جواب اور دوسرا اس کی نگاہوں کے تاثر نے اسے پھر بھڑکایا تھا۔ شارق زمان ہنس دیا۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ بیٹا تو پہنچ گیا ہے، ماں بھی پہنچ جائے گی۔" وہ آرام سے کہہ کر ایک بھرپور نظر اس کے وجود پر ڈال کر دروازے سے ہٹ کر واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ نویرہ لب بھینچے اسے گھورتی رہ گئی۔

اسے قطعی گمان نہیں تھا کہ شارق زمان کوئی ایسی بھی حرکت کر گزرے گا۔ اس نے بھی سوچ لیا کہ وہ کبھی اس کے کمرے میں نہیں جائے گی۔ وہ اماں کے کمرے میں آئی تو شاکرہ سونے لیٹ چکی تھی۔ اسے اٹھا کر اشارے سے باہر آنے کو کہا۔

"معصب شارق کے کمرے میں ہے اسے لے کر میرے پاس آؤ۔"

وہ واپس لاؤنج میں آ گئی۔ اگلے ہی پل حواس باختہ سی شاکرہ واپس خالی ہاتھ آئی تھی۔

"صاحب نے ڈانٹ دیا ہے، کہہ رہے تھے خود آ کر لے جائیں۔ اگر میں دوبارہ ان کے کمرے میں نظر آئی تو میری ٹانگیں توڑ دیں گے۔" نویرہ کا جی چاہا ایک پل میں وہ اس شخص کا حشر نشر کر دے۔

"اچھا تم جاؤ..... دیکھ لیتی ہوں کیا کرلیں گے محترم۔"

اسے بھیج کر وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ چادر اپنے گرد لپیٹ کر وہ خاصی بے حس سی تھی۔ معصب اس کے بغیر نہیں سوتا تھا اور وہ اس کے بغیر۔ کچھ دیر بعد بے چین سی ہو کر شارق کے کمرے تک گئی، مگر پھر ضد اور انا آڑے آ گئی تو واپس پلٹ آئی۔

"میں کیوں جاؤں؟ اس شخص نے اتنی بار مجھے ذلیل کیا۔ میرے کردار پر انگلی اٹھائی۔ ایسے کانوں کے کچے مرد پر کیوں اعتبار کروں؟ اچھی بات ہے، سنبھالے خود بچے کو..... پتا چل جائے گا کہ کیسے سنبھالتے ہیں۔" اپنے آپ کو تسلی دیتے دل سخت کرتے وہ پھر صوفے پر بیٹھ گئی۔

ایک گھنٹہ گزرا تو اسے ہول اٹھنے لگے۔ پتا نہیں معصب سو رہا ہوگا یا نہیں۔ اسے تو بھوک بھی بہت لگتی ہے۔ اس لیے تو وہ اب فیڈر اپنے پاس رکھتی تھی کہ رات کے کسی پہر وہ روئے تو فیڈر دیتی تھی اور اب..... کچھ دیر گزری وہ خود پر زیادہ دیر جبر نہ کر سکی اور اٹھ کر شارق زمان کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ دروازہ ادھ کھلا تھا یوں جیسے اسے واقعی گمان تھا کہ ضرور آئے گی۔ وہ سختی سے لب بھینچے آگے بڑھی تو معصب کے رونے کی آواز آئی۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ رات کے وقت تو اس کے علاوہ کسی اور سے وہ سنبھلتا بھی نہیں تھا۔ نویرہ کو لگا کہ کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ وہ بے قرار سی ہو کر بغیر کچھ سوچے بے دھڑک کمرے میں داخل ہوگئی۔ شارق اسے بازوؤں میں لیے کمرے میں ٹہلتے اسے بہلا رہا تھا مگر وہ چپ ہونے کے بجائے مزید رو رہا تھا۔

"اِدھر دیں۔" اس نے فوراً آگے بڑھ کر شارق کے بازوؤں سے بچے کو لے لیا۔

"میرا بچہ..... میرا چاند....." اس نے اسے ایک دم سینے سے لگا کر اس کا منہ چوما۔ شارق زمان بڑی فاتحانہ نگاہوں سے اسے دیکھ کر دروازہ بند کر کے آگے بڑھا تو نویرہ نے پیچھے ہٹ کر بڑی غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اتنا ظالم، پتھر دل باپ زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔"

شارق زمان ہنس دیا۔

"چلو مانتی ہو ناں کہ یہ میرا ہی بیٹا ہے۔" وہ ماں کے پاس آتے ہی ایک دم چپ ہوگیا تھا۔

"شارق زمان!" وہ سختی سے پکار کر چپ ہوگئی۔

"اسے شاید بھوک لگی ہے۔" اس نے بچے کی طرف توجہ دلائی تو اس نے سسکیاں بھرتے اپنے بیٹے کو دیکھا تو مامتا کے احساس سے چُور ہوتے اس کی پیشانی چوم لی۔ گھر سے نکلنے سے پہلے اسے فیڈ کیا تھا اب بھوک تو لگنا تھی۔ فیڈر وہ صوفے پر ہی رکھ آئی تھی۔

"فیڈر لاؤنج میں صوفے پر پڑا ہے وہ لادیں مجھے۔" مجبوراً اسے کہنا ہی پڑا تھا۔ شارق زمان نے اسے دیکھا وہ سر جھکائے بچے کی طرف متوجہ تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر بغیر کچھ کہے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

نویرہ نے ایک نظر بچے کو اور پھر کھلے دروازے کو دیکھا اور پھر نڈھال سے انداز میں بستر پر ٹک گئی۔ شارق نے فیڈر لا کر اسے تھما دیا تھا۔ سسکیاں بھرتے معصب کے منہ میں فیڈر دے کر ہاتھ سے تھپکتے دوبارہ اسے سلانے میں اسے کچھ دیر لگی تب تک شارق زمان صوفے پر بیٹھا اس کے فارغ ہونے کا منتظر رہا۔ معصب کے سونے کا یقین کر کے اس نے اسے بستر پر لٹا کر کمبل اوڑھایا تو شارق اٹھ کر بستر پر چلا آیا۔

آنکھوں میں اک عجیب سی چمک اور ہونٹوں پر بھرپور مسکراہٹ لیے۔

"آئندہ کے لیے کیا سوچا ہے تم نے؟" ایک دو پل بغور اسے دیکھتے رہنے کے بعد سوال کیا۔

"مطلب.....؟" اس نے تیکھے پن سے شارق زمان کو دیکھا۔

"تم کیوں چاہتی ہو کہ میں تم سے براہِ راست معافی مانگوں۔ کیا تمہیں میرے رویوں سے اندازہ نہیں ہوا کہ اب وہ پہلی والی صورت حال نہیں رہی؟"

"کیوں! اب وہ پہلے والی صورت حال کیوں نہیں رہی؟ میں نئی بن کر آ گئی ہوں یا آپ جناب کی آنکھوں پر بندھی شک کی پٹی اب اتر چکی ہے؟" اس کے لہجے کی کاٹ وہی تھی مگر شارق زمان نے خود کو کنٹرول میں رکھا۔

"ٹھیک ہے، جو ہوا غلط ہے۔ تم بے قصور تھیں، ناحق سزا کاٹی مگر تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہارے معاملے میں، میں کس قدر حساس تھا۔ رضا نے جو بھی بتایا اس سے پہلے تمہیں اس کے ساتھ دیکھ کر میرا دماغ خراب ہوا تھا اور رہی سہی کسر رضا کی ڈائری نے پوری کر دی تھی۔ مگر میری یہ کیفیت چند دن رہی تھی۔ تم دوبارہ اس گھر میں آ گئیں تو سوچا تم سے بات کلیئر کر لوں مگر اس رات تم نے جس طرح علیحدہ کمرے میں رہ کر میرے ساتھ جو رویّہ اختیار کیا۔ اس نے مجھ جیسے ضدی، جذباتی اور اَنا پرست مرد کو اور ہی آتش فشاں بنا دیا تھا۔ میں بھی تمہاری طرح ضد پر اُڑ گیا تھا۔ مجھ سے بڑھ کر تمہارے کردار کی پاکیزگی اور تمہاری پاکدامنی کا کون گواہ ہے؟ تمہاری یہی چیز تو مجھے متاثر کرتی تھی اور میں ہر حد پار کر گیا تھا۔ مگر تم جس طرح ضد پر اتری ہوئی تھیں۔ اس نے مجھے بھی غصہ دلا دیا تھا۔ پھر میں نے سوچا میں تمہیں کیوں تاویلیں دوں۔ کیوں تم سے اپنی چند دنوں کی بھول کی معافی مانگوں۔ تم مجھے اذیت دے رہی تھیں تو میں تمہیں اس سے زیادہ اذیت سے دوچار رکھنا چاہتا تھا مگر معصب کی ولادت کے بعد میرے ارادے بدل گئے تھے۔ تب تمہارا طلاق کا مطالبہ، مجھے لگا تم نے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میں نے تمہیں اتنی مشکلوں سے حاصل کیا تھا۔ بھلا یوں آسانی سے چھوڑ دیتا؟ تم جو کہتیں میں صرف تمہیں سنانے کو ردعمل کے طور پر ساری جوابی کارروائی کرتا تھا۔ حقیقت میں ایسا کچھ بھی نہ تھا اور پھر تمہارا اپنے گھر چلے جانا۔ مجھے بہت بُرا لگا مگر میں کیوں جھکتا؟ کیوں معافی مانگتا؟ نبیل جو کرتا گیا ردعمل کے طور پر میں سب کہتا گیا مجھے انداز ہوتا کہ میرے اور نبیل کے جھگڑے میں تم ایسا قدم اٹھاؤ گی تو شاید میں معافی مانگنے میں پہل کر لیتا۔ اپنی اَنا اور ضد کو مار لیتا..... تمہارے جانے کے بعد لگا کہ جینے کا مقصد ختم ہو گیا ہے۔ صحیح معنوں میں اپنی محبت اور اپنے جذبات کا علم ہوا۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ تم نظر آ گئیں اور اللہ نے تم تک پہنچنے کی کوئی سبیل پیدا کر دی تو اس وقت یہاں ہو۔ خدا کی قسم! اگر تم چند روز اور نہ ملتیں تو میرے ہاتھوں رضا کا قتل ضرور ہو جانا تھا۔ ان دنوں میں اتنا ہی ڈپریشن میں تھا۔ میں تم سے فوراً معافی مانگ لیتا مگر میں تمہیں کچھ وقت دینا چاہتا تھا۔ اب سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ تم جس طرح کہو، میں معافی مانگنے کو تیار ہوں۔ سارے خاندان والوں کے سامنے تم سے شادی کرنے کے واقعات اور نواز کو بہکانے کا جرم بھی قبول کرنے کو تیار ہوں مگر یہ ذہن میں رکھو کہ یہ سب کچھ میں نے صرف اور صرف تمہاری محبت کے لیے کیا تھا۔ رہ گئے نبیل اور ساجد، تو میں ان سے معافی مانگ چکا ہوں۔ وہ معاف کر چکے ہیں۔" نویرہ نے ایک گہری سانس لی۔ بس یہ تھی اس کی ضد اور ساری اَنا۔ اس شخص کے اعترافات میں اس کے سارے مسئلے کا حل پوشیدہ تھا تو اس نے وہ ساری خواری کیوں سہی؟

وہ ساری جگ ہنسائی کس لیے؟

"نویرہ.....!" شارق زمان نے بڑی محبت اور جذب سے پکارا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔

"جو بھی سزا سنانا ہے، سنا دو۔ میں تمہارا مجرم ہوں۔ سزا سننے کا منتظر ہوں۔ اپنے سارے گناہ تمہارے سامنے قبول کر رہا ہوں۔ کچھ تو کہو؟" نویرہ کی آنکھوں سے آنسو بہتے چلے گئے تھے۔

وہ اس وقت کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ اپنی جگہ چٹان کی طرح مضبوط رہنا چاہتی تھی مگر اس کے آنسوؤں نے اسے بھربھری ریت بنا ڈالا اور نجانے کون کون سے دُکھ اس کے آنسوؤں میں آ ٹھہرے۔

"نویرہ!" شارق زمان نے اسے کندھوں سے تھام کر بڑی محبت سے خود میں سمیٹ لیا اور وہ تو جیسے اس سینے کی منتظر تھی، پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

"معاف کر دو گی تو تمہارا ظرف ہوگا۔ کوئی سزا تو سناؤ۔ لگتا ہے صلیب پر لٹکا ہوا ہوں۔ میرا ضمیر دن رات ملامت کرتا ہے۔"

نویرہ کے پاس کہنے کو اتنا کچھ تھا مگر اب زبان گنگ اور ذہن خالی تھا۔ وہ نفرت کو تو سزا سنا سکتی تھی مگر محبت کو کیا سزا سناتی۔ کیا واقعی محبت تھی کہ نہیں.....؟ کہ ہر دور میں عورت لفظ محبت کے نام پر پگھل کر اپنا آپ لٹا رہی ہے۔ لفظ محبت اسے چاروں شانے چت کر ڈالتا ہے اور وہ ہار جاتی ہے۔

وہ تو محبت کے ساتھ لفظ کردار پاکیزگی اور پاکدامنی کی بھی متلاشی تھی۔ پہلی دفعہ بھی اس شخص نے اس کے باکردار ہونے کی گواہی دے کر اسے قبول کیا تو وہ مزاحمت کی ساری راہیں بھول کر اس کے سب حقوق مانتی گئی۔ اس شخص کو اس کی کمزوری کا علم تھا شاید.....

"نویرہ!" اور محبت اس پر مہربان تھی مگر وہ خود کو سنبھالتے سمٹ گئی۔

"مجھے سنبھلنے کا کچھ وقت دیں شارق صاحب! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں، میں ہمیشہ آپ کی وفادار بن کر رہوں گی۔ میری کمزوری میرا کردار ہے۔ بس میرے کردار پر کبھی انگلی نہ اٹھائیے گا۔ اس دفعہ تو میں زندہ ہوں مگر ہر بار میں مضبوطی سے سب سہہ جاؤں، ضروری بھی نہیں۔" شارق زمان نے مسکرا کر اس کے ہاتھ گرفت میں لے کر اسے یقین دلایا۔

❁.....❁.....❁

جوں جوں فرح کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ اس کے اندر کی وحشت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سمعان گیا تو پلٹ کر اس کی خبر تک نہ لی تھی۔ سمعان کا انداز اسے الگ مارے دے رہا تھا مگر وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ سمعان کی ناراضگی کس وجہ سے تھی اور وہ وجہ پوری کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ سو سمعان کے جانے اور پھر رابطہ نہ کرنے پر اس نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ ماما اکثر رابطہ کرتی رہتی تھیں۔ سعد کئی بار فون کر کے اسے کراچی آ جانے کی بات کر چکا تھا۔ مگر وہ ہر بار ٹال جاتی، پھپھو، ماموں بھی کہہ چکے تھے مگر وہ ہر بار "آ جاؤں گی ابھی جلدی کیا ہے" کہہ کر ٹال جاتی مگر کب تک.....

نوریہ ایک دو بار چکر لگا گئی تھی۔ شارق زمان کے ساتھ دیکھ کر زرش کو صاف محسوس ہوگیا کہ دونوں کی صلح ہوگئی ہے تاہم اس نے نوریہ سے پوچھنے سے احتراز ہی برتا تھا۔ فون پر روز بات چیت ہوتی تھی مگر اسے پھر بھی تنہائی کا احساس رہتا۔

وہ یونیورسٹی جارہی تھی اِدھر کی روٹین جوں کی توں تھی۔ ہلچل تو تب مچتی تھی جب کراچی سے کسی نہ کسی کا فون آجاتا تھا۔ تایا ابو نے بھی فون کرکے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ان کے سامنے چپ رہی مگر اپنے دل کا کیا کرتی جو اس گھر میں جانے پر راضی ہی نہیں تھا۔ فرح کی کال آئی تو اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

''فرح پلیز! کچھ بھی کہو میں مان لوں گی مگر یہ بات نہ کہو، یہ میرے بس کا کام نہیں۔'' اور پھر فرح نے دوبارہ کال نہ کی تھی۔

شادی میں صرف ایک ہفتہ رہ گیا تو شائستہ بیگم نے بڑے غصے میں کال کی تھی۔ وہاں تو ہر وقت زرش کی ذات زیر بحث رہتی تھی۔ اب تو سعود احمد بھی خاصے پریشان ہوگئے تھے۔

''زرش! تم ہمیں کیوں بدنام کرانے پر تلی ہوئی ہو؟ تم اتنی ضدی کب سے ہوگئی ہو؟ سمعان جب سے واپس آیا ہے اس نے ایک چکر نہیں لگایا۔ اِدھر سب پریشان ہیں اور تم اُدھر ضد پر اڑی بیٹھی ہو۔''

''ماما! جو کام مجھ سے نہیں ہوسکتا وہ مت کہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ میں آپ کی بات مان کر کراچی آجاتی ہوں۔ میں شادی میں بھی شرکت کرلوں مگر میں تائی بیگم کا سامنا کبھی نہیں کروں گی اور یہ ناممکن سی بات ہے تو پھر وہاں جانے کا فائدہ؟ خاندان میں شادی ہے سعد بھائی کی طرف سے شامل بھی ہولوں تو بھی دوسری طرف کا رویہ نظر انداز کیا جانے والا نہیں ہوگا اور مجھے اس گھر میں نہیں جانا تو پھر دونوں جگہ جانے کا سلسلہ ہی ختم۔'' ماما کے غصے پر اس نے بھی سکون سے کہا۔

''زرش! خدا کے لیے اپنے پاپا کی طبیعت کا ہی احساس کرو۔ کیوں ہم سب کو پریشان کررہی ہو؟'' وہ زِچ ہوگئی۔

''ماما! بات پہلے ہی فائنل اور حتمی ہوچکی ہے۔ اب جتنا بھی کھینچیں گے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پریشان نہ ہوں۔ میں اس وقت کچھ بزی ہوں، پھر بات ہوگی..... اللہ حافظ.....''

ایک ہی بات سُن سُن کر اب وہ بھی ہائپر ہونے لگی تھی۔ یا تو وہ سب کو سمجھ نہیں پارہی تھی یا سب اسے۔ وہ ساری رات اس کی پریشانی میں گزری۔ اگلی صبح بغیر ناشتہ کیے وہ یونیورسٹی چلی آئی۔ دوپہر میں گھر لوٹی تو سمعان احمد کو موجود پاکر جہاں خوشی کا احساس جاگا تھا، وہیں ٹھٹک بھی گئی تھی۔

''السلام علیکم! وہ اندر چلی آئی۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو؟'' سمعان نے اسے بغور دیکھا وہ پزل ہوگئی۔

سمعان کی آمد پر دل دھڑک دھڑک اٹھا۔

''ٹھیک ہوں..... آپ کیسے ہیں؟''

''اللہ کا شکر ہے۔''

اس سوال کے بعد وہ چند پل خاموش رہی۔ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ اب کیا پوچھے۔ جب کہ سمعان بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''ملازمہ کو میں نے کھانے کا کہا ہے۔ سخت بھوک لگی ہے۔ ابھی پانچ منٹ پہلے پہنچا ہوں۔ اگر کچھ کھانے کو ہے تو ٹھیک، ورنہ چلو کسی ہوٹل میں لنچ کرلیتے ہیں۔'' سمعان احمد کے اتنے دنوں کی مسلسل لاتعلقی کے بعد یہ ایک دم کی اپنائیت..... اس نے حیران اور بے یقین نظروں سے سمعان احمد کو دیکھا۔

''کیا خیال ہے؟'' سمعان کے ٹوکنے پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

دو دن سے اس نے ملازمہ سے کچھ بھی خاص نہ پکوایا تھا۔ رات بھی ملازمین کو اپنے لیے پکانے کا کہہ کر خود کمرے میں آگئی تھی اور صبح بھی ناشتہ نہیں کیا تھا۔ سارا دن یونیورسٹی میں بھی خالی پیٹ رہی تھی۔ کچن میں آئی تو دیکھا ملازمہ گوشت دھو رہی تھی۔ سادہ سا سالن بھی بناتے تو بھی کچھ دیر لگ جاتی۔ وہ اسے منع کرکے باہر نکل آئی تھی۔

''کچھ بھی تیار نہیں ہے۔'' اس نے آکر مجرمانہ انداز میں اقرار کیا۔

''وہ تو میں بھی سُن چکا ہوں۔ پرسوں رات سنا تھا کھانا پکا تھا اور اس کے بعد محترمہ فاقوں پر ہیں۔'' یہ طنز کا کون سا انداز تھا۔ زرش نے حیران ہوکر دیکھا۔

''زرش مجھے سمجھ نہیں آرہی تم کیا چاہتی ہو؟ خود سے ہی دشمنی پر تلی ہوئی ہو تم۔ کل دوپہر کو تم نے صرف سلائس لیے تھے رات اور صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ یونیورسٹی میں بھی کچھ کھایا یا نہیں.....؟'' غصے سے ملامت کرتے آخر میں باز پرس ہوئی تو زرش ایک دم خفت کا شکار ہوئی۔ اگر بتاتی تو بھی ڈانٹ یقینی تھی اور نہ بتاتی تو بھی.....

سمعان احمد نے از حد تاسف سے اسے دیکھا۔

''زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس۔ چینج کرنا ہے تو کرلو ورنہ اسی طرح ساتھ چلو۔ پہلے تو پیٹ پوجا کرلیں باقی باتیں بلکہ مذاکرات بعد میں کروں گا تم سے۔ وقت نہیں ہے میرے پاس۔ جلدی کرو۔ کچھ دیر بعد فلائٹ بھی ہے۔''

وہ ناسمجھی سے سمعان کو ہونق ہوکر دیکھنے لگی۔ کچھ بھی پلے نہ پڑا تھا۔

''زرش پلیز! جلدی کرو۔'' اسے یوں ہونقوں کی طرح کھڑے دیکھ کر ٹوکا تو وہ اپنا بیگ لے کر کمرے میں آگئی۔

چینج کرکے اس نے ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک لگائی۔ سمعان کے ساتھ لنچ تھا یہ بات دل کی خوشی کے لیے کافی تھی۔ سمعان کا موڈ کیسا بھی ہو مگر یہ بات کتنا سرور بخش رہی تھی کہ سمعان احمد اس کے پل پل سے باخبر تھا۔ اس کے کھانا نہ کھانے پر پریشان تھا۔ باقی باتیں اسے یاد نہیں تھیں۔ باہر جاتے ہوئے وہ اسکارف ضرور لیتی تھی سوٹ کا ہم رنگ اسکارف پہن کر دوپٹا پنوں سے کندھوں پر سیٹ کرکے، سینڈل کو خوب صورت سفید پاؤں میں پھنسا کر وہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔

وہ کمرے سے باہر آئی تو اس کا منتظر سمعان اس پر سے ایک پل کو نگاہ اٹھانا بھول گیا۔ میک اپ

کے نام پر صرف لپ اسٹک تھی مگر سوٹ اور زرش کا انداز دیکھ کر ضرور چونکا تھا۔

"چلیں....." وہ سمعان کے یوں دیکھنے پر پزل سی ہوگئی۔ سمعان گہری سانس لیتے اٹھ کھڑا ہوا۔ موبائل اور پاس رکھا بریف کیس تھام لیا۔

"گھر واپس نہیں آنا، اِدھر سے ہی فلائٹ ہے۔" زرش نے سمعان کے بریف کیس تھامنے پر سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے وضاحت کی۔

"تو آپ واپس نہیں آئیں گے؟ صرف اتنی دیر کے لیے آئے تھے۔" وہ حیران ہوئی۔

"ہوں....." زرش کو لگا اس کے سب لطیف احساسات نوچ لیے گئے ہوں۔ وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

ہوٹل میں سمعان اسے لے کر فیملی کیبن میں آیا۔ سارے راستے وہ خاموش ہی رہی تھی۔ کھانے کے دوران وہ زیادہ تر خاموش ہی رہی تھی۔ ہوں ہاں سے زیادہ نہ بولی تھی۔ سمعان ہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد سمعان نے اسے بغور دیکھا۔ وہ گُم صم سی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" کھانے کے بعد سمعان نے چائے کا آرڈر کیا تھا۔ زرش نے سر اٹھا کر سمعان کو دیکھا۔

"کچھ نہیں....."

"تم نے پوچھا نہیں میں اس قدر اچانک کیوں آیا ہوں اور اب واپس جانے کی بات کیوں کر رہا ہوں؟" سمعان احمد نے بغور اسے دیکھتے پوچھا تو بھی وہ کچھ نہ بولی۔ "اصولی طور پر تمہیں یہ بات سب سے پہلے ہی پوچھنی چاہئے تھی خیر جب توقع ہی اٹھ گئی ہو تو کیا شکوہ کریں۔" اب اس کا انداز بڑا سنجیدہ اور طنزیہ تھا۔ زرش کو بڑی تکلیف ہوئی مگر وہ پھر بھی چپ رہی۔ ویٹر چائے کے مگ رکھ کر چلا گیا تھا۔

"میں تم سے جب سارے رابطے ختم اور تفصیلی بات کرنے کے بعد ہی میں کراچی گیا تھا۔ تم نے میرے ساتھ کراچی جانے سے انکار کیا تو مجھے لگا بات ختم ہوگئی ہے۔ مگر وہاں جا کر سب کے منہ سے ایک ہی تذکرہ اور پریشانی کا ایک ہی نام سُن سُن کر عاجز آ گیا تو جی چاہا کہ کوئی آخری اور حتمی فیصلہ ہو جائے۔" سمعان احمد کا یہ انداز، الفاظ اور لب و لہجہ اتنا سنگین اور سنجیدہ تھا کہ زرش ششدر سی دیکھتی رہ گئیں۔ "تمہارا آخری فیصلہ جان کر جب میں یہاں سے گیا تو یہی نیت تھی کہ اب اِدھر کا رُخ نہیں کروں گا....." زرش نے ازحد خوف زدہ ہو کر سمعان کے چہرے کی سنجیدگی کو پڑھنا چاہا تھا مگر وہ ناکام رہی۔

"میں واقعی اب ادھر کا رُخ نہ کرتا اگر مجھے اپنی ماں کے واسطوں اور یہاں ان کے خود آنے کی ضد کا خوف نہ ہوتا۔ جس نے بھی تمہیں کال کی تمہارا ایک ہی جواب تھا۔ ایسے میں امی خود آ کر تمہیں منا کر معافی مانگ کر لے جانا چاہتی تھیں اور یہ بات مجھے گوارا نہ تھی۔ سو مجھے ایک دفعہ پھر تمہارے سامنے آنا پڑا۔" اب کے زرش کا ضبط جواب دے گیا۔

"ان سب باتوں کا کیا مطلب؟" وہ چیخ پڑی۔

"بہت صاف اور واضح ہے میں یہاں ٹھہرنے نہیں، تمہیں لے جانے آیا ہوں۔ فرح کی شادی میں

چند دن ہیں اور تمہیں میری بیوی کی حیثیت سے میری بہن کی شادی میں شمولیت کرنا ہوگی۔ میں تمہارا ٹکٹ ساتھ لے کر آیا ہوں۔ گھنٹے بعد کی فلائٹ ہے تب تک تم سوچ لو۔"

"میں انکار کر چکی ہوں، مجھے وہاں نہیں جانا۔" سمعان کے انداز اور لب و لہجے سے زیادہ اس کے الفاظ نے اسے ہراساں کر دیا تھا۔ اس کے باوجود وہ ضدی لہجے میں انکار کر گئی۔

"زرش سوچ سمجھ کر انکار کرنا، یہ آخری بار ہے۔ اس کے بعد تمہیں کوئی بھی کہنے یا منانے نہیں آئے گا۔" سمعان کو زرش کے ضدی انداز پر غصہ تو بہت آیا مگر پھر بھی بڑے تحمل سے گویا ہوا۔

زرش سمعان کے بجائے گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

"زرش! میری طرف دیکھ کر مجھے جواب دو، تم میرے ساتھ کچھ دیر بعد چل رہی ہو یا نہیں؟" سمعان نے ازحد برہمی سے اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے سوال دُہرایا تو زرش نے جھٹکے سے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

"نہیں....." پہلے سے زیادہ ضدی انداز میں کہا۔

"اوکے! ٹھیک ہے۔ اب تمہیں کوئی نہیں کہے گا۔" سمعان ایک دم غصے سے کہہ کر اٹھا اور ویٹر کو اشارہ کیا تو وہ جلد آیا تھا۔ اسے بل لانے کا کہہ کر پھر زرش کو دیکھا۔

"تم دنیا کی بے وقوف ترین لڑکی ہو۔ اپنی ضد اور ذات میں جینے والی جسے دوسروں کی خوشیوں سے کوئی غرض نہیں۔ تم زرش! یہ بات ذہن میں رکھنا، میں اب کے گیا تو پلٹ کر کبھی نہیں آؤں گا۔ میں نے ہر حال میں سمجھوتا کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرح میری بہن ہے۔ اس کی خوشیاں مجھے ہر حال میں عزیز ہیں۔ اس نے مجھ سے ایک فرمائش کی تھی اور اس کی یہ فرمائش پوری نہیں کر پایا، مجھے افسوس رہے گا مگر اس سے بڑھ کر اس بات پر افسوس رہے گا کہ تمہیں زندگی نے سب کچھ دیا۔ مگر تم نے اپنی ضد اور نام نہاد اَنا کے ہاتھوں مجھے کھو دیا۔ میں تم سے رابطہ ہی ختم نہیں کروں گا بلکہ ہر تعلق بھی توڑ دوں گا۔" زندگی میں پہلی بار سمعان کے اندر بلا کی جذباتیت اور وحشت نے سر ابھارا تھا۔ انتہائی غصیلے اور جذباتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

زرش ایک دم ہراساں سی ہوگئی، وہ سمجھ رہی تھی کہ یہ سمعان احمد کے وقتی الفاظ اور غصہ ہے مگر یہ آخری الفاظ..... وہ تڑپ اٹھی۔

اس سے پہلے کہ کچھ کہتی ویٹر بل لے آیا تھا۔ سمعان نے بل ادا کیا۔ پھر اس کی طرف رُخ موڑا۔

"یہ تمہارا ٹکٹ تھا، تم نہیں جا رہیں۔ اب تم آؤ گی بھی تو مجھے کوئی خوشی یا غرض نہیں ہوگی۔" سمعان نے جیب سے ٹکٹ نکال کر دو ٹکڑے کر کے ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ "تم اس گھر میں جانا نہیں چاہتیں، تمہیں اب کوئی مجبور نہیں کرے گا۔ تمہیں امی کا سامنا عمر بھر نہیں کرنا، تمہاری خواہش پوری ہو جائے گی۔ مگر یاد رکھنا، کبھی پلٹ کر اب ان دروازوں پر دستک نہ دینا جو تم اپنے ہاتھوں سے بند کر چکی ہو۔ امجد باہر گاڑی لیے منتظر ہے تمہارا۔ میں جا رہا ہوں..... اللہ حافظ۔"

وہ سمعان کو روکنا چاہتی تھی، آواز دینا چاہتی تھی مگر اسے لگا اس کی آواز حلق میں پھنس گئی ہے۔

"سمعان رُکیں تو..... سمعان....." وہ سمعان کے پیچھے بھاگی۔ روکنا چاہا مگر سمعان بڑے بڑے ڈگ بھرتا ہوٹل کی سیڑھیاں اُتر گیا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے جب تک گاڑی کے قریب پہنچی تو سمعان امجد سے بات کر رہا تھا۔

"سمعان پلیز.....!" سڑک پر کھڑے ہو کر بات کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا مگر اس نے پکارا تو سمعان نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"بات ہو چکی ہے۔ حتمی اور فیصلہ کن۔ تم اپنا فیصلہ سنا چکی ہو۔ اب کچھ بھی کہنا اور کرنا فضول ہے۔" سمعان کا سرد اور برفیلا انداز اس کی ہڈیوں تک کو جما گیا۔

سمعان ٹیکسی روک کر ڈرائیور سے بات کر کے بیٹھ گیا تو زرش کی آنکھیں ایک دم برسنے لگیں۔ دھندلی آنکھوں سے وہ گاڑی کو آنکھوں سے غائب ہوتے دیکھتی رہی تھی۔

"بیگم صاحبہ! چلیے....." امجد مؤدب کھڑا پوچھ رہا تھا۔

اس نے غائب دماغی سے اسے دیکھا۔ وہ کار کا دروازہ کھولے منتظر تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں مگر کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

سمعان احمد کا رویہ لب و لہجہ اور الفاظ اس کے اندر آتش فشاں دہکا گئے تھے۔ وہ خود کو حق بجانب سمجھ رہی تھی مگر جس طرح سمعان احمد گیا تھا اس کے اندر سے ہر احساس گویا مٹ گیا تھا۔

"میں تم سے رابطہ ہی ختم نہیں کروں گا بلکہ ہر تعلق بھی توڑ دوں گا۔" کیسا سنگین انداز اور اشتعال انگیز الفاظ تھے۔ وہ سارے رابطے ختم کیے صرف اپنے آپ سے لڑ رہی تھی۔ سمعان نے اسے تحفظ، محبت، مان، عزت سب کچھ تو دیا تھا پھر کس چیز کی آرزو تھی؟ کیا وہ صرف ایک طاہرہ بیگم کی ذات کی وجہ سے اپنی ذات کی نفی کرتے دل کی خوشی کی خاطر اس رشتے کی قربانی دے دے گی۔

اگلے دو دن وہ موبائل آف کیے سب رابطے ختم کیے صرف اپنی ذات سے لڑتی رہی تھی۔ اپنی ضدی اور انا پرست طبیعت سے الجھ رہی تھی۔ سب کے نزدیک وہ اب غلطی کر رہی تھی تو اس کا اندر اب اسے اس کے غلط ہونے کا احساس کیوں نہیں دلا رہا تھا کیوں وہ خود کو حق پر سمجھتے ہوئے یہ تعلق توڑ رہی تھی۔

دو دن بعد وہ یونیورسٹی آئی تھی۔ اس کی طبیعت سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ کسی عذاب سے گزر رہی ہے۔ سر نواز اسے دو دن بعد اس قدر پژمردہ دیکھ کر حیران ضرور ہوئے تھے۔ وہ طبیعت کی خرابی کا کہہ کر ٹال گئی۔ امجد واپسی پر لینے آیا تو اس نے اسے نوریہ کے ہاں چلنے کا کہا۔ پھر نوریہ کے گلے لگ کر وہ اس قدر شدت سے روئی کہ نوریہ کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

کچھ دیر وہ روتی رہی پھر نوریہ کے بہلانے پر سنبھل گئی تھی۔ اماں اور شاکرہ لاؤنج میں تھیں۔ نوریہ اسے کمرے میں ہی لے آئی تھی۔ کچھ دیر پوچھنے اور کریدنے پر اس نے سب کہہ سنایا تھا اور نوریہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اوہ! مائی گاڈ! زرش مجھے یقین نہیں آ رہا تھا تم اس قدر جذباتیت اور بے وقوفی کا مظاہرہ کرو گی وہ

بھی سمعان احمد کے ساتھ..... اوہ نو۔"

"پلیز میں بہت پریشان ہوں، مزید پریشان مت کریں۔"

نوریہ چپ ہو گئی تھی۔ کھانے کا وقت تھا۔ آج کل شارق دوپہر کا کھانا بھی گھر آ کر کھاتا تھا۔ وہ اسے خود کو سنبھالنے کا کہہ کر باہر آ گئی تھی۔ شاکرہ کو کھانا لگانے کا کہہ کر وہ لاؤنج میں آئی تو شارق آ چکا تھا۔ معصب کو گود میں لیے کھیل رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اماں سے بھی باتیں کر رہا تھا۔

"اماں! میری جو دوست آئی ہے ملنے وہ زرش ہے، وہی جن کے ہاں میں ٹھہری تھی، میں اسے اِدھر ہی لے آتی ہوں۔ بس طبیعت اس کی ٹھیک نہیں تو کمرے میں لے گئی تھی۔" شارق نے نوریہ کو دیکھا وہ کچھ سنجیدہ سی تھی۔

"ہاتھ منہ دھو لیں، کھانا لگ گیا ہے۔ میں زرش کو بھی لے آتی ہوں۔"

شارق کو بھی کہہ کر وہ واپس کمرے میں آئی تو تب تک زرش خود کو خاصا سنبھال چکی تھی۔ اس نے اسے منہ ہاتھ دھو کر اپنے ساتھ ہی کھانے کی ٹیبل پر آنے پر اصرار کیا تو وہ آ گئی تھی۔ اماں سے مل کر شارق کو سلام کر کے اس نے ان کے ساتھ مل کر کھانا کھایا تھا۔ کھانے کے بعد شارق تو چلا گیا تھا کچھ دیر اماں کے پاس بیٹھ کر نوریہ اسے پھر اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔

"سمعان جیسا انسان مقدر سے ملا کرتا ہے زرش! میری تو شارق سے ایک رنجش تھی جب کہ سمعان کے ساتھ تم نے جو سلوک کیا۔ آخر وہ کب تک یہ سب برداشت کرتا؟ ایسے معاملات میں مرد اَنا کا مسئلہ ضرور بنا لیتے ہیں۔ تمہیں کم از کم یہ سب مجھے پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔ تم سمعان کی خاطر اس کی ماں کو برداشت کر لیتیں، یہ اتنی بڑی بات تو نہ تھی۔" وہ سمجھا رہی تھیں۔ وہ چپ سادھے صرف آنسو بہا رہی تھی۔

"ابھی تین چار دن باقی ہیں۔ بہت بڑی حماقت کی تم نے۔" نوریہ کو رہ رہ کر ملال ہو رہا تھا۔ "اب کیا سوچا ہے تم نے؟" کچھ دیر بعد پوچھا۔

"کیا کروں؟ خود سے جاؤں بھی تو بھی میں جانتی ہوں سمعان احمد کس طرح کا سلوک کریں گے۔ وہ تعلق توڑنے کی بات کر کے گئے ہیں۔"

"تم نے خود ہی سمعان احمد کو اس حد تک جانے پر مجبور کیا ہے مگر..... اچھا پریشان نہیں ہونا۔ سمعان احمد کا نمبر مجھے دو، میں بات کرنے کی کوشش کرتی ہوں شاید کوئی حل نکل آئے۔" زرش نے بیگ میں سے موبائل نکال کر اسے سمعان احمد کا نمبر دے دیا۔ نوریہ نے کئی بار کال کی مگر ہر بار نمبر بند ملا۔

کیا سمعان احمد نے نمبر چینج کر لیا ہے مگر کیوں..... اگر نہیں کیا تو پھر بند کیوں ہے؟ زرش کا دماغ پھر الجھ گیا تھا۔ وہ کچھ دیر وہاں رکی اور پھر گھر آ گئی۔

اگلے دو دن صرف یونیورسٹی جا رہی تھی باقی ہر کسی سے رابطہ ختم کیے سارا وقت گھر کی چار دیواری میں گزار رہی تھی۔ درمیان میں صرف کل کا دن تھا۔ پرسوں فرح اور سعد کی مایوں تھی اور اس سے اگلے دن بارات۔

وہ دن بھی اختتام پذیر ہوا اور اگلے دن کی شروعات بھی وہی تھیں۔ یونیورسٹی سے واپس آئی تو نویرہ آئی بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر موبائل بند رکھنے پر پہلے تو خوب سنائی پھر اس کی مسلسل چپ محسوس کر کے خاموش ہوگئی۔

''زرش تم کراچی چلی جاؤ۔ میں نے بار بار کوشش کی تو سمعان سے رابطہ ہوگیا مگر وہ سرے سے میری بات سننے پر آمادہ ہی نہیں ہے میں نے تمہاری ماما کو کال کی تھی۔ وہ بھی تمہارے نمبر بند کرنے پر پریشان ہیں۔ تمہاری ماما بتا رہی تھیں کہ تمہارے پاپا شادی میں شرکت نہیں کر رہے۔ صرف تمہاری وجہ سے کہ کہیں تم تنہا نہ رہ جاؤ۔'' زرش تب بھی چپ رہی۔

''وہ مجھے کہہ رہی تھیں کہ میں تمہیں آمادہ کروں۔ کل مایوں ہے اور تم کو ہر حال میں لے کر کراچی پہنچوں۔ شارق سے میں نے بات کی تھی وہ ہمارے کراچی جانے پر راضی ہیں۔ ہم لوگ کل چلیں گے۔ کچھ منہ سے بولو۔ کیا سوچ رہی ہو؟'' اسے گم صم دیکھ کر نویرہ نے زور سے کندھا ہلایا۔ تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''کوئی فائدہ نہیں۔ میں سمعان کو آپ سے زیادہ جانتی ہوں وہ میرے جانے کو بھی کسی قابل نہ مانیں گے۔ میں نہیں جا رہی۔'' نویرہ نے بڑی کوشش کی اسے قائل کرنے کی مگر وہ کسی طرح بھی نہ مانی تو اسے اس کے حال پر چھوڑ کر چلی گئی۔

وہ ایک بار پھر بغیر کچھ کھائے پیئے کمرے میں بند ہوگئی۔

اگلا دن اس کے لیے بڑا اذیت ناک تھا۔ پھپھو اور تایا ابو کے گھر سارا خاندان اکٹھا تھا اور وہ یہاں تنہا، خود ساختہ سزا جھیل رہی تھی۔ وہ یونیورسٹی بھی نہیں گئی۔ ہمت ہی نہ ہو سکی تھی۔ ملازمہ اسے کئی بار کھانے کا پوچھ چکی تھی۔ وہ کمرے میں اندھیرا کیے نجانے کب تک اس حالت میں پڑی رہتی اگر نویرہ نہ آجاتی۔

''بہت بُرا کر رہی ہو تم اپنے ساتھ زرش! شارق کو میں نے ٹکٹس لینے بھیجا ہے وہ بس آنے والے ہوں گے۔ تم تیاری کر لو۔ اگر انکار کیا تو میں بہت بُری طرح ماروں گی۔'' آتے ہی وہ کہہ رہی تھیں۔

''کوئی فائدہ نہیں نویرہ آپی!''

''خدا کے لیے اپنی اس مایوسی کی کیفیت سے باہر نکل آؤ اور اٹھ کر نہا دھولو۔'' اس نے اسے زبردستی اٹھا کر واش روم میں دھکیلا۔ نہا کر باہر نکلی تو نویرہ کمرے میں نہ تھی۔ وہ باہر آئی تو شارق بیٹھا تھا۔ معصب ساتھ تھا۔ سلام دعا کے بعد اس نے بتایا کہ ''رات آٹھ بجے کی فلائٹ ملی ہے۔ میرا خیال ہے دس بجے تک ہم کراچی میں ہوں گے۔''

وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

ابھی کافی وقت تھا۔ کھانا کھا کر وہ اپنے گھر چلے گئے تھے، گھر جا کر انہوں نے تیاری کر کے اِدھر ہی آنا تھا۔ وہ تیار ہو کر آئے تو وہ ان کی منتظر تھی۔ ملازمہ کو ہدایات اور امجد کو گھر کا اچھی طرح خیال رکھنے کا کہہ کر وہ نکل آئے تھے۔

فلائٹ وقت پر تھی۔ ساڑھے دس بجے وہ وہاں تھے۔ شارق نے ٹیکسی لے لی اور زرش نے سعود احمد کو کال کی تو پتا چلا کہ سب پھپھو اور تایا کے ہاں ہیں۔ اس نے انہیں نہیں بتایا تھا کہ وہ اس وقت کراچی میں ہے۔ وہ گھر پر ہی تھے۔ اس نے شارق کو پہلے گھر جانے کو کہا تھا۔

پاپا اسے دیکھ کر نا صرف ازحد حیران ہوئے بلکہ خوش بھی ہوئے تھے۔ نویرہ کے ساتھ شارق کو دیکھ کر وہ چونکے تھے۔ نویرہ کی کہانی کچھ اور تھی اور اس کا شوہر.....؟ وہ الجھے تھے۔

شارق نے ہلکے پھلکے انداز میں لڑائی کا بتا کر قصہ ختم کیا تو وہ تیار ہونے چل دیئے تھے۔

زرش بھی اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ کپڑوں کی کمی تو اسے نہ تھی۔ ماما نے اسے فون پر بھی بتایا تھا کہ انہوں نے اس کے لیے تقریب کا علیحدہ سوٹ تیار کروایا ہے۔

مہندی کی مناسبت سے اس نے زرد اور سبز امتزاج کا سوٹ نکال کر پہنا تھا۔ نویرہ نے اسے ہلکا پھلکا میک اپ کر کے جیولری پہننے کو کہا۔

تیار ہو کر وہ پاپا کے کمرے میں آئی تو وہ لاکر میں سر دیئے کھڑے تھے اسے دیکھ کر مسکرائے۔

''تمہاری ماما اور مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔ اسی لیے تو انہوں نے سب کچھ پہلے ہی تیار کر کے رکھا ہوا تھا۔ یہ زیور وہ نکال کر دے گئی تھیں کہ تم پہنچو تو تمہیں دے دوں۔'' انہوں نے اس کا زیور نکال کر اسے تھمایا تو وہ جھینپ گئی۔

ان کے اصرار کرنے پر اس نے ہار، چوڑیاں اور انگوٹھیاں پہن لیں۔

''یہ رکھ لو تمہیں ضرورت پڑتی رہے گی اس کی۔'' باقی کا زیور پوٹلی میں رکھ کر اسے تھما دیا تو اس نے چپ چاپ لے لیا۔

پاپا کے ساتھ تایا کے ہاں جاتے ہوئے اس نے ہار، گجرے اور ایک خوب صورت سا گلدستہ بھی لیا۔

بڑے عرصے بعد وہ تایا کے گھر کی طرف سفر کر رہی تھی۔ پوری دلی آمادگی اور خوشی سے۔ نویرہ، شارق اور معصب ہمراہ ہی تھے۔ وہ اس کے محسن تھے وہ انہیں بھلا گھر کیسے چھوڑ آتی۔ جیسے ہی گاڑی گیٹ کے سامنے رکی، علی جو گیٹ پر تھا چچا اور زرش کو دیکھ کر حیران ہوا اور پھر ایک دم اندر دوڑ لگا دی۔

''زرش آگئی..... زرش آگئی.....''

یہ خبر یہاں سے وہاں تک جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ پھپھو کی فیملی اور مہمان مہندی کی رسم کرنے پہنچ گئے تھے۔ کھانے کے بعد اب رسم کا ہی شور تھا۔ طاہرہ بیگم تو سب چھوڑ چھاڑ کر دروازے تک چلی آئیں۔ زرش کی نگاہ ان پر پڑی تو قدم ساکت ہوگئے۔

''زری! رُک کیوں گئی ہو؟ آؤ.....'' انہوں نے بازو پھیلا کر کہا تھا۔ یہ آواز کتنی مانوس، اجنبی اور ناشناسا تھی مگر وہ تو سب کدورتیں دل سے مٹا کر آئی تھی، اب کچھ بھی سوچنا فضول تھا۔ جھجکتے ہوئے ان کی کھلی بانہوں میں سما گئی۔ وہ رو رہی تھیں بڑی شدت سے۔ زرش بھی رو دی۔ کتنی نفرت تھی دونوں میں مگر اب.....

''مجھے معاف کر دو بیٹی! میں بہت گناہ گار اور خطا کار ہوں۔ میں خود لاہور جانا چاہتی تھی۔ تمہیں

لانے کے لیے مگر سمعان نہیں مانا۔" زرش کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ معافی مانگ رہی تھیں۔ زرش کو اپنا آپ چھوٹا لگا۔

"پلیز تائی امی! ایسی باتیں مت کریں۔ میں سب کچھ بھلا کر یہاں آئی ہوں۔ جو ہوا بھول جائیں۔" ایک دم شرمندہ ہو کر وہ پھر ان کے کندھے سے لگ گئی۔

"اگر ساس بہو کا پیار ختم ہو گیا ہے تو اردگرد بھی دیکھ لو اور لوگ بھی یہاں منتظر ہیں ملنے کو....." زوباریہ بھابی نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے زرش کو گلے لگا لیا۔

"بہت اچھا فیصلہ کیا ہے تم نے۔ بہت اچھا....." وہ کان میں بولی تھیں۔

اس کے بعد وہ تایا ابو، عثمان بھائی اور علی سے ملنے کے بعد آگے بڑھی تو پیلے سوٹ میں فرح کو دیکھ کر والہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھی۔

"مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گی۔" وہ کہہ رہی تھی اور زرش کی آنکھوں میں نمی چھلک پڑی۔

جہاں یقین اتنا مضبوط ہو وہاں وہ کیسے نہ آتی۔

پھپھو، ماما، ہادیہ آپا، نوشین اور دیگر لوگوں سے ملنے کے بعد وہ نویرہ کو ہمراہ لیے اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر میں مہندی کی رسم شروع ہوئی تو اس نے بکے فرح کو تھما کر اس کے بازوؤں میں گجرے سجا کر رسم کا آغاز کیا تھا۔ نویرہ وہاں رومیسہ اور اس کی فیملی کو دیکھ کر بڑا حیران ہوئی تھی اور پھر گفتگو کے بعد تعلق داری واضح ہوئی تو وہ بڑے مطمئن انداز میں ان سب کے ساتھ محو گفتگو ہو گئی۔ عثمان اور علی شارق کو مردانے میں لے گئے تھے۔ رسم مہندی کے بعد ڈھولک کی باری آئی تو سب لڑکیاں اُدھر متوجہ ہو گئی تھیں، وہ بھابی اور فرح اسٹیج پر ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس نے ابھی تک سمعان کو نہیں دیکھا تھا۔ خبر تو سمعان کو مل گئی ہو گی مگر وہ اندر نہیں آیا تھا۔

"سمعان سے ملیں.....؟" بھابی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"بہت خفا ہیں وہ مجھ سے۔" اور زوباریہ یہ جانتی تھی۔

"تم نے بھی اچھا نہ کیا۔ یہاں سب رابطہ کر رہے تھے۔ خاص طور پر تمہیں لینے گیا مگر خیر....." وہ کسی کے بلانے پر اٹھ کر چلی گئیں تو وہ فرح کے پاس ہی بیٹھی رہی۔ فرح کو مہندی لگائی جا رہی تھی، ہاتھ پاؤں پر نہایت خوب صورت ڈیزائن میں۔

دو بجے کے قریب پھپھو کی فیملی اور دیگر مہمان رخصت ہونا شروع ہوئے تو آخر تک گھر کے افراد اور چند دور کے رشتہ دار رہ گئے تھے۔ نویرہ اس کے لاکھ روکنے پر بھی نہیں رُکی۔ وہ ماما پاپا کے ہمراہ شارق کو لیے صبح دوبارہ آنے کے وعدہ پر گھر چلی گئی۔ تھکن سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ اسے بہت کوشش کے باوجود سمعان نظر نہیں آیا۔ وہ مردانے میں ہی مصروف رہا تھا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو وہ بھی بھابی کے گھورنے پر سمعان احمد والے کمرے میں چلی آئی۔ وہ بیگ میں صرف ایک جوڑا رکھ کر لائی تھی۔ باقی سب ماما کے ہاں ہی تھا۔ وہ بستر پر بیٹھ کر کراؤن سے ٹیک لگا کر سمعان احمد کا انتظار کرنے

لگی مگر سمعان کمرے میں آ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ انتظار کرتے کرتے نجانے اس کی کب آنکھ لگی۔

اذان کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تو اسے اپنا جسم اکڑا اکڑا محسوس ہوا۔ گردن کو سیدھا کرتے وہ سیدھی ہوئی تو علم ہوا کہ وہ باقی ماندہ رات یونہی بیٹھے بیٹھے گزار گئی تھی۔ شاید ایک دو گھنٹے ہی سو پائی تھی۔ نائٹ بلب روشن تھا جب کہ لائٹ آف تھی اسے یاد آیا وہ تو سمعان احمد کا انتظار کرتے کرتے سوئی تھی۔ فوراً گردن گھما کر بیڈ کو دیکھا مگر وہ خالی تھا۔ نگاہ اِدھر اُدھر بھٹکتے صوفے پر پڑی تو سمعان کو وہاں محو خواب دیکھ کر ازحد دُکھی ہوئی۔ نجانے سمعان کب آ کر لیٹا تھا۔ وہ اٹھ کر واش روم میں گئی۔ وضو کر کے کمرے میں آ کر اس نے کمبل اٹھا کر بڑی آہستگی سے سمعان احمد پر ڈال دیا۔ پھر نماز پڑھ کر نکل آئی۔ لان کے چکر لگاتے وہ وہیں بیٹھ گئی۔ کافی دیر وہاں بیٹھی رہی گھر کے اندرونی حصے سے آوازیں آنا شروع ہوئیں تو وہ کچن میں آ گئی۔ ماجد جو چائے بنا رہی تھی کہ بھابی بھی آ گئیں۔

"بڑی جلدی اٹھ گئیں تم؟"

"بس جلدی آنکھ کھل گئی۔ چائے پئیں گی؟" بھابی سے پوچھا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

"بھابی ایک کپ چائے پلا دیں۔ سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔ پلیز....."

سمعان کی آواز سن کر وہ پلٹی۔ سمعان بھی اسے وہاں دیکھ کر رُکا۔ وہ جب سے آئی تھی یہ پہلا براہِ راست سامنا تھا۔ سمعان نے اسے نظر انداز کیا۔

"ہاں! بھجواتی ہوں۔ صرف چائے ہی بھجواؤں یا ناشتہ بھی تیار کروا کر بھیجوں۔"

"صرف چائے....." یہ کہہ کر سمعان پلٹ گیا اور زرش کا دل بھر آیا۔

"زرش! سمعان کی بھی چائے لے جاؤ۔" چائے مگوں میں ڈال کر اپنا کپ لے کر وہ نکلنے لگی تو بھابی کے کہنے پر رکی۔

"ماجدہ کو بھیج دیں۔ میرے ہاتھ سے تو وہ شاید چائے لینا بھی پسند نہ کریں۔" یاسیت سے کہہ کر وہ فرح کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ ابھی تک سو رہی تھی۔ زرش کو اس کی نیند پر بڑا رشک آیا۔ کچھ دیر میں وہ اٹھ گئی۔ زرش کو اپنے کمرے میں دیکھ کر مسکرائی پھر ہاتھ منہ دھو کر لوٹی تو زرش اس کی مہندی دیکھ کر خوش ہوئی تھی۔ فرح کو بڑا تیز رنگ آیا تھا۔ ذرا بھی اچھے نہیں لگ رہے تھے فرح کو اس کے سادہ ہاتھ پیر۔ وہ کچن میں جا کر کون لے آئی تھی۔

"مجھے تمہارے یہ سادہ ہاتھ پیر بڑے بُرے لگ رہے ہیں۔ دیکھنا اب میں تمہیں مہندی لگاتی ہوں۔ میری مہندی تو ویسے بھی تمہیں بڑی پسند ہے۔" اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود فرح نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور پھر اسے تب تک نہ چھوڑا تھا جب تک اس کے ہاتھ اور پاؤں پر اپنی مرضی سے مہندی نہ لگا دی۔

"میں ناشتہ کرنے جا رہی ہوں تم آرام سے چاہے تو سو جاؤ یا بیٹھ کر مہندی سکھاؤ۔"

زرش کے بستر پر لیٹ گئی تھی، کچھ دیر لیٹنے کے بعد اسے خود بخود نیند آ گئی۔

❁.....❁.....❁

بارات کا انتظام ہوٹل میں تھا۔ سارا دن سب کا بڑی مصروفیت میں گزرا۔ ہوٹل کے اوقات پانچ سے رات دس بجے تک تھے۔ سو مرد حضرات جلدی ہی تیار ہو کر وہاں چلے گئے تھے۔ زیادہ تر مہمانوں نے ہوٹل ہی پہنچنا تھا۔ بھابی نے اسے فرح کے ساتھ پارلر جانے کا کہا۔

''اس بیگ میں تمہارے اور فرح دونوں کے لباس زیور سب کچھ ہے۔ علی چھوڑ آئے گا جلدی نہا کر نکلو۔'' بھابی کی ہدایت پر وہ واش روم میں گھس گئی۔

علی ان کو پارلر لے آیا۔ فرح کا لباس نکال کر اس نے اپنا سوٹ نکالا تو دیکھ کر حیران ہوئی۔ شلوار قمیص کے بجائے ساڑھی تھی۔

''ہائے فرح! میں یہ کیسے پہنوں گی؟ میں نے تو آج تک ساڑھی نہیں پہنی۔'' وہ پریشان ہوگئی۔

''کوئی بات نہیں، آج پہن لو۔ امی نے بھابی کو کہا تھا کہ اپنے ساتھ ساتھ تمہارے لیے بھی شاپنگ کرلیں۔ انہوں نے آج ساڑھی پہنی ہے۔ سو تمہارے لیے بھی یہی خرید لی۔'' وہ منہ بسور کر رہ گئی۔

بیوٹیشن کی مدد سے اس نے ساڑھی پہن لی اور زیور اس کے بیگ میں ہی تھا۔ بیوٹیشن نے فرح کے تیار ہونے تک اسے بھی تیار کردیا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' فرح نے تعریف کی تو وہ جھینپ گئی۔

فرح دلہن بنی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ٹوٹ کر روپ آیا تھا اس پر۔ زرش گاہے بگاہے سعد کے ذکر سے اسے چھیڑتی رہی تھی۔ ہوٹل پہنچ کر فرح کو کمرے میں پہنچا کر وہ ماما اور نویرہ کے پاس چلی آئی۔

''زبردست..... بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' نویرہ نے دل کھول کر سراہا۔ وہ ہنس دی۔

''سمعان سے کوئی بات ہوئی؟ اب کیسا موڈ ہے؟ ہم لوگوں سے تو نارمل ہی ملے ہیں سمعان احمد تو.....''

''کوئی بات نہیں ہوئی۔'' اس نے آہستگی سے سارا ماجرا سنا دیا۔ نویرہ اسے تسلیاں دیتی رہی۔

بارات آنے کے بعد نکاح اور پھر کھانے تک وہ ماما کے پاس ہی رہی۔ مرد و خواتین کا علیحدہ انتظام تھا۔ رات گئے جب سعد کو اندر لا کر بٹھایا گیا اور ساتھ میں فرح کو تو بھابی نے اسے پاس بلا لیا۔

''ماما نے خاص تاکید کی ہے کہ دودھ پلائی کی رسم تم اور نوشین نے کرنی ہے۔'' انہوں نے جلانے کی وجہ بیان کی اور ساتھ میں طاہرہ کی خصوصی ہدایت بھی بتا دی۔

دودھ پلائی کی رسم بڑے شور ہنگامے میں ہوئی۔ تین ہزار نیگ میں ملے تھے جو طاہرہ کے کہنے پر نوشی اور اس نے آدھے آدھے رکھ لیے۔

رخصتی کے وقت فرح رو دی تو باقی لوگوں کو بھی کنٹرول کرنا مشکل ہوگیا۔ نویرہ اور شارق رومیسہ کے اصرار پر ان کے ہاں چلے گئے۔ گھر واپسی تک بارہ بج گئے۔ سب کا تھکن سے برا حال تھا۔ ماما اور پاپا ان کے ساتھ ہی اِدھر آ گئے تھے جنھیں کچھ دیر رک کر گھر چلے جانا تھا۔ جب کہ نوشی ماموں کے ہاں تھی۔ بھابی کے کہنے پر اس نے چائے بنائی تھی۔ ملازمہ سے سب کو چائے دینے کا کہہ کر وہ خود چینج کرنے

کمرے میں چلی آئی۔

وہ بے دھیانی میں ڈریسنگ روم میں چلی آئی۔ مگر وہاں سمعان کو الماری میں سر دیئے کھڑے دیکھ کر جھجکی۔ سمعان شاید چینج کرنے آیا تھا۔ شرٹ اتاری ہوئی تھی، زرش رُک گئی کہ کیا کرے واپس پلٹ جائے یا آگے بڑھ کر الماری سے اپنا بیگ نکال لے۔ سمعان اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر پھر الماری سے اپنی شرٹ ڈھونڈنے لگا، سمعان کے انداز پر زرش کا دل ایک دم رکا۔

اتنا لاتعلق انداز..... اس کے دل کو کچھ ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر دوسرا پٹ کھول کر اپنا بیگ نکالا تو اونچی ہیل اور ساڑھی کی وجہ سے سمعان کے سامنے وہ کافی زیادہ پزل ہوگئی۔ بیگ نکال کر پلٹی تھی کہ اونچی ہیل پر توازن نہ رکھ پائی اور اس سے پہلے کہ وہ گرتی اس نے قریب کھڑے سمعان کا کندھا تھاما۔ بیگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' سمعان کے غصے پر وہ ششدر رہ گئی۔ سمعان نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا۔ وہ الماری سے جا ٹکرائی۔

آنکھیں ایک دم دھند سے اٹی تھیں مگر وہ خود کو سنبھال گئی۔

''میں آ تو گئی ہوں اب کیوں ناراض ہیں؟'' اس نے بے حد بے چارگی سے کہا۔

''تم اپنی غرض کے لیے آئی ہو، میرے لیے نہیں۔ میں نے تم پر پہلے ہی واضح کردیا تھا کہ تمہارے آنے جانے سے مجھے کوئی غرض نہیں ہوگی۔'' سمعان کے لب و لہجے نے اس کے اوپر بُری طرح اثر کیا۔

''اب تو میں آ گئی ہوں۔ سب کچھ بھلا کر، ساری رنجشیں ختم کر کے۔ آپ اتنے سنگ دل تو نہ تھے میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہیں؟'' اگلے ہی پل وہ رو دی۔

''تم اسی قابل ہو۔'' وہ سمعان کے لب و لہجے پر بے یقینی سے دیکھتی رہ گئی۔ پھر تیزی سے وہاں سے نکل کر بیڈ روم میں آ گئی۔

''وہ کیوں آ گئی تھی۔'' جذباتیت نے اس پر بڑی بُری طرح حملہ کیا۔ وہ سب بھلا کر صرف سمعان کے لیے آئی تھی اور سمعان.....

پھوٹ پھوٹ کر روتے اس نے ہاتھوں کے گجرے نوچ کر پھینک دیئے۔ اسے زیور سے وحشت ہونے لگی۔ بستر پر گر کر سارا زیور نوچ کر بستر پر پھینکا۔

''تم اسی قابل ہو۔'' یہ الفاظ اس کے ذہن و دل پر ہتھوڑے کی مانند برس رہے تھے۔ تکیے پر سر رکھے وہ شدت سے روتی رہی۔

سمعان چینج کر کے روم میں آیا تو پاؤں تلے گجرے آ گئے۔ لب بھینچ کر ایک تلخ نگاہ پھوٹ پھوٹ کر روتے وجود اور ارد گرد بکھرے زیور پر ڈالی۔ وہ سر جھٹک کر باہر نکل گیا تو زرش کو لگا کہ اس کے وجود میں موت در آئی ہے۔ خوب رو کر دل کا غبار نکال کر منہ ہاتھ دھو کر چینج کر کے وہ کمرے سے باہر آئی تو ماما پاپا واپسی کے ارادے سے کھڑے تھے۔ سمعان بھی وہیں تھا۔

"ماما! آپ ٹھہریں میں بھی ساتھ چل رہی ہوں۔" سب نے چونک کر خاص طور پر طاہرہ بیگم نے بغور اس کے روئے چہرے کو دیکھا۔

"کیوں بیٹا؟" وہ ایک دم خوف زدہ ہوئی۔

"میں صبح پھر آ جاؤں گی۔" انہیں مختصراً کہہ کر وہ کمرے میں آ کر اپنا بیگ لے کر ماما پاپا کے ساتھ چلی آئی۔

شائستہ بیگم نے اس کی چپ نوٹ کی تھی مگر ٹوکا نہیں۔ اب وہ چاہتی تھیں کہ وہ اپنا فیصلہ خود کرے۔ اگر آ گئی ہے تو اگلے مرحلے کے بارے میں بھی سوچے۔

❁.....❁.....❁

خوب صورت پھولوں سے سجے کمرے میں دلہن بنی بیٹھی وہ خاصی گھبراہٹ کا شکار تھی۔ کچھ دیر پہلے سبھی گھر والے اس کے گرد جمع تھے مگر اس وقت وہ تنہا تھی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ آنے والی گھڑیوں کا انتظار کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد دروازے پر کھٹکا ہوا تو وہ اندر تک گھبرا اٹھی۔

سعد جمال نے اندر آ کر ایک بھرپور نگاہ اپنے لیے پورے اہتمام سے سجی فرح پر ڈالی۔

"السلام علیکم! بڑے شرمسار لہجے میں کہتے وہ اس کے قریب بیٹھا تو فرح کو اپنا دل ہتھیلیوں میں دھڑکتا محسوس ہوا۔

اس نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔ میرے تصور سے بھی بڑھ کر۔" بڑی محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر بغور دیکھا تو وہ نگاہ نہ اٹھا سکی۔ "خوش ہو؟" فرح نے صرف سر ہلایا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔ اپنی جیب سے مخملیں ڈبیا نکال کر اس نے ایک خوب صورت زنجیر نکالی۔

"اجازت ہے....." اس نے پوچھا تھا۔

اور پھر اس نے وہ زنجیر اس کی گردن میں سجا دی۔

"میں اپنے ربّ کا جتنا بھی شکر ادا کروں وہ کم ہے۔ یقین راستہ ہو تو منزل خود قدم چومتی ہے۔ زرش سے تم تک کا سفر دشوار اور کٹھن ضرور تھا۔ اگر تمہارا سوپنا یقین شاملِ احوال نہ ہوتا تو شاید میں ہمت ہار جاتا۔ تم میرے لیے ربّ کا ایک عظیم تحفہ ہو۔ کچھ بولو گی نہیں؟" وہ نگاہ اٹھا کر اپنی طرف وارفتگی وجذبات کی شدت سے متوجہ وجود کو صرف ایک پل دیکھ پائی تھی۔

"چلو نہ بولو..... آج رات مجھے بولنے دو۔ بلکہ سنو پھر ساری عمر تمہاری ہی سننی ہے۔" فرح کا حیا اور شرم سے گلنار چہرہ دیکھ کر وہ ہنس دیا۔

❁.....❁.....❁

وہ سارا دن ماما کے ہی رہی۔ ولیمے کی تقریب میں وہ ادھر سے ہی شامل ہونا چاہتی تھی اور ساری تقریب میں وہ نویرہ کے ساتھ ہی بیٹھی رہی۔ نویرہ اور شارق صرف دو تین گھنٹے کے لیے تھے۔ گھر میں اماں تنہا تھیں یہ دو دن بھی وہ صرف زرش کی ضد میں رُکے تھے۔ آج بھی ولیمے میں شامل ہونے کا

مقصد یہی تھا کہ زرش کو خدا حافظ کہہ کر واپس چلے جائیں۔

فرح بہت خوش تھی اسے خوش دیکھ کر زرش نے اس کی خوشیوں کے لیے ڈھیروں دعائیں مانگیں۔

نویرہ، شارق اسے خدا حافظ کہہ کر باقی سب سے مل کر گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ سعود احمد کا ڈرائیور ان کو ائرپورٹ تک چھوڑنے جا رہا تھا۔

"کافی اچھے لوگ ہیں۔ ملنسار اور مخلص۔" شارق نے تبصرہ کیا۔

"ہوں....." نویرہ نے مختصراً کہا۔

ڈرائیور ائرپورٹ پر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ چند گھنٹوں بعد وہ لاہور میں تھے۔ گھر آ کر اماں سے مل کر کچھ باتیں کرنے کے بعد وہ کمرے میں چلی آئی۔ شارق چینج کر کے بستر پر دراز تھا اسے آتے دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔ اپنے آپ کو سمجھنے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگنے کے بعد اس نے نویرہ کو بالکل اسی روپ میں دیکھا تھا۔ جس کی اسے آرزو تھی مگر اس کے باوجود اک خلش سی تھی کہ نویرہ کے دل میں نجانے اس کا مقام کیا تھا۔ وہ ابھی تک نہ جان پایا تھا۔

"کہاں چلی ہو؟" الماری سے کپڑے نکال کر وہ پلٹی تو شارق بستر سے اتر کر سامنے آ گیا۔

"چینج کرنے۔" حیران ہو کر شارق کو دیکھا۔

"ابھی رہنے دو..... اچھی لگ رہی ہو..... کچھ دیر تو دیکھنے دو۔" شارق اس کا بازو پکڑ کر بستر پر لے آیا۔ دوسری طرف معصب سو رہا تھا۔ کندھوں پر دباؤ ڈال کر بستر پر بٹھا دیا۔

"تم نے سنبھلنے اور سب بھول جانے کے لیے کچھ وقت مانگا تھا۔ میں انتظار کرتے کرتے تھکنے لگا ہوں۔ نجانے کب تم عام معافی کا اعلان سناؤ گی۔" اس کے لہجے میں بڑا محبت بھرا شکوہ تھا۔

نویرہ کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

شارق نے اس کے کان میں جھولتے آویزے کو انگلی سے چھوا تو وہ پزل سی ہو گئی۔

"مجھے ابھی عشاء کی نماز پڑھنی ہے۔" شارق زمان کی دست و نگاہ کی شوخیوں کو روکنے کا اسے یہی طریقہ سمجھ میں آیا۔

"شوہر کو نظر انداز کرنے والی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ یاد رکھو....." نویرہ ہنس دی۔

"تو شوہر کو خود ہی چاہیے کہ بیوی کو تنگ نہ کرے۔" اس نے شارق کی گرفت سے بازو نکالنا چاہا تھا مگر گرفت بلا کی مضبوط تھی۔

"تم میری شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔" انداز دھمکانے والا تھا مگر وہ بھی نویرہ تھی۔

"میں نے تو کبھی جائز فائدہ نہیں اٹھایا، آپ ناجائز کی بات کرتے ہیں۔" اس نے اس غلط بیانی پر گھورا۔

"ہاں تو کون منع کرتا ہے، میں تو خود منتظر ہوں کہ تم فائدہ اٹھاؤ۔"

"مجھے زیادہ چڑھائیں نا۔ میں نے فائدہ اٹھایا تو سر پر ہاتھ رکھ کر آپ کو ہی رونا پڑے گا۔" اس نے چڑانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ "میں نماز پڑھ کر آتی ہوں پھر بات کریں گے سب جائز اور

ناجائز کی۔"

شارق زمان کی آنکھوں سے مچلتے جذبوں سے گھبرا کر اس نے فوراً بات بدلی۔

"اچھا ایک شرط پر....."

"کیا.....؟"

"تم ابھی یہ لباس نہیں بدلو گی۔ بہت پیاری لگ رہی ہو تم ان کپڑوں میں۔ یوں سمجھو غضب ڈھا رہی ہو۔"

نویرہ ایک دم سرخ ہوئی۔ دل کی دھڑکن کا اور ہی عالم تھا۔

"بولو منظور ہے؟"

"اچھا....." اسے ناچار ماننا ہی پڑا۔

"جاؤ..... کیا یاد کرو گی مگر وعدہ خلافی کی تو یاد رکھنا بہت بُرا کروں گا میں۔"

نویرہ گلنار چہرہ لیے اپنی دھڑکنوں کو سنبھالتی فوراً اُٹھ گئی۔

❁.....❁.....❁

ولیمے کی تقریب بخیریت و عافیت انجام پذیر ہوئی۔ واپسی پر فرح اور سعد رسم کے طور پر ان کے ساتھ آئے۔ طاہرہ بیگم نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ اب شائستہ کے ساتھ نہیں جائے گی بلکہ ان لوگوں کو بھی ضروری کام کہہ کر اپنے ساتھ ادھر ہی بلوالیا۔ تھکن سے بُرا حال ہو رہا تھا اس نے آتے ہی کپڑے بدلے۔ کچن میں آئی تو بھابی اسے یوں صاف چہرہ لیے دیکھ کر چونکی۔

"تم نے کپڑے کیوں بدلے؟ کچھ دیر تو رک جاتیں۔"

"اُلجھن ہو رہی تھی ساتھ میں تھکن بھی۔" انہوں نے چائے بنوالی تھی ٹرے تیار کر کے اسے تھما دی۔

"سب کو دے دو۔ میں یہ لے آتی ہوں۔" انہوں نے دوسری ٹرے تیار کرتے ہوئے کہا تو وہ باہر نکل آئی۔ لاونج میں سبھی براجمان تھے باتیں زور و شور سے جاری تھیں۔ وہ ٹرے ٹیبل پر رکھ کر وہاں سے نکل آئی۔ کچھ دیر اس کا فرح کے ساتھ باتیں کرنے کا ارادہ تھا۔ وہ فرح کو لیے اس کے کمرے میں آ گئی۔ جب کہ سعد لاؤنج میں ہی تھا۔ تھوڑی دیر میں بھابی اور تائی بیگم بھی چلی آئی۔

"میں نے اپنی نفرت میں ہمیشہ غلط ہی سوچا اور سمجھا۔ جب تک نفرت کی پٹی آنکھوں پر بندھی رہی میں یہی سمجھتی رہی کہ تم نے سمعان کو مجھ سے چھین لیا ہے۔ تم سمعان کے ساتھ آباد ہو چکی ہو مگر نفرت کی پٹی آنکھوں سے اُتری تو سارے منظر صاف اور واضح دکھائی دینے لگے۔ بچے دکھی اور رنجیدہ ہوں تو ماں کیسے سکھی رہ سکتی ہے؟ اللہ تمہیں ہمیشہ شاد و آباد رکھے۔ سمعان کو صحت و سلامتی دے۔ سمعان میری ضد پر تمہیں لینے گیا تھا، واپس آ کر اس نے صرف یہی کہا تھا کہ تم نہیں آؤ گی اور تمہیں اس گھر سے کوئی لینے گیا تو وہ یہ گھر چھوڑ دے گا۔ میں چپ ہو گئی۔ تم آ گئی ہو۔ بڑے ظرف والی ہو مگر تمہیں اور سمعان کو اس طرح دیکھ کر دل کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ تم ہماری بچی ہو۔ جانتی ہو۔ کب سے سمعان کے ساتھ ہو کم از کم نوشی کی طرح کوئی خوش خبری تو ضرور ہوتی نا۔" پاس بیٹھ کر وہ جس طرح

بات کر رہی تھیں۔ شرم و حیا سے زرش کا سر جھکتا چلا گیا۔

"شائستہ کو بھی میں نے اسی لیے روک لیا ہے۔ سمعان کو وقتی غصہ ہے۔ سب سمجھا رہے ہیں، پریشان نہیں ہونا۔ زوباریہ! بہن کو تیار کر کے باہر لے آؤ۔ اپنی نفرت کے ہاتھوں بڑے حسین اور انمول پل ضائع کیے ہیں۔ آج میں زرش کو دلہن بنا دیکھنا چاہوں گی۔ ساری غلطیوں کا ازالہ کروں گی۔" وہ محبت سے کہہ کر بہت پیار سے اس کی پیشانی چوم کر باہر نکل گئی تھیں اور زرش ہکا بکا رہ گئی۔

"چلو جی دلہن صاحبہ! جلدی سے اٹھ کر یہ کپڑے چینج کر لیں، خصوصی لباس ہے آج رات کے لیے۔ زیادہ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔" بھابی اس کے انداز پر ہنس رہی تھیں۔

"مگر بھابی.....!"

"فرح! اسے واش روم میں دھکیلو۔ یہ فٹافٹ کپڑے بدل کر آئے۔ اگر مگر بعد میں کر لینا۔"

نار چار اسے بھابی اور فرح کے سامنے ہار ماننا پڑی۔

بڑا خوب صورت کڑھائی والا سوٹ تھا۔ بھابی نے جلدی سے تیار کیا اور زیور اس کا سارا کمرے میں تھا جو فرح نے لا دیا تھا۔ فرح نے بڑی محبت سے اس کے ماتھے پر بندیا سجائی' ایک ایک زیور پہنایا۔

"پلیز یہ رہنے دو....." اسے بہت حیا آ رہی تھی۔ اتنے عرصے بعد اب دوبارہ سے یہ سب ہنگامہ..... اسے بڑا عجیب لگ رہا تھا۔

فرح نے اپنے ہاتھوں میں سجے گجرے اُتار کر اسے پہنا دیئے۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔ سمعان کی آج خیر نہیں۔" بھابی کی چھیڑ چھاڑ پر اسے اپنا دل کنٹرول کرنا مشکل لگ رہا تھا۔

"میں امی کو بلا کر لاتی ہوں۔" فرح محبت سے اس کی پیشانی چوم کر باہر نکل گئی۔ زرش کو اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوتے محسوس ہوئے۔

طاہرہ بیگم کے ہمراہ شائستہ بیگم بھی تھیں۔ ماما کو دیکھ کر اس کا سر جھکتا چلا گیا۔ ٹوٹ کر حیا آئی۔ وہ لوگ اسے لاؤنج میں لے آئیں، سمعان کے ساتھ بٹھانے پر وہ گھبرا گئی۔ اتنے لوگوں کے سامنے اور اوپر سے سمعان کی قربت۔ سمعان اتنا سخت ناراض تھا۔ نجانے کیا ردعمل ہوگا۔ وہ اندر ہی اندر خوف زدہ ہو رہی تھی۔ علی تصویریں لینے لگا۔

"تمہاری تائی بیگم کو تمہیں دلہن کے روپ میں دیکھنے کا بڑا ارمان ہو رہا تھا۔ چلو ان کی خواہش بھی پوری ہوئی۔ خوش رہو..... آباد رہو۔" تایا ابو اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے پیار دے کر کہہ رہے تھے۔

"میں تو سارے ارمان پورے کروں گی اب۔" انہوں نے مخملی کیس سے نہایت قیمتی کنگن نکال کر اس کے ہاتھ میں پہنا دیئے۔ "تمہاری رونمائی کا تحفہ ہے۔ زوباریہ کو بھی دیا تھا۔ یہ تمہارا حصہ ہے۔ دینے میں دیر ہو گئی۔" کنگن پہنا کر بازو کے حصار میں لے کر ساتھ لگا دیا۔ پھر پیشانی چوم لی۔ سعود احمد اور شائستہ دونوں بڑے مطمئن سے تھے۔

"ماشاء اللہ..... اپنی کم فہمی کے ہاتھوں بڑا نقصان اٹھایا۔ خدا تم دونوں کو سدا سلامت رکھے۔" وہ آبدیدہ ہوگئی۔ مگر اگلے ہی پل خود کو سنبھال بھی لیا کہ اعتماد اور خوشی کے پل بڑی مشکل سے خوش قسمتی سے ملتے ہیں۔

سمعان سارا وقت خاموش رہا۔ اس کے سیل پر کال آنے لگی تو وہ معذرت کرتا اٹھ کر چلا گیا۔

"زوباریہ! بہن کو کمرے میں چھوڑ آؤ۔"

پانچ منٹ بعد طاہرہ بیگم کے کہنے پر بھابی نے فوراً اس کا ہاتھ تھاما۔

"ارے تمہیں کیا ہو رہا ہے۔ اتنی سرد ہو رہی ہو۔" بھابی ہنس دی تھیں۔

"بھابی! سمعان بہت سخت ناراض ہیں، دیکھیے گا۔ وہ اس سارے واقعے پر بھی بہت خفا ہوں گے۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوگا، ہمت کرو..... ایک غلطی کر چکی ہو۔ اب سلیقے سے سنبھالو۔ ہم تمہاری مدد یہاں تک ہی کر سکتے تھے۔ وہ تمہارا شوہر ہے۔ شدید محبت کرتا ہے تم سے۔ اب اسے کیسے منانا ہے، یہ تم پر منحصر ہے۔ پریشان نہیں ہوتے۔" کمرے کی طرف آتے وہ مسلسل ہمت بندھا رہی تھیں۔

وہ کمرے میں داخل ہوئیں تو سمعان احمد کو فون پر مصروف پایا۔ ان دونوں کو دیکھ کر سمعان نے کال ڈراپ کی۔

"لو بھئی! سنبھالو اپنی دلہن کو....." بھابی کا انداز بڑا شرارتی ہوا تھا۔

سمعان احمد نے بڑی سنجیدگی سے بھابی اور سجی سنوری زرش کی طرف دیکھا۔

"اس سارے ڈرامے کا مقصد؟" لب و لہجے میں کوئی رعایت نہ تھی، زرش کا دل ڈوب کر اُبھرا۔

"سمعان! صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ بلکہ خوش دلی سے اور بڑے ظرف سے دل میں جگہ دیتے ہیں۔"

"زرش اِدھر بیٹھو....." انہوں نے گھبرائی پریشان زرش کو بستر پر بٹھا دیا اور پلٹ کر سمعان کو دیکھا۔

"جو بھی گلے شکوے ہیں ختم کرو اور کھلے دل سے مسکرا کر نئی خوشیوں کو آگے بڑھ کر خوش آمدید کہو۔ اس کے ساتھ جو بھی ہوا اس کے بعد اس نے جو بھی کیا وہ ردعمل تھا۔ ہاں ایک غلطی کر چکی ہے یہ، مگر تمہیں بھی اس بات کو اَنا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔ یہ لوٹ آئی ہے، اس گھر میں ہے۔ تمہارے حوالے سے ہے تو تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ تم اسے اہمیت دو۔ ورنہ ہم بدھو نہیں جو معاملہ سمجھیں! کوئی زیادتی کی تو تمہاری کھنچائی کرنے میں زرش کا ساتھ دیں گے کہ وہ آخری وقت میں لوٹ تو آئی نا....." سمعان نے صرف سنجیدگی سے انہیں دیکھا اور وہ مسکرا کر کمرے سے نکل گئی۔

سمعان نے زرش کو دیکھا، خوب صورت لباس اور جیولری کے ہمراہ اس روپ میں بہت دلکش لگ رہی تھی۔ سمعان ڈریسنگ روم میں چلا گیا اور کچھ دیر بعد چینج کر کے لوٹا تو انداز کچھ پُرسوچ تھا۔

"غصہ تو مجھے تم پر بہت ہے اتنا زیادہ کہ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ میں تمہیں لینے گیا۔ ایک اس مان اور یقین کے ساتھ کہ اگر واقعی تمہارے نزدیک میری کوئی حیثیت یا اہمیت ہوئی تو تم میرے

ساتھ ضرور آؤ گی۔ مگر تمہارے انکار نے بہت تکلیف دی۔ اتنی تکلیف کہ مجھے اپنے جذبات بس سے باہر ہوتے محسوس ہوئے۔ بہت بُرا کیا تم نے میرے ساتھ۔" واپس کمرے میں آ کر سمعان احمد نے کہا بھی تو لبوں سے شکوہ برآمد ہوا تھا اور زرش کو اپنا وجود ندامت سے جھکتا محسوس ہوا۔ وہ اتنے اچھے انسان کا دل دکھانے کا سبب بنی تھی محض اپنی ضد اور جھوٹی اَنا کے سبب۔

"آئی ایم سوری....." بستر سے اُٹھ کر وہ سمعان احمد کے سامنے کھڑی ہوئی۔ دونوں ہاتھ ندامت سے جوڑتے وہ سخت پشیمان اور شرمندہ لگ رہی تھی۔ "رئیلی سوری!" خوب صورت لباس و زیور سے سجی سنوری وہ اپنی ساری ضد اور اَنا کو فراموش کیے کھڑی تھی۔ اپنی غلطیوں کو قبول کرنے اور سمعان احمد کی ناراضگی ختم کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ سمجھ میں نہ آیا۔

سمعان احمد نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کرتے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ نرم و گداز ہاتھوں کا لمس بڑا دلفریب سا تھا۔ مہندی سے سجے ہاتھ بڑے پر بہار لگ رہے تھے۔ دل میں لاکھ غصہ تھا۔ بے پناہ بدظن سہی مگر اس طرح معافی مانگنے کا کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔

"آپ مجھے لاکھ بُرا بھلا کہہ لیں۔ غصہ کر لیں مگر ناراض نہ ہوں۔ آپ کا یہ انداز مجھے مار ڈالے گا۔" اگلے ہی پل وہ سسک اٹھی اور سمعان کے ہاتھوں پر سر رکھ کر رو دی۔ بھیگے لہجے میں یہ کیسا دلنشیں اقرار ہوا تھا۔ سمعان احمد کو لگا دل میں موجود ساری کثافت دھل گئی ہے۔ گویا برسوں کا انتظار ختم ہوا تھا۔ بس ایک پل لگا تھا حقیقتاً غصہ ختم تھا۔ جس قدر ناراضگی تھی، پل میں دل صاف ہو گیا۔

"میں غلط تھی، اس معاملے میں..... مگر خدا گواہ ہے آپ کو تکلیف دینا مقصد نہ تھا اور جب آپ ناراض ہو کر آئے تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اگر احساس نہ ہوتا تو میں بھلا کیوں آتی؟" وہ شدت سے روئی۔ سمعان کے اندر اس کے شدت سے رونے سے بڑی ہلچل سی ہوئی۔ بڑا انوکھا سا احساس جاگا تھا۔

"زرش..... زری.....!" سمعان احمد نے اسے مضبوط بازو کے حصار میں سمیٹ لیا۔

"ارے..... بس کرو..... ناراض تو میں تھا۔ ناز نخرے تو تمہیں میرے اُٹھانے چاہئیں تھے۔ مگر دیکھ لو تمہیں چپ میں کروا رہا ہوں۔" سمعان نے بڑے دھیمے ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے اس کے تمام دُرخوش آپ اپنے پوروں سے چُن لیے اور زرش وہ تو رونا دھونا بھول کر ساکت و صامت سی کھڑی رہ گئی۔

ایسی محبت..... ایسی وارفتگی.....

سمعان احمد کی دلگیری اسے گنگ کر گئی۔ کیا وہ واقعی اس قدر خوش قسمت تھی۔

"دل تو چاہ رہا تھا کہ تمہیں اتنا ضرور ستاؤں کہ کم از کم تم آئندہ کبھی تم اپنی ضد پر اڑنے سے پہلے ہزار بار تو ضرور سوچو۔ مگر دیکھ لو تمہارے معاملے میں اللہ نے کتنا گداز و مہربان دل دیا ہے۔ اُدھر تمہاری آنکھ سے آنسو نکلا نہیں اِدھر میں ساری ناراضگی بھولا نہیں۔" سمعان احمد کے والہانہ پن لیے انداز، بے شدتوں و بے قراریوں سے گھبرا کر اس نے ایک دم سمعان احمد کے حصار کو توڑتے پیچھے ہٹنا چاہا تھا مگر گرفت میں بلا کی سختی تھی۔

''اوں..... ہوں..... اب نہیں..... بہت صبر کرلیا میں نے اور بہت ستالیا تم نے مجھے۔ بڑا امتحان لیا تم نے میری محبت، میرے خوابوں کا۔ آج میری محبت کی فتح کا دن ہے۔ پہلی بار باضابطہ طور پر تم اس گھر میں ہو۔ میری والدہ اور اپنی ساس صاحبہ کے راضی نامے سے اور بہت سے لوگوں کی موجودگی میں خود چل کر میرے کمرے میں آئی ہو۔ کبھی یہی تمہاری ڈیمانڈ تھیں جو آج تکمیل پا گئی ہیں۔ مجھے روکنا فضول ہے۔'' بے پناہ والہانہ پن سمیٹے، محبت وشدت کا مظاہرہ کرتے سمعان نے اپنے ارادوں کا اظہار کیا تھا اور زرش سر سے پاؤں تک لرز کر رہ گئی۔

''سمعان..... پلیز.....'' وہ لرز کر پیچھے ہٹی اور سمعان کھل کر ہنسا۔ اس کے لبوں سے اپنا نام سُن کر دل میں جلترنگ سے بجے تھے۔ گویا اطراف میں ساز گونج اٹھے ہوں۔

''میں نے تمہیں ایک بار کہا تھا کہ تم اگر میری محبت کی انتہاء دیکھو تو اپنے ہونے پر فخر کرو گی۔ یہ تو اک جھلک ہے۔ ابھی تو پوری فلم باقی ہے، اپنی محبتوں کی۔ اپنے سچے کھرے جذبوں کی بار آوری کی۔'' نہایت شرارت سے کہتے اس کی طرف پیش قدمی کی۔

''جذبے سچے ہوں اور مستقل مزاجی فطرت کا حصہ ہو تو منزل کا حصول قطعی مشکل نہیں رہتا۔ یہ میری محبتوں کی جیت ہے پھر مانتی ہونا۔'' وہ اس طرح کھڑی تھی کہ رُخ آئینے کی طرف تھا، سمعان احمد نے آگے جھک کر پوچھا۔

''سنا تھا کہ اگر محبت ہو اور شدتیں حد سے بڑھ جائیں تو بعض اوقات ان کو زوال آنے لگتا ہے مگر میرا یقین ہے کہ اگر انسان توازن کی راہ پر قائم رہے تو اک دن ضرور محبتوں کی جیت ہوتی ہے۔'' زرش نے صرف ایک پل کو نگاہ اٹھا کر آئینے میں دکھائی دیتے سمعان احمد کے بھرپور عکس کو دیکھا۔

جگر جگر کرتی آنکھیں اور محبت سے گندھا لہجہ۔ اس نے گھبرا کر پلکوں کی چلمن گرالی۔ سمعان نے ہنس کر اس کا رُخ اپنی طرف کرلیا۔

''کچھ نہیں کہو گی۔ آج کے لیے، کوئی لفظ، کوئی جگنو، کوئی اشعار؟'' سمعان چھیڑ رہا تھا اور زرش کوئی جائے فرار نہ پاتے سمعان احمد کے کشادہ سینے میں منہ چھپا گئی اور یہ واقعی سمعان احمد کے سچے جذبوں اور والہانہ محبتوں کی جیت تھی کہ آج سب حالات سازگار تھے۔ یوں کہ وہ سر اٹھا کر پوری دنیا کے سامنے فخر سے جی سکتی تھی۔ محبت اعتدال کے ترازو میں ہی برقرار رہتی ہے ورنہ زندگی بے توازن ہو جائے تو جذبوں کا یہ بے توازن پن ساری زندگی کی خوشیوں کو کھا جاتا ہے اور جذباتیت عمر بھر کا خسارہ جھولی میں ڈال دیتی ہے اگر توازن کا دامن ایک بار ہاتھ سے چھوٹ جائے تو۔

(تمت بالخیر)